

تفسیر مدارک

پا (اُردو)

مدارک التَّزْوِيلِ وَحَقَائِقُ التَّأْوِيلِ

جدداول

مؤلف

الشیخ ابوالبرکات عبداللہ بن احمد بن محمد دمشقی

مترجم

استاذ تفسیر الحدیث مولانا شمس الدین غلام

www.ahlehaq.org

مکتبۃ احیاء السنن

۱۸- اردو بازار لاہور، پاکستان
فون: 37231788 , 37211788

www.ahlehaq.org

جملہ حقوق ملکیت بحق ناشر محفوظ ہیں۔
کاپی رائٹ رجسٹریشن نمبر

نام کتاب تفسیر مدارک للنسفی اردو

تالیف: الشیخ ابوالبرکات عبداللہ بن احمد بن محمد النسفی رحمۃ اللہ علیہ

مترجم اُستاذ تفسیر الحدیث مولانا شمس الدین رحمۃ اللہ علیہ

ناشر خالد مقبول

مطبع لٹل سٹار پرنٹرز

www.ahlehaq.org

ملنے کے پتے

❖ مکتبہ رحمانیہ اقرء سنٹر، غزنی سٹریٹ، اردو بازار، لاہور۔ 7224228

❖ مکتبہ علوم اسلامیہ اقدس سنٹر غزنی سٹریٹ، اردو بازار، لاہور۔ 7221395

❖ مکتبہ جویریہ ۱۸- اردو بازار ۵ لاہور ۵ پاکستان۔ 7211788

استدعا

اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے انسانی طاقت اور بساط کے مطابق کتابت
طباعت، تصحیح اور جلد سازی میں پوری پوری احتیاط کی گئی ہے۔
بشری تقاضے سے اگر کوئی غلطی نظر آئے یا صفحات درست نہ ہوں تو ازراہ
کرم مطلع فرمادیں۔ ان شاء اللہ ازالہ کیا جائے گا۔ نشاندہی کے لئے ہم بے حد شکر
گزار ہوں گے۔
(ادارہ)

عرض ناشر

قرآن مجید و فرقان حمید سراپا معجزہ ہے، اس کے معانی کے ساتھ ساتھ اس کے الفاظ اور اس کی عبارتیں بھی معجزانہ ہیں، قرآن مجید اللہ کی آخری اور وہ عظیم المرتبت اور عالی شان کتاب ہے جسے اللہ رب العزت نے بقاء انسانی کے لیے بطور ضابطہ اور اساس نازل فرمایا۔

قرآن مجید سے پہلے کی کتب سماویہ جو سابقہ امم کو عطا ہوئیں وہ سب تحریف کا شکار ہو گئیں۔ حتیٰ کہ آج ان میں سے کوئی کتاب بھی اپنی اصلی حالت میں موجود نہیں۔ جبکہ یہ قرآن مجید کا اعجاز ہے کہ وہ اپنی اصلی حالت میں ہے اور کیوں نہ ہو کہ اس کے لیے خالق کائنات جل مجدہ نے فرمایا ہے۔

﴿إِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَإِنَّا لَهُ لَحَافِظُونَ﴾

”بے شک ہم نے ہی قرآن کو نازل کیا اور ہم ہی اس کی حفاظت فرمائیں گے۔“

قرآن مجید عربی میں نازل ہوا تھا۔ اس وقت جو لوگ (صحابہ رضی اللہ عنہم) موجود تھے، عربی ان کی مادری زبان تھی۔ اس لئے قرآن کے معانی و مطالب معلوم کرنے میں انہیں کوئی دقت پیش نہ آتی تھی۔ تاہم جہاں کہیں انہیں کوئی اشکال ہوتا تھا۔ وہ خود رسول پاک ﷺ سے دریافت کر لیا کرتے تھے۔ رسالت مآب ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے جہاں دوسرے بہت سے مناصب پر فائز کیا تھا وہاں ایک منصب عالی قرآن عزیز کے مفسر و ترجمان ہونے کا بھی تھا۔

قرآن مجید میں ارشاد ہے کہ

﴿وَأَنزَلْنَا إِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ إِلَيْهِمْ﴾ (النمل: ۴۴)

”اور ہم نے آپ پر قرآن نازل کیا، تاکہ آپ اسے لوگوں پر واضح کریں۔“

چنانچہ تفسیر کا سب سے بیش قیمت سرمایہ تفسیری روایات ہیں جو کہ مختلف کتب حدیث میں منقول ہیں۔

حفاظت قرآن کے وعدہ خداوندی کی تکمیل یوں ہوئی کہ الفاظ کو تو حفاظ نے سینوں میں محفوظ کر لیا اور جہاں تک معانی قرآن کا تعلق ہے تو مفسر اعظم جناب رسول اللہ ﷺ سے لے کر آج تک مفسرین کرام نے ان کی حفاظت میں بھی کوئی کسر اٹھا نہیں رکھی۔ چنانچہ ہر دور میں مفسرین نے اپنے ذوق اور علم کے مطابق چھوٹی بڑی تفاسیر لکھیں۔ بہت سے علوم تفسیر میں گھل مل گئے۔ جیسا کہ نحوی علماء نے تفاسیر لکھیں۔ ان میں نحوی مسائل کو سامنے رکھا مثلاً ابو حیان کی تفسیر البحر المحیط۔ علوم عقلیہ کے علماء نے جو تفاسیر

لکھیں ان میں فلسفہ کو مد نظر رکھا مثلاً امام فخر الدین رازی کی تفسیر کبیر۔ صوفیاء نے علم تصوف پر مبنی تفاسیر لکھیں مثلاً ابن عربی کی تفسیر ابن عربی۔

زیر نظر تفسیر جناب ابوالبرکات عبداللہ بن احمد بن محمود النسفی کی عظیم المرتبت تفسیر مدارک التنزیل وحقائق التاویل المعروف بہ تفسیر مدارک نسفی ہے۔ امام نسفی مسلک حنفی تھے۔ حدیث نبوی ﷺ اور اصول فقہ کے امام تھے اور کتاب اللہ کے بہترین مفسر تھے۔

مکتبہ العلم لاہور کو جو عرصہ دراز سے علوم دینیہ کی اشاعت و ترویج میں بڑی عرق ریزی سے کوشاں ہے اس سے پہلے کتب احادیث سنن ابوداؤد (مترجم)، سنن نسائی (مترجم)، سنن ابن ماجہ (مترجم)، جامع ترمذی (مترجم)، موطا امام محمد (مترجم) اور دلیل الفالحین اردو شرح ریاض الصالحین تفسیر انوار البیان اردو پہلی بار کمپیوٹر کمپوزنگ میں شائع کرنے کی سعادت حاصل ہو چکی ہے۔ اسی طرح الحمد للہ پہلی بار تفسیر مدارک جو کہ فقہ حنفی کی بہترین تفسیر ہے کو اردو قالب میں پیش کرنے کی سعادت حاصل کر رہے ہیں، اس تفسیر میں درج ذیل خصوصیات ہیں

① الفاظ قرآنی کی لغوی اور شرعی تشریح

② ہر آیت کے بارے میں قراء کے اقوال

③ عربی ضرب الامثال کا جا بجا ذکر۔

④ ملحدین کے اعتراضات کے مدلل جوابات۔

⑤ احکام قرآنی کا فقہی استنباط اور متقدمین کے اقوال سے استدلال۔

اس میں قرآنی عربی (کتابت شدہ) لگا کر مشہور مفسر قرآن حضرت مولانا مفتی محمد عاشق الہی صاحب رحمہ اللہ کا ترجمہ لگا دیا گیا ہے جو کہ عام فہم اور آسان ترجمہ ہے۔

آخر میں استدعا ہے کہ اس کتاب کے مطالعہ کے ساتھ ساتھ بندہ کے والدین کو جنہوں نے مجھے قرآن و حدیث کے کام کی طرف نہ صرف رغبت دلائی بلکہ قدم قدم پر راہنمائی بھی فرمائی (جو الحمد للہ ہنوز جاری ہے) ان کو اپنی دعاؤں میں ضرور شامل کریں۔ اللہ جل جلالہ سے دعا ہے کہ اس کتاب کی تیاری میں دامے درمے سخنے شامل ہونے والے تمام احباب کو اللہ تعالیٰ قرآن و حدیث کے کام کی اور زیادہ توفیق و رغبت عطا فرمائے۔

طالب دعا

خادم العلم والعلماء

خالد مقبول

فہرست

۱	حمد و مدح و شکر میں فرق
۱	شکر و مدح کا فرق
۱	رب اور عالین کا معنی
۵۰	طریق استعمال
۱	قیامت کا دن کیا ہے؟
۵۱	عبادت کا معنی
۱	غائب سے خطاب
۵۲	خاص نکتہ
۱	نکتہ
۱	ہدایت و صراط کا مطلب
۵۳	فائدہ تاکید
۱	معروف اشکال
۵۳	مراد غضب اللہ
۱	معنی آمین..... قول ابن عباس
۱	تحقیق لفظ

سُورَةُ الْيَقِينَةِ : ۲

۵۵	حروف مقطعات کی بحث
۵۶	جمہور علماء کا قول
۱	بعض دوسروں کا قول
۱	دیگر بعض کا قول
۵۷	دلیل اعجاز کا دوسرا انداز
۱	تعداد حروف
۵۸	غرض تکرار
۱	طرز میں فرق کی وجہ



سُورَةُ الْكَافِرَاتِ : ۱

۴۳	اسمائے سورت اور ان کی وجوہ
۴۴	تعداد آیات
۱	اختلاف قراء اور ان کے دلائل
۱	دلائل شوافع میں نمبر ۱
۱	دلائل احناف میں نمبر ۱
۴۵	جواب روایت
۱	اصول
۱	عادت مشرکین
۱	ایک اعتراض اور اس کا جواب
۴۶	لفظ اسم کی تحقیق
۴۷	لفظ اللہ کی تحقیق
۱	علماء نحو کا اختلاف
۱	اشتقاق کا معنی
۱	دوسرا قول
۱	اختلاف قراءت
۱	لفظ رحمٰن و رحیم کی تحقیق
۴۸	رحمت کا مطلب
۱	مسئلہ کذاب کے بارے میں شاعر کا قول
۱	نحوی اختلاف رحمان نمبر ۱
۴۹	حمد کی تشریح
۱	مرفوع کی وجہ

ختم وطبع کا نتیجہ	ابتداء میں طرز
معزلہ کا مذہب	دوسرا قول
سمیع کی مراد	ایک اور قول
شیخ ابو منصور رحمہ اللہ کا قول	اسم اشارہ کی تذکیر
عظیم و کبیر کا فرق	المواسم اشارہ کو ملانے کی وجہ
نکرہ لانے کی وجہ	ریب کا مفہوم و معنی
تذکرہ منافقین	الریب کی حقیقت
قول مجاہد	وقف کے متعلق مشہور قول
انسان کی وجہ تسمیہ	تعریف ہدایت
وجہ ذکر ایمان باللہ والیوم الآخرۃ	عنوان کا فرق
ایک نکتہ	تراکیب
رد کرامیہ	انوکھا انداز بلاغت
يُخْدَعُونَ اللّٰهَ	نکتہ عظیمہ
مخادعت کا معنی	الَّذِينَ يُؤْمِنُونَ کی تفسیر
صاحب الوقوف کا قول	اقامت کا مطلب
نفس کی مراد	معنی صلوٰۃ
نتیجہ	انفاق سے مراد
معنی شعور	قاعدہ
مریض	نکتہ
نحویوں کا قول	تذکرہ قرآن و کتب سابقہ
دیگر قراء	قراءت
اصلاح و فساد	علی کی حکمت
ایک قاعدہ	مقدر سوال کا جواب
ایک عبرت	فلاح کیا ہے؟
ایک سوال	عدم عطف کی وجہ
الف لام	قاعدہ
فرق کی وجہ	سبویہ رحمہ اللہ کا قول
نحوی تحقیق	حکمت اور انذار
شیاطین کون	تفسیر ختم

سیبویہ کا قول	۸۰	تعریف خلق	۹۳
استہزاء کا مفہوم	۸۱	دلیل تخلیق	۹۴
الاستہزاء	۸۲	لعل کا استعمال	۹۵
امام زجاج	۸۳	حکمت تدریج	۹۶
ایک سوال	۸۴	نحوی تحقیق	۹۷
مسئلہ بیع تعاظمی	۸۵	معنی ند	۹۸
تجارت کیا ہے؟	۸۶	فائدہ عطف	۹۹
تجارت کارگیری۔ تاجر کافن	۸۷	عبد کی تعریف	۱۰۰
مفہوم آیت	۸۸	نزلنا کی حکمت	۱۰۱
مثال کی غرض اور حقیقت	۸۹	مقولہ کفار	۱۰۲
مثل کا معنی	۹۰	لفظ سورۃ کی تحقیق	۱۰۳
نور وضوء کا معنی	۹۱	فقہاء کی باریک بینی	۱۰۴
وجہ ذکر	۹۲	نحوی تحقیق	۱۰۵
نحوی اشارے	۹۳	شہداء کا مطلب	۱۰۶
تفسیر اول	۹۴	سابقہ آیات سے ربط	۱۰۷
تفسیر دوم	۹۵	دو دلائل	۱۰۸
تشبیہ بلغ	۹۶	کلمہ شک کی وجہ	۱۰۹
لوٹنے کا مطلب	۹۷	فائدہ ایجاز	۱۱۰
دوسری تمثیل	۹۸	ایک سوال	۱۱۱
مراد	۹۹	سابقہ آیات سے ربط	۱۱۲
تشبیہ مرکب	۱۰۰	بشارت	۱۱۳
اولانے کی حکمت	۱۰۱	نحوی تحقیق	۱۱۴
رعد و برق کی حقیقت	۱۰۲	تعریف بشارت	۱۱۵
صاعقہ آسمانی	۱۰۳	ایک اعتراض	۱۱۶
کلمہ اور اذا کا فرق	۱۰۴	مراد صالحات	۱۱۷
سابقہ سے ربط	۱۰۵	ایک اعتراض	۱۱۸
خطاب عام	۱۰۶	جنت کا معنی	۱۱۹
یارب کا مطلب	۱۰۷	تفسیر تجری	۱۲۰
ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول	۱۰۸	الانہار کی وجہ تعریف	۱۲۱

۱۱۵	سبب قول	۱۰۳	ایک نکتہ
"	فائدہ و احوالہ	"	من ابتدائیہ
"	تقدیس کا معنی	"	مشابہت تامہ
۱۱۶	اہم تنبیہ	"	ہ کا مرجع
"	تعلیم اسماء کا مطلب	۱۰۴	مانوس رزق
۱۱۷	استخلاف میں علمی فوائد	"	طہارت کا مطلب
"	نکتہ عجیبہ	۱۰۵	تردید جمیہ
۱۱۸	سجدہ کی حقیقت	"	سابقہ آیات سے ربط
۱۱۹	کونسا مستثنیٰ ہے؟	۱۰۶	حیاء کی اصل تعریف
۱۲۰	جنت کی تحقیق	"	مفہوم ضرب مثل
"	معزلہ کا قول	"	فوقیت کا مطلب
"	نکتہ	۱۰۷	تفسیر فَاَمَّا الَّذِينَ
۱۲۱	لغزش کی وضاحت	"	تفسیر آیت
"	زلہ کے لفظ کی تفسیر	"	نحوی لطائف
۱۲۲	رابطہ کس طرح؟	۱۰۸	معزلہ کا عقیدہ
"	مخاطب کون؟	"	کثرت کا معنی
۱۲۳	محبوب کلام	۱۰۹	مقصد تمثیل
۱۲۴	اتیان کی مراد	"	مؤمن و کافر کے مزاج میں فرق
۱۲۵	تفسیر بنی اسرائیل کی	"	مفہوم فسق
"	انعامات کی مراد	۱۱۱	قطع کی حقیقت
"	فائدہ اضافت	"	تعریف امر
"	اہل اشارہ کا قول	"	نوعیت نقصان
۱۲۶	نحوی تحقیق	"	مقصد استفہام
"	ایک تعریض	۱۱۲	فاء اور ثم کا فرق
۱۲۷	ثمن قلیل کی مراد	"	کفر انوکھا ہے
"	کتمان و لبس کا معنی	"	لام کی حکمت
۱۲۸	رکوع کی مراد	۱۱۳	مراد تسویہ
"	بر کا مفہوم	۱۱۴	سابقہ آیات سے ربط
۱۲۹	وعید یا تبکیت	"	خليفة کی تفسیر

صبر و استقامت	۱۲۸	سبت کی تشریح	۱۲۸
مرجع ضمیر	۱۲۹	مراد متقی	۱۲۹
اللقاء کی تفسیر	۱۳۰	ظروف کا حکم	۱۳۰
معتزلہ کا جواب	۱۳۱	حقیقت واقعہ	۱۳۱
جمع کی حکمت	۱۳۲	ایک سوال و جواب	۱۳۲
سوم کا مفہوم	۱۳۳	وجہ فارض	۱۳۳
سوء عذاب کی مراد	۱۳۴	استفہام و نحو	۱۳۴
فرقان کا معنی	۱۳۵	سرور کیا ہے؟	۱۳۵
قوم سے مراد	۱۳۶	ان شاء اللہ کی برکت	۱۳۶
قتل کا مفہوم	۱۳۷	ہیۃ کا مفہوم	۱۳۷
تین فاء	۱۳۸	تفسیر و ما کا دوا	۱۳۸
دلیل معتزلہ	۱۳۹	وجود فعل سے پہلے نسخ	۱۳۹
وجہ سزا	۱۴۰	ٹالنا کیا ہے؟	۱۴۰
آیت ۵۸	۱۴۱	صرف	۱۴۱
تفسیر طہ	۱۴۲	اضر بوہ کی ضمیر	۱۴۲
اضافہ کا مطلب	۱۴۳	تفسیر آیت ۷۳	۱۴۳
بدلنے کی تشریح	۱۴۴	انداز دلیل	۱۴۴
تفسیر آیت ۶۰	۱۴۵	خصوصی نکات	۱۴۵
پتھر سے مراد کونا	۱۴۶	تنبیہ عجیب	۱۴۶
طعام واحد کا مطلب	۱۴۷	عجیب نکتہ	۱۴۷
بقول کی تفسیر	۱۴۸	تفسیر آیت ۷۴	۱۴۸
تسلط و زلت	۱۴۹	نحوی لطائف	۱۴۹
معنی آیت	۱۵۰	نختی کا بیان	۱۵۰
النبی کی تحقیق	۱۵۱	خشیت کی حقیقت	۱۵۱
حدود سے تجاوز	۱۵۲	تفسیر آیت ۷۵	۱۵۲
نصرانی کی وجہ	۱۵۳	تحریف ان کی عادت	۱۵۳
نحوی تفسیر	۱۵۴	امانی کی تفسیر	۱۵۴
رفع طور	۱۵۵	سابقہ آیات سے ربط	۱۵۵
فضل و رحمت	۱۵۶	ام کی اقسام	۱۵۶

الگ تذکرہ کی وجہ	تفسیر ابن عباس
شدت حرص	ردِ خوارج
ضمیر کا مرجع	تفسیر آیت ۸۲
تفسیر آیت ۹۷	تفسیر آیت ۸۳
حجت باز یہودی	خبر بصورتِ نبی
خصوصیتِ قلب کی وجہ	یتیم کا معنی
جواب شرط بنائیں	قتل و اخراج نفس کی تفسیر
فرقہ شیعہ باطنیہ کا ہدیان	تفسیر شہادۃ
وجہ قراءت	ہو ضمیر کی وضاحت
کتب اللہ سے مراد	چار قول
اعراض کی تمثیل	تفسیر آیت ۸۵
عہدِ سلیمانی میں شیاطین کی حرکات	تفسیر آیت ۸۶
عطف کہاں ہے؟	تفسیر آیت ۸۷
شیخ ماتریدی کا قول	مراد بینات
من گھڑت حکایت کا رد	القدس کا معنی
نحوی حکایت	ایک نکتہ
اہلسنت	غلف کی تفسیر
تفسیر آیت ۱۰۳	قلیل کا مفہوم
کنایت ثواب	معنی استفتاح
راعنا کی وجہ ممانعت	اسم ظاہر کا نکتہ
اقسام من	ان کا معنی
لغوی معنی	پے در پے غضب
شرعی تعریف	تفسیر آیت ۸۱
محل نسخ	مقولہ یہود کا رد
شرط نسخ	صورتِ مطابقت
نسخ کی صورت	پچھڑے کی محبت کا رچنا
تفسیر آیت ۱۰۷	اضافتِ تحکم
تفسیر آیت ۱۰۸ بیجا سوالات کی ممانعت	مشتاقانِ موت
تفسیر آیت ۱۰۹	تہدید کفار

سنن	تفسیر آیت ۱۱۰
سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول	ادعاء یہود و نصاریٰ
مسلمانوں کا مقتدی کا فر نہیں ہو سکتا	باطل تمنا
معزلہ کا قول	مذمت اہل کتاب
ملحی فی الحرم کی دلیل	تفسیر آیت ۱۱۳
مقام ابراہیم (علیہ السلام) کی مراد	توخیخ اہل کتاب
طہارت کا معنی	نحوی تراکیب
بکذا امینا کا مطلب	ایک مسئلہ
تفسیر آیت ۱۲۹	جمع کی وجہ
مراد امت	عاجز اندہ داخلہ کی اجازت
سوال کا مدلل جواب	اشتباہ قبلہ کا حکم
تفسیر آیت ۱۲۹	امام شافعی رحمہ اللہ اور جہت قبلہ
تفسیر آیت ۱۳۰	کل کی نحوی تحقیق
نحوی تراکیب	تفسیر آیت ۱۱۷
مفاہمت کا مفہوم	جلد وقوع کی تمثیل
ملت ابراہیم (علیہ السلام) کا حکم	قول فیصل
تفسیر آیت ۱۳۱	تفسیر آیت ۱۱۸
مرجع ضمائر	تفسیر آیت ۱۱۹
چنا ہوا دین	دو تفسیریں
ثابت قدمی کا حکم	تفسیر آیت ۱۲۰
تفسیر آیت ۱۳۳	یہود کے دخول اسلام سے مایوسی
ام کی اقسام	تفسیر آیت ۱۲۰
ما کی تفصیل	تفسیر آیت ۱۲۱
الہ کو دوبارہ لانے کی وجہ	حق تلاوت کا مطلب
نحوی لطائف	تفسیر آیت ۱۲۲
غیر کی کمائی کا منہ آئے	تفسیر آیت ۱۲۳
حنیف کا مفہوم	بار دیگر لانے کی وجہ
تعریض بر مشرکین	نتیجہ ابتلاء
سبط کی تفسیر	اکثر مفسرین کا قول

دیگر اقوال	۲۲۷
لکیرہ کی تفسیر	۲۲۷
ایمان سے مراد نماز ہے	۲۲۸
توقع رسول اللہ ﷺ	۲۲۸
شطر کا معنی	۲۲۸
واحدی کا قول	۲۲۹
اختلاف قراءت	۲۲۹
عنادی لوگ	۲۲۹
تمنائے یہود کا جواب	۲۳۰
ثبات پر ابھارنا	۲۳۰
خطاب بامت	۲۳۰
تفسیر آیت تفسیر	۲۳۱
الحق کی مراد	۲۳۱
تفسیر آیت ۱۳۸	۲۳۱
مرجع ضمیر	۲۳۲
نسبت کی تفسیر میں اقوال	۲۳۲
دوسرا قول	۲۳۲
تفسیر آیت ۱۳۹	۲۳۳
تفسیر آیت ۱۵۰ وجہ تاکید	۲۳۳
ترک بیت المقدس قوم کی رعایت ہے	۲۳۳
ظالم سے مراد کون؟	۲۳۳
طعن سے مت گھبراؤ	۲۳۳
نحوی تحقیق	۲۳۳
تفسیر آیت ۱۵۱	۲۳۳
کاف کا تعلق ماقبل سے ہے یا مابعد سے	۲۳۳
تفسیر آیت ۱۵۲ ذکر کی بابت چھ اقوال	۲۳۵
تفسیر آیت ۱۵۳	۲۳۵
تفسیر آیت ۱۵۴ شہدائے بدر	۲۳۶
عدم شعور کی تفسیر	۲۳۶

تفسیر آیت ۱۳۶	۲۱۸
مثل کے صحیح مفہوم کی وضاحت میں تین اقوال	۲۱۸
انحراف کا مطلب	۲۱۸
غلبہ اہل کتاب	۲۱۹
ممانعت و وعید	۲۱۹
صبغة اللہ مراد حقیقی	۲۱۹
عطف آمنا پر	۲۲۰
بعض کا قول	۲۲۰
تفسیر آیت ۱۳۹	۲۲۱
ام کونسا ہے؟	۲۲۱
ملت صنیعی کا چھپانے والا ظالم	۲۲۱
ماکبت کا مقصد	۲۲۱



تفسیر آیت ۱۳۲	۲۲۲
سفیہ کی مراد	۲۲۲
قبلہ کا معنی	۲۲۲
درست قبلہ؟	۲۲۲
تفسیر آیت ۱۴۳	۲۲۲
امت وسط کا معنی	۲۲۲
سب سے بہتر قبلہ	۲۲۲
وسط کی تفسیر دوم	۲۲۲
علت امت وسط	۲۲۵
لفظ علی کا راز	۲۲۵
ایک اور تفسیر	۲۲۵
قول شیخ ابو منصور رحمہ اللہ	۲۲۶
القبلہ کی مراد	۲۲۶
نعلم کی تفسیر	۲۲۶
قول شیخ ابو منصور رحمہ اللہ	۲۲۶

سوء و فحشاء کا فرق	معمولی مصائب سے آزمائش
تفسیر آیت ۱۷۰	صبر والے لوگ
تفسیر کا مرجع	کم کا مخاطب
سابقہ آیات سے ربط	تفسیر آیت ۱۵۶
تفسیر آیت ۱۷۱	تفسیر آیت ۱۵۷
مفہوم آیت	رحمت و صلوة کے جمع کی حکمت
نعت و نداء میں فرق	تفسیر آیت ۱۵۸
سابقہ آیات سے ربط تفسیر آیت ۱۷۲	لا جناح سے نفی گناہ
ما قبل سے ربط تفسیر آیت ۱۷۳	● نکتہ فقہیہ
میتہ کی تعریف	● نکتہ فقہیہ
دودم حلال	تفسیر آیت ۱۵۹
نحو و قراءت	مستحقین لعنت
باغی کا معنی	کیا الناس سے مؤمن و کافر دونوں مراد ہیں
اکل بطن کی تشریح	تفسیر آیت ۱۶۲
کلام سے مراد	تفسیر آیت ۱۶۳
تفسیر آیت ۱۷۵	توحید کے دلائل عقلیہ
استفہام توختی	ہواؤں کے پھرنے کا معنی
تفسیر آیت ۱۷۶	عظیم فائدہ
شفاق بعید کا مطلب	موجد و مشرک کا انداز محبت
تفسیر آیت ۱۷۷	اختلاف قراءت
اصلی بر کیا ہے؟	تا قابل بیان حسرت
اختلاف قراءت	تفسیر آیت ۱۶۶
ضمیر کے مراجع	اختلاف قراءت
مسکین کی تعریف	تعریف سبب
یہاں زکوٰۃ سے مراد	تفسیر آیت ۱۶۷
طرز جاہلیت	تفسیر آیت ۱۶۸
مفہوم قصاص	اختلاف قراءت
غصہ کی تحقیق	ظاہری تضاد کا ازالہ
حضرت امام زجاج رحمہ اللہ کا بیان	تفسیر آیت ۱۶۹

اجابت کے رخ	قول جمہور
لباس سے تشبیہ کی وجہ	الاخ لانے کی حکمت
تلاش کا مطلب	دوسرا قول
دھاگے کی مشابہت	دلالت آیت
مسئلہ عجیب	تعدی کی تفسیر
آیت سے ماخوذ مسائل	تفسیر آیت ۱۷۹
ناحق فیصلے کی مذمت	قصص بڑی زندگی ہے
چاند ذریعہ وقت ہے	تفسیر آیت ۱۸۰
طریق انصار	مال کو خیر فرمایا
اختلاف قراءت	وصیت وارث
افعال الہی میں حکمت	تفسیر آیت ۱۸۱
مفہوم آیت میں چار اقوال	تفسیر آیت ۱۸۲
حد سے نہ بڑھنے کا مطلب	خوف کا مطلب
تفسیر آیت ۱۹۱	جنف و اثم کا فرق
وعدۃ الہی	ہر تبدیلی باطل نہیں
فتنہ سے مراد	تفسیر آیت ۱۸۳
اختلاف قراءت	فرضیت روزہ
تفسیر آیت ۱۹۲	روزہ ذریعہ تقویٰ
ظالم سے مراد	حکم مریض
تفسیر آیت ۱۹۳	اختلاف قراءت
تفسیر آیت ۱۹۵	تفسیر و تفسیر
ترک انفاق ممنوع ہے	رمضان کی وجہ تسمیہ
تکمیل کا حکم	قراءت القرآن کا لفظ
احصار کا مفہوم	افطار مرض و سفر میں مباح ہے
مقام ذبح کونسا ہے؟	حکم شکر
نفع اٹھانا کیا ہے؟	عجیب ترتیب
ہدی کے بدلے دس روزے	تفسیر آیت ۱۸۶
فائدہ توقیت	مراد قرب
فسوق کی وضاحت	اختلاف قراءت

تفسیر آیت ۲۱۲	۲۹۵	ایک سوال کا جواب	"
دُنیا کا پسندیدہ بنایا جانا	"	اختلافِ قراءت	۲۸۴
ہر توسعِ نعمت ہے	"	بہترین زادِ راہ	"
تفسیر آیت ۲۱۳	۲۹۶	حج میں تجارت ممنوع نہیں	"
اُمت سے مراد دین ہے	۲۹۷	عرفات جمع ہے	۲۸۵
دوسرا قول	"	دلیل فرضیتِ عرفات	"
بے قراری انتہاء کو	۲۹۹	مشعر حرام کو جمع کہنے کی وجہ	"
اختلافِ قراءت	"	ان مخففہ	"
صراحتِ مصارف میں حکمت	۳۰۰	تفسیر آیت ۱۹۹	۲۸۶
تفسیر آیت ۲۱۶	"	افاضہ کا معنی	"
صفت سے مقصود اظہارِ مبالغہ	"	معانی مانگو	"
اللہ جل شانہ جو فرمائیں کر ڈالو	۳۰۱	تفسیر آیت ۲۰۰	"
تفسیر آیت ۲۱۷	"	طریقہ جاہلیت	۲۸۷
سریہ عبداللہ بن جحش رضی اللہ عنہ	۳۰۲	طریقہ جاہلیت	"
حدیبیہ میں روکنا	"	دُنیا کے طالب	"
پیشینگوئی	۳۰۳	آخرت کی بھلائی	"
آیت کا مطلب	"	نار سے مراد	"
کفر سے مراد ارتداد ہے	"	دُعا کمائی ہے	۲۸۸
استدلال امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ	۳۰۴	سرعتِ حساب	"
تفسیر آیت ۲۱۸	"	تفسیر آیت ۲۰۳	"
واقعہ عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ	۳۰۵	مراد ذکر	۲۸۹
واقعہ عتبان بن مالک رضی اللہ عنہ	۳۰۶	نفی گناہ کی وجہ	"
ارشاد حضرت علی رضی اللہ عنہ	"	دعویٰ محبت سے مقصود دُنیا	۲۹۰
میسر کا مآخذ	"	نحوی لطائف	"
جوئے کے تیر	"	فسادی منافق	"
لین دین کے متعلق سوال	۳۰۷	جاہلی غیرت کی مذمت	۲۹۱
تفسیر آیت ۲۲۰	"	اختلافِ قراءت	۲۹۲
مداخلت برائے احتیاج	۳۰۸	معجزات و دلائل	۲۹۳
تفسیر آیت ۲۲۱	۳۰۹	اسبابِ ہدایت کو گمراہی کے لئے استعمال کرنا	"

جامع العلوم	۳۱۰	تیسری طلاق اور خلع	"
ان سے رشتہ قطع کریں	"	حدود اللہ کی مخالفت	۳۲۲
ان سے موالات واجب ہے	"	نحو و قراءت	"
اعتزال عورت کا دائرہ	۳۱۱	تفسیر آیت ۲۳۰	"
امام شافعی رحمہ اللہ کے ہاں صورت جمع	۳۱۲	خلع طلاق بدل	"
مقصود جماع بقائے نسل ہے	"	تعبیری حکمت	۳۲۳
بلاغت	۳۱۳	تفسیر آیت ۲۳۱	"
تعلیم آداب	"	لفظ اجل کا معنی	۳۲۴
عجیب نکتہ	"	حسن معاشرت کا حکم	"
عرضہ کی تفسیر	۳۱۴	خاتمہ رواج	"
قسم سے متعلق قسم کو چھوڑنا	"	تاکید عمل	"
لام کی دو قسمیں	"	تفسیر آیت ۲۳۲	۳۲۵
تفسیر آیت ۲۲۵	۳۱۵	بلوغ کا معنی	"
یمین لغو	"	عجیب استنباط	"
یمین غموس اور مواخذہ آخرت	"	واقعہ معقل بن یسار رضی اللہ عنہ	۳۲۶
تفسیر آیت ۲۲۶	۳۱۶	تفسیر آیت ۲۳۳	۳۲۷
ایلاء کی تحقیق	"	باپ کی ذمہ داری	۳۲۸
تفسیر آیت ۲۲۷	"	مولود لہ کی تعبیر میں حکمت	"
قول شافعی رحمہ اللہ	"	نحو و قراءت	"
شاندار جواب	۳۱۷	ضرر کی صورتیں	۳۲۹
امر بصورت خبر	"	نسبت میں حکمت	"
قرء بمعنی حیض کی اشارۃ النص سے دلیل	۳۱۸	وارث کی تفسیر	"
اس معنی کے تین دلائل عقلیہ	"	مصنف کا ذوق سلیم	۳۳۰
کتمان کی مراد	۳۱۹	اضافت عدی کا فائدہ	"
لفظ زوج کی حکمت	"	انتظار کا مطلب	۳۳۱
طرفین کے حقوق و قرائن	"	تذکرہ میں لیالی کا لحاظ	"
بالمعروف سے مماثلت فی الاصلاح مراد ہے	"	تفسیر آیت ۲۳۵	۳۳۲
غیر آیت ۲۲۹	۳۲۰	تعریض و کنایہ کا فرق	"
طلاق بدعت	۳۲۱	عزم فعل کی طرح ہے	۳۳۳

۲۲۸	تفسیر آیت ۲۲۸	۲۲۳	تفسیر آیت ۲۲۶
"	صندوق سکنہ	"	انتلاف آیت
"	فرشتے تابوت الے	۲۳۵	غیر مومن کا مہر
۲۲۹	تعداد و لشکر	"	مستقبل کا مہر
۲۵۰	دریاے فلسطین	۲۳۶	سیغوں میں فرق
"	جابر جالوت	"	نکاح کی گرہ والا
۲۵۱	تفسیر آیت ۲۵۰	"	ایک اہم سوال
"	تفسیر آیت ۲۵۱	"	مقام غنہ
۲۵۲	فیصلہ قضاء و قدر	۲۳۷	تفسیر آیت ۲۳۸
"	تذکرہ داؤد علیہ السلام	"	نماز عصر کی عظمت
"	ملک سے مراد	"	تفسیری اقوال
"	فساد کا مطلب	۲۳۸	قنوت قیام ہے
۲۵۳	آیات کا مفہوم	"	تفسیر آیت ۲۳۹
"	ویل سالت	۲۳۹	تفسیر آیت ۲۴۰

پانچواں باب

۲۵۴	تفسیر آیت ۲۵۳	۲۴۰	تفسیر آیت ۲۴۱
"	طاعات میں تفاوت	"	تفسیر آیت ۲۴۲
۲۵۵	بلند درجات سے مراد	۲۴۱	تفسیر آیت ۲۴۳
"	کفر کا مطلب	"	دیار سے مراد
۲۵۶	تردید معتزلہ	"	موت موت میں فرق
"	ثبوت ارادہ	۲۴۲	آبادی بر جہاد
"	تفسیر آیت ۲۵۴	۲۴۳	قرض کہنے کی حکمت
"	عدم تدارک کا دن	۲۴۴	تفسیر آیت ۲۴۶
۲۵۷	دو قول	"	واقعہ بنی اسرائیل
"	تفسیر آیت ۲۵۵	۲۴۵	قصہ خروج بنی اسرائیل
"	نہند و انگھ کا فرق	۲۴۷	دنیا پرستوں کا مزاج
۲۵۸	سب تھانے والے	"	حکم پر اعتراض کی گنجائش نہیں
"	کے بیان بنی اسرائیل کے قول	"	بڑا مایہ

فائدہ سوال	کری کے متعلق اقوال
علم ضروری اور استدلالی کا فرق	بلند اور عزت و جلال والا
پہاڑ کتنے؟	۳۵۹
رابط آیت	فضیلت آیت الکرسی
تفسیر آیت ۲۶۱	۳۶۰
انبیاء کی صورت	وجہ فضیلت
جمع کی وجہ	تفسیر آیت ۲۵۶
احوال پر فیصلہ	ایک روایت
تفسیر آیت ۲۶۲	شاید محسوس سے مثال
من و ایذا کی وضاحت	تفسیر آیت ۲۵۷
خوف و غم کی نفی	نور واحد اور ظلمات جمع لانے کی حکمت
احسان جتانے کا نقصان	۳۶۲
شاندار مثال	شبہات کی دلدل
تفسیر آیت ۲۶۵	استفہام تعجب
مؤمن کے انفاق کی مثال	تفسیر آیت ۲۵۸
مثال کے دور رخ	۳۶۳
تفسیر آیت ۲۶۶	رد و معتزلہ
ثمرات کی مراد	تحقیق نحو و قراءت
ریا کار کی مثال	تلمیس کی قاطع دلیل
تفسیر آیت ۲۶۷	ازالہ وہم
مال تجارت میں زکوٰۃ	تفسیر آیت ۲۵۹
غمض کا مطلب	۳۶۵
روایت سیدنا ابن عباس	دوسرا قول
تفسیر آیت ۲۶۸	قول حسن بیہ
تفسیر آیت ۲۶۹	جمہور مفسرین بیہ کی رائے
فائدہ تنوین	بیت المقدس کا اجڑنا
تفسیر آیت ۲۷۰	جواز اجتہاد
خالم سے مراد کون؟	مشروب کی جنس
تفسیر آیت ۲۷۱	دو طریق اشتقاق
ارشاد مفسرین بیہ	گدھے کی سواری کا جواز
	شأن ہ مطلب
	ہدیاں کس کی؟
	والالت کی وجہ سے حذف
	تفسیر آیت ۲۶۰

۳۸۲	اختلاف قراءت	۳۹۸	اظہار اعتقاد
۳۸۳	تفسیر آیت ۲۷۲ ہدایت ذمہ ہونے کا مطلب	۳۹۹	ایک سوال
۳۸۴	تفسیر آیت ۲۷۳ اَصْحَابِ صَفْحِ الْجَمَاعَت	۴۰۰	نسبت کی تین وجوہ
۳۸۵	تفسیر آیت ۲۷۴ اَصْرَارِ سَوَال کی مذمت	۴۰۱	تفسیر آیت ۲۸۴
۳۸۶	تفسیر آیت ۲۷۵ رِیَاسِ الْہٰی میں خرچ کے حریص	۴۰۲	مواخذہ کی حقیقت
۳۸۷	مجنون و خطی کی مثال	۴۰۳	عزم کا حکم
۳۸۸	نحوی نکات	۴۰۴	قول محققین
۳۸۹	رباء سے محبت کا حال	۴۰۵	صاحب کشف کا قول
۳۹۰	باطل قیاس کا رد	۴۰۶	نحو و قراءت
۳۹۱	حرام کو حلال ماننا کفر ہے	۴۰۷	تکلیف کا مطلب کفایت ہے
۳۹۲	تفسیر آیت ۲۷۶	۴۰۸	کسب و اکتساب کا فرق
۳۹۳	تفسیر آیت ۲۷۷	۴۰۹	اختلاف معتزلہ
۳۹۴	ایک سوال	۴۱۰	اصر کی مراد
۳۹۵	تفسیر آیت ۲۸۰	۴۱۱	آیت کی فضیلت
۳۹۶	تفسیر آیت ۲۸۱		
۳۹۷	آخری آیت		
۳۹۸	تفسیر آیت دین		
۳۹۹	دو وجوہ		
۴۰۰	استنباطی مسائل		
۴۰۱	امین کا تب کی تعریف		
۴۰۲	مدیون کی املاء اقرار ہے		
۴۰۳	شروط گواہی		
۴۰۴	اختلاف قراءت		
۴۰۵	تفسیر		
۴۰۶	قراءت و نحو		
۴۰۷	نقد میں گواہی		
۴۰۸	دو قراءتیں اور مراد نبی		
۴۰۹	تفسیر آیت ۲۸۳		
۴۱۰	ارشادی حکم		

سُورَةُ الْاَنْعَامِ

۴۰۳	تفسیر تفسیر آیت ۲۱
۴۰۴	انتقال حرکت کا مسئلہ
۴۰۵	نزل اور انزل کا فرق
۴۰۶	تفسیر آیت ۴
۴۰۷	فرقان کی مراد
۴۰۸	اللہ تعالیٰ ہر ایک کی حالت سے واقف ہے
۴۰۹	وفد نجران کی آمد
۴۱۰	مشابہات کی توضیح
۴۱۱	اہل بدعت کا طرز عمل
۴۱۲	مشابہ کے نزول کا فائدہ
۴۱۳	ترغیب دعا
۴۱۴	اللہ ہونا اور وعدہ خلافی متناوہیں
۴۱۵	نحو و قراءت

۴۳۲	بے وقت پھل کی تمنا	۴۱۲	سوال مقدر کا جواب
۴۳۳	مصدق کلمۃ اللہ	۴۱۳	ذریعہ شہوات و شہوات کہا
۴۳۴	انسانی گفتگو میں زبان کا اللہ کی قدرت سے رکنا	۴۱۴	لطیف نکتہ
۴۳۵	منفرد فضیلت	۴۱۵	وجہ تخصیص
۴۳۶	مرتبہ جماعت	۴۱۶	صفات صالحین
۴۳۷	اقلام کی مراد	۴۱۷	تخصیص سحر کی وجہ
۴۳۸	مکتب ایک عظیم لقب	۴۱۸	سب سے بڑی شہادت
۴۳۹	کلام مہد و سہولت	۴۱۹	نحوی تحقیق
۴۴۰	قرأت و نحوی تحقیق	۴۲۰	نحوی تحقیق
۴۴۱	معجزات عیسوی	۴۲۱	آیت کی فضیلت
۴۴۲	بعض حلال کردہ اشیاء	۴۲۲	اصل سبب اختلاف
۴۴۳	تکذیب کے وقت معاونت کی اپیل	۴۲۳	مجادلین خاص و عام
۴۴۴	مکر کا معنی اور اس کی اضافت کا حکم	۴۲۴	استنبہام تو بخنی
۴۴۵	متوفیک کی تفسیر	۴۲۵	قتل انبیاء و زہاد
۴۴۶	پیر و کار کی مراد مسلمان	۴۲۶	کتاب یا نبی فیصلہ کرے
۴۴۷	عجیب کی عجیب تر سے تشبیہ	۴۲۷	تفسیر آیت ۲۴
۴۴۸	عیسائیوں کے ساتھ دلچسپ مکالمہ	۴۲۸	اسم جلالی کی خصوصیت
۴۴۹	ایک نحوی تحقیق	۴۲۹	یہود کے تعجب کا جواب
۴۵۰	دعوت مہابلہ	۴۳۰	لطیف تفسیر
۴۵۱	اہم سوالات کے جوابات	۴۳۱	دلائل قدرت
۴۵۲	ارباب کا معنی	۴۳۲	موالات کفار کی ممانعت
۴۵۳	رد نصاریٰ کا دیگر انداز	۴۳۳	یوم کا فائدہ
۴۵۴	نحوی تحقیق	۴۳۴	مروف کی رافت
۴۵۵	ابراہیم علیہ السلام کے قریب ترین	۴۳۵	محبت کی حقیقت
۴۵۶	یہود کے طرز عمل کی مذمت	۴۳۶	آل عمران کی مراد
۴۵۷	منکرین نبوت کو خطاب	۴۳۷	حجۃ کا تذکرہ
۴۵۸	تفسیر آیت ۱۷	۴۳۸	حسرت پر تسلی
۴۵۹	یہود دیا نہ چال	۴۳۹	اعلیٰ قبولیت کا راز
۴۶۰	یہود کا جھوٹا زعم کہ تورات جیسی کتاب کسی کو نہیں مل سکتی	۴۴۰	محراب سے مراد

- تفسیر پہلا مطلب -----
- دوسرا معنی -----
- تفسیر معنی و مطلب -----
- شاہی اعلان ----- ۴۵۵
- یہود میں امین اور خائن طبقہ -----
- دعویٰ بے گناہی کی تردید ----- ۴۵۶
- تاریکین خیانت اللہ کو پسند ہیں -----
- ایک اور یہودی چال ----- ۴۵۸
- معبودیت مسیح کا رد -----
- ربانی کون ہیں؟ ----- ۴۵۹
- علم والے ہو تو عمل والے بنو -----
- تفسیر کوئی میں تاکید کے لئے لائے -----
- قرأت رفع کا معنی ----- ۴۶۰
- تذکرہ میثاق النبیین اور دو تفسیریں -----
- تاکید برائے احتیاط مزید ----- ۴۶۱
- دین اسلام کے ہوتے اور دین کی طب نہیں ہو سکتی ----- ۴۶۲
- نحو و قرأت -----
- لطیف نکتہ ----- ۴۶۳
- ایک محل نظر قول -----
- مرتدین کا حکم ----- ۴۶۵
- بے ڈھنگے ہدایت سے محروم رہتے ہیں -----
- توبہ کا فائدہ ----- ۴۶۶
- کفر پر اصرار کرنے والے کی بوقت موت توبہ قابل قبول نہیں -----
- کفر پر موت قبولیت فدیہ سے مانع ہے -----
- پانچواں باب
- محبوب ترین چیز کا صدقہ ----- ۴۶۸
- یہود کے اعتراض کا جواب ----- ۴۶۹
- حق ناشناس ظالم ہے ----- ۴۷۰
- کذب یہود پر تعریض -----
- پہلی عبادت گاہ کعبہ ہے -----
- مکہ کا نام بکہ ہے ----- ۴۷۱
- کعبہ خود نشانات میں سے بڑا نشان ہے -----
- نشان قدم مبارک ----- ۴۷۲
- حرم امن کی مراد -----
- ملت مسلمہ کا اقرار ----- ۴۷۳
- لطیف نکتہ -----
- تارک حج پر اللہ غضبناک ہے -----
- اللہ کی راہ سے روکنے پر وعید ----- ۴۷۴
- شاس بن قیس یہودی کی شرارت ----- ۴۷۶
- استنبہام تعجبی ہے -----
- حق تقویٰ کامل اطاعت ہے -----
- اعتصام بحبل اللہ کا حکم ----- ۴۷۷
- اجماع امت کو مضبوطی سے پکڑو -----
- گرنے والے گڑھے کا کنارہ جہنم -----
- امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی اہمیت ----- ۴۷۹
- تفرقہ تو یہود و نصاریٰ کی خصلت ہے -----
- ایمان کے بعد کفر کرنے والے مرتد منافق و اہل کتاب ----- ۴۸۰
- اللہ جل شانہ بلا جرم گرفتار نہیں کرتے -----
- اہم تنبیہ -----
- بہترین امت کا لقب ----- ۴۸۱
- اہل کتاب کا ریاست کو ترجیح دینا قابل افسوس ہے -----
- کفار کی معمولی ایذا میں تو رہیں گی ----- ۴۸۲
- اہل کتاب کی عدل والی جماعت ----- ۴۸۴
- مزید اعلیٰ خصائل کا تذکرہ -----
- مخصوص صفات کی وجہ ----- ۴۸۵
- خیر کے بدلے سے کبھی محرومی نہیں -----
- کفار کو مال و اولاد کچھ کام نہ آئیں گے ----- ۴۸۶

- ۵۰۰۔ غصہ پینے والے کا مرتبہ -----
- ۵۰۱۔ معافی کی فضیلت -----
- ۵۰۱۔ تائب پر شیطان کا نالہ -----
- ۵۰۲۔ عدم اصرار کا فائدہ -----
- ۵۰۲۔ بخشش کے مستحقین -----
- ۵۰۳۔ سنن کی مراد و قاع -----
- ۵۰۳۔ تکالیف اُحد پر تسلی -----
- ۵۰۳۔ علو کی تفسیر -----
- ۵۰۴۔ تسلی مؤمنین -----
- ۵۰۵۔ تبادلہ کی حکمت اول -----
- ۵۰۵۔ تبادلہ کی حکمت دوم -----
- ۵۰۶۔ جنت میں داخلہ بلا جہاد و مجاہدہ نہیں -----
- ۵۰۶۔ تمنائے موت پر توبیح -----
- ۵۰۸۔ خبر شہادت رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کے تاثرات کا ازالہ -----
- ۵۰۸۔ ہر ایک کی موت مشیت سے ہے -----
- ۵۰۹۔ جہاد میں دشمن کے سامنے عجز و ذلت ظاہر نہ ہونے دو اور نہ ہی سستی کرو -----
- ۵۱۰۔ میدان جنگ میں دُعا مستغل ہتھیار ہے -----
- ۵۱۰۔ طالبین آخرت محسنین ہیں -----
- ۵۱۱۔ کفار کی عدم موافقت تمام مسلمانوں پر لازم ہے -----
- ۵۱۱۔ القائے رعب سے مکہ والے قوت کے باوجود بھاگ گئے -----
- ۵۱۳۔ واقعہ اُحد اور روایات -----
- ۵۱۳۔ مسلمان کیلئے ابتلاء و نصرت دونوں رحمت ہیں -----
- ۵۱۵۔ غم بالائے غم دیا -----
- ۵۱۶۔ مؤمنوں پر اونگھ کا نزول -----
- ۵۱۷۔ مؤمن و منافق کے طرز عمل میں فرق -----
- ۵۱۸۔ دلی روگ کا چا پلوسی سے اظہار -----
- ۵۱۸۔ بہر حال فیصلہ تقدیر نافذ العمل ہے -----
- ۵۱۸۔ تذکرہ لغزش اور لطف و قرب میں اضافہ -----
- ۳۸۷۔ دنیوی زندگی میں کفار کے خرچ کرنے کی مثال -----
- ۳۸۷۔ منافق کی دوستی سے ممانعت -----
- ۳۸۸۔ انجبال -----
- ۳۸۸۔ منافقین کے بغض کی شدت -----
- ۳۸۹۔ توبیح مؤمنین -----
- ۳۸۹۔ منافقین سے موالات کی غلطی -----
- ۳۸۹۔ کلمہ بدو عا -----
- ۳۸۹۔ اللہ جل شانہ منافقین کے تمام افعال و اقوال سے واقف ہے -----
- ۳۹۰۔ دشمن کی مکاریوں پر صبر و تقویٰ کا دامن تھام لو -----
- ۳۹۱۔ غزوہ اُحد کو روانگی بدھ کے روز -----
- ۳۹۲۔ بنو حارثہ و بنو سلمہ کے ساتھ اللہ کی ولایت -----
- ۳۹۳۔ بدر کی یاد دہانی -----
- ۳۹۳۔ قلت کی کیفیت -----
- ۳۹۳۔ دوسرا بدل -----
- ۳۹۳۔ استفہام انکاری -----
- ۳۹۳۔ فوری و کافی مدد -----
- ۳۹۵۔ نشان دار گھوڑے -----
- ۳۹۵۔ فرشتوں کی مدد صرف بشارت فتح ہے -----
- ۳۹۵۔ قتل کفار کی بشارت -----
- ۳۹۶۔ تمام اختیارات کا مالک صرف اللہ تعالیٰ ہی ہے -----
- ۳۹۶۔ اللہ تعالیٰ کی مغفرت عامہ -----
- ۳۹۷۔ سود کی مذمت -----
- ۳۹۷۔ سب سے زیادہ خوف والی آیت -----
- ۳۹۸۔ اللہ کی رضا میں وقار و بلندی ہے -----
- ۳۹۸۔ مفسرین پیسید کا ارشاد -----
- ۳۹۸۔ مسارعہ مغفرت و جنت -----
- ۳۹۹۔ روایات جنت کی عمدہ تطبیق -----
- ۳۹۹۔ قراءت و نحو -----
- ۳۹۹۔ ایک سوال کا جواب -----

منافقین شیطان کے دوست ہیں ----- ۵۳۲

نقصان کے بیان کا ایک بلیغ انداز ----- ۵۳۳

ارادہ کفر پر ثواب سے محرومی ----- ۵۳۴

جملہ مستانفہ ماقبل کی علت ہے ----- ۵۳۵

رسولوں کو کسی کے دل کے نفاق و اخلاص کی خبر وحی سے ----- ۵۳۶

تردید فرقہ باطنیہ ----- ۵۳۷

منکرین زکوٰۃ کا انجام ----- ۵۳۸

یہود کا بدترین جارحانہ مقولہ ----- ۵۳۹

ید کی اضافت آلہ عمل کی وجہ سے ----- ۵۴۰

یہود کا باطل دعویٰ ----- ۵۴۱

ہر دو معجزات کے باوجود تم نے انبیاء (علیہم السلام) کو کیوں قتل کیا؟ ۵۴۲

تسلیہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ----- ۵۴۳

تکذیب پر غم نہ کریں، مطلق کامیابی کی جگہ آخرت ہے ----- ۵۴۴

شدائندہ کے عادی بنو ----- ۵۴۵

نفس جو آنکھوں سے نظر آئے ----- ۵۴۶

کتمان حق، حق فروشی کی ممانعت ----- ۵۴۷

علمائے کرام کی ذمہ داری ----- ۵۴۸

یہود مدلسین اور ریاکاروں کو تنبیہ ----- ۵۴۹

ملکیت عامہ سے یہود کی مذمت ----- ۵۵۰

دلائل عقلیہ سے قدرت و عظمت باری کا اثبات ----- ۵۵۱

مخلوق میں غور و فکر عبادت ہے ----- ۵۵۲

حقیقی رسوائی ہمیشہ دوزخ میں رہنا ہے ----- ۵۵۳

بڑے منادی کی نداء ----- ۵۵۴

شیخ ماتریدی کا قول ----- ۵۵۵

وعدہ والوں میں شمولیت کی دُعا ----- ۵۵۶

کالمین کے ساتھ شرکت کا وعدہ ----- ۵۵۷

استقامت علی الحق کا لطیف انداز ----- ۵۵۸

فانی بہر حال قلیل ہے ----- ۵۵۹

مستقین کو خلود والی نعمتیں ملیں گی ----- ۵۶۰

۵۱۹۔ حَسْرَتِ ناک قول کی ممانعت

۵۲۰۔ لام کا تعلق لا تکونوا یا قالو سے

" یہ مغفرت و رحمت لاکھوں زندگیوں سے بہتر ہے ۔"

۵۲۱۔ جس کو مقصود ملا اُس کو زاد کی ضرورت نہیں

" لطیف کلتہ "

" رحمت و شفقت دونوں جمع کر دیں "

۵۲۲۔ اہمیت مشورہ

" جواز اجتہاد ۔"

۵۲۳۔ خبردار اللہ پر توکل مت توڑو

" مقام نبوت غلول (خیانت) کے منافی "۔

۵۲۴۔ بعض روایات کا تذکرہ۔

" مؤمن و کافر برابر نہیں "۔

۵۲۵۔ ثواب و عذاب میں تفاوت ہے

" تصدیق کے لئے آسانی کردی "۔

۵۲۷۔ تین نحوی تراکیب

" غزوۃُ احد قضاء کا فیصلہ ہے ۔"

" یہ جنگ نہیں ہلاکت ہے ۔"

۵۲۸۔ قول وفعل میں تضاد

" ابن ابی کامقولہ ۔"

" تین تراکیب نحو یہ ۔"

" اپنے کو موت سے بچا کر دکھاؤ ۔"

۵۲۹۔ شہداء کا پہلا انعام (بدلہ)

" شہدائے احد کا تذکرہ ۔"

۵۳۰۔ کیفیت حیات

" ترغیب الی الشہادة ۔"

" بشارات فضل وانعام ۔"

۵۳۱۔ غزوۂ حمراء الاسد کا تذکرہ

۵۳۲۔ غزوۂ السويق کا تذکرہ اور صحابہ رضی اللہ عنہم کی جاٹاری

۵۳۳۔ بدر سے سلامت واپسی

۵۶۷	تفسیر آیت ۸
"	دستور کی بات
"	تفسیر آیت ۹
۵۶۸	اوصیاء کو نصیحت
"	آگ کھانے کا مطلب
۵۶۹	تفسیر آیت ۱۱
"	لڑکے لڑکی کا حصہ
۵۷۰	دو لڑکیوں کا حصہ
"	دو ملٹ سے کم نہ ہوگا
۵۷۱	فائدہ بدل
"	بطور فرض حصہ
"	ماں باپ کا حصہ
"	ایک صورت
"	ایک اور صورت
۵۷۲	فرض و وصیت مقدم
"	تقدیم دین کی حکمت
"	آیت کا مطلب
۵۷۳	جملہ معترضہ
"	تفسیر آیت ۱۲
"	میاں بیوی کی وراثت
۵۷۴	کالاہ کی میراث
"	ضمیر مفرد کی وجہ
ورثاء کی اقسام	
۵۷۵	نمبر ۱۔ اصحاب فراغ
"	ماں کے بیٹے
۵۷۶	دادا
"	ماں
"	دادی
"	قاعدہ

"	تین تراکیب
۵۵۴	نحوی تحقیق
"	صبر و تقویٰ کا میابی کا راز ہے
۵۵۵	فضیلتِ سورت
سُورَةُ النِّسَاءِ ۴	
۵۵۶	صورتِ تخلیق
۵۵۷	ایک سوال کا جواب
"	کامل نعمت کا شکریہ
۵۵۸	نحوی تحقیق
"	تفسیر آیت ۲
"	یتیم کا معنی
"	آیت کا مطلب
"	خبث کی مراد
۵۵۹	نحو و صرف
"	تفسیر آیت ۳
"	طاب کا معنی حلال
۵۶۰	ایک سوال نکاح میں اعداد کے تکرار کی حکمت
"	ایک تفسیر عجیب
۵۶۱	حسن ادا یگی مہر
"	طیب نفس لازم
۵۶۲	اباحت میں مبالغہ
۵۶۳	اموال کی حفاظت کرو
۵۶۴	معروف و منکر کا فرق
"	تفسیر آیت ۶
"	عاقل مجاز تجارت ہے
۵۶۵	آیت کا مطلب
"	حد اعتدال سے تجاوز نہ کرو
۵۶۶	تفسیر آیت ۷
"	واقعہ ام کی

۵۸۷	تفسیر آیت ۲۳ بیان محرمات	زوج	"
۵۸۸	عمات سے مراد	زوجہ	"
"	حرم رضاعت	العصبات	"
"	عقد کی محرمات	ذوی الارحام	۵۷۷
"	جوہر کی قید کا مطلب	تفسیر آیت نمبر ۱۳	"
۵۸۹	اصلاب کی قید سے متنبیٰ کو خارج کیا	تفسیر آیت ۱۴	"
"	رضاعی بیٹے کی بیوی بھی محرمات سے ہے	لفظ و معنی کا لحاظ	"
"	امام محمد پیسہ کا قول	تردید خوارج	۵۷۸
پانچواں باب		تفسیر آیت ۱۵	"
۵۹۰	تفسیر آیت ۲۴	سمیل کی وضاحت	۵۷۹
"	لوٹنیوں کی حلت	تفسیر آیت ۱۶	"
۵۹۱	لطیف استدلال	اولی حد زنا	"
۵۹۲	تفسیر آیت ۲۵	تین اقسام حد	"
۵۹۳	روایت ابن عباس رضی اللہ عنہما	اعتراف ابن حجر پیسہ	۵۸۰
"	بلائل مٹول مہر ادا کرو	تفسیر آیت ۱۷	"
"	یہاں محصنات سے غیر شادی شدہ عورتیں مراد ہیں	جہالت کی قید کا فائدہ	"
۵۹۴	العنت کا معنی	ترغیب توبہ	۵۸۱
۵۹۵	تفسیر آیت ۲۶	تفسیر آیت ۱۸	"
"	تفسیر آیت ۲۷	طریق جاہلیت کا خاتمہ	۵۸۲
"	شہوت پرستوں کا مقصد	فائدہ مہمہ	۵۸۳
۵۹۶	تخصیص تجارت کی وجہ	بدسلوکی میں اجازت خلع	"
"	قتل نفس کیا ہے؟	منہوم و مطلب	۵۸۴
۵۹۷	کہاڑتین ہیں	تفسیر آیت ۲۰ ایک جاہلانہ روش	"
۵۹۸	سورہ نساء کی آٹھ آیات ساری دنیا سے بہتر	تعریف بہتان	۵۸۵
"	معتزلہ کا استدلال	تفسیر آیت ۲۱	"
"	شرک کی معافی اللہ کی مشیت میں ہے	احناف کی دلیل	"
۵۹۹	بیجا تمنا کی ممانعت	پختہ وعدہ کی مراد	"
"	تقسیم ربانی پر راضی رہو	باپ کی موطوءہ حرام ہے	۵۸۶
		اللہ کی ناراضگی و ناپسندیدگی	"

۶۱۲	شرط میں چار اشیاء	۶۰۰	حسد و رشک میں فرق
"	معنی صعید	"	درجہ بمطابق عمل
۶۱۳	تفسیر کے معنی کی وضاحت	"	اللہ سے سوال میں خجل
۶۱۴	تفسیر آیت ۴۵	۶۰۱	اہل عقود کو وصیت سے حصہ ملے گا
"	تحریف مواضع کی مثال	"	اسباب فضیلت
۶۱۵	کلمہ مدح و قدح	۶۰۲	عورتوں کی تقسیم
"	مراد را عنا	۶۰۳	کنایہ ترک جماع
"	حق کو باطل کی طرف موڑنا	"	اللہ کی عظمت کا خیال کرو
۶۱۶	طمس وجوہ کا معنی	"	تفسیر آیت ۳۵
۶۱۷	دو میں سے ایک عذاب	۶۰۴	ضمیر کا مرجع
"	شرک مغفور بالتوبہ	"	ضمائر کے مراجع اور اصلاح ذات البین
۶۱۸	محبوب ترین آیت	۶۰۶	خلاصہ عبودیت اور احکام شرعیہ
"	معتزلہ کا قول اور اس کا جواب	"	ہم مجلس کی مراد
۶۱۹	اللہ کا ترکیہ معتبر ہے	"	تفسیر آیت ۳۷
۶۲۰	یہود کی شدت بخل	"	نحو و قراءت
۶۲۱	یہود کو الزامی جواب	۶۰۷	مفہوم آیت
۶۲۲	دوسری تفسیر	"	الفاظ کا باہمی فرق
"	تفسیر آیت ۵۶	"	اظہار نعمت
۶۲۳	خوبصورت سایہ میں داخلہ	"	واقعة عجیبہ
"	تمام فرائض امانتیں	۶۰۸	تفسیر آیت ۳۹
"	عثمان رضی اللہ عنہ تو حدیبیہ کے بعد اسلام لائے تھے	"	ذرہ کی تحقیق
"	نحو و قراءت	"	نحو و قراءت
۶۲۴	آیت ربط	"	رد معتزلہ
۶۲۵	بشر منافق اور یہودی کا قصہ	۶۰۹	قیامت کی گواہی
"	طاغوت سے مراد کون ہے؟	"	قراءت و نحو
۶۲۶	ضلال بعید کیا ہے	۶۱۰	نشر میں کلمہ کفر کا حکم
"	تفسیر آیت ۶۱	۶۱۱	جب کی تفصیل
۶۲۷	منافقین کو وعید	"	مسجد اور جنابت
"	اعراض کا مفہوم	"	یانی نہ پانے کی حدود

۶۲۸	شفاعت کا اعلیٰ مرتبہ	۶۲۳	استنباط والے صحابہ رضی اللہ عنہم
۶۲۹	تفسیر آیت ۶۵	"	سابقہ آیات سے ربط
۶۳۰	تسلیم کا معنی	۶۲۴	تنہا جہاد کا امر
"	تفسیر آیت ۶۶	"	شفاعتِ حسنہ اور سینات
"	قتلِ نفس کا مطلب	۶۲۵	سلام کی انتہاء و برکات
"	جواب سوال مقدر	"	سلام کے مسائل
۶۳۱	خوب رفاقت والے	۶۲۶	یہود کے سلام کا حکم
"	فضل کیا ہے	"	ایک اشکال اور اس کا حل
۶۳۲	صرف ولغت	۶۲۷	اللہ سب سے زیادہ سچے
۶۳۳	اکٹھے ٹکانا	"	منافقین کے لئے فیصلہ کن قول
"	تفسیر آیت ۷۲	۶۲۸	گمراہ کو ہدایت یافتہ مت کہو
"	جان بوجھ کر سستی والے منافق ہیں	"	اشاعرہ کی دلیل
۶۳۴	مخلصین کو جہاد لازم ہے	"	اسلام سے پہلے موالات نہیں
"	دوسری تفسیر	۶۲۹	معاہدہ والوں کا قتل جائز نہیں
"	مقبول کوشش برائے اعزاز دین	۶۵۰	تفسیر آیت ۹۱
۶۳۵	مستضعفین کون لوگ ہیں؟	۶۵۱	کافر کا خون مباح، مؤمن کا حرام
۶۳۶	کمزوروں کی دعا	"	حکمتِ تحریر
"	معاون کی مراد	"	آزادی میں زندگی
۶۳۸	کید شیطانی	۶۵۳	دیت ترکہ کی طرح ہے
۶۳۹	تفسیر آیت ۷۸	"	دارالحرب میں مقتول مسلمان کا حکم
"	اچھائی و برائی آپ کے اختیار میں نہیں	۶۵۴	خلود سے طول قیام مراد
۶۴۰	تردید معترکہ	۶۵۵	معاملہ کی تحقیق کرو
"	تفسیر آیت ۸۰	۶۵۶	واقعہ مرداس بن نہیک رضی اللہ عنہ
۶۴۱	لمع ساز منافق	"	تفسیر کا مفہوم
"	اللہ خود انتقام لے گا	۶۵۷	قاعد و مجاہد برابر نہیں
"	تقلید جامد کی تردید	"	ایک سوال کا جواب
"	اختلاف کا مطلب	۶۵۸	آیت کا مطلب
۶۴۲	تردید ملحدین	"	تفسیر آیت ۹۷
"	نا تجربہ کار لوگ	۶۵۹	تفسیر آیت ۹۸

۶۶۰	معنی الرعم	۶۸۰	خلیل کو اللہ کی خلت کی حاجت ہے
"	ہجرت الی اللہ	۶۸۱	فتویٰ مبہم کی وضاحت کا نام
۶۶۱	نقصان کے خیال پر اطمینان کے لئے گناہ کی نفی کی	"	غلط روش کی تردید
"	قصر صدقہ ہے	۶۸۲	نحوی تحقیق
"	وقت نزول کی کیفیت کا تذکرہ	۶۸۳	شرط پر صلح میں حرج نہیں
۶۶۲	صلوۃ خوف آپ کی خصوصیت نہیں	۶۸۴	بخل طبع انسانی کا حصہ ہے
"	سجدۂ نماز مراد ہے	"	عدل کی تعریف
۶۶۳	دشمن سے محتاط رہو	۶۸۵	حتی الامکان عدل کرو
"	تین طرز تفسیر	۶۸۶	تفسیر آیت ۱۳۱
۶۶۴	تلقین صبر	۶۸۷	اصل سعادت تقویٰ ہے
۶۶۵	طعمہ بن ابیرق اور حضرت قتادہ بن نعمان رضی اللہ عنہما کا واقعہ	"	حکم تقویٰ مالک ہونے کی وجہ سے
۶۶۶	معصیت خیانت ہے	"	کار ساز وہی ہے
۶۶۷	گناہ سے گناہ ملتا ہے	"	عظمت قدرت
۶۶۸	حیاء کا حقدار سب سے بڑھ کر اللہ عزوجل ہے	۶۸۸	فقط طلب دنیا طلب خیس ہے
۶۶۹	کلام دل کا قصد ہے	"	تفسیر آیت ۱۳۵
"	ظلم کی مراد	"	اقرار شہادت علی النفس
۶۷۰	تعریف بہتان	۶۸۹	ایک لغوی تحقیق
"	بنی ظفر کا طرز عمل	"	قرأت ونحو
۶۷۱	نیکی وہ جو شہرت سے بچ جائے	۶۸۹	ثبات و اخلاص کی دعوت
۶۷۲	ایک اشکال کا جواب	۶۹۰	تفسیر آیت ۱۳۷
"	اجماع حجت ہے	۶۹۱	ازد یاد کفر خطرناک ہے
"	شرک کی معافی نہیں	"	منافقین کا طرز عمل
۶۷۳	اصنام کو اناث کہنے کی وجہ	"	تفسیر آیت ۱۴۰
۶۷۴	شیطانی چالیں	"	مجالست منافقین کی ممانعت
۶۷۵	استفہام بمعنی نفی	۶۹۰	گناہ کے اعتبار سے تمثیل
"	جھوٹی تمنا بے فائدہ ہے	۶۹۱	مؤمن و کافر کی کامیابی میں فرق
"	ایمان و دخول جنت کا اصل سبب ہے	"	قیامت میں کافر مغلوب ہوگا
۶۷۶	لفظ خلیل کی تحقیق و تعریف	۶۹۲	منافقین کے اعمال کی کیفیت
"	جملہ کا فائدہ	۶۹۳	اللہ کے لئے قلیل بھی بہت ہے

- ۷۲۷۔ شکار کے متعلق ہدایات
- ۷۲۸۔ یہ قید استحبانی ہے
- ۷۳۰۔ ارادہ فعل فعل ہے
- ۷۳۱۔ جمہور کا قول
- ۷۳۲۔ مقدار مسح کا مسئلہ
- ۷۳۳۔ رازی کا قول
- ۷۳۴۔ میثاق سے مراد
- ۷۳۵۔ کفار سے بھی عدل کرو
- ۷۳۶۔ بنو قریظہ کی غداری
- ۷۳۷۔ نیک اعمال پر کفارہ سیئات کا وعدہ
- ۷۳۸۔ دلوں کی قساوت
- ۷۳۹۔ گناہ سے علم بھوتا ہے
- ۷۴۰۔ تفسیر آیت ۱۴
- ۷۴۱۔ نور کی مراد
- ۷۴۲۔ سبل سلام کیا ہے؟
- ۷۴۳۔ مذہب نصاریٰ
- ۷۴۴۔ حادث لقب ربوبیت کا مستحق نہیں
- ۷۴۵۔ فترت رسل کا زمانہ
- ۷۴۶۔ خوشحالی کی نعمت
- ۷۴۷۔ قدس و شام کی سرزمین میں داخلے کا حکم
- ۷۴۸۔ بزدلی کی انتہاء
- ۷۴۹۔ غلبے کا وعدہ
- ۷۵۰۔ جہاد سے پس و پیش
- ۷۵۱۔ غم و شکوہ کا اظہار
- ۷۵۲۔ ایک اعتراض
- ۷۵۳۔ فاسق قابل افسوس نہیں
- ۷۵۴۔ منہیل و قاتیل کا واقعہ
- ۷۵۵۔ ایک لطیفہ
- ۷۵۶۔ ہانبل کو بے خبری میں قتل کیا گیا
- ۷۵۷۔ بے وقت شرمندگی
- ۷۵۸۔ مرثیہ آدم علیہ السلام والی روایت من گھڑت ہے
- ۷۵۹۔ بنی اسرائیل کیلئے قانون قصاص
- ۷۶۰۔ ایک کی زندگی سبکی کی زندگی
- ۷۶۱۔ محاربین کی اقسام اربعہ
- ۷۶۲۔ قرب الہی کا ذریعہ
- ۷۶۳۔ قیامت کے دن فدیہ کی نفی
- ۷۶۴۔ چوری کی سزا
- ۷۶۵۔ تائبین کا ذکر
- ۷۶۶۔ بخشش مطیع
- ۷۶۷۔ منافقین کے منصوبوں کی پرواہ نہ کریں
- ۷۶۸۔ مقصد پرست یہود کا طرز عمل
- ۷۶۹۔ تردید معتزلہ
- ۷۷۰۔ فیصلہ کرنے میں اختیار یا لزوم
- ۷۷۱۔ آپ کی تحکیم پر ان کی رضا مندی قابل تعجب ہے
- ۷۷۲۔ تورات ہدایت و نور ہے
- ۷۷۳۔ اعتقاد کے باوجود فیصلہ حق کے خلاف فسق ہے
- ۷۷۴۔ قول ابن عباس رضی اللہ عنہما
- ۷۷۵۔ یہود میں قصاص کی اصل نوعیت
- ۷۷۶۔ انجیل میں بھی ہدایت و روشنی اتاری
- ۷۷۷۔ ظالم فاسق کافر کی وضاحت
- ۷۷۸۔ بین ید یہ کا استعمال
- ۷۷۹۔ قرآن پر فیصلہ کے حکم کے بعد فاتح کا فائدہ
- ۷۸۰۔ شرائع فاسق کا حکم
- ۷۸۱۔ بھلائی فوت ہونے سے پہلے اپناؤ
- ۷۸۲۔ فتنہ پردازوں سے محتاط رہیں
- ۷۸۳۔ بعض گناہ شدید مہلک
- ۷۸۴۔ تمام کفر ایک ملت ہے
- ۷۸۵۔ قرآن فقط سننا کافی نہیں اس پر عمل لازم ہے

- ۷۸۸۔۔۔۔۔ صدیقہ کی وجہ۔۔۔۔۔
- بطان الوہیت مسیح کی عام عقلی دلیل۔۔۔۔۔
- ذرہ بھر نفع و نقصان پر قدرت نہ رکھنے والا قادر مطلق کیسے بن گیا۔۔۔۔۔
- ۷۸۹۔۔۔۔۔ اہل کتاب کو غلو کی ممانعت۔۔۔۔۔
- ۷۹۰۔۔۔۔۔ بنی اسرائیل کا مستحق لعنت ٹھہرنا۔۔۔۔۔
- منکر پر ترک ممانعت اعتداء ہے۔۔۔۔۔
- کفار کی دوستی غضب الہی کا سبب ہے۔۔۔۔۔
- ۷۹۱۔۔۔۔۔ موالات مشرکین علامت نفاق ہے۔۔۔۔۔
- علماء و رہبان کا وجود عداوت میں کمی کا باعث ہے۔۔۔۔۔

پانچواں باب

- ۷۹۳۔۔۔۔۔ رقت قلب میں حضرت نجاشیؑ اور وفد نجاشی کی تعریف۔۔۔۔۔
- ۷۹۴۔۔۔۔۔ اللہ کے انعام کی طمع موجبات ایمان سے ہے۔۔۔۔۔
- فرقہ کرامیہ کے قول کی تردید۔۔۔۔۔
- ۷۹۵۔۔۔۔۔ اہل معرفت کی علامات۔۔۔۔۔
- تردید حق کا اثر۔۔۔۔۔
- حلال سے حرام جیسا سلوک مت کرو۔۔۔۔۔
- ۷۹۶۔۔۔۔۔ حلال کا استعمال تقویٰ ہے۔۔۔۔۔
- یہیمن لغو کی تعریف اور اس پر عدم مواخذہ۔۔۔۔۔
- ۷۹۷۔۔۔۔۔ قسم توڑنے کا کفارہ۔۔۔۔۔
- ۷۹۸۔۔۔۔۔ شراب و جوئے کی حرمت کو پختہ کرنے کے پانچ انداز۔۔۔۔۔
- ۷۹۹۔۔۔۔۔ شراب و جوئے کی بنیادی خرابیاں۔۔۔۔۔
- اللہ اور رسول کی اطاعت سے مت منہ موڑو۔۔۔۔۔
- تفسیر آیت ۹۳۔۔۔۔۔ تحریم قبل استعمال میں گناہ نہیں جبکہ اس وقت کے احکام پر عمل پیرا ہوں۔۔۔۔۔
- ۸۰۰۔۔۔۔۔ حدیبیہ والے سال شکار سے آزمائش۔۔۔۔۔
- حرام کی حالت کے شکار میں تعمد و خطا برابر ہے۔۔۔۔۔
- ۸۰۲۔۔۔۔۔ شکار والا مثل سے بدلہ دے۔۔۔۔۔

- ۷۷۰۔۔۔۔۔ منافق موالات کفار میں تیز ہیں۔۔۔۔۔
- منافقین کی بد حالی۔۔۔۔۔
- ۷۷۱۔۔۔۔۔ قتال مرتدین کی پیشینگوئی خلافت شیخین کی حقانیت۔۔۔۔۔
- ۷۷۲۔۔۔۔۔ ولایت کے حقدار لوگ۔۔۔۔۔
- ۷۷۳۔۔۔۔۔ موالات کفار سے ممانعت۔۔۔۔۔
- ۷۷۵۔۔۔۔۔ اذان دلالت النص سے ثابت ہے۔۔۔۔۔
- کیا اللہ پر ایمان باعث انتقام شے ہے۔۔۔۔۔
- سزا کا حقدار وہ جو ملعون ہے۔۔۔۔۔
- ۷۷۶۔۔۔۔۔ منافقانہ اسلام۔۔۔۔۔
- ۷۷۷۔۔۔۔۔ قباۃ یہود۔۔۔۔۔
- سب سے سخت آیت۔۔۔۔۔
- ۷۷۹۔۔۔۔۔ بخیل کہہ کر اللہ کی توہین کا مرتکب یہودی۔۔۔۔۔
- دونوں ہاتھ کا ذکر تردید بلغ کیلئے۔۔۔۔۔
- یہود اسلام کو مٹانے کے لئے کوشاں ہیں۔۔۔۔۔
- ۷۸۰۔۔۔۔۔ ایمان و تقویٰ سے سب گناہ دھل سکتے ہیں۔۔۔۔۔
- ۷۸۱۔۔۔۔۔ بے خطر ہو کر اللہ کا پیغام پہنچائیں۔۔۔۔۔
- محدین کا قول۔۔۔۔۔
- پیغام پہنچانے کا مطلب۔۔۔۔۔
- ۷۸۳۔۔۔۔۔ یہود جب تک تورات پر نہ چلیں تو وہ کسی دین پر نہیں ہیں۔۔۔۔۔
- ۷۸۴۔۔۔۔۔ ایک سوال کا جواب۔۔۔۔۔
- ایک سوال کا جواب۔۔۔۔۔
- بنی اسرائیل کا شدید اندھا پن کہ قتل انبیاء جیسے جرم پر عذاب نہ ہونے کا یقین کر لیا۔۔۔۔۔
- عیسیٰ نے اپنے اور انکے مربوب ہونے میں فرق نہیں کیا۔۔۔۔۔
- ۷۸۵۔۔۔۔۔ الوہیت عیسیٰ کا عقیدہ بہر حال کفر ہے۔۔۔۔۔
- ۷۸۶۔۔۔۔۔ اشکال کا جواب۔۔۔۔۔
- اصرار کفر پر تعجب۔۔۔۔۔
- مسح رسول ہیں ان کے معجزات اللہ جل شانہ کی طرف سے۔۔۔۔۔
- ۷۸۷۔۔۔۔۔ ہیں۔۔۔۔۔

- ایک اعتراض اور اس کا جواب ۸۰۳
- سمندر کی شکاری حالت ۸۰۴
- کعبہ لوگوں کی بقاء کا سبب ہے ۸۰۵
- تفسیر آیت ۹۸ ۸۰۶
- رسول کا فریضہ پیغام کو مکمل پہنچانا ہے ۸۰۷
- اللہ نے خبیث و طیب کو ایک جیسا نہیں بنایا ۸۰۸
- بیجا سوالات کی ممانعت ۸۰۹
- ایسے مسائل انکار پر منتج ہوتے ہیں ۸۱۰
- محرمات جاہلیت کی تہ یہ ۸۱۱
- آپ کی تشبیہ میں ان سے انکار ۸۱۲
- اہل مناد کے متعلق خود و حلالانے (ممکن ہونے) کی ضرورت نہیں ۸۱۳
- واقعہ تمیم وعدی ۸۱۴
- قسم مدعا علیہ پر فیصلہ ۸۱۵
- ایک سوال کا جواب ۸۱۶
- مؤمنین کی توحید کیلئے انبیاء و رسل سے سوال ۸۱۷
- تذکرہ انعماء ۸۱۸
- حواریوں کا مطالبہ ۸۱۹
- مشاہدہ معجزہ اضافہ علم کیلئے ۸۲۰
- نزول ماندہ کی دعا اور قبولیت ۸۲۱
- حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے خصوصی سوال ۸۲۲
- جواب عیسوی ۸۲۳
- مغفرت و سزا دونوں تیرے اختیار میں ہیں ۸۲۴
- سچائی ہر دو جہان میں کام دینے والی ہے ۸۲۵
- ملکیت عامہ سے ثبوت قدرت ۸۲۶
- تمام تعریفوں کے لائق وہی ہے ۸۲۷
- سماوات کے جمع اور ارش کے مفرد لانے کی وجہ ۸۲۸
- نبوی تحقیق نمبر ۱ ۸۲۹
- خالق وہی پھر بھی شک میں پڑے ہیں ۸۳۰
- ۸۳۱
- قرآنی خبریں حقیقت بن کر سامنے آ جائیں گی ۸۳۲
- گزشتہ اقوام سے عبرت پکڑوان کی ہلاکت تکذیب کی وجہ سے ہوئی ۸۳۳
- عدم مہلت زیادہ شدید ہے ۸۳۴
- فرشتہ لباس انسانی میں اسی اشکال کا باعث ہے ۸۳۵
- تسلیم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ۸۳۶
- نکتہ فافور شریعت کا فرق ۸۳۷
- رحمت اپنے ذمہ رحمت سے کر لی ۸۳۸
- دو تراکیب ۸۳۹
- جب وہ مدبر کائنات سے توہم حرکت و سکون کا لگ جی وہی ہے ۸۴۰
- ۸۴۱
- نحو و قراءت - میرا کارساز وہی ہے اور میں اس کا فرمانبردار ۸۴۲
- اگر میں بھی نافرمانی کروں تو عذاب کا خطرہ تم سے ۸۴۳
- نفع و ضرر پر اختیار اسی کو ہے ۸۴۴
- نحوی ترکیب ۸۴۵
- قرآن کے وحی ہونے پر اللہ کی شہادت کافی ہے ۸۴۶
- اہل کتاب پر آپ کی صفات مخفی نہیں ۸۴۷
- یہ ظالم دو باطل باتیں جمع کرنے والے ہیں ۸۴۸
- تمام کا حشر ۸۴۹
- کفر کا بے وقت انکار ۸۵۰
- اپنے منہ اپنی تکذیب ۸۵۱
- قرآن کو اساطیر الاولین کہنے والوں کے دلوں پر پردے ۸۵۲
- ۸۵۳
- دہرے گناہ کے مرتکب ۸۵۴
- تکذیب پر قیامت میں افسوس ۸۵۵
- دنیا کی رسوائیاں سامنے آ گئیں ۸۵۶
- بعثت کے منکر اقراری بن جائیں گے ۸۵۷
- منکرین قیامت کو اپنے گناہ کا بوجھ اٹھانا ہوگا ۸۵۸
- متفقین کے اعمال کے علاوہ بقیہ دنیا سب کھیل تماشا ہیں ۸۵۹

۸۵۰۔۔۔۔۔ میں تمہاری خواہشات پر نہیں چل سکتا، وہ تو گمراہی ہے۔۔۔۔۔ ۸۵۱۔۔۔۔۔ میری قدرت میں عذاب نہیں وہ جب چاہے اتارے۔۔۔۔۔ ۸۵۲۔۔۔۔۔ وہ خود مغیبات کا علم رکھنے والا ہے۔۔۔۔۔ ۸۵۳۔۔۔۔۔ تم ہر وقت اس کے احاطہ علم و قدرت میں ہو۔۔۔۔۔ ۸۵۴۔۔۔۔۔ قوائے حواس کو قبض کر کے واپس کرنے والا ارواح کو قبض کے بعد واپس کرے گا۔۔۔۔۔ ۸۵۵۔۔۔۔۔ صحائف کا لکھنا برائی سے بچنے میں معاون ہے۔۔۔۔۔ ۸۵۶۔۔۔۔۔ تمام معاملات سچے مولا کے پاس۔۔۔۔۔ ۸۵۷۔۔۔۔۔ اندھیروں میں پھنستے ہو تو اسی کو بلاتے ہو۔۔۔۔۔ ۸۵۸۔۔۔۔۔ نجات وہ دے اور شریک بھی اسی کا بناؤ۔ تعجب ہے۔۔۔۔۔ ۸۵۹۔۔۔۔۔ ہر طرح کی پکڑ پھرا سے ہر وقت کامل قدرت ہے۔۔۔۔۔ ۸۶۰۔۔۔۔۔ سچے قرآن کو جھٹلایا عذاب کا انتظار کرو۔۔۔۔۔ ۸۶۱۔۔۔۔۔ وہ اپنے وقت پر آئے گا پھر خبر ہوگی۔۔۔۔۔ ۸۶۲۔۔۔۔۔ قرآن پر طعن والوں کے پاس مت بیٹھو۔۔۔۔۔ ۸۶۳۔۔۔۔۔ ہر ایک اپنے محاسبہ سے دوچار ہوگا۔۔۔۔۔ ۸۶۴۔۔۔۔۔ دین کا مذاق بنانے والے اپنے عمل سے پھنس کر عذاب کا شکار ہو گئے۔۔۔۔۔ ۸۶۵۔۔۔۔۔ گمراہ کو غول شیطانی میں پھنسنے والے سے تشبیہ دی۔۔۔۔۔ ۸۶۶۔۔۔۔۔ ہدایت صرف اسلام باقی سب گمراہی۔۔۔۔۔ ۸۶۷۔۔۔۔۔ فرمانبرداروں کے طرق۔۔۔۔۔ ۸۶۸۔۔۔۔۔ اللہ خالق اور کامل علم و قدرت والا ہے۔۔۔۔۔ ۸۶۹۔۔۔۔۔ ابراہیم علیہ السلام کا باپ کو وعظ و نصیحت کرنا۔۔۔۔۔ ۸۷۰۔۔۔۔۔ بصیرت روشن کر کے شرک کی قباحت ظاہر کر دی۔۔۔۔۔ ۸۷۱۔۔۔۔۔ نظر و استدلال سے قوم کی راہنمائی۔۔۔۔۔ ۸۷۲۔۔۔۔۔ غروب سے تغیر پذیری پر شاندار استدلال۔۔۔۔۔ ۸۷۳۔۔۔۔۔ مخاصم سے انصاف کی اپیل کی تاکہ اعتراض دلیل بن جائے۔۔۔۔۔ ۸۷۴۔۔۔۔۔ مثبت انداز میں تذکرہ توحید۔۔۔۔۔ ۸۷۵۔۔۔۔۔ میرا رب نفع و نقصان پر قدرت رکھتا ہے جبکہ تمہارے معبود کچھ بھی نہیں اسلئے میں ان سے نہیں ڈرتا۔۔۔۔۔

اس آیت سے تسلی دی گئی کہ وہ رسول کے نہیں بلکہ مرسل کے مکذب ہیں۔۔۔۔۔ ۸۷۶۔۔۔۔۔ تسلی کا دوسرا انداز۔۔۔۔۔ ۸۷۷۔۔۔۔۔ آپ کو ان کے ایمان کی اس قدر حرص ہے کہ اگر آپ ان کو ہر نشانی دکھا سکتے تو دکھا دیتے۔۔۔۔۔ ۸۷۸۔۔۔۔۔ ان سے حرص ہدایت بے فائدہ ہے۔۔۔۔۔ ۸۷۹۔۔۔۔۔ منہ مانگی نشانی کا مطالبہ۔۔۔۔۔ ۸۸۰۔۔۔۔۔ عظمت قدرت کے کھلے دلائل۔۔۔۔۔ ۸۸۱۔۔۔۔۔ قدرت تو ظاہر مگر یہ غافل و بے بہرے ہیں۔۔۔۔۔ ۸۸۲۔۔۔۔۔ کیا مصیبت کے وقت غیر اللہ کو پکارو گے۔۔۔۔۔ ۸۸۳۔۔۔۔۔ اس مصیبت میں تو اسی کو پکارتے ہو پھر کیوں بھاگتے ہو۔۔۔۔۔ ۸۸۴۔۔۔۔۔ سختیاں جھکانے کے لئے اترتی ہیں۔۔۔۔۔ ۸۸۵۔۔۔۔۔ ترک تضرع میں بھی عناد آ گیا۔۔۔۔۔ ۸۸۶۔۔۔۔۔ اگر اللہ اندھا بہرہ کر دے اور عقل چھین لے تو کیا پھر بھی غیروں کی طرف بھاگو گے۔۔۔۔۔ ۸۸۷۔۔۔۔۔ اگر اچانک کھلے بندوں عذاب آئے تو عذاب کا شکار تم ہی بنو گے۔۔۔۔۔ ۸۸۸۔۔۔۔۔ انبیاء مبشر و منذر ہیں منہ مانگی آیات کے لئے نہیں۔۔۔۔۔ ۸۸۹۔۔۔۔۔ فسق و کفر سب عذاب ہے۔۔۔۔۔ ۸۹۰۔۔۔۔۔ میں نے کسی ایسی چیز کا دعویٰ نہیں کیا جو انسانوں کے لائق نہ ہو اور وہ نبوت ہے۔۔۔۔۔ ۸۹۱۔۔۔۔۔ میں تو آخر بلا ڈروالوں کے لئے منذر ہوں۔۔۔۔۔ ۸۹۲۔۔۔۔۔ فقراء صحابہ جنہم کو اپنے پاس سے ہٹانے کی ممانعت۔۔۔۔۔ ۸۹۳۔۔۔۔۔ یہ جواب نفی ہے۔۔۔۔۔ ۸۹۴۔۔۔۔۔ کثرت دنیا علامت خیر نہیں بلکہ آزمائش ہے۔۔۔۔۔ ۸۹۵۔۔۔۔۔ شان فقراء اول ان کی خوشدلی کیلئے فرمایا پھر رحمت کی بشارت دی۔۔۔۔۔ ۸۹۶۔۔۔۔۔ قراءت و نحو۔۔۔۔۔ ۸۹۷۔۔۔۔۔ مجرموں کے راستہ کی وضاحت تاکہ ہر ایک دیکھ کر چلے۔۔۔۔۔

- ناخواندگی کے عذر کا خاتمہ -----
 ۹۱۲ ک اتار کر حجت تمام کر دی -----
 واضح دلائل کے بعد یہ نہیں مانتے گویا قیامت کے منتظر ہیں -----
 ۹۱۳ فرقہ بندی میں صحیح راہ -----
 نیکی کا بدلہ کم از کم دس گنا -----
 ۹۱۴ میں ملتِ ابراہیم علیہ السلام پر ہوں آؤ مان لو -----
 خلاصہ ملتِ عبادت باری اور شرک سے بیزاری -----
 ۹۱۶ میں تو حقیقی رب کو ماننے والا ہوں -----
 زمین میں آمد و درجہ بندی آزمائش ہے آنے والے حساب کو آیا
 ہوا سمجھو -----

سُورَةُ الْاٰخِرَةِ ۝

- تسلیہ رسول اللہ کفار کے انکار سے تنگ دل نہ ہوں -----
 ۹۱۷ ایک سوال کا جواب -----
 ایک اور سوال -----
 مقدماتِ عذاب کے وقت اعترافِ جرم -----
 ۹۲۰ قیامت کی مسئولیت برائے تو بیخ -----
 وزنِ اعمال اظہارِ انصاف اور قطعِ معذرت کیلئے ہے -----
 ۹۲۱ خفت و زن -----
 ۹۲۲ انعاماتِ معیشت کا تذکرہ -----
 تخلیقِ انسانی کا ذکر -----
 سوال تو بیخ -----
 شیطانِ قیاس اور اس کی غلطی -----
 ۹۲۳ ذلتِ لازمہٗ تکبر ہے -----
 مطالبہٗ مہلت -----
 مہلت کا ملنا -----
 مہلت کے بعد بڑا بول -----
 ۹۲۴ آدم علیہ السلام کی جنت میں رہائش -----
 شیطان کی وسوسہ اندازی -----
 طریقِ وسوسہ -----

- رسول فقط انسانوں میں سے ہیں یا جنات میں سے بھی ----- ۸۹۴
 خبردار کئے بغیر عذاب نہیں آتا -----
 ائمہ کا استدلال -----
 وہ بے نیاز رحیم ہے -----
 بعث ہوگا مگر چھوٹ نہیں سکتے -----
 ۸۹۵ انذار کا لطیف انداز -----
 کفار کی من مانی تحریمات کی مذمت -----
 ۸۹۸ مشرکین کے قبائح میں ایک قبیح فعل کا اضافہ -----
 افتراء پر دانی کے مزید نمونے -----
 ایجاد کردہ مصنوعی شرائط -----
 ۸۹۹ یہ تمام حماقت کے چکر ہیں -----
 حلال نعمتیں کھاؤ اور ان کا حق دو اور اسراف سے بچو -----
 ۹۰۱ پالتو جانوروں کی اقسام ثنائیہ اور رسمی تحریمات کی تردید -----
 ۹۰۲ چوپاؤں کی حلت کی تاکید اور من گھڑت تحریم کی تردید -----
 ۹۰۳ تحریم صرف وحی سے ہے -----
 ۹۰۴ فسق کہنے کی وجہ -----
 یہود کی مخصوص محرمات کا بیان اور اس کا سبب -----
 ۹۰۵ ان کو تکذیب کی سزاؤں کا اظہار کر ملے گی -----
 ۹۰۶ جوازِ شرک کی مشرکانہ دلیل کہ یہ اللہ کی مشیت سے ہے -----
 یہ جواب دیا کہ یہ عذر لنگ ہے -----
 مشیت کا معنی -----
 اللہ کی دلیلِ کامل ہے -----
 کفار سے تحریمات پر ثبوت کا مطالبہ -----
 نبوت کے بلند مقام پر کھڑے ہونے والے کا بنیادی تحریمات کا
 مسودہ آیت ۱۵۱ تا ۱۵۳ ----- ۹۰۹
 ایک حکمت ----- ۹۱۰
 لطیف نکتہ ----- ۹۱۱
 حوالہ تورات سے ان احکامات کی تصدیق -----
 کسے مزید تصدیق -----

- | | |
|-----|--|
| ۹۴۵ | اہل اعراف کا کفار سے کلام |
| ۹۴۶ | اہل جنت و اہل نار کا مکالمہ |
| | بڑے اسبابِ دوزخ، دین کا مذاق اڑانا اور طول بقاء کا دھوکا |
| ۹۴۷ | موجودین کی طرف روئے سخن |
| | یہ ضد کی وجہ سے آخری نتیجہ کے منتظر ہیں |
| ۹۴۸ | اہل نار کی بیکار تمنائیں |
| | تخلیقِ ارض و سماء |
| ۹۴۹ | استواء کے متعلق فرمانِ اتم |
| ۹۵۰ | پکارنے کا حکم مگر حد سے تجاوز کی ممانعت |
| | شرک و معصیت فساد ہے |
| ۹۵۱ | قدرت کے دلائل عقلیہ |
| ۹۵۲ | مؤمن و کافر کی تمثیل |
| ۹۵۳ | دعوتِ نوح علیہ السلام کا تذکرہ |
| ۹۵۴ | نوح علیہ السلام کو سرداروں کا جواب |
| | نوح علیہ السلام کی تقریر اول |
| | تقریر دوم |
| | تقریر سوم |
| ۹۵۵ | تکذیب اور نتیجہ |
| ۹۵۶ | دعوتِ ہود علیہ السلام |
| ۹۵۷ | سرداروں کا جواب |
| | ہود علیہ السلام کی جوابی تقریر نمبر ۱ |
| ۹۵۸ | تقریر نمبر ۲ |
| | قوم کا اعتراض |
| ۹۵۹ | جواب ہود علیہ السلام |
| | نتیجتاً کفار کی جزاکاٹ دی |
| ۹۶۰ | علاقہ قوم عاد اور مختصر حالات |
| ۹۶۱ | قوم صالح علیہ السلام کا تذکرہ |
| ۹۶۲ | تقریر صالح علیہ السلام انعامات کی یاد دہانی |
| ۹۲۸ | اللہ کا نام لے کر دھوکے سے پھل کھلایا |
| | اعضائے مستورہ کا ظہور |
| | عتابِ باری تعالیٰ |
| ۹۲۹ | دعائے آدم علیہ السلام |
| ۹۳۰ | سبب لباسِ پانی آسمان سے اتارا |
| | نحو و قراءت |
| ۹۳۱ | تخلیقِ لباس کا ذکر استطراداً ہے |
| | شیطان تمہارا لباس نہ چھین لے |
| | مقولہ ذوالنون مصری رحمہ اللہ |
| ۹۳۲ | بے حیائی کے کام اشارۂ شیطانی سے ہیں |
| ۹۳۳ | مخلصانہ عبادت کرو وہ اعادہ کر کے بدلہ دے گا |
| | ہدایت و اضلال اللہ کے پاس ہے |
| ۹۳۴ | زینت میں اسراف و تکبر سے بچو |
| ۹۳۵ | تمام حلال زینت مسلمان کیلئے ہے کافر کو تبعاً ملتی ہے |
| | نحوی تراکیب |
| ۹۳۶ | تمام محرمات کی جز شرک و فواحش |
| ۹۳۷ | کفارِ مکہ کو وعید |
| | متقی اور اصلاح والے کو کوئی غم نہیں |
| | مکذب و متکبر کا انجام |
| ۹۳۸ | مفتری و مکذب دوزخ کا ایندھن بنے گا |
| ۹۳۹ | داخلہ جہنم کا ایک منظر |
| | کافروں کا جنت میں داخلہ اسی طرح ناممکن ہے جیسا سوئی کے ناکے سے اونٹ کا گزرنا ناممکن ہے |
| ۹۴۰ | جہنم کا حال |
| | ایمان والوں کا صلہ |
| ۹۴۱ | شیخ ابو منصور رحمہ اللہ کا فرمان |
| ۹۴۲ | اہل جنت و اہل نار کی گفتگو |
| | اسباب لعنت کا تذکرہ کر دیا |
| ۹۴۳ | اہل اعراف کمزور مؤمن |

- متکبرین کا جوابی رویہ ----- ۹۶۴
- عذاب کی آمد ----- "
- تخسر صالح علیہ السلام ----- "
- تذکرہ قوم لوط علیہ السلام ----- ۹۶۵
- انوکھا جرم ----- ۹۶۶
- شہوات میں اندھا پن ----- "
- قوم کا جواب خیر کو عیب کہا ----- "
- نتیجہ آمد عذاب ----- "
- خاص قسم کی بارش ----- ۹۶۷
- قوم شعیب علیہ السلام کا تذکرہ ----- ۹۶۸
- خطیب الانبیاء کی شاندار تقریر ----- "
- قوم کا مزاج ڈاکہ زنی ----- "
- دونوں فریقوں کو خطاب ----- ۹۶۹
- پانچواں باب**
- سرداروں کا جواب ----- ۹۷۰
- شعیب علیہ السلام کی جوابی تقریر ----- "
- سرداروں کا قوم کو ان کے خلاف بھڑکانا ----- ۹۷۱
- انکار کا نتیجہ دنیا میں زلزلہ اور آخرت میں تباہی ----- ۹۷۲
- تخسر کے کلمات ----- "
- قوموں کا عمومی طرز عمل ----- ۹۷۳
- استدراج الہی ----- "
- اگر کفر و شرک سے بچتے تو ہمیں ان سے بیرہ نہ تھا ----- ۹۷۴
- اہل قرئی کی بے خوفی ----- "
- اللہ کی خفیہ پکڑ سے بے خوف شخص مکمل خسارے والا ہے ----- ۹۷۵
- ہم نے بعد میں آنے والوں کو بتلایا کہ گناہوں پر پکڑ ہو سکتی ہے ----- "
- اہل قرئی نے انبیاء کی نصیحت کو پہلی مرتبہ جھٹلایا پھر کبھی تصدیق نہیں کی ----- ۹۷۶
- اکثریت عہد و پیمان کو توڑنے والے تھے ----- "
- واقعہ موسیٰ علیہ السلام و فرعون ----- ۹۷۷
- تقریر موسیٰ علیہ السلام ----- "
- بنی اسرائیل کی مصر آمد ----- ۹۷۸
- فرعون کا جواب ----- "
- عصائے موسیٰ کا اعجاز ----- "
- ید بیضاء کا معجزہ ----- ۹۷۹
- فرعون کا کلام ----- ۹۸۱
- سرداروں کا مشورہ ----- "
- ساحروں کی آمد اور معرکہ ----- "
- ساحروں کا موسیٰ علیہ السلام سے کلام ----- "
- جواب موسیٰ علیہ السلام ----- ۹۸۲
- اثرات سحر ----- "
- وحی سے اظہار معجزہ کا حکم ----- "
- غلبہ حق ----- "
- مغلوبیت کے جادوگر موسیٰ علیہ السلام کا لشکر بن گئے ----- ۹۸۳
- اعلان حق ----- "
- فرعون کی مکارانہ تقریر و دھمکی ----- "
- ساحروں کا جواب ----- ۹۸۴
- جو تیرے ہاں عیب ہے وہ ہمارے ہاں حسن ہے ----- "
- فرعونی سرداروں کا خطرناک مشورہ ----- ۹۸۵
- جواب فرعون ----- ۹۸۶
- موسیٰ علیہ السلام کی مسلمانوں کو تلقین صبر و تقویٰ ----- "
- وعدہ آخرت کے متعلق تاخیر کی شکایت ----- "
- موسیٰ علیہ السلام کا دلاسا ----- "
- فرعونیوں پر عذاب کی ابتداء ----- ۹۸۷
- فرعونیوں کا طرز عمل ----- "
- میں نہ مانوں کی رٹ ----- ۹۸۸
- فرعونی عذابوں کے چکر میں ----- ۹۸۹

- عذاب کے وقت جھوٹا وعدہ ۹۹۰
- مہلت سے غلط فائدہ "
- کفر و تکذیب کا نتیجہ غرقابی ہوا ۹۹۱
- غلامی سے آزادی اور ایفائے عہد "
- بنی اسرائیل کے حالات پر نظر ۹۹۲
- بنی اسرائیل میدان صحرائے سیناء میں "
- بنی اسرائیل کی پہلی حماقت و جہالت ۹۹۳
- بت پرستی بے بنیاد چیز ہے "
- انعامات سے تذکیر "
- کتاب ملنے کا وعدہ ۹۹۴
- حضرت ہارون علیہ السلام کو ہدایت "
- موسیٰ علیہ السلام کا طور پر ہمکلامی سے مشرف ہونا ۹۹۵
- غلبہ شوق میں خواہش دیدار "
- امکان رویت پر دلائل ۹۹۶
- اعتراض اور جواب "
- موسیٰ علیہ السلام پر بیہوشی ۹۹۷
- مشرف ہمکلامی اور تورات کی الواح "
- تورات بنی اسرائیل کا قانون ۹۹۸
- متکبر حکمت سے محروم رہتا ہے ۹۹۹
- آخرت کے منکروں کا ضبط اعمال "
- بنی اسرائیل کی دوسری حماقت ۱۰۰۰
- عبادت عمل پر شرمندگی ۱۰۰۱
- موسیٰ علیہ السلام کی طور سے واپسی اور ہارون علیہ السلام پر ناراضگی ۱۰۰۲
- غضب اللہ میں جلال موسیٰ علیہ السلام ۱۰۰۳
- ہارون علیہ السلام کا جواب "
- دعائے موسیٰ علیہ السلام ۱۰۰۴
- ارشاد موسیٰ علیہ السلام "
- زوال غصہ کے بعد حالات ۱۰۰۵
- بنی اسرائیل کے منتخب افراد کا بے تکا سوال ۱۰۰۶
- عرض موسوی "
- دوسری دعا ۱۰۰۷
- جواب باری تعالیٰ "
- روئے سخن امت محمدیہ کی طرف اور رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کی تعریف ۱۰۰۸
- بنی اسرائیل میں حق پرست طبقہ ۱۰۰۹
- بنی اسرائیل کے بارہ قبائل اور ان پر انعامات ۱۰۱۰
- بیت المقدس میں داخلے کا حکم "
- ظالموں نے الٹ بات بنائی ۱۰۱۱
- بنی اسرائیل کا شکاری گروہ اور ان کی حرکات ۱۰۱۲
- ثابت قدم لوگوں کی فہمائش ۱۰۱۳
- ترک نصیحت پر عذاب "
- حد توڑنے پر سزائے مسخ ۱۰۱۴
- سزایافتہ یہود "
- زمین میں منتشر کر دیا ۱۰۱۵
- نالائقوں کی آمد ۱۰۱۶
- حاملین کتاب قابل بدلہ ہیں "
- بنی اسرائیل کی تیسری حماقت اور سزا ۱۰۱۷
- میشاق بنی آدم اور عہد الست ۱۰۱۸
- انقطاع اعذار "
- قول ابن عباس رضی اللہ عنہما ۱۰۱۹
- بنی اسرائیل کے ایک عالم کا قصہ ۱۰۲۰
- خواہش پرستی میں کتے کی مثال ۱۰۲۱
- جھٹلانے والوں کا برا انجام "
- طالبین ہدایت کو ہدایت ملتی ہے ۱۰۲۲
- دوزخی لوگوں کا مزاج دل آنکھ کان کو صحیح استعمال نہیں کرتے ۱۰۲۳
- انسان کی چار اقسام ۱۰۲۴
- داعیان حق ۱۰۲۵

- ۱۰۳۹۔ تقسیم غنائم فقط اللہ اور اس کے رسول کا حق ہے۔
- ۱۰۴۰۔ مؤمن کے سامنے ذکر اللہ سے اسکے ایمان میں اضافہ۔
- ۱۰۴۱۔ علاماتِ مؤمنین۔
- ۱۰۴۲۔ پختہ مؤمن۔
- ۱۰۴۳۔ اقوالِ ائمہ علیہ السلام۔
- ۱۰۴۴۔ مسلمانوں کا مدینہ سے خروج۔
- ۱۰۴۵۔ صحابہ رضی اللہ عنہم کے بیانات۔
- ۱۰۴۶۔ گھبراہٹ کی کیفیت۔
- ۱۰۴۷۔ وعدۃ الہی اور قافلہ سے ٹکراؤ کی خواہش۔
- ۱۰۴۸۔ اللہ کی رضا۔
- ۱۰۴۹۔ اثباتِ اسلام اور ابطالِ باطل۔
- ۱۰۵۰۔ اللہ سے استغاثہ۔
- ۱۰۵۱۔ نصرتِ ملائکہ تو اطمینانِ قلبی کے لئے ہے۔
- ۱۰۵۲۔ کیا فرشتے براہِ راست لڑے؟
- ۱۰۵۳۔ غلبہ اولیٰ۔
- ۱۰۵۴۔ نزول کی مطر۔
- ۱۰۵۵۔ فرشتوں کو ہمت بڑھانے کے حکم والا۔
- ۱۰۵۶۔ کفار کی گردنیں اڑادو۔
- ۱۰۵۷۔ یہ سزا اللہ اور رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کی مخالفت کی وجہ سے ملی۔
- ۱۰۵۸۔ دود و جنگ کے احکامات۔
- ۱۰۵۹۔ بھاگنے والے کے جرم کی شدت۔
- ۱۰۶۰۔ ایک مشتِ خاک کا اعجاز۔
- ۱۰۶۱۔ کافروں کی تدبیر کمزور کر دی۔
- ۱۰۶۲۔ اطاعتِ رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کا دامن تھامے رکھو۔
- ۱۰۶۳۔ منافقین اور اہل کتاب کا طرزِ مت اپناؤ۔
- ۱۰۶۴۔ کافر بدترین جانور۔
- ۱۰۶۵۔ وہ خوبی سے خالی ہیں۔
- ۱۰۶۶۔ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے حکم کی فوراً تعمیل کرو۔
- ۱۰۶۷۔ اللہ کے حائل ہونے کا مطلب۔
- ۱۰۶۸۔ حجۃ اجماع۔
- ۱۰۶۹۔ مکذبین کو موقعہ بموقعہ پکڑیں گے۔
- ۱۰۷۰۔ امہالِ مجرمین۔
- ۱۰۷۱۔ کفار کے اعتراضِ جنون کا جواب۔
- ۱۰۷۲۔ غور کر کے انہیں حق کی تلاش اور اچانک عذاب سے بچاؤ تلاش کرنا چاہئے۔
- ۱۰۷۳۔ گمراہ راہ پر نہیں آ سکتا۔
- ۱۰۷۴۔ وقوعِ قیامت کا سوال۔
- ۱۰۷۵۔ وقوعِ قیامت کا علم فقط اللہ کو ہے۔
- ۱۰۷۶۔ علم و اختیار کی نفی کا اعلان۔
- ۱۰۷۷۔ آدم علیہ السلام و حوا علیہما السلام کی پیدائش۔
- ۱۰۷۸۔ فرد سے جنس کی طرف التفات۔
- ۱۰۷۹۔ خالق کے ساتھ مخلوق کو شریک کر لیا۔
- ۱۰۸۰۔ اپنا بچاؤ نہیں کر سکتے۔
- ۱۰۸۱۔ اگر بتوں کو پکارو وہ اُس پکار تک نہ پہنچ سکیں۔
- ۱۰۸۲۔ جن کو پکارا جاتا ہے وہ مملوک ہیں۔
- ۱۰۸۳۔ بے بسوں کی عبادت کیوں؟
- ۱۰۸۴۔ میرے خلاف زور لگالو۔
- ۱۰۸۵۔ میرا کارساز اللہ ہے اُس کا یہ حکم نامہ ہے۔
- ۱۰۸۶۔ جو اپنی مدد نہ کر سکے تمہاری کیا مدد کرے گا۔
- ۱۰۸۷۔ عفو و درگزر سے کام لیں اور جاہلوں کو مٹ نہ لگائیں۔
- ۱۰۸۸۔ وسوسہ کے ازالہ کے لئے استعاذہ ضروری۔
- ۱۰۸۹۔ متیقن کا وسوسہ میں طریق۔
- ۱۰۹۰۔ اخوانِ شیاطین گمراہی کا شکار رہتے ہیں۔
- ۱۰۹۱۔ مٹنے مانگی نشانی طلب کرنے والوں کو جواب۔
- ۱۰۹۲۔ قراءتِ قرآن کے وقت استماع و انصات۔
- ۱۰۹۳۔ پست آواز اور عاجزی سے اللہ تعالیٰ کو یاد کرنے کا حکم۔
- ۱۰۹۴۔ مقررین بارگاہ نہ تو متکبر ہیں اور نہ عبادت میں کسی کو شریک بناتے ہیں۔

- چار ماہ کی مہلت ----- " ۱۰۸۹
- نزول آیت ----- " ۱۰۹۰
- مندرجات اعلان ----- " ۱۰۹۱
- مسلمک جمہور ----- " ۱۰۹۲
- اعلان کا تعلق تمام سے ----- " ۱۰۹۳
- اہمیت تعلیم ----- " ۱۰۹۴
- استثناء معاندین ----- " ۱۰۹۵
- عہد توڑنے والوں کے خلاف کارروائی کا حکم ----- " ۱۰۹۶
- پناہ کی اجازت ----- " ۱۰۹۷
- مشرک عہد پر قائم نہیں رہ سکتا ----- " ۱۰۹۸
- کافروں کو کسی چیز کا پاس لحاظ نہیں ----- " ۱۰۹۹
- کسی مؤمن سے تورشتہ کا بھی پاس نہیں ----- " ۱۱۰۰
- توبہ اور اس کی علامات ----- " ۱۱۰۱
- اگر معاہدہ توڑیں اور طعنہ زنی کریں تو قابل گردن زنی ----- " ۱۱۰۲
- ہیں ----- " ۱۱۰۳
- لڑائی پر آمادگی ----- " ۱۱۰۴
- کفار سے لڑو واللہ ان کو تمہارے ہاتھوں سزا دیں گے ----- " ۱۱۰۵
- مسلمانوں کی بے چینی کا ازالہ ----- " ۱۱۰۶
- مجاہدین کی پہچان کی جائیگی ----- " ۱۱۰۷
- مشرک اللہ کی مسجد کو آباد کرنے والا کیسے؟ ----- " ۱۱۰۸
- مؤمن مسجد کو آباد کرنے والا ہے ----- " ۱۱۰۹
- کفر کے ہوتے ہوئے تعمیر مسجد سقاہ حجاج بے وزن اعمال ----- " ۱۱۱۰
- ہیں ----- " ۱۱۱۱
- ایمان ہجرت و جہاد مقبول ترین عمل ہیں جو جنت کا باعث ----- " ۱۱۱۲
- ہیں ----- " ۱۱۱۳
- کافر غیر ہے خواہ باپ ہو ----- " ۱۱۱۴
- رشتہ دار یاں اللہ اور رسول کے مقابلے میں بے حیثیت ----- " ۱۱۱۵
- ہیں ----- " ۱۱۱۶
- واقعہ نصرت ----- " ۱۱۱۷
- غزوہ حنین ----- " ۱۱۱۸
- آپ کی ثابت قدمی ----- " ۱۱۱۹
- کثرت نے فائدہ نہ دیا ----- " ۱۱۲۰
- نزول سکینہ ----- " ۱۱۲۱
- مشرکین نجس ہیں ان کا داخلہ مسجد حرام میں ممنوع ہے ----- " ۱۱۲۲
- خطرہ افلاس کی ممانعت ----- " ۱۱۲۳
- اہل کتاب اور دیگر کفار سے حکم قتال ----- " ۱۱۲۴
- یہود و نصاریٰ پہلے کفار کی طرح ہیں ----- " ۱۱۲۵
- انہوں نے حلال و حرام اپنے علماء و عابدوں کے حوالہ کر دیا ----- " ۱۱۲۶
- ہے ----- " ۱۱۲۷
- پھونکوں سے یہ چراغ بجھایا نہ جائے گا ----- " ۱۱۲۸
- اللہ تعالیٰ نے دین کو بہر صورت تمام ادیان پر غلبہ دینا ہے ----- " ۱۱۲۹
- حرام خوراجبار و رہبان ----- " ۱۱۳۰
- جس مال سے اللہ کا حق نہ دیا جائے وہ کنز ہے اس کی یہ سزا ----- " ۱۱۳۱
- ہے ----- " ۱۱۳۲
- قیامت کے دن یہی مال آلہ سزا ہوگا ----- " ۱۱۳۳
- تخلیق ارض و سماء کے وقت سے مہینے بارہ ہیں ----- " ۱۱۳۴
- رسم نسی کی تردید ----- " ۱۱۳۵
- ترغیب جہاد ----- " ۱۱۳۶
- بو جھل پن پر اظہار ناراضی ----- " ۱۱۳۷
- نصرت دین کرو ورنہ اللہ تمہاری نصرت کا محتاج نہیں ----- " ۱۱۳۸
- واقعہ ہجرت ----- " ۱۱۳۹
- علماء کا قول ----- " ۱۱۴۰
- نزول سکینہ ----- " ۱۱۴۱
- سامان (اسلحہ اسباب) خواہ تھوڑا ہو یا زیادہ اللہ کی راہ میں ----- " ۱۱۴۲
- نکلو ----- " ۱۱۴۳
- تذکرہ تبوک اور بہانہ باز منافقین ----- " ۱۱۴۴
- لطیف عتاب ----- " ۱۱۴۵
- آپ ان کو اجازت نہ دیتے تاکہ ان کا بچ جھوٹ سامنے آتا ----- " ۱۱۴۶

اے منافقو! تمہارا حال پہلوں جیسا ہے جو دنیا کے مزے لوٹ کر
 عذاب کا شکار بنے تم بھی بنو گے۔ ۱۱۳۴
 پہلی اقوام کی انکو خبریں ملیں مگر عبرت حاصل نہیں کی، بلکہ اسی کفر و
 تکذیب کے سبب وہ ہلاک ہوئے۔ ۱۱۳۵
 مؤمن مردوں، عورتوں پر اللہ کی رحمتیں ہوں گی۔ ۱۱۳۶
 ان سے ہمیشہ کی جنت کا وعدہ۔ ۱۱۳۷
 کفار و منافقین سے سخت رویہ اختیار کریں۔ ۱۱۳۸
 منافقین کا کلمہ کفر۔ ۱۱۳۹
 جلاّس کی توبہ۔ ۱۱۴۰
 کیا یہ احسان کا بدلہ ہے۔ ۱۱۴۱
 دعوتِ توبہ۔ ۱۱۴۲
 مال ملا تو بخل کرنے لگے۔ ۱۱۴۳
 پھر جب مال سے نفاق دل میں گھر گیا۔ ۱۱۴۴
 اللہ تو ان کی سرکشیوں سے بھی واقف ہے۔ ۱۱۴۵
 نفلی صدقات والوں پر طعنہ زنی۔ ۱۱۴۶
 عبد اللہ بن ابی کے لئے استغفار کی ممانعت۔ ۱۱۴۷
 تحلف جہاد پر منافقین کی خوشی۔ ۱۱۴۸
 استہزائی جملے۔ ۱۱۴۹
 عادتِ طیبہ۔ ۱۱۵۰
 ان کا مال و اولاد ان کے حق میں سوہانِ روح ہیں۔ ۱۱۵۱
 جہاد کے حکم سے مالدار بھاگتے ہیں۔ ۱۱۵۲
 وہ خانشعشعی کے خواباں ہیں۔ ۱۱۵۳
 رسول اور مؤمن جہاد کرنے والے ہیں۔ ۱۱۵۴
 جنت کے حقدار۔ ۱۱۵۵
 بہانہ باز دیہاتی۔ ۱۱۵۶
 ضعفاء و معذورین کا استثناء۔ ۱۱۵۷
 زادِ سفر سے معذور لوگ۔ ۱۱۵۸
 مالدار پیچھے رہنے کی وجہ سے گنہگار ہیں۔ ۱۱۵۹

مؤمن پیچھے رہنے کی اجازت نہیں مانگتے۔ ۱۱۶۰
 طالین اجازت منکر آخرت ہیں۔ ۱۱۶۱
 اگر بول سچے ہیں تو کچھ تیاری کرتے۔ ۱۱۶۲
 منافقین کے نکلنے میں نقصان ہے فتنہ پردازی کا۔ ۱۱۶۳
 منافقین کی ایک بڑی سازش۔ ۱۱۶۴
 بعض منافقین کا عذر برتر از گناہ۔ ۱۱۶۵
 منافقین بیدار مغزی کے چیمپین۔ ۱۱۶۶
 دو دو باتوں کے منتظر مؤمن مدد الہی و شہادت کے اور کافر عذاب
 اور کفر پر قتل کے۔ ۱۱۶۷
 تمہاری کوئی بات قابل قبول نہیں۔ ۱۱۶۸
 صدقہ قبول نہ کرنے کی وجہ کفر ہے۔ ۱۱۶۹
 منافقین کے لئے ان کے اموال باعث عذاب ہیں۔ ۱۱۷۰
 منافقین کا دعویٰ مسلمانی ڈر کی وجہ سے۔ ۱۱۷۱
 وہ پناہ گاہ کے متلاشی ہیں۔ ۱۱۷۲
 صدقات میں طعنہ زنی۔ ۱۱۷۳
 ان کو تقسیم رسول دل سے پسند کرنی چاہئے۔ ۱۱۷۴
 مواقع صدقات کی تفصیل۔ ۱۱۷۵
 پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کو ایذا دینے والے کو یہ "کان" ہے۔ ۱۱۷۶
 مسلمانوں کو خوش کرنے کے لئے قسمیں کھانا، حالانکہ اللہ اور رسول
 کو راضی کرنا چاہئے۔ ۱۱۷۷
 اللہ و رسول کا مخالف جہنمی ہے۔ ۱۱۷۸
 منافقین کو اپنے متعلق سورت اترنے کا خطرہ۔ ۱۱۷۹
 امر تہدید۔ ۱۱۸۰
 استہزاء پر استفسار اور خوش طبعی کا بہانہ کر دیا۔ ۱۱۸۱
 کیا منافقین کو ہنسی مذاق کے لئے اللہ و رسول ہی ملا ہے۔ ۱۱۸۲
 جھوٹے بہانے نہ بناؤ تم تو کافر ہو گئے ہو توبہ کرو۔ ۱۱۸۳
 منافقین مرد و عورتیں کامل فاسق ہیں۔ ۱۱۸۴
 کفار و منافقین ہمیشہ کی جہنم کے حقدار اور ملعون ہیں۔ ۱۱۸۵

سُورَةُ الْحَجَّةِ مَكِّيَّةٌ ① ⑤

سورہ فاتحہ مکہ میں نازل ہوئی

وَهُجَّ سَبْعَ آيَاتٍ وَرُكُوعَهَا

اس میں سات آیتیں ہیں اور ایک رکوع ہے

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے

یہ سورت مکی ہے۔ بعض کا کہنا ہے کہ مدنی ہے۔ مگر صحیح ترین قول یہ ہے کہ یہ مکی اور مدنی ہے۔ یہ مکہ شریف میں اس وقت اتاری گئی جبکہ نماز کا فریضہ لاگو ہوا۔ پھر دوبارہ نزول مدینہ میں اس وقت ہوا جب تحویل قبلہ کا معاملہ پیش آیا۔ اسمائے سورت اور انکی وجوہ:

نمبر ۱۔ ام القرآن: (۱) حدیث میں اس کا یہ نام وارد ہوا ہے۔ لا صلاة لمن لم يقرأ بام القرآن (مسلم) اس کی نماز کامل نہیں جس نے ام القرآن نہ پڑھی۔ (۲) یہ قرآن مجید کے مقاصد پر مشتمل ہے۔

نمبر ۲۔ وافیہ، کافیہ: یہ سورت مقاصد قرآن کو اپنے اندر سمیٹنے والی ہے۔

نمبر ۳۔ الكنز: حدیث قدسی میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ سے نقل کرتے ہوئے فرمایا کہ فاتحۃ الكتاب كنز من كنوز عرشي (ابن راہویہ) فاتحۃ الكتاب میرے عرش کے خزانوں میں سے ایک خزانہ ہے۔

نمبر ۴۔ الشفاء الشافیہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد مبارک ہے فاتحۃ الكتاب شفاء من كل داء الا السام (فیض القدیر) فاتحہ موت کے علاوہ ہر بیماری کا علاج، (شفاء) ہے۔

نمبر ۵۔ المثنائی: کیونکہ یہ نماز میں بار بار دہرائی جاتی ہے۔

نمبر ۶۔ سورة الصلاة (۱): اس روایت کی بناء پر (لا صلاة لمن لم يقرأ بام القرآن) کہ نماز کی تکمیل کا دار و مدار اس پر ہے۔ (۲) اس لئے بھی کہ یہ نماز میں فرض ہے یا واجب (فقہاء کے اختلاف کے مطابق)

نمبر ۱ سورت الحمد والاساس: یہ قرآن کی اساس و بنیاد ہے۔ جیسا حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اپنے ارشاد میں ذکر فرمایا اذا اعتللت او اشتکیت فعلیک بالاساس: کہ جب تو بیمار پڑ جائے تو فاتحہ کو لازم پکڑ۔
تعداد آیات:

اس سورت میں بالاتفاق سات آیات ہیں۔ واللہ اعلم
اختلاف قراء اور انکے دلائل:

نمبر ۱: قراء مدینہ، بصرہ اور شام رحمہم اللہ کا کہنا یہ ہے کہ بسم اللہ الرحمن الرحیم یہ فاتحہ کی آیت نہیں اور نہ ہی یہ کسی دوسری سورت کی ابتدائی آیت ہے (البتہ سورت نمل کی آیت کا حصہ ہے انہ بسم اللہ الرحمن الرحیم الایۃ)
ابتداء میں اس کو تبرک کے طور پر اور دوسورتوں کے مابین فاصلہ ظاہر کرنے کیلئے لایا جاتا ہے امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور ان کے متبعین کا یہی مسلک ہے۔ اسی بناء پر ان کے ہاں فاتحہ کے ساتھ اس کو جہر نہیں پڑھا جاتا۔
نمبر ۲: دوسرا مسلک قراء مکہ اور کوفہ رحمہم اللہ کا ہے۔ کہ یہ نہ صرف سورت فاتحہ کی ایک آیت ہے۔ بلکہ ہر سورت کی (ابتدائی) آیت ہے۔ اس قول کو امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ اور ان کے احباب نے اختیار فرمایا۔ یہی وجہ ہے کہ وہ اس کو فاتحہ کے ساتھ جہر پڑھتے ہیں۔

دلائل شوافع رحمہم اللہ: نمبر ۱:

سلف صالحین رحمہم اللہ اس کو قرآن مجید میں لکھتے چلے آ رہے ہیں حالانکہ غیر قرآن کو قرآن میں لکھنے کی شدت سے ممانعت تھی (پس اس سے ثابت ہوا کہ یہ سورت فاتحہ کی آیت ہے)
نمبر ۲ حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے۔ کہ جس نے بسم اللہ کو چھوڑ دیا۔ اس نے گویا کتاب اللہ کی ایک سوچو دہ آیات کو چھوڑ دیا۔ (اس سے ثابت ہوا کہ یہ ہر سورت کی آیت ہے)

دلائل احناف رحمہم اللہ:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا میں نے صلاۃ یعنی فاتحہ کو اپنے اور اپنے بندے کے درمیان دو حصوں میں تقسیم کر لیا ہے۔ میرے بندے کیلئے وہ ہے۔ جو اس نے سوال کیا۔

جب بندہ کہتا ہے الحمد لله رب العالمین۔	تو اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ میرے بندے نے میری حمد کی۔
جب بندہ کہتا ہے الرحمن الرحیم۔	تو اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ میرے بندے نے میری ثناء کی۔
جب بندہ کہتا ہے مالک يوم الدين۔	تو اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ میرے بندے نے میری بزرگی بیان کی۔
جب بندہ کہتا ہے ایاک نعبد و ایاک نستعین۔	تو اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ یہ میرے اور میرے بندے کے درمیان ہے۔ میرے بندے نے جو طلب کیا میں نے اس کو دے دیا۔

جب بندہ کہتا ہے اهدنا الصراط المستقیم تو اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں یہ میرے بندے کیلئے خاص ہے اور میرے صراط الذین انعمت علیہم غیر المغضوب بندے نے جو مجھ سے سوال کیا وہ میں نے اسے دے دیا۔ علیہم ولا الضالین۔ (مسلم، ترمذی)

(پس اگر بسم اللہ فاتحہ کا جزو ہو تو الحمد کی بجائے اولاً بسم اللہ کہا جاتا۔ اس سے ثابت ہوا کہ فاتحہ بسم اللہ کا جزو نہیں)۔ پس، الحمد لله رب العالمین سے سورت فاتحہ کی ابتداء کرنا اس بات کی واضح دلیل ہے کہ بسم اللہ فاتحہ کا جزو نہیں ہے۔ جب فاتحہ کا جزو نہ بنا تو دوسری سورتوں کا جزو نہ ہونا تو بالاتفاق خود ثابت ہو گیا۔ اور یہ روایت تو صحاح ستہ میں مذکور ہے۔ جواب روایت:

ان کی پیش کردہ روایت ہمارے مخالف نہیں کیونکہ بسم اللہ ہمارے نزدیک بھی قرآن مجید کی ایک آیت ہے۔ دوسورتوں کے درمیان فاصلہ کرنے اور سورتوں کے ابتداء میں تبرک حاصل کرنے کی غرض سے اتاری گئی۔ علامہ فخر الاسلام بریلوی نے یہ بات ”المبسوط“ میں ذکر کی ہے۔ ہم پر اعتراض اس روایت سے تب آتا جب اس کو ہم قرآن مجید کی آیت تسلیم نہ کرتے۔ ”الکافی“ میں اسکی تفصیل موجود ہے من شاء فلیراجع۔ با۔ کا تعلق محذوف سے ہے۔ جس کی تقدیر عبارت یہ ہے۔ بسم اللہ اقرءوا وَاَتْلُوا کیونکہ جو شخص بسم اللہ کی تلاوت کرتا ہے۔ تو وہ اس کا قاری ہے۔ جیسا کہ مسافر جب کسی جگہ خیمہ زن ہو یا وہاں سے کوچ کرے تو کہتا ہے۔ باسم اللہ والبرکات یعنی (بسم اللہ احل وبسم اللہ ارتحل) کہ میں اللہ کے نام کی برکت سے اترتا اور اللہ کے نام کی برکت سے کوچ کرتا ہوں۔ اسی طرح ذبح کرنے والا (کہتا ہے کہ میں اللہ تعالیٰ کے نام سے ذبح کرتا ہوں)۔

اصول:

یہ فاعل جو بسم اللہ سے اپنے فعل کو شروع کرے گا تو وہی فعل مضمر ہوگا جس کی ابتداء بسم اللہ سے کی گئی ہے۔ البتہ: فعل محذوف آخر میں مانا جائے گا۔ کیونکہ فعل اور متعلق بہ سے زیادہ اہم متعلق یہ ہے (کیونکہ مقصود وہی ہوتا ہے) عادت مشرکین:

مشرکین اپنے معبودوں کے نام سے ابتداء کرتے ہوئے کہتے باسم اللات و باسم العزی۔ (اسلام نے شرک کی جڑ کو اکھیڑا ہے) اس لئے مؤمن موحّد کیلئے ضروری ٹھہرا کہ وہ اللہ تعالیٰ کے نام کو ابتداء میں لائے تاکہ ہر چیز کی ابتداء کیلئے اللہ تعالیٰ کے نام کا خاص ہونا ثابت ہو سکے اور یہ مقصد صرف اس صورت میں پورا ہو سکتا ہے جبکہ متعلق پہ کو پہلے لایا جائے اور فعل کو آخر میں ذکر کیا جائے۔

ایک اعتراض اور اس کا جواب:

سوال: اقرأ باسم ربک: علق: ۱۔ میں فعل کو مقدم کیوں کیا گیا۔

جواب: ایک قول کے مطابق یہ سب سے پہلے اترنے والی سورت ہے۔ اس وقت قراءت کا حکم زیادہ اہمیت والا تھا۔ اسی لئے

فعل قراءت کو مقدم کر دیا گیا تاکہ حکم قراءت دلوں میں خوب پختہ و جاگزین ہو جائے۔

جواب: نمبر ۲ یہ بھی درست ہے کہ قراءت کو افعال القراءۃ وحققہا (کہ تم قراءت کرو اور خوب اچھی طرح کرو) کے معنی میں مان لیا جائے اور یہ اس محاورہ عرب کے مطابق ہوگا۔ فلان يعطی و يمنع پھر اس کا فعل الگ محذوف ہوگا۔ جس پر بسم اللہ پڑھا جائے گا۔ اسکی طرف متعدی نہ ہوگا۔

جواب نمبر ۳: یہ بھی ممکن ہے کہ بسم ربک اس اقرار کا مفعول ہو جو بعد میں محذوف ہے۔ اور ”اسم اللہ“ کا تعلق قراءت سے اسی طرح کا مانا جائے جو اس آیت میں ”تثبت بالدھن (المومنون: ۲۰) میں دھن (تیل) کا اثبات (اگنے) سے ہے۔ پس معنی یہ ہوگا۔ تبرکاً بسم اللہ اقرء میں اللہ تعالیٰ کے نام سے تبرک حاصل کرتے ہوئے پڑھتا ہوں۔
نکتہ: اسمیں اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو تعلیم دی کہ وہ اس کے نام سے کس طرح تبرک حاصل کریں اور اسکی کس طرح تعظیم بجالائیں۔

بسم اللہ کی باکسرہ پڑنی ہے کیونکہ وہ کسرہ حرفیت اور جر کا لازمہ ہے۔ اسی لئے باکو مکور رکھتا تاکہ اسکی حرکت اس کے عمل کے مشابہ ہو۔

لفظ اسم کی تحقیق:

اسم: یہ لفظ ان اسماء میں سے ہے۔ جنکا حرف اول مبنی بالسکون ہے۔ جیسا کہ ابن اور ابنۃ وغیرہ۔ جب ان سے ابتداء کر کے پڑھنا چاہیں تو ہمزہ لگا دیا جاتا ہے۔ کیونکہ ساکن سے ابتداء نہیں کی جاسکتی۔ البتہ درمیان کلام میں جب یہ الفاظ آجائیں گے تو پھر ہمزہ کی ضرورت سے مستغنی ہو جاتے ہیں۔

بعض علماء: ہمزہ کا اضافہ نہیں کرتے بلکہ صرف ساکن کو حرکت دینے پر اکتفاء کرتے ہیں۔ چنانچہ وہ اس کو یسم اور سُم پڑھتے ہیں۔

یہ ان اسماء میں سے ہے۔ جس کا آخری حرف حذف کر دیا گیا جس طرح کہ ید اصل میں یدئی اور دم اصل میں دمو ہے۔ اسی طرح اسکی اصل سِمو ہے۔ جس کی دلیل وہ تبدیلی ہے جو اسماء سمی، سُمیت میں نظر آرہی ہے۔ یہ سِمو بمعنی بلندی سے مشتق ہے۔ کیونکہ نام مُسَمی کی تعریف کو ظاہر کرتا ہے۔ اور اس کے تذکرے کو پھیلائے والا ہے۔

بسم اللہ: میں الف کتابت سے حذف کر دیا گیا۔ اور اقراراً بسم ربک: (العلق: ۱) میں ذکر کر دیا کیونکہ اسمیں بھی دونوں جمع ہو سکتے ہیں۔ مگر بسم اللہ میں تو کثرت استعمال کی وجہ سے تلفظ سے ساقط کر دیا گیا۔ (اور اقراراً بسم میں کثرت استعمال نہیں اس لئے کتابت حذف نہیں کیا گیا) بسم اللہ کی باکو حذف کے بدلے میں لمبا لکھا جائے گا۔

حضرت عمر بن عبد العزیز رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے کاتب کو حکم دیا کہ ب کو لمبا لکھو۔ س، کو ظاہر کرو اور م کو گول لکھا کرو۔ (اس میں کتاب اللہ کی تعظیم ہے)

لفظ اللہ کی تحقیق:

اللہ: اسکی اصل اِلٰہ ہے اسکی نظیر الناس کا لفظ ہے جس کی اصل اُناس ہے ہمزہ کو حذف کر کے ابتداء میں الف لام کا اضافہ کر دیا۔ اِلٰہ کا لفظ اسماء جنس میں سے ہے۔ ہر حق و باطل معبود پر بولا جاتا ہے۔ پھر معبود حقیقی کیلئے اس کا استعمال غالب آ گیا۔ جیسا کہ انجم کا لفظ ہر ستارے پر بولا جاتا ہے۔ پھر ثریا (کہکشاں) کیلئے اس کا استعمال غالب ہو گیا۔ اللہ کا لفظ حذف ہمزہ کے ساتھ فقط معبود برحق پر ہی بولا جاتا ہے۔ غیر پر اس کا اطلاق نہیں ہو سکتا۔ یہ اسم ہے۔ صفت نہیں۔

دلیل نمبر ۱: کیونکہ اس کو بطور موصوف لاتے ہیں، خود اس کو بطور صفت استعمال نہیں کرتے۔ اس طرح یہ نہیں کہا جاتا شئی اِلٰہ۔ جس طرح کہ شئیء رجل نہیں کہتے۔ بلکہ کہتے ہیں اِلٰہ واحد صمد۔ اِلٰہ جو اکیلا بے نیاز ہے۔

دلیل نمبر ۲: اللہ تعالیٰ کی صفت کیلئے ضروری ہے کہ کوئی ایسا موصوف ہو جس پر وہ صفات بولی جائیں۔ پھر اگر تمام کو صفات قرار دیا جائے تو کہنا پڑے گا۔ کہ یہ صفات تو ہیں مگر ان کا موصوف کوئی نہیں۔ اور یہ بات درست نہیں۔

علماء نحو کا اختلاف:

جلیل القدر علماء نحو خلیل، زجاج، محمد بن الحسن، حسین بن الفضل رحمہم اللہ نے اس کو مشتق نہیں مانا بلکہ اشتقاق کا انکار کیا۔

اشتقاق کا معنی:

بعض نے کہا اشتقاق کا معنی یہ ہے کہ ترکیب اور معنی میں دو یا زیادہ لفظ مشترک ہو جائیں۔ اس اسم کا لفظ اِلٰہ یا لہ (حیران ہونا) ہو۔ یہ لفظ حیرانی اور دہشت کو اپنے اندر شامل کرنے والے ہیں۔ اور اسکی وجہ یہ ہے کہ معبود کی پہچان میں وہم و گمان حیران ہیں۔ اور بڑے تیز عقل والے دہشت زدہ ہیں۔ اسی وجہ سے گمراہی کثرت سے ہے۔ اور باطل پھیل رہا ہے۔ اور صحیح سوچ و فکر کی کمی ہے۔

دوسرا قول:

بعض نے کہا یہ اِلٰہ یا لہ الاہا۔ اس نے عبادت کی۔ سے ماخوذ ہے یہ مصدر ہے جو ما لوه بمعنی معبود کے مستعمل ہے۔ جیسا کہ آیت: ”هَذَا خَلْقُ اللَّهِ“ لقمان (۱) میں خلق کا لفظ بمعنی مخلوق استعمال ہوا ہے۔

اختلاف قراءت:

جب اس کے لام سے قبل ضمہ یافتہ ہو تو لام کو تنخیم سے پڑھا جائے گا۔ اور اگر لام سے پہلے کسرہ ہو تو ترقیق ہوگی۔ بعض قراء نے ہر حال میں ترقیق کی ہے جبکہ دوسروں نے ہر حال میں تنخیم مگر جمہور کا قول وہی ہے جو ہم نے پہلے نقل کر دیا۔

لفظ رحمٰن و رحیم کی تحقیق:

الرحمن: یہ رحم سے بروزن فعلان ہے۔ اس ذات کو کہتے ہیں جس کی رحمت ہر چیز پر حاوی ہو۔ اسکی نظیر غضبان کا لفظ ہے جو غضب سے ہے۔ غضبان اس شخص کو کہتے ہیں جو غصے سے بھرا ہوا ہو۔ اسی طرح الرحیم: رحم سے فعیل کا وزن ہے جیسا مرض سے مریض۔ لفظ رحمان میں مبالغہ رحیم کی بہ نسبت زیادہ ہے۔

وجہ اول: کیونکہ رحیم میں ایک لفظ زائد ہے۔ اور رحمان میں دو لفظ ہیں اور الفاظ کا اضافہ معنی کے اضافہ پر دلالت کرتا ہے۔ اسی لئے دعا میں یا رحمان الدنیا کے الفاظ آئے ہیں۔ کیونکہ رحمان کی رحمت سے مومن و کافر ہر دو فائدہ اٹھا رہے ہیں اور ”رحیم الآخر“ کے لفظ آئے ہیں۔ کیونکہ وہ رحمت ایمان والوں کیلئے مخصوص ہے۔

وجہ دوم: علماء نے فرمایا رحمان اللہ تعالیٰ کا نام ہونے کی وجہ سے خاص ہے اس سے غیر اللہ کی صفت نہیں کی جاسکتی۔ اور معنی کے اعتبار سے عام ہے جیسا کہ ہم نے بیان کر دیا۔ الرحیم اس کے برعکس غیر کی صفت بن سکتا ہے اور اسکی رحمت ایمان والوں کیلئے خاص ہوگی۔ اسی لئے رحمان کو مقدم کیا گیا۔

الْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ ۝ الرَّحْمَنُ الرَّحِيمُ ۝ مَلِكٌ يَوْمَ الدِّينِ ۝ إِيَّاكَ

سب تعریفیں اللہ ہی کیلئے ہیں جو پروردگار ہے سارے جہانوں کا جو سب سے بڑا مہربان بہت زیادہ رحم کرنے والا ہے مالک ہے روز جزا کا ہم تیری ہی

نَعْبُدُ وَإِيَّاكَ نَسْتَعِينُ ۝ اهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيمَ ۝

عبادت کرتے ہیں اور تجھ ہی سے مدد مانگتے ہیں چلا ہم کو سیدھے راستے پر

سوال: اگرچہ زیادہ بلیغ رحمان کا مقدم کرنا ہے۔ اور قیاس کا تقاضا یہ ہے کہ ادنیٰ سے اعلیٰ کی طرف ترقی ہو جیسے کہا جاتا ہے۔ ”فلان عالم تحریر“ فلاں زبردست عالم ہے۔

جواب: یہ غیر اللہ کی صفت نہیں بنتا اس لئے یہ بمنزلہ علم کے ہوا۔ (اور علم صفت سے مقدم لایا جاتا ہے)

رحمت کا مطلب:

اللہ کی رحمت سے مراد بندوں پر اس کا انعام و احسان کرنا ہے۔ اصل میں رحمت کا معنی شفقت ہے۔ (اللہ تعالیٰ کے اسماء صفات میں مبادی کا لحاظ نہیں بلکہ غایات کا لحاظ ہے۔ انسانوں کیلئے بعض صفات کا استعمال مبادی کے لحاظ سے ہے۔ فافہم و تدبر: مترجم)

مسلمہ کذاب کے بارے میں شاعر کا قول:

وَهَيْتُ غَيْثَ الْوَدَى لَا زِلْتَ رَحْمَانًا۔ اس میں مسلمہ کیلئے رحمان کا لفظ استعمال کیا گیا۔ درحقیقت یہ کفر پر محض ضد بازی کی وجہ سے ایسا کیا گیا۔ (حالانکہ محاورہ عرب اس کا ساتھ نہیں دیتا کیونکہ ان کے ہاں یہ لفظ استعمال میں ہی نہ تھا قالوا وما الرحمان)۔

نحوی اختلاف: رحمان: نمبر ۱:

غیر منصرف ہے ان علماء کے ہاں جو فعلا نہ مؤنث کا وزن نہ آنے کی وجہ سے فعلا ان کو غیر منصرف مانتے ہیں۔

نمبر ۲: یہ منصرف ہے۔ کیونکہ اسکی مؤنث فعلی کے وزن پر نہیں بنتی ان دونوں میں اول قول رائج ہے۔

حمد کی تشریح:

الْحَمْدُ: فضیلت کے انداز سے کسی خوبی پر تعریف کرنا۔ یہ مبتداء ہونے کی وجہ سے مرفوع ہے۔ اصل میں یہ منصوب ہے۔ فعل مضمر کے ساتھ بھی پڑھا گیا ہے۔ اسکی تفصیل اسطرح ہے۔ فعل مضمر جو خبر کے معنی میں ہو اس کا منصوب مصدر اس کو مانا گیا۔ جیسا کہ عرب کا قول شکرًا و کفرًا ای شکرت شکرًا۔

مرفوع کی وجہ:

منصوب سے مرفوع کی طرف عدول کرنے کی وجہ معنی میں پختگی و ثبوت ظاہر کرنا ہے۔

للہ: یہ مبتداء کی خبر ہے۔ لام کا تعلق محذوف واجب یا ثابت سے ہے۔

حمد و مدح و شکر میں فرق:

کسی اختیاری خوبی پر زبان سے تعریف کرنا خواہ مقابلہ میں نعمت ہو یا نہ حمد کہلاتا ہے۔ حمد و مدح دونوں ہم معنی ہیں۔ مثلاً تم کہو گے۔ حمدت الرجل علی انعامہ، حمدتہ علی شجاعته و حسبہ۔ پہلی مثال میں مقابلے میں نعمت ہے اور دوسری مثال میں نعمت وغیرہ کچھ نہیں۔ شکر خاص طور پر نعمت پر کیا جاتا ہے۔ البتہ شکر دل، زبان، اعضاء تمام سے ہی کیا جاتا ہے۔ جیسا شاعر کا یہ قول: افادتکم النعماء منی ثلاثۃ۔ یدی ولسانی والضمیر المحجب۔

نعمتوں کا فائدہ تمہیں میری طرف سے تین طرح پہنچا۔ میرے، ہاتھ، زبان اور مخفی ضمیر سے۔ (یہاں شکر کے بالمقابل زبان، ہاتھ اور ضمیر تینوں کا ذکر کیا)

حمد: صرف زبان سے ہوتی ہے۔ وہ شکر کا ایک شعبہ ہے۔ اور اس حدیث میں یہی معنی ہے: الحمد رأس الشکر ما شکر اللہ عبدہ لم یحمدہ: (حمد شکر کی چوٹی ہے۔ اور اس بندے نے شکر ادا نہیں کیا جس نے اللہ کی تعریف نہیں کی) اس ارشاد میں حمد کو شکر کی چوٹی قرار دیا گیا۔ کیونکہ زبان سے نعمت کا تذکرہ کرنے سے زیادہ پھیلتا ہے۔ بہ نسبت اعتقاد اور اعمال جو ارجح کے۔ کیونکہ دل کا عمل مخفی ہے اور اعضاء کے عمل میں احتمال ہے۔ حمد کی نقیض ذم ہے اور شکر کی نقیض کفران ہے۔

شکر و مدح کا فرق:

یہ بھی کہا گیا ہے کہ مدح: اوصاف کمال پر کسی کی تعریف کرنا مثلاً باقی رہنا، قادر، عالم، ابدی، ازلی ہونا۔

شکر: جس کی طرف سے قسم قسم کی مہربانیاں ہوں ان پر اسکی تعریف کرنا۔ اور حمد کا لفظ شکر و مدح دونوں کو شامل ہے۔

الحمد کا الف لام ہمارے نزدیک استغراق کیلئے ہے بخلاف معزلہ کے۔ اسی لئے اس کو اللہ تعالیٰ کے نام کے ساتھ ملایا جو اسم ذات ہے۔ اور تمام صفات کمال کو جامع ہے۔ اور یہی بنیاد ہے مسئلہ خلق افعال کی جس کی تحقیق کئی مقام پر میں نے کر دی ہے۔

رب اور عالمین کا معنی:

رب العالمین: الرب۔ مالک، حضرت ابوسفیان کو صفوان نے جو بات کہی لان یربنی رجل من قریش احب الی من ان یربنی رجل من هوازن، اگر میرا مالک قریش کا کوئی آدمی ہو وہ بہتر ہے اس بات سے کہ ہوازن کا کوئی آدمی میرا مالک ہو۔

اس طرح بولتے ہیں رَبِّ يَرْبُّهُ فَهُوَ رَبٌّ۔ یہ اسم فاعل کے معنی میں ہے۔
دوسرا قول: یہ بھی درست ہے کہ یہ مصدر ہو جو مبالغہ کیلئے لایا گیا ہو، جیسا کہ کسی عادل کو عدل کہتے ہیں۔
طریق استعمال:

مطلقاً لفظ رب اللہ وحدہ کیلئے بولا جاتا ہے۔ اور بندوں کیلئے اس کا استعمال قید و نسبت کے ساتھ ہوتا ہے جیسا ان آیات میں: اِنَّ رَبِّيْ اَحْسَنُ مِّثْوًى: یوسف: ۲۳۔ ارجع الی ربک: یوسف: ۵۰۔
واسطی نے کہا وہ ابتداء کرنے والا ہونے کے لحاظ سے خالق ہے اور غذاء دینے کے لحاظ سے مربی اور انتہاء کے لحاظ سے عاقل ہے۔ یہ اللہ کا اسم اعظم ہے۔

العالم: نمبر ۱: جس چیز سے خالق کا علم ہو خواہ جواہر کی قسم سے ہو یا اعراض یا اجسام میں سے ہو۔ نمبر ۲۔ ہر موجود ماسوی اللہ کو کہتے ہیں۔ اس کا یہ نام اس لئے رکھا گیا کیونکہ یہ اس کے وجود کی علامت ہے۔

سوال: اسکی جمع واؤنوں کے ساتھ لائی گئی ہے۔ حالانکہ واؤنوں والی جمع تو عقلاء کے ساتھ خاص ہے یا ان اعلام میں آتی ہے جو جمع عاقل کے حکم میں ہیں۔

جواب: اس میں وصفیت کے معنی ہیں جو کہ علم کے معنی کیلئے دلالت ہے (پس جمع لانا درست ثابت ہو گیا)
الرحمان الرحیم: انکی تفصیل بسم اللہ کے بیان میں گزری۔ انکا اعادہ اس بات کی دلیل ہے کہ تسمیہ فاتحہ کا حصہ نہیں۔ کیونکہ اعادہ فائدہ سے خالی ہوتا ہے۔

مَلِک: عاصم و علی (رحمہما اللہ) ان دونوں کے علاوہ ملک پڑھتے ہیں۔ بعض نے اسی کو اختیار کیا کیونکہ اس میں اضافت کی ضرورت نہیں اور قرآن مجید میں لَمَنْ الْمُلْکُ الْیَوْمَ۔ غافر: ۱۶ میں اس طرح ہے۔ اور ایک وجہ یہ بھی ہے کہ ملک مالک ہوتا ہے مگر ہر مالک ملک نہیں ہوتا۔ اور دوسری وجہ یہ بھی ہے۔ ملک کا حکم مالک پر نافذ ہوتا ہے اس کا عکس نہیں۔
بعض نے کہا مالک کا ثواب زیادہ ہے۔ کیونکہ انہیں حروف زیادہ ہیں۔ امام ابوحنیفہ اور امام حسن رحمہما اللہ نے ملک پڑھا ہے۔

قیامت کا دن کیا ہے؟

یَوْمِ الدِّیْنِ: بدلے کا دن۔ کہا جاتا ہے کما تدین تدان۔ جیسا کرو گے ویسا بھرو گے۔ یہاں اسم فاعل کو بطور توسع ظرف کی طرف مضاف کیا ہے۔ جیسا کہتے ہیں یا سارق اللیلة اهل الدار۔ (اے رات کو گھر میں چوری کرنے والے) اب معنی یہ ہوگا قیامت کے دن تمام اختیارات کا مالک۔

سوال: قیامت کے دن کے ساتھ ملکیت کی تخصیص کیوں کی گئی۔

جواب: کیونکہ اختیار اس دن فقط اللہ ہی کیلئے ہوگا۔

سوال: قیامت کے واقع ہونے کو معرفہ کی صفت کے طور پر ذکر کیا حالانکہ اسم فاعل کی اضافت تو غیر حقیقی ہے۔

جواب: کیونکہ اس سے مقصود استمرار ہے پس اضافت حقیقی بن گئی۔ اور اس کو اس طرح اسلئے لائے تاکہ معرفہ کی صفت بن سکے۔

سوال: یہ صفات جو اللہ تعالیٰ کی ذات کیلئے استعمال کی گئی ہیں۔ مثلاً رب ہونا یعنی تمام جہانوں کا مالک ہونا اور تمام انعامات دینے والا ہونا۔ اور ثواب و عذاب کے دن تمام اختیارات کا مالک ہونا وغیرہ حالانکہ الحمد للہ سے ہی ثابت ہو چکا کہ حمد کے ساتھ تو اللہ تعالیٰ کی ذات خاص ہے۔ کیا وجہ ہے؟

جواب: درحقیقت یہ بات ثابت کرنے کیلئے کہ جس ذات کی یہ صفات ہوں اس سے بڑھ کر حمد و ثناء کا کوئی مستحق نہیں۔
إِيَّاكَ نَعْبُدُ وَإِيَّاكَ نَسْتَعِينُ:

ایٹا: خلیل اور سیبویہ رحمہما اللہ کے نزدیک یہ اسم ضمیر ہے پھر سیبویہ کہتے ہیں کاف حرف خطاب ہے اور اس کا محل اعراب کوئی نہیں۔ مگر خلیل رحمہ اللہ کہتے ہیں۔ کاف اسم ضمیر ہے۔ جس کی طرف "ایٹا" کے لفظ کو مضاف کر دیا۔ کیونکہ فعل و فاعل سے مقدم آنے کی وجہ سے یہ اسم ظاہر کے مشابہ ہے۔

کوفی علماء: (رحمہم اللہ) ایٹا ایک مکمل اسم ہے۔

آیت میں فعل سے پہلے مفعول کو اس لئے لائے تاکہ تخصیص ہو جائے۔ اب معنی یہ ہوگا۔ ہم تجھے ہی عبادت کے ساتھ خاص کرتے ہیں۔

عبادت کا معنی:

عبادت: خضوع و عاجزی کی آخری حد کو کہتے ہیں۔ (إِيَّاكَ نَسْتَعِينُ) ہم امداد کی طلب میں تجھے ہی خاص کرتے ہیں۔

غائب سے خطاب:

صنعت التفات کی وجہ سے غائب سے مخاطب کی طرف رجوع کیا۔ یہ التفات کبھی غائب سے خطاب، کبھی خطاب سے غائب اور کبھی غائب سے متکلم کی طرف ہوتا ہے جیسا قرآن مجید کی اس آیت میں حتیٰ اذا كنتم في الفلك وجرين بهم بریح طيبة۔ یونس: ۲۲ خطاب سے غائب کی طرف ہے اور آیت اللہ الذی یُرسل الریاح فتثیر سحابا فسقنه: فاطر ۹۰ میں غائب سے متکلم کی طرف ہے۔

اسی طرح امرء القیس کے ان اشعار میں تطاول لیلک بالاثمد۔ ونام الخلی و لم ترقد۔ بات و باتت له لیلۃ۔ کليلة ذی العائر الارمد۔ وذلک من نبا جاء نی۔ وخبرته عن ابی الاسود۔ ان اشعار میں لیلی۔ بت۔ جاء ک۔ نہیں کہا بلکہ اسکی بجائے لیلک، بات، جاء فی کہا۔

کلام عرب میں صنعت التفات عام استعمال ہوتی ہے۔ اسکی وجہ ان کے خیال میں یہ ہے کہ جب کلام کا اسلوب بدل جائے تو سامع کے دل کو زیادہ متاثر کرتا ہے۔ اور یہ اسلوب مخاطب کیلئے نشاط طبع کے اضافہ کا باعث بنتا ہے۔ اور اسکی توجہ کو اور زیادہ مائل و مبذول کرتا ہے۔

اگرچہ بعض اوقات اس سے مزید خصوصی فوائد و لطائف بھی حاصل ہوتے ہیں۔ مگر ایسی باتیں مخصوص ماہرین کلام اور بڑے علماء کے سامنے ذکر کرنا مناسب ہیں۔ اور ایسے لوگوں کی تعداد اقل قلیل ہے۔

خاص نکتہ:

مگر اس جگہ مخصوص بات یہ ہے کہ جب حمد و ثناء کے لائق ذات کا تذکرہ کیا اور اس پر ان عظیم صفات کو جاری کیا۔ تو اب ہم ایک عظیم الشان ذات سے متعلق ہوا جو کہ تعریف کے لائق اور مہمات و مشکلات میں مدد کے قابل اور اس لائق ہے کہ اپنی انتہائی عاجزی اس کے سامنے پیش کی جائے۔ پس اسی معلوم اور جانی پہچانی ذات کو خطاب کر کے کہا جو ان صفات سے ممتاز ہے۔ اے وہ ذات جس کی یہ صفات ہیں ہم تیری ہی عبادت کرتے اور تجھ ہی سے مدد طلب کرتے ہیں تیرے سوا اور کسی سے نہیں۔

نکتہ:

عبادت کو استعانت پر اس وجہ سے مقدم کیا گیا۔ کیونکہ طلب حاجت سے پہلے ذریعہ طلب کو لانا قبولیت کے زیادہ قریب ہے۔ یا نظم عبارت کا لحاظ کرتے ہوئے عبادت کو استعانت پر اسی طرح مقدم کر دیا جیسا رحمان کو رحیم پر اگرچہ بلوغ تری بعد میں لایا جاتا ہے۔

ع

صِرَاطَ الَّذِينَ أَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ غَيْرِ الْمَغْضُوبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّالِّينَ ②

جو ان لوگوں کا راستہ ہے جن پر تو نے انعام فرمایا جن پر غصہ نہیں کیا گیا اور جو گمراہ نہیں ہیں۔

استعانت کو بلا کسی قید کے ذکر کیا تا کہ ہر چیز جس میں استعانت کی ضرورت ہے ان سب کو شامل ہو۔ اور یہ بھی درست ہے۔ کہ یہ مراد لی جائے کہ ادائے عبادت میں اللہ تعالیٰ سے مدد اور توفیق مانگی گئی ہے۔ (اس طرح) اہدانا مطلوبہ معونت کا بیان بن جائے گا۔ گویا اس طرح کہا گیا (اے میرے بندو) میں کیسے تمہاری امداد کروں؟ تو بندوں نے عرض کیا (تو ہمیں سیدھے راستے پر ثابت قدم فرما)

ہدایت و صراط کا مطلب:

إِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيمَ: نمبر ۱: یعنی ہمیں واضح راستے پر قائم فرما۔ جیسا کھڑے کو کہا جاتا ہے۔ قم حتیٰ اعود الیک یعنی اپنی اسی حالت پر میرے لوٹنے تک ثابت وقائم رہو۔

نمبر ۲: تو ہمیں مستقبل میں بھی اسی طرح ہدایت دے جس طرح حال میں ہدایت دے رکھی ہے۔

ہدی: ایک مفعول کی طرف متعدی ہوتا ہے۔ دو مفعول کی طرف اس کا متعدی ہونا بھی بغیر صلہ کے اس آیت میں آیا ہے۔ اور الیٰ اور لام کے صلہ کے ساتھ بھی متعدی ہونا قرآن مجید کی ان آیات (هَذَا نَا لِهَذَا۔ الاعراف: ۴۳۔ هَدَانِي رَبِّي الٰی صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ: الانعام۔ ۱۶) میں وارد ہے۔

الصراط: راستہ۔ یہ شرط الشئ سے لیا گیا۔ اس نے اس چیز کو نگل لیا۔ گویا چلنے والا اپنے پاؤں کو چلتے ہوئے نگلتا جاتا ہے۔ اختلاف قراءت: السراط کی سین کو صا د سے بدل دیا گیا۔ کیونکہ حروف اطباق ہونے میں یہ ط کا ہم جنس ہے۔ ص، ض، ط، ظ یہ حروف اطباق میں سے ہیں۔

کبھی ص کو ز کی آواز کا اشام دیکر پڑھتے ہیں۔ کیونکہ ز، ط کے قریب تر ہے۔ کیونکہ وہ دونوں حروف مجہورہ میں سے ہیں۔ یہ

امام حمزہ کی قراءت ہے۔

امام ابن کثیر تمام قرآن میں س پڑھتے ہیں۔ اور کلمہ کی اصل یہی ہے۔

باقی قراء خالص ”ص“ پڑھتے ہیں اور لغت قریش یہی ہے اور مصحف امام میں ص ہی ثابت ہے۔

صراط کا لفظ مذکر و مؤنث استعمال ہوتا ہے جو رریق اور سبیل کا لفظ۔ صراط مستقیم سے مراد حق کا راستہ ہے اور وہ ملت اسلام ہے۔

فائدہ تاکید:

صِرَاطَ الَّذِينَ أَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ: یہ صراط کا لفظ پہلے صراط سے بدل ہے۔ اور اس کو دوبارہ لانے کا حکم وہی ہے جو عامل کو دوبارہ لانے کا ہے۔ دوبارہ لانے میں تاکید کا فائدہ حاصل ہوا اور یہ بھی بتلادیا کہ صراط مستقیم کی تفسیر صراط المسلمین (مسلمانوں کا راستہ) ہے۔ تاکہ مسلمانوں کے راستہ پر استقامت اختیار کرنے کی انتہائی بلغ دلیل بن جائے۔ اور مؤکد شہادت ثابت ہو۔ (انعمت علیہم) وہ مؤمن ہیں یا انبیاء علیہم السلام یا تبدیلی سے پہلے بنی اسرائیل جو قوم موسیٰ علیہ السلام ہیں۔

غَيْرِ الْمَغْضُوبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّالِّينَ:

تفسیر اول: یہ الذین انعمت علیہم سے بدل ہے۔ یعنی انعام یافتہ وہ لوگ ہیں جو اللہ تعالیٰ کے غضب اور گمراہی سے محفوظ رہے۔

تفسیر دوم: الذین کی صفت ہے۔ اب معنی یہ ہوگا کہ انہوں نے عمومی نعمت یعنی ایمان اور غضب الہی اور گمراہی میں سے سلامتی والی نعمتوں کو جمع کر لیا ہے۔

معروف اشکال:

اشکال: یہ الذین کی صفت کیسے بن سکتی ہے جبکہ وہ معرفہ ہے۔

جواب اول: یہ الذین کی صفت بن سکتی ہے۔ اگرچہ وہ معرفہ ہے اور غیر کا لفظ اضافت سے معرفہ بھی نہیں بنتا۔ اصل وجہ یہ ہے کہ یہاں وہ دو متضاد معرفوں کے درمیان واقع ہے۔ پس غیر کا لفظ اضافت سے معرفہ بن گیا۔ جیسا اس مثال میں عجبیت من الحركة غیر السکون (الحركة والسکون تو متضاد معرفے ہیں پس غیر اضافت کی وجہ سے معرفہ بن کر الحركة کی صفت ہوا) اسی طرح آیت میں منعم علیہم اور مغضوب علیہم دو متضاد معرفے ہیں۔ (اس لئے غیر المغضوب معرفہ ہو کر صفت بن گیا)

جواب دوم: الذین نکرہ کے قریب ہے۔ اور اس سے مراد کوئی معین و مخصوص قوم نہیں اور غیر المغضوب علیہم یہ معرفہ کے قریب ہے۔ اس تخصیص کی وجہ سے جو اضافت کی وجہ سے اس کو حاصل ہوئی۔

پس حاصل یہ ہے کہ ایک ایک لحاظ سے دونوں میں ابہام ہے۔ اور ایک ایک وجہ سے تخصیص ہے۔ پس دونوں حیثیت میں برابر ہوئے (صفت بننے میں اشکال نہ رہا)

اَوَّلَ عَلَيْهِمْ : یہ مفعولیت کی وجہ سے محلاً منصوب ہے۔ دوسرا عَلَيْهِمْ : فاعلیت کی وجہ سے محلاً مرفوع ہے۔

مراد غضب اللہ:

غضب اللہ : سے مراد جھٹلانے والوں سے انتقام کا ارادہ کرنا اور ان پر سزا کا اتارنا اور ان کے ساتھ ایسا سلوک کرنا جو بادشاہ اپنے ماتحتوں سے کرتے ہیں جبکہ وہ ان پر غضبناک ہوں۔

بعض علماء نے کہا مغضوب علیہم سے مراد یہود ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا من لعنه اللہ و غضب علیہ۔

المائدہ: ۶۰۔ اور الضالون سے مراد نصرانی ہیں کیونکہ ارشاد الہی ہے۔ قد ضلوا من قبل۔ المائدہ: ۷۷۔

لا : بصریین کے ہاں لا: زائدہ ہے جو تاکید کیلئے لایا گیا۔ کوفیین کے نزدیک یہ غیر کے معنی میں ہے۔

آمین : یہ اسم صوت ہے جو فعلِ اسْتَجَبْ کے معنی میں استعمال ہوتا ہے۔ جس طرح کہ روید اسم ہے: امہل: فعل کے معنی میں آتا ہے۔

معنی آمین قول ابن عباس رضی اللہ عنہما:

میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے آمین کا معنی دریافت کیا تو آپ نے فرمایا۔ اِفْعَلْ۔ (ایسا کر دے)

تحقیق لفظ:

یہی ہے۔ آمین دو لغتیں ہیں مد اور قصر۔ قصر اصل ہے۔ جبکہ مد اشباعِ ہمزہ کی وجہ سے ہے۔ جیسا کہ شاعر کا قول ویرحم اللہ عبداً قال آمینا۔

دوسرے شاعر کا قول: آمین، فزاد اللہ ما بیننا بعدا۔

پہلے شعر میں مد ہے جبکہ دوسرے میں قصر ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جبریل امین علیہ السلام نے مجھے قراءت فاتحہ کے وقت آمین کی تلقین فرمائی۔ اور کہا کہ یہ خط کے آخر میں مہر کی طرح ہے۔“

البتہ آمین قرآن میں سے نہیں اسی لئے اس کو مصاحف میں لکھا نہیں جاتا۔

۲۰۰۱-۱۱-۸

جمعرات ۲۱ شعبان المعظم

سُوْرَةُ الْبَقَرَةِ مَدَنِيَّةٌ ۱۸۰ ۲

سورة بقرہ مدینہ میں نازل ہوئی

وَهُوَ مَكِّيٌّ وَأَوَّلُ سُورَاتِ الْمَدَنِيَّاتِ

اس میں دو سو چھیالیس آیتیں اور چالیس رکوع ہیں

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بے حد مہربان نہایت رحم والا ہے

آلَمْ ۱ ذَٰلِكَ الْكِتَابُ لَا رَيْبَ شَيْءٌ فِيهِ هُدًى

آلہم یہ کتاب ایسی ہے جس میں کوئی شک نہیں ہے۔ اس میں ہدایت ہے

لِّلْمُتَّقِينَ ۲ الَّذِينَ يُؤْمِنُونَ بِالْغَيْبِ وَيُقِيمُونَ الصَّلَاةَ

متقیوں کے لئے۔ جو ایمان لاتے ہیں غیب پر اور قائم کرتے ہیں نماز کو

وَمِمَّا رَزَقْنَاهُمْ يُنفِقُونَ ۳

اور ہماری دینے ہوئے میں سے خرچ کرتے ہیں

حروف مقطعات کی بحث:

آلہم: آلہم اور اسکے ہم مثل حروف مقطعات حقیقت میں ایسے اسماء ہیں جن کے مصداق وہ حروف تہجی ہیں جن سے ل کر کلمات بنتے ہیں۔ پس الف قال کے درمیان والے حرف پر دلالت کرتا ہے۔ اور لام اسکے آخری حرف پر دلالت کر رہا ہے اور ان کے مشابہ حروف کا یہی حال ہے۔

اسمیت کے دلائل: پہلی دلیل یہ ہے کہ ان میں سے ہر ایک اپنے ذاتی معنی پر دلالت کرتا ہے۔ دوسری دلیل یہ ہے کہ امالہ، تفخیم، تعریف و تنکیر (معرفہ و نکرہ ہونا) اسی طرح جمع اور تصغیر سے ان میں تبدیلی کی جاتی ہے۔ تیسری دلیل یہ ہے کہ نحوی حیثیت میں یہ معرب ہیں، البتہ ان میں سکون زید وغیرہ اسماء کی طرح ہے۔ کہ اعراب کا مقتضی موجود نہ ہونے کی وجہ سے اعراب نہیں آسکتا۔

بعض نے ان کو مبنی کہا ہے۔ اس لئے کہ یہ اصوات کی طرح ہیں۔ مثلاً غاق۔ یہ کوئے کی آواز کی حکایت ہے۔

جمہور علماء کا قول:

یہ ہے کہ یہ سورتوں کے نام ہیں۔

قول ابن عباس رضی اللہ عنہما: ان حروف سے اللہ تعالیٰ نے قسم کھائی ہے۔

قول ابن مسعود رضی اللہ عنہ: یہ اللہ تعالیٰ کا اسم اعظم ہیں۔

بعض کا قول: یہ ان متشابہات میں سے ہیں۔ جن کی تاویل سوائے خدا تعالیٰ کے کوئی نہیں جانتا۔ اور ان کو مجسم ان کے ابہام و اخفاء کی وجہ سے ہی کہا جاتا ہے۔

بعض دوسروں کا قول:

یہ اسماء ہیں جن کو شروع میں بطور تعدید کے لایا گیا ہے۔ گویا کہ قرآن مجید نے جن کو چیلنج کیا تھا ان کو قرآن بیدار کر رہا ہے۔ اور آمادہ کر رہا ہے کہ وہ اس نازل شدہ وحی پر غور کریں جس کا مقابلہ کرنے سے وہ اول سے آخر تک عاجز آچکے۔ جبکہ اس کلام کے موتی ان کلمات سے ہی پروئے گئے ہیں جن سے انکا اپنا کلام بنتا ہے۔ تاکہ یہ غور و فکر ان کو اس پر یقین لانے کی طرف آمادہ کرے۔ اگر اب تک انہوں نے اپنا سرا سکے سامنے سرنگوں نہیں کیا۔ اور بار بار رجوع کے باوجود ان کو اپنی عاجزی ظاہر نہیں ہوئی۔ حالانکہ وہ کلام کے ماہرین ہیں۔ (تاکہ اب بھی جاگ کر اپنی عاجزی مان لیں) کیونکہ یہ تمام باتیں ثابت کر رہی ہیں کہ یہ کلام بشر نہیں بلکہ خالق اور قادر مطلق کا کلام ہے۔

نصیب والوں کے لئے تو یہ بات بڑا مقام رکھتی ہے۔ (آؤ اور اپنا نصیب آزمائو)

دیگر بعض کا قول:

یہ ہے کہ ان سے سورتوں کو اس لئے شروع کیا گیا۔ تاکہ سب سے پہلے جو چیز سامع کے کانوں کو کھٹکھٹائے وہ ایک انوکھا انداز کلام ہو۔ جو دلائل اعجاز کیلئے ایک مقدمے کا کام دے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ حروف کے ذریعہ عمدہ اور نفیس کلام کرنے میں تمام عرب برابر تھے۔ خواہ ان پڑھ طبقہ ہو یا پڑھا لکھا طبقہ ہو۔

البتہ: حروف کے اسماء کو وہ لوگ استعمال کرتے تھے۔ جنہوں نے خود پڑھنا لکھنا سیکھا یا اہل کتاب سے انکا میل جول تھا اور ان سے انہوں نے سیکھ لیا تھا۔ کسی امی کا ان اسماء حروف سے کلام کرنا اس طرح بعید تر تھا جس طرح کسی امی کا بغیر پڑھے لکھنا اور

تلاوت کرنا۔

پس آپ ﷺ کا ان اسماء کو اپنے کلام میں استعمال کرنا۔ باوجودیکہ یہ بات مشہور و معروف تھی کہ آپ ﷺ نے اہل کتاب کے کسی بھی فرد سے کوئی چیز بھی حاصل نہیں کی۔ (یہ استعمال) وہی حکم رکھتا ہے جو ان واقعات و قصص کے بیان کرنے کا تھا جن سے قریش وغیرہ پہلے سے ناواقف تھے۔ اس سے تو یہ بات خود ثابت ہو گئی کہ یہ سب آپ کو وحی الہی سے حاصل ہوا۔ جو آپ کی نبوت کی واضح شہادت ہے۔

دلیل اعجاز کا دوسرا انداز:

یہ بات معلوم ہے۔ کہ ابتداء میں جو حروف وارد ہوئے ہیں۔ ان میں نصف تو حروف مجملہ کے اسماء ہیں جو درج ذیل ہیں۔
الاف، اللام، المیم، الصاد، الراء، الکاف، الہاء، الیاء، العین، الطاء، السین، الحاء، القاف، النون۔

تعداد حروف:

حروف مجملہ کی تعداد اسیس ہے، اور مذکورہ بالا حروف اسیس سورتوں کے شروع میں آئے ہیں۔ پھر ایک اور لطیفہ یہ ہے کہ ان پائے جانے والے حروف میں حروف کی تمام اقسام پائی جاتی ہیں۔ جن کی تفصیل اس طرح ہے۔
نمبر ۱۔ مہموسہ: میں سے، الصاد، الکاف، الہاء، السین، الحاء! نصف تعداد موجود ہے۔

نمبر ۲۔ مجہورہ میں سے: الالف، اللام، المیم، الراء، العین، الطاء، القاف، الیاء، النون، نصف تعداد موجود ہے۔

نمبر ۳۔ شدیدہ میں سے: الالف، الکاف، الطاء، القاف، نصف تعداد میں موجود ہیں۔

نمبر ۴۔ رخوہ میں سے: اللام، المیم، الراء، الصاد، الہاء، العین، السین، الحاء، الیاء، النون نصف موجود ہیں

نمبر ۵۔ مطبقہ میں سے: الصاد، الطاء، آدھے موجود ہیں۔

نمبر ۶۔ منفتحہ میں سے: الالف، اللام، المیم، الراء، الکاف، الہاء، العین، السین، الحاء، القاف، الیاء، النون، نصف پائے جاتے ہیں۔

نمبر ۷۔ مستعلیہ میں سے: القاف، الصاد، الطاء، نصف پائے جاتے ہیں۔

نمبر ۸۔ منخفضہ میں سے: الالف، اللام، المیم، الراء، الکاف، الہاء، الیاء، العین، السین، الحاء، النون، آدھے موجود ہیں۔

نمبر ۹۔ قلقلہ میں سے: القاف، الطاء، نصف تعداد موجود ہے۔

ان اجناس کی بقیہ اقسام میں ان حروف کی کثیر تعداد پائی جاتی ہے۔ اور قاعدہ یہ ہے کہ کسی چیز کا اکثر اسکے کل کے قائم مقام شمار ہوتا ہے۔

گویا اللہ تعالیٰ نے اہل عرب پر ان حروف کو شمار کر دیا جن پر ان کا کلام مشتمل تھا (اور ان کو مقابلے کا چیلنج دیا مگر پھر بھی وہ مقابلے میں نہ آئے بلکہ عاجز ہو گئے) اور ان کو اس طرح لا جواب و مبہوت کر دیا اور ان پر حجت قائم کر دی (فہل من مبارز)

پھر ان اسماء حروف کو الگ الگ سورتوں میں لایا گیا تاکہ جن کو چیلنج کیا گیا۔ بار بار اس کا اعادہ ہوتا رہے۔ اور ان کو متنبہ کیا جاتا رہے۔ اور یہ بات مختلف سورتوں میں لانے سے ہی حاصل ہو سکتی تھی، اکٹھا ذکر کرنے سے یہ مقصد اس طرح حاصل نہ ہو سکتا۔

غرض تکرار:

جن الفاظ یا قصص کو قرآن مجید میں دہرایا گیا ان کے دہرانے سے یہی غرض ہے کہ وہ بات دل میں اچھی طرح جم جائے اور خوب پختہ ہو جائے (اور چیلنج بھی تازہ رہے)

طرز میں فرق کی وجہ:

پھر ان حروف کو ایک طرز پر نہیں لایا گیا۔ بلکہ حروف کی تعداد میں فرق رکھا گیا۔ مثلاً ص، ق، ن، طہ، طس، یس، حم، الم، المراء، طسم، المص، الرا، کھیلعص، حم، عسق، گویا کبھی تو ایک حرف لائے، کبھی دو، دو کبھی تین، تین، کبھی چار، چار اور کبھی پانچ، پانچ۔ جس طرح کہ ان کے ہاں کلام کے مختلف انداز تھے۔ اور جیسا کہ کلمات کی بنا میں ایک حرف، دو حرف اور تین اور چار اور پانچ حروف سے آتی ہیں۔

ابتداء میں طرز:

شروع قرآن میں اس طرز کو اختیار کیا گیا کہ الم جہاں بھی قرآن مجید میں واقع ہوا ہے۔ وہاں پوری آیت کے طور پر اس کو لایا گیا۔ اسی طرح المص کو ایک آیت کے طور پر لائے۔ مگر المراء کو آیت شمار نہیں کیا گیا، اسی طرح الرا کو پانچ سورتوں میں آیت شمار نہیں کیا گیا۔ جبکہ طسم کو دونوں سورتوں میں پوری آیت کے طور پر شمار کیا۔ اسی طرح طہ یس دونوں سورتوں میں دو آیتیں شمار کی جاتی ہیں۔ دوسری طرف ص، ن، ق، ان تینوں کو مستقل آیت کے طور پر شمار نہیں کیا جاتا۔ یہ علماء کوفہ کا مسلک ہے، یہ توقیفی علم ہے، اکسیر قیاس کا دخل نہیں جیسا کہ سورتوں کے نام ہیں، اسی لئے اس صورت میں تمام پر مکمل وقف کیا جائے گا کیونکہ ان کو مستقل معنی پر محمول کیا جو مابعد کا محتاج نہ رہا، اور یہ سورتوں کا نام نہ ماننے کی صورت میں ہے، بلکہ ان کو اسی طرح قرار دیا جائے جیسا کہ آوازوں کی تعبیرات ہیں یا پھر ان کو خبر قرار دے کر مبتداء کو محذوف مانا جائے جیسا کہ الم (آل عمران) یعنی هذه الم۔ یہ الم ہے۔ پھر نیا کلام شروع کرتے ہوئے کہا اللہ لا الہ الا هو الحی القيوم: آل عمران: ۲

دوسرا قول:

جنہوں نے ان کو سورتوں کے اسماء قرار دیا بقول ان کے انکا محل اعراب ہے۔ اس لئے کہ ان کے ہاں یہ دیگر تمام اسماء اعلام کی طرح ہونگے۔ ابتداء کی صورت میں مرفوع ہونگے، یا منصوب و مجرور بنیں گے۔ کیونکہ ان سے قسم اٹھانی درست ہے۔ پس یہ الفاظ لفظ اللہ کے قائم مقام ہونگے اللہ کا لفظ دونوں لغات کے ساتھ ہے۔

ایک اور قول:

جنہوں نے ان کو سورتوں کے نام قرار نہیں دیا ان کے ہاں انکا کوئی محل اعراب نہیں۔ جیسا کہ جملہ ابتدائیہ اور مفردات عددیہ کا کوئی محل اعراب نہیں ہوتا۔

اسم اشارہ کی تذکیر:

ذٰلِكَ الْكِتٰبُ: نمبر ۱: یعنی یہ وہی کتاب ہے جس کا وعدہ ان سے موسیٰ اور عیسیٰ علیہما السلام کی زبان سے کیا گیا، یا ذٰلِكَ کا مشارالیه الہ ہے۔

سوال: اسم اشارہ مذکر اور مشارالیه مؤنث ہے اور وہ سورت ہے۔

جواب: کتاب اگرچہ خبر ہے مگر یہ اسی کے معنی میں ہے۔ اور دونوں کی مراد ایک ہے۔ اس لئے مذکر ہونے میں لفظ کتاب کا حکم سورت کے لفظ پر لگا دیا، اور اگر یہ صفت ہے تو پھر اس سے صراحت کتاب کی طرف اشارہ کر دیا۔ کیونکہ اسم اشارہ سے ایسی جنس کی طرف اشارہ کیا گیا ہے جو اس کی صفت ہے۔ محاورہ میں اس طرح کہتے ہیں۔

هٰذَا ذٰلِكَ الْاِنْسَانُ اَوْ ذٰلِكَ الشَّخْصُ فَعَلَ كَذَا

کہ ہندو انسان ہے ذٰلِكَ کی صفت سے مراد انسان ہے اور ذٰلِكَ کا اشارہ ہند کی طرف ہے۔ حالانکہ ہند مؤنث ہے۔

الہ و اسم اشارہ کو ملانے کی وجہ:

وجہ نمبر ۱: ذٰلِكَ الْكِتٰبُ کو الہ کے ساتھ ملانے کی وجہ یہ ہے کہ اگر الہ کو سورت کا نام قرار دیں تو الہ مبتدا ہوگا۔ اور ذٰلِكَ مبتداء دوم ہوگا۔ اور الکتاب اس کی خبر بنے گی، پھر جملہ مبتداء اول کی خبر ہوگی اور اس کا معنی یہ ہے کہ یہ وہی کتاب کامل ہے۔ گویا اس کے مقابلہ میں دوسری کتابیں ناقص ہیں۔ جیسا کہ کہتے ہیں۔ ہوالرجل یعنی رجولیت میں کامل وہی ہے۔ مردوں میں جتنی پسندیدہ خصلتیں ہوتی ہیں وہ سب اس میں جمع ہیں۔

نمبر ۲: الہ مبتداء مخدوف کی خبر ہو یعنی: الہ ایک جملہ ہے اور ذٰلِكَ الْكِتٰبُ دوسرا جملہ ہے۔

نمبر ۳: اگر تم الہ کو بمنزلہ اسم صوت کے قرار دو۔ تو پھر الہ مبتدا اور الکتاب اس کی خبر ہوگی۔ یعنی وہ اتاری ہوئی کتاب وہی کتاب کامل ہے۔

ریب کا مفہوم و معنی:

لَا رَيْبَ: (اس میں شک نہیں) **مِنْخَوْرٌ**: یہ مصدر ہے رَاب کا جب کسی چیز میں شک ہو۔

الریب کی حقیقت:

نفس کا قلق و اضطراب۔ آنحضرت ﷺ کے اس ارشاد کا یہی مطلب ہے۔ ”دَعِ مَا يَرْيَبُكَ اِلٰی مَا لَا يَرْيَبُكَ“ جو چیز تمہیں اضطراب میں ڈالے اس کو ایسی چیز کے لیے چھوڑ دے جو تمہیں اضطراب میں نہ ڈالے، پس شک اضطراب ہے۔ سچائی

اطمینان ہے۔ (احمد، ترمذی) کسی کام کا مشکوک ہونا یہی ہے کہ جس کے لیے نفس میں قلق ہو اور دل میں قرار نہ آئے۔ اور کسی کام کا سچا ہونا یہی ہے کہ اس میں دل مطمئن ہوتا اور سکون اختیار کرتا ہے۔ ”ریب زمان“ کا لفظ اسی سے ہے، اور اس سے مراد وہ چیزیں ہیں جو نفوس کو قلق میں مبتلا کر دیں۔ اور ان کے مصائب کی تشخیص دلوں سے ہو۔ اب آیت میں ریب کی نفی بطور استغراق کے ہے۔ بہت سے لوگوں نے اس میں شک کیا۔

قرآن کے متعلق اس بات کی نفی کی گئی ہے، کہ اس کا شک سے تعلق نہیں۔ اور نہ یہ شک کا مقام ہے۔ کیونکہ اس کی دلائل اور براہین اس طرح روشن ہیں کہ شک کرنے والے کو اس میں پڑنا مناسب نہیں۔ یہ مطلب نہیں کہ کوئی آدمی اس میں شک نہیں کرتا۔ اللہ تعالیٰ نے لافیه ریب“ نہیں فرمایا، جیسا کہ فرمان“۔ لافیه غول الصافات آیت نمبر ۴۷ لفظ ریب کے ساتھ حرف نفی لایا گیا کہ ریب کی قرآن سے نفی کی اور یہ ثابت کیا کہ قرآن برحق ہے باطل نہیں۔ جیسا کہ کفار گمان کرتے تھے۔

اگر ظرف کے قریب لایا جاتا تو اس مقصد سے وہ دور ہو جاتا وہ اس طرح کہ کوئی اور کتاب ہے جس میں شک ہے۔ مگر اس میں شک نہیں۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد میں ”لا فیہا غول“ الصافات آیت نمبر ۴۷ جنت کی شراب دنیا کی شرابوں پر فضیلت رکھتی ہے۔ اس طرح کہ وہ عقول کو خراب نہیں کرے گی، جس طرح کہ دنیا کی شراب خراب کرتی ہے۔

وقف کے متعلق مشہور قول:

یہ ہے حضرت نافع وعاصم رحمہما اللہ نے لا ریب پر وقف کیا۔ اس صورت میں وقف کرنے والے کے لیے ضروری ہے کہ وہ خبر کی نیت کرے۔ تقدیر عبارت اس طرح ہوگی۔ ”لَا رَيْبَ فِيهِ“ اس میں شک نہیں“
فِيهِ هُدًى : فیہ میں ابن کثیر کی بیب کے نزدیک ہر ہا اشباع کی ہے۔
حفص بیب نے اس آیت فیہ مہانا (الفرقان آیت نمبر ۶۹) میں ان کی موافقت کی ہے اور یہی اصل ہے۔ جیسا کہ کہیں۔ مردت به ومن عنده وفي داره)

سوال: جس طرح فی دارہ اور من عندہ نہیں کہا جاتا اس طرح ضروری ہے کہ ”فیہ“ بھی نہ کہا جائے۔

جواب: سیبویہ بیب نے فرمایا۔ جو انہوں نے کہا ہے (اگر اس کو مان لیں تو) تو تین حروف ساکنہ کا جمع کرنا لازم آتا ہے۔ حاء سے قبل یا اور خود ہاء۔ کیونکہ اہل عرب کے ہاں ہا متحرک بھی بمنزلہ ساکن کے ہے۔ کیونکہ حاء حروف خفیہ میں سے ہے اور حرف خفی ساکن کے قریب ہے۔ اور یا اس کے بعد (دوسرے نمبر پر ہے) تو اشباع ساقط ہو جائیگا۔
ہدی : یہ فعل کا مصدر ہے جیسا کہ بکسی کا لفظ۔

تعریف ہدایت:

مقصد تک پہنچانے والی دلالت۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ اس کے مقابلے میں ضلالت کا لفظ آیا ہے۔ جیسا کہ اس آیت میں اُولَئِكَ الَّذِينَ اشْتَرُوا الضَّلَالَةَ بِالْهُدَى (البقرہ آیت نمبر ۱۶) فرمایا گیا، ”ہدی للمتقین“ متقی۔ ہدایت یافتہ کو کہتے ہیں یہ اس طرح ہے جیسا کہ کہتے ہیں عزیز کو العزیز المکرم یعنی اللہ تعالیٰ آپ کو عزت دے اور مکرم بنائے۔ اصل مقصود اس سے جو چیز اس

میں پائی جاتی ہے یعنی عزت اس میں اس کا برقرار رہنا اور ہمیشگی طلب کی گئی ہے۔ جیسا کہ ”اهدنا الصراط المستقیم“ (الفاتحہ آیت نمبر ۶) میں ہے۔ (کہ تو ہمیں ہدایت سے ہمیشہ وابستہ رکھ) اللہ تعالیٰ نے عنقریب متقی بننے والے کو متقین کا لباس زیب تن کرنے کی وجہ سے متقی فرمادیا۔ اور دوسری وجہ یہ ہے کہ جس طرح رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: من قتل قتیلاً فله سلبہ (بخاری و مسلم) اس ارشاد میں عنقریب قتل ہونے والے کو قتل فرمادیا بوجہ لباس قتل کے۔

اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا ارشاد ہے اذا اراد احدکم الحج فلیعجل فانہ یمرض المریض عنقریب قتل ہونے والے کو اور بیمار ہونے والے کو قتل اور مریض فرمایا۔

عنوان کا فرق:

یہاں ہدی للضالین نہیں فرمایا۔ کیونکہ ان کے دو گروہ ہیں۔

نمبر ۱: جن کا گمراہی پر قائم رہنا معلوم ہے۔

نمبر ۲: جن کا انجام بالآخر ہدایت ہے۔

اور قرآن مجید اسی فریق ثانی کے لیے ہادی ہے۔ پس یہ عبارت کافی ہے۔ اگر اس سے زیادہ تفصیلی عبارت لائی جاتی تو یوں فرماتے، یہ ان لوگوں کے لیے ہدایت ہے جو گمراہی کے بعد ہدایت کی طرف جانے والے ہیں، پس کلام کو اس طریق سے مختصر لائے، جس کا ہم نے تذکرہ کر دیا۔ (عنقریب متقی بننے والے کو متقی کہہ دیا)

نمبر ۲: یہ بھی کہا گیا کہ ہدی للمتقین لائے حالانکہ یہ اس سورت کی ابتداء ہے۔ جو ہر اوین میں سے ایک ہے۔ اور قرآن مجید کی چوٹی اور کوہان سے۔ گویا ابتداء سورت اپنے اولیاء متقی بندوں کے ذکر سے فرمائی۔

انتقی - **مَخْرُوجٌ**: یہ اسم فاعل کا صیغہ ہے۔ اور عرب کا قول ہے وقاہ فاتقی۔ اس کا فاعل کلمہ واؤ ہے اور لام کلمہ یا ہے۔ جب اس سے باب افتعال بنایا تو واؤ کوتا کر کے تا میں ادغام کر دیا۔ اتقی بن گیا۔ الوقایہ۔ پیش بندی۔ حفاظت کرنا۔ شریعت میں اس کا معنی کسی ایسے کام میں اپنے آپ کو مبتلا کرنے سے بچانا۔ جس کے کرنے یا چھوڑنے سے سزا کا مستحق ہو۔

تراکیب:

ترکیب ۱: ہدی کا لفظ محلاً مرفوع ہے کیونکہ یہ مبتداء محذوف کی خبر ہے۔

ترکیب ۲: ذلک کی خبر ہے لا ریب فیہ کے ساتھ مل کر

ترکیب ۳: فیہ کی ہاذا والحال اور ہدی حال ہے۔

ترکیب ۴: بلاغت کے اعتبار سے زیادہ پختہ بات یہ ہے کہ الم بذات خود مکمل جملہ ہے یا حروف معجمہ کا مجموعہ ہے جو مستقل بنفسہ ہے۔ ذلک الکتاب یہ دوسرا جملہ ہے لا ریب فیہ تیسرا جملہ ہے۔ اور ہدی للمتقین چوتھا جملہ ہے۔

انوکھا اندازِ بلاغت:

پھر اپنی ترتیب میں اس نے بلاغت کا انوکھا انداز پیدا کیا کہ حروف عطف کے بغیر ان کو اس شاندار ترتیب سے لایا گیا کہ ایک کی گردن گویا دوسرے سے ملی ہوئی ہے، دوسرا پہلے کے ساتھ معافہ کرتے ہوئے مل رہا ہے اسی طرح تیسرا اور چوتھا۔ اس کی وضاحت اس طرح ہے اولاً متنبہ کیا کہ یہ وہ کلام ہے جس سے چیلنج دیا گیا پھر اشارہ فرمایا کہ یہ انتہائی کمال والی قابل تعریف کتاب ہے تو اس سے چیلنج والی جانب کو پختہ کر دیا۔ پھر نفی کی کہ شک کی کسی جانب بھی اس کے ساتھ ذرہ بھر بھی مشابہت نہیں پائی جاتی۔ پس یہ بات اس کے کمال کی شہادت و دستاویز بن گئی کیونکہ حق و یقین والا کمال سب سے بالاتر اور کامل ہے۔ جس طرح باطل و اشتباہ سے بڑھ کر کوئی نقص و عیب نہیں۔

ایک عالم کو کہا گیا کہ۔ تیری لذت کس بات میں ہے؟

اس نے کہا ایسی دلیل میں جو وضاحت میں نزاکت کی چال چلے۔ اور ایسے اشتباہ میں جو رسوائی سے نڈھال کر دے۔ پھر خبر دی کہ یہ متقین کے لیے ہدایت ہے۔ پھر اس کا یقین ہونا اس طرح پختہ کر دیا کہ شک اس کی گردن کو بھی نہیں پاسکتا۔ اور وہ ایسا حق ہے کہ باطل اس کے سامنے اور پیچھے کسی طرف سے نہیں آسکتا۔ پھر اس گہری ترتیب اور عمدہ تنسیق کے ساتھ ساتھ چاروں میں سے کوئی ایک جملہ بھی ایک عظیم الشان نکتہ سے خالی نہیں۔

نکتہ عظیمہ:

اول جملہ میں حذف اور مطلوب کی طرف لطیف انداز سے اشارہ ہے۔ جبکہ دوسرے جملہ کے معرفہ میں قابل دید عظمت ہے۔ اور تیسرے جملہ میں ریب کے لفظ کو ظرف پر مقدم کیا گیا ٹھاٹھ ہے (پیچھے ذکر ہوا) اور چوتھے جملہ میں حذف ہے۔ اور ہڈی مصدر کو اسم فاعل کے مقام پر لایا گیا۔ گویا ہادی بنفس نفیس ہدایت ہے۔ پھر اس کو نکرہ لائے۔ اس میں یہ بتلادیا کہ یہ ایسی ہدایت ہے جس کی حقیقت کو پہنچا نہیں جاسکتا۔ اور متقین کا تذکرہ مختصر انداز میں کر لیا جیسے پہلے گزرا۔

الَّذِينَ يُؤْمِنُونَ کی تفسیر:

الذین۔ منجور: نمبر ۱: یہ محلاً مرفوع ہے۔

نمبر ۲: صفت کی صورت میں محل نصب میں ہے یعنی هُمُ الَّذِينَ يُؤْمِنُونَ۔ وہی جو ایمان رکھتے ہیں یا میری مراد الذین یؤمنون وہ ایمان والے ہیں۔

نمبر ۳: الَّذِينَ يُؤْمِنُونَ مبتداء اور اس کی خبر اُولَئِكَ عَلٰی هُدًى۔

نمبر ۴: یہ مجرور ہے اس طرح کہ متقین کی صفت ہے۔ یہ صفت متقین کی صفت کو کھولنے اور واضح کرنے کے لئے لائی گئی ہے۔ جیسے کہتے ہیں۔ زید الفقیہ المحقق۔ کیونکہ یہ اس چیز پر مشتمل ہے جس پر نیکیوں کی جڑ ہے۔ اور وہ نماز اور صدقہ ہے یہ دونوں بنیادی عبادات مالیہ اور بدنیہ کی جزء ہیں۔ (الصلوة عماد الدین) نماز کو دین کا ستون قرار دیا۔ (اور دوسری روایت

میں) کفر و اسلام کے درمیان فاصل نماز کا چھوڑ دینا قرار دیا گیا۔ اور زکوٰۃ کو اسلام کا پل فرمایا۔ (الزکوٰۃ قنطرة الاسلام) گویا ان کا مقام و مرتبہ ایسا ہے کہ تمام عبادات ان کے تابع ہیں۔ اسی لیے تو کلام کو مختصر فرمایا اور طاعات کے تذکرہ میں فقط عنوان پر اکتفا کیا اور اسکے ساتھ ساتھ ان دونوں عبادتوں کی فضیلت کو کھول دیا۔

نمبر ۵: یا یہ صفت ہے جو متقین کے ساتھ لائی گئی جو مزید فائدہ کے لیے لائی گئی ہے مثلاً زید الفقیہ المتکلم الطیب۔ اس صورت میں متقین سے مراد وہ لوگ ہونگے جو برائیوں سے گریزاں ہیں۔
یُؤْمِنُونَ: (تصدیق کرتے ہیں)

نَحْوُ: یہ امن مصدر سے باب افعال ہے۔ اور محاورہ ہے۔ امنٹ یعنی اس کی تصدیق کی اس کی حقیقت تکذیب و مخالفت سے امن میں ہونا ہے۔ باء سے یہ متعدی ہے۔ اس لیے کہ یہ اقرار و اعتراف کے معنی کو اپنے اندر شامل کرنے والا ہے۔

بِالْغَيْبِ: (جوان سے پوشیدہ ہیں) ان چیزوں میں سے جن کی خبر ان کو نبی اکرم ﷺ نے دی۔
نمبر ۱: مثلاً بعث و نشر اور حساب وغیرہ کے معاملات (جو کہ غائب کے مفہوم میں ہیں) پس مصدر بمعنی اسم فاعل (غائب) لائے۔ جیسا کہتے ہیں۔ غاب اشیء غیباً۔ یہ اس صورت میں ہے جب تم اس کو یؤمنون کا صلہ بناؤ۔

نمبر ۲: اور اگر تم اس کو حال قرار دو۔ تو پھر یہ پوشیدگی اور خفاء کے معنی میں ہوگا۔ یعنی وہ ایمان لاتے ہیں۔ اس حال میں کہ جس چیز پر ایمان لانا ہے۔ وہ ان سے غائب ہے۔ (مثلاً رسول اللہ و بعث و نشر کو دیکھا نہیں مگر ایمان لاتے ہیں) حقیقی طور پر یہ عبارت اس طرح ہے۔ متلبسین بالغیب یعنی غیب سے تلبس حاصل کرنے والے ہیں۔

صحیح ایمان یہ ہے کہ زبان سے اقرار کرے اور دل سے تصدیق کرے۔ عمل (حقیقت) ایمان میں داخل نہیں (البتہ ایمان کی علامت و ثمرہ ضرور ہے)

اقامت کا مطلب:

وَيُقِيمُونَ الصَّلَاةَ: (یعنی اس کو ادا کرتے ہیں)

نمبر ۱: ادائیگی کو اقامت سے تعبیر کیا۔ حالانکہ قیام تو اس کا ایک رکن ہے۔ یہ اس طرح ہے جیسا کہ نماز کو قنوت سے تعبیر کیا۔ اور قنوت قیام ہی کو کہتے ہیں۔ رکوع اور سجود اور تسبیح سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ کیونکہ یہ چیزیں نماز میں پائی جاتی ہیں۔
نمبر ۲: یا اقامت صلوٰۃ سے مراد تعدیل ارکان ہے۔ یہ "اقام العود" سے ہے جب لکڑی کو سیدھا کر دیں۔

نمبر ۳: یا نماز پر مداومت اور محافظت مراد ہے۔ پھر یہ "قامت السوق" سے بنا ہے۔ جب بازار پر رونق ہو جائے۔ کیونکہ جب کسی چیز کی حفاظت کی جاتی ہے تو پھر وہ چالو مال کی طرح بن جاتی ہے۔ جس کی طرف رغبتیں متوجہ ہوتی ہیں۔ اور جب کسی چیز کو ضائع کیا جائے تو وہ اس کھوئی اور نکمی چیز کی طرح ہے جس کی طرف طبیعت کی رغبت نہیں ہوتی۔

معنی صلوٰۃ:

الصَّلَاةُ۔ نَحْوُ: الصلوٰۃ کا لفظ فعلۃ کے وزن پر صلی سے بنا ہے جیسا کہ الزکوٰۃ کا لفظ زکی سے۔ اور واؤ کیساتھ اس

کی کتابت بطور تفخیم کے ہے۔ صلیٰ کا حقیقی معنی چوتروں کو حرکت دینا ہے۔ کیونکہ نمازی رکوع و سجود میں ان کو حرکت دیتا ہے۔ داعی (دعوت دینے والا) کو بھی مصل (بلانے والا) کہا جاتا ہے رکوع و سجدہ کرنے والے کے ساتھ خشوع میں مشابہت کی وجہ سے اس کو ”مصل“ کہا جاتا ہے۔

وَمِمَّا رَزَقْنَاهُمْ: (جو ہم نے ان کو دے رکھا ہے) یہاں ما بمعنی الذی ہے۔

انفاق سے مراد:

يُنْفِقُونَ: (وہ اس میں سے کچھ خرچ کرتے ہیں) صدقہ کرتے ہیں۔ من تبعضیہ داخل کر کے ممنوع فضول خرچی سے محفوظ کر دیا۔ مفعول کو اس کی اہمیت پر دلالت کرنے کیلئے مقدم کیا۔

نمبر ۱: مراد یہاں زکوٰۃ ہے، کیونکہ یہ اس صدقہ سے ملی ہوئی ہے جو کہ زکوٰۃ کی ہمد ہے۔

نمبر ۲: یا۔ زکوٰۃ سے مراد زکاۃ اور اسی طرح کے خرچہ جات ہوں جو بھلائی کے راستہ میں کئے ہیں کیونکہ یہاں زکوٰۃ کا لفظ بلا کسی قید کے آیا ہے۔ اور انفق اشیاء اور انفقہ یہ دونوں ایک ہی معنی رکھتے ہیں جیسا کہ نفق اشیاء اور نفقہ۔ چیز کا خرچ ہونا ختم ہونا کے معنی میں آتے ہیں۔

قاعدہ:

ہر وہ لفظ جس کا فاء کلمہ نون ہو اور عین کلمہ فاء ہو وہ نکلنے اور چلے جانے کے معنی میں آتا ہے۔

نکتہ:

اس آیت سے بطور دلالت یہ بات ثابت ہوگئی۔ کہ اعمال ایمان کا حصہ نہیں وہ اس لیے کہ یہاں صلوٰۃ و زکوٰۃ کو ایمان پر عطف کر کے ذکر کیا گیا۔ اور عطف مغایرت کو چاہتا ہے۔

وَالَّذِينَ يُؤْمِنُونَ بِمَا أُنْزِلَ إِلَيْكَ وَمَا أُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ ۚ

اور وہ لوگ جو ایمان لاتے ہیں اس پر جو اتارا گیا آپ کی طرف اور جو اتارا گیا آپ سے پہلے

وَبِالْآخِرَةِ هُمْ يُوقِنُونَ ۝

اور آخرت پر وہ یقین رکھتے ہیں۔

وَالَّذِينَ يُؤْمِنُونَ : اس سے مراد وہ لوگ ہیں جو اہل کتاب میں سے ایمان لائے۔ جیسے عبد اللہ بن سلام اور ان کے احباب اور ان جیسے دوسرے لوگ جو ہر اس وحی پر جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے اتاری گئی ایمان لائے۔ اور آخرت پر ایسے یقین کا اظہار کیا جس سے یہ بات زائل ہو گئی کہ جنت میں یہود و نصاریٰ کے علاوہ کوئی داخل نہ ہوگا۔ اور ان کو دوزخ کی آگ چند گنتی کے دنوں کے علاوہ نہیں چھوئے گی۔ نمبر ۱: پھر اگر تم اس کا عطف الذین یؤمنون بالغیب پر کرو تو یہ من جملہ متقین میں داخل ہو جائیں گے۔ نمبر ۲: اور اگر اس کا عطف متقین پر کرو تو پھر داخل نہ ہونگے۔ پس کلام اس طرح بنے گا۔

هدی للمتقین وهدی للذین یؤمنون بما انزل الیک

نمبر ۳: یا اس سے پہلے لوگوں کی صفت کرنا مقصود ہے۔ اور درمیان میں عطف کو اسی طرح لایا گیا۔ جیسا کہ صفت کے درمیان لاتے ہیں۔ جیسا اس محاورہ میں۔

هو الشجاع والجواد وہ بہادر اور سخی ہے۔

اور شاعر کا قول:

الی الملك القرم وابن الهمام ☆ لیث الکتیبة فی المزدحم

میں اس بادشاہ کی طرف جو توڑنے والا اور تلوار کے نیچے پلنے والا۔ لڑائی کے میدان میں لشکر کے دستے کا شیر ہے۔ مطلب یہ ہے کہ وہ تمام ان صفات کے جامع ہیں۔

تذکرہ قرآن حکیم و کتب سابقہ:

بِمَا أُنْزِلَ إِلَيْكَ : یعنی قرآن مراد اس سے مکمل قرآن ہے۔ فقط وہ مقدار مراد نہیں جو ان کے ایمان لانے تک اتاری جا چکی تھی کیونکہ ایمان تو سارے قرآن پر لانا ضروری ہے۔

سوال: یہاں انزل کو لفظ ماضی سے تعبیر کیا اگرچہ ابھی بعض کے نزول کا انتظار ہے۔

جواب: موجود کو غیر موجود پر تغلیب دے کر ذکر کر دیا۔

دوسری بات یہ ہے کہ جب بعض نازل شدہ اور بعض کے نزول کا ابھی انتظار ہے تو تمام کو گویا نازل شدہ شمار کر لیا گیا۔ (کیونکہ اس کا اتارا جانا یقینی تھا)

اُولٰٓئِكَ عَلٰی هُدٰى مِّنْ رَبِّهِمْ ؕ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۝

یہ لوگ بڑی ہدایت پر ہیں اپنے رب کی طرف سے اور یہ لوگ ہی کامیاب ہیں۔

وَمَا اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ : یعنی انبیاء علیہم السلام پر اتاری جانے والی تمام کتابیں
وَبِالْآخِرَةِ نَحْنُ : یہ آخر کی مومنٹ ہے جو کہ الاول کی ضد ہے۔ یہ صفت ہے اس کا موصوف محذوف ہے اور وہ لفظ دار ہے
اس کی دلیل قصص آیت نمبر ۸۳ تِلْكَ الدَّارُ الْآخِرَةُ ہے اور یہ صفت غالبہ ہے۔ اسی طرح دنیا کا لفظ بھی (کہ اس کا موصوف
محذوف ہے اور یہ صفت غالبہ ہے کیونکہ قریب تر ہے)

قراءت:

حضرت نافع بیہ فرماتے ہیں کہ ہمزہ کو حذف کر کے اس میں تخفیف کر دی۔ اور اس کی حرکت لام کو دے دی۔
هُمْ يُوقِنُوْنَ : ایقان اصل میں شک و شبہ دور ہو کر کسی چیز کے متعلق پختہ علم ہو جانے کو کہتے ہیں۔
اُولٰٓئِكَ عَلٰی هُدٰى۔ (یہی لوگ اپنے پروردگار کے سیدھے راستے پر ہیں) نَحْنُ : اگر الذین یُؤْمِنُوْنَ بِالْغَيْبِ کو
مبتدا بنائیں تو جملہ محل رفع میں واقع ہے اور اگر اس کو مبتدا نہ بنائیں تو پھر اس کا کوئی محل اعراب نہیں۔ (اسم اشارہ کو صفات کے
بعد لانا گویا موصوف کا صفات سمیت اعادہ ہے)

نمبر ۲: یہ بھی جائز ہے کہ پہلا موصول متقین پر جاری ہو اور دوسرا موصول ابتدا کی وجہ سے مرفوع ہو۔ اور اولشک اس کی خبر ہو۔
تَفْسِيْرٌ : ہدایت و فلاح کے ساتھ ان کو خاص کرنے کی وجہ اہل کتاب پر تعریض کرنا ہے۔ جن کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت پر ایمان
نہ تھا۔ مگر اس کے باوجود وہ ہدایت پر ہونے کے دعویدار تھے۔ اور یہ طمع رکھتے تھے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے ہاں فلاح پانے والے ہیں۔

علی کی حکمت:

عَلٰی هُدٰى : میں استعلاء کا مفہوم ایک تمثیل ہے جو ہدایت پر ان کے پورے قابو کو ظاہر کرنے اور اس پر پختگی سے قائم
رہنے کو ظاہر کرتا ہے اور ہدایت کو اس طرح انہوں نے تمام رکھا ہے کہ کوئی آدمی کسی چیز پر غالب اور سوار ہو۔ اس کی مثال ہو علی
الحق و علی الباطل ہے اور اہل عرب نے اپنے اس قول میں اس استعلاء کی وضاحت کر دی ہے۔ جعل الغواية مرکبا
(اس نے گمراہی کو سواری بنایا) امتطی الجهل (اس نے جہالت کو سواری بنایا) اقتعد غارب الهوى (وہ خواہشات کی کوہان
پر بیٹھا)۔

هُدٰى مِّنْ رَبِّهِمْ : (یعنی ان کو ہدایت ان کے رب کی طرف سے ملی ہے) ہدی کا لفظ نکرہ لائے۔ تاکہ اس سے یہ فائدہ حاصل ہو
کہ ان کو ہدایت کی ایسی قسم حاصل ہے کہ جس کی حقیقت کو پہنچا نہیں جاسکتا۔

مقدر سوال کا جواب:

گویا کلام اس طرح تھا۔ کہ وہ کوئی ہدایت پر ہیں۔ تو جواب دیا گیا۔ هُدًى مِّن رَّبِّهِمْ کہ وہ اپنے رب کی ہدایت پر ہیں) اس کی مثال ہے لقد وقعت علی لحم۔ یعنی عظیم گوشت پر واقع ہوا۔
وَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ: (یہی لوگ آخرت کے گھر میں من مانی مراد پائیں گے) اور جس سے وہ خوف زدہ ہیں اس سے وہ نجات پانے والے ہیں۔

فلاح کیا ہے؟

فلاح: تمنا کو پالینا المفلح تمنا کو پانے میں کامیاب۔ گویا کہ وہ ایسا شخص ہے جس کے لیے کامیابی کے راستے کھل گئے ہیں۔ یہ مرکب خود شق اور فتح کے معنی پر دلالت کرتا ہے۔ اسی طرح وہ الفاظ جن کا فاء اور عین کلمہ اسی طرح ہو مثلاً۔ فلق، فلذ، فل (پھٹنا، ٹکڑا، کند) ان میں پھٹنے کا مفہوم موجود ہوتا ہے۔

سوال: یہاں عطف کے ساتھ لایا گیا مگر دوسری آیت نمبر ۷۹ سورہ اعراف میں اُولَٰئِكَ كَالْأَنْعَامِ بَلْ هُمْ أَضَلُّ أُولَٰئِكَ هُمُ الْغٰفِلُونَ۔ میں بغیر عطف ذکر کیا۔ دونوں جملے مفہوم کے لحاظ سے مختلف ہیں۔

جواب: خبروں کا مختلف ہونا خود عطف کا مقتضی ہے اور اعراف والی آیت میں غفلت اور بہائم سے مشابہت ایک چیز ہے۔ پس دوسرا جملہ گویا پہلے کی تقریر و پختگی کے لیے لایا گیا ہے اور اگر عطف لایا جاتا تو یہ مقصد پورا نہ ہو سکتا۔

ہُمْ: یہ فصل کے لیے لائے۔ اس کا فائدہ یہ ہے تاکہ معلوم ہو جائے کہ اس کے بعد خبر ہے۔ صفت نہیں۔

نمبر ۲: ہم تاکید ہے اور اس بات کو لازم کر رہی ہے کہ مسند کا فائدہ مسند الیہ کے لیے ثابت ہے کسی دوسرے کے لیے نہیں۔

نمبر ۳: یہ مبتدا ہے اور المفلحون اس کی خبر ہے۔

نکتہ: غور کریں کہ کس طرح اللہ تعالیٰ نے متقین کا ان چیزوں کے ساتھ مخصوص ہونا بار بار ظاہر کیا۔ جس کو مختلف راستوں والے نہیں پاسکتے۔

اس کی تفصیل اس طرح ہے کہ اسم اشارہ لائے۔ اور اسم اشارہ دوبار لایا گیا۔ اس میں متنبہ کر دیا کہ جس طرح انہوں نے ہدایت کو ترجیح دی ہے۔ اسی طرح وہ ہدایت انکی فلاح کی ضامن ہے۔ المفلحون کو معرفہ لا کر یہ بتلایا کہ متقین وہی لوگ ہیں، جن کے متعلق تمہیں اطلاع ملی ہے کہ وہ آخرت میں کامیاب ہونگے۔ اس کی مثال اسی طرح ہے کہ تمہیں اطلاع ملے کہ تیرے شہر کے کسی انسان نے توبہ کی۔ تو تم سے کسی نے پوچھا وہ توبہ کرنے والا کون ہے؟ تو اس کے جواب میں کہا گیا۔ کہ وہ زید تا ب ہے یعنی وہ وہی ہے جس کی توبہ کی تم کو خبر دی گئی ہے۔ درمیان میں فاصلہ کیا تاکہ تم پر ان کے مراتب ظاہر کر دیئے جائیں۔ اور تمہیں اس چیز کی طلب کے لیے رغبت دلائی جائے جس چیز کی طرف انہوں نے رغبت کی۔ اور جس کی طرف انہوں نے قدم اٹھایا۔ تاکہ تو بھی پورے نشاط سے اس کی طرف قدم بڑھائے۔ اے اللہ لباس تقویٰ سے زینت عنایت فرما۔ اور ان لوگوں کے گروہ میں ہمارا حشر فرما جن کے تذکرہ سے تو نے سورہ بقرہ شروع فرمائی۔ آمین

إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا سَوَاءٌ عَلَيْهِمْ أُنذِرْتَهُمْ أَمْ لَمْ تُنذِرْهُمْ لَا يُؤْمِنُونَ ⑥

بے شک جن لوگوں نے کفر اختیار کیا ہے۔ برابر ہے کہ آپ ان کو ڈرائیں یا نہ ڈرائیں، وہ ایمان نہیں لائیں گے۔

خَتَمَ اللَّهُ عَلَى قُلُوبِهِمْ وَعَلَى سَمْعِهِمْ وَعَلَى أَبْصَارِهِمْ غِشَاوَةٌ وَلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيمٌ ⑦

اللہ تعالیٰ نے مہر لگا دی ان کے دلوں پر، اور ان کے سننے کی قوت پر، اور ان کی آنکھوں پر پردہ ہے، اور ان کے لئے

عَذَابٌ عَظِيمٌ ⑦

بڑا عذاب ہے۔

زبط: جب اللہ تعالیٰ نے اپنے پسندیدہ بندوں کا اپنے قرب والی صفات کے ساتھ تذکرہ فرمایا اور واضح کر دیا کہ کتاب مقدس ان کے لیے ہادی ہے تو اس کے پیچھے ان کے ضد و مخالف لوگوں کو ذکر کیا۔ اور وہ انتہائی سرکش و نافرمان لوگ جن کے متعلق ہدایت فائدہ مند نہیں۔ فرمایا: إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا كَفَرُوا كُفْرًا سَوَاءٌ أُنذِرْتَهُمْ أَمْ لَمْ تُنذِرْهُمْ لَا يُؤْمِنُونَ۔ اسی طرح رات پر۔

عدم عطف کی وجہ:

سوال: یہاں حرف عطف نہیں لائے جیسا کہ سورۃ انفطار آیت ۱۳، ۱۴ (إِنَّ الْأَبْرَارَ لَفِي نَعِيمٍ وَإِنَّ الْفُجَّارَ لَفِي جَحِيمٍ) میں عطف کے ساتھ ذکر کیا۔

جواب: ان دونوں آیات میں پہلا جملہ اعمال نامے کے تذکرہ کی وضاحت کے لیے لایا گیا۔ المؤمنین کی خبر نہیں ہے۔ اور دوسرا جملہ کفار کے اعمال نامے کی وضاحت کے لیے آیا ہے پس دونوں جملوں کی مراد میں تفاوت پایا جاتا ہے اور یہ ایسی حد بندی ہے کہ اس میں عطف کی کوئی مجال نہیں۔

نمبر ۲: مقدر مان کر اس کو مبتداء بنائیں تو پھر مراد کفار سے وہ معینہ لوگ ہونگے۔ جن کا ایمان نہ لانا اللہ کے علم میں ہے۔ مثلاً ابو جہل، ابولہب وغیرہ۔ سَوَاءٌ عَلَيْهِمْ أُنذِرْتَهُمْ أَمْ لَمْ تُنذِرْهُمْ۔ کوئی قراء کے ہاں دو ہمزہ کے ساتھ ہے سواء بمعنی استواء ہے اس سے صفت اسی طرح لائی جاتی ہے۔ جس طرح مصادر سے لائی جاتی ہے جیسا اللہ تعالیٰ کے ارشاد سورۃ آل عمران آیت نمبر ۶۴ میں ہے۔ ”الٰی کَلِمَةٍ سَوَاءٍ“ ای مستویہ (برابر) یہ خبر ہونے کی بنا پر مرفوع ہے کیونکہ ”أُنذِرْتَهُمْ“ اس کا فاعل ہونے کی وجہ سے مرفوع ہے گویا اس طرح کہا گیا۔ ان الذين كفروا مستو عليهم انذارك وعدمه۔ بے شک کافروں پر آپ کا ڈرانا اور نہ ڈرانا برابر ہے۔

نمبر ۲: **منحو:** سواء خبر مقدم ہے اور أُنذِرْتَهُمْ ام لم تنذرهم محل ابتدا میں ہے۔ یعنی سواء عليهم انذارك وعدمه اور یہ تمام ان کی خبر ہے

قاعدہ:

فعل کو مبتدا بنانا درست ہے باوجود اس بات کے کہ فعل ہمیشہ خبر بنتا ہے۔ کیونکہ یہ اس کلام کی جنس میں سے ہے۔ جس میں معنی کا لحاظ کرتے ہوئے لفظ کا لحاظ چھوڑا گیا ہے۔ (یعنی مصدر کے معنی کو متضمن ہونے کی وجہ سے مبتدا بن گیا، مجازاً) ہمزہ اور آم دونوں معنی استواء کو خالص کر رہے ہیں، اور استفہام کے معنی سے بالکل خالی ہیں۔

سبب یہ جہل کا قول:

اس حرف استفہام کو اسی طرح لایا گیا ہے (یعنی تاکید و تقریر کے لیے) جیسا کہ اس قول میں حرف نداء لایا گیا۔ اللہم اغفر لنا ايتها العصابة۔ یعنی یہ صورت میں استفہام ہے مگر حقیقت میں استفہام نہیں۔ جیسا کہ صورت میں تو نداء ہے مگر واقعہ میں نداء نہیں۔

الانذار: گناہوں پر ڈانٹ ڈپٹ کے ذریعہ اللہ کے عذاب سے ڈرانا۔

لَا يُؤْمِنُونَ: نحو: نمبر ۱: یہ جملہ ماقبل جملے کی تاکید ہے۔

نمبر ۲: ان کی خبر ہے۔ اور اس سے قبل جملہ معترضہ ہے یا دوسری خبر ہے۔

حکمت اور انذار:

کفار کے اصرار کا علم ہونے کے باوجود انذار میں حکمت یہ ہے کہ ان پر حجت قائم ہو جائے اور رسالت کا پیغام عام ہو اور رسول اللہ ﷺ کو ثواب ملے۔

تفسیر ختم:

خَتَمَ اللَّهُ عَلَى قُلُوبِهِمْ: (ان کے دلوں پر اللہ نے مہر لگا دی ہے) زجاج جہل نے فرمایا۔ الختم۔ ڈھانپنے کو کہتے ہیں کیونکہ کسی چیز پر پختگی طلب کرنے کے لیے مہر لگا کر اس چیز کو ڈھانپا جاتا ہے۔ تاکہ اس کی کسی کو اطلاع نہ ہو۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے دلوں پر مہر لگا کر ان کو اس طرح کا بنادیا کہ ان میں جو کفر گھسا ہوا ہے۔ وہ نکل نہیں سکتا۔ اور جو ایمان ان میں نہیں ہے وہ ان میں داخل نہیں ہو سکتا۔

ختم و طبع کا نتیجہ:

مہر کا مقصد اہل حق کے نزدیک دل میں ظلمت اور تنگی کا پیدا کرنا ہے جب تک وہ ظلمت اس کے دل میں رہتی ہے۔ وہ ایمان نہیں لاتا۔

معتزلہ کا مذہب:

دلوں کے متعلق فرشتوں کو اطلاع دینا ہے کہ جس سے یہ ظاہر ہو جائے کہ وہ کفار ہیں، تاکہ وہ ان کے لیے خیر کی دعا نہ کریں،

بلکہ ان پر لعنت بھیجیں۔ بعض نے کہا۔ کہ ختم کی اسناد اللہ تعالیٰ کی طرف مجازی ہے۔ اور خاتم حقیقت میں کافر ہے۔ مگر اللہ تعالیٰ نے جب اس کو قدرت اور اختیار دیا۔ تو اس کی طرف ختم کا اسناد جس طرح فعل کی نسبت کی طرف کرتے ہوئے کہتے ہیں۔ ”بنی الامیر المدینہ“ امیر نے شہر بنایا۔ کیونکہ فعل کی کئی ملازمات ہیں۔

نمبر ۱: فاعل سے ملا بست، مفعول بہ سے، مصدر، مکان، زمان اور مسبب لہ سے ملا بست بس فعل کی نسبت فاعل کی طرف تو حقیقی ہے اور دوسروں کی طرف مجازی ہے۔ کیونکہ فعل کے ساتھ فاعل کی ملا بست میں مشابہت رکھتے ہیں، جیسا کہ آدمی شیر کے ساتھ جرات میں مشابہت رکھتا ہے پس بطور استعارہ اس کو شیر کہہ دیتے ہیں یہ مسئلہ خلق افعال کی فرع ہے۔

سمع کی مراد:

وَعَلَى سَمْعِهِمْ: (اور ان کے کانوں پر) سَمِعَ: سمع کو واحد لایا گیا۔ جس طرح عرب کے ہاں اس قول میں بطن واحد ہے۔ کَلُوا فِي بَعْضِ بَطْنِكُمْ تَعَفُّوا: کیونکہ التباس کا خطرہ نہیں۔ سمع کا لفظ اصل کے لحاظ سے مصدر ہے کہا جاتا ہے کہ سمعت الشیء سَمِعًا وَسَمَاعًا۔ مصدر کی جمع نہیں آتی۔ کیونکہ وہ اسم جنس ہوتا ہے۔ تو قلیل و کثیر سب کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ اس میں تشبیہ جمع کی محتاجی نہیں پس اصل کی جھلک رہتی ہے۔

نمبر ۲: یہ بھی کہا گیا کہ اس کا مضاف محذوف ہے۔ یعنی ان کے سننے کے مقامات پر۔

قراءت: ایک قراءت وَعَلَى أَسْمَاعِهِمْ ہے۔

وَعَلَى أَبْصَارِهِمْ غِشَاوَةٌ: (اور ان کی آنکھوں پر پردہ پڑا ہے) غَشِيَ: رفع کے ساتھ خبر اور مبتدا ہے۔

البصر: آنکھ کی روشنی۔ وہ چیز جس سے دیکھنے والا دیکھتا ہے جس طرح کہ بصیرت نور قلب کو کہتے ہیں اور وہ چیز ہے جس سے غور و فکر کی جاتی ہے۔ الغشاوہ۔ ڈھکنا، یہ غشاہ یعنی اس کو غشی کے لفظ کی ترتیب کسی چیز پر مشتمل ہونے کیلئے آتی ہے جیسے العصابہ (پٹی) العمامہ (پگڑی) القلاوہ (ہار) اسماع بھی مہر کے معنی میں داخل ہے۔ تغشیہ (ڈھانپنے کے حکم میں داخل نہیں ہے اسکی دلیل سورہ جاثیہ آیت نمبر ۲۳۔ وَخَتَمَ عَلَى سَمْعِهِ وَقَلْبِهِ وَجَعَلَ عَلَى بَصَرِهِ غِشَاوَةً ہے۔ کہ سمع پر ختم کا لفظ لایا گیا ہے۔

دوسری وجہ یہ ہے کہ سمعہم پر وقف ہے قلوبہم پر نہیں۔ جعل کو مضمر مان کر صرف غشاوہ اکیلے ہی کو نصب دیا ہے۔

علی سمعہم میں جار کو دوبارہ لائے۔ یہ اس بات کی دلیل ہے کہ دونوں جگہوں پر مضبوط مہر ہے۔

شیخ ابو منصور رحمہ اللہ کا قول:

شیخ ابو منصور نے کہا، جب کافر نے حق کی بات نہیں سنی۔ اور اپنی طرف اور دیگر مخلوق کی طرف بھی نگاہ نہیں ڈالی کہ اس مخلوق کے حادث ہونے کے آثار کو دیکھ کر وہ معلوم کر لیتا۔ کہ اس کا کوئی بنانے والا ہے پس اللہ تعالیٰ نے اس کو اس طرح قرار دیا۔ گویا اس کی آنکھوں اور کانوں پر پردہ پڑا ہے۔ اگرچہ حقیقت میں ایسا نہ ہو۔ یہ اس بات کی دلیل ہے کہ اسماع ان کے ہاں تغشیہ کے حکم میں داخل ہے۔ آیت ہمارے حق میں اور معتزلہ کے خلاف حجت ہے کہ اللہ تعالیٰ صلح کو بندوں کے لیے اختیار فرمانے والے ہیں۔ پس اللہ تعالیٰ نے خبر دی کہ میں نے انکے دلوں پر مہر لگا دی۔ اور اس میں شک نہیں کہ مہر کا چھوڑنا ان کے لیے زیادہ صلح ہو۔

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَقُولُ آمَنَّا بِاللّٰهِ وَبِالْيَوْمِ الْآخِرِ وَمَا هُمْ بِمُؤْمِنِينَ ۸

اور بعضے لوگ وہ ہیں جو کہتے ہیں کہ ہم اللہ پر اور آخری دن پر ایمان لائے۔ حالانکہ وہ ایمان والے نہیں ہیں

يُخٰدِعُوْنَ اللّٰهَ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَمَا يَخْدَعُوْنَ اِلَّا اَنْفُسَهُمْ وَمَا يَشْعُرُوْنَ ۹

وہ دھوکہ دیتے ہیں اللہ کو اور ان لوگوں کو جو ایمان لائے، اور نہیں دھوکہ دیتے مگر اپنی جانوں کو۔ اور وہ اس کا شعور نہیں رکھتے

وَلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ: (اور آخرت میں ان کو بڑا عذاب ہونے والا ہے) عذاب کا لفظ نکال کی طرح ہے بناوٹ و معنی ہر دو لحاظ سے کیونکہ تم کہو گے۔ اعذب عن الشیء یعنی جب وہ کسی چیز سے رک جائے جیسا کہتے ہیں نکل عنہ وہ اس سے باز آیا۔
عظیم و کبیر کا فرق:

یہ ہے کہ عظیم حقیر کے بالمقابل آتا ہے۔ کبیر صغیر کے مقابل آتا ہے گویا عظیم کبیر سے بڑھ کر ہے جیسا حقیر صغیر سے کمتر ہے۔ یہ دونوں اجسام و احداث کے بارے میں استعمال ہوتے ہیں۔ مثلاً کہو گے رجل عظیم و کبیر۔ مراد یہ ہوگی کہ اس کا جسم بڑا ہے یا رعب بڑا ہے۔

نکرو لانے کی وجہ:

غشاوة کو نکروہ لائے کہ ان کی آنکھوں پر ایک قسم کا پردہ ہے یہ وہ پردہ نہیں جس کو لوگ پردہ کہتے ہیں اور ان کے لیے بڑے دکھوں میں سے ایک بڑی قسم سے عذاب دیا جائے گا۔ جس کی حقیقت اللہ تعالیٰ ہی جانتے ہیں۔

تذکرہ منافقین:

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَقُولُ آمَنَّا بِاللّٰهِ وَبِالْيَوْمِ الْآخِرِ: (اور لوگوں میں سے بعض ایسے ہیں جو کہتے ہیں کہ ہم اللہ تعالیٰ اور قیامت پر ایمان لائے)۔

رابطہ: اللہ تعالیٰ نے سورت کو شروع فرمایا۔ ان لوگوں کے تذکرہ سے جو دین میں اخلاص اختیار کرنے والے ہیں۔ اور ان کی زبانیں اور دل حق کی موافقت کرنے والے ہیں پھر دوسرے نمبر پر ان لوگوں کا ذکر کیا جو دل و زبان سے کافر ہیں تیسرے نمبر پر منافقین کا ذکر کیا جو منہ سے ایمان لائے مگر دل ان کے مؤمن نہیں۔ یہ کفار کی خبیث ترین قسم ہے کیونکہ انہوں نے ایمان کے ساتھ کفر کو تمنا و استہزاء کی بناء پر ملا لیا۔ اس لیے ان کے بارے میں سورہ نساء کی آیت نمبر ۱۴۵: ان المنفقین فی الدرك الاسفل من النار۔ اتری۔

قول مجاہد:

مجاہد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں سورہ بقرہ کی شروع کی چار آیات میں ایمان والوں کی تعریف اور دو آیات میں کفار کا تذکرہ اور تیسرہ

آیات میں منافقین کا تذکرہ ہے ان میں ان کے مکر خباثت۔ حماقت بتلائی اور ان کی جہالت کا پردہ چاک کیا اور مثال کے طور پر ان کی مجنونانہ حرکات ظاہر کیں اور ان کی سرکشی اور اندھے پن پر مہر لگا دی اور ان کو بہرہ گونگا اندھا قرار دیا اور ان کیلئے بدترین مثالیں بیان فرمائیں منافقین کے واقعہ کو اول سے آخر تک کفر و کفر واقعہ پر عطف فرمایا۔ جیسا کہ جملہ کا عطف جملہ پر ہوتا ہے۔

الناس کا اصل اُناس ہے ہمزہ کو بطور تخفیف کے حذف کر لیا۔ اور ہمزہ کا حذف لام تعریف کی صورت میں لازم کی طرح ہے۔ کیونکہ الاناس نہیں بولا جاسکتا اور اس کا اصل انسان ”واناسی، انس“ اس پر استشہاد کے لیے کافی ہے۔

انسان کی وجہ تسمیہ:

انسان کو انسان کہنے کی وجہ ان کا ظاہر ہونا اور اس لیے بھی کہ ایک دوسرے سے مانوس ہوتے ہیں۔ یعنی دیکھتے ہیں۔ جبکہ جن کو جن ان کے چھپنے کی وجہ سے کہا جاتا ہے۔ ناس کا وزن فعال ہے، کیونکہ وزن کی بنیاد اصل پر ہوتی ہے یہ اسم جمع ہے لام تعریف اس میں جنس کے لیے آیا ہے۔ مَنْ موصوفہ ہے یَقُولُ۔ اس کی صفت ہے گویا عبارت اس طرح ہے ناس یقولون کذا (لوگوں میں سے بعض لوگ اس طرح کہتے ہیں)

وجہ ذکر ایمان باللہ والیوم الآخرۃ:

یہاں ایمان باللہ اور یوم آخرت کو انہوں نے خاص طور پر ذکر کیا۔ حالانکہ وہ ایسا وقت ہے جو آکر رہے گا۔ اور وہ ایسا ہمیشہ جس میں انقطاع نہیں اس کو یوم آخرت اس لیے فرمایا کیونکہ وہ ختم ہونے والے اوقات سے پیچھے آنے والا ہے۔

نمبر ۲: نشر کے اس محدود وقت کے بعد ہے۔ جنتی جنت میں اور دوزخی دوزخ میں داخل ہو جائیں گے۔ کیونکہ منافقین کو وہم پیدا ہوا کہ انہوں نے ایمان کی دونوں جانبیں اول و آخر کا احاطہ کر لیا، اور یہ اس لئے کہ مسائل اعتقاد یہ کا مرجع مبداء ہے اور مبداء کی حقیقت صانع کا علم اور اس کی صفات و اسماء کا معلوم کرنا ہے اور معاد کے اٹھائے جانے کا علم، قبور سے اٹھانا، پل صراط، میزان اور آخرت کے دیگر تمام احوال ہیں۔ باء کی وجہ باء کو دوبارہ لا کر اشارہ کر دیا انہوں نے دونوں پر اپنے ایمان کے صحیح اور مستحکم ہونے کا دعویٰ کیا اور یہ اس ارشاد الہی کے مطابق ہے۔ وَمَا هُمْ بِمُؤْمِنِينَ، (حالانکہ وہ مؤمن نہیں) گویا باء کو لا کر ان کے دعویٰ کی مکمل تردید کر دی)

خَجَوْا: وَمَا هُمْ بِمُؤْمِنِينَ میں فاعل کی حالت کو ذکر کیا نہ کہ فعل کی اَمَنَّا بِاللّٰهِ وَبِالْيَوْمِ الْآخِرِ میں فعل کی حالت کو ذکر کیا نہ کہ فاعل کی۔ کیونکہ مقصود ان کے دعوے کا انکار ہے اور انتہائی بلغ و مؤکد انداز سے اس کی نفی ہے کہ ان کا گروہ مؤمنوں کی جماعت سے خارج ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد المائدہ آیت نمبر ۳: یخرجون ان ینخرجوا من النار وما هم بخارجین منها۔ میں اس طرح ہے۔ اور یہ انداز کلام۔ ”ما ینخرجون منها“ کہنے کی نسبت زیادہ بلغ ہے۔

ایک نکتہ:

ایمان کو دوسری آیت میں مطلقاً ذکر کیا۔ جبکہ پہلی میں مقید۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ دونوں احتمال ہیں۔

نمبر ۱: تقیید مراد لیس اور اس پر دلالت آنے کی وجہ سے تقیید کو چھوڑ دیں۔
نمبر ۲: یہ بھی احتمال ہے کہ اصل ایمان کی نفی مراد لیس اور اس کے ضمن میں وہ نفی آجائے جو پہلے مذکور ہوئی ہے۔

ردِ کرامیہ:

آیت میں فرقہ کرامیہ (کے باطل عقیدہ) کی تردید ہے کہ ایمان صرف زبانی اقرار کو کہتے ہیں کیونکہ آیت میں منافقین کے ایمان کی نفی کی گئی ہے۔ حالانکہ اقرار تو ان کا موجود تھا۔ یہ آیت اہل سنت کے قول کی تائید کرتی ہے۔ کہ ایمان اقرار زبانی اور تصدیق جنانی کا نام ہے۔ مہاجوفی کی تاکید کے لئے لایا گیا اس کی خبر پر باء داخل ہے تاکہ سامع جب اول کلام سے غافل ہو تو شدت انکار پر اسی سے استدلال کر سکے۔

مَنْ - لفظاً واحد ہے اسی لئے یقول کا فعل واحد لائے اور معنی کا لحاظ کر کے لائے۔

تفسیر یُخَدَعُونَ اللہ:

(اس لیے کہ وہ اللہ تعالیٰ سے دھوکے کا معاملہ کرتے ہیں)

نمبر ۱: یعنی رسول اللہ ﷺ کو دھوکہ دیتے ہیں اس مضاف کو اسی طرح حذف کر دیا جیسا فرمان خداوندی سورۃ یوسف آیت نمبر ۸ وَ سَأَلِ الْقَرْيَةَ (اے اہل قریہ) ابوعلی وغیرہ نے اسی طرح کہا۔ مطلب یہ ہوا کہ ایسی چیز ظاہر کرتے ہیں جو ان کے دلوں میں نہیں ہے۔

مخادعت کا معنی:

الخداع: نفس کے اندر جو کچھ ہو اس کے الٹ ظاہر کرنا۔

نکتہ نمبر ۱: اللہ تعالیٰ نے اپنے پیغمبر ﷺ کے مرتبہ کو معظم و بلند کیا۔ کہ آپ کے دھوکہ دیئے جانے کو اپنا خداع قرار دیا جیسا کہ سورۃ فتح آیت نمبر ۱۰ ”مِنْ اِنَّ الَّذِيْنَ يَبَايِعُوْنَكَ اِنَّمَا يَبَايِعُوْنَ اللّٰهَ يَدُ اللّٰهِ فَوْقَ اَيْدِيْهِمْ“ حضور ﷺ کے دست اقدس کو اللہ تعالیٰ نے اپنا ہاتھ قرار دیا۔

نمبر ۲: یہ بھی کہا گیا وہ اپنے زعم کے مطابق اللہ کو دھوکہ دیتے ہیں کیونکہ ان کے خیال میں اللہ تعالیٰ کی ذات ان میں سے ہے۔ جن کو دھوکہ دینا صحیح ہے یہ تمثیل اکثر دو سے زیادہ کے لیے استعمال ہوتی ہے مثلاً تم کہو گے۔ عاقبت اللص۔ میں نے چور کو سزا دی۔ یہ یخدعون بھی پڑھا گیا ہے۔

نحوی تحقیق:

نمبر ۱: یہ بقول کا بیان ہے۔ نمبر ۲ یا جملہ مستانفہ ہے۔ گویا کہا گیا کہ وہ جھوٹے ایمان کا کیوں دعویٰ کرتے ہیں اس میں

ان کا کیا فائدہ ہے۔

جواباً کہا گیا کہ وہ اللہ تعالیٰ سے دھوکہ کرتے ہیں اور اس میں ان کی منفعت یہ ہے۔ کہ کفار کی طرح ان سے لڑائی نہیں کی جاتی۔ اور مؤمنین کے احکامات ان پر لاگو ہیں۔ اور وہ غنائم سے حصہ پاتے ہیں۔ وغیرہ

صاحب الوقوف کا قول:

صاحب الوقوف نامی کتاب کے مصنف نے کہا کہ ”مؤمنین“ پر وقف لازم ہے کیونکہ وصل کرنے میں تقدیر عبارت یہ بن جائے گی۔ وما ہم بمؤمنین مخادعین خداع کے وصف کی نفی ہو جائے گی جیسے کہ تم کہو۔ ماہو بر جل کا ذب وہ جھوٹا آدمی نہیں۔ حالانکہ یہاں تو مقصد ان کے ایمان کی نفی اور خداع کا ان کے لیے ثابت کرنا ہے۔

نمبر ۲: جنہوں نے یخادعون کو یقول کی خبر سے حال قرار دیا اور یقول کو اس میں عامل قرار دیا تو ان کے مطابق تقدیر عبارت اس طرح ہوگی۔ یقول امنابا للہ مخادعین۔ وہ کہتے ہیں ہم تو اللہ پر ایمان لائے حالانکہ وہ دھوکہ دینے والے ہیں۔

نمبر ۳: بمؤمنین: خَجْوٰ: یہ یقول کی ضمیر سے عال ہے اور اس کا عامل اسم فاعل ہے اس صورت میں تقدیر عبارت یہ ہوگی۔ وما ہم بمؤمنین فی حال خداعہم: (وہ اپنے دھوکہ کی حالت میں مؤمن نہیں ہو سکتے) اس صورت میں مؤمنین پر وقف بھی نہ ہوگا۔ پہلی ترکیب۔ سب سے بہتر ہے۔

”وَالَّذِينَ آمَنُوا“ (اور ایمان والوں کو دھوکہ دیتے ہیں) وہ رسول اللہ ﷺ اور مؤمنین کو ایمان ظاہر کر کے اور کفر چھپا کر دھوکہ دیتے ہیں۔

وَمَا يَخْدَعُونَ إِلَّا أَنْفُسَهُمْ (حالانکہ وہ دھوکہ نہیں دیتے مگر اپنے آپ کو) وہ یہ دھوکہ بازوں کے ساتھ ملا جلا معاملہ اپنی جانوں کے ساتھ کرتے تھے۔ کیونکہ اس کا نقصان انہی کو پہنچے گا۔ اور ان کے دھوکے کا نچوڑ آخرت کا عذاب ہے جو ان کی طرف لوٹ آیا۔ پس گویا انہوں نے اپنے آپ کو دھوکہ دیا۔ ابو عمرو۔ نافع اور ابن کثیر کی نے۔ مطابقت کے لیے۔ ”ما یخادعون“ پڑھا ہے مگر پہلے لوگوں کو عذر یہ ہے کہ خدع اور خادع۔ اس جگہ ایک معنی دیتے ہیں (اس لیے اسی طرح پڑھیں گے)۔

نفس کی مراد:

النفس: کسی چیز کی ذات و حقیقت کو کہتے ہیں۔ پھر یہ دل اور روح کے لیے بھی کہا جانے لگا۔ کیونکہ نفس کا قیام انہی دو پر ہے۔ اسی طرح خون کو بھی نفس کہتے ہیں۔ کیونکہ نفس کا قوام خون سے ہے۔ اور پانی کو بھی نفس کہتے ہیں۔ کیونکہ نفس کو اس کی بہت زیادہ ضرورت ہے۔ ”انفس“ سے یہاں مراد انکی ذاتیں ہیں۔ معنی یہ ہوگا۔ اپنی ذاتوں کو دھوکہ دینے کے سبب دھوکہ ان کو چمٹنے والا ہے۔ ان سے آگے تجاوز نہیں کرتا۔

فِي قُلُوبِهِمْ مَّرَضٌ فَزَادَهُمُ اللَّهُ مَرَضًا وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ۖ إِمَّا كَانُوا يَكْذِبُونَ ﴿١٠﴾

ان کے دلوں میں بڑا روگ ہے سو اللہ نے ان کا روگ بڑھا دیا اور ان کے لئے دردناک عذاب ہے اس وجہ سے کہ وہ جھوٹ بولا کرتے تھے۔

وَإِذَا قِيلَ لَهُمْ لَا تُفْسِدُوا فِي الْأَرْضِ قَالُوا إِنَّمَا نَحْنُ مُصْلِحُونَ ﴿١١﴾

اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ زمین میں فساد مت کرو تو کہتے ہیں کہ ہم تو صرف اصلاح ہی کرنے والے ہیں

أَلَا إِنَّهُمْ هُمُ الْمُفْسِدُونَ وَلَكِنْ لَا يَشْعُرُونَ ﴿١٢﴾

خبردار بلا شبہ یہی لوگ مفسد ہیں لیکن نہیں سمجھتے ہیں۔

وَمَا يَشْعُرُونَ: (اور وہ محسوس نہیں کرتے)۔

نتیجہ:

ان کے دھوکے کا نتیجہ دوسروں کی طرف سے ان کی طرف ہی لوٹنے والا ہے۔

معنی شعور:

الشعور: کسی چیز کا حس سے معلوم کرنا۔ یہ شعار سے لیا گیا ہے۔ شعار وہ کپڑا ہے جو جسم کے قریب ہوتا ہے (بنیان وغیرہ) مشاعر الانسان: انسانی حواس کو کہتے ہیں کیونکہ شعور کے آلات یہی ہیں۔ اب معنی یہ ہوگا۔ ان کو اس کا ضرر حسی چیز کی طرح پہنچ رہا ہے۔ اور وہ اپنی طویل غفلت کی وجہ سے اس شخص کی طرح ہو گئے ہیں جس میں حس ہی نہ ہو۔

فِي قُلُوبِهِمْ مَرَضٌ: (ان کے دلوں میں بیماری ہے) یعنی شک و نفاق، شک، دو معاملوں میں تردد کو کہتے ہیں۔ اور منافق متردد ہوتا ہے۔

حدیث میں فرمایا: مثل المنافق كمثل الشاة العائرة بين الغنمين۔ (احمد، مسلم، نسائی) منافق کی مثال اس بکری جیسی ہے جو دونوں گلوں سے الگ ہو۔

مریض:

موت و زندگی کے درمیان متردد ہوتا ہے۔ کیونکہ مرض صحت کی ضد ہے۔ اور فساد صحت کے مقابل ہے۔ اسی وجہ سے ہر بگاڑ کا نام مرض بن گیا۔ شک اور نفاق یہ دل کے فساد ہیں۔

فَزَادَهُمُ اللَّهُ مَرَضًا: (پس اللہ تعالیٰ نے ان کی بیماری بڑھا دی) یعنی غلبہ سے کمزوری اور اقتدار سے عاجزی اور بڑھ گئی یہ بھی کہا گیا۔ کہ اس سے مراد نفاق کا پیدا کرنا ہے جبکہ اس جیسا نفاق ان کے دلوں میں پہلے ہی تھا جیسا کہ زیادتی ایمان میں معلوم ہو چکا۔

وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ: (اور ان کے لیے دردناک عذاب ہے)۔

نخویوں کا قول:

مُخَو: اِیْم فَعِل کے وزن پر بمعنی مفعول ہے یعنی مولم (دروناک)

بِمَا كَانُوا يَكْذِبُونَ : (اس سبب سے کہ وہ جھوٹ بولتے تھے) یعنی 'امنا باللہ وبالیوم الآخر کے قول میں جھوٹ کے سبب۔ ما، فعل کے ساتھ مل کر مصدر کا معنی دے رہا ہے۔ کسی چیز میں پائی جانے والی حقیقت کے خلاف اس چیز کے متعلق خبر دینا۔ دیگر قراء :

يُكَذِّبُونَ پڑھتے ہیں۔ یعنی ان چیزوں کی تکذیب کر کے جن کو آپ لے کر آئے ہیں۔ بعض نے کہا۔ یہ کذب میں مبالغہ کے لیے لایا گیا۔ شدید سے لائے، جیسا کہ صدق میں مبالغہ کے لیے کہتے ہیں۔ صدق۔ ان دونوں کی نظیر بان اور بین کا لفظ ہے۔ وَإِذَا قِيلَ لَهُمْ: (جب ان سے کہا گیا) اس کا عطف یقول امّا پر ہے کیونکہ جب تم اس طرح کہو گے۔ کہ لوگوں میں سے بعض ایسے ہیں کہ جب ان سے کہا جاتا ہے۔ (لَا تُفْسِدُوا فِي الْأَرْضِ) (کہ زمین میں فساد مت مچاؤ) تو یہ تعبیر صحیح ہے۔

اصلاح و فساد:

الفساد : کسی چیز کا اس کی درست حالت اور فائدہ مند حالت سے نکل جانا اس کی ضد الصلاح ہے۔

الصلا ح : صلاح کسی چیز کو اس کی درست و نفع بخش حالت میں پالینا۔

فساد فی الارض : سے مراد لڑائی اور فتنے کا بھڑکانا۔ کیونکہ اس کی وجہ سے زمین میں جو چیزیں ہیں۔ ان کو بگاڑنا۔ اور لوگوں کے حالات اور کھیتوں اور منافع دینی و دنیوی کو میانہ روی سے ہٹانا ہے۔ منافقین کا زمین میں فساد یہ تھا۔ کہ وہ کفار کو مائل کرتے اور مسلمانوں کے راز کھول کر کفار کو مسلمانوں کے خلاف آمادہ بر شرارت کرتے اور ابھارتے۔ اور یہ امر فتنوں کے بھڑکانے کا باعث بنتا تھا۔

قَالُوا إِنَّمَا نَحْنُ مُصْلِحُونَ : (وہ کہتے ہیں بے شک ہم اصلاح کرنے والے ہیں) ہم مؤمنوں اور کافروں میں حسن سلوک سے درگتی و اصلاح کرنے والے ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ اصلاح کی صفت خاص ہم میں پائی جاتی ہے اور ہمارے ساتھ مخصوص ہے اس میں ممانعت کا کوئی شائبہ اور فساد کی کوئی صورت ملی ہوئی نہیں ہے۔

فائدہ: انما کا کلمہ کسی چیز میں حکم کو بند کرنے کے لیے آتا ہے۔ یا کسی چیز کو حکم میں بند کرنے کیلئے آتا ہے۔ جیسے کہتے ہیں۔ انما یبطل زید۔ بے شک زید جانے والا ہے اور کوئی نہیں بے شک زید ہی کا تب ہے اور کچھ نہیں۔ ما کا فہ ہے کیونکہ یہ ان کو عمل سے روک دیتا ہے۔

آلَا إِنَّهُمْ هُمُ الْمُفْسِدُونَ وَلَكِنْ لَا يَشْعُرُونَ : (سنو یہی لوگ فساد ہی ہیں لیکن وہ سمجھتے نہیں) بے شک وہی فساد ہی ہیں۔
مفعول کے معلوم ہونے پر حذف کر دیا۔

وَإِذَا قِيلَ لَهُمْ آمِنُوا كَمَا آمَنَ النَّاسُ قَالُوا أَنُؤْمِنُ كَمَا آمَنَ السُّفَهَاءُ ۚ أَلَا إِنَّهُمْ هُمُ

اور جب کہا جاتا ہے کہ ایمان لاؤ جیسا کہ اور لوگ ایمان لائے تو کہتے ہیں کہ کیا ہم ایمان لائیں جیسے یہ بیوقوف ایمان لے آئے خبردار بلاشبہ یہی

السُّفَهَاءُ وَلَكِنْ لَا يَعْلَمُونَ ۚ ۱۳ وَإِذَا لَقُوا الَّذِينَ آمَنُوا قَالُوا آمَنَّا بِحَسْبِ

بیوقوف ہیں لیکن نہیں جانتے۔ اور جب یہ لوگ ان سے ملتے ہیں جو ایمان لائے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم ایمان لے آئے

وَإِذَا خَلَوْا إِلَىٰ شُيَاطِينِهِمْ قَالُوا إِنَّا مَعَكُمْ إِنَّمَا نَحْنُ مُسْتَهْزِءُونَ ۚ ۱۴

اور جب تنہائیوں میں اپنے شیطانوں کے پاس ہوتے ہیں تو کہتے ہیں کہ بے شک ہم تو تمہارے ساتھ ہیں۔ ہم تو صرف مذاق بنانے والے ہیں

اللَّهُ يَسْتَهْزِئُ بِهِمْ وَيَمُدُّهُمْ فِي طُغْيَانِهِمْ يَعْمَهُونَ ۚ ۱۵

اللہ ان کا مذاق بناتا ہے اور ان کو ڈھیل دے رہا ہے وہ اپنی سرکشی میں اندھے ہو کر بھٹک رہے ہیں

حُجْرَۃً: ۱۱۔ یہ ہمزہ استفہام اور حرف نفی سے مرکب ہے۔ تاکہ مابعد کے ثبوت پر تنبیہ ہو جائے۔

ایک قاعدہ:

استفہام جب نفی پر آ جائے۔ تو ثبوت کا فائدہ دیتا ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد سورہ قیامہ آیت نمبر ۴۰ میں ہے اَلَيْسَ
ذَٰلِكَ بِقَدِيرٍ (یقیناً وہ قادر ہے) تحقیق کے اس مقام پر ہونے کی وجہ سے اس کے بعد آنے والا جملہ اسی انداز سے شروع ہوگا۔ جس
سے قسم ملی ہو۔ یہاں اللہ تعالیٰ نے ان کے مصلحین کی صف میں شامل ہونے کے دعویٰ کو بلیغ انداز سے رد کر دیا۔

نمبر ۱: سخت ناراضگی کے مقام پر رکھا۔

نمبر ۲: جملہ مستانفہ لاکر اس میں مبالغہ کر دیا۔

نمبر ۳: پھرتا کید کے لیے آلا اور ان لائے۔

نمبر ۴: خبر معرفہ لائے۔

نمبر ۵: لا يشعرون اور اس کے درمیان میں ضمیر فصل لائے۔

وَإِذَا قِيلَ لَهُمْ آمِنُوا كَمَا آمَنَ النَّاسُ قَالُوا أَنُؤْمِنُ كَمَا آمَنَ السُّفَهَاءُ ۚ (جب ان سے کہا جاتا ایمان لاؤ جس
طرح ایمان لائے لوگ تو وہ کہتے ہیں کیا ہم ایمان لائیں جیسے ایمان لائے بے وقوف) ان کو دو طریقوں سے نصیحت کی گئی۔ نمبر ۱۔
اس چیز کی قباحت بیان فرمائی۔ جس پر چل رہے تھے۔ کیونکہ وہ چیز صواب سے دور اور فساد سے قریب تھی۔

نمبر ۲: عقل مندوں کی اتباع سے جو رستہ رکاوٹ تھا۔ وہ ان کو واضح دکھا دیا۔ ان کا جواب یہی تھا کہ وہ اپنی طویل جہالت کی وجہ

سے ان کو بے وقوف قرار دیتے تھے۔

ایک عبرت:

اس میں اس عالم کے لیے تسلی ہے کہ جس کو جہلاء کی طرف سے اس قسم کی باتیں پہنچتی ہیں۔

ایک سوال:

سوال: قیل: کی اسناد لا تفسد وا اورا منوادونوں کی طرف درست ہے باوجودیکہ فعل کی اسناد فعل کی طرف صحیح نہیں ہوتی۔

جواب: یہاں فعل کی طرف اسناد ہے جو کہ جائز ہے۔ اور فعل کی اسناد معنی فعل کی طرف ممنوع ہے گویا کہ اس طرح کہا گیا۔ جب ان کو یہ بات کہی گئی۔ تو اسی سے یعنی دماغ پر جھوٹا گمان سوار کر لیا۔

کما: نَحْنُ: کما میں ما کافہ ہے جیسا کہ ربما میں ما مصدریہ ہے جیسا کہ: بِمَا رَحَّبْتُ سُوْرَةُ التَّوْبَةِ آیت نمبر ۲۵ میں۔
الناس۔ نمبر ۱۔ الناس میں لام عہد خارجی کا ہے یعنی جس طرح ایمان لائے رسول اللہ اور جوان کے ساتھ ہیں۔ اور وہ معین لوگ ہیں۔ عبد اللہ بن سلام اور ان کے ساتھ والی جماعت یعنی جس طرح ایمان لائے تمہارے ساتھی اور بھائی

الف لام:

نمبر ۲: (ا) لام جنس کا ہو یعنی جس طرح انسانیت میں کامل لوگ ایمان لائے۔

(ب): ایمان والوں کو گویا حقیقی انسان قرار دیا اور ان کے علاوہ لوگوں کو حیوان کہا۔

كَمَا اٰمَنَ: میں کاف محل نصب میں ہے کیونکہ یہ مصدر محذوف کی صفت ہے۔ یعنی (ایمانا مثل ایمان الناس)۔ یعنی ایسا ایمان جو لوگوں کے ایمان کی طرح ہو۔ اور کما امن السفهاء بھی اسی طرح ہے۔ انؤمن میں استفہام انکاری ہے (یعنی ہم ایمان نہیں لائے) السفهاء میں لام سے الناس کی طرف اشارہ کرنا مقصود ہے جن کو انہوں نے بے وقوف قرار دیا تھا۔ حالانکہ وہ لوگ عقل مند اور حلیم ہیں۔ کیونکہ انہوں نے اپنے جہل سے یہ اعتقاد کر لیا کہ جس راستے پر وہ ہیں۔ وہ برحق ہے اور اس کے علاوہ سب باطل ہے۔ جو آدمی باطل پرست بن جائے تو بے وقوف ہے۔

السفہ۔ کم عقلی، بے حوصلہ ہونا

اَلَا اِنَّهُمْ هُمُ السُّفَهَاءُ وَلٰكِنْ لَا يَعْلَمُوْنَ: (بے شک وہ وہی بے وقوف ہیں)

فرق کی وجہ:

یہاں لا يعلمون فرمایا۔ اور پہلے لا يشعرون کہا گیا۔

نمبر ۱: کیونکہ یہاں السفہ کا ذکر کیا اور وہ جہالت کو کہتے ہیں۔ پس اس کے ساتھ علم کا تذکرہ بہترین مطابقت رکھتا ہے

نمبر ۲: ایمان میں غور و فکر اور دلیل کی ضرورت ہے تاکہ دیکھنے والا معرفت حاصل کرے۔ باقی فساد فی الارض ایک ایسا معاملہ ہے جس کی بنیاد عادات پر ہے پس وہ حسی معاملے کی طرح بن گیا۔ (اس لیے وہاں شعور و حس کی نفی کی ہے)

نحوی تحقیق :

نحو: السفہاء یہ ان کی خبر ہے۔ ہم ضمیر فصل ہے یا مبتدا ہے لہذا السفہاء اس کی خبر ہے۔ اور یہ مل کر ان کی خبر ہے۔
وَإِذْ أَلْقُوا الَّذِينَ آمَنُوا قَالُوا آمَنَّا: (جب وہ ایمان والوں سے ملتے ہیں تو کہتے ہیں ہم ایمان لائے)
قرأت: ابو حنیفہ رحمہ اللہ نے اذا لاقوا پڑھا ہے۔ اہل عرب لقیۃ، لاقیتہ، دونوں بولتے ہیں۔ جبکہ قریب سے اس کا سامنا ہو۔
زبط: پہلی آیت میں منافقین کے طریقے اور ان کے نفاق کی ترجمانی کی۔ اور اس آیت میں ایمان والوں کے ساتھ جو ان کا سلوک تھا۔ یعنی استہزاء اور بچوں کے روپ میں ملنا۔ اور ان کو وہم دلانا کہ وہ ان کے ساتھ ہیں۔ وغیرہ کا ذکر کیا گیا۔
وَإِذَا خَلَوْا إِلَى شَیْطَانِهِمْ: (اور جب وہ تنہائی میں اپنے شیطانوں سے ملتے ہیں) خلوت بفلان والیہ بولتے ہیں جب اس کے ساتھ علیحدگی اختیار کرے۔ الی کے صلہ سے استعمال زیادہ بلیغ ہے۔ کیونکہ اس میں ابتدا و انتہا کی دلالت پائی جاتی ہے۔ مطلب یہ ہوا کہ جب ایمان والوں سے الگ ہو کر اپنے شیاطین کے ہاں علیحدگی میں جاتے ہیں اور یہ بھی درست ہے کہ خلا۔ ”مضی“ کے معنی میں ہو۔

شیاطین کون:

شیاطین: سے مراد وہ لوگ ہیں جو سرکشی میں شیاطین کے مماثل ہیں۔ اور وہ یہودی ہیں۔

سیبویہ کا قول:

نمبر ۱: **نحو:** شیاطین کا نون اصلی ہے اس کی دلیل تشیطن ہے۔
نمبر ۲: یہ نون زائدہ ہے یہ شطن سے نکلا ہے جو بعد کے معنی میں ہے۔ اس لیے کہ شیطان بھلائی اور خیر سے دور ہے۔ یا شاط سے ہے یعنی جب باطل و بیکار ہوا۔ شیطان کا نام الباطل ہے۔
قَالُوا إِنَّا مَعَكُمْ: (تو ان کو کہتے ہیں بے شک ہم تمہارے ساتھ ہیں) ہم تمہارے ساتھی اور دین میں موافقت کرنے والے ہیں۔ منافقین نے مسلمانوں کو جملہ فعلیہ بول کر خطاب کیا۔ اور شیاطین کو ان تحقیقیہ والے جملہ اسمیہ سے مخاطب کیا۔ کیونکہ ایمان والوں کو مخاطب کرتے ہوئے منافقین کا دعویٰ یہ تھا۔ کہ ایمان ایک نو ساختہ چیز ہے۔ اس بات کے دعوے دار نہ تھے۔ کہ وہ ایمان میں منفرد ہیں۔ خواہ اس کی وجہ یہ ہو۔

نمبر ۱: کہ ان کے اپنے نفس اس پر ان کی معاونت کرنے والے نہ تھے۔ کیونکہ ان کے عقائد اس کا باعث اور محرک نہیں تھے۔ خواہ اس کی وجہ یہ ہو۔ کہ اگر وہ اپنی بات مبالغے اور تاکید سے کرتے تو چل نہ سکتی۔ البتہ اپنے ہم جنسوں سے خطاب رغبت سے تھا۔ اور مقبول اور مروج بھی تھا۔ اس لیے وہ تحقیق و تاکید کے موقعہ محل میں تھا۔ تاکہ کافروں کو ان کے کفر پر قائم رہنے کا یقین ہو جائے۔

استہزاء کا مفہوم:

اِنَّمَا نَحْنُ مُسْتَهْزَءُونَ۔ (ہم ان کے ساتھ استہزاء کرنے والے ہیں) یہ انا معکم کی تاکید ہے۔ کیونکہ اس کا مقصد یہودیت پر ثابت قدمی ہے۔ اور اِنَّمَا نَحْنُ مُسْتَهْزَءُونَ کہہ کر اسلام کی تردید کی ہے۔ اور اپنے سے اسلام کا دور کرنا مقصود ہے کیونکہ کسی چیز کا استہزاء کرنے والا اور اس کی تحقیر کرنے والا اس کا منکر ہوتا ہے۔

قاعدہ: کسی چیز کی نفی کا دور کرنا اس کے ثبوت کی تاکید ہوتی ہے۔ یا یہ جملہ مستانفہ ہے پھر کلام اس طرح بنے گا۔ کہ جب منافقین نے اپنے شیاطین کو اِنَّا مَعَكُمْ کہا۔ تو جواب میں شیاطین الانس نے کہا۔ اگر تم ہمارے ساتھ ہو تو پھر مؤمنین کی موافقت کیوں کرتے ہو؟ تو منافقین نے جواباً کہا۔ اِنَّمَا نَحْنُ مُسْتَهْزَءُونَ (کہ تم شک میں مت رہو ہم تو ان سے موافقت ان کا مذاق اڑانے کے لیے کرتے ہیں)

الاستہزاء:

مذاق اڑانا، مسخری کرنا، حقیر قرار دینا۔ اصل باب کا معنی خفت یعنی ہلکا سمجھنا استہزاء یہ ہزاء سے بنا ہے جس کا معنی ہے جو جلدی قتل کرتا ہے۔ اور ہزاء یہزاء کا معنی موقع پر ہلاک ہونا مر جانا ہے۔

اللَّهُ يَسْتَهْزِئُ بِهِمْ: (اللہ تعالیٰ ان کے ساتھ استہزاء کا معاملہ کرے گا)۔ یعنی ان کو استہزاء کا بدلہ دے گا۔ جزاء استہزاء کا نام استہزاء رکھ لیا گیا۔ جیسا کہ سورہ شوریٰ آیت نمبر ۴۵ میں وَجَزَاءُ سَيِّئَةٍ سَيِّئَةٌ مِّثْلُهَا اور سورہ بقرہ آیت نمبر ۱۹۴ اَفَمَنْ اَعْتَدَىٰ عَلٰیكُمْ فَاَعْتَدُوْا عَلَيْهِ۔ میں جزاء سیئہ کو سیئہ اور جزاء اعتداء کو اعتداء قرار دیا گیا۔ اگرچہ جزاء سیئہ واعتداء سیئہ اور اعتداء نہیں ہوتی اور اس کی وجہ یہ ہے کہ استہزاء اللہ تعالیٰ کی ذات کے لائق و مناسب نہیں۔ کیونکہ عبث اور عیب ہے۔ جس سے اللہ تعالیٰ کی ذات پاک ہے۔

امام زجاج:

کہتے ہیں۔ پسندیدہ قول یہ ہے۔ اللَّهُ يَسْتَهْزِئُ بِهِمْ۔ کو بغیر عطف کے جملہ مستانفہ لانا بڑی شان عظمت رکھتا ہے۔ اس میں یہ بات بتلائی کہ اللہ تعالیٰ ہی ان سے انتہائی شدید استہزاء فرمانے والے ہیں۔ جس کے مقابلے میں ان کا استہزاء کچھ حقیقت نہیں رکھتا۔ اس لیے کہ ان پر اس کی وجہ سے ذلت، عذاب اور رسوائی اترے گی اور اس لیے کہ اللہ تعالیٰ کی سزائیں اور بلائیں لمحہ بہ لمحہ اترتی رہیں گی۔

سوال: اللَّهُ يَسْتَهْزِئُ بِهِمْ فرمایا۔ اللہ مستہزی بہم نہیں فرمایا۔ ایسا کیوں؟

جواب: تاکہ اِنَّمَا نَحْنُ مُسْتَهْزَءُونَ کے ساتھ لفظاً مطابق ہو جائے اور تو اتر سزا پر بھی دلالت ہو۔

وَيَمْدُهُمْ: (اور انہیں مہلت دے گا) یعنی ان کو مہلت دے گا۔ یہ زجاج کا قول ہے۔

فِي طُعْيَانِهِمْ: (ان کی سرکشی میں) کفر میں حد سے بڑھنا يَعْصُوْنَ (وہ حیران ہیں) یہ حال واقع ہے یعنی حیران اور متردد ہیں۔

أُولَٰئِكَ الَّذِينَ اشْتَرُوا الضَّلَالَةَ بِالْهُدَىٰ ۖ فَمَا رَبَحَتِ تِجَارَتُهُمْ وَمَا

یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے ہدایت کے بدلہ گمراہی خرید لی۔ سو ان کو تجارت نفع مند نہ ہوئی۔ اور نہ

كَانُوا مُهْتَدِينَ ﴿۱۶﴾

وہ ہدایت پر چلنے والے بنے۔

یہ اس صلح للعبد کے سلسلہ میں معتزلہ کے خلاف دلیل ہے۔

عُمۃ: بصیرت و دانائی کے ضائع ہونے کہتے ہیں۔

أُولَٰئِكَ: (یہ لوگ) نَحْوُ: یہ مبتدا ہے اس کی خبر الَّذِينَ اشْتَرُوا الضَّلَالَةَ بِالْهُدَىٰ یعنی اس کے بدلہ میں لے لیا اور ہدایت پر اس کو ترجیح دی۔

ایک سوال:

سوال: اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ (اشْتَرُوا الضَّلَالَةَ بِالْهُدَىٰ) خرید لیا گمراہی کو ہدایت کے بدلہ میں۔ کہ انہوں نے ہدایت کے بدلہ میں گمراہی کو لے لیا۔ حالانکہ وہ تو ہدایت پر نہیں تھے۔

جواب: اس لیے کہ منافقین ایسی قوم میں سے تھے جو ایمان لانے کے بعد پھر کافر ہو گئے (پس اشتراء ضلالت کا مصداق بن گئے) لفظ تجارت ربح کے فاعل سے متصل ہے یا تجارت ربح کا سبب ہے۔

نمبر ۲: ان کو ہدایت پر قدرت دی گئی تھی۔ گویا ہدایت ان میں قائم تھی پس اس کو قدرت کے باوجود اختیار نہ کیا تو گویا ہدایت کو ضلالت کے بدلے ترک کر دیا۔

مسئلہ بیع تعاظمی:

بیع تعاظمی جائز ہے کیونکہ منافقین نے لفظ اشتراء کا نہیں بولا۔ لیکن ہدایت کو گمراہی کے بدلے میں اپنے اختیار سے چھوڑا ہے۔ اسی کو اللہ تعالیٰ نے شراء کا نام دیا ہے۔ پس یہ ہمارے لیے ثبوت بن گیا۔ کہ جس نے کسی دوسرے سے چیز لی اور اس کا عوض اس کے لیے اس کی رضا مندی سے چھوڑ دیا تو گویا اس نے اس چیز کو خرید لیا خواہ لفظ شراء کا استعمال نہیں کیا۔ یہی بیع تعاظمی کہلاتی ہے۔

الضَّلَالَةُ: میانہ روی سے مائل ہونا۔ ہٹنا اور راہ کو گم پانا کہا جاتا ہے۔

ضل منزلہ: وہ اپنا مرتبہ بھول گیا۔ یہ دین میں سیدھے راستے سے ہٹ جانے کے لیے بطور استعارہ استعمال ہوتا ہے۔

مَثَلُهُمْ كَمَثَلِ الَّذِي اسْتَوْقَدَ نَارًا ۖ فَلَمَّا اَضَاءَتْ مَا حَوْلَهُ ذَهَبَ

ان کی مثال ایسی ہے جیسے کسی شخص نے آگ جلائی پھر جب اس آگ نے اس شخص کے آس پاس کو روشن کر دیا تو اللہ تعالیٰ نے

اللَّهُ يَبْوِرُهُمْ وَتُرْكَهُمْ فِي ظُلُمَاتٍ لَا يُبْصِرُونَ ۖ صُمُّوا بِكُمْ عُمَىٰ فَهُمْ لَا يَرْجِعُونَ ۝۱۸

ان کی روشنی کو ختم کر دیا۔ اور ان کو اندھیروں میں چھوڑ دیا کہ وہ دیکھ نہیں رہے ہیں۔ یہ لوگ بہرے میں گونگے ہیں اندھے ہیں پس یہ لوگ رجوع نہ ہوں گے

تجارت کیا ہے؟

فَمَا رِبْحُ تِجَارَتِهِمْ: (پس ان کی تجارت نے انہیں نفع نہ دیا)

تعریف ربح: اصل مال میں اضافہ کو کہا جاتا ہے۔

تجارت: کاریگری۔ تاجر کافن:

تاجر: نفع کی خاطر خرید و فروخت کرنے والا۔ نفع کی نسبت تجارت کی طرف اسناد مجازی ہے اس کا معنی انہیں اپنی اصل تجارت میں نفع نہ ہوا اور ضائع کر دی۔ جب تجارت فائدہ مند نہ رہی اور مجازاً گمراہی کا ہدایت کے بدلے خریدنا ثابت ہو گیا۔ تو اس کے بعد بطور استعارہ ترشیحہ کے ربح اور تجارة کا ذکر کر دیا جیسا کہ شاعر نے اپنے اس شعر میں۔

لَمَا رَايَتِ التَّسْرَ عَزَابِنَ ذَابَةً وَعَشَّشَ فِي وَكْرِهِ جَاشَ لَهُ صَدْرِي مِثْلَ بَرْهَانٍ كُنْزٍ أَوْ سِيَاهِ بَالُونٍ كَوَكْرِي سَ تَشْبِيهِ دِي۔ اس کے بعد گھونسلا بنانے اور گھونسلا کا ذکر کر دیا۔

وَمَا كَانُوا مُهْتَدِينَ: (اور وہ ہدایت پانے والے نہ تھے) وہ طریق تجارت کی طرف راہ پانے والے نہیں۔ جس طرح تجارت اپنی مرضی استعمال کرنے والے اور اپنے نفع و نقصان کی اشیاء کو جاننے والے ہوتے ہیں۔

مفہوم آیت:

اب مطلب یہ ہوا کہ تجارت کا مقصد اصل مال اور نفع کا محفوظ رکھنا ہوتا ہے۔ اور ان لوگوں نے ان دونوں چیزوں کو ضائع کر دیا۔ پس ان کا اصل مال ہدایت تھی۔ اور وہ گمراہی کے ہوتے ہوئے باقی نہیں رہی۔ جب فقط گمراہی رہ گئی تو اسی لیے ان کو نفع سے محروم ہونے والے فرمایا۔ اگرچہ دنیاوی اغراض ان کو میسر آ گئیں۔ (اور وہ ہدایت کے مقابلہ میں بیچ در بیچ ہیں)

کیونکہ گمراہ نقصان اٹھانے والا ہے اور جس آدمی کا اس المال سلامت نہ رہے۔ اس کو نفع پانے والا نہیں کہا جاتا۔

مَحْمُود: کہا گیا ہے الذی، اولئک کی صفت ہے۔ اور فمار بحت سے آخر آیت تک محل رفع میں اولئک کی خبر ہے۔

مَثَلُهُمْ كَمَثَلِ الَّذِي اسْتَوْقَدَ نَارًا: (ان کی مثال اس جیسی ہے جس نے آگ جلائی) جب منافقین کی صفت حقیقت ذکر کر دی تو اس کے بعد مزید انکشاف حقیقت اور تکمیل بیان کے لیے مثالیں بیان فرمائیں۔

مثال کی غرض اور حقیقت:

مخفی معانی اور حقائق سے پردہ اٹھانے کے لیے مثال بیان کرنا بڑا اثر رکھتا ہے گزشتہ آسمانی کتابوں میں کثرت سے مثالیں ذکر کی گئیں۔ انجیل کی سورتوں میں ایک سورت کا نام سورۃ الامثال ہے۔

مثل کا معنی:

کلام عرب میں مثل کو کہتے ہیں نظیر کا یہی معنی ہے کہا جاتا ہے مثل۔ مثل، مثیل جیسے شبہ، شبہ اور شبیہ۔ پھر مشہور قول کے لیے بولا جانے لگا۔ جس سے موقع کی مثال بیان کی جائے مثل کہنے لگے اور مثال اسی بات کی بیان کی جاتی ہے جس میں انوکھا پن ہو۔ اسی لیے اس کی حفاظت کی جاتی ہے پس وہ بدلتی نہیں۔ کبھی استعارہ کے طور پر مثل کو حال یا صفت یا قصہ کے معنی میں استعمال کرتے ہیں جبکہ اس کی کوئی حالت اور انوکھی بات ہو۔ گویا یہاں کہا گیا۔ ”حالہم العجیبة الشان“ ان کی عجیب حالت اس آدمی کے حال کی طرح ہے جس نے آگ روشن کی۔ اور یہی معنی مَثَلُ الْجَنَّةِ الَّتِي وُعدَ الْمُتَّقُونَ۔ سورہ رعد آیت نمبر ۳۵ میں ہے کہ جو عجائب ہم نے بیان کیے۔ ان میں جنت کا عجیب حالت والا واقعہ ہے۔ پھر اس کے عجائبات بیان فرمائے۔ وَلِلّٰهِ الْمَثَلُ الْاَعْلٰی۔ سورۃ النحل آیت نمبر ۶۰ میں یہی معنی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے لیے ایسی صفات ہیں جن کا عظمت و جلال میں بڑا مقام ہے۔ یا الذی کو الذین کی جگہ لائے۔ جیسا کہ سورۃ توبہ آیت نمبر ۶۵ و خضتم كالذی خاضوا۔ میں ہے کیونکہ جماعت کی تمثیل اکیلے کے ساتھ نہیں ہو سکتی۔ یا آگ جلانے والوں کی جنس بیان کرنا مقصود ہے یا وہ گروہ مراد ہے جس نے آگ جلانی۔ اس طرح کہ منافقین کی ذاتوں کو آگ روشن کرنے والے سے تشبیہ نہیں دی ہے۔ کہ جس سے جماعت کی واحد سے تشبیہ والا اعتراض آئے۔ بلکہ ان کے واقعہ کو آگ جلانے والے کے واقعہ سے تشبیہ دی ہے۔ استوقدہ کا معنی اوقد (جلانا) ہے۔ وقود النار۔ آگ کی چمک۔ النار (آگ) ایک لطیف روشنی کرنے والا گرمی دینے والا جلانے والا جوھر ہے یہ نار، بنار سے مشتق ہے جب وہ بھاگے اور کوچ کرے۔ کیونکہ اس میں حرکت واضطراب پایا جاتا ہے۔

نور وضوء کا معنی:

فَلَمَّا أَضَاءَتْ مَا حَوْلَهُ: (جب اس آگ نے اس کا ماحول روشن کر دیا) اضاءت۔ خوب روشن کرنے کو کہتے ہیں۔ اور اس کا مصداق سورۃ یونس کی آیت نمبر ۵ هو الذی جعل الشمس ضیاء والقمر نوراً آیت میں اضاءت کا لفظ متعدی ہے اور ماحولہ کی طرف اس کی نسبت ہے۔ اور غیر متعدی بھی ہو سکتا ہے، مؤنث معنی کے لحاظ سے لائی گئی۔ کیونکہ آگ جلانے والے کے ارد گرد جگہیں اور اشیاء ہیں۔ اور فَلَمَّا أَضَاءَتْ کا جواب۔ ذَهَبَ اللّٰهُ بِنُورِهِمْ ہے۔

نحوی تحقیق:

نَحْوُ: لَمَّا ظرف زمان ہے اور اس میں اس کا جواب اذا کی طرح عامل بن رہا ہے اور ماحولہ کا موصولہ ہے اور حَوْلَهُ ظرف ہونے کی وجہ سے منصوب ہے۔ یا نکرہ موصوفہ ہے۔ اور تقدیر عبارت یہ ہے۔ فلما اضاءت شیئاً ثابتاً حوله: جب اس

روشن ثابت ہونے والی چیز نے اپنے ارد گرد۔

نُورُهُمْ میں ہُم ضمیر کو جمع لائے اور حَوْلَہ میں ضمیر واحد لائی گئی۔ کیونکہ کبھی تو اس کو لفظ پر محمول کیا اور کبھی معنی پر (اور دونوں کا لحاظ کر کے ضمیریں لائی گئیں)

النور : آگ کی روشنی کو کہتے ہیں۔ اور ہر روشن چیز کی روشنی کو کہتے ہیں۔

ذہب : کا معنی اذہب ہے یعنی اس کو زائل کر دیا۔ اور اس کو زائل ہونے والا بنا دیا۔ ذہب بہ۔ کا معنی ساتھ لے جانا اور لے جانا۔ اب مطلب یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے ان کی روشنی لے لی۔ اور اس کو روک دیا اور جس چیز کو اللہ تعالیٰ روک دے۔ اس کو کوئی چھوڑا سکتا نہیں۔ فَلَا مُرْسِلَ لَہُ سورۃ فاطر آیت نمبر ۲ یہ اذہاب کے لفظ سے زیادہ بلیغ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ذہب اللہ بضوء ہم نہیں فرمایا۔

وجہ ذکر:

فَلَمَّا أَضَاءَتْ کالْحَاظِ کر کے۔ اس لیے کہ نور کا تذکرہ زیادہ بلیغ ہے ضواء میں اضافہ پر دلالت موجود ہے اور مقصود یہاں روشنی کا ان سے مکمل طور پر دور کرنا ہے۔ اگر ذہب اللہ بضوء ہم کہا جاتا۔ تو زائد روشنی کے چلے جانے کا اور جن کو نور کہا جاتا ہے ان کے باقی رہنے کا وہم رہتا۔ کیا تم سیاق کلام پر غور نہیں کرتے۔ کہ اس کے بعد وَتَرَکْهُمْ فِی ظُلُمٍ لَّیَا گیا۔ الظلمہ : وہ عرض ہے جو نور کے منافی ہے۔ اس کو جمع اور نکرہ لائے۔ اور اس کے بعد وہ چیز لائے جو دلالت کرتی ہے کہ وہ اندھیرا ہے جس میں کوئی کڑی نظر نہیں آتی۔ اور وہ ارشاد الہی : لَا یُبْصِرُونَ ہے (کہ وہ اس میں کچھ نہیں دیکھتے)۔

نحوی اشارے:

ترکھم : مخجور : ترک بمعنی طرح اور خلی (پھینکنا اور چھوڑنا) کے معنی میں ہوتا ہے۔ جب ایک چیز سے معلق ہو۔ اور اگر دو چیزوں سے معلق کریں۔ تو صیر کے معنی کو متضمن ہوتا ہے اس وقت یہ افعال قلوب کی جگہ آ جاتا ہے یہاں اسی معنی میں ہے۔ اصل اس طرح بنے گا۔ هُمْ فِی ظُلُمَاتٍ۔ پھر تَرَکْ کو داخل کر کے دونوں جزوں کو منصوب کر دیا۔ لَا یُبْصِرُونَ کے مفعول کو ساقط کرنا اس قسم میں سے ہے جس کو متروک مطروح کہتے ہیں۔ (جس کو پھینکنے کے لیے چھوڑا) یہ تَرَکْ مفعول مقدر منوی کی قسم سے نہیں۔ گویا فعل اصل کے لحاظ سے غیر متعدی ہے (یعنی متروک مطروح) ان کی حالت کو آگ جلانے والے کی حالت سے مشابہت دی۔ کیونکہ آگ روشن کرنے کے نتیجہ میں وہ اندھیرے اور حیرانی میں پڑ گئے ہاں منافق تو ہمیشہ کفر کے اندھیروں میں ٹامک ٹوئیاں مارتا پھرتا ہے۔

تفسیر اول:

لیکن مراد یہاں یہ ہے کہ وہ کلمہ جو ان کی زبان پر جاری ہے اس سے انہوں نے فائدہ کی ذرا سی روشنی حاصل کی حالانکہ اس

کلمہ کی روشنی کے پیچھے تو منافقت کا اندھیرا پایا جاتا ہے جو ان کو اندھیرے کی سرمدی سزا تک پہنچانے والا ہے۔
تفسیر دوم:

آیت کی ایک اور بھی تفسیر ہے کہ جب ان کے متعلق بتلایا گیا۔ کہ انہوں نے گمراہی کو ہدایت کے بدلہ میں خرید لیا ہے پھر یہ تمثیل ذکر کی تاکہ ان کی اس ہدایت کو جس کو انہوں نے فروخت کیا۔ اس آگ سے تشبیہ دی جس نے اپنے جلانے کے ماحول کو روشن کر رکھا ہے۔ اور اس گمراہی کو جس کو انہوں نے خرید لیا اس حالت میں کہ اللہ تعالیٰ نے انکی روشنی کو دور کر دیا۔ اور ان کو اندھیروں میں چھوڑ دیا ہے سے تشبیہ دی۔ تاکہ تمثیل سامنے آجائے استوقد نار میں نار کو نکرہ تعظیم کے لیے لائے۔
صُمُّ بَكْمٌ عُمَى: (وہ گونگے بہرے اندھے ہیں) وہ بہرے ہیں حالانکہ ان کے حواس صحیح سالم تھے مگر جب انہوں نے حق کی طرف کان لگانے سے اپنے آپ کو روک دیا۔ اور زبانوں پر حق لانے سے انکار کر دیا اور آنکھوں سے طریق حق کو دیکھنے سے انکار کر دیا تو ان کو اس طرح قرار دیا گویا ان کے حواس آفت زدہ ہو گئے اور علماء بیان کے ہاں یہ اسی طرح ہے جیسے ہم لیوٹ للشجعان و بحور للاسchiاء کہ وہ ایسے بہادروں کے لیے شیر اور خیلوں کے لیے سمندر ہیں۔ مگر یہ طریق صفات میں ہے۔ اور آیت میں وہ اسماء ہیں اور ان میں جاری ہے۔

تشبیہ بلیغ:

آیت میں صحیح بات یہ ہے کہ تشبیہ بلیغ ہے۔ استعارہ نہیں کیونکہ جب مستعار لڑکا تذکرہ سمیٹ لیا گیا ہو اور کلام کو اس سے خالی رکھا جائے۔ مناسب یہ ہے کہ اس سے منقول عنہ اور منقول الیہ مراد لیا جائے۔ اگر دلالت حال یا انداز کلام نہ پایا جائے۔

لوٹنے کا مطلب:

فَهُمْ لَا يَرْجِعُونَ: (پس وہ نہ لوٹیں گے) نمبر ۱: وہ ہدایت کی طرف نہیں لوٹیں گے۔ اس کے بعد کہ انہوں نے ہدایت کو بیچ ڈالا۔

نمبر ۲: وہ گمراہی سے باز نہیں آئے اس کے بعد کہ انہوں نے گمراہی کو خرید لیا۔ کیونکہ کسی چیز کی طرف لوٹنا اور یہ دونوں الگ الگ چیزیں ہیں۔

نمبر ۳: مراد یہ ہے کہ وہ حیران و پریشان اپنی جگہ پر جمے بیٹھے ہیں۔ نہ وہ لوٹتے ہیں اور نہ وہ جانتے ہیں کہ انہوں نے آگے بڑھنا ہے یا پیچھے ہٹنا ہے۔

أَوْ كَصَيْبٍ مِّنَ السَّمَاءِ فِيهِ ظُلُمَاتٌ وَرَعْدٌ وَبَرْقٌ يَّجْعَلُونَ أَصَابِعَهُمْ

یا ان کی ایسی مثال ہے جیسے آسمان سے تیز بارش ہو رہی ہو اس میں اندھیریاں ہوں اور گرج ہو اور بجلی ہو یہ لوگ موت کے اندیشے کے سبب

فِي أَذَانِهِمْ مِّنَ الصَّوَاعِقِ حَذَرَ الْمَوْتِ ۖ وَاللَّهُ مُحِيطٌ بِالْكَافِرِينَ ۝۱۹

اپنے کانوں میں انگلیاں دے رہے ہیں کڑک کی وجہ سے ، اور اللہ تعالیٰ احاطہ کئے ہوئے ہے کافروں کو،

دوسری تمثیل:

أَوْ كَصَيْبٍ مِّنَ السَّمَاءِ فِيهِ ظُلُمَاتٌ وَرَعْدٌ وَبَرْقٌ : (یا جیسے بادل آسمان میں اس میں اندھیرے اور گرج اور بجلی ہے) ان کے متعلق بات کو اور زیادہ واضح کرنے کے لیے ایک دوسری تمثیل ذکر کی پہلی تمثیل میں منافقین کو آگ جلانے والے سے اور اظہار ایمان کو آگ روشن کرنے سے اور اس سے فائدہ کے منقطع ہونے کو آگ کے بجھنے سے تشبیہ دی۔ اور اس تمثیل دین کو بادل سے تشبیہ دی۔ کیونکہ دل دین سے اسی طرح زندہ ہوتے ہیں جیسے بارش سے زمین۔ اور کفار کو دین کے سلسلہ میں شبہات کو ظلمات سے تشبیہ دی۔ اور قرآن میں جو وعدے اور وعیدیں ہیں۔ ان کو رعد و برق سے تشبیہ دی اور منافقین کو گھبراہٹیں اور مصائب اہل اسلام کی طرف سے پہنچتے ہیں ان کو صواعق (گرج) سے تشبیہ دی پس معنی اس طرح ہوگا۔ یا ان کی مثال بادل والے جیسی ہے۔ مثل کا لفظ حذف کر دیا۔ کیونکہ عطف کی دلالت اس کے لیے موجود ہے اور ذوی کا لفظ حذف کیا کیونکہ یجعلون اس پر دلالت کرتا ہے۔

مراد:

یہ کہ ان کی مثال اس قوم جیسی ہے جن کو اس طرح کی بارش نے گھیر لیا ہو۔ پھر ان کو اس بارش سے وہ پہنچا ہو جو ان کو پہنچا۔ یہ تشبیہ اشیاء کی اشیاء کے ساتھ ہے البتہ صراحت کے ساتھ مشبہات کا ذکر نہیں کیا۔ جیسا کہ سورہ غافر آیت نمبر ۵۸ وَمَا يَسْتَوِي الْأَعْمَىٰ وَالْبَصِيرُ وَالَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ وَلَا الْمُسِيءُ میں ہے۔ اور امرء القیس کے اس قول میں بھی اسی طرح ہے۔

كَأَنَّ قُلُوبَ الطَّيْرِ رَطْبًا وَيَابَسًا لَدَىٰ وَكْرَهَا الْعُنَابُ وَالْحَشَفُ الْبَالِي (ردی کھجور)

(گویا پرندوں کے دل گھونسلوں کے قریب اس طرح رطب و یابس ہیں جیسے عناب اور ردی کھجور)

بلکہ آیت میں استعارہ کے انداز میں تذکرہ کو سمیٹ دیا۔

تشبیہ مرکب:

قول فیصل: صحیح بات یہ ہے کہ دونوں تمثیلیں ان تمثیلات میں سے ہیں۔ جو مرکب ہوتی ہیں، مفرق نہیں ہوتیں۔ کیونکہ اس میں

ایک ایک چیز کو دوسری ایک ایک چیز کے ساتھ مشابہت کی مقدار سے تشبیہ دینی پڑتی ہے وضاحت اس کی اس طرح ہے کہ اہل عرب چیزوں کو ایک ایک کر کے لیتے ہیں جبکہ وہ الگ الگ ہوں۔ اور اس سے جوڑ نہ رکھتی ہوں۔ ان اشیاء کی تشبیہات ان کے نظائر سے ہوتی ہے جیسا کہ امرؤ القیس نے کہا۔ کہ کیفیت حاصل کو ان اشیاء کے مجموعہ سے تشبیہ دی۔ جو آپس میں اس طرح ملی جلی اور منسلک ہیں۔ کہ دوسری سے مل کر وہ ایک چیز بنتی نظر آتی ہے۔ جیسا کہ سورۃ الجمعہ کی آیت نمبر ۵ مَثَلُ الَّذِينَ حُمِلُوا التَّوْرَةَ ثُمَّ لَمْ يَحْمِلُوهَا فِي تَوْرَاتٍ کے ہوتے ہوئے۔ یہودیوں کی جہالت والی حالت کو جو کہ حکمت کی کتابیں۔ اٹھانے والے گدھے کی جہالت والی حالت سے تشبیہ دی۔ کیونکہ اس کے لیے کتابیں اٹھانا یا دیگر بھاری بوجھ میں دونوں برابر ہیں۔ اور اس کو اس کا کچھ شعور نہیں۔ سوائے اس تھکاوٹ اور مشقت کے جو ان دونوں بوجھوں کے نیچے اسے حاصل ہوتا ہے۔ جیسا کہ سورۃ کہف آیت نمبر ۵۴ وَاصْرَبْ لَهُمْ مَثَلِ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا كَمَآءٍ اَنْزَلْنَاهُ مِنَ السَّمَآءِ مَرَدُّهَا فِي رَوْقٍ كَازِيَادَةٍ دِيْرَبَاقِيْ نَهْرِهَآ۔ سبزی کے زیادہ باقی نہ رہنے کی طرح ہے۔ پس یہ کیفیت کو کیفیت کے ساتھ تشبیہ دی ہے۔ خواہ اس سے مراد افراد کی افراد کے ساتھ تشبیہ ہو جو ایک دوسرے سے جڑے ہوئے نہ ہوں۔ (ایک چیز بننے والی نہ ہو) اسی طرح جب منافقین کا گمراہی میں پڑنا بیان کیا۔ اور ان کی حیرت و دہشت جس میں وہ ٹامک ٹوئیاں مارنے والے تھے۔ اس کو بیان کیا۔ تو ان کی حیرت اور معاملے کی شدت کو اس شخص کی تکلیف سے تشبیہ دی جو رات کے اندھیرے میں اپنی آگ کے بجھ جانے سے تکلیف اٹھا رہا ہو۔ اسی طرح کہ وہ آدمی کہ جس کو بارش گھیر لے جس میں رعد و برق اور کڑک کا خوف بھی ہو۔ دوسری تمثیل پہلی کے مقابلے میں زیادہ بلیغ ہے۔ کیونکہ سخت حیرت اور معاملے کی شدت پر یہ زیادہ دلالت کرنے والی ہے۔ اسی وجہ سے اس کو بعد میں لائے۔

اولانے کی حکمت:

اہل عرب کی عادت تھی کہ آسان سے مشکل کی طرف درجہ بدرجہ چلتے۔ دونوں تمثیلوں کو ”او“ سے عطف کیا یہ اصل کے لحاظ سے دو یا زیادہ چیزیں جن میں شک ہو۔ برابری ثابت کرنے کے لیے آتا ہے پھر یہ صرف برابری کے لیے استعارۃ استعمال کیا جانے لگا۔ جیسا کہتے ہیں۔ جالس الحسن او ابن سیرین۔ مراد یہ ہے کہ ان دونوں کے پاس بیٹھنا برابر ہے اور ارشاد الہی آیت ۲۴ سورۃ الانسان (وَلَا تُطْعُ مِنْهُمْ اِثْمًا اَوْ كَفُوْرًا۔ ناشکری اور گناہ دونوں نافرمانی کے لازم ہونے میں برابر ہیں۔ اسی طرح یہاں مطلب یہ ہے کہ منافقین کے واقعہ کی کیفیت ان دو قصوں کی کیفیت کے مشابہ ہے دونوں قصے صورت تمثیل کے مستقل ہونے میں برابر ہیں۔ تم جس سے بھی تمثیل پیش کرو درست ہے اور اگر تم دونوں سے اکٹھی مثال بیان کرو۔ تب بھی تم درست روی اختیار کرنے والے ہو۔

الصیب: اترنے والی بارش۔ پڑنے والی بارش۔ بادل کو بھی صیب کہا جاتا ہے۔ صیب کو تنکیر کے ساتھ ذکر کیا کیونکہ یہ بارش کی ایک قسم ہے جو سخت موسلا دھار ہوتی ہے جیسا کہ تمثیل اول میں نار کا لفظ نکرہ ہے۔

السَّمَآءُ: (سا سبان) نمبر ۱: حضرت حسن کہتے ہیں کہ یہ رکی ہوئی موج ہے سماء کے تذکرہ کا فائدہ یہ ہے کہ بادل آسمان میں ہی ہوتا ہے السَّمَآءُ معارفہ لائے اس نے یہ فائدہ دیا کہ وہ بادل ہے جس نے آسمان کے اطراف کو گھیرے میں لے رکھا ہے اور سماء کے حصہ

ہونے کی نفی کر دی۔ یعنی یہ کہ اس کے اطراف میں سے ایک افق کو اس لیے آسمان کے ہر افق کو آسمان ہی کہتے ہیں۔ پس معرفہ لانے سے مبالغہ مقصود ہے جیسا کہ صیب کو نکرہ لانے اور اس کی ترکیب و بناء میں (مبالغہ مقصود ہے) اس میں اس بات کی دلیل ہے کہ بادل آسمان سے اترتا اور اسی سے اپنا پانی لیتا ہے۔

نمبر ۲: اور یہ بھی کہا گیا کہ یہ سمندر سے پانی لے کر اوپر چڑھتا ہے۔

نحو: ظلمات مرفوع ہے جار مجرور کے ساتھ کیونکہ وہ صیب کی صفت بن کر قوی ہو گیا۔ بخلاف اس صورت کے کہ اگر تم کہو فیہ ظلمت مبتدا ہے تو اس میں انخس و سیبویہ کا اختلاف ہے۔

رعد و برق کی حقیقت:

الرعد: بادلوں سے سنی جانے والی آواز جو بادلوں کے آپس میں رگڑنے سے پیدا ہوتی ہے۔ یا رعد فرشتہ ہے جو بادلوں کو ہانکتا ہے۔

البرق: بادلوں سے پیدا ہونے والی چمک۔ یہ برق اشقی برقا۔ جب وہ چمکے اس سے بنا ہے۔ اور اس کی ضمیر صیب کی طرف لوٹنے والی ہے۔ صیب کو ظلمات کا مکان قرار دیا گیا۔ اگر اس سے مراد بادل لیا جائے تو اس کے اندھیرے سے مراد اس کا تہ بہ تہ اور سیاہ ہو جانا ہے۔ ظلمات گویا بادل کی سیاہی اور ایسا تہ بہ تہ ہونا جس کے ساتھ رات کا اندھیرا مل جائے۔ البتہ بارش کے اندھیروں سے مراد پے در پے قطرات سے اس کے کثیف ہونے کا اندھیرا اور بارش کے بادلوں کا سایہ جس میں رات کا اندھیرا مل جائے۔ مراد ہے۔

رعد و برق کی جگہ الصیب کا لفظ لا کر اس کی مراد سحاب ظاہر کر دی۔ اسی طرح اگر مطر مراد ہو تو تب بھی کیونکہ وہ دونوں فی الجملہ آپس میں ملے جلے ہیں۔

رعد و برق: کو جمع نہیں لائے۔ کیونکہ وہ دونوں اصل میں مصدر ہیں۔ کہا جاتا ہے۔ رعدت السماء رعدا وبرقت برقا۔ آسمان گرجا اور چمکا۔ پس اصل کی رعایت کرتے ہوئے دونوں کی جمع چھوڑ دی گئی۔

ان کو نکرہ لا کر اس کی انواع و اقسام کی طرف اشارہ کر دیا۔ گویا کہ فیہ ظلمت داجیہ۔ گویا اس میں چھا جانے والے اندھیرے ہیں۔ اور رعد قاصف ہلاک کن گرج اور اچک لینے والی بجلی ہے۔

يَجْعَلُوْنَ اَصَابِعَهُمْ فِيْ اُذَانِهِمْ: (وہ اپنی انگلیاں کانوں میں رکھتے ہیں)

نحو: اس میں ضمیر بادل والوں کی طرف لوٹ رہی ہے اگرچہ وہ محذوف ہے جیسا کہ سورت اعراف آیت: ۴۔ اوہم قائلون میں ہے کیونکہ محذوف کا معنی باقی ہے خواہ وہ لفظوں میں ساقط ہو چکا ہو یجعلنون جملہ متانفہ ہے اس لیے اس کا کوئی محل اعراب نہیں۔ اس لئے دلیل یہ ہے کہ جب رعد برق کا ذکر ہوا جو شدت ہول ناکی کا اعلان کر رہے تھے۔ تو کہنے والا گویا کہہ رہا تھا کہ ایسی گرج میں ان کا کیا حال ہوگا؟ تو جواب دیا۔ يَجْعَلُوْنَ اَصَابِعَهُمْ فِيْ اُذَانِهِمْ۔ پھر کہا اس بجلی میں انکی حالت کیا ہوگی۔ تو فرمایا يَكَادُ الْبَرْقُ يُخْطَفُ ابْصَارَهُمْ سورۃ البقرہ آیت نمبر ۲۰۔

يَكَادُ الْبَرْقُ يَخْطِفُ أَبْصَارَهُمْ كُلَّمَا أَضَاءَ لَهُمْ مَشَوْا فِيهِ وَإِذَا أَظْلَمَ

قریب ہے کہ بجلی ان کی بینائی کو اچک لے جب کبھی ان کے لئے روشنی ہوتی تو اس میں چلنا شروع کر دیا اور جب اندھیرا ہو گیا

عَلَيْهِمْ قَامُوا وَلَوْ شَاءَ اللَّهُ لَذَهَبَ بِسَمْعِهِمْ وَأَبْصَارِهِمْ إِنَّ اللَّهَ

تو کھڑے کے کھڑے رہ گئے اور اللہ تعالیٰ چاہے تو ان کی سننے اور دیکھنے کی قوتوں کو ختم فرما دے۔ بیشک اللہ تعالیٰ

عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ۝

ہر چیز پر قادر ہے۔

سوال: اصابعہم فرمایا انا مل نہیں فرمایا۔ حالانکہ یہ پورے ہی کانوں میں رکھے جاتے ہیں۔

جواب: مبالغہ کے لیے بطور وسعت فرمادیا۔ جیسا کہ سورۃ مائدہ آیت نمبر ۳۸ فَاَقْطَعُوا اَيْدِيَهُمَا۔ میں ید بولا گیا اگرچہ مراد پنجہ ہے گئے تک۔ اصابع فرمانے میں جو مبالغہ ہے وہ انا مل کہنے میں نہیں اور دو انگلیوں کا بھی ذکر نہیں کیا۔ جن سے عموماً کان بند کیے جاتے ہیں۔ کیونکہ السبابہ یہ السب سے فعالة کا وزن ہے (جس کا معنی گالی والی) تو آداب قرآن کا تقاضا یہ ہے کہ اس سے بچا جائے۔ اور مسبحة نہیں فرمایا کیونکہ یہ نوا ایجاد غیر مشہور لفظ ہے۔
مِّنَ الصَّوَاعِقِ: (کڑک کے سبب) یہ تبجعلون کے متعلق ہے یعنی صواعق کی وجہ سے وہ اپنی انگلیاں اپنے کانوں میں رکھتے ہیں۔
صاعقه آسمانی:

الصاعقه: گرج کا وہ حصہ جس کے ساتھ آگ کا ٹکڑا بھی ہو۔

علماء نے کہا کہ یہ بادلوں سے ٹوٹتا ہے۔ جب بادلوں کے اجسام آپس میں ٹکراتے ہیں۔ وہ لطیف تیز آگ ہے۔ جس چیز پر اس کا گزر ہو اس کا خاتمہ کر دیتی ہے۔ مگر تیزی کے باوجود بہت جلد وہ بجھنے والی ہے حکایت ہے کہ وہ کھجور پر گری تو کھجور کا آدھا حصہ جل گیا۔ پھر وہ بجھ گئی۔ اور محاورہ میں کہا جاتا ہے صعقته الصاعقه۔ جب وہ اس کو ہلاک کر دے۔ جس سے وہ مر جائے۔ خواہ شدت آواز کی وجہ سے یا جلنے کی وجہ سے۔

حَذَرَ الْمَوْتِ: (موت کے ڈر سے) **مَنْجُو:** یہ مفعول لہ ہے۔ موت: تعمیر انسانی کا بگڑنا یا ایک ایسی عارض جس سے زندگی کے پیچھے پھر آنے والا کوئی احساس درست نہ رہے۔

وَاللَّهُ مُحِيطٌ بِالْكَافِرِينَ: (اور اللہ کافروں کا احاطہ کرنے والے ہیں) یعنی وہ اس کے قبضہ سے نکل نہیں سکتے جس طرح احاطہ میں آیا ہوا محیط بہ سے نکل نہیں سکتا۔ یہ مجاز ہے اور یہ جملہ معترضہ ہے اس کا کوئی محل اعراب نہیں۔

يَكَادُ الْبَرْقُ يَخْطِفُ أَبْصَارَهُمْ: (قریب ہے بجلی اچک لے ان کی آنکھوں کو)

الخطف: اُچکنا۔ جلدی سے کسی چیز کو لے لینا۔

نَحْوُ: گناہ کا لفظ فعل کے بہت قریب کرنے کے لیے آتا ہے۔ یخطف موضع نصب میں ہے کیونکہ کا د کی خبر ہے۔
كُلَّمَا أَضَاءَ لَهُمْ: (جب بھی روشنی ہوتی ان کے لیے)

نَحْوُ: کُلِّ یہ ظرف ہے مائکرہ موصوفہ ہے اس کا معنی وقت ہے اور ضمیر محذوف ہے یعنی جس وقت بھی ان کے لیے روشنی ہوتی ہے اس میں عامل اس کا جواب ہے اور وہ مَشْوُافِيہ ہے فیہ یعنی فی ضوءہ اس کی روشنی میں یہ تیسرا جملہ مستانفہ سے گویا یہ اس شخص کا جواب ہے جو کہے وہ بجلی کی چمک اور بجھنے کے دوران کیا کرتے ہیں؟ اور یہ منافقین کے معاملے کی شدت کی تمثیل بیان کی۔ بادل والوں کی شدت کو ذکر کر کے اور اس تنہائی حیرانی اور نادانی کو ذکر کر کے جو کچھ وہ کرتے اور چھوڑتے ہیں۔ جبکہ ان کا سامنا بجلی کی چمک سے ہوتا ہے۔ اس حالت میں کہ ان کو اپنی آنکھوں کے اچک لئے جانے کا خدشہ ہو۔ تو وہ اس چمک کو فرصت شمار کرتے ہیں۔ پس چند قدم چلتے ہیں۔ جب وہ چمک چھپ جاتی ہے اور دھیمی پڑ جاتی ہے تو کھڑے رہ جاتے ہیں۔

اضاء: اضاء کا لفظ متعدی ہے جب بھی راستہ اور چلنے کی جگہ روشن ہوتی ہے تو وہ اس پر چلتے ہیں اور مفعول محذوف ہے یا غیر متعدی ہے جب بھی بجلی ان کے لیے چمکتی ہے تو اس کے ڈالے ہوئے نور میں چلتے ہیں امشی۔ خاص حرکت کی ایک جنس ہے اگر وہ حرکت تیز ہو جائے تو سعی اور بڑھ جائے یعنی تیزی سے دوڑنا کہلاتا ہے۔

وَإِذَا أَظْلَمَ عَلَيْهِمْ: (جب اس پر اندھیرا چھا جاتا ہے) اظلم غیر متعدی ہے

کلما اور اذا کا فرق:

سوال: اضاء کے ساتھ تو کلما لائے اور اظلم کے ساتھ اذا لایا گیا؟

جواب: جس چیز سے ان کا مقصد منسلک ہے یعنی امکان مشی۔ اس کے لیے وہ انتہائی حریص ہیں۔ جب بھی فرصت پاتے ہیں۔ تو چند قدم اٹھا لیتے ہیں۔ مگر کھڑا ہونا ایسا نہیں (کہ اس کے خواہش مند ہوں۔ بلکہ وہ تو مجبوری کا کھڑا ہونا ہے۔ پس لفظ اذا لائے) قَامُوا: (وہ کھڑے ہو جاتے ہیں) قاموا۔ کھڑے اور اپنے مقام میں رک جاتے ہیں۔ اسی سے قام الماء کہتے ہیں جبکہ وہ پانی جم جائے۔

وَلَوْ شَاءَ اللَّهُ لَذَهَبَ بِسَمْعِهِمْ وَأَبْصَارِهِمْ: (اگر اللہ تعالیٰ چاہے تو ان کے کانوں اور آنکھوں کو ضائع کر دے) اگر اللہ چاہیں تو ان کے کانوں کو لے جائیں۔ بجلی کی کڑک سے۔

وَأَبْصَارِهِمْ: اور آنکھوں کو بجلی کی چمک سے۔

نَحْوُ: شاء کا مفعول محذوف ہے۔ کیونکہ جواب اس پر دلالت کرتا ہے۔ یعنی اگر اللہ تعالیٰ چاہیں۔ ان کے کانوں اور آنکھوں کو لے جانا تو لے جائیں۔

قاعدہ: شاء کے لفظ میں حذف مفعول کثرت سے آیا ہے۔ مگر کسی انوکھے مقام پر مفعول کو ظاہر کرتے ہیں۔ جیسا اس شعر

يَا أَيُّهَا النَّاسُ اعْبُدُوا رَبَّكُمُ الَّذِي خَلَقَكُمْ وَالَّذِينَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ

اے لوگو! عبادت کرو اپنے رب کی جس نے تم کو پیدا فرمایا اور ان لوگوں کو بھی پیدا فرمایا جو تم سے پہلے تھے تاکہ

تَتَّقُونَ ﴿۲۱﴾ الَّذِي جَعَلَ لَكُمُ الْأَرْضَ فِرَاشًا وَالسَّمَاءَ بِنَاءً ۖ وَأَنْزَلَ مِنَ

تم پر ہیز گار بن جاؤ، جس نے بنایا تمہارے لئے زمین کو بچھونا اور آسمان کو چھت، اور اتارا

السَّمَاءَ مَاءً فَأَخْرَجَ بِهِ مِنَ الثَّمَرَاتِ رِزْقًا لَّكُمْ ۖ فَلَا تَجْعَلُوا لِلَّهِ أَنْدَادًا

آسمان سے پانی، پھر نکال دیا اس کے ذریعہ پھلوں سے تمہارے لئے رزق، لہذا مت بناؤ اللہ کے لئے مقابل،

وَأَنْتُمْ تَعْلَمُونَ ﴿۲۲﴾

حالانکہ تم جانتے ہو۔

میں ہے۔

فلوشتت ان ابکی دما لبعیتہ ☆ علیہ ولکن ساحة الصبر اوسع

ترجمہ: (اگر میں اس پر خون کے آنسو رونا چاہتا تو روتا۔ لیکن صبر کا میدان وسیع ہے) اسی طرح اس ارشاد میں جو سورۃ الانبیاء آیت نمبر ۱ میں لَوْ اَرَدْنَا اَنْ نَّتَّخِذَ لَهٗوًا میں اور سورۃ الزمر لَوْ اَرَادَ اللّٰهُ اَنْ يَّتَّخِذَ وَلَدًا میں (لہو! اور ولد! ظاہر فرمائے گئے ہیں) اِنَّ اللّٰهَ عَلٰی كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ: (اللہ تعالیٰ بے شک ہر چیز پر قادر ہے)

سابقہ سے ربط:

ربط: جب اللہ تعالیٰ نے مکلفین کی تین جماعتوں مؤمن، کفار اور منافقین کا ذکر اور ان کی صفات حالات خصوصیات جن سے وہ سعادت مند و بد بخت اور مردود، مقبول ہوتے ہیں بیان کر دیں۔ تو یہاں سے ان کو مخاطب فرمایا۔ یہ التفات کی قسم میں ہے۔ پس فرمایا۔

خطاب عام:

يَا أَيُّهَا النَّاسُ: (اے لوگو) حضرت علقمہ نے فرمایا قرآن میں یا ایہا الناس سے خطاب اہل مکہ کو ہے اور یا ایہا الذین امنوا سے اہل مدینہ کو خطاب کیا۔ یہ خطاب مشرکین مکہ کو ہے۔

مخبر: یا حرف ندا بعید ہے اسی اور ہمزہ قریب کے لئے۔ پھر بھولنے والے اور غافل کو آواز دینے کے لیے استعمال ہونے لگا۔ خواہ وہ بالکل قریب ہو۔ اس کو دور شمار کر کے۔ جب اس سے قریب رہنے والوں کو خطاب کریں۔ تو تاکید کے لئے ہوگا۔ اور

اس سے یہ ظاہر کرنا مقصود ہوگا۔ کہ یہ خطاب بہت قابل توجہ ہے۔

یارب کا مطلب:

سوال: دعا کرنے والے کا کہنا۔ یارب حالانکہ وہ توشہ رگ سے قریب تر ہے۔

جواب: یہ کسر نفسی ہے اور نفس مقام قرب سے بہت دور ہے نفس کو مٹاتے ہوئے اپنی کوتاہی کا اقرار ہے اس کے ساتھ ساتھ، کہ اس کی دعا کو قبول کر لینے میں بہت جلدی اپنے آپ کو ہلاکت میں ڈالنا ہے۔

اتی: الف لام والے منادٰی کے ساتھ لگاتے ہیں۔ جیسا کہ ذو اور الذی کو اسم جنس کی صفت بنانے کے لیے لایا جاتا ہے اور معرفہ کی صفت کیلئے جبکہ اس کو جملہ لائیں۔ یہ اسم مبہم ہے۔ اس کے ابہام کو دور کرنا ضروری ہے اس لیے اس کے بعد اسم جنس لانا پڑے گا۔ یا جو صفت کیلئے اس کے قائم مقام بن سکے۔ تاکہ اس نداء کا مقصود واضح ہو جو کہ یا کا معمول ہے۔ صفت منادٰی کے تابع ہوتی ہے۔ البتہ اتی کا لفظ بذات خود مستقل نہیں جیسا اس مثال میں زید یا زید الظریف۔ اس لیے اتی اپنی صفت سے الگ نہیں رہا۔ صفت موصوف کے درمیان کلمہ تنبیہ لایا گیا۔ تاکہ نداء کا معنی مؤکد ہو جائے اور اضافت کا بدل بن جائے۔

قرآن مجید میں اضافت کا طریقہ بہت استعمال ہوا۔ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے جو اپنے بندوں کو نداء دی یعنی اوامر و نواہی وعدے، وعیدیں، عظیم کام بڑے مصائب بتلائے، ضروری تھا بندے ان کی طرف دلوں سے مائل اور متوجہ ہوں۔ جبکہ بندے اس سے غفلت کا شکار ہیں۔ تو پھر مؤکد تبلیغ سے ان کو خطاب کرنا چاہئے تھا۔ اس لیے اس طرح خطاب کیا گیا۔

ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول:

اعْبُدُوا رَبَّكُمْ: (اس کو اکیلا جانو) حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں عبادت کا لفظ جہاں بھی قرآن میں ہے اس سے مراد توحید ہے۔

الَّذِي خَلَقَكُمْ: یہ وضاحت و امتیاز کرنے والی صفت ہے۔ کیونکہ کفار مکہ اپنے الہہ کو رب کہتے تھے۔

تعریف خلق:

الخلق۔ معدوم کو ایک اندازے اور درستی سے ایجاد کرنا۔ معتزلہ کے نزدیک کسی چیز کو اندازے اور درستی سے بنانا۔ اس اختلاف کی وجہ یہ ہے کہ معتزلہ معدوم کو شئی مانتے ہیں۔

شئی کی تعریف ان کے ہاں جس کو جانا جائے اور اس کے متعلق خبر دی جائے۔

اہلسنت کے نزدیک شئی موجود کو کہتے ہیں۔

خلقکم: ابو عمرو کے ہاں ادغام کے ساتھ

دلیل تخلیق:

وَالَّذِينَ مِنْ قَبْلِكُمْ: (اور ان لوگوں کو جو تم سے پہلے ہوئے) اس سے دلیل بیان فرمائی۔ کہ اللہ تعالیٰ ان کا خالق ہے اور ان سے پہلوں کا بھی خالق ہے۔ سو اس لیے کہ وہ اس کے اقراری تھے۔ پس انہیں کہا گیا۔ کہ اگر تم اس کو خالق مانتے ہو تو اسی ہی کی عبادت کرو۔ اور بتوں کی عبادت نہ کرو۔

لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ: (تاکہ تم متقی بن جاؤ) یعنی اس امید پر عبادت کرو تاکہ تم متقی بن جاؤ۔ تاکہ اس کے سبب تم عذاب سے نجات پا جاؤ۔

لعل کا استعمال:

لعل: کا لفظ ترجی اور طمع کیلئے ہے لیکن سب سے بڑی نخی ذات کی طرف سے طمع دلائی گئی۔ جو کہ حتمی وعدے کی طرح ہو گئی۔

یہ سیبویہ کا قول ہے۔ قطرب نحوی کہتے ہیں کہ لعل یہاں گئی کے ہم معنی ہے یعنی تاکہ تم متقی بن جاؤ۔

الَّذِي جَعَلَ لَكُمْ الْأَرْضَ: (وہ ذات جس نے بنایا تمہارے لیے زمین کو)

نَحْوُ: جَعَلَ، صَيَّرَ کے معنی میں ہے اور الذی صفت کی بناء پر محلاً منصوب ہے یا ہو کو مبتداء مانیں تو مرفوع ہے۔

فِرَاشًا (بچھونا) قالین کی طرح کہ اس پر بیٹھتے اور سوتے، آتے جاتے ہو، یہ جعل کا دوسرا مفعول ہے۔ اس میں کوئی دلیل نہیں کہ زمین مسطح یا کروی ہے۔ کیونکہ دونوں صورتوں میں بوریے کی طرح ہونا ممکن ہے۔

وَالسَّمَاءَ بَنَاءً: (اور آسمان کو چھت) چھت جیسا سورۃ الانبیاء آیت نمبر ۳۲ میں وَجَعَلْنَا السَّمَاءَ سَقْفًا مَحْفُوظًا۔ بناء جو مصدر ہے مگر مراد اس سے عمارت ہے۔

وَأَنْزَلَ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً: (اور اس نے اتارا آسمان سے پانی) ماء سے مراد بارش ہے۔

حکمت تدریج:

فَأَخْرَجَ بِهِ: (پس اس نے نکالا) یعنی بالماء پانی کے ذریعہ۔ پھلوں کا نکلنا۔ اگرچہ قدرت الہی سے ہے مگر پانی کو اس کے نکلنے کا ظاہری سبب بنایا۔ جس طرح (ماء الفحل فی خلق الولد) نر کا پانی بچے کی پیدائش میں سبب ہے باقی قدرت باری تعالیٰ بلا سبب پیدا کرنے کی قدرت رکھتے ہیں۔ جیسا کہ اسباب، مواد کی ذاتیں (محض قدرت الہی کا نتیجہ ہیں) لیکن اللہ تعالیٰ نے اشیاء کی پیدائش میں ایک حالت سے دوسری حالت کی طرف تدریج رکھی ہے۔ اور ایک مرتبہ سے دوسرے مرتبہ کی طرف انتقال رکھا۔ تاکہ بصیرت کی نگاہ سے دیکھنے والوں کے لیے عبرت و حکمت کا باعث ہو۔

مِنَ الثَّمَرَاتِ: (پھلوں سے رزق) مِنَ الثَّمَرَاتِ میں مِن کا لفظ تبعیض یا بیان کے لیے ہے۔ (یعنی بعض پھل یا پھل نکالے)

نحوی تحقیق:

رِزْقًا لَّكُمْ: (تمہارے لیے) **مَنْحُوْرٌ**: اگر من تبعیض کے لیے ہو تو یہ مفعول لہ ہے اور اگر من بیانیہ ہو تو مفعول بہ ہے الثمرات فرمایا الثمر اور الثمر نہیں فرمایا۔ اس لیے کہ پانی سے نکالے جانے والے پھل بے شمار ہیں کیونکہ مراد پھلوں کی جماعت سے کیونکہ جمع بعض کی جگہ بعض اکیلی آتی ہے کیونکہ جمعیت میں جا کر تمام مل جاتی ہیں۔

مَنْحُوْرٌ: لکم اگر اس سے مراد معین ہو تو پھر یہ جار مجرور رزق کی صفت ہے اور اگر اس کو معنی کے لحاظ سے اسم مانا جائے تو پھر یہ مفعول بہ ہے گویا اس طرح فرمایا رزقا ایاکم رزق دینا تمہیں کو رزق خاص تمہارا۔

فَلَا تَجْعَلُوا لِلّٰهِ اُنْدَادًا: (پس تم نہ بناؤ شریک اللہ کے لیے) یہ امر سے متعلق ہے یعنی تم اپنے رب کی عبادت کرو۔ اور اس کا شریک مت بناؤ۔ کیونکہ عبادت کی جزا اور بنیاد تو حید ہے۔ اور یہ کہ اس کا کسی کو ساتھی و شریک نہ بنایا جائے۔

مَنْحُوْرٌ: الذی مبتداء فلا تجعلوا خبر ہے فلا تجعلوا پر فاء اس لیے لائے کہ کلام میں جزاء کا معنی پایا جاتا ہے یعنی وہ ذات جس کی بڑی بڑی نشانیاں تمہارے ارد گرد ہیں اور روشن دلائل اس کی وحدانیت پر گواہ ہیں پس تم اس کے شریک مت تجویز کرو۔

معنی ند:

اللہ: ایسا مثل جو مخالف و منافی ہو البتہ اس مشہور قول لیس للہ ند ولا مند اصل میں یہ جملہ جن کو اس کے قائم مقام بنایا جاتا ہے یا جو اس کے منافی مانے جاتے ہیں ان سب کی نفی مراد ہے۔

وَأَنْتُمْ تَعْلَمُونَ: (حالانکہ تم جانتے ہو) کہ وہ کچھ بھی پیدا نہیں کر سکتے۔ اور نہ ہی رزق دیتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ خالق و رازق ہیں یا تعلمون کا مفعول چھوڑ دیا گیا۔ یعنی تم اہل علم ہو اور بتوں کو اللہ تعالیٰ کا شریک بنانا انتہائی جہالت ہے۔

مَنْحُوْرٌ: جملہ انتم تعلمون۔ فلا تجعلوا کی ضمیر سے حال ہے۔

زَبْطٌ: وحدانیت کے ثبوت اور ابطال شرک پر حجت قائم کر دی۔ کہ اس کو ان کے خلق و احیاء پر قدرت ہے اس نے زمین کو ان کی رہائش گاہ اور مستقر بنایا۔ اور آسمان کو لگے ہوئے خیمے اور قبة کی طرح مضبوط بنایا۔ اور اس طرح کر دیا۔ کہ جیسے زمین و آسمان میں پانی اتارنے سے مناکحت کا رشتہ ہوزمین کے پیٹ سے نسل کی طرح بنی آدم کے لیے پھل پیدا کر دیئے۔ یہ سارے دلائل تو حید کی طرف رہنمائی کرتے اور شرک کو باطل قرار دیتے ہیں۔ کیونکہ مخلوقات کی کوئی چیز اپنے میں سے کسی چیز کے ایجاد کرنے کی قدرت نہیں رکھتی۔

وَإِنْ كُنْتُمْ فِي رَيْبٍ مِّمَّا نَزَّلْنَا عَلَىٰ عَبْدِنَا فَأْتُوا بِسُورَةٍ مِّثْلِهِ مَادَّعُوا

اور اگر تم اس کتاب کی طرف سے شک میں ہو جو ہم نے اپنے بندہ پر نازل کی تو لے آؤ کوئی سورت جو اس جیسی ہو اور بلا لو

شَهِدَآءَكُمْ مِّنْ دُونِ اللَّهِ إِنْ كُنْتُمْ صَادِقِينَ ۝۲۳

اپنے مددگاروں کو اللہ تعالیٰ کے سوا اگر تم جچے ہو۔

فائدہ عطف:

اب اس پر عطف کیلئے وہ چیز لائے جو نبوت محمد ﷺ پر دلیل و حجت بن سکے اور اعجاز قرآن کو بھی پختہ کر دیا جائے۔ پس فرمایا: وَإِنْ كُنْتُمْ فِي رَيْبٍ مِّمَّا نَزَّلْنَا (الایۃ) (اور اگر تم شک میں ہو اس چیز کے متعلق جو ہم نے اتاری) نَحْنُ: ممّا میں مائکرہ موصوفہ ہے یا الذی کے معنی میں ہے

عبد کی تعریف:

عَلَىٰ عَبْدِنَا: (اپنے بندے پر) العبد! عقلاء کی جنس میں مملوک کو کہا جاتا ہے۔
المملوك: ایسا موجود جس کو غلبہ سے تابع کیا جائے۔

نزلنا کی حکمت:

نزلنا: فرمایا۔ نزلنا کی بجائے۔ کیونکہ تدریج و تنجیم سے اتارنا مراد ہے۔ اور تھدی و چیلنج کے موقعہ پر یہی مقابل بنتا ہے۔

مقولہ کفار:

اگر قرآن اللہ کی طرف سے ہوتا تو سورۃ، سورۃ اور تھوڑا، تھوڑا، آیت کے بعد آیات اور حوادث کے مطابق نہ اترتا۔ بلکہ ایک مرتبہ اتار جاتا جیسا سورۃ فرقان آیت نمبر ۳۲ قَالَ الَّذِينَ كَفَرُوا لَوْلَا نُزِّلَ عَلَيْهِ الْقُرْآنُ جُمْلَةً وَّاحِدَةً۔

جواب: قرآن مجید میں وہ طریقہ اختیار کیا گیا۔ جو خطباء اور اہل شعر کا ہوتا ہے کہ تھوڑا تھوڑا موقعہ بموقعہ اپنا کلام لاتے ہیں کبھی نظم کرنے والا اپنا دیوان یک بارگی پیش نہیں کرتا۔ اور نہ نثر گواپنا خطبہ ایک بار کہہ ڈالتا ہے۔

اس پر کفار کو کہا گیا کہ اگر تمہیں اس میں شبہ ہے کہ اس کا اتارنا اس تدریج سے کیوں ہے؟ تَوَفَّاتُوا بِسُورَةٍ (تولاؤ ایک سورت) تو تم ایک بار کے مقابلہ میں ایک بار بنا لاؤ اور ایک ٹکڑا کے مقابلہ میں ٹکڑا لاؤ۔ اور اس کی سورتوں میں سے کوئی انتہائی چھوٹی سورت بنا لاؤ۔

لفظ سورۃ کی تحقیق:

جب سورۃ کا عین واؤ ہو۔ السورۃ نمبر ۱۔ قرآن کا ایک حصہ جس کی ترجمانی کم سے کم تین آیات سے کی گئی ہے۔ اس لفظ

میں اگر واوا اصلی ہے تو یہ سُورہ مدینہ سے ہے۔ سورہ یوار محیط کو کہتے ہیں۔ اس لیے کہ یہ بھی قرآن مجید کا اپنے انداز میں ایک محدود مجموعہ ہے جیسا کہ وہ شہر جس کے ارد گرد دیوار ہو۔

نمبر ۲: اس لیے کہ علم کے مختلف فنون کو یہ سمیٹنے والی ہے اور کئی قسم کے فوائد اس میں ہیں جیسا کہ شہر کی دیوار۔ شہر کے اندر جو کچھ بھی ہے اس کو سمیٹنے والی ہوتی ہے۔

نمبر ۳: سورہ بمعنی مرتبہ کیونکہ قرآن کی سورتیں مقامات و مراتب کی طرح ہیں جن پر پڑھنے والا فائز ہوتا ہے۔ یہ سورتیں ذاتی اعتبار سے طویل، اوساط، قصار کے مراتب رکھتی ہیں۔

نمبر ۴: سورہ کو سورہ شان کی بلندی کی وجہ سے کہا جاتا ہے اور دین میں اس کے مقام کے بڑے ہونے کی بناء پر کہا جاتا ہے۔ سورہ کا عین، ہمزہ ہو: قرآن مجید کے ایک قطعہ یا مجموعہ کو کہتے ہیں۔ تو یہ بچی ہوئی چیز کی طرح بقایا ہے سوڑ کا معنی جوٹھا فوائد السور: قرآن مجید کی جدا جدا آیات ہونے اور سُورہ کی صورت میں قطعات کا فائدہ بہت ہے

نمبر ۱: تمام کتب بمنزلہ تورات انجیل، زبور، اور تمام صحف سورہ کی صورت میں اتریں مصنفین علماء نے ہر فن میں کتابیں لکھ کر ان میں تراجم کی ترتین سے باب قائم کئے ہیں۔

نمبر ۲: جب ایک جنس کے ماتحت کئی انواع ہوں اور ہر نوع کئی اصناف پر مشتمل ہو۔ تو یہ بہتر ہے اس سے کہ وہ مسلسل ایک ہی بیان ہو۔

نمبر ۳: پڑھنے والا جب کتاب کا ایک باب یا سورہ ختم کر لیتا ہے، پھر دوسرا شروع کرتا ہے تو اس کے نشاط میں ترقی ہو جاتی ہے اور یہ چیز کو مزید پڑھنے کے لیے کام دیتی ہے۔ اور حاصل کرنے پر آمادہ کرتی ہے۔ اگر وہ کتاب کو علی الطول پڑھتا جائے تو اتنی نشاط پیدا نہیں ہوتی۔

اسی بات کے پیش نظر قراء نے قرآن مجید کو سات منازل میں تقسیم کیا۔ اور تیس ۳۰ اجزاء میں اور دس حصوں میں اور پانچ حصوں میں۔

نمبر ۴: جب حافظ ایک سورہ میں مہارت حاصل کر لیتا ہے (پالیتا ہے) تو اس کے دل میں یہ بات آتی ہے کہ اس نے کتاب اللہ کا ایک مستقل حصہ حاصل کر لیا ہے اور اس کی ایک ابتداء ہے ایک انتہا ہے تو جو حصہ اس نے حفظ کیا ہوا ہوتا ہے اس کے ہاں اس کا ایک عظیم مقام بن جاتا ہے اور اپنے آپ کو بلند قرار دیتا ہے حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت میں یہی بات فرمائی گئی۔ ”کہ جب ہم میں کوئی سورہ بقرہ اور آل عمران پڑھ لیتا تو ہماری نگاہوں میں اس کا مرتبہ بڑھ جاتا“

فقہاء کی باریک بینی:

اس سے فقہاء نے فرمایا نماز میں مکمل سورہ کی قراءت مختلف جگہوں سے پڑھنے سے افضل ہے۔

نحوی تحقیق:

نَحْوُ: مَن قِثْلِهِ (اس کی مثل) سورۃ کے متعلق ہے اور اس کی صفت ہے۔

نمبر ۱: اورہ ضمیر نزلنا کی طرف لوٹی ہے، یعنی بسورۃ کائنۃ بمثلہ۔ اب مطلب یہ ہوا کہ تم ایک ایسی سورۃ بنالاء۔ جو عجیب و غریب بیان میں اور حسن نظم کے بلند ہونے میں اس جیسی ہو۔

نمبر ۲: ضمیر عبدنا کی طرف لوٹے تو مطلب یہ ہوگا۔ تم ایسا شخص لاء جو اسی طرح کا امی ہو اور اس نے کسی سے لکھنا پڑھنا نہ سیکھا ہو۔ اور نہ ہی پڑھے لکھوں سے علم حاصل کیا ہو۔ اور نہ ہی مثل مماثل ہونے کا قصد کیا ہو۔

نمبر ۳: ضمیر کو پہلے نازل شدہ حصہ قرآن کی طرف لوٹنا سب سے بہتر ہے۔ اس کی تاکید سورۃ یونس آیت نمبر ۳۸ فَاَتُوا بِسُورَةٍ مِّثْلِهِ اور سورۃ ہود آیت نمبر ۱۳ فَاَتُوا بِعَشْرِ سُوْرٍ مِّثْلِهِ اور سورۃ اسراء آیت۔ نمبر ۸۸ عَلٰی اَنْ يَّاتُوْا بِمِثْلِ هٰذَا الْقُرْآنِ لَا يَأْتُوْنَ بِمِثْلِهِ۔ آیات سے ہوتی ہے منزل کی طرف ضمیر لوٹانے سے کلام کی ترتیب زیادہ خوش نما ہے اور اس کی وجہ یہ بھی ہے کہ کلام تو منزل کے متعلق ہے منزل علیہ کے متعلق نہیں اور سیاق کا تقاضا یہی ہے پس مطلب یہ ہوا کہ اگر تم کو شک ہے قرآن کے منزل من عند اللہ ہونے میں تو تم تھوڑا سا اس کے مماثل بنا کر لاء۔

اگر ضمیر کو رسول اللہ ﷺ کی طرف لوٹایا جائے تو مطلب یہ بنے گا اگر تمہیں محمد ﷺ پر قرآن کے اتارے جانے میں شک ہے تو ان جیسا قرآن لے آؤ۔

وَادْعُوا شُهَدَاءَكُمْ: (اور بلاؤ اپنے مددگاروں کو) یہ تفسیر وادْعُوا شُهَدَاءَكُمْ کے ساتھ زیادہ موافقت کرنے والی ہے

شہداء کا مطلب:

شہداء جمع شہید ہے۔ اس کا معنی حاضر ہے یا گواہی دینے والا۔ مَن دُونِ اللّٰهِ (اللہ کے سوا) یعنی غیر اللہ یہ شہداء کم کے متعلق ہے یعنی تم ان کو پکارو۔ جن کو تم نے اللہ تعالیٰ کے سوا معبود بنا رکھا ہے اور جن کے متعلق تمہارا یہ خیال ہے کہ وہ قیامت کے دن گواہی دیں گے کہ تم حق پر ہو یا ان کو بلا لاء جو تمہارے حق میں گواہی دیں کہ وہ قرآن کی مثل ہے۔

اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقٰیْنِ: (اگر تم سچے ہو) اگر تم سچے ہو کہ یہ من گھڑت ہے اور محمد ﷺ کا بنایا ہوا ہے۔

نَحْوُ: شرط کا جواب محذوف ہے ماقبل اس پر دلالت کر رہا ہے یعنی اگر تم اپنے دعویٰ میں سچے ہو تو تم اس کی مثل بنالاء۔ اور اس پر اپنے معبودوں سے امداد طلب کرو۔

فَإِنْ لَّمْ تَفْعَلُوا وَلَنْ تَفْعَلُوا فَاتَّقُوا النَّارَ الَّتِي وَقُودُهَا النَّاسُ وَالْحِجَارَةُ ۖ

سو اگر تم نہ کرو اور ہرگز نہیں کر سکو گے، سو ڈرو آگ سے جس کا ایندھن انسان اور پتھر ہیں

أَعِدَّتْ لِلْكَافِرِينَ ۚ

وہ تیار کی گئی ہے کافروں کے لئے۔

فَإِنْ لَّمْ تَفْعَلُوا وَلَنْ تَفْعَلُوا: (اگر تم نہ کر سکو اور تم ہرگز نہ کر سکو گے)

سابقہ آیات سے ربط:

ربط: جب ان کی رہنمائی اس جہت کی طرف کردی، جس سے نبی اکرم ﷺ کی سچائی پہچان سکیں تو انہیں فرمایا، اگر تم مقابلہ نہ کر سکو، اور تمہاری عاجزی ظاہر ہو جائے تو پھر (اصولاً) اس کی تصدیق واجب ہو گئی۔ پس تم ایمان لاؤ۔ اور اس عذاب سے ڈر جاؤ۔ جو اس کے مکذبین اور معاندین کے لیے تیار کھڑا ہے۔

دو دلائل:

اس میں اثبات نبوت کی دو دلیلیں ہیں۔

نمبر ۱: جس سے چیلنج دیا جا رہا ہے وہ معجزہ ہے۔

نمبر ۲: یہ خبر دے دینا کہ وہ مقابلے کی تاب نہیں لاسکتے۔ یہ غیب ہے جس کا علم سوائے خدا کے کسی کو نہیں۔

کلمہ شک کی وجہ:

جب ان کا عزتاً مل سے قبل ہی مشکوک کی طرح تھا اس لیے کہ ان کو اپنی فصاحت پر بھروسہ اور بلاغت پر اعتماد تھا۔ تو کلام ان کے ساتھ ان کے گمان کے مطابق کیا گیا۔ اور ”اِنْ“ لائے جو شک کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ ”اِذَا“ نہیں لائے جو وجوب کے لیے آتا ہے اور الاتیان کو فعل سے تعبیر کیا۔ اس لیے کہ یہ من جملہ افعال میں سے ایک فعل ہے اور اس میں فائدہ یہ ہے کہ یہ کنایہ کے قائم مقام ہے جس سے عبارت میں اختصار حاصل ہوتا ہے اگر الاتیان کی بجائے فعل نہ لاتے تو کلام یوں طویل ہوتا۔ فان لم تا تو ابسورة من مثله ولن تا تو ابسورة من مثله۔ (دونوں کلاموں میں جو فرق ہے وہ صاحب عقل سے مخفی نہیں)۔

نحوی تحقیق:

مَنْحَوْ: لن تفعلوا کا کوئی محل اعراب نہیں اس لیے کہ یہ معترضہ جملہ ہے اور جملہ معترضہ بھی خوب ہے کہ ان حرف تردد تھا تو

اس جملے سے لن تفعلوا کہہ کر تردد کو ہباء منثورا کر دیا۔

تحقیق نحوی: لا، لن مستقبل میں ہم مثل ہیں البتہ لن میں تاکید زیادہ ہے۔

خلیل نحوی: کے ہاں اس کی اصل لا، ان ہے اور فراء کے ہاں لا کے الف کونون سے بدل دیا۔

سعیویہ: کے ہاں یہ حرف نفی مستقبل کی تاکید کیلئے اپنی اصل وضع کے ساتھ ہی ہے۔ حاصل کلام: اخبار غیب سے ہے اس ساری حقیقت کے ساتھ پھر یہ معجزہ بھی بن گیا۔ کیونکہ اگر انہوں نے اس کا کچھ بھی مقابلہ کیا ہوتا تو ضرور مشہور ہوتا۔ اور کیوں نہ مشہور ہوتا جبکہ منکرین اور طعنہ زنی کرنے والوں کی کثرت تھی۔

آیت میں آگ سے بچنے کے لیے اس جیسی سورۃ کے لانے کی نفی کرنا شرط قرار دیا گیا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ جب وہ نہ لائے تو معارضہ سے انکی عاجزی خوب ظاہر ہوگئی۔ اور رسول اللہ ﷺ کی سچائی ثابت ہوگئی۔ پھر انہوں نے عناد کو لازم کر کے آپ کی اطاعت سے انکار کر دیا۔

فائدہ ایجاز:

جس کی بناء پر انہوں نے آگ کو اپنے لیے واجب کر لیا۔ پس انہیں کہا گیا۔ اگر تمہاری عاجزی ظاہر ہوگئی ہے تو عناد کو ترک کرو۔ اس کی بجائے۔

فَاتَّقُوا النَّارَ الَّتِي: (پس تم بچو اس آگ سے) کہہ دیا۔ اسلئے کہ آگ سے بچنا عناد کو ترک کر دینے کے سبب ہی ہو سکتا ہے۔ اور یہ بات کنایہ میں سے ہے جو بلاغت کا حصہ ہے۔ اس کا فائدہ یہ ہے کہ اس سے ایجاز حاصل ہوا جو قرآن کا زیور ہے۔ الوقود: (ایندھن) جس سے آگ بھڑکتی ہے یعنی لکڑیاں۔ جب یہ مصدر ہو تو مضموم و مفتوح دونوں طرح آتا ہے۔

ایک سوال:

سوال: الذی، الہی کا صلہ ضروری ہے کہ مخاطب کو معلوم ہو۔

جواب: ممکن ہے کہ انہوں نے اہل کتاب سے سنا ہو یا رسول اللہ ﷺ سے سنا ہو۔ یا اس سے پہلے یہ آیت: نَارًا وَقُودُهَا النَّاسُ وَالْحِجَارَةُ۔ سورۃ التحریم آیت نمبر ۶ انہوں نے سنی ہو۔

نکتہ: تحریم میں نار کو نکرہ لائے اور فاتقوا النار میں معرفہ لائے کیونکہ پہلی آیت مکہ میں اتری پھر یہ آیت مدینہ منورہ میں اتری۔ اس سے اس طرف اشارہ کر دیا گیا۔ جس کو وہ پہلے پہچان چکے تھے۔

اب آیت: الَّتِي وَقُودُهَا النَّاسُ وَالْحِجَارَةُ کا معنی یہ ہے کہ وہ آگ دوسری آگوں سے ممتاز ہے۔ اس لیے کہ وہ لوگوں اور پتھروں سے جلتی ہے اور وہ پتھر گندہک کے جن کی آگ بہت تیز جلنے والی اور دیر سے بجھنے والی ہے اور شدید بدبو والی اور بدن کو زیادہ لپٹنے والی ہے یا پوجے ہوئے بت وہ حسرت کو بڑھانے کے لیے (ان سے آگ جلائی جائے گی) لوگوں کو پتھروں سے ملایا کیونکہ انہوں نے ان پتھروں سے دنیا میں اپنے آپ کو ملایا۔ اس طرح کہ انکی عبادت کی۔ اور ان کو اللہ تعالیٰ کا شریک بنا دیا۔ اور اس کی مثل ہے اللہ تعالیٰ کا وہ ارشاد جو سورۃ الانبیاء آیت نمبر ۹۸ اِنَّكُمْ وَمَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ حَصْبُ جَهَنَّمَ میں

وَبَشِّرِ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ أَنَّ لَهُمْ جَنَّاتٍ تَجْرَى مِنْ تَحْتِهَا

اور بشارت دیجئے ان لوگوں کو جو ایمان لائے اور نیک عمل کئے کہ بلاشبہ ان کے لئے باغات ہیں جن کے نیچے نہریں جاری

الْأَنْهَارُ ۖ كُلَّمَا رُزِقُوا مِنْهَا مِنْ ثَمَرَةٍ رِزْقًا ۖ قَالُوا هَذَا الَّذِي رُزِقْنَا

ہوں گی جب کبھی بھی ان کو ان باغوں میں سے کوئی پھل بطور غذا کے دیا جائے گا تو کہیں گے کہ یہ وہی ہے جو ہمیں اس سے

مِنْ قَبْلُ ۖ وَاتُّوا بِهِ مُتَشَابِهًا ۖ وَلَهُمْ فِيهَا أَزْوَاجٌ مُطَهَّرَةٌ ۖ وَهُمْ

پہلے دیا گیا، اور ان کو ہم شکل پھل دیئے جائیں گے اور ان کے لئے ان باغوں میں بیویاں ہوں گی جو پاکیزہ بنائی ہوئی ہیں۔ اور وہ

فِيهَا خَالِدُونَ ﴿۲۵﴾

ان باغوں میں ہمیشہ رہیں گے۔

ہے۔ یعنی اس کی لکڑی ان کو اس کے ساتھ ملایا۔ جہنم میں گرم کرنے کے لیے اور ان کے دکھ میں مبالغہ کے لیے۔
أَعَدَّتْ لِلْكَافِرِينَ: (وہ کافروں کے لیے تیار کی گئی ہے) کافروں کے لیے تیار کی گئی ہے اس میں دلیل ہے کہ آگ مخلوق ہے
اس کے برخلاف فرقہ جہمیہ کہتے ہیں (یہ جہم بن صفوان گمراہ آدمی تھا اس کو نصر بن سیار نے ۱۲۸ھ میں جہنم رسید کیا)

سابقہ آیات سے ربط:

رَبُّط: اللہ تعالیٰ کا طریقہ ہے کہ ترغیب کو ترہیب کے ساتھ ذکر کرتے ہیں تاکہ جو پیش کیا جاتا ہے۔ وہ خوش اسلوبی سے حاصل
ہو اور جو چیز ہلاک کرنے والی ہے اس کے ارتکاب سے بچا جائے۔

جب کفار اور ان کے اعمال کا ذکر کیا۔ اور ان کو عقاب سے ڈرایا۔ تو اس کے بعد اہل ایمان اور ان کے اعمال کا ذکر کیا اور ان
کو اپنے اس ارشاد سے خوش خبری دی۔

بشارت:

وَبَشِّرِ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ: (اور خوش خبری دیں ایمان لانے والوں اور اچھے عمل کرنے والوں کو) بَشِّرُ کا حکم
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیا۔ یا پھر ہر ایک کو اور یہ زیادہ بہتر ہے۔ اس لیے کہ وہ اعلان کرتے ہیں۔ کہ یہ معاملہ اپنی عظمت و بڑائی کی وجہ
سے اس لائق ہے کہ اس کی بشارت ہر ایک کو دی جائے جو بشارت کے قابل ہو۔

نحوی تحقیق:

نحو: اس کا عطف فاتقوا پر ہے۔

نمبر ۱: یا بنی تمیم احذروا عقوبة ما جنتم وبشر یا فلان بنی اسد باحسانی الیہم
۱۔ بنی تمیم جو تم نے حرکت کی اس کی سزا کے لیے خبردار ہو جاؤ اور اے فلاں بنی اسد کو میرے احسانات کی خوش خبری دے۔
نمبر ۲: یا یہ جملہ ہے جس میں ایمان والوں کے ثواب کو بیان کیا ہے اس کا عطف اس جملے پر ہے جس میں کفار کا انجام بیان کیا گیا۔
جیسے زید یعاقب بالقیل والا زہاق وبشر عمر و ابا لعفو والا طلاق۔ زید کو قید اور دم گھٹنے کی سزا دی جائے اور عمر کو معافی اور آزادی کی خوش خبری سنادو۔

تعریف بشارت:

البشارات: ایسی خبر جو مجربہ کے سرور کو ظاہر کرے اور اس بات کے پیش نظر علماء اصول نے کہا اگر ایک آدمی نے اپنے غلاموں کو کہا۔ کہ جس نے تم میں سے مجھے فلاں کے آنے کی بشارت دی پس وہ آزاد ہے پس انہوں نے الگ الگ خوشخبری دی۔ تو ان میں اول آزاد ہوگا۔ کیونکہ اس نے ہی اپنی خبر سے آقا کی خوشی کو ظاہر کیا باقی نے نہیں۔ اور اگر اس نے بشرنی کی جگہ خبرنی کہا تو پھر تمام آزاد ہو جائیں گے۔ کیونکہ خبر تو تمام نے دی۔

البشرہ: کالفظ اسی سے ہے ظاہری جلد کو کہتے ہیں۔ طباشیر الصبح۔ صبح کی اولین روشنیاں۔

ایک اعتراض:

اعتراض: فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ أَلِيمٍ، آل عمران آیت نمبر ۲۱ سے تو بات غلط ہو جاتی ہے۔

جواب: وہ اس کلام کی قسم میں سے ہے جس میں مخاطب کے استہزاء میں زائد سختی ظاہر کرنا مقصود ہو جیسا کہ دشمن کو کہا جاتا ہے
ابشر بقتل ذریعتک ونهب مالک۔ گویا یہ تحکمانہ کلام ہے۔
الصالحہ: کالفظ اسم کی جگہ استعمال میں الحسنہ کی طرح ہے۔

مرادِ صالحات:

الصالحات: دلیل عقل و کتاب و سنت سے درست ثابت ہونے والے اعمال۔ اس میں لام جنس کا ہے اس آیت میں ان لوگوں کے خلاف دلیل ہے جنہوں نے اعمال کو ایمان میں داخل مانا ہے اس لیے کہ اعمال صالحہ کو ایمان پر عطف کیا گیا۔
معطوف معطوف علیہ دونوں غیر غیر ہوتے ہیں۔

ایک اعتراض:

تم کہتے ہو کہ مؤمن جنت میں بغیر اعمال صالحہ کے داخل ہو سکتا ہے حالانکہ اللہ تعالیٰ نے تو خوش خبری ان کو دی جو ایمان

اور اعمال صالحہ والے ہیں۔

جواب: مطلق جنت کی بشارت کے لیے شرط یہ ہے کہ ایمان کے ساتھ اعمال صالحہ ملے ہوئے ہوں۔ کبیرہ گناہ والے کے لیے ہم بشارت کو مطلق قرار نہیں دیتے۔ بلکہ بشارت کو اللہ تعالیٰ کی مشیت سے مقید کرتے ہیں۔ خواہ وہ بخش دے خواہ گناہوں کی مقدار عذاب دے کر پھر جنت میں داخل کر دے۔

أَنَّ لَهُمْ جَنَّاتٍ : (بے شک ان کے واسطے بہشتیں ہیں) یعنی بان لہم (اس لیے کہ ان کے لیے)۔

مُخَجَّرًا: سیبویہ کے نزدیک بیشتر سے اُن اور اس کا معمول منصوب ہے۔ خلیل کا اس میں اختلاف ہے۔ یہ قرآن مجید میں کثرت سے ہے۔

جنت کا معنی:

الْجَنَّةُ: کھجور اور گھنے درختوں کا باغ جن کی ترکیب میں ستر کا معنی پایا جاتا ہے۔ اسی سے جن، جنون، جنین، جنت، جان، جنان ہے ثواب کے مقام کو جنت کہتے ہیں۔ کیونکہ اس میں باغات ہیں جنت پیدا کی جا چکی ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے البقرہ آیت نمبر ۳۵ اُسْكُنْ اَنْتَ وَزَوْجُكَ الْجَنَّةَ بعض معتزلہ کا اس میں اختلاف ہے جنت کو جمع اور نکرہ لانے کا مقصد یہ ہے کہ جنت تمام ہی دار الثواب کا نام ہے اور اس میں بے شمار باغات ہیں۔ جو اعمال کرنے والے لوگوں کے مراتب کے مطابق ترتیب دیئے گئے ہیں۔ ہر طبقہ کے لیے ان باغات میں سے باغات ہونگے۔

تفسیر تجری:

تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهَارُ۔ **مُخَجَّرًا:** یہ جملہ جنات کی صفت ہونے کی وجہ سے موضع نصب میں ہے۔ اور مراد من تحت اشجارھا۔ یعنی اس کے درختوں کے نیچے جیسا کہ تم جاری رہنے والی نہروں کے کناروں پر درخت اگے ہوئے دیکھتے ہو۔ البتہ جنت کی نہریں گہری جگہوں میں چلنے والی نہ ہونگی۔ (بلکہ سطح زمین پر چلنے والی ہونگی) باغوں میں سب سے شاندار وہی ہوتا ہے جس کے درخت سایہ دار ہوں۔ اور اس کے درمیان پانی کی نالیاں پھیلی ہوئی ہوں۔

الجرى : پھسلنا، جاری ہونا۔

النهـر : جو جدول سے بڑی پانی بہنے کی جگہ ہو۔ مگر سمندر سے کم ہو۔ دریائے نیل کو نہر نیل کہا جاتا ہے۔ لغت غالبہ کے لحاظ سے۔ نہر کی ترکیب وسعت پر دلالت کرتی ہے۔ جری کی نسبت نہر کی طرف مجازی ہے۔

الانہار کی وجہ تعریف:

الانہار : کو معرفہ لایا گیا۔

نمبر ۱: اس لیے کہ ممکن ہے کہ انہارھا جنت کی نہریں مراد لی جائیں۔ اضافت کی جگہ لام تعریف لائے۔ جیسا کہ سورۃ مریم آیت نمبر ۴۴ اَشْتَعَلَ الرَّأْسُ شَيْبًا میں الرأس میں الف لام مضاف الیہ کی جگہ لایا گیا۔

نمبر ۲: الف لام لا کران نہروں کی طرف اشارہ مقصود ہو جو سورۃ محمد آیت نمبر ۵ اِیْنِہَا اَنْہَرُ مِنْ مَّاءٍ غَیْرِ اِیْنِہَا میں مذکور ہے۔
ایک نکتہ:

جاری پانی بڑی نعمت اور بڑی لذیذ چیز ہے۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے جنات کے ساتھ انہار جاریہ کا ذکر فرمایا اور تمام صفات سے اس صفت کو مقدم کیا۔

کُلَّمَا رُزِقُوا: (جب کبھی دیئے جاویں گے وہ لوگ) **مِنْ خَوْفٍ**: یہ جنات کی دوسری صفت ہے۔
نمبر ۲: یا جملہ مستانفہ ہے۔ اس لیے کہ جب یہ کہا گیا۔ اَنْ لَّہُمْ جَنَّاتٌ تَجْرُ مِنْ تَحْتِہَا نَہَارٌ مِّنْ مَّاءٍ غَیْرِ اِیْنِہَا آتی ہے کہ ان باغات کے پھل دنیا کے باغات کے پھلوں کی طرح ہونگے یا دوسری اجناس کے ہونگے۔ جو ان اجناس سے مشابہت نہ رکھیں تو جواب دیا۔ کہ ان کے پھل دنیا کے پھلوں کے مشابہ ہونگے۔ یعنی ان کی جنس ایک ہوگی۔ اگرچہ فرق ہوگا۔ جس کا علم اللہ تعالیٰ ہی کو ہے۔
مِنْہَا مِنْ ثَمَرَةٍ رِّزْقًا قَالُوا هٰذَا الَّذِیْ: (یعنی جب بھی ان کو باغات سے رزق دیا جائے گا تو وہ کہیں گے یہ وہی ہے)۔

من ابتداء:

مِنْ: پہلا اور دوسرا ابتداء غایت کے لیے ہے کیونکہ ابتداء رزق جنات سے ہوگی۔ اور رزق باغات کے پھلوں سے ہوگا۔ اس کی نظیر یہ ہے رزقنی فلان۔ مجھے فلاں نے رزق دیا۔ تو تمہیں کہا جائے۔ مِنْ اَیْنِ کہاں سے؟ پس تم کہو من بستانہ۔ اس کے باغ سے پھر کہا جائے من ای ثمرۃ رزقک من بستانہ اس کے باغ کے کون سے پھل سے تو تم کہو۔ من الرِّقْمَانِ۔ انار سے ثمرہ سے مراد ایک سیب نہیں یا الگ سیب مراد نہیں بلکہ مراد پھلوں کی قسموں میں سے ایک قسم ہے۔
رُزِقْنَا: (جو ہمیں دیا گیا) ضمیر حذف کر دی گئی۔

مِنْ قَبْلُ: (اس سے پہلے) یعنی اس سے قبل قَبْلُ کا مضاف الیہ منوی ہونے کی وجہ سے مَنی بالضم ہے۔ مطلب یہ ہے کہ اس کی مثل ہے جو ہمیں اس سے پہلے رزق دیا گیا۔ اور اس کے مشابہ ہے جیسا اس آیت میں

مشابہت تامہ:

وَأَتُواہِ مُتَشَابِهًا: اور ان کو ایک دوسرے سے ملتے جلتے (میوے) دیئے جائیں گے اور یہ اسی طرح ہے جیسا کہا جاتا ہے ابو یوسف، ابو حنیفہ، ابو یوسف تو ابو حنیفہ ہے۔ مراد مشابہت کو مضبوط کرنا ہے گویا دونوں کی ذات ایک ہے

ہ کا مرجع:

مِنْ خَوْفٍ: یہ میں ضمیر دنیا اور آخرت میں دیئے جانے والے سارے رزق کی طرف ہے۔ کیونکہ ارشاد الہی: هٰذَا الَّذِیْ۔
رُزِقْنَا مِنْ قَبْلُ۔ کے ماتحت دارین میں دیا جانے والا رزق سمیٹ دیا۔

مانوس رزق:

جنت کے پھل دنیا کے پھلوں کی طرح ہونگے۔ ان کی جنس الگ نہ ہوگی۔ اس لیے کہ انسان دیکھی بھالی چیز سے مانوس ہوتا ہے۔ اور جانی ہوئی چیز کی طرف طبیعت زیادہ مائل ہوتی ہے جب غیر مانوس کو دیکھتا ہے تو اس کی طبیعت نفرت کرتی اور برا سمجھتی ہے اس لیے کہ جب وہ دیکھی ہوئی چیز کا مشاہدہ کرتا ہے اور پھر اس میں ظاہری مرتبہ اور واضح فرق دیکھتا ہے تو اس کو تعجب و حیرانی زیادہ ہوتی ہے۔ (نسبت اس چیز کے کہ جس سے ناواقفیت ہو)۔ جنت والے یہ بات ہر پھل دیئے جانے پر کہیں گے۔ یہ دلیل ہے کہ امر کی انتہا ہے اور اس حالت کا برقرار رہنا مرتبے کے اظہار کے لیے اور یہ بتلانے کیلئے ہے کہ یہ عظیم فرق ہی تو ہر گھڑی ان کو تعجب سے پر رکھے گا۔

نمبر ۲: بہ کی ضمیر رزق کی طرف ہے گویا یہ اس کی طرف اشارہ ہے مطلب یہ ہے کہ ان کو جو جنت کے پھلوں سے رزق دیا جائے گا۔ وہ ذاتی لحاظ سے ان کے پاس ایک جیسا ان کو ملے گا۔

جیسا کہ حضرت حسن رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جنتی کے پاس پیالہ لایا جائے گا اور وہ اس میں سے کھائے گا پھر دوسرا لایا جائے گا تو جنتی کہے گا۔ یہ تو ہمیں پہلے دیا گیا۔ فرشتہ کہے گا۔ کھالو۔ رنگ تو ایک ہے ذائقہ مختلف ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے۔ والذی نفس محمد بیدہ (الحديث) مجھے اس ذات کی قسم ہے جس کے ہاتھ میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی جان ہے۔ جنتی جب پھل کھانے کے لیے لے گا۔ ابھی وہ اس کے منہ تک نہ پہنچے گا۔ یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ اس کی جگہ اور بدل دے گا۔ (طبرانی فی الکبیر، البزار) جب جنتی اس کو دیکھیں گے جبکہ بیت پہلے والی ہوگی تو کہیں گے۔

وَأَتُوا بِهِ مُتَشَابِهًا : (اور ان کو ان کے مشابہ دیا جائے گا) یہ جملہ معترضہ ہے۔ پختگی ظاہر کرنے کے لیے لائے جیسے کہو۔ فلاں احسن بفلاں۔ ونعم مافعل۔ ورأى من الراى کذا وکان صواباً۔ فلاں نے فلاں سے احسان کیا اور اس نے بہت خوب کیا۔ اس نے یہ رائے اختیار کی۔ اور یہ درست تھی۔ اور ارشاد الہی میں

وَجَعَلُوا أَعْرَۃً أَهْلِهَا أَذِلَّةً وَكَذٰلِكَ يَفْعَلُوْنَ (سورۃ النمل آیت نمبر ۳۴) كَذٰلِكَ يَفْعَلُوْنَ تاکید کے لیے لائے۔ وَلَهُمْ فِيْهَا أَزْوَاجٌ : (ان کیلئے اس میں بیویاں ہوں گی) **مَخْمُومٌ** : ازواج مبتدا اور لہم خبر ہے فیہا ظرف مستقر ہے۔

طہارت کا مطلب:

نمبر ۱: مُطَهَّرَةٌ۔ پاک ہوں گی برے اخلاق سے۔ نہ خاوندوں سے بغض رکھنے والی ہوں گی اور نہ غیروں کی طرف دیکھنے والی ہوں گی۔ نہ اکڑنے والی ہوں گی۔

نمبر ۲: حیض واستحاضہ سے پاک ہوں گی اور بول براز تمام گندگیاں جو ان کے ساتھ خاص ہیں ان سے پاک ہوں گی۔ موصوف جمع ہے صفت واحد ہے کیونکہ دونوں قصیح لغتیں ہیں۔ طاہرہ نہیں کہا اس لیے کہ مطہرہ زیادہ بلغ ہے اور تکثیر کو ظاہر کرتا ہے اور اس میں یہ بتلایا کہ کسی پاک کرنے والے نے ان کو پاک کیا ہے۔ اور وہ اللہ تعالیٰ کے سوا اور کون ہے۔

وَهُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ : (اور وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے) الخلد ایسی دائمی بقاء جسمیں انقطاع نہ ہو۔

إِنَّ اللَّهَ لَا يَسْتَحْيَ أَنْ يَضْرِبَ مَثَلًا مَّا بَعُوضَةً فَمَا فَوْقَهَا ؕ فَأَمَّا الَّذِينَ

ہے شک اللہ تعالیٰ اس بات سے نہیں شرماتا کہ کوئی بھی مثال بیان فرمائے۔ مچھر ہو یا اس سے بھی بڑھی ہوئی کوئی چیز ہو۔ سو جو لوگ

أَمَنُوا فَيَعْلَمُونَ أَنَّهُ الْحَقُّ مِنْ رَبِّهِمْ ؕ وَأَمَّا الَّذِينَ كَفَرُوا فَيَقُولُونَ مَاذَا أَرَادَ

ایمان لائے وہ جانتے ہیں کہ بلاشبہ یہ مثال حق ہے ان کے رب کی طرف سے اور رہے وہ لوگ جنہوں نے کفر اختیار کیا سو وہ کہتے ہیں کیا ارادہ کیا

اللَّهُ بِهَذَا مَثَلًا ۖ يَضِلُّ بِهِ كَثِيرًا ۖ وَيَهْدِي بِهِ كَثِيرًا ۖ وَمَا يُضِلُّ بِهِ إِلَّا الْفَاسِقِينَ ﴿۳۶﴾

اللہ نے اس کے ذریعہ مثال دینے کا۔ اس کے ذریعہ اللہ تعالیٰ بہت سوں کو گمراہ کرتے ہیں اور اس کے ذریعہ بہت سوں کو ہدایت دیتے ہیں اور اس کے ذریعہ نہیں گمراہ کرتے مگر فرمانبرداروں سے نکل جانے والوں کو

تردید جہمیہ :

اس میں جہمیہ فرقہ کی تردید ہے کیونکہ وہ جنت اور اہل جنت کے فناء کے قائل ہیں۔ دلیل جہمیہ۔ اللہ تعالیٰ ہی اول اور آخر ہیں اور اولیت کی حقیقت مخلوق سے پہلے ہونا تو بالاتفاق ہے پس ضروری ہے کہ آخریت کے وصف میں بھی وہ تمام سے آخر ہو اور یہ تبھی درست ہے جب سب کے سب فناء ہو جائیں پس ضرورتاً فناء کو ماننا پڑا اس لیے کہ اللہ تعالیٰ باقی ہیں اور اسکی صفات بھی باقی ہیں اگر جنت بھی اپنے رہنے والوں کے ساتھ باقی رہنے والی ہو تو خالق و مخلوق میں مشابہت لازم آتی ہے اور یہ محال ہے

جواب : اولیت اللہ تعالیٰ کے حق میں اس طرح کہ اس کے وجود کی ابتداء نہیں اور آخریت اس کے حق میں اس طرح کہ اس کی کوئی انتہاء نہیں۔ اور مخلوق کے حق میں اول کا مطلب فرد سابق (پہلے والا فرد) ہے اور آخر فرد لاحق (پچھلا فرد) ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کے لیے ان صفات کا ہونا صفت کمال کو ظاہر کرنے کے لیے ہے اور اس کی ذات سے نقص و زوال کی نفی کرنے کے لیے ہے اور یہ جنت اور اہل جنت کے متعلق بقاء مٹنے اور فناء ہونے کے احتمال سے ہونے کو ظاہر کرنے کیلئے ہے نہ وہ جو معتزلہ کہتے ہیں۔ پھر کہاں سے تشابہ فی البقاء لازم ہوا۔ اللہ تعالیٰ تو ذاتی لحاظ سے باقی رہنے والے ہیں۔ اور اس کی بقاء واجب الوجود ہونا ہے اور مخلوق کا بقاء اس کے باقی رکھنے سے ہے۔ اور وہ جائز الوجود ہے (بینہما بون بعید فلیتبصر)

سابقہ آیات سے ربط :

ربط : قرآن مجید نے جب ذباب و عنکبوت کا ذکر فرمایا۔ اور ان کی مثال بیان کی تو یہود نے ہنسنا شروع کر دیا۔ اور کہنے لگے یہ کلام اللہ تو نہیں لگتا۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیات اتا دیں۔

إِنَّ اللَّهَ لَا يَسْتَحْيَ أَنْ يَضْرِبَ مَثَلًا مَّا بَعُوضَةً : (تحقیق اللہ نہیں حیا کرتا کہ مثال بیان کرے مچھر کی)

یعنی اللہ تعالیٰ مچھر سے مثال بیان کرنا ترک نہیں فرماتے اسکی طرح جو حقارت کی وجہ سے ان سے مثال بیان کرنا چھوڑ دے۔

حیاء کی اصل تعریف:

وہ تبدیلی اور شرمندگی جو انسان کو عیب و مذمت کے خوف سے پیش آتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کی ذات تو قدیم ہے وہ تغیر و خوف و مذمت سے پاک ہے لیکن ترک حیاء کے لوازم میں سے ہے اس لیے ترک کو حیاء سے تعبیر کیا گیا۔
دوسرا قول: یہ بھی درست ہے کہ یہ عبارت کفار کے کلام میں پائی جاتی تھی۔ کہ انہوں نے کہا ما یستحی رب محمد ان یضرب مثلاً بالذباب والعنکبوت: محمد کا رب حیاء نہیں کرتا کہ مکھی و مکڑی کی مثال بیان کرے۔ تو مقابلے اور سوال کے مطابق (ترکی بہ ترکی) جواب دینے کے لیے اس طرح فرمایا اور یہ کلام بدیع میں سے ہے۔
اس میں دو لغات ہیں۔ متعدی بنفسہ اور متعدی بحرف الجار کہا جاتا ہے استحیته واستحییت منہ یہاں دونوں کا احتمال ہے۔

مفہوم ضرب مثل:

یہ ضرب اللین اور ضرب الخاتم سے بنا ہے (اینٹ لگانا یا مہر لگانا) بیان کرنا۔

نحوی تحقیق:

نَحْوُ: ما نمبر ۱: یہ ابہامیہ ہے جب یہ نکرہ کے ساتھ آئے تو اس میں ابہام پیدا کر کے اس کے عموم میں اضافہ کرتا ہے مثلاً کہیں اعطنی کتا باما۔ مراد کوئی سی کتاب۔

نمبر ۲: یہ ماتا کید کے لیے لایا گیا۔ جیسا سورۃ النساء آیت نمبر ۱۵۵۔ فَبِمَا نَقْضِهِمْ مِّثْلَ قَوْلِهِمْ میں ہے اب معنی اس طرح ہے کسی بھی مثال کا بیان کرنا نہیں چھوڑتا۔

نحو نمبر ۱: مَا بَعُوضَةٌ يَهْ مَثَلًا كَالْعُطْفِ بیان ہے اور اس نکرہ سے حال ہے جو اس سے مقدم ہے

نمبر ۲: یا: ضرب بمعنی جعل ہے اور یہ دونوں مفعول ہونے کی وجہ سے منصوب ہیں۔

لغت بعوضة: یہ بعض سے بنا ہے اور وہ کائے کو کہتے ہیں جیسے البضع والعضب (کاٹنا) کہا جاتا ہے بعضہ البعوض۔ اس کو مچھرنے کاٹنا۔ اور بعض اشی کہتے ہیں کیونکہ وہ اس کا حصہ و ٹکڑا ہوتا ہے بعوض فعول کے وزن پر قَطُوع (کاٹنا) کی طرح صفت ہی ہے۔ پھر اسمیت غالب آگئی۔

فوقیت کا مطلب:

فَمَا فَوْقَهَا: (یا اس سے بڑھ کر) نمبر ۱: جو اس سے متجاوز ہے اور اس معنی میں بڑھ کر ہے جس میں وہ مثال بیان کی گئی ہے اور وہ معنی قلت و حقارت ہے۔

نمبر ۲: جو حجم میں اس سے بڑھ کر ہے گویا اس سے اس بات کی تردید کر دی کہ جس چیز کو تم نے عجیب قرار دیا ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ کی

کتاب اور مکھی اور مکڑی کی مثال یہ کیسے ہو سکتا ہے تو جواب دیا کہ مکھی و مکڑی درکنار اللہ تعالیٰ تو مچھر کی مثال بیان کرنے کو نہیں چھوڑتا حالانکہ یہ ان سے چھوٹا ہے۔

اعتراف: مچھر سے کم کی مثال کیسے بیان کی جاسکتی ہے کیونکہ وہ انتہائی چھوٹا ہے۔

جواب: مچھر کا پر اس سے کئی درجہ قلیل اور چھوٹا ہے اور رسول اللہ ﷺ نے اس کو دنیا کی حقارت کے لیے بطور مثال بیان فرمایا۔ (لو كانت الدنيا تعدل عند الله جناح بعوضة ما سقى منها كافرا شربة ماء) (ترمذی) اگر دنیا اللہ تعالیٰ کے ہاں مچھر کے پر کے برابر مرتبہ رکھتی تو کافر کو پانی کا ایک گھونٹ بھی نہ دیتے۔

تفسیر فَاَمَّا الَّذِينَ:

فَاَمَّا الَّذِينَ اٰمَنُوا فَيَعْلَمُوْنَ اَنَّهُ الْحَقُّ: (پس وہ لوگ جو ایمان لائے وہ جانتے ہیں کہ یہ مثال حق ہے)

مَحْجُوْر: ہ کی ضمیر مثل کی طرف ہے یا لان یضرب کی طرف ہے۔

الحق: وہ ثابت شدہ چیز جس کا انکار نہ کیا جاسکے۔ کہا جاتا ہے حق الامر: جب کہ وہ معاملہ ثابت و واجب ہو جائے۔

مِنْ رَبِّهِمْ: (ان کے رب کی طرف سے) **مَحْجُوْر:** یہ حال ہونے کی وجہ سے منصوب ہے اور اس کا عامل حق کا معنی ہے اور ذوالحال اس کی مشترک ضمیر ہے۔

تفسیر آیت:

وَاَمَّا الَّذِينَ كَفَرُوا فَيَقُولُوْنَ مَاذَا اَرَادَ اللّٰهُ بِهٰذَا مَثَلًا: (اور جو منکر ہیں وہ کہتے ہیں اس مثال سے اللہ تعالیٰ کی کیا غرض تھی) اس پر وقف لازم ہے۔ اگر وقف نہ کریں۔ تو مابعد اس کی صفت بن جائیگا۔ اور اس طرح ہو نہیں سکتا۔ (مَاذَا اَرَادَ اللّٰهُ بِهٰذَا مَثَلًا) میں استحقار ہے جب حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا۔ عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ کے بارے میں یا عجبالا بن عمرو ہذا! یہ بات ابن عمرو سے انتہائی قابل تعجب ہے (بطور تحقیر فرمایا)

نحوی لطائف:

مَحْجُوْر: مَثَلًا تمیز کی وجہ سے منصوب ہے یا حال کی وجہ سے سورۃ الاعراف آیت نمبر ۷۳ ہِذِهِ نَاقَةُ اللّٰهِ لَكُمْ آيَةٌ میں آیت کا لفظ۔ اَمَّا۔ یہ حرف ہے جس میں شرط کا معنی ہے اسی لیے جواب میں فالائے ہیں۔ اور کلام میں اس کا فائدہ زائد تاکید ہے۔ مَثَلًا تم کہو زید ذاہب۔ جب اس کی تاکید کرنا چاہو تو کہو گے۔ اما زید ذاہب اس لیے سیبویہ نے اس کی وضاحت میں فرمایا۔ مہما یکن من شیء فزید ذاہب۔ جو کچھ بھی ہو زید جانے والا ہے یہ وضاحت اس کی تاکید ہونے کے لیے فائدہ مند ہے اور یہ شرط کے معنی میں ہے دونوں جملوں کے شروع میں لائے۔ اور اس طرح نہیں کہا۔ فَالَّذِيْنَ اٰمَنُوا يَعْلَمُوْنَ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوا يَقُولُوْنَ بَلْکَ اَمَّا کے ساتھ شروع کیا۔ اس طرز میں ایمان والوں کیلئے بڑی تعریف ہے کہ ان کے علم کو برحق شمار کیا۔ اور کافروں کے بارے میں اپنے نصیب سے غفلت کی خبر دی اور ان پر حتماء کا کلمہ لا کر طنز کیا۔

الَّذِينَ يَنْقُضُونَ عَهْدَ اللَّهِ مِنْ بَعْدِ مِيثَاقِهِ ۖ وَيَقْطَعُونَ مَا أَمَرَ اللَّهُ بِهِ أَنْ

جو اللہ کے عہد کو توڑتے ہیں اس کی مضبوطی کے بعد، اور کاٹتے ہیں ان چیزوں کو جن کو جوڑے رکھنے کا اللہ تعالیٰ نے

يُؤْصَلُ وَيُفْسِدُونَ فِي الْأَرْضِ ۚ أُولَٰئِكَ هُمُ الْخٰسِرُونَ ﴿٢٧﴾

حکم دیا اور فساد کرتے ہیں زمین میں، یہ لوگ پورے خسارہ والے ہیں۔

مخبر: ماذا اس کی دو صورتیں ہیں۔ نمبر ۱: ذالسم موصول ہو اور الذی کے معنی میں ہو

نمبر ۲: ما استفہامیہ ہو۔ پس دونوں کلمے مل کر اسم استفہام بن گئے اور ایک کلمہ ہوئے۔

پہلی صورت میں ما مبتدا اور ذالسم کی خبر ہے۔ اپنے جملہ صلہ یعنی اراد کے ساتھ مل کر اور ضمیر محذوف ہے۔ جب اسم استفہام مان لیں تو اراد کی وجہ سے محلاً منصوب ہے تقدیر عبارت اس طرح ہے اتی شیء اراد اللہ۔ اللہ تعالیٰ نے کس چیز کا ارادہ کیا۔

الارادة۔ یہ مصدر ہے ارادت الشیء کہتے ہیں جب تیرا نفس اس کو طلب کرے اور اس کی طرف مائل ہو۔ متکلمین کے نزدیک ایک وجہ سے خاص کرتا ہے دوسری کی بجائے۔

معتزلہ کا عقیدہ:

البتہ معتزلہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی صفت ارادہ کے ساتھ حقیقہ نہیں کی جاسکتی جب اراد اللہ کذا کہیں گے۔ اگر اللہ تعالیٰ کا فعل ہے تو ارادہ بمعنی فعل ہوگا کیونکہ وہ نہ بھولنے والا اور نہ مجبور ہے اور اگر غیر کا فعل ہے تو اس کا معنی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کا حکم دیا۔

کثرت کا معنی:

يُضِلُّ بِهِ كَثِيرًا وَيَهْدِي بِهِ كَثِيرًا: (وہ گمراہ کرتا ہے اس مثال سے بہت سوں کو اور ہدایت دیتا ہے بہت کو) اما سے شروع ہونے والے دونوں جملوں کی تفسیر اور بیان کے قائم مقام ہے کہ جاننے والا فریق تو اس کو برحق کہتا ہے اور جہلاء استہزاء کرنے والے ہیں۔ اور یہ دونوں کثرت سے موصوف ہیں۔ اور اس کے حق ہونے کا علم باب ہدایت سے ہے اور اسکے اچھے مورد سے ناواقفیت باب گمراہی سے ہے اور اہل ہدایت خواہ بذات خود کہتے ہوں مگر ان کو اہل ضلال کے بالمقابل بظاہر اقلیت سے تعبیر کیا جاتا ہے اس لیے بھی کہ تھوڑے سے ہدایت والے بھی حقیقت میں کثیر ہیں اگرچہ صورت وہ قلیل ہوں۔ جیسا کہ شاعر کے قول میں۔

ان الکرام کثیر فی البلاد وان ☆ قلو اکما غیر ہم قل وان کثروا

شرفاء شہروں میں بہت ہیں۔ اگرچہ صورۃ وہ قلیل ہوں۔ جیسا کہ ان کے علاوہ قلیل ہیں۔ حقیقت میں اگرچہ صورۃ گنتی میں کثیر ہیں۔

والاضلال: بندے میں ضلال کے فعل کا پیدا کرنا۔

الہدایہ: ہدایت پانے کے فعل کو بندے میں پیدا کرنا۔

مقصد تمثیل:

الہست کے نزدیک یہ حقیقت ہے۔ آیت کا سیاق اس بات کی وضاحت کر رہا ہے کہ جس چیز کو جاہل کفار انوکھا اور عجیب خیال کرتے ہیں۔ کہ حقیر چیزوں کیساتھ مثال بیان کرنا اچھے کی بات ہے۔ حالانکہ یہ تو تعجب کی بات نہیں کیونکہ تمثیل کا مقصد معنی کو واضح کرنا اور وہم والے کو مشاہدے کے قریب کرنا ہوتا ہے۔ پس اگر تمثیل لہ عظیم ہو تو تمثیل بہ بھی عظیم اور اگر وہ حقیر ہو تو تمثیل بہ بھی حقیر ہوگا۔ ذرا غور تو کرو۔ جبکہ حق واضح اور جلی ہے تو اس کی مثال ضیاء اور نور سے دی۔ اور باطل غیر واضح ہے تو اس کو ظلمت اور اندھیرے سے تشبیہ دی۔ بس اسی طرح اس آیت میں وہ آلہ جن کو کفار نے اللہ کا شریک بنا رکھا ہے۔ وہ سب سے زیادہ ذلیل ترین اور حقیر ترین ہیں۔ اسی لیے مکڑی کے جالے کو ان کی کمزوری اور بودے پن کے لیے بطور تمثیل لائے۔ اور ان کو مکھی سے کم درجہ قرار دیا۔ اور مچھر کی مثال ان کے لیے بیان کی جو مثال میں مکھی سے بھی کم تر ہے یہ تو کوئی اوپری اور نوا ایجاد بات نہیں۔ اس تمثیل بیان کرنے والے کو نہ کہا جائے گا۔ کہ مچھر کے ساتھ ان کی تمثیل بیان کرنے سے باز رہو۔ اس لیے کہ وہ اپنی تمثیل میں سچا ہے اور بات میں حقیقت پر چلنے والا ہے اور تمثیل کو اس کے مقام پر فٹ کر رکھا ہے۔

مؤمن و کافر کے مزاج میں فرق:

سیاق اور آیت میں یہ بات بھی بیان کر دی۔ کہ وہ مؤمن جن کی عادت انصاف اور امور میں صحیح عقل سے غور فکر کرنا ہے وہ جب اس تمثیل کو سنیں گے تو جان لیں گے۔ کہ یہ برحق ہے۔ کافر لوگ جن کی عقلوں پر جہل غالب ہے وہ سن کر بڑے بنیں گے۔ اور عناد و ضد پر اتر آئیں گے۔ اور اس کے باطل قرار دینے کی سوچیں گے اور انکار کر کے مقابلہ کریں گے اور یہ چیز مؤمنوں کی ہدایت کا سبب بن جائے گی۔ اور فاسقوں کی گمراہی کا ذریعہ ثابت ہوگی۔

ان کفار (مکہ) پر تعجب ہے کہ انہوں نے کس طرح انکار کر دیا حالانکہ لوگ مکھی، پرندوں اور حشرات الارض کی مثالیں بیان کرتے چلے آ رہے ہیں چنانچہ کہتے ہیں۔

اجمع من ذرۃ (چیونٹیوں سے زیادہ اکٹھے) اجر امن الذباب (مکھی سے زیادہ جرأت مند) اسمع من قراد (چچڑی سے زیادہ کانوں والا) اضعف من فراشة (پروانے سے زیادہ کمزور) اکل من السوس (دیمک سے زیادہ کھانے والا) اضعف من البعوض (مچھر سے زیادہ کمزور) اعز من مخ البعوض۔ (مچھر کے مغز سے زیادہ عزت والا) لیکن حجت باز اور مبہوت کے مزاج کا تقاضا ہے کہ زیادہ حسرت کی وجہ سے واضح کو مسترد کرے اور چمکتے ہوئے روشن حق کا انکار کر دے۔

وَمَا يُضِلُّ بِهِ إِلَّا الْفَاسِقِينَ : (اور وہ ہرگز گمراہ نہیں کرتا اس سے مگر فاسقوں کو)
نحوی تحقیق :

مخبر: الفاسقین، ما یضل کا مفعول ہے استثناء کی وجہ سے منصوب نہیں کیونکہ یضل کا مفعول پورا نہیں ہوا۔
مفہوم فسق:

الفسق: میانہ روی سے نکلنا۔ شرع میں کبیرہ کا ارتکاب کر کے حکم شرع سے نکلنا یہ دو مرتبوں کے درمیان ہے یعنی مؤمن و کافر کے درمیان (نہ وہ مؤمن رہتا ہے اور نہ وہ کافر ہوتا ہے) یہ معتزلہ کے نزدیک ہے۔ عنقریب ہم اس کی تردید کریں گے۔ انشاء اللہ
الَّذِينَ يَنْقُضُونَ عَهْدَ اللَّهِ. (وہ لوگ جو اللہ تعالیٰ کے عہد کو توڑتے ہیں)
النقض: ترکیب کھولنا اور نسخ کرنا العہد۔ پکا وعدہ۔ ان ناقضین سے ضدی قسم کے احبار یہودیہ ان میں سے جو منافقین یا تمام کفار مراد ہیں۔ عہد اللہ: عہد سے مراد۔

نمبر ۱: توحید کے دلائل جو ان کی عقلوں میں موجود تھے۔ گویا وہ وصیت شدہ بات تھی۔ اور وثیقہ تھا۔ جو ان سے لیا گیا تھا۔
نمبر ۲: ان سے پختہ عہد لیا گیا۔ کہ جب رسول ان کی طرف بھیجا جائے گا۔ اللہ تعالیٰ معجزات سے اس کی تصدیق فرمادیں گے۔ تو وہ اس کی تصدیق کریں گے۔ اور اس کی اتباع کریں گے۔ اور اس کا تذکرہ نہ چھپائیں گے۔
نمبر ۳: اللہ تعالیٰ نے ان سے وعدہ لیا کہ وہ خون نہ بہائیں گے۔ اور ایک دوسرے پر سرکشی نہ کریں گے۔ اور قطع رحمی نہ کریں گے۔

نمبر ۴: (تین عہد) یہ بھی کہا گیا۔ کہ اللہ تعالیٰ نے مخلوق سے تین وعدے لئے۔ عہد اول جو تمام ذریت آدم سے اقرار ربوبیت کا لیا گیا۔ جو سورۃ الاعراف آیت نمبر ۱۷۲۔ وَاِذْ أَخَذَ رَبُّكَ مِنْ بَنِي آدَمَ میں مذکور ہے دوسرا عہد جو خاص انبیاء علیہم السلام سے لیا گیا۔ کہ وہ رسالت کو پہنچائیں گے اور دین کو قائم کریں گے وہ سورۃ الاحزاب آیت نمبر ۷۱۔ وَاِذْ أَخَذْنَا مِنَ النَّبِيِّينَ مِيثَاقَهُمْ میں ذکر فرمایا ہے۔

اور تیسرا عہد جو علماء سے لیا گیا۔ جس کو سورۃ آل عمران آیت نمبر ۱۸ اور اِذَا اخَذَ اللّٰهُ مِيثَاقَ الَّذِينَ اٰتَوْا الْكِتَابَ لَتُبَيِّنُنَّهُ لِلنَّاسِ وَلَا تَكْتُمُوْنَهٗ میں ذکر کیا گیا گویا یہ تینوں مراد ہیں۔

مِنْ بَعْدِ مِيثَاقِهِ: (اس کو پختہ کر دینے کے بعد) میثاق، الوثاقہ سے لیا گیا۔ یہ کسی چیز کو مضبوط کرنے کو کہا جاتا ہے۔ ہ کی ضمیر عہد کی طرف ہے وہ جس کو قبول کرنے کے لیے انہوں نے مضبوط باندھا۔ اور اپنے نفسوں پر لازم کیا نمبر: جائز ہے کہ میثاق تو ثقہ (وعدے کی توثیق کرنے کے بعد) کے معنی میں ہو جیسا میعاد بمعنی الوعد آتا ہے ہ ضمیر اللہ تعالیٰ کی طرف لوٹے تو معنی یہ بنے گا کہ اللہ تعالیٰ کے ان پر پختہ کر دینے کے بعد من یہ ابتداء غایت کے لیے ہے

وَيَقْطَعُونَ مَا اَمَرَ اللّٰهُ بِهِ اَنْ يُوْصَلَ: (اور وہ قطع کرتے ہیں اس کو جن کا اللہ تعالیٰ نے جوڑنے کا حکم دیا)

كَيْفَ تَكْفُرُونَ بِاللّٰهِ وَكُنْتُمْ اَمْوَاتًا فَاحْيَاكُمْ ثُمَّ يُمِيتُكُمْ ثُمَّ يُحْيِيكُمْ ثُمَّ اِلَيْهِ

کیسے کفر کرتے ہو اللہ کے ساتھ، حالانکہ تم بے جان تھے سو اس نے تم کو زندگی دی۔ پھر تم کو موت دے گا، پھر زندہ فرمائے گا، پھر اس کی طرف

تُرْجَعُونَ ﴿٢٨﴾

لوٹائے جاؤ گے۔

قطع کی حقیقت:

نمبر ۱: قطع رحمی کرنا اور مسلمانوں سے دوستی منقطع کرنا۔

نمبر ۲: انبیاء علیہ السلام میں سے بعض پر ایمان اور بعض کا انکار کر کے ان کی اجتماعیت علی الحق کو ختم کیا۔ گویا ان یوصل سے مراد اجتماعیت علی الحق اور قطع سے مراد بعض کی تصدیق اور بعض کی تکذیب ہے۔

تعریف امر:

الامر۔ کسی چیز پر استعلاء کے طور پر مخصوص قول سے فعل کا مطالبہ کرنا۔

مَنْحُورٌ: مانکرہ موصوفہ ہے یا الذی کے معنی میں ہے ان یوصل نمبر ۱: موضع جر میں ہے ہا سے بدل ہے یعنی بوصلہ نمبر ۲: موضع رفع میں ہے ای ہوان یوصل

وَيُفْسِدُونَ فِي الْأَرْضِ: (وہ زمین میں فساد کرتے ہیں) ڈاکہ ڈال کر

أُولَٰئِكَ هُمُ الْخَاسِرُونَ: (اور وہی نقصان اٹھانے والے ہیں) ایمان لانے پر تگ کر کے۔

مَنْحُورٌ: أُولَٰئِكَ مبتدأ هم ضمیر فصل اور الخاسرون خبر ہے یعنی نقصان اٹھانے والے ہیں۔

نوعیت نقصان:

اس طرح کہ انہوں نے وفا کے بدلہ میں وعدہ توڑا اور وصل کو قطع سے اور اصلاح کو فساد سے ثواب کو عقاب سے بدل ڈالا۔
كَيْفَ تَكْفُرُونَ بِاللّٰهِ: (تم کیسے اللہ تعالیٰ کے ساتھ کفر کرتے ہو) ہمزہ کا وہ معنی جو کیف میں ہے اس کی مثال یہ قول ہے
اتكفرون بالله ومعكم ما يصرف عن الكفر ويدعو الى الايمان۔ کیا تم اللہ تعالیٰ کے ساتھ کفر کرتے ہو۔ حالانکہ تمہارے پاس وہ چیز ہے جو کفر سے پھیرنے اور ایمان کی طرف راغب کرنے والی ہے۔

مقصد استفہام:

یہ استفہام انکار و تعجب کے لیے ہے۔ اس کی مثال اس قول میں ہے

أتطير بغير جناح و كيف تطير بغير جناح؟ کیا تو بغیر پروں کے اڑتا ہے اور تو بغیر پروں کے کیسے اڑے گا۔ یعنی تو

هُوَ الَّذِي خَلَقَ لَكُمْ مَّا فِي الْأَرْضِ جَمِيعًا ثُمَّ اسْتَوَىٰ إِلَى السَّمَاءِ فَسَوَّاهُنَّ

اللہ وہی ہے جس نے تمہارے لئے پیدا فرمایا جو کچھ زمین میں ہے سب کا سب۔ پھر قصد فرمایا آسمان کی طرف سو ٹھیک طرح بنا دیا،

سَبْعَ سَمَوَاتٍ ۚ وَهُوَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ ﴿۲۹﴾

ان کو سات آسمان، اور وہ ہر چیز کا جاننے والا ہے

بغیر پروں کے ہے اس لیے تو اڑ نہیں سکتا۔

وَكُنْتُمْ أََمْوَاتًا: (حالانکہ تم مردہ تھے) واو حالیہ ہے یعنی تم اپنے باپوں کی اصلااب میں نطفہ کی صورت میں تھے اور قد مضمّر ہے الاموات جمع میت ہے جیسے اقوال جمع قیل۔ اسی لیے جسمیں زندگی نہ ہو اس کو بھی میت کہتے ہیں۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے سورۃ الفرقان آیت نمبر ۴۹ میں ہے بَلَدَةٌ مَّيْتًا۔

فَاحْيَاكُمْ: (پس اس نے تمہیں زندہ کیا) پس اس نے ماں کے رحموں میں زندہ کر دیا۔

ثُمَّ يُمِيتُكُمْ: (پھر وہ تمہیں موت دیں گے) وہ تمہیں موت دیں گے جب تمہاری مدت زندگی پوری ہو جائے گی۔

ثُمَّ يُحْيِيكُمْ: (پھر وہ تمہیں زندہ کریں گے) پھر وہ بعث کے لیے زندہ کریں گے۔

ثُمَّ إِلَيْهِ تُرْجَعُونَ: (پھر اسی کی طرف لوٹائے جاؤ گے) پھر تم جزا کی طرف لوٹو گے۔ یا پھر وہ قبور میں تمہیں زندہ کریں گے۔ پھر اس کی طرف نشور کے لیے لوٹائے جاؤ گے۔

فاء اور ثم کا فرق:

یہاں پہلا عطف فاء کے ساتھ ہے اور باقی ثم کے ساتھ ہے کیونکہ احیاء اول بلا تاخیر موت اول کے بعد ہوا۔ باقی موت وہ تو زندگی سے مؤخر ہے اور حیات ثانیہ بھی اسی طرح موت سے متاخر ہے اگر نشور مراد ہو اور اگر قبر کی زندگی مراد ہو تو اس کی تاخیر کا بھی اسی سے علم ہوتا ہے اور جزاء کی طرف لوٹنا وہ نشور سے متاخر ہے۔

کفر انوکھا ہے:

اس موت و حیات کے واقعہ کے ساتھ ساتھ ان کا کفر انوکھی چیز ہے کیونکہ اس واقعہ میں واضح دلائل ہیں جو کفر سے ان کو پھیر سکتے ہیں۔ اور اس لیے بھی ان کا انکار عجیب ہے کہ یہ واقعہ بڑی بڑی نعمتوں پر مشتمل ہے جن کا حق شکریہ ہے نہ کہ ناشکری کرنا۔

لام کی حکمت:

هُوَ الَّذِي خَلَقَ لَكُمْ مَّا فِي الْأَرْضِ: (وہ وہی ذات ہے جس نے تمہارے لیے سب کچھ بنایا)

نمبر ۱: لام کی لام اجلیہ ہے تمہاری خاطر۔

نمبر ۲: اور تمہارے دین دنیا میں فائدہ پہنچانے کے لیے پیدا کیا۔ اول تو ظاہر ہے اور دوسرے قول میں غور کرو۔ اس میں جو عجائبات ہیں وہ صانع قادر حکیم علیم کی ہستی پر دلالت کرنے والے ہیں اور اس میں آخرت کی یاد ہے۔ کیونکہ زمین کی پناہ گاہ اس کے ثواب کو یاد دلانے والی ہے اور اس کی ناپسندیدہ چیزیں اس کے عقاب کو یاد دلانے والی ہیں۔ علامہ کرنی۔ ابو بکر رازی اور معز لہ کا استدلال ہے کہ خلق لکم بتلارہا ہے کہ تمام اشیاء صحیحہ مباح الاصل ہیں۔
جَمِيعًا (سب کچھ) : یہ ماسے حال ہونے کی بناء پر منصوب ہے۔

ثُمَّ اسْتَوٰی اِلٰی السَّمَآءِ : (پھر آسمان کا قصد کیا) الاستواء۔ اعتدال و درستی کو کہتے ہیں کہا جاتا ہے استوی العود یعنی قام و اعتدل۔ سیدھی لکڑی درست کھڑی ہوئی۔ پھر کہا گیا استوی الیہ کالسہم المرسل چھوڑے ہوئے تیر کی طرح سیدھا ہوا جبکہ وہ ٹھیک نشانے پر لگے۔ اور کسی طرف نہ مڑے۔ اللہ تعالیٰ کے ارشاد کا یہی مطلب ہے ثُمَّ اسْتَوٰی اِلٰی السَّمَآءِ۔ یعنی وہ متوجہ ہوا۔ اور آسمان کو بنانے کی طرف توجہ کی زمین کی تمام اشیاء بنانے کے بعد بغیر اس کے کہ اس دوران کسی اور چیز کے پیدا کرنے کی طرف توجہ کرے۔

فَسَوَّھُنَّ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ : (انہیں سات آسمان ہموار بنا دیا) یہ مبہم ہے اس کی تفسیر سبع سموات ہے جیسا کہ ان کے قول رَبُّہٗ رَجَلًا (بہت سے آدمیوں کو میں ملا ہوں) یہ بھی کہا گیا۔ کہ ضمیر السماء کی طرف لوٹ رہی ہے اگرچہ لفظ واحد ہے مگر معنی جمع کا ہے کیونکہ یہ جنس کے معنی میں ہے۔

مراد تسویہ:

تسویتھن : نمبر ۱: ان کا پیدائش میں برابر اور پختگی اور میڑھ اور پھٹنے سے محفوظ ہونا
دوسرا قول: ان کی خلقت کی تکمیل۔ ثم سے یہاں آسمان کی پیدائش کی فضیلت زمین کی پیدائش پر ظاہر کرنا مقصود ہے اور یہ والارض بعد ذلک دھھا۔ سورۃ النازعات آیت نمبر ۳۰ کے مخالف نہیں کیونکہ زمین کا وجود آسمان کی پیدائش سے مقدم ہے البتہ زمین کا بچھانا وہ زمین کی پیدائش سے متاخر ہے حضرت حسن رضی اللہ عنہ کا قول ہے زمین کی پیدائش موضع بیت المقدس میں مہر (پتھر) کی طرح تھی اس پر چمٹا ہوا دھواں تھا پھر دھواں اٹھایا اور اس سے آسمانوں کو بنا دیا۔ اور سب کو اپنی جگہ رہنے دیا۔ اس سے زمین کو پھیلا دیا۔ سورۃ الانبیاء آیت نمبر ۳۰ اَوَلَمْ یَرَ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا اَنَّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ کَانَتَا رَتْقًا فَفَتَقْنٰھُمَا وَجَعَلْنَا مِنَ الْمَآءِ کُلَّ شَیْءٍ حَیٍّ اَفْلَا یُؤْمِنُوْنَ کا یہی مطلب ہے وہ چمٹنا جس کو رتق فرمایا۔

وَهُوَ بِکُلِّ شَیْءٍ عَلِیْمٌ : (وہ ہر چیز کا جاننے والا ہے) پس اسی لیے ان کو برابر مضبوط بلا تفاوت و فرق کے بنایا۔ اور زمین میں جو کچھ بنایا وہ زمین والوں کی ضروریات و فوائد کے مطابق بنایا۔

قراءت: وَهُوَ اور اس کے ہم مثلوں کو ابو عمر و ورش رضی اللہ عنہ کے علاوہ مدنی اور دوسرے قراء نے اس طرح پڑھا ہے۔ ورش اور ابو عمرو اور علی رحمہم اللہ نے وَهُوَ پڑھا۔ گویا و او کو نفس کلمہ سے قرار دیا۔

وَإِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰٓئِكَةِ اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَةً ؕ قَالُوْۤا اَتَجْعَلُ فِیْهَا

اور جب تیرے رب نے فرشتوں سے فرمایا کہ بے شک میں پیدا کرنے والا ہوں زمین میں خلیفہ، فرشتوں نے عرض کیا۔ کیا آپ پیدا فرمائیں گے زمین میں

مَنْ یُّفْسِدُ فِیْهَا وَیَسْفِكُ الدِّمَآءَ ؕ وَنَحْنُ نُسَبِّحُ بِحَمْدِكَ وَنُقَدِّسُ لَكَ ؕ

جو اس میں فساد کریگا اور خونوں کو بہائے گا اور ہم آپ کی تسبیح بیان کرتے ہیں جو حمد کے ساتھ ملی ہوئی ہوتی ہے۔ اور آپ کی پاکی بیان کرتے ہیں

قَالَ اِنِّیْۤ اَعْلَمُ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ۝۳۱

اللہ تعالیٰ نے فرمایا بے شک میں جانتا ہوں جو تم نہیں جانتے۔

پس یہ عَصْد کی طرح ہوا اور دیگر قراء کے ہاں عَصْد کی طرح ہوا۔

سابقہ آیات سے ربط:

ربط: جب اللہ تعالیٰ نے زمین کو پیدا کیا اس میں جنات کو بسا دیا۔ اور آسمان میں فرشتوں کو ٹھہرایا جنات نے زمین میں فساد کیا تو اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کی ایک جماعت بھیج کر ان کو سمندروں کے جزائر اور پہاڑوں کی چوٹیوں کی طرف بھگا دیا۔ ان فرشتوں نے جنات کی جگہ اقامت اختیار کی، پس اللہ تعالیٰ نے اپنے پیغمبر ﷺ کو انکا واقعہ ذکر فرمانے کا حکم دیا۔

وَإِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰٓئِكَةِ: (اور جب کہا آپ کے رب نے فرشتوں کو) اِذْ اذْکُرْکِیْ وَجْہَیْ مِنْصُوبٌ ہِیَ الْمَلٰٓئِکَةُ۔ جمع ملاک شامل جمع شامل تاء تانیث جمع کے لیے ہے۔

اِنِّیْ جَاعِلٌ: (بے شک میں بنانے والا ہوں) بنانے والا ہوں یہ جعل سے ہے جس کے دو مفعول ہیں۔

خلیفہ کی تفسیر:

فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَةً: (زمین میں خلیفہ) خلیفہ وہ ہے جو غیر کے بعد آئے یہ فعلیہ بمعنی فاعلہ ہے۔ ہا اس میں مبالغہ کی بڑھائی گئی ہے۔ اب معنی خلیفہ منکم تم میں سے نائب کیونکہ فرشتے زمین کے رہائشی تھے پس اس زمین میں ان کے بعد آدم اور ان کی اولاد کو نائب بنایا۔ خلائی اور خلفاء نہیں کہا کیونکہ خلیفہ سے آدم مراد لئے گئے۔ اور اولاد کے ذکر کی بجائے فقط آدم ﷺ کے تذکرہ پر اکتفا کیا۔ جیسا کہ اس قول میں مضر، ہاشم میں قبیلہ کے بڑے کو ذکر کر دیا۔

یا مراد وہ ہیں جو تمہارے بعد آئیں گے۔ یا وہ مخلوق جو تمہارے بعد آئے گی اسی لیے واحد لائے۔

یا خلیفہ منی۔ میرا نائب کیونکہ آدم ﷺ اللہ تعالیٰ کے زمین میں خلیفہ تھے۔ اسی طرح ہر پیغمبر ﷺ اللہ کا خلیفہ ہے جیسا کہ سورۃ

ص آیت نمبر ۲۶ یَا دَاوُدُ اِنَّا جَعَلْنٰکَ خَلِیْفَةً فِی الْاَرْضِ میں ہے۔

فرشتوں کو خبر دی کہ وہ سوال کریں اور ان کو وہ جواب دیا جائے جو دیا گیا۔ تاکہ آدم کے وجود سے پہلے وہ ان کے استخلاف کی

حکمت پہچان لیں۔

نمبر ۲: تاکہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو امور میں اقدام سے پہلے مشاورت سکھائیں۔ بلاشبہ اللہ تعالیٰ اپنے علم کامل اور حکمت بالغہ کی وجہ سے مشاورت سے بے نیاز ہے۔

سبب قول:

قَالُوا اَتَجْعَلُ فِيْهَا مَنْ يُفْسِدُ فِيْهَا : (انہوں نے کہا کہ آپ زمین میں اس کو نائب بناتے ہیں جو فساد کریگا) فرشتوں نے یہ تعجب سے کہا کہ اہل اطاعت کے نائب اہل معصیت کو بنایا جائے۔ اللہ تعالیٰ حکیم ہے اور جہل سے پاک ہے یہ بات انہوں نے اللہ تعالیٰ کے خبر دینے سے معلوم کی۔ یا لوح محفوظ سے معلوم کی۔ یا جنات پر قیاس کر لیا۔
وَيَسْفِكُ الدِّمَآءَ : (اور وہ خون بہائے گا) وہ بہائے گا۔

فائدہ واو حالیہ:

وَنَحْنُ نُسَبِّحُ : (ہم تیری تسبیح کرتے ہیں) ونحن نسبح میں واو حالیہ ہے، جیسا کہ تم کہتے ہو۔
أَتَحْسَنُ اِلٰی فُلَانٍ وَاَنَا اَحَقُّ مِنْهُ بِالْاِحْسَانِ؟ : کیا تو فلاں پر احسان کرتا ہے حالانکہ احسان کا میں اس سے زیادہ حقدار ہوں۔

بِحَمْدِكَ : (تیری حمد کے ساتھ) یہ موضع حال میں ہے یعنی ہم تیری حمد کرتے ہوئے تسبیح کرتے ہیں۔ اور تیری حمد سے تلبس حاصل کرنے والے ہیں جیسا کہ اس سورۃ المائدہ کی آیت نمبر ۶۱ وقد دخلوا بالكفر کا معنی دخلوا کافرین ہے کہ وہ کفر ہی کی حالت میں داخل ہوئے۔

تقدیس کا معنی:

وَنُقَّسُ لَكَ : (اور آپ کی پاکیزگی بیان کرتے ہیں) ہم اپنے آپ کو آپ کے لیے پاک کرتے ہیں۔ یہ بھی کہا گیا۔ کہ تسبیح و تقدیس۔ اللہ کو برائی سے دور قرار دینا۔ یہ سبوح فی الارض و قدس فیہا سے ہے جب وہ زمین میں سفر کرے اور بہت دور جائے۔

وَعَلَّمَ آدَمَ الْأَسْمَاءَ كُلَّهَا ثُمَّ عَرَضَهُمْ عَلَى الْمَلَائِكَةِ فَقَالَ أَنْبِئُونِي بِأَسْمَاءِ هَؤُلَاءِ

اور اللہ تعالیٰ نے آدم کو سکھا دیئے سارے نام، پھر ان کو فرشتوں پر پیش فرمایا پھر فرمایا کہ مجھے بتا دو ان چیزوں کے نام

إِنْ كُنْتُمْ صَادِقِينَ ۝۳

اگر تم سچے ہو۔

قَالَ إِنِّي أَغْلَمُ مَا لَا تَعْلَمُونَ: (کہا میں جانتا ہوں جو تم نہیں جانتے) میں اس کی وہ حکمتیں جانتا ہوں جو تم سے مخفی ہیں۔ یعنی ان میں انباء اولیاء علماء ہونگے۔

نَحْوُ: مَا، الذی کے معنی میں ہے یہ علم کا مفعول ہے اور ضمیر عائد محذوف ہے ای مالا تعلمونہ وہ چیز جس کو تم نہیں جانتے ہو۔

قراءت: اِنِّی۔ حجازی اور ابو عمرو نے پڑھا۔

وَعَلَّمَ آدَمَ: (اور سکھائے آدم علیہ السلام کو) نمبر ۱: عجمی نام ہے قریب ترین بات یہ ہے کہ فاعل ازر کی طرح ہے۔

نمبر ۲: آدم کو ادم الارض سے مشتق مانا جائے۔ یا ادمۃ جیسے کہ یعقوب العقب اور ادریس۔ درس سے اور ابلیس ابلاس سے مشتق ہے۔

الْأَسْمَاءُ كُلُّهَا: (نام تمام) یعنی مسمیات کے نام۔ مضاف الیہ کے معلوم ہونے اور اسماء کی دلالت موجود ہونے کی وجہ سے حذف کر دیا۔ کیونکہ اسم مسمی پر دلالت کرتا ہے اور مضاف الف لام کے عوض میں لائے۔ جیسے اشتعل الرأس شیباً۔ سورہ مریم آیت نمبر ۴ میں الرأس ہے۔

ثُمَّ عَرَضَهُمْ عَلَى الْمَلَائِكَةِ: (پھر ان کو فرشتوں کے روبرو پیش فرمایا)۔

اہم تنبیہ:

یہ درست نہیں کہ مقدر مانا جائے اور کہا جائے علم آدم مسمیات الاسماء کہ مضاف کو حذف کیا اور مضاف الیہ کو اس کے قائم مقام بنا دیا۔ اس لیے کہ تعلیم کا تعلق اسماء سے ہے مسمیات سے نہیں جیسا دوسری آیت انبؤنی باسماء هؤلاء (تو ان کو بتلا ان کے نام) اور انہم باسماء ہم میں واضح طور پر اسماء موجود ہیں۔

انبؤنی بهؤلاء، انہم بہم نہیں فرمایا۔

تعلیم اسماء کا مطلب:

اسمائے مسمیات کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے وہ اجناس دکھائیں جن کو اس نے پیدا کیا۔ اور ان کا نام اس کو سکھایا۔ کہ اس کا نام فرس ہے اس کا بعیر اور اس کا فلاں نام ہے اور اس کا نام یہ ہے۔

قَالُوا سُبْحَنَكَ لَا عِلْمَ لَنَا إِلَّا مَا عَلَّمْتَنَا إِنَّكَ أَنْتَ الْعَلِيمُ الْحَكِيمُ ۝۳۲

فرشتوں نے عرض کیا کہ ہم تیری پاکی بیان کرتے ہیں ہمیں اس کے سوا کچھ علم نہیں جو آپ نے ہمیں سکھایا، بے شک آپ جاننے والے ہیں حکمت والے ہیں

قَالَ يَا أَدَمُ أَنْبِئْهُمْ بِأَسْمَائِهِمْ ۚ فَلَمَّا أَنْبَأَهُمْ بِأَسْمَائِهِمْ ۙ قَالَ أَلَمْ أَقُلْ

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اے آدم! ان کو ان چیزوں کے نام بتادو۔ سو جب انہوں نے ان کو ان چیزوں کے نام بتادیئے تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ میں نے تم سے نہیں کہا

لَكُمْ إِنِّي أَعْلَمُ غَيْبَ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ ۖ وَأَعْلَمُ مَا تُبْدُونَ وَمَا كُنْتُمْ

کہ بے شک میں جانتا ہوں آسمانوں اور زمین کی غیب کی چیزوں کو اور میں جانتا ہوں جو تم ظاہر کرتے ہو اور جو تم

تَكْتُمُونَ ۝۳۳

چھپاتے ہو

حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ ہر چیز کا نام ان کو سکھایا حتیٰ کہ پیالہ اور کفگیر بھی۔

سوال: ان سے سوال کیا حالانکہ اللہ تعالیٰ کو ان کا بحر معلوم تھا۔

جواب: تبکیت ولا جواب کرنے کے لیے۔

فَقَالَ الْبُؤْسِيُّ، (تم مجھے خبر دو؟) بِأَسْمَاءٍ هَؤُلَاءِ إِنْ كُنْتُمْ صَادِقِينَ۔ (ان چیزوں کے ناموں کی اگر تم اپنے گمان میں

سچے ہو)۔ کہ میں زمین میں مفسدین سفاکین دماء کو خلیفہ بنانے والا ہوں۔

استخلاف میں علمی فوائد:

اس میں فرشتوں کی تردید ہے اور اس بات کی وضاحت ہے کہ جس کو میں نے استخلاف دینا ہے اس میں علمی فوائد ہیں۔ جو تمام

فوائد کی جز اور بنیاد ہیں۔ جن کی وجہ سے وہ استخلاف کے اہل ہیں۔

قَالُوا سُبْحَنَكَ: (انہوں نے کہا تو پاک ہے) نمبر ۱: آپ اس سے پاک ہیں کہ آپ سے کوئی چیز مخفی رہے۔

نمبر ۲: آپ اس سے پاک ہیں کہ آپ کی تدبیر پر اعتراض کیا جائے۔

نکتہ عجیبہ:

اسماء کا علم حاصل کرنا عبادت کے لیے خلوت میں بیٹھنے سے بڑھ کر ہے۔ تو پھر علم شریعت کا تو کیا ہی کہنا ہے۔

سبحنک یہ مصدر ہونے کی وجہ سے منصوب ہے۔ یعنی سبحت اللہ تسبیحاً۔

لَا عِلْمَ لَنَا إِلَّا مَا عَلَّمْتَنَا: (نہیں ہے ہمیں علم اس کے سوا جو تو نے ہمیں بتادیا)۔ اور ہمیں کوئی علم نہیں مگر جو تو نے ہمیں دیا۔ اور

وَإِذْ قُلْنَا لِلْمَلَائِكَةِ اسْجُدُوا لِآدَمَ فَسَجَدُوا إِلَّا إِبْلِيسَ أَبَىٰ وَاسْتَكْبَرَ ۖ وَكَانَ

اور جب ہم نے فرشتوں سے کہا کہ سجدہ کرو آدم کو، سو انہوں نے سجدہ کر لیا، لیکن ابلیس نے سجدہ نہ کیا، اس نے انکار کیا اور تکبر کیا اور وہ

مِنَ الْكَافِرِينَ ۝۳۴

کافروں میں سے تھا۔

اس میں اسماء کا علم نہیں ہے۔

مَا بِمَعْنَى الذِّی ہے اور العلم بمعنی معلوم ہے یعنی ہمیں معلوم نہیں مگر وہ جو تو نے سکھایا۔

إِنَّكَ أَنْتَ الْعَلِيمُ: (بے شک تو ہر بات کو جاننے والا ہے) آپ بغیر سکھانے کے جاننے والے ہیں۔

الْحَكِيمُ: (حکمت والے ہیں) حکمت والے ہیں ان میں جن کا آپ نے فیصلہ کیا۔ اور اندازہ فرمایا۔

نحو نمبر ۱: یہ ان کا اسم ہے۔ انت مبتداء ما بعد خبر ہے۔ تمام ان کی خبر ہے۔

نمبر ۲: انت ضمیر فصل اور العلم خبر اول اور الحکیم خبر دوم ہے۔

قَالَ يٰۤأَدَمُ ابْنُہُمْ بِأَسْمَاءِہُمْ فَلَمَّا أَنْبَأَهُمْ بِأَسْمَائِہُمْ: (فرمایا اے آدم تو ان کو خبر دے ان کے ناموں کی تو آدم علیہ السلام نے ہر چیز کا نام لیکر بتا دیا)۔

قَالَ أَلَمْ أَقُلْ لَّکُمْ إِنِّیْٓ أَعْلَمُ غَیْبَ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ: (اللہ تعالیٰ نے فرمایا کیا میں نے نہیں کہا کہ میں جانتا ہوں جو آسمانوں و زمین میں تم سے چھپا ہوا ہے) جو کچھ ہو چکا اور جو کچھ آئندہ ہوگا۔

وَأَعْلَمُ مَا تُبْدُوْنَ: (اور میں جانتا ہوں جو تم ظاہر کرتے ہو)

وَمَا کُنْتُمْ تَکْتُمُوْنَ: (اور جو تم چھپاتے تھے)

وَإِذْ قُلْنَا لِلْمَلَائِكَةِ اسْجُدُوا لِآدَمَ: (اور جب ہم نے کہا فرشتوں کو کہ آدم کیلئے سجدہ کرو) یعنی اس کے سامنے جھک جاؤ اور اس کی فضیلت کا اقرار کرو۔

سجدہ کی حقیقت:

حضرت ابی ابن کعب اور ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کمر سے جھکنا تھا۔ یہ ٹھوڑیوں کے بل گرنا نہ تھا۔ جمہور علماء کا قول یہ ہے کہ ان کو زمین پر چہرہ رکھنے کا حکم تھا۔ اور یہ سجدہ آدم علیہ السلام کی تعظیم کے لیے تھا۔ صحیح کی روایت میں ہے کہ اگر یہ اللہ تعالیٰ کے لیے ہوتا تو ابلیس اس سے باز نہ رہتا۔ اور یہ سجدہ تعظیم پہلی شراعت میں جائز تھا۔ پھر یہ منسوخ ہوا۔

آپ کے اس ارشاد سے جو آپ نے حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کو فرمایا جبکہ انہوں نے آپ کو سجدہ کرنے کا ارادہ کیا۔

لَا یَنْبَغِیْ لِلْمَخْلُوْقِ اَنْ یَّسْجُدَ لِاَحَدٍ اِلَّا لِلّٰہِ تَعَالٰی۔ (ترمذی) من ابی ہریرۃ واحمد من انس وعائشۃ

و معاذ رضی اللہ عنہم۔

کونسا مستثنیٰ ہے؟

فَسَجَدُوا إِلَّا إِبْلِيسَ: (پس انہوں نے سجدہ کیا مگر ابلیس) یہ استثناء متصل ہے کیونکہ وہ فرشتوں میں سے تھا۔ اسی طرح حضرت علی و ابن عباس اور ابن مسعود رضی اللہ عنہم نے فرمایا۔ اور اس لیے بھی کہ استثناء مستثنیٰ کی جنس سے ہونا چاہیے تھا۔ اسی لیے فرمایا۔ سورۃ الاعراف آیت نمبر ۱۲

قَالَ مَا مَنَعَكَ إِلَّا تَسْجُدَ إِذْ أَمَرْتُكَ۔

رہا سورۃ کہف آیت نمبر ۵۰ كَانَ مِنَ الْجِنِّ۔ یہ کان، صار کے معنی میں ہے۔ جیسا کہ سورۃ ہود آیت نمبر ۴۳ میں فَكَانَ مِنَ الْمَغْرُوقِينَ۔ کہ وہ ڈوبنے والوں میں سے ہو گیا۔

یہ بھی کہا گیا کہ یہ استثناء منقطع ہے اس لیے کہ وہ ملائکہ سے نہ تھا۔

دلیل نمبر ۱: بلکہ نص کے مطابق وہ جنات میں سے تھا۔ اور یہی حضرت حسن و قتادہ کا قول ہے۔

نمبر ۲: اس لیے بھی کہ وہ آگ سے پیدا کیا گیا۔ اور ملائکہ نور سے پیدا کیے گئے۔

نمبر ۳: اور اس لیے بھی کہ اس نے انکار کیا اور نافرمانی اور تکبر کیا۔ اور ملائکہ اللہ تعالیٰ جو حکم دیں اس کی خلاف ورزی نہیں کرتے۔

نمبر ۴: اس لیے بھی کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ اَفَتَتَّخِذُونَهُ وَ ذُرِّيَّتَهُ اَوْلِيَاءَ مِنْ دُونِي۔ [کہف: ۵۰]

کیا تم اس کو اور اس کی اولاد کو میرے سوا کارساز بناتے ہو۔ حالانکہ وہ فرشتوں کی نسل نہیں۔

جاہظ معترزی کہتے ہیں۔ کہ جن اور ملائکہ ایک جنس ہے جو ان میں پاکیزہ ہیں وہ فرشتے اور جو خبیث و ناپاک ہیں وہ شیطان۔

اور جو بین بین ہیں وہ جن (مگر جاہظ کا یہ قول بلا ثبوت ہے)

ابھی: (اس نے انکار کیا) باز رہا اس سے جو اس کو حکم ملا تھا۔

وَاسْتَكْبَرَ: (اور اس نے بڑائی اختیار کی)

وَكَانَ مِنَ الْكَافِرِينَ: (اور کافروں میں سے ہو گیا)

نمبر ۱: اپنے انکار اور تکبر اور امر الہی کو رد کرنے کے سبب کافروں میں سے ہو گیا۔ اس وجہ سے نہیں کہ حکم پر عمل کرنا اس نے ترک کر

دیا۔ اس لیے کہ ترک جود ایمان سے خارج نہیں کرتا۔ اور نہ ہی اس سے اہلسنت کے ہاں کافر بنتا ہے۔

البتہ معترزلہ اور خوارج (کے ہاں ایمان سے خارج ہو جاتا ہے)

نمبر ۲: کافروں میں سے تھا۔ اللہ تعالیٰ کے علم میں یعنی اللہ تعالیٰ کے علم میں تھا کہ وہ اپنے ایمان لانے کے بعد کفر کرے گا۔ اس

طرح نہیں کہ وہ علم الہی میں ہمیشہ کافر تھا۔ یہ مسئلہ موافقات ہے۔

وَقُلْنَا يَا آدَمُ اسْكُنْ أَنْتَ وَزَوْجُكَ الْجَنَّةَ وَكُلَا مِنْهَا رَغَدًا حَيْثُ شِئْتُمَا وَلَا

اور ہم نے کہا کہ اے آدم! تم اور تمہاری بیوی جنت میں رہا کرو اور اس میں سے خوب اچھی طرح کھاؤ، جہاں سے چاہو۔ اور نہ

تَقْرَبَا هَذِهِ الشَّجَرَةَ فَتَكُونَا مِنَ الظَّالِمِينَ ﴿۳۵﴾

قریب جانا اس درخت کے ورنہ تم دونوں ظلم کرنے والوں میں سے ہو جاؤ گے۔

وَقُلْنَا يَا آدَمُ اسْكُنْ أَنْتَ وَزَوْجُكَ الْجَنَّةَ: (اور ہم نے کہا اے آدم رہ تو اور تیری بیوی جنت میں)

مَحْجُورٌ: یہ سکن الدار یسکنہا سکنی سے امر ہے۔ جب وہ مکان میں اقامت اختیار کرے۔ کہا جاتا ہے سکن المتحرك سکونا۔ حرکت والے نے سکون و ٹھہراؤ اختیار کیا۔ انت اسکن کی ضمیر سے تاکید ہے اس لیے لائے تاکہ عطف فعل کا وزوجک پر صحیح ہو جائے۔

جنت کی تحقیق:

الجنة: وہ جنت خلد ہی تھی جس کا وعدہ متقین سے کیا گیا۔ جیسا نقل مشہور میں ہے۔ الف لام تعریف کا ہے۔

معترکہ کا قول:

یہ یمن کا ایک باغ تھا۔ کیونکہ جنت میں تکلیف نہیں اور نہ اس سے نکلنا ہے۔

جواب معترکہ: جنت سے وہ نہیں نکلے گا جو جزاء کے طور پر داخل ہو انبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم لیلۃ المعراج میں داخل ہوئے اور پھر نکلے اور اہل جنت کو معرفت الہی اور توحید کی تکلیف دی جائے گی۔

وَكَلا مِنْهَا: (اور تم دونوں اس سے کھاؤ)۔ یعنی اس کے پھلوں میں سے کھاؤ مضاف محذوف ہے۔

رَغَدًا: با فراغت۔ رغدا مصدر کی صفت ہے ای اکلا رَغَدًا واسعا (با فراغت وسیع کھانا)

حَيْثُ شِئْتُمَا: (جہاں سے تم دونوں چاہو) (شِئْتُمَا) اس کا باب بغیر ہمزہ سے ہے ابو عمرو کے نزدیک

حِث: یہ مکان مبہم کے لیے ہے یعنی جنت کے جس مکان میں تم دونوں چاہو۔

وَلَا تَقْرَبَا هَذِهِ الشَّجَرَةَ: (اور تم دونوں قریب نہ جاؤ اس درخت کے) شجرہ یعنی گندم یا انگور کی نیل یا انجیر۔

نکتہ:

(کیف لا یعصى الانسان وقوته من شجرة العصیان) انسان نافرمانی کیوں نہ کرے جبکہ اس کی خوراک شجرہ

عصیان سے ہے۔ انگور بھی ہر فتنے کی اصل ہے (اس سے شراب بنتی ہے)

فَتَكُونَا: (پس تم ہو جاؤ گے) لا تقربا پر عطف ہونے کی وجہ سے جزم ہے یا جواب نہیں کی وجہ سے ان مقدرہ کے ساتھ

فَازِلَهُمَا الشَّيْطَانُ عَنْهَا فَأَخْرَجَهُمَا مِمَّا كَانَا فِيهِ وَقُلْنَا اهْبِطُوا بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ

سو شیطان نے ان دونوں کو اس درخت کے ذریعہ سے لغزش دی، سو ان دونوں کو اس سے نکال دیا جس میں وہ تھے، اور ہم نے کہا کہ اتر جاؤ۔ تم میں سے

وَلَكُمْ فِي الْأَرْضِ مُسْتَقَرٌّ وَمَتَاعٌ إِلَىٰ حِينٍ ﴿۳۶﴾

بعض، بعض کے دشمن ہوں گے۔ اور تمہارے لئے زمین میں ٹھہرنا ہے اور ایک زمانہ تک نفع حاصل کرنا ہے۔

منصوب ہے۔

مِنَ الظَّالِمِينَ: (اپنا نقصان کرنے والوں سے) نمبر ۱: تم ان لوگوں میں سے ہو جاؤ گے جنہوں نے اپنے نفسوں پر ظلم کیا۔

نمبر ۲: یا ان میں سے ہو جاؤ گے جنہوں نے اپنے کو نقصان پہنچایا۔

فَازِلَهُمَا الشَّيْطَانُ عَنْهَا: (پس ان دونوں کو پھسلا یا شیطان نے اس درخت کے متعلق)

لغزش کی وضاحت:

ہا ضمیر شجرہ کی طرف جارہی ہے یعنی اس درخت کے سبب ان دونوں کو شیطان نے لغزش پر آمادہ کیا۔

نمبر ۱: اور تحقیق اس کی یہ ہے کہ شیطان نے درخت کی وجہ سے ان سے لغزش صادر کروائی۔

نمبر ۲: یا ان دونوں کو جنت سے پھسلا دیا۔ بمعنی نکلوا دیا۔ اور دور کر دیا۔

قراءت: حمزہ نے فازا لہما پڑھا۔ تاویل میں آدم علیہ السلام کی لغزش خطا تھی۔ خواہ نہی کو تنزیہ پر محمول کرو۔ یا لام کو عہد خارجی

کا مانو۔ گویا اللہ تعالیٰ نے جنس آدم کا ارادہ فرمایا۔

مَسْنَدًا: اس سے یہ ثابت ہوا کہ لغزش کے لفظ کا اطلاق انبیاء علیہم السلام کے لیے درست ہے جیسا کہ مشائخ بخاری نے کہا۔

زلہ کے لفظ کی تفسیر:

زلہ کا لفظ اسم فعل ہے مخالفت کا قصد کرنے کے بغیر کسی حکم کے خلاف کرنا۔ جیسے زلۃ الماشی فی الطین چلنے والے کا پاؤں کچھڑ

میں بلا قصد پڑتا ہے۔

سمرقند کے مشائخ نے فرمایا۔ انبیاء علیہم السلام کے افعال پر زلہ کا اطلاق نہیں کر سکتے۔ جیسا کہ معصیت کا اطلاق ان پر نہیں ہو سکتا۔

پس اس طرح کہا جائے گا۔ انہوں نے فاضل کو کیا اور افضل کو چھوڑا اس لیے ان پر عتاب کیا گیا۔

فَأَخْرَجَهُمَا مِمَّا كَانَا فِيهِ: (پس وہ ان کو نکلوا کر رہا۔ اس جنت سے جس میں وہ دونوں تھے) یعنی جن نعمتوں اور تکریموں میں

وہ تھے۔ یا اگر عنہا کی ضمیر الشجرۃ کی طرف ہو تو مراد جنت سے نکلوانا ہے۔

رابطہ کس طرح؟

سوال: شیطان نے ان دونوں سے رابطہ کر لیا حالانکہ اس کو سورۃ الحجرات نمبر ۳۴ فَاَخْرَجْنَا مِنْهَا فَاِنَّكَ رَجِيمٌ کا حکم مل چکا یہ کس طرح؟

جواب: کیونکہ اس کا داخلہ احترام کے طور پر جیسے فرشتے داخل ہوتے ہیں۔ منع ہو چکا تھا۔ وسوسہ ابتلاء آدم و حوا کے لیے داخلہ ممنوع نہ ہوا تھا۔ روایت کیا گیا۔ کہ اس نے داخل ہونا چاہا۔ تو اس کو داروغہ جنت نے منع کیا۔ وہ سانپ کے منہ میں داخل ہو کر جنت میں داخل ہو گیا۔ یہ بھی کہا گیا کہ دروازہ جنت کے پاس کھڑے ہو کر اس نے آواز دی۔

مخاطب کون؟

وَقُلْنَا اهْبِطُوا: (ہم نے کہا تم اترو) الہبوط کا معنی زمین کی طرف اترنا ہے۔ خطاب آدم، حواء اور ابلیس سب کو ہے بعض نے کہا سانپ کو بھی۔ صحیح یہ ہے کہ آدم و حواء کو۔ مراد یہ دونوں اور ان کی اولاد کیونکہ وہ دونوں کل انسان تھے۔ تو گویا وہ ساری جنس انسان تھی۔ اس کی دلیل سورۃ طہ آیت نمبر ۲۳ اَقَالَ اهْبِطًا مِنْهَا جَمِيعًا میں ہے۔

بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ: (تم ایک دوسرے کے دشمن ہو) اس سے مراد لوگوں میں جو بغض و عداوت ہے اور ایک دوسرے کا گمراہ قرار دینا ہے پورا جملہ اہبوط کی واؤ سے حال کی جگہ میں ہے۔ تم اترو اس حال میں کہ ایک دوسرے پر تعدی کرنے والے ہو۔ وَلَكُمْ فِي الْاَرْضِ مُسْتَقَرٌّ: (اور تمہارے لیے زمین میں ٹھکانہ ہے) استقرار اور چھپنے کی جگہ کو مستقر کہتے ہیں۔ وَمَتَاعٌ: (نفع اٹھانا) زندگی سے نفع اٹھانا۔

اِلٰی حِينٍ: (ایک وقت تک) قیامت تک۔ یا موت تک۔ ابراہیم بن ادھم فرماتے ہیں اس ایک لقمے نے ہمیں طویل غم دیا۔

فَتَلَقَّىٰ آدَمُ مِنْ رَبِّهِ كَلِمَاتٍ فَتَابَ عَلَيْهِ إِنَّهُ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيمُ ﴿۳۷﴾

اس کے بعد آدم نے اپنے رب سے چند کلمات حاصل کر لئے۔ سو اللہ تعالیٰ نے ان کی توبہ قبول فرمائی، بے شک وہ خوب زیادہ توبہ قبول فرمانے والا ہے بڑا مہربان ہے

قُلْنَا اهْبِطْ وَمِنْهَا جَمِيعًا ۚ فَمَا يَأْتِيَنَّكُمْ مِنِّي هُدًى فَمَنْ تَبِعَ هُدَايَ فَلَا

ہم نے کہا تم سب یہاں سے اتر جاؤ۔ پس اگر تمہارے پاس میری طرف سے کوئی ہدایت آئے سو جس نے میری ہدایت کا اتباع کیا

خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ ﴿۳۸﴾ وَالَّذِينَ كَفَرُوا وَكَذَّبُوا بِآيَاتِنَا أُولَٰئِكَ أَصْحَابُ

تو ان پر کوئی خوف نہ ہو گا اور نہ وہ رنجیدہ ہوں گے اور جن لوگوں نے کفر کیا اور میری آیتوں کو جھٹلایا، یہ لوگ دوزخ

النَّارِ هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ ﴿۳۹﴾

والے ہیں یہ اس میں ہمیشہ رہنے والے ہوں گے۔

فَتَلَقَّىٰ آدَمُ مِنْ رَبِّهِ كَلِمَاتٍ : (آدم علیہ السلام نے سیکھ لیے اپنے رب سے چند کلمے) ان کلمات کو قبول کیا حرز جان بنایا۔ اور ان پر عمل کیا۔

مُخَوِّفٌ : آدم منصوب کلمات مرفوع عند المکی، یعنی ان کلمات نے آدم علیہ السلام کا استقبال کیا۔ یعنی اس تک پہنچ گئے۔ اور اس سے مل گئے اور وہ کلمات سورۃ الاعراف آیت نمبر ۲۳ میں مذکور ہیں۔ رَبَّنَا ظَلَمْنَا أَنْفُسَنَا وَإِنْ لَّمْ تَغْفِرْ لَنَا وَتَرْحَمْنَا لَنَكُونَنَّ مِنَ الْخَاسِرِينَ۔ اس میں ان کی اولاد کو نصیحت کردی کہ انہوں نے گناہوں سے بٹنے کا راستہ معلوم کر لیا۔

محبوب کلام :

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے تھے۔ کہ اللہ تعالیٰ کو محبوب کلام وہ ہے جو ہمارے باپ آدم علیہ السلام نے کہا۔ جب غلطی کا ارتکاب کیا۔

سُبْحَنَكَ اللَّهُمَّ وَبِحَمْدِكَ وَتَبَارَكَ اسْمُكَ وَتَعَالَى جَدُّكَ وَلَا إِلَهَ إِلَّا أَنْتَ ظَلَمْتُ نَفْسِي فَاغْفِرْ لِي إِنَّهُ لَا يَغْفِرُ الذُّنُوبَ إِلَّا أَنْتَ۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام نے کہا یا رب الم تخلقني بيدك قال بلى قال يا رب الم تنفخ في روحى من روحك۔ الم تسبق رحمتك غضبك؟ الم تسكنى جنتك وهو تعالى يقول بلى بلى، قال فلم اخرج جنتى من الجنة قال بشؤم معصيتك۔ قال فلو تبت۔ أراجعنى انت اليها؟ قال نعم اے میرے رب کیا؟ آپ نے مجھے اپنے ہاتھ سے نہیں بنایا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کیوں نہیں۔

پھر عرض کیا اے میرے رب کیا آپ نے مجھ میں اپنی طرف سے روح نہیں پھونکی۔ کیا آپ کی رحمت غضب سے سبقت

کرنے والی نہیں؟ کیا تو نے مجھے اپنی جنت میں نہیں ٹھہرایا؟ اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ کیوں نہیں؟ کیوں نہیں؟ پھر عرض کیا اے میرے اللہ تو نے مجھے جنت سے کیوں نکالا۔ تو فرمایا تیری معصیت کی نحوست سے۔ عرض کیا اگر میں توبہ کر لوں تو مجھے اس کی طرف واپس کر دے گا؟ فرمایا ہاں۔

فَتَنَابَ عَلَيْهِ: (تو اللہ تعالیٰ نے توجہ فرمائی) پس اللہ تعالیٰ نے رحمت و قبولیت سے ان کی طرف رجوع فرمایا۔ آدم علیہ السلام کی توبہ کا فقط ذکر کیا۔

کیونکہ حواء تو ان کے تابع تھیں۔ عموماً قرآن و سنت میں عورتوں کا تذکرہ مردوں کے تذکرہ کے ضمن میں سمودیا گیا ہے۔ اِنَّهُ هُوَ التَّوَّابُ: (وہ بہت زیادہ توبہ قبول کرنے والا ہے)

الرَّحِيمُ: (نہایت مہربان ہے) اپنے بندوں پر قُلْنَا اهْبِطُوا مِنْهَا جَمِيعًا: (ہم نے کہا تم سب کے سب یہاں سے اترو) جمیعاً حال ہے یعنی اکٹھے نمبر ۱: اترنے کا حکم دوبارہ تاکید کے لیے لائے۔

نمبر ۲: پہلا ہبوط جنت سے آسمان پر تھا اور دوسرا آسمان سے زمین پر نمبر ۳: اس لیے اہبطوا دوبارہ لائے کیونکہ دوسرے اہبطوا کے ساتھ اَمَّا يَاتِيَنَّكُمْ..... ملا ہوا تھا۔

اتیان کی مراد:

فَإِمَّا يَأْتِيَنَّكُمْ مِّنِّي هُدًى: (پس جب بھی آئے تمہارے پاس میری طرف سے ہدایت)۔ اتیان ہدایت سے مراد رسول جس کو تمہاری طرف بھیجوں گا۔ یا کتاب تمہاری طرف اتاروں گا اس کی دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے۔

وَالَّذِينَ كَفَرُوا وَكَذَّبُوا بِآيَاتِنَا كُفْرًا تَبِعَ هُدَايَ كُفْرًا تَبِعَ هُدَايَ کے مقابلے میں لائے یعنی اتباع ہدایت سے مراد قبول ہدایت اور اس پر ایمان لانا ہے۔

فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ: (پس نہ خوف ہوگا ان پر) ان پر مستقبل میں خوف نہ ہوگا۔

وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ: (وہ غمگین نہ ہونگے) اس پر جو انہوں نے پیچھے چھوڑا۔ نَجْمٌ: دوسری شرط اپنے جواب سمیت اول کا جواب ہے۔ جیسا کہتے ہیں۔ ان جنتی فان قدرت احسن الی۔ اگر تو میرے پاس آئے پس اگر تو ایسا کر سکا تو تو نے مجھ پر احسان کیا۔

قراءت: یعقوب کہتے ہیں تمام قرآن میں خَوْفَ کا لفظ فتح کے ساتھ پڑھا جائے گا۔

وَالَّذِينَ كَفَرُوا وَكَذَّبُوا بِآيَاتِنَا أُولَٰئِكَ: (اور وہ لوگ جنہوں نے کفر کیا اور ہماری آیات کو جھٹلایا وہ)

نَجْمٌ: یہ مبتدا ہے اور اَصْحَابُ النَّارِ (آگ والے) یہ خبر ہے اور اس کے حق دار یہ جملہ موضع رفع میں مبتداء کی خبر ہے میری

مراد الذین کفروا ہے

هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ: (وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے)

يٰۤاَيُّهَا اِسْرَآءِیْلُ اذْكُرُوْا نِعْمَتِیَ الَّتِیْ اَنْعَمْتُ عَلَیْكُمْ وَاَوْفُوا بِعَهْدِیْ اَوْفٍ بِعَهْدِكُمْ

اے بنی اسرائیل تم میرے احسانوں کو یاد کرو جو میں نے تم پر کئے اور پورا کرو میرے عہد کو میں پورا کروں گا اپنے عہد کو

وَإِیَّایَ فَاَرْهَبُوْنَ ۝۴

اور صرف مجھ ہی سے ڈرو۔

تَفْسِیْرُ یٰۤاَيُّهَا اِسْرَآءِیْلُ کی:

یٰۤاَيُّهَا اِسْرَآءِیْلُ: (اے بنی اسرائیل) اسرائیل یعقوب علیہ السلام یہ ان کا لقب ہے ان کی زبان میں اس کا معنی صفوة اللہ یا عبد اللہ ہے۔ اسرائ کا معنی بندہ یا چننا ہوا۔ ایل۔ عبرانی زبان میں اللہ تعالیٰ کی ذات ہے یہ غیر منصرف ہے کیونکہ عجمہ اور علم ہے۔

انعامات کی مراد:

اذْكُرُوْا نِعْمَتِیَ الَّتِیْ اَنْعَمْتُ عَلَیْكُمْ: (تم میری وہ نعمتیں یاد کرو جو میں نے تم پر کیں) ان کو نعمتیں یاد دلائیں تاکہ وہ ان کے شکر یہ سے خالی نہ رہیں۔ اور دینے والے کی اطاعت کریں۔ اس سے مراد وہ نعمتیں ہیں جو ان کے آباؤ اجداد پر کیں۔ جن کو شمار کیا وہ یہ ہیں۔ فرعون اور اس کے عذاب سے نجات دلانا۔ فرعون کا غرق۔ پچھڑا بنانے پر معافی۔ توبہ قبول کرنا اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ نبوت کو پالنے کا انعام جن کی بشارت تورات و انجیل میں دی گئی ہے۔

وَاَوْفُوا: (اور تم میرا عہد پورا کرو) پورا پورا ادا کرو کہا جاتا ہے۔ وفیت له بالعہد، فانا وافی بہ و اوفیت له بالعہد فانا موفی بہ اوفیت۔ کو اختیار کیا اور اسی کے مطابق قرآن اتر ا۔

بِعَهْدِیْ: (میرا وعدہ) جو تم نے مجھ پر ایمان لانے کا عہد کیا اور میری اطاعت کا۔ یا تم نے نبی رحمت اور قرآن مجید پر ایمان لانے کا عہد کیا۔

اَوْفٍ بِعَهْدِكُمْ: (میں پورا کروں گا تمہارا وعدہ) جو وعدہ میں نے تمہارے ساتھ کر رکھا ہے۔ کہ تمہاری نیکیوں پر اچھا بدلہ دوں گا۔

فائدہ اضافت:

عہد کی اضافت معاہدہ کرنے والے اور جس سے معاہدہ کیا جائے ہر دو کی طرف ہوتی ہے۔ قتادہ کہتے ہیں کہ وہ دونوں عہد لئن اقمتم اور لا کفرن سورۃ المائدہ آیت نمبر ۱۲ میں ہے۔

اہل اشارہ کا قول:

تم میرے مشقت کے گھر میں وعدہ پورا کرو۔ میری خدمت کی قالین پر بیٹھ کر اور میری حرمت کی حفاظت کر کے۔ میں اپنی نعمتوں کے گھر میں اپنے اکرام کے قالین پر تمہیں پورا پورا دوں گا۔ اس حالت میں کہ میرے دیدار کا سرور بھی حاصل ہوگا۔

وَ اٰمِنُوْا بِمَا اَنْزَلْتُ مُصَدِّقًا لِّمَا مَعَكُمْ وَلَا تَكُوْنُوْا اَوَّلَ كٰفِرٍ بِهٖ وَلَا تَشْتَرُوْا

اور ایمان لاؤ اس کتاب پر جو میں نے نازل کی، حال یہ ہے کہ یہ کتاب اس کی تصدیق کرنے والی ہے جو تمہارے پاس ہے اور تم اس کتاب کے انکار کرنے والوں میں پہلے کرنے والے مت بنو۔ اور میری

بِاٰیٰتِیْ ثُمَّ اَلِیْلًا وَّ اٰیٰی فَاَتَّقُوْنَ ④

آیات کے بعض حقیر معاوضہ مت حاصل کرو۔ اور صرف مجھ ہی سے ڈرو۔

وَ اٰیٰی فَاَرٰهْبُوْنَ : (اور خاص مجھ ہی سے ڈرو) تم میرے وعدے کو نہ توڑو۔ جیسے تم کہو۔ زید اڑھبتہ۔ یہ خصوصیت کا فائدہ دینے میں ایاک بعد سورۃ الفاتحہ سے بڑھ کر ہے

نحوی تحقیق:

مَحْجُوْرٌ : ایا ی فعل مضمر کی وجہ سے منصوب ہے اس کا مابعد اس پر دلالت کرتا ہے تقدیر عبارت یہ ہے۔ فارہبو ایا ی فارہبون۔ اول کو حذف کر لیا کیونکہ دوسرا اس پر دلالت کرتا ہے۔ یہ فارہبون کی وجہ سے منصوب نہیں کیونکہ اس نے تو اپنا مفعول لے لیا ہے اور وہ یاء محذوفہ ہے نون کا مکسور ہونا یہ یاء کی دلیل ہے جس طرح کہ زید کا نصب اس مثال میں زید افاضر بہ۔ زید اضر بہ جو ظاہر ہے اس کی وجہ سے منصوب نہیں ہے بلکہ محذوف کی بناء پر منصوب ہے۔

وَ اٰمِنُوْا بِمَا اَنْزَلْتُ : (اور تم ایمان لاؤ جو میں نے اتارا) یعنی قرآن

مُصَدِّقًا : (تصدیق کرنے والا) ہا محذوفہ سے حال مؤکد ہے گویا عبارت اس طرح ہوئی انزلتہ مصدقاً

لِّمَا مَعَكُمْ : (اس چیز کے لیے جو تمہارے پاس ہے) یعنی تورات جو کہ عبادت اور توحید اور نبوت اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے معاملے میں صدق ہے۔

ایک تعریض:

وَلَا تَكُوْنُوْا اَوَّلَ كٰفِرٍ بِهٖ : (اور مت بنو اس کے پہلے منکر) یعنی پہلے انکاری اس کے یا پہلا گروہ اس کا انکار کرنے والا یا پہلی جماعت اس کا انکار کرنے والی یا تم میں سے ہر ایک اس کا پہلا منکر نہ بنے۔ اس میں ان پر تعریض کی گئی کہ ان پر تو لازم تھا کہ وہ اس پر تو پہلے ایمان لانے والے بنتے کیونکہ وہ آپ کو آپ کی صفات کے ساتھ پہچاننے والے تھے۔ بہ میں ضمیر قرآن کی طرف لوٹتی ہے۔

وَلَا تَشْتَرُوْا : (اور نہ بدلے میں لو)

بِاٰیٰتِیْ : (میری آیات کے) یعنی میری آیات میں تبدیلی و تحریف کر کے

وَلَا تَلْبِسُوا الْحَقَّ بِالْبَاطِلِ وَتَكْتُمُوا الْحَقَّ وَأَنْتُمْ تَعْلَمُونَ ۝۴۲ وَأَقِمُوا الصَّلَاةَ

اور مت ملاؤ حق کو باطل کے ساتھ اور مت چھپاؤ حق کو حالانکہ تم جانتے ہو اور نماز قائم کرو

وَأَتُوا الزَّكَاةَ وَارْكَعُوا مَعَ الرَّاكِعِينَ ۝۴۳

اور زکوٰۃ دو اور رکوع کرو، رکوع کرنے والوں کے ساتھ

نمن قلیل کی مراد:

نَمْنًا قَلِيلًا: (تھوڑی قیمت)

نمبر ۱: حضرت حسن ؓ کہتے ہیں۔ وہ اپنے سامان سمیت پوری دنیا ہے۔ نمبر ۲: یہ بھی کہا گیا وہ سرداری مراد ہے جو انہیں اپنی قوم میں حاصل تھی۔ رسول اللہ ﷺ کی اتباع سے جس کے چلے جانے کا ان کو خطرہ ہوا۔

وَايَا فَاتَّقُونَ: (مجھ ہی سے ڈرو)

قراءت: تمام قراء کے ہاں پس خافونی، فارہبونی، فاتقونی ہر دو حالتوں میں یاء کے ساتھ ہیں قاری یعقوب ؒ کے نزدیک یہی حکم ہر یاء کا ہے۔ جو لکھنے میں حذف ہو۔

کتمان ولبس کا معنی:

وَلَا تَلْبِسُوا الْحَقَّ بِالْبَاطِلِ: (اور نہ لاحق کرو حق کو باطل کے ساتھ) لبس الحق بالباطل کا مطلب ان کا آپس میں ملانا ہے۔

نمبر ۱: اگر باء صلہ کی مائیں تو اس قول کی طرح ہے لبست الشيء بالشيء۔ میں نے دونوں چیزوں کو ملایا۔ اب مطلب یہ ہوا کہ تورات میں وہ چیزیں مت لکھو۔ جو ایمیں نہیں اسی طرح اتارا ہوا حق اس باطل سے مل جل جائے گا۔ جو تم نے لکھا ہے یہاں تک کہ اس کے حق و باطل میں تمہارے لیے تمیز نہ رہے گی۔

نمبر ۲: اگر یہ باء استعانت ہو تو اس قول کی طرح ہوگا۔ کتبت بالقلم۔ اب معنی یہ بنے گا ولا تجعلوا الحق ملتبسا مشتبها بباطلكم الذي تكتبونه۔ حق کو ملتبس اور مشتبہ مت کرو اپنے اس باطل کی مدد سے جو تم لکھتے ہو۔

نحوی تحقیق:

تَكْتُمُوا الْحَقَّ: (اور نہ چھپاؤ حق کو) یہ مجزوم ہے حکم نہی کے تحت داخل ہے ولا تکتُموا۔ یا اُن کو مضمر مان کر منصوب ہے۔ واؤ جمع کا معنی دے رہی ہے یعنی حق کو باطل کے التباس اور کتمان حق کو جمع نہ کرو۔ جیسے کہتے ہو۔ لا تاكل السمك وتشرب اللبن مچھلی کھانے کو دودھ پینے کے ساتھ جمع نہ کرو۔ یہ دونوں الگ معاملے ہیں لبس باطل یہ ہے کہ تورات میں وہ چیز لکھ دی جو اس میں نہ تھی اور حق کا کتمان یہ تھا۔ کہ وہ کہتے ہم تورات میں محمد ﷺ کی تعریف نہیں پاتے۔ یا تورات میں یہ حکم نہیں پاتے۔

اتَّامُرُونَ النَّاسَ بِالْبُرِّ وَتَنْسَوْنَ أَنْفُسَكُمْ وَأَنْتُمْ تَتْلُونَ الْكِتَابَ أَفَلَا تَعْقِلُونَ ۱۱

کیا تم لوگوں کو بھلائی کا حکم کرتے ہو، اور اپنی جانوں کو بھول جاتے ہو۔ حالانکہ تم کتاب پڑھتے ہو تو کیا تم سمجھ نہیں رکھتے۔

وَاسْتَعِينُوا بِالصَّبْرِ وَالصَّلَاةِ ۚ وَإِنَّهَا لَكَبِيرَةٌ إِلَّا عَلَى الْخَاشِعِينَ ۝ ۱۲

اور مدد چاہو صبر اور نماز کے ساتھ، اور بلاشبہ نماز ضرور دشوار ہے مگر خشوع والوں پر جو

يُظُنُّونَ أَنَّهُمْ مُلْقَوْنَ رَبِّهِمْ وَأَنَّهِمُ إِلَيْهِ رَاجِعُونَ ۝ ۱۳

یقین رکھتے ہیں کہ بیشک وہ اپنے رب سے ملاقات کرنیوالے ہیں اور یہ کہ وہ اس کی طرف لوٹنے والے ہیں

وَأَنْتُمْ تَعْلَمُونَ: (حالانکہ تم جانتے ہو) یہ جاننے کی حالت میں کہ تم التباس کرنے والے، چھپانے والے ہو اور یہ ان کے لیے قبیح ترین چیز تھی۔ کیونکہ قبیح سے ناواقفی بسا اوقات مرتکب قبیح کے لیے عذر بن جاتی ہے۔

وَأَقِيمُوا الصَّلَاةَ وَآتُوا الزَّكَاةَ: (اور تم نماز قائم کرو اور زکوٰۃ ادا کرو) یعنی مسلمانوں والی نماز و زکوٰۃ

رکوع کی مراد:

وَأَرْكَعُوا مَعَ الرَّاكِعِينَ: (اور رکوع کرو رکوع کرنے والوں کے ساتھ) جو ان میں سے رکوع کرنے والے ہیں کیونکہ یہود کی نماز میں رکوع نہ تھا۔ (مگر اس کے لیے ثبوت درکار ہے جبکہ حضرت مریم کو فرمایا یا مریم اقنسی لربک واسجدی وارکعی مع الراکعین فرمایا گیا ہے فافہم) یعنی تم اسلام لا کر اہل اسلام کے اعمال کرو۔ اور یہ بھی درست ہے۔ کہ رکوع سے خود نماز مراد ہو جیسا کہ نماز کو سجود سے تعبیر کیا جاتا ہے اور نمازیوں کے ساتھ نماز کا حکم جماعت کے لیے ہے یعنی نمازیوں کے ساتھ نماز ادا کرو۔ الگ الگ نہیں۔

برکات مفہوم:

اتَّامُرُونَ النَّاسَ بِالْبُرِّ: (کیا تم لوگوں کو نیکی کا حکم دیتے ہو) ہمزہ تقریر یہاں تو بیخ کے لیے ہے اور ان کی حالت پر اظہار تعجب مقصود ہے۔

بالبر: بھلائی و نیکی پھیلانے کا اور اسی سے البر بمعنی جنگل ہے جو اس کی وسعت کی وجہ سے کہا جاتا ہے البر ہر خیر کو شامل ہے اور اسی سے انکا قول صدقت و برت ہے۔ احبار یہود اپنے اقارب کو خفیہ نصیحت کرتے تو اتباع محمد ﷺ کی نصیحت کرتے مگر خود اتباع نہ کرتے تھے۔

یہ بھی کہا گیا کہ وہ صدقہ کا حکم دیتے مگر صدقہ نہ کرتے۔ جب ان کو صدقات تقسیم کے لیے دیئے جاتے وہ ان میں خیانت کرتے۔

وَتَنْسَوْنَ أَنْفُسَكُمْ: (اور تم اپنے آپ کو بھلاتے ہو) تم اپنے نفوس سے نیکی چھوڑتے ہو جیسے کوئی بھولی بسری چیزیں ہوتی ہیں۔

وعید یا تبکیت:

وَأَنْتُمْ تَتْلُونَ الْكِتَابَ: (حالانکہ تم کتاب پڑھتے ہو) نمبر ۱: یہ ان کو بطور تبکیت کہا کہ تم تو رات پڑھتے ہو حالانکہ اس میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی تعریف موجود ہے۔

نمبر ۲: اس میں خیانت پر وعید موجود ہے۔ اور ترکِ بر اور قول و عمل کے تضاد پر وعید پائی جاتی ہے۔
أَفَلَا تَعْقِلُونَ: (کیا تم سمجھتے نہیں ہو) کیا تم اس کی قباحت نہیں سمجھتے جس کا تم اقدام کرتے ہو۔ تاکہ اس کی قباحت کی اپنے ہاتھوں تصدیق کرو۔ یہ بہت بڑی توبیخ ہے
وَاسْتَعِينُوا: (اور تم مدد لو) تم مدد طلب کرو اپنی ضروریات میں اللہ تعالیٰ سے۔

صبر و استعانت:

بِالصَّبْرِ وَالصَّلَاةِ: (صبر و نماز کے ساتھ) ان دونوں کو جمع کر کے اور نماز کی تکالیف پر صبر کرتے ہوئے تم نماز پڑھو۔ اس طرح کہ اس کی مشقتیں برداشت کرنے والے ہو۔ اور جو چیزیں اس میں ضروری ہیں۔ جیسے اخلاص قلب۔ دفع وساوس شیطانیہ: و ہوا جس نفسانیہ اور مراعاة آداب۔ خشوع اور اس بات کا استحضار کہ تم جبار السموات والارض کے سامنے کھڑے ہو۔
یا مصائب و آفات میں صبر کر کے مدد طلب کرو۔ اور ان مصائب کے وقوع کے وقت نماز کی طرف جھکو۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جب کوئی گھبراہٹ والا معاملہ پیش آتا۔ تو نماز کی طرف جلدی کرتے۔ (رواہ الطبری فی تفسیرہ) حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کو فَشِمَ رَضِيَ اللہُ عَنْہُ کی موت کی خبر دوران سفر ملی تو انہوں نے انا للہ وانا الیہ راجعون پڑھی اور دو رکعت نماز ادا کی۔ پھر یہ آیت تلاوت کی۔ واستعینوا بالصبر والصلوة۔ یہ بھی کہا گیا۔ کہ الصبر روزے کو کہتے ہیں۔ کیونکہ یہ روزہ مفطرات سے اپنے آپ کو روک رکھنے کا نام ہے اور اسی طرح رمضان المبارک کو شہر الصبر فرمایا گیا ہے۔

یہ بھی کہا گیا ہے کہ الصلوٰۃ سے دعا مراد ہے یعنی مصائب پر صبر اور دعا کی التجا سے اور اللہ کی بارگاہ میں گڑ گڑا کر اس کے دور کرنے میں مدد حاصل کرو۔

مرجع ضمیر:

وَإِنَّهَا: (اور بے شک وہ) نحو نمبر ۱: ضمیر نماز کی طرف لوٹ رہی ہے۔

نمبر ۲: استعانت کی طرف لوٹ رہی ہے۔

لَكَبِيرَةٌ: (البتہ بھاری ہے) شاق اور بھاری ہے جیسا کہ کہتے ہیں کبر علیٰ هذا الامر۔ یہ معاملہ مجھ پر گراں گذرا

يٰۤاَيُّهَا اِسْرَآءِیْلُ اذْكُرُوا نِعْمَتِيَ الَّتِي اَنْعَمْتُ عَلَیْكُمْ وَاِنِّیْ فَضَّلْتُكُمْ

اے بنی اسرائیل تم میرے احسانوں کو یاد کرو جو میں نے تم پر کئے۔ اور اس بات کو کہ میں نے تم کو فضیلت دی

عَلَى الْعٰلَمِیْنَ ۚ ۴۷ وَاتَّقُوا یَوْمًا لَا تَجْزِیْ نَفْسٌ عَنْ نَفْسٍ شَیْئًا

جہانوں پر، اور ڈرو اس دن سے جس دن کوئی بھی شخص کسی کی طرف سے بھی کچھ ادائیگی نہیں کریگا

وَلَا یُقْبَلُ مِنْهَا شَفَاعَةٌ وَّلَا یُؤْخَذُ مِنْهَا عَدْلٌ وَّلَا هُمْ

اور نہ کسی شخص کی طرف سے کوئی سفارش قبول کی جائے گی، اور نہ کسی شخص کی طرف سے کوئی معاوضہ لیا جائے گا، اور نہ ان لوگوں کی

یُنْصَرُونَ ۚ ۴۸

مدد کی جائے گی۔

اِلَّا عَلَى الْخٰشِعِیْنَ: (مگر خاشعین پر) کیونکہ وہ توقع رکھتے ہیں اس اجر کی جو صابرین کے لیے ان کی تھکاوٹوں پر ملے گا۔ پس جنت ان پر آسان ہو جائے گی۔ کیا تم اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد پر نگاہ نہیں ڈالتے؟

اَلَّذِیْنَ یُظُنُّوْنَ اَنَّهُمْ مُّلْقُوْا رَبِّهِمْ: (وہ لوگ جو یقین رکھتے ہیں اپنے رب کی ملاقات کا) اپنے ثواب کو پانے کی توقع رکھتے ہیں۔ اور اس چیز کے پانے کی جو اللہ کے ہاں ہوگی۔

یظنون کی تفسیر عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی قراءت کی وجہ سے یعلمون ہے یعنی وہ جانتے ہیں جزاء کا ملنا یقینی ہے پس ان کے مطابق وہ عمل کرتے ہیں۔ باقی جن کو جزاء کا یقین نہیں۔ اور جزاء پر یقین نہیں رکھتے اور نہ ثواب کے امیدوار ہیں۔ ان پر یہ خالص مشقت ہے۔

الخشوع اخبات۔ التظامن۔ فروتنی و عاجزی۔ الخضوع نرمی۔ انقیاد۔ اطاعت

اللقاء کی تفسیر:

رؤیت و دیدار یعنی وہ اپنے رب سے ملاقات کرنے والے ہیں۔ کہ ان کو اس کا بلا کیف دیدار ہوگا۔

وَأَنَّهُمْ إِلَیْهِ رَاجِعُونَ: (اور بے شک وہ اس کی طرف لوٹنے والے ہیں) ان کے معاملات کا آخرت میں اس کے سواء اور کوئی بھی مختار نہ ہوگا۔

یٰۤاَيُّهَا اِسْرَآءِیْلُ اذْكُرُوا نِعْمَتِيَ الَّتِي اَنْعَمْتُ عَلَیْكُمْ: (اے بنی اسرائیل تم یاد کرو میری وہ نعمتیں جو میں نے تم پر کیں) دوبارہ تاکید کے لیے لائے۔

وَإِنِّي فَضَّلْتُكُمْ عَلَى الْعَالَمِينَ: (اور میں نے تمہیں فضیلت دی لوگوں کے جم غفیر پر) یعنی نعمتوں اور فضیلت عنایت کرنے کو یاد کرو۔ عالم یعنی لوگوں کے جم غفیر پر۔ کہا جاتا ہے۔

رایت عالما من الناس۔ میں نے بہت سے لوگوں کو دیکھا۔ مراد کثرت ہے۔

وَاتَّقُوا يَوْمًا: (اور تم اس دن سے ڈرو) قیامت کے دن سے ڈرو۔

نَحْمُ: یومًا مفعول بہ ہے ظرف نہیں۔

لَا تَجْزِي نَفْسٌ: (نہ کام آئے گا کوئی نفس) مؤمن نفس۔

عَنْ نَفْسٍ: (کسی نفس کے) کافر نفس کے لیے۔

شَيْئًا: (کچھ بھی) یعنی کچھ بھی ادائیگی نہیں کرے گا۔ ان حقوق کی جو اس پر لازم ہیں۔

نَحْمُ: شئیًا مفعول بہ ہے یعنی تھوڑا سا بدلہ اور جملہ محلاً منصوب ہے۔ اور یومًا کی صفت ہے۔ اور ضمیر اس میں، موصوف

محذوف کی طرف جارہی ہے۔ تقدیر عبارت یہ ہے۔ لا تجزی فیہ۔ اس میں کام نہیں آئے گا۔

وَلَا يُقْبَلُ مِنْهَا شَفَاعَةٌ: (اور اس سے کوئی شفاعت قبول نہ کی جائے گی)

مکی و بصری قراءت میں تاء کے ساتھ ہے۔ اور ضمیر منها میں نفس مؤمنہ کی طرف لوٹ رہی ہے۔ ﴿۱﴾ مطلب یہ ہوا کہ کسی

نفس مؤمنہ کی کوئی شفاعت نفس کافرہ کے لیے مقبول نہ ہوگی۔ ﴿۲﴾ کہا گیا ہے کہ یہود کو یہ زعم تھا کہ ان کے آباء انبیاء علیہم السلام تھے وہ

شفاعت کریں گے۔ تو ان کو مایوس کر دیا گیا۔ وہ اس ارشاد الہی کی طرح ہے جو سورۃ المدثر آیت نمبر ۴۸ فَمَا تَنْفَعُهُمْ شَفَاعَةُ

الشَّافِعِينَ ہے۔

معتزلہ کا جواب:

قول معتزلہ: معتزلہ نے اس آیت سے گناہ گاروں کے لیے شفاعت کی نفی ثابت کی۔

جواب: ان کا قول مردود ہے کیونکہ نفی شفاعت کفار کی کی گئی۔

حضور علیہ السلام نے خود فرمایا۔ شفاعتی لا ھل الکبائر من امتی من کذب بہا لم ینلھا (احمد، ابو داؤد، ترمذی)

دوسرا جملہ صرف احمد نے نقل کیا۔

وَلَا يُؤْخَذُ مِنْهَا عَدْلٌ: (نہ لیا جائے گا اس سے بدلہ) عدل، فدیہ، کیونکہ یہ فدیہ دینے والے کا معادل ہے۔

جمع کی حکمت:

وَلَا هُمْ يُنْصَرُونَ: (اور نہ ان کی مدد کی جائے گی) ان کی معاونت نہ کی جائے گی۔ ینصرون کو جمع لایا گیا تاکہ معلوم ہو جائے

کہ نفس جو نکرہ آیا ہے اس سے مراد نفوس کثیرہ ہیں۔ (عباد، اناسی) معنی کا لحاظ کر کے مذکر لائے۔

وَإِذْ نَجَّيْنَكُمْ مِنْ آلِ فِرْعَوْنَ يَسُومُونَكُمْ سُوءَ الْعَذَابِ

اور جب ہم نے تم کو آل فرعون سے نجات دی وہ تم کو سخت ترین تکلیفیں پہنچاتے تھے

يَذَبِّحُونَ أَبْنَاءَكُمْ وَيَسْتَحْيُونَ نِسَاءَكُمْ ۖ وَفِي ذَلِكُمْ بَلَاءٌ

تمہارے بیٹوں کو ذبح کرتے تھے اور تمہاری عورتوں کو زندہ چھوڑ دیتے تھے اور اس میں تمہارے رب کی

مِّنْ رَبِّكُمْ عَظِيمٌ ﴿٤٩﴾

طرف سے بڑا امتحان تھا۔

وَإِذْ نَجَّيْنَكُمْ مِنْ آلِ فِرْعَوْنَ: (جب ہم نے تم کو آل فرعون سے نجات دی) آل کا اصل اہل ہے اس لیے کہ تصغیر اہیل آتی ہے ہا کو الف سے بدل دیا۔ اس کا استعمال بڑے لوگوں کے لیے آتا ہے مثلاً بادشاہ اور ان کے ہم مثل۔ اور آل حجام نہیں کہتے۔ فرعون۔ عمالقہ کے ہر بادشاہ کا لقب تھا۔ جیسا قیصر، رومی بادشاہوں کا۔ کسریٰ، فارس کے بادشاہوں کا۔

سوم کا مفہوم:

يَسُومُونَكُمْ: (وہ تمہیں تکلیف دیتے) یسومونکم یہ آل سے حال ہے۔ تمہیں تکلیف دیتے یہ سامہ خسفا سے ہے جبکہ ظلم سے اس کا والی بنے۔ اور اس کا اصل سام السلعة سے ہے۔ جب اس کو طلب کرے۔ گویا یہ یبغونکم کے معنی ہیں یعنی تمہارے لیے طلب کرتے۔

سوء عذاب کی مراد:

سُوءَ الْعَذَابِ: (سخت عذاب) وہ برے عذاب کا تمہارے خلاف ارادہ رکھتے۔

مساومة البيع: زائد کرنا یا بڑھانا یا ایک دوسرے سے مطالبہ کرنا۔

يَذَبِّحُونَ: سوء مفعول ثانی ہے برا عذاب تاکہ تمہیں سزا دیں۔ یہ سنی کا مصدر ہے کہا جاتا ہے۔ اعوذ باللہ من سوء الخلق وسوء الفعل۔ میں برے اخلاق اور برے فعل سے پناہ چاہتا ہوں۔ مراد اخلاق و فعل کی برائی ہے۔ اور معنی سوء العذاب۔ سخت رسوا کن عذاب ہے۔ کیونکہ عذاب تو سب ہی برے ہیں۔

يَذَبِّحُونَ أَبْنَاءَكُمْ: (وہ تمہارے بیٹوں کو ذبح کرتے) یہ یسومونکم کا بیان ہے۔ اسی لیے حرف عطف نہیں لائے۔

وَيَسْتَحْيُونَ نِسَاءَكُمْ: (وہ تمہاری بیٹیوں کو زندہ چھوڑتے تھے) تمہاری بیٹیوں کو خدمت کے لیے زندہ چھوڑتے۔

انہوں نے یہ اس لیے کیا کیونکہ کاہنوں نے فرعون کو ڈرایا۔ کہ ایک بچہ پیدا ہوگا۔ جس کے سبب تیرا ملک چلا جائیگا جیسا کہ نمرود کو انہوں نے ڈرایا۔ مگر ان کی تحفظ کی کوشش ناکام رہی۔ اور وہ ہو کر رہا۔ جو اللہ تعالیٰ نے چاہا۔

وَإِذْ فَرَقْنَا بِكُمُ الْبَحْرَيْنِ فَاَنْجَيْنَاكُم مِّنْ غَرَقِنَا اَلْ فِرْعَوْنَ وَاَنْتُمْ

اور جب ہم نے تمہاری وجہ سے سمندر کو پھاڑ دیا پھر ہم نے تم کو نجات دے دی، اور آل فرعون کو ہم نے غرق کر دیا اس حال میں کہ

تَنْظُرُونَ ۵

تم دیکھ رہے تھے۔

وَفِيْ ذٰلِكُمْ بَلٰٓءٌ : (اور اس میں آزمائش تھی) مشقت۔ جبکہ مشارالیه فرعون کی حرکت ہو۔ اور مشارالیه انجاء ہو۔ تو بلاء کا معنی نعمت ہے۔

مِّنْ رَّبِّكُمْ : (تمہارے رب کی طرف سے) یہ بلاء کی صفت اول ہے۔

عَظِيْمٌ ! : (بڑی) یہ صفت دوم ہے۔

وَإِذْ فَرَقْنَا : (جب ہم نے پھاڑ دیا تمہارے لئے سمندر کو) بعض کو بعض سے جدا کر دیا۔ یہاں تک کہ راستے بن گئے۔ فَرَقْنَا : یہ شد کے ساتھ پڑھا گیا۔ ہم نے جدا کیا کہا جاتا ہے اس نے دو چیزوں میں جدائی کر دی اور چیزوں میں تفریق کر دی۔ کیونکہ راستے بارہ تھے۔ جتنی قبائل بنی اسرائیل کی تعداد تھی۔

بِكُمُ الْبَحْرَيْنِ : (تم پر سمندر کو) وہ ان پر چل رہے تھے۔ اور تمہارے چلتے ہوئے پانی الگ الگ تھا۔ گویا ان کے ساتھ پھاڑا یا ہم نے تمہارے سبب سے پھاڑا۔ یا ہم نے پھاڑا اس حال میں کہ وہ تمہارے ساتھ متلبس تھا۔ اس صورت میں یہ حال بنے گا۔

روایت میں آیا ہے کہ بنی اسرائیل نے موسیٰ علیہ السلام کو کہا۔ ہمارے ساتھی کہاں ہیں؟ ہم جب تک ان کو دیکھ نہ لیں۔ راضی نہ ہونگے اللہ تعالیٰ نے وحی فرمائی۔ کہ اپنی لاشی کو اسی طرح کہو۔ آپ نے دیواروں پر مار کر یہ کہا۔ پس اس میں روشن دان بن گئے۔ پس وہ ایک دوسرے کو دیکھتے اور ایک دوسرے کی باتیں سنتے جا رہے تھے۔

فَاَنْجَيْنَاكُم مِّنْ غَرَقِنَا اَلْ فِرْعَوْنَ وَاَنْتُمْ تَنْظُرُونَ : (پس ہم نے تمہیں نجات دی اور ڈبو دیا آل فرعون کو اس حال میں کہ تم دیکھ رہے تھے) اور مشاہدہ کر رہے تھے۔ اور اس میں شک نہیں کرتے تھے۔

وَإِذْ وَعَدْنَا مُوسَىٰ أَرْبَعِينَ لَيْلَةً ثُمَّ اتَّخَذْتُمُ الْعِجْلَ مِنْ

اور جب وعدہ کیا ہم نے موسیٰ سے چالیس رات کا پھر تم لوگوں نے ان کے بعد بچھڑے کو معبود

بَعْدِهِ وَأَنْتُمْ ظَالِمُونَ ﴿٥١﴾ ثُمَّ عَفَوْنَا عَنْكُمْ مِنْ بَعْدِ ذَلِكَ

بنا لیا اور تم ظلم کرنیوالے تھے، پھر ہم نے اس کے بعد تم سے درگزر کر دیا

لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ ﴿٥٢﴾ وَإِذْ آتَيْنَا مُوسَىٰ الْكِتَابَ وَالْفُرْقَانَ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُونَ ﴿٥٣﴾

تاکہ تم شکر ادا کرو۔ اور جب ہم نے موسیٰ کو کتاب اور فیصلہ کرنے والی چیز دی تاکہ تم ہدایت پاؤ

وَإِذْ وَعَدْنَا مُوسَىٰ : (جب ہم نے موسیٰ علیہ السلام سے وعدہ کیا) کیونکہ وہ وعدہ وحی سے تھا۔ اور وہ طور پر آنے کا تھا۔
وَعَدْنَا : جہاں تک میری تحقیق ہے۔ بنی اسرائیل مصر میں ہلاکت فرعون کے بعد داخل نہ ہوئے اور اس وقت ان کے پاس کوئی کتاب نہ تھی۔ جس کی طرف رجوع کریں۔ اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام سے وعدہ کیا۔ وہ ان پر تورات اتاریں گے۔ اللہ تعالیٰ نے وقت مقرر کیا۔ ذوالقعدہ اور دس دن ذی الحجہ کے اور فرمایا۔ أَرْبَعِينَ لَيْلَةً : کیونکہ مہینہ کی ابتداء راتوں سے ہوتی ہے۔ اور چالیس راتیں۔

نَحْوُ : أَرْبَعِينَ یہ وعدنا کا مفعول ثانی ہے ظرف نہیں ہے۔ اس لیے اس کا معنی چالیس راتوں میں نہیں ہے (فی اربعین لیلۃ)

ثُمَّ اتَّخَذْتُمُ الْعِجْلَ : (پھر بنا لیا تم نے بچھڑے کو) اتخذتم کا مفعول ثانی حذف کر دیا۔ اس کے باب میں مکی اور حفص کے نزدیک اظہار ہے۔

مِنْ بَعْدِهِ۔ (موسیٰ علیہ السلام کے بعد) طور پر جانے کے بعد
وَأَنْتُمْ ظَالِمُونَ : (اور تم ظالم تھے) اور تم ظالم تھے اس لیے کہ تم نے عبادت کا مستحق اسکے سوا دوسرے کو قرار دیا۔

نَحْوُ : یہ جملہ حال ہے یعنی تم نے اس کی عبادت کی اس حال میں کہ تم ظلم کرنے والے تھے۔

ثُمَّ عَفَوْنَا عَنْكُمْ : (پھر ہم نے تم کو معاف کر دیا) ہم نے تمہارے گناہ تم سے مٹا دیئے۔

مِنْ بَعْدِ ذَلِكَ : (اس کے بعد) یعنی تمہارے بچھڑا بنانے کے بعد

لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ : (تاکہ تم نعمت کا شکر یہ ادا کرو) یعنی معاف کرنے کی نعمت کا شکر یہ ادا کرو۔

وَإِذْ آتَيْنَا مُوسَىٰ الْكِتَابَ وَالْفُرْقَانَ : (اور جب ہم نے موسیٰ علیہ السلام کو کتاب اور معجزات دیئے)

وَإِذْ قَالَ مُوسَىٰ لِقَوْمِهِ يُقَوْمِ إِنَّكُمْ ظَلَمْتُمْ أَنْفُسَكُمْ بِاتِّخَاذِكُمُ الْعِجْلَ

اور جب موسیٰ نے اپنی قوم سے کہا کہ اے میری قوم بے شک تم نے مجھڑے کو معبود بنا کر اپنی جانوں پر ظلم کیا

فَتَوَبُّوْا إِلَىٰ بَارِئِكُمْ فَاقْتُلُوا أَنْفُسَكُمْ ۖ ذَلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ عِنْدَ بَارِئِكُمْ ۖ

لہذا تم اپنے پیدا کرنے والے کی بارگاہ میں توبہ کرو۔ سو اپنی جانوں کو قتل کرو، یہ تمہارے لئے بہتر ہے، تمہارے پیدا کرنیوالے کے نزدیک

فَتَابَ عَلَيْكُمْ ۖ إِنَّهُ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيمُ ۝۵۴

پھر اس نے تمہاری توبہ قبول فرمائی بے شک وہ بہت زیادہ توبہ قبول فرمانے والا ہے، اور نہایت رحم کرنیوالا ہے

فرقان کا معنی :

نمبر ۱: یعنی وہ کتاب منزل اور فرقان ہونے میں جامع تھی۔ وہی تورات حق و باطل میں فرق کرنے والی تھی۔ اس کی نظیر یہ جملہ ہے
رأیت الغیث والیث یعنی میں نے ایسے آدمی کو دیکھا جو سخاوت و جرأت کا جامع تھا۔

نمبر ۲: تورات اور دلیل مراد ہے جو کفر و ایمان میں فرق کرنے والی تھی عصا۔ ید بیضا و دیگر آیات۔
نمبر ۳: شریعت جو حلال و حرام میں فرق کرنے والی تھی۔ یہ بھی کہا گیا کہ الفرقان سمندر پھٹنے کو یا وہ مدد جس نے ان کے اور ان کے دشمنوں میں جدائی کر دی۔

لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُونَ : (تاکہ تم ہدایت پاؤ) یہاں لعل کئی کے معنی میں ہے۔

قوم سے مراد:

وَإِذْ قَالَ مُوسَىٰ لِقَوْمِهِ : (جب موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم کو کہا) قوم سے مراد یہاں وہ لوگ ہیں جنہوں نے مجھڑے کی عبادت کی۔

يَقَوْمِ إِنَّكُمْ ظَلَمْتُمْ أَنْفُسَكُمْ : (اے میری قوم بے شک تم نے اپنے آپ پر ظلم کیا)

بِاتِّخَاذِكُمُ الْعِجْلَ : (بسبب تمہارے بنالینے مجھڑے کو) معبود۔

فَتَوَبُّوْا إِلَىٰ بَارِئِكُمْ : (پس تم اپنے پیدا کرنے والے کی طرف رجوع کرو)

الباری : وہ ذات جس نے مخلوق کو فرق سے بری بنایا۔ جو ان کو مجھڑے کی عبادت کی طرف لے جاتے جو غباوت و بلادیت میں ضرب المثل ہے۔

(فیه لغاوة العابدین للعجل)

وَإِذْ قُلْتُمْ يَمُوسَى لَنْ نُؤْمِنَ بِكَ حَتَّىٰ نَرَىٰ اللَّهَ جَهْرَةً فَأَخَذَتْكُمُ الصَّيْقَةُ

اور جب تم نے کہا کہ اے موسیٰ ہم ہرگز تمہاری تصدیق نہ کریں گے، جب تک کہ ہم اللہ کو علانیہ طور پر نہ دیکھ لیں، سو پکڑ لیا تم کو کڑک نے

وَأَنْتُمْ تَنْظُرُونَ ۝۵۵ ثُمَّ بَعَثْنَاكَ مِنْ بَعْدِ مَوْتِكَ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ ۝۵۶

اور حال یہ تھا کہ تم آنکھوں سے دیکھ رہے تھے، پھر ہم نے تم کو زندہ اٹھا دیا تمہاری موت کے بعد، تاکہ تم شکر ادا کرو

وَضَلَّلْنَا عَلَيْكُمُ الْغَمَامَ وَأَنْزَلْنَا عَلَيْكُمُ الْمَنَّٰنَ وَالسَّلَٰوٰی ط كُلُوا مِنْ طَيِّبَاتِ

اور ہم نے تم پر بادلوں کا سایہ کیا، اور ہم نے تمہارے اوپر من اور سلویٰ نازل کیا، جو کچھ ہم نے تم کو دیا اس میں سے پاکیزہ

مَا رَزَقْنٰكُمْ وَمَا ظَلَمُوْنَا وَلٰكِنْ كَانُوْا اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ ۝۵۷

چیزیں کھاؤ، اور انہوں نے ہمارا کوئی نقصان نہیں کیا اپنی ہی جانوں کا نقصان کیا کرتے تھے

قتل کا مفہوم:

فَاَقْتُلُوْا اَنْفُسَكُمْ: (تم اپنے نفسوں کو قتل کرو)

نمبر ۱: کہا گیا کہ یہ ظاہر پر ہے اور وہ غصہ اور غم سے قتل کرنا ہے۔

نمبر ۲: یہ بھی کہا گیا۔ جنہوں نے پچھڑے کی عبادت نہ کی تھی۔ ان کو حکم دیا۔ کہ پچھڑے کی عبادت کرنے والوں کو قتل کریں۔ پس ستر ہزار قتل ہوئے۔

ذٰلِكُمْ: (یہ) یعنی توبہ اور قتل

خَيْرٌ لَّكُمْ عِنْدَ بَارِئِكُمْ: (تمہارے رب کے ہاں بہت بہتر ہے) گناہ پر اصرار کرنے سے

فَتَابَ عَلَيْكُمْ اِنَّهُ هُوَ التَّوَّابُ: (پس اس نے تم پر توجہ کی پس بے شک وہی ہے توبہ قبول کرنے والا) وہ قبول توبہ سے فضل فرمانے والا ہے خواہ یہ کثرت سے بار بار ہی ہو۔

الرَّحِيْمُ: (وہ نہایت مہربان ہے) گناہ معاف کرتا ہے خواہ کتنا بڑا ہو۔

تین فاء:

پہلا فاء سبب کے لیے ہے کیونکہ ظلم توبہ کا سبب ہے۔

اور دوسرا فاء تعقیب کے لیے ہے۔ اس لیے معنی یہ ہوگا۔ توبہ کا عزم کرو۔ پس اپنے نفسوں کو قتل کرو۔ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کی توبہ قتل النفس مقرر فرمائی۔

اور تیسرا فاء شرط محذوف سے متعلق ہے۔ گویا اس طرح فرمایا۔ فان فعلتم اگر تم نے ایسا کر لیا تو اللہ تعالیٰ نے تمہاری توبہ قبول کر لی۔

وَإِذْ قُلْتُمْ يٰمُوسٰى لَنْ نُّؤْمِنَ لَكَ حَتّٰى نَرٰى اللّٰهَ جَهْرَةً: (جب تم نے کہا اے موسیٰ ہم ہرگز تم پر یقین نہ کریں گے یہاں تک کہ ہم اللہ تعالیٰ دیکھ لیں سامنے) جہرۃ: آنکھوں سے دیکھیں۔ نمبر ۱: یہ مصدر ہونے کی وجہ سے منصوب ہے جیسا قرصا کا لفظ جلوس کے فعل سے ای جلس قرصا۔

نمبر ۲: یا نوری سے حال ہے یعنی ذوی جہرۃ۔ ایسا دیکھنا جو کہ ظہور والا ہو۔ فَأَخَذْتُمْ الصُّعِقَةَ: (پس تمہیں کڑک نے پکڑ لیا) نمبر ۱: یعنی موت نمبر ۲: یہ کہا گیا کہ آگ آسمان کی طرف سے آئی اس نے ان کو جلایا۔ روایت کیا گیا کہ جبل طور کی طرف جاتے ہوئے جن سترہ افراد نے یہ مطالبہ کیا اور ان کو کہنے لگے ہم نے ان کی طرح پھڑے کی عبادت نہیں کی پس آپ اللہ کی ذات ہمیں آنکھوں سے دکھلائیں۔ موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا۔ میں نے خود یہ سوال کیا۔ اللہ تعالیٰ نے انکار فرمایا تھا۔ انہوں نے کہا تو نے اللہ تعالیٰ کو دیکھا ہے ہم ہرگز تم پر اعتماد نہ کریں گے۔ جب تک اللہ تعالیٰ کو ظاہر نہ دیکھ لیں۔ پس اللہ تعالیٰ نے ان پر صاعقہ بھیج دیا۔ جس نے ان کو جلا دیا۔ دلیل معترکہ:

معترکہ نے اس آیت سے نفی روایت باری تعالیٰ ثابت کرنے کی کوشش کی دلیل یہ دی کہ اگر یہ جائز ہوتی تو جائز الشبوت پر ان کو سزا نہ دی جاتی؟

وجوہ سزا:

جواب نمبر ۱: ان کو سزا تو انکار کے سبب ملی۔ اس لیے کہ ان کا قول انک رأیت اللہ فلن نؤمن لك حتی نری اللہ جہرۃ۔ ان کی طرف سے کفر و انکار تھا۔

نمبر ۲: اس لیے بھی کہ وہ موسیٰ علیہ السلام کے ظہور معجزات کے بعد ایمان سے لوٹ رہے تھے۔ جب تک وہ اپنے رب کو سامنے نہ دیکھ لیں۔ حالانکہ انبیاء علیہم السلام پر ایمان ظہور معجزات کے بعد لازم ہے ان سے نئی نشانیاں طلب کرنا جائز نہیں۔

نمبر ۳: اور اس لیے بھی کہ انہوں نے رشد و ہدایت طلب کرنے کے لیے سوال نہ کیا تھا۔ بلکہ محض تعنت و عناد کی خاطر سوال کیا تھا۔ (جس پر سزا ملنی ضروری تھی)

وَأَنْتُمْ تَنْظُرُونَ: (اور تم اس صاعقہ کو دیکھ رہے تھے) جب وہ اتری۔

ثُمَّ بَعَثْنَاكُمْ: (پھر ہم نے تمہیں اٹھایا) ہم نے تمہیں زندہ کیا۔ اس کا اصل اثار بشیر اثارۃ سے ہے (اٹھانا)

مِنْ بَعْدِ مَوْتِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ: (تمہاری موت کے بعد تاکہ تم احسان مانو) موت کے بعد اٹھائے جانے کے انعام کا۔

وَإِذْ قُلْنَا ادْخُلُوا هَذِهِ الْقَرْيَةَ فَكُلُوا مِنْهَا حَيْثُ شِئْتُمْ رَغَدًا وَادْخُلُوا

اور جب ہم نے کہا داخل ہو جاؤ اس بستی میں سو کھاؤ اس میں سے جہاں سے چاہو خوب اچھی طرح، اور داخل ہو جاؤ

الْبَابِ سُجَّدًا وَقُولُوا حِطَّةٌ نَغْفِرْ لَكُمْ خَطِيئَتَكُمْ ۖ وَسَنَزِيدُ الْمُحْسِنِينَ ﴿٥٨﴾

دروازہ میں جھکے ہوئے، اور یوں کہو کہ ہم گناہوں کی بخشش کا سوال کرتے ہیں، ہم تمہاری خطائیں بخش دیں گے۔ اور نیکو کاروں کو اور زیادہ دیں گے

فَبَدَّلَ الَّذِينَ ظَلَمُوا قَوْلًا غَيْرَ الَّذِي قِيلَ لَهُمْ فَأَنزَلْنَا عَلَى الَّذِينَ ظَلَمُوا

سو بدل دیا ان لوگوں نے جنہوں نے ظلم کیا بات کو اس بات کے علاوہ جو ان سے کہی گئی تھی سو ہم نے نازل کر دیا ان لوگوں پر آسمان سے عذاب

رِجْزًا مِّنَ السَّمَاءِ بِمَا كَانُوا يَفْسُقُونَ ﴿٥٩﴾

جنہوں نے ظلم کیا، اس وجہ سے کہ وہ نافرمانی کرتے تھے۔

وَوَهَبْنَا عَلَيْكُمُ الْعَمَامَ: (ہم نے تم پر بادلوں کا سایہ کر دیا) ہم نے بادلوں کو تمہیں سایہ کرنے والا بنا دیا یہ میدان تیرے کا واقعہ ہے بادل کو ان کے کام میں لگا دیا۔ کہ ان کے چلنے پر ساتھ چلیں۔ اور دھوپ سے ان پر سایہ کریں۔ اور رات کو روشنی کے ستون اترتے جن کی روشنی میں چلتے۔ ان کے کپڑے میلے نہ ہوتے۔ اور نہ پرانے ہوتے۔

وَأَنزَلْنَا عَلَيْكُمُ الْمَنَّاءَ وَالسَّلْوٰی: (اور اتار تم پر من و سلوی) ترنجبین وہ طلوع شمس کے وقت برف کی طرح ان پر اترتا۔ ہر انسان کے لیے ایک جیسا ہوتا۔

السَّلْوٰی: جنوبی ہوا سے اللہ تعالیٰ ان پر سلویٰ پرندے بھیجتا۔ وہ بئیر ہے پھر آدمی اپنی ضرورت کے مطابق ذبح کر لیتا۔ اور ہم نے کہا۔

كُلُوا مِنْ طَيِّبَاتِ: (تم پاکیزہ چیزیں کھاؤ)۔ تم لذیذ یا حلال چیزیں کھاؤ۔

مَارَزَقْنَكُمْ: (جو ہم نے تمہیں دیں)

وَمَا ظَلَمُونَا: (انہوں نے ہم پر ظلم نہیں کیا)۔ پس ظلم کیا اس طرح کہ ان نعمتوں کی ناشکری کی۔

وَلَكُمْ كَانُوا أَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُونَ: (لیکن وہ اپنے نفسوں پر ظلم کرنے والے تھے)

نَحْوُ: أَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُونَ کا مفعول ہے اور وہ کان کی خبر ہے۔

تَفْسِيرُ آیت: ۵۸:

وَإِذْ قُلْنَا: (اور جب ہم نے کہا) ہم نے میدان تیرے سے نکلنے کے بعد کہا۔

اَدْخُلُوا هَذِهِ الْقَرْيَةَ۔ (تم اس بستی میں داخل ہو جاؤ) یعنی تم بیت المقدس میں داخل ہو جاؤ۔ یا اریحا میں۔
 القریہ۔ اس بات پر اتفاق ہے یہ قریت سے ہے اس لیے کہ بستی لوگوں کو جمع کرتی ہے تہ کے بعد ان کو داخلے کا حکم ملا۔
 فَكُلُوا مِنْهَا: (تم اس میں سے کھاؤ) تم بستی کے غلہ جات اور پھل کھاؤ۔
 حَيْثُ شِئْتُمْ رَغَدًا۔ (جہاں سے چاہو با فراغت)
 وَاَدْخُلُوا الْبَابَ: (اور دروازے میں داخل ہو) باب القریہ: الباب سے مراد بستی کا دروازہ یا باب قبہ مراد ہے جس کی طرف وہ نماز پڑھتے تھے۔ کیونکہ موسیٰ علیہ السلام کی زندگی میں بیت المقدس میں داخل نہیں ہوئے۔ البتہ باب قریہ میں ان کی زندگی میں داخل ہوئے۔
 سَجَّدًا: (سر جھکائے) یہ حال ہے اور ساجد کی جمع ہے۔ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں سجدہ کا حکم شکر یہ کے طور پر دروازے تک پہنچنے کے وقت ہوا یعنی اس کی بارگاہ میں تواضع کرتے ہوئے۔

تَفْسِيرُ حِطَّةٍ:

وَقُولُوا حِطَّةً: (تم حطہ کہو) حِطَّةٌ: حِطَّةٌ یہ فعلتہ کا وزن ہے الحط سے جیسا جلستہ۔
 نمبر ۱: یہ مبتدا محذوف کی خبر ہے یعنی مسألتنا حطہ یا امرک حطہ۔ ہمارا سوال گناہ مٹانے کا ہے یا
 نمبر ۲: آپ کا حکم بخشش کرنا ہے۔
 اصل نصب ہے اور اس کو اس طرح بھی پڑھا گیا۔ حط عنا ذنوبنا حطہ۔ ہمارے گناہ ہم سے مٹا دے مٹانا یہ مرفوع اس لیے لائے تاکہ اثبات کا معنی دے۔ یہ بھی کہا گیا۔ اس کا معنی امرنا حطہ ہے یعنی یہ کہ ہم اس بستی میں اتریں اور اس میں قرار اختیار کریں۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حطہ بِسْمِ اللّٰهِ الْحَمْدُ ہے۔ عکرمہ رحمہ اللہ کہتے ہیں وہ لا الہ الا اللہ ہے۔
 تَغْفِرْ لَكُمْ خَطِيئَتَكُمْ: (ہم تمہاری غلطیاں بخش دیں گے) خطایا کم جمع خطیئۃ وہ گناہ کو کہتے ہیں۔ (مدنی نے یُغْفَرُ) اور شامی نے (تُغْفَرُ) پڑھا۔

اضافہ کا مطلب:

وَسَنَزِيدُ الْمُحْسِنِينَ: (عنقریب زیادہ دیں گے مخلصوں کو) یعنی جو تم میں سے مخلص ہو تو یہ کلمہ اس کے ثواب میں اضافہ کا سبب بنے گا۔ اور جو گناہ گار ہوگا اس کے لیے توبہ و بخشش کا ذریعہ ہوگا۔

بدلنے کی تشریح:

فَبَدَّلَ الَّذِينَ ظَلَمُوا قَوْلًا غَيْرَ الَّذِي قِيلَ لَهُمْ: (پس بدل دیا ظالموں نے بات کو اور بات سے جو ان کو کہی گئی تھی) اس میں حذف ہے اور تقدیر عبارت اس طرح ہے۔ فَبَدَّلَ الَّذِينَ ظَلَمُوا بِالَّذِي قِيلَ لَهُمْ قَوْلًا غَيْرَ الَّذِي قِيلَ لَهُمْ پس بدل دیا ظالموں نے اس کہی ہوئی بات کو اور بات سے جو کہی گئی تھی ان کو۔

وَإِذِ اسْتَسْقَىٰ مُوسَىٰ لِقَوْمِهِ فَقُلْنَا اضْرِبْ بِعَصَاكَ الْحَجَرَ فَانْفَجَرَتْ مِنْهُ اثْنَتَا عَشْرَةَ

اور جب موسیٰ سے ان کی قوم نے پانی طلب کیا تو ہم نے کہا کہ اپنا عصا پتھر پر مارو سو اس میں سے بارہ چشمے پھوٹ

عَيْنًا ۚ قَدْ عَلِمَ كُلُّ أُنَاسٍ مَّشْرَبَهُمْ ۖ كُلُوا وَاشْرَبُوا مِنْ رِّزْقِ اللَّهِ وَلَا تَعْتَوُوا فِي

لُحُفِهِ ۚ ہر جماعت نے اپنے اپنے پینے کی جگہ جان لی، کھاؤ اور پیو، اللہ کے رزق سے اور مت خرابی کرو

الْأَرْضِ مُفْسِدِينَ ۝۶۰

زمین میں فساد کرتے ہوئے۔

پس بدل یہ ایک مفعول کی طرف متعدی بنفسہ ہے اور دوسرے مفعول کی طرف باء سے متعدی ہوگا جو باء کے ساتھ ہے وہ متروک ہے۔ اور جو باء کے بغیر ہے وہ موجود ہے یعنی حطۃ کی جگہ اور بات کو رکھا یعنی ان کو حکم تو اس بات کا تھا جس سے توبہ واستغفار ہو۔ مگر انہوں نے اس کی مخالفت ایسی بات سے کی جس کا معنی وہ نہ تھا جس کا ان کو حکم دیا گیا تھا۔ انہوں نے اللہ تعالیٰ کے حکم کی تعمیل نہ کی۔ اور یہ بھی کہا گیا کہ حطۃ کی بجائے حنطۃ کہا۔

اور یہ بھی کہا گیا۔ کہ انہوں نے قبطنی زبان میں کہا۔ حطاسمقاٹا یعنی سرخ گندم۔ انہوں نے اس ارشاد الہی کا مذاق اڑایا۔ جو ان سے کہا گیا تھا۔ اور اللہ تعالیٰ کے ہاں جو کچھ ہے اس سے منہ موڑ کر اپنا پسندیدہ سامان دنیا طلب کیا

فَأَنزَلْنَا عَلَى الَّذِينَ ظَلَمُوا رِجْزًا ۚ (پس ہم نے ظالموں پر عذاب اتارا)۔ رجز یعنی عذاب۔ الذین ظلموا کا کلمہ دوبارہ لا کر ان کے معاملے کی شدید قباحت کا اظہار مقصود ہے۔ اور اسی بات کا اعلان ہے کہ ان پر عذاب ان کے ظلم و زیادتی کی وجہ سے اترے۔ مِّنَ السَّمَاءِ ۚ (آسمان سے) یہ رجز کی صفت ہے (رجز نازل من السماء)

بِمَا كَانُوا يَفْسُقُونَ ۚ (بسبب اس کے کہ وہ فسق کرتے تھے) یعنی ان کے فسق کے سبب روایت میں ہے۔ کہ ایک گھڑی میں ۲۴ ہزار آدمی طاعون کا شکار ہو گئے۔ بعض نے ستر ہزار کہا ہے۔

تَفْسِيرُ آيَةِ ۶۰:

وَإِذِ اسْتَسْقَىٰ مُوسَىٰ لِقَوْمِهِ ۚ (جب موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم کے لیے پانی مانگا) واذ موضع نصب میں ہے گویا اصل اس طرح ہے واذ کروا اذا استسقى یعنی انہوں نے استدعا کی کہ ان کی قوم کو سیراب کیا جائے۔

پتھر سے مراد کونسا:

فَقُلْنَا اضْرِبْ بِعَصَاكَ الْحَجَرَ ۚ (پس ہم نے کہا تم اپنا عصا پتھر پر مارو) ان کو تہ میں پیاس لگی۔ موسیٰ علیہ السلام نے ان کے لیے پانی کی درخواست کی۔ جس پر انہیں حکم ملا کہ پتھر پر اپنی لاٹھی ماریں۔ اس میں لام عہد کا ہے اس سے مقررہ پتھر مراد ہے۔ روایت

میں آیا یہ طور کا پتھر تھا۔ جس کو اپنے ساتھ لائے تھے۔ اور مربع پتھر تھا۔ جس کی چار طرفیں تھیں۔ ہر طرف سے تین چشمے چلتے تھے ہر قبیلے کیلئے ایک چشمہ تھا۔ ان کی تعداد چھ لاکھ تھی۔ اور لشکر گاہ کی وسعت بارہ میل تھی یا الف لام جنس کا ہے یعنی اس شئی کو مارو جس کو پتھر کہتے ہیں۔ یہ دلیل میں ظاہر اور قدرت میں واضح تر ہے۔

فَأَنْفَجَرْتُ: (پس پھوٹ پڑے بارہ چشمے) یہ محذوف سے متعلق ہے یعنی فاضل فاضل فاضل یعنی کثرت سے بہنے لگا۔ یا فان ضربت فقد انفجرت۔ پس اگر تو مارے گا۔ پس اس سے جاری ہو جائیں گے۔ اس صورت میں فاء فصیحہ ہے جو کلام بلغ میں ہوتی ہے۔

مِنْهُ اثْنَتَا عَشْرَةَ عَيْنًا: (اس سے بارہ چشمے) قبیلوں کی تعداد کے مطابق۔ عَشْرَةَ کی شین پر کسرہ اور فتح پڑھا گیا ہے۔ یہ دو لغتیں ہیں۔ عیناً یہ تیز ہے۔

قَدْ عَلِمَ كُلُّ أُنَاسٍ: (تحقیق جان لیا ہر قبیلے نے) اناس سے مراد قبیلہ ہے۔

مَشْرَبَهُمْ: (اپنا اپنا گھاٹ) انکا وہ چشمہ جس سے وہ پیتے ہیں۔

كُلُوا: (کھاؤ) اور ہم نے ان کو کہا تم من و سلوی کھاؤ۔

وَأَشْرَبُوا: (اور پیو)۔ چشموں کا پانی پیو۔

مِنْ رِزْقِ اللَّهِ: (اللہ تعالیٰ کے رزق سے) یعنی وہ تمام رزق جو اللہ تعالیٰ نے تمہیں دیا۔

وَلَا تَعْتُوا فِي الْأَرْضِ: (اور تم زمین میں فساد مت مچاؤ) یعنی تم اس میں فساد نہ کرو۔ العیث: سخت فساد۔

مُفْسِدِينَ: (فساد کرنے والے) یہ مؤکد حال ہے یعنی تم اپنے فساد میں درازی مت اختیار کرو۔ وہ اپنے فساد میں درازی اختیار کرنے والے تھے۔

وَ اِذْ قُلْتُمْ يٰمُوسٰى لَنْ نَّصْبِرَ عَلٰى طَعَامٍ وَّاحِدٍ فَاذْعُ لَنَا رَبَّكَ يُخْرِجْ

اور جب تم نے کہا کہ اے موسیٰ ہم ہرگز صبر نہیں کریں گے ایک کھانے پر لہذا ہمارے لئے اپنے رب سے دعا کیجئے وہ ہمارے لئے ان چیزوں میں سے نکال

لَنَا مِمَّا تُثْبِتُ الْاَرْضُ مِنْ بَقْلِهَا وَقِثَّائِهَا وَفُومِهَا وَعَدَسِهَا وَبَصِلِهَا

دے جن کو زمین اگاتی ہے۔ اس کی سبزی اور کھیرا اور سیبوں اور مسور اور پیاز۔

قَالَ اَتَسْتَبْدِلُوْنَ الَّذِیْ هُوَ اَدْنٰی بِالَّذِیْ هُوَ خَيْرٌ اِهْبِطُوْا مِصْرًا فَاِنَّ لَكُمْ

موسیٰ نے کہا کہ تم بدلتے ہو اس چیز کو جو گھٹیا ہے اس چیز کے بدلہ میں جو خیر ہے؟ اتر جاؤ کسی شہر میں،

مَا سَأَلْتُمْ وَضُرِبَتْ عَلَیْهِمُ الذِّلَّةُ وَالْمَسْكَنَةُ وَبَاءُ وُ بَغَضٍ مِّنَ اللّٰهِ ذٰلِكَ

سو بے شک تمہارے لئے وہ ہے جو تم نے سوال کیا۔ اور مار دی گئی ان لوگوں پر ذلت اور مسکنت اور مستحق ہو گئے غصہ کے

بِاَنَّهُمْ كَانُوْا یَكْفُرُوْنَ بِآیٰتِ اللّٰهِ وَ یَقْتُلُوْنَ النَّبِیْنَ بِغَیْرِ الْحَقِّ ذٰلِكَ بِمَا

جو اللہ کی طرف سے تھا، یہ اس لئے کہ وہ اللہ کی آیات کا انکار کرتے تھے اور نبیوں کو ناحق قتل کرتے تھے،

عَصَوْا وَكَانُوْا یَعْتَدُوْنَ ۝۱۱

یہ اس لئے کہ انہوں نے نافرمانی کی اور وعدے آگے بڑھتے تھے۔

طعام واحد کا مطلب:

وَ اِذْ قُلْتُمْ یٰمُوسٰى لَنْ نَّصْبِرَ عَلٰى طَعَامٍ وَّاحِدٍ: (اور جب تم نے کہا اے موسیٰ ہم ہرگز ایک کھانے پر صبر نہیں کریں گے) تیرے میں ان کو من و سلوی کا رزق دیا گیا۔ مگر انہوں نے کہا طعام واحد ایک کھانے پر حالانکہ وہ دو کھانے تھے۔ کیونکہ انہوں نے واحد سے مراد ایسا کھانا لیا۔ جو نہ بدلے بلکہ ایک ہی رہے۔ اگر کسی آدمی کے دسترخوان پر قسم قسم کے کھانے ہوں اور ہر روز ان پر وہ مداومت کرے۔ تو کہا جاتا ہے۔ لا یا کل فلان الا طعاماً واحداً۔ فلاں تو ایک ہی کھانا کھاتا ہے واحد سے مراد وحدت ہے کہ ایک جیسا کھانا مختلف اور تبدیل نہیں کرتا۔ یا مراد ایک قسم کے مانوس کھانے یعنی ساگ دالیں وغیرہ تھیں۔

فَاذْعُ لَنَا رَبَّكَ: (تو دعا کر ہمارے لئے اپنے رب سے) یعنی تم اس سے سوال کرو۔ اور کہو وہ ہمارے لئے نکال دے۔

یُخْرِجْ لَنَا: (وہ نکال دے ہمارے لئے) یعنی ہمارے لئے ظاہر کر دے۔ ایجاد کر دے۔

بقل کی تفسیر:

مِمَّا تُثْبِتُ الْاَرْضُ مِنْ بَقْلِهَا: (ان چیزوں سے جن کو زمین اگاتی ہے جیسے سبزیاں) وہ سبزیاں جو زمین سے اگتی تھیں۔ مراد

اس سے عمدہ ساگ، پودینہ، مکڑی پیاز وغیرہ ہیں۔ ایسی چیزیں جو عموماً لوگ کھاتے ہیں۔
وَقَفَّاهَا: (کھیرا) یعنی کھیرا۔

وَقَوْمِهَا: (گندم) وہ گندم یا بسن ہے۔ قراءت عبد اللہ بن مسعود میں ثَوْمِهَا آیا ہے۔
وَعَدَسِهَا وَبَصَلِهَا قَالَ أَتَسْتَبْدِلُونَ الَّذِي هُوَ أَدْنَىٰ: (اور دالیں اور پیاز کہا کیا تم بدلے میں وہ مانگتے ہو جو کہ حقیر ہے) جو
مرتبہ میں نزدیک تر اور مقدار میں حقیر تر ہے۔ دنو اور قرب کے الفاظ سے قلت مقدار کی تعبیر کی جاتی ہے۔
بِالَّذِي هُوَ خَيْرٌ: (اس کے بدلے جو کہ بہت بلند ہے) اعلیٰ مرتبے والی۔

أَهْبِطُوا مِصْرًا: (کسی بھی شہر میں اتر جاؤ) تہ سے اتر جاؤ۔ تہ کا علاقہ بیت المقدس سے قنسرین تک ہے اور یہ $۸۶۴ = ۲۴ \times ۳۶$ مربع میل کا علاقہ ہے۔

نمبر ۲: فرعون کے مصر میں چلے جاؤ۔

نَحْوُ: مصرًا کا لفظ منصرف لائے حالانکہ دو سبب موجود ہیں۔ یعنی تانیث و علمیت اس لیے کہ مراد شہر ہے یا درمیانہ حرف
نوح لوط کی طرح ساکن ہے حالانکہ ان دونوں میں بھی علم و عجمیت پائی جاتی ہے۔

فَإِنَّ لَكُمْ: (پس بے شک تمہارے لیے) یعنی اس میں۔

مَا سَأَلْتُمْ: (جو تم نے مانگا) پس جو تم نے مانگا وہ تو شہروں میں پایا جاتا ہے۔ تہ میں نہیں۔

تسلط ذلت:

وَضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الذِّلَّةُ وَالْمَسْكَنَةُ: (ان پر ذلت و مسکنت ثابت کر دی گئی) ذلت و فقر یعنی ذلت کو۔ نمبر ۱: ان پر طاری کیا
گیا۔ وہ ذلت کے تحت اسی طرح ہو گئے جیسے کوئی لگے ہوئے خیمے کے نیچے ہوتا ہے۔ نمبر ۲: یا چمٹادی گئی ان پر ذلت یہاں تک کہ
اس نے ان کو لازم پکڑ لیا جیسے چپکنے والی چیز ہوتی ہے۔ جیسے دیوار پر مٹی ماریں تو چمٹ، چپک جاتی ہے۔ یہود ذلیل، خوار اور مسکینی
اور فقر والے ہیں۔ خواہ حقیقتہً ہوں یا وہ بتکلف فقر اور حقارت ظاہر کرنے والے ہیں۔ کہ کہیں ان پر جزیہ دو گنا نہ کر دیا جائے۔

قراءت: عَلَيْهِمُ الذِّلَّةُ۔ نمبر ۱۔ حمزہ و علی نے اسی طرح دونوں پر ضمہ پڑھا ہے۔ اور ہر وہ لفظ جس میں ہا سے قبل یا ساکنہ ہو وہ
اسی طرح پڑھا جائے گا۔

نمبر ۲: ابو عمرو نے ہا اور میم کے کسرہ سے پڑھا عَلَيْهِمُ الذِّلَّةُ۔

نمبر ۳: بقیہ قراء نے ہا کے کسرہ اور ضمہ میم سے پڑھا۔ عَلَيْهِمُ

وَبَاءٌ وَبَغْضَبٍ مِّنَ اللَّهِ: (اور انہوں نے اللہ تعالیٰ کا غضب کمایا) نمبر ۱۔ باء کا لفظ اسی طرح ہے جیسے کہتے ہیں باء فلان
بفلان جبکہ وہ اس لائق ہو کہ اس کو اس کے برابر ہونے کی وجہ سے قتل کیا جائے۔

إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَالَّذِينَ هَادُوا وَالنَّصَارَى وَالصَّبِيْنَ مَنْ آمَنَ بِاللّٰهِ

بے شک جو لوگ ایمان لائے اور جنہوں نے یہودیت اختیار کی، اور نصاریٰ اور صابین، ان میں سے جو بھی اللہ پر اور یوم آخرت

وَالْيَوْمِ الْآخِرِ وَعَمِلَ صَالِحًا فَلَهُمْ أَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ

پر ایمان لائے اور نیک عمل کرے سو ان کے لئے اجر ہے ان کے رب کے پاس اور ان لوگوں پر کوئی خوف نہیں اور نہ وہ

يَحْزَنُونَ ﴿٦٢﴾

رنجیدہ ہوں گے۔

معنی آیت:

اب معنی آیت یہ ہوا۔ وہ اس کے غضب کے حق دار بن گئے۔

نمبر ۲: کسائی کہتے ہیں باء کا معنی رجوع ہے وہ اس کا غصہ لیکر لوٹے۔

ذَلِكَ: (یہ) اس کا مشارالیه۔ ضرب، ذلت مسکنت اور غضب کا حقدار ہونا۔

بِأَنَّهُمْ كَانُوا يَكْفُرُونَ بِآيَاتِ اللَّهِ وَيَقْتُلُونَ النَّبِيِّينَ: (یہ اس لیے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی آیات کا انکار کرتے اور انبیاء کو قتل کرتے رہے) قراءت۔ نافع نے النبیین کو ہمزہ سے پڑھا۔ اسی طرح اس کے تمام باب میں پڑھا جائے گا یعنی یہ نتائج بسبب کفر اور قتل انبیاء علیہم السلام کے تھے۔ یہود نے حضرت شعیا، زکریا، یحییٰ صلوٰۃ اللہ علیہم کو قتل کیا۔

النبی کی تحقیق:

النبی کا لفظ النبأ سے ہے اس لیے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے خبر دیتا ہے۔ یہ فعل بمعنی مُفْعِل یا مُفْعَل ہے یا نبأ یعنی بلند

النبوة بلند مکان کو کہتے ہیں۔

بِغَيْرِ الْحَقِّ: (ناحق) یعنی یہ ناحق تھا ان کے ہاں بھی اس لیے کہ اگر وہ انصاف کرتے تو وہ کوئی ایسی چیز ذکر کر سکتے تھے۔ جس سے ان کو قتل کا حقدار قرار دے سکیں۔

يَقْتُلُونَ: یہ یقتلون کی ضمیر فاعلی سے حال ہونے کی بناء پر منصوب ہے یعنی یقتلوا نہم مبطلین وہ ان کو قتل کرتے اس حال میں کہ وہ باطل حرکت کرنے والے تھے۔

نمبر ۱۔ ذَلِكَ: (اس میں) اشارہ تکرار سے لائے۔

حدود سے تجاوز:

بِمَا عَصَوْا وَكَانُوا يَعْتَدُونَ: (اس سبب سے کہ انہوں نے نافرمانی کی اور وہ تھے حد سے بڑھنے والے) اس سبب سے کہ وہ قسم

قسم کے گناہوں میں مبتلا تھے۔ اور ہر چیز میں حدود اللہ سے تجاوز کرنے والے اور اس کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی آیات کا انکار کرنے والے اور انبیاء کو قتل کرنے والے تھے۔

دوسرا قول: یہ بھی کہا گیا کہ مراد اس سے ہفتے کے بارے میں ان کا حد سے گذرنا تھا۔

تیسرا قول: اور یہ بھی درست ہے کہ ذلک کا مشارالیه کفر، قتل انبیاء کو قرار دیا جائے۔ اس طرح کہ یہ جرأت ان میں نافرمانی اور حد سے گذرنے کی بناء پر پیدا ہوئی۔ اس لیے کہ وہ ان دونوں باتوں میں منہمک ہو گئے اور انہوں نے ان میں غلو کیا یہاں تک کہ ان کے دل سخت ہو گئے جس پر انہوں نے انکار آیات اور قتل انبیاء کی جسارت کی۔

چوتھا قول: ذلک کا مشارالیه کفر اور قتل ہے جن کے ساتھ مسلسل نافرمانی ان میں پائی جاتی تھی۔

إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا: (بے شک جو لوگ ایمان لائے) یعنی دلوں کی موافقت کے بغیر صرف زبانوں سے ایمان لائے اور وہ منافقین ہیں۔

وَالَّذِينَ هَادُوا: (اور وہ لوگ جو یہودی ہوئے) یعنی یہودیت اختیار کی۔ کہا جاتا ہے ہاد، یہود، تہود، ہاند جب کوئی یہودیت میں داخل ہو جائے۔ ہاند کی جمع ہود ہے۔

نصرانی کی وجہ:

وَالنَّصَارَى: (اور نصاریٰ ہوئے) نصاریٰ جمع نصران جیسے ندمان و ندائی کہا جاتا ہے رجل نصران وامرأة نصرانة۔ نصرانی مرد، نصرانی عورت۔ نصرانی میں یا مبالغہ کے لیے ہے۔ جیسے احمری میں ان کو نصاریٰ اس لیے کہا جاتا ہے کیونکہ انہوں نے مسیح علیہ السلام کی مدد کی۔

وَالصَّابِئِينَ: (اور صابی ہوئے) جو کسی مشہور دین سے نکل کر کسی غیر معروف دین میں چلے جائیں۔ جب کوئی دین سے نکلے تو کہتے صابفلان۔

نمبر ۱: یہ وہ لوگ تھے جنہوں نے یہودیت و نصرانیت سے رخ موڑا اور فرشتوں کی عبادت شروع کر دی۔

نمبر ۲: یہ کہا گیا کہ یہ زبور پڑھتے تھے۔

مَنْ آمَنَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ: (جو ان میں اللہ تعالیٰ اور آخرت پر ایمان لایا) ان کفار میں سے جو خالص ایمان لایا۔

وَعَمِلَ صَالِحًا فَلَهُمْ أَجْرُهُمْ: (اور اس نے نیک عمل کیا پس ان کا بدلہ) اجرہم کا معنی ان کا ثواب

عِنْدَ رَبِّهِمْ: (ان کے رب کے ہاں) یعنی آخرت میں

وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ: (اور نہ ان پر خوف ہوگا اور نہ وہ غمگین ہوں گے)

نحوی لطائف:

نمبر ۱: اگر من امن کو مبتداء اور فلهم اجرہم خبر بناؤ تو من امن محل رفع میں ہوگا۔

وَإِذْ أَخَذْنَا مِيثَاقَكُمْ وَرَفَعْنَا فَوْقَكُمُ الطُّورَ ۖ خُذُوا مَا آتَيْنَاكُمْ بِقُوَّةٍ وَاذْكُرُوا

اور جب ہم نے لے لیا تمہارا عہد اور اٹھا دیا تمہارے اوپر طور کو، لے لو قوت کے ساتھ جو کچھ ہم نے تم کو دیا اور یاد کرو

مَا فِيهِ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ ﴿۶۳﴾ ثُمَّ تَوَلَّيْتُمْ مِّنْ بَعْدِ ذَلِكَ ۖ فَلَوْلَا فَضْلُ اللَّهِ عَلَيْكُمْ

جو کچھ اس میں ہے تاکہ تم متقی بن جاؤ۔ پھر اس کے بعد تم نے روگردانی کی، سو اگر نہ ہوتا تم پر اللہ کا فضل

وَرَحْمَتُهُ لَكُنْتُمْ مِنَ الْخَاسِرِينَ ﴿۶۴﴾

اور اس کی رحمت تو ضرور تم تباہ کاروں میں سے ہو جاتے۔

نمبر ۲: اور اگر اس کو اسم ان و معطوف علیہ کا بدل مانیں تو منصوب ہے۔ پہلی صورت میں ان کی خبر اسی طرح جملہ ہوگا۔ دوسری صورت میں فلہم اس کی خبر ہے اور فاء اس لیے لائی گئی کیونکہ من شرط کے معنی کو شامل ہے۔
وَإِذْ أَخَذْنَا مِيثَاقَكُمْ: (جب ہم نے تم سے میثاق لیا) یعنی تورات کی تمام باتیں قبول کرنا۔
رفع طور:

وَرَفَعْنَا فَوْقَكُمُ الطُّورَ: (اور طور کو تم پر بلند کیا) جبل طور۔ یہاں تک کہ تم نے قبول کر کے پختہ وعدہ دے دیا۔
واقعہ: اس کا واقعہ اس طرح ہے کہ موسیٰ علیہ السلام الواح لیکر آئے تو اس میں بنی اسرائیل نے پابندیاں اور مشکل اعمال پائے۔ جو ان پر گراں گزرے۔ پس انہوں نے قبول کرنے سے انکار کر دیا۔ جس پر اللہ تعالیٰ نے جبرائیل علیہ السلام کو حکم دیا۔ انہوں نے طور کو جڑ سے اکھاڑا اور اٹھا کر ان کے اوپر سائبان کی طرح کر دیا۔ ان کو موسیٰ علیہ السلام نے کہا۔ اگر تم قبول کرتے ہو (تو ٹھیک) ورنہ طور کو تم پر پھینکا جائے گا۔ پس انہوں نے قبول کر لیا۔ تو ہم نے انہیں حکم دیا۔
خُذُوا مَا آتَيْنَاكُمْ: (جو ہم نے دیا اس کو مضبوط پکڑو) یعنی کتاب تورات۔
بِقُوَّةٍ: (مضبوطی کے ساتھ) کوشش و پختہ ارادے سے
وَاذْكُرُوا مَا فِيهِ: (اور یاد کرو جو اس میں ہے) یعنی یاد کرو جو کچھ کتاب میں ہے اور کتاب کو پڑھو اور نہ بھلاؤ اور نہ غفلت اختیار کرو۔

لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ: (تاکہ تم متقی ہو جاؤ) اس امید سے کہ تم متقی بن جاؤ۔

ثُمَّ تَوَلَّيْتُمْ: (پھر تم نے منہ موڑا) یعنی پھر تم نے میثاق اور وفاداری سے منہ موڑا۔

مِّنْ بَعْدِ ذَلِكَ: (اس کے بعد) قبول کر لینے کے بعد

وَلَقَدْ عَلِمْتُمُ الَّذِينَ اعْتَدَوْا مِنْكُمْ فِي السَّبْتِ فَقُلْنَا لَهُمْ كُونُوا قِرَدَةً

اور البتہ تحقیق تم نے ان لوگوں کو جان لیا جنہوں نے سبچہ کے دن میں زیادتی کی، سو ہم نے کہا ہو جاؤ بندر

خَسِینَ ﴿۶۵﴾ فَجَعَلْنَاهَا نَكَالًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهَا وَمَا خَلْفَهَا وَمَوْعِظَةً

ذلیل! پھر ہم نے اس کو عبرت بنا دیا ان لوگوں کے لئے جو اس وقت موجود تھے۔ اور جو بعد میں آئیوالے تھے۔ اور نصیحت بنا دیا

لِّلْمُتَّقِينَ ﴿۶۶﴾

ڈرنے والوں کے لئے۔

فضل و رحمت:

فَلَوْلَا فَضْلُ اللَّهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهُ: (اگر اللہ تعالیٰ کا فضل و رحمت نہ ہوتی) نمبر ۱۔ یعنی عذاب کو مؤخر کر کے
نمبر ۲: یا تمہیں توبہ کی توفیق دے کر اللہ تعالیٰ کا فضل و رحمت نہ ہوتا۔

لَكُنْتُمْ مِنَ الْخَاسِرِينَ: (تو تم نقصان میں پڑ جاتے) یعنی تم عذاب سے ہلاک ہو جاتے۔
وَلَقَدْ عَلِمْتُمْ: (تحقیق تم نے جانا) یعنی تم نے پہچانا۔ عَلِمَ ایک مفعول کی طرف متعدی ہے۔
الَّذِينَ اعْتَدَوْا مِنْكُمْ فِي السَّبْتِ: (ان کو جنہوں نے ہفتے کے سلسلہ میں حد سے زیادتی کی)

سبت کی تشریح:

السبت یہ مصدر ہے سبت الیہود کا جبکہ وہ ہفتے کی تعظیم کریں۔ یہود اس میں حد سے گزر گئے اور تجاوز کر گئے وہ اس طرح کہ
ان کو عبادت کے لیے ہفتے کو خالی رکھنے کا حکم کیا۔ اور اس کی تعظیم کرنے کا حکم دیا تھا۔ وہ اس دن شکار میں مشغول ہو گئے حالانکہ ان
کو اس دن شکار سے منع کیا گیا تھا۔ پھر ان کی آزمائش مزید اس طرح کی کہ سمندر میں کوئی ایسی مچھلی نہ تھی جو ہفتے کے دن اپنا منہ
پانی سے نہ نکالتی ہو۔ جب ہفتہ گزر جاتا تو منتشر ہو جاتیں۔ انہوں نے سمندر کے کنارے حوض بنا لیے اور ان کی طرف نالیاں چلا
دیں۔ مچھلیاں ہفتے والے دن ان میں داخل ہوتیں کیونکہ وہ شکار سے محفوظ تھیں۔ پس وہ سمندر سے نکلنے والی نالیوں میں بند لگا
دیتے اور اتوار کو شکار کر لیتے۔ یہ حوضوں میں روکنا ہی ان کا حد سے گزرنا تھا۔

فَقُلْنَا لَهُمْ كُونُوا قِرَدَةً خَاسِیْنَ: (پس ہم نے انہیں کہا تم ذلیل بندر بن جاؤ) پس ہو جاؤ یعنی ہماری تلوین سے

خَجَوْا: قردۃ خاسنین۔ یہ کان کی خبر ہے یعنی تم بندر اور ذلت برد کو جمع کرنے والے بنو۔

فَجَعَلْنَاهَا: (پس ہم نے کر دیا اس واقعہ کو عبرت) مسخ کو

نَكَالًا: (عبرت) اس کے لیے جو عبرت حاصل کرے۔ اس کو روکے۔

وَإِذْ قَالَ مُوسَى لِقَوْمِهِ إِنَّ اللَّهَ يَأْمُرُكُمْ أَنْ تَذْبَحُوا بَقَرَةً ۖ قَالُوا أَتَتَّخِذُنَا

اور جب کہا موسیٰ نے اپنی قوم سے بیشک اللہ تم کو حکم فرماتا ہے کہ تم ایک بیل ذبح کرو، وہ کہنے لگے کیا تو ہمارا

هُزُؤًا ۖ قَالَ أَعُوذُ بِاللَّهِ أَنْ أَكُونَ مِنَ الْجَاهِلِينَ ﴿۶۷﴾ قَالُوا ادْعُ لَنَا رَبَّكَ يُبَيِّنْ

مذاق بناتا ہے؟ موسیٰ نے کہا کہ میں اس بات سے اللہ کی پناہ لیتا ہوں کہ جاہلوں میں سے ہو جاؤں، وہ کہنے لگے کہ تو اپنے رب سے دعا کر ہمارے لئے بیان

لَنَا مَا هِيَ ۖ قَالَ إِنَّهُ يَقُولُ إِنَّهَا بَقَرَةٌ لَا فَارِضٌ وَلَا بِكْرٌ ۖ عَوَانٌ بَيْنَ

کردے کہ وہ بیل کیسا ہو، موسیٰ نے کہا بے شک اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ وہ ایسا بیل ہو جو بوزہا نہ ہو اور بالکل جوان بھی نہ ہو ان دونوں کے

ذَلِكَ ۖ فَافْعَلُوا مَا تُؤْمَرُونَ ﴿۶۸﴾

درمیان ہو، سو تم اس پر عمل کرو جس کا تم کو حکم دیا جا رہا ہے

لَمَّا بَيَّنَّ يَدِّيْهَا : (موجودہ لوگوں کے لیے) پہلوں کے لیے

وَمَا خَلَفَهَا : (اور آئندہ لوگوں کے لیے) بعد والی امتوں اور بستیوں کے لیے کیونکہ ان کا مسخ پہلی کتابوں میں ذکر کر دیا گیا۔ پس انہوں نے اس سے عبرت حاصل کی اور جن پچھلوں کو یہ پہنچی انہوں نے عبرت حاصل کی۔

مراد متقی:

وَمَوْعِظَةٌ لِّلْمُتَّقِينَ : (اور متقین کے لیے نصیحت) متقین سے مراد قوم کے وہ صالح لوگ جنہوں نے حد توڑنے سے روکا۔ یا ہر متقی کے لیے جو ان کو سنے۔

ظروف کا حکم:

وَإِذْ قَالَ مُوسَى لِقَوْمِهِ : (جب موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم کو کہا) یعنی تم یاد کرو جب موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم کو فرمایا۔ یہ نعمتی پر معطوف ہے۔ (اَذْكُرُوا نِعْمَتِيَ الَّتِي اَنْعَمْتُ عَلَيْكُمْ) [سورۃ البقرہ آیت ۴۰] گویا اس طرح ہوگا۔ ان ظروف میں جو گزرے۔ اذکرو انعمتی، اذکروا وقت انجینا ایاکم، اذکروا وقت فرقنا، اذکروا نعمتی، اذکروا وقت استسقاء موسیٰ ربہ لقومہ اور یہی حکم ان ظروف کا بھی ہے جو یہاں سے لیکر اذابتلی ابراہیم ربہ (البقرہ آیت نمبر ۱۲۴) تک آئیں گے کہ ان تمام میں اذکروا مخدوف ہوگا۔

إِنَّ اللَّهَ يَأْمُرُكُمْ أَنْ : (بے شک اللہ تعالیٰ تمہیں حکم دیتے ہیں یہ کہ)

تَذْبَحُوا بَقَرَةً : (کہ تم گائے ذبح کرو۔) تم ذبح کرو کوئی گائے۔

قَالُوا ادْعُ لَنَا رَبَّكَ يُبَيِّنْ لَنَا مَا لَوْنُهَا قَالَ إِنَّهُ يَقُولُ إِنَّهَا بَقَرَةٌ صَفْرَاءُ فَاقِعٌ لَوْنُهَا تَسُرُّ النُّظُرِينَ ﴿۶﴾ قَالُوا

وہ کہنے لگے کہ تو اپنے رب سے دعا کر ہمارے لئے بیان فرمادے کہ اس بیل کا رنگ کیسا ہو موسیٰ نے کہا کہ بیشک وہ فرماتا ہے کہ وہ تیز رنگ کا پیلا بیل موجود ہو جو دیکھنے والوں کو خوش کرتا ہو وہ کہنے لگے

ادْعُ لَنَا رَبَّكَ يُبَيِّنْ لَنَا مَا هِيَ ۚ إِنَّ الْبَقَرَ تَشَبَهَ عَلَيْنَا ۚ وَ إِنَّا إِن شَاءَ اللَّهُ

کہ تو اپنے رب سے ہمارے لئے دعا کر ہمارے لئے بیان فرمادے کہ اس بیل کی پوری کیا حقیقت ہے؟ بیشک بیلوں کے بارے میں ہم کو اشتباہ ہو رہا ہے اور اللہ نے چاہا تو ہم ضرور راہ

لَمُهْتَدُونَ ﴿۷﴾ قَالَ إِنَّهُ يَقُولُ إِنَّهَا بَقَرَةٌ لَا ذَلُولٌ تُثِيرُ الْأَرْضَ وَلَا تَسْقِي

پالیں گے موسیٰ نے کہا بیشک وہ فرماتا ہے کہ وہ ایسا بیل ہو جو صحیح سالم نکلا نہ ہو گیا ہو۔ وہ نہ زمین کو پھاڑتا ہو اور نہ کھیتی کو سیراب

الْحَرْثَ ۚ مُسَلَّمَةٌ لَا شِيَةَ فِيهَا ۚ قَالُوا الْئِنَّ جِئْتَ بِالْحَقِّ ۚ فَذَبَحُوهَا

کرتا ہو اس میں ذرا کوئی دھبہ نہ ہو، وہ کہنے لگے کہ اب تم نے نیک طرح بیان کیا ہے۔ لہذا انہوں نے وہ بیل ذبح کر دیا

وَمَا كَادُوا يَفْعَلُونَ ﴿۸﴾

اور حال یہ ہے کہ وہ ایسا کر نیوالے نہ تھے۔

علماء مفسرین نے فرمایا۔ قصہ کا اول حصہ تلاوت میں مؤخر ہے اور وہ اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے۔ وَادْفَعْتُم نَفْسًا فَادَّارَءُ تُمْ

فِيهَا۔ سورۃ البقرہ آیت نمبر: ۷۲۔

حقیقت واقعہ:

واقعہ اس طرح تھا کہ ایک خوش حال آدمی جس کا نام عامیل تھا۔ اس کو اس کے چچا زاد بھائیوں نے جانداد کی خاطر قتل کر دیا تھا۔ اور شہر کے دروازے پر اس کی لاش پھینک دی۔ پھر اس کے خون کا مطالبہ لیکر آگئے اللہ تعالیٰ نے ان کو گائے ذبح کرنے کا حکم دیا اور میت کو گائے کے گوشت کا کوئی حصہ لگانے کا حکم دیا۔ اس سے وہ زندہ ہو کر اپنے قاتل کی خبر دے گا۔

قَالُوا اتَّخَذْنَا هُزُؤًا: (انہوں نے کہا کیا تو ہم سے مذاق کر رہا ہے؟) یعنی کیا تو ہمیں مذاق کی جگہ سمجھتا ہے یا مذاق والے سمجھتا ہے۔ یا تو ہمیں زیادہ استہزاء کی وجہ سے مجسمہ مذاق سمجھتا ہے۔

قراءت: هُزُؤٌ ہمزہ اور زاء کے سکون کے ساتھ۔ حمزہ کے ہاں اور دونوں ضمہ اور واؤ کے ساتھ حفص کے ہاں هُزُؤٌ البقیہ قراءت نے تشقیل اور ہمزہ کے ساتھ پڑھا۔

قَالَ اَعُوذُ بِاللَّهِ اَنْ اَكُوْنَ مِنَ الْجَاهِلِيْنَ: (میں اللہ کی پناہ چاہتا ہوں اس سے کہ میں نادان بنوں) عیاذ اور لیاذ کے لفظ ہم معنی ہیں۔ ان اکون من الجاہلین۔ کیونکہ ایسے موقع پر مذاق یہ جہالت و حماقت ہے۔ اس میں ان پر تعریض کی کہ تم نے میری

طرف استہزاء کی نسبت کر کے جہالت کا ارتکاب کیا ہے۔

قَالُوا اذْعُ لَنَا رَبَّكَ يُبَيِّنْ لَنَا مَا هِيَ: (انہوں نے کہا تو پوچھ ہمارے لیے اپنے رب سے کہ وہ بیان فرمادے کہ وہ کیسی ہو) اس میں گائے کی حالت اور صفت کے متعلق سوال ہے۔

ایک سوال و جواب:

سوال: ما سے سوال تو جنس کے متعلق ہوتا ہے پھر اس سے وصف کے متعلق سوال کیونکر؟

جواب: کبھی کبھی ما کیف کی جگہ آتا ہے۔ اور وہ اس طرح کہ انہوں نے مردہ گائے کے بارے میں تعجب کیا کہ جس کا بعض حصہ مردہ کو لگانے سے مردہ زندہ ہو جائے گا۔ پس انہوں نے اس عجیب حالت والی گائے کے متعلق سوال کیا۔ گویا انہوں نے یہ سمجھا کہ وہ نام گائے کا ہوگا جس کوئی اور ہوگی اس لیے ماہی سے سوال کیا۔ ترکیب: ہی مبتداء ما اس کی خبر ہے۔

وجہ فارض:

قَالَ إِنَّهُ يَقُولُ إِنَّهَا بَقَرَةٌ لَا فَارِضٌ: (حضرت موسیٰ نے کہا وہ فرماتے ہیں کہ وہ ایک گائے ہے نہ بوڑھی) فارض کا معنی۔ بوڑھی۔ اس کو فارض کہنے کی وجہ یہ بھی ہے کہ اس نے عمر کو کاٹا ہے۔ اور اس کی انتہاء کو پہنچ چکی ہے۔

مُخَوَّرٌ: فارض مرفوع ہے اس لیے کہ یہ بقرہ کی صفت ہے۔

وَلَا بَكْرٌ: (نہ بن بیاہی) جوان۔ اس پر عطف ہے

عَوَانٌ: (درمیان کی)۔ نصف عمر والی۔

بَيْنَ ذَلِكَ: (ان کے درمیان) جوان اور بوڑھی کے درمیان۔

سوال: لا فارض ولا بکر فرمایا بین ذیلک نہیں فرمایا اس کے باوجود کہ بین دو یا دو سے زیادہ کا تقاضا کرتا ہے۔

جواب: کیونکہ مراد بین هذا المذکور ہے۔ اور وہ اسی عنوان سے یعنی ذلک کا مشار الیہ فارض و بکر ہے عمرین متعدد کا تقاضا کرتا ہے۔

قاعدہ: کبھی ضمیر اس میں اسم اشارہ کی جگہ استعمال ہوتی ہے ابو عبیدہ کہتے ہیں میں نے رؤبہ شاعر سے اس قول کے متعلق پوچھا۔

فِيهَا خَطُوطٌ مِنْ سَوَادٍ وَبَلَقَ ☆ كَانَهُ فِي الْجِلْدِ تَوَلُّعَ الْبُهْقِ

اس میں سیاہ و سفید خطوط ہیں۔ گویا کہ چمڑے پر برص کے داغ ہیں۔

ضمیر سے مراد خطوط ہو تو کانہا اور اگر سواد بلاق ہو تو کانہما۔ تو اس نے کہا میں نے کانہ سے کان ذاک مراد لیا۔

فَفَعَلُوا مَا تَأْمُرُونَ: (پس تم کرو جس کا تمہیں حکم دیا گیا) یہ اصل میں تو مروون تھا۔ یا مرکب بمعنی مامور ہے مفعول کو مصدر کا نام دے دیا۔ جیسے ضرب الامیر۔ اے مضروبہ

قَالُوا اذْعُ لَنَا رَبَّكَ يَبِينُ لَنَا مَا لُونُهَا: (وہ کہنے لگے ہمارے لیے اپنے رب سے دریافت کرو کہ وہ اچھی طرح سمجھا دے اس کا رنگ)

استفہام ونحو:

ما مرفوع ہے کیونکہ اس کا معنی استفہام کا ہے۔ تقدیر عبارت یہ ہے اذع لنا ربك یبین لنا ای شیء لونها تو ہمارے لیے اپنے رب سے دریافت کرو کہ وہ اچھی طرح بتا دے کہ کیا حقیقت ہے اس کے رنگ کی۔
قَالَ إِنَّهُ يَقُولُ إِنَّهَا بَقَرَةٌ صَفْرَاءُ فَاقِعٌ لَوْنُهَا: (حضرت موسیٰ نے فرمایا وہ فرماتے ہیں بے شک وہ گہرے زرد رنگ کی ہو) الفقوع۔ انتہائی زرد۔ فاقع کا لفظ صفراء کی تاکید ہے یہ لونہا کی خبر نہیں۔ مگر اس میں رنگ اتنا ہی بلند ہوا جتنا فاعل بلند ہوا۔ یعنی خوب زرد گائے۔ البتہ اس میں تذکیر و تانیث کا فرق نہیں۔ صغیراء فاقعہ اور صفراء فاقع دونوں درست ہیں۔ لونہا کا لفظ لا کرتا کید کا فائدہ مقصود ہے کیونکہ لون ایک عارضی ہیئت کا نام ہے اور وہ زردی ہے گویا اس طرح فرمایا شدید الصفرة صفر تھا کہ بہت زیادہ زرد ہے اس کی زردی اور یہ اس قول کی طرح ہے۔ جدہ جدہ اس نے خوب درخوب کوشش کی۔

سرور کیا ہے؟

تَسْرُّ النَّظِيرِينَ: (دیکھنے والوں کو بھلی لگتی ہو) اپنے رنگ کی خوبصورتی کی وجہ سے۔ السرور۔ نفع یا اس کی توقع کے موقع پر دل میں حاصل ہونے والی لذت کو کہتے ہیں۔

نکتہ: حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ من لبس نعلًا صفراء قلّ همتہ

جس نے زرد جوتا پہنا اس کا غم کم ہو گیا۔ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: تسر الناظرین وہ دیکھنے والے کو خوش کر دے۔ گویا یہ سرور کی علامت ہے۔

قَالُوا اذْعُ لَنَا رَبَّكَ يَبِينُ لَنَا مَا هِيَ: (وہ کہنے لگے ہمارے لیے اپنے رب سے پوچھو کہ ہمیں اچھی طرح سمجھا دے کہ وہ کس قسم میں ہے) یہ پہلے سوال کا تکرار ہے جو گائے کی حالت اور صفت کے متعلق مزید انکشاف کیلئے کیا گیا تا کہ اچھی طرح وضاحت ہو جائے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے کہ اگر وہ کسی بھی گائے کو لے کر ذبح کر دیتے تو وہ ان کے لیے کافی ہو جاتی۔ لیکن انہوں نے سختی کی پس اللہ تعالیٰ نے بھی ان پر سختی کر دی۔ (رواہ البزار، وابن ابی حاتم) اور کسی چیز کے پیچھے پڑ جانا نحوست ہے۔

إِنَّ الْبَقَرَ تَشْبَهُ عَلَيْنَا: (بے شک گائے ہم پر مل جل گئی ہے) بلاشبہ درمیانی عمر اور زرد رنگ گائیں تو بہت ہیں پس ہمیں شبہ پڑ گیا ہے۔ (کہ کوئی گائے سے ہمارا مقصد پورا ہوگا)

وَأَنَا إِنْ شَاءَ اللَّهُ لَمُهْتَدُونَ: (اور اگر اللہ نے چاہا تو ہم راہ پانے والے ہونگے) اللہ نے چاہا تو ہم گائے ذبح کرنے کی طرف راہ پانے والے ہیں۔ یا یہ مطلب ہے کہ ہم قاتل کے سلسلہ میں راہنمائی پالیں گے

نحو: ان شاء اللہ جملہ معترضہ ہے۔ جو ان کے اسم و خبر کے درمیان واقع ہے

ان شاء اللہ کی برکت:

حدیث میں ہے اگر وہ انشاء اللہ نہ کہتے ابد الابد تک اس گائے کا پتہ نہ پاتے۔ (ابن جریر بسند معصل)
 قَالَ إِنَّهُ يَقُولُ إِنَّهَا بَقَرَةٌ لَا ذَلُولَ تُثِيرُ الْأَرْضَ: (کہا اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں وہ ایک گائے ہے نہ محنت والی نہ زمین) ذلول یہ
 بقرہ کی صفت ہے مطلب یہ ہے کہ بقرہ غیر ذلول یعنی محنت اور زمین میں جوتنے کا اسے عادی نہ بنایا ہو۔
 وَلَا تَسْقِي الْحَرْثَ: (اور نہ کھیتی کو پانی دیتی ہو) اور نہ وہ ان پانی کھینچنے والیوں میں سے ہو۔ جن سے کھیتوں کو پانی پلانے کا
 کام لیا جاتا ہے۔

نحو: پہلا لانا فیہ اور دوسرا پہلے کی تاکید کے لیے لایا گیا۔ اس کا مطلب یہ ہوگا۔ کہ نہ اس سے زراعت کا کام لیا جاتا ہو اور نہ
 کھیتی کو پانی پلایا جاتا ہو۔ اس طرح دونوں فعل ذلول کی صفت ہیں۔ پس مطلب یہ ہوا وہ ہل چلانے اور پانی پلانے کی عادی نہ ہو۔
 مُسَلَّمَةٌ: (بے عیب ہو) وہ عمل کے اثرات اور عیوب سے پاک ہو۔

شیۃ کا مفہوم:

لَا شِیْئَہَ فِیْہَا: (نہ ہواغ اس میں) دوسرے رنگ کا۔ یعنی اس کے رنگ میں زردی کے سواء دوسرے رنگ کا ایک دھبہ بھی نہ ہو
 وہ مکمل زرد ہو یہاں تک کہ اس کے سینگ اور کھر بھی۔

یہ اصل میں و شاہ و شیاً و و شیۃ کہتے ہیں۔ جب اس کے رنگ کے ساتھ دوسرا رنگ ملا ہو۔
 قَالُوا النَّنْ جُنْتُ بِالْحَقِّ: (وہ بولے ہاں اب تو لایا ٹھیک بات) وہ کہنے لگے اب ہم نے گائے کی پوری تعریف بیان کر دی۔ اور
 اس کے سلسلہ میں کوئی اشکال نہیں رہا۔

قراءت: ابو عمرو کہتے ہیں۔ جِئْتُ اور اس کا باب بلا ہمزہ ہے۔
 فَذَبَحُوْهَا: (پس انہوں نے اس کو ذبح کیا) پھر انہوں نے ایسی گائے حاصل کر لی جو ان تمام اوصاف کی جامع تھی۔ پھر اس کو
 ذبح کیا۔

تفسیر وما کا دوا:

وَمَا كَادُوا يَفْعَلُونَ: (اور وہ ایسا کرنے والے نہ تھے) نہ لگتے تھے کہ ایسا کریں گے۔ اس کی قیمت زیادہ ہونے کی وجہ سے یا
 قاتل کے ظاہر ہونے پر رسوائی کے خوف سے۔ روایت میں ہے کہ بنی اسرائیل کے ایک نیک آدمی کے ہاں ایک بچھڑی تھی۔ وہ
 اس کو درختوں کے جھنڈ میں لایا۔ اور چھوڑ کر کہنے لگا۔ اے اللہ اس کو میں تیری امان میں دیتا ہوں۔ اپنے بیٹے کے بڑا ہونے تک وہ
 اپنے والدین کے ساتھ احسان کرنے والا تھا۔ پس گائے سلامت رہی۔ وہ سب سے بہترین موٹی گائے تھی۔ پس انہوں نے اس
 یتیم اور بیوہ کے ساتھ سودا کیا۔ یہاں تک کہ اس کی کھال میں سونا بھر کر دینے کے بدلے میں خریدا۔ حالانکہ اس وقت گائے کی
 قیمت تین دینار ہوتی تھی۔ انہوں نے ان صفات والی گائے کو چالیس سال ڈھونڈا۔

وَإِذْ قَتَلْتُمْ نَفْسًا فَادَرَأْتُمُ فِيهَا ۖ وَاللَّهُ مُخْرِجٌ مَّا كُنْتُمْ تَكْتُمُونَ ﴿۷۲﴾

اور جب تم نے ایک جان قتل کر دیا پھر اس کے بارے میں ایک دوسرے پر ڈالنے لگے اور اللہ تعالیٰ کو منظور تھا کہ اس کو ظاہر فرمائے جس کو تم چھپا رہے ہو،

فَقُلْنَا اضْرِبُوهُ بَعْضَهَا ۖ كَذَلِكَ يُخَيِّ اللَّهُ الْمَوْتَى ۖ وَيُرِيكُمْ آيَاتِهِ لَعَلَّكُمْ

پس ہم نے حکم دیا کہ اس کا ایک حصہ اس میں مارو، ایسا ہی اللہ تعالیٰ زندہ فرماتا ہے مردوں کو، اور دکھاتا ہے تم کو اپنی نشانیاں تاکہ تم

تَعْقِلُونَ ﴿۷۳﴾

عقل سے کام لو۔

وجود فعل سے پہلے نسخ:

اصل یہ وضاحت مطلق کو مقید کرنے کی قسم سے ہے۔ پس نسخ ہوا اور فعل کے وجود سے قبل نسخ جائز ہے بلکہ اس پر اختیار سے قبل بھی ہمارے ہاں جائز ہے البتہ معتزلہ کا اس میں اختلاف ہے۔

وَإِذْ قَتَلْتُمْ نَفْسًا : (جب تم نے ایک نفس کو قتل کیا) یہاں بھی اذکر و امقدر ہے۔ جماعت کو مخاطب کیا۔ کیونکہ واقعہ قتل ان میں پیش آیا تھا۔

ٹالنا کیا ہے؟

فَادَرَأْتُمُ فِيهَا : (پھر ایک دوسرے پر ٹالنے لگے) پس تم نے اختلاف کیا۔ اور اس کے معاملے میں ایک دوسرے سے جھگڑنے لگے۔ اس لیے کہ دونوں جھگڑنے والے اپنے سے بات کو ہٹا کر دوسرے پر دھرتے ہیں۔ یا تم نے اس کا قتل ایک دوسرے پر ڈالا پس جس پر ڈالا جاتا وہ ڈالنے والے پر ٹالتا یا پھینکنا بذات خود دھکیلنا ہے۔

صرف:

اور اس کا اصل تدارا تم ہے پھر تخفیف کے لیے تاء کو دال سے بدل کر اس کی جنس سے کر دیا۔ جو کہ فاء کلمہ ہے تاکہ ادغام ہو سکے۔ دال کو ساکن کیا۔ اس لیے کہ شرط ادغام پہلے کا ساکن ہونا ہے۔ پھر ہمزہ وصل بڑھایا۔ اس لیے کہ ساکن سے ابتداء ممکن نہیں۔

قراءت: ابو عمرو نے فَاذَرَأْتُمْ بغیر ہمزہ پڑھا ہے

وَاللَّهُ مُخْرِجٌ مَّا كُنْتُمْ تَكْتُمُونَ : (اور اللہ تعالیٰ اس کو ظاہر کرنے والے تھے جو تم چھپاتے تھے)

یعنی ہر صورت ظاہر کرنے والے تھے۔ جو تم قتل کے معاملے میں چھپاتے تھے۔ کہ وہ اس کو چھپانہ رہنے دیں گے۔

مَخْرُجٌ : صیغہ اسم فاعل مخرج بمعنی مستقبل ہے۔ کیونکہ کلام کے وقت زمانہ مستقبل کی حکایت کر رہا ہے۔ اس لیے اسے عمل دیا

گیا۔ یہ جملہ معترضہ ہے جو معطوف اور معطوف علیہ کے درمیان واقع ہوا ہے۔ اور وہ فادار اتم اور فقلنا ہے۔

اضربوہ کی ضمیر:

فَقُلْنَا اضْرِبُوْهُ: (ہم نے کہا تم مارو اس کو) اضربوہ میں ضمیر نفس کی طرف لوٹتی ہے اور مذکر لائی گئی ہے بتاویل شخص و انسان یا مقتول کی طرف لوٹتی ہے اس لیے کہ آیت ما کنتم تکتُمون اسی پر دلالت کرتی ہے۔

بِبَعْضِهَا: (اس کے کسی حصے کے ساتھ) گائے کے ایک ٹکڑے سے اور وہ اس کی زبان تھی یا دائیں ران یا دم کی ہڈی اور مطلب یہ ہوا کہ انہوں نے لیکر لگایا تو وہ زندہ ہو گیا۔

كَذٰلِكَ يُحْيِي اللّٰهُ الْمَوْتٰى: (اسی طرح اللہ تعالیٰ مردوں کو زندہ کرتا ہے)

تفسیر آیت ۷۳:

كَذٰلِكَ يُحْيِي اللّٰهُ الْمَوْتٰى کی اس پر دلالت ہونے کی وجہ سے اس کو حذف کر دیا گیا۔ روایت میں ہے کہ جب انہوں نے اس کا ٹکڑا مردہ کو لگایا تو وہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے اٹھ کھڑا ہوا۔ اور کہا کہ مجھے میرے فلاں فلاں بچا زاد بھائیوں نے قتل کیا ہے۔ یہ کہہ کر مردہ ہو کر گر پڑا۔ پس اس کے قاتل کو پکڑ لیا گیا۔ اور اس کے بدلے میں قتل کر دیا گیا۔ (اور اس کا قاتل میراث سے محروم رہا) اور اس کے بعد کوئی قاتل مقتول کا وارث نہیں ہوا (كَذٰلِكَ يُحْيِي اللّٰهُ الْمَوْتٰى۔ نمبر ۱۔ خواہ یہ ان لوگوں کو خطاب ہو جو منکرین زمانہ نبوت محمد صلی اللہ علیہ وسلم میں تھے۔

نمبر ۲: یا ان لوگوں کو خطاب ہو جو اس مقتول کے زندہ ہونے کے وقت موجود تھے۔

اس صورت میں معنی یہ ہے کہ ہم نے ان کو کہا اسی طرح اللہ تعالیٰ مردوں کو زندہ کریں گے قیامت کے دن۔

وَيُؤَيِّنْكُمْ اِلَيْهِ: (اور تمہیں اپنی قدرت کی نشانیاں دکھاتا ہے) آیات سے مراد قدرت باری تعالیٰ کے دلائل ہیں

اندازِ دلیل:

لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ: (شاید کہ تم سمجھ جاؤ) پھر اپنی عقلوں کے مطابق عمل کرو۔ اور وہ یہ ہے جو ایک نفس کو زندہ کرنے کی قدرت رکھتا ہے وہ اسی طرح تمام مردوں کو بھی زندہ کرنے کی قدرت رکھتا ہے۔ اس میں کسی کی تخصیص نہیں۔

خصوصی نکات:

گائے کو ذبح کر کے مقتول کے جسم سے لگانے میں حکمت۔ نمبر ۱: یہ ہے کہ اگرچہ اللہ تعالیٰ بلا واسطہ اس سبب کے بھی زندہ کر سکتے ہیں۔ مگر بتلایا کہ طلب کرنے پر عبادت کو عمدہ طریق سے پیش کرنا چاہیے۔

نمبر ۲: اور بندوں کو تعلیم دی کہ معاملات میں شدت نہ اختیار کریں۔ اور

نمبر ۳: جلدی سے بلا تفتیش اللہ تعالیٰ کے اوامر کی تعمیل کریں۔

نمبر ۴: کثرت سوال سے گریز کریں وغیرہ۔ اور یہ بھی کہا گیا کہ دوسرے جانوروں کی بجائے خصوصیت سے گائے کے ذبح کرنے

کا حکم دیا۔ اس کی وجہ یہ ہے۔

نمبر ۱: اس لیے کہ وہ ان کے ہاں اونچی قسم کی قربانی شمار ہوتی ہے۔

نمبر ۲: اس لیے بھی کہ انہوں نے پچھڑے کی پوجا کی تھی۔ اللہ تعالیٰ نے ارادہ فرمایا کہ ان کے معبود کی ان کے ہاتھوں ہی تذلیل ہو جائے

تنبیہ عجیب:

سوال: مناسب یہ تھا کہ مقتول کا تذکرہ اور اس کو گائے کا ٹکڑا لگانے کا حکم ذبح کے حکم سے مقدم ہوتا اور اس طرح کہا گیا (وَ اِذْ قَتَلْتُمْ نَفْسًا فَاٰذَرْتُمْ فِيْهَا) فَقُلْنَا اَذْبَحُوا بِقَرَّةٍ وَاَضْرِبُوْهُ بِعَضَاهَا۔ کہ جب تم نے ایک نفس کو قتل کر کے اس کے معاملے کو ایک دوسرے پر ٹالا ہے۔ تو ہم نے کہا تم ایک گائے ذبح کرو۔ اور اس مقتول کو گائے کا کوئی ٹکڑا لگاؤ۔

جواب: لیکن اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کے واقعات کو بیان کیا۔ اور ان سے سرزد ہونے والے گناہوں کو شمار کرا کر موجودہ لوگوں کو ان پر خبردار کیا۔ یہ دونوں واقعات اگرچہ مستقل ہیں مگر ان میں سے ہر ایک ایک قسم کی تنبیہ اپنے اندر لئے ہوئے ہے پس پہلا واقعہ استہزاء پر تنبیہ کے لیے ہے اور اطاعت حکم میں فوری اطاعت نہ کرنے اور اس کے متعلقات پر تنبیہ ہے جبکہ دوسرا واقعہ حرمت والے نفس کو قتل کرنے اور اس کے پیچھے جو بڑی نشانی ظاہر ہوئی اس پر خبردار کرنے کے لیے ہے گائے کو ذبح کرنے والے واقعہ کو مقتول کے تذکرہ سے مقدم کیا کیونکہ اگر اس کا الٹ ہوتا۔ تو پھر یہ ایک ہی واقعہ بن جاتا۔ اور بار بار تنبیہ والا مقصد فوت ہو جاتا۔

عجیب نکتہ:

میرے دل میں دوسرے پورے واقعہ کو دیکھنے اور شروع سے قصہ دہرانے کے بعد ایک عجیب نکتہ پیدا ہوا کہ پہلے واقعہ کے ساتھ دوسرے واقعہ کو ضمیر سے ملایا۔ جو گائے کی طرف لوٹ رہی ہے گائے کا نام نہیں لیا۔ اس آیت میں فرمایا: اَضْرِبُوْهُ بِعَضَاهَا تاکہ دونوں کا الگ واقعہ ہونا معلوم ہو کر تنبیہ کا مقصد حاصل ہو۔ اور ادھر ضمیر گائے کی طرف لوٹتی ہے۔ اس لیے ایک ہی واقعہ ہونا معلوم ہوا۔

نکتہ: اس واقعہ سے اشارہ ملتا ہے کہ جو شخص یہ ارادہ رکھتا ہو۔ کہ وہ اپنے دل کو مشاہدات الہیہ سے زندہ کرے وہ اپنے نفس کو مختلف قسم کے مجاہدات سے مارے۔ پھر یہ مقصد حاصل ہوگا۔

ثُمَّ قَسَتْ قُلُوبُكُمْ مِّنْ بَعْدِ ذَلِكَ فَهِيَ كَالْحِجَارَةِ أَوْ أَشَدُّ قَسْوَةً وَإِنَّ

پھر اس کے بعد تمہارے دل سخت ہوئے، سو وہ ایسے ہو گئے جیسے پتھر ہوں یا ان سے بھی زیادہ سخت اور بلاشبہ

مِنَ الْحِجَارَةِ لَمَا يَتَفَجَّرُ مِنْهُ الْأَنْهَارُ وَإِنَّ مِنْهَا لَمَّا يَشَقُّ فَيَخْرُجُ

بعض پتھر ایسے ہیں جن سے نہریں جاری ہو جاتی ہیں اور بلاشبہ ان میں بعض ایسے ہیں جو پھٹ جاتے ہیں پھر

مِنْهُ الْمَاءُ وَإِنَّ مِنْهَا لَمَّا يَهْبِطُ مِنْ خَشْيَةِ اللَّهِ وَمَا اللَّهُ بِغَافِلٍ عَمَّا

ان سے پانی نکلتا ہے۔ اور بلاشبہ ان میں بعض ایسے ہیں جو اللہ کے ڈر سے گر پڑتے ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ ان کاموں سے بے خبر نہیں ہیں جن کو

تَعْمَلُونَ ﴿٧٤﴾

تم کرتے ہو۔

تَفْسِيرُ آيَةِ ٤٢:

ثُمَّ قَسَتْ قُلُوبُكُمْ (پھر سخت ہو گئے تمہارے دل) ثُمَّ یہاں استبعاد قسوت کیلئے ہے یعنی نرمی کے اتنے اسباب دیکھنے پر تمہاری قساوت بڑی بعید ہے۔

مِّنْ بَعْدِ: (اس کے بعد) ان مذکورہ اسباب کے بعد جو دلوں میں نرمی و رقت پیدا کرنے والے ہیں اور دلوں کی صفت قسوت سے کرنا درحقیقت وعظ و عبرت سے ان کے انکار کی تمثیل ہے

ذَلِكَ: (اس) اس احیاء مقتول کے بعد ذَلِكَ کا مشار الیہ احیاء مقتول ہے۔ یا وہ تمام مقررہ نشانیاں جو پہلے گزریں۔

نَحْوِ لَطَافٍ:

فَهِيَ كَالْحِجَارَةِ: (پس وہ پتھر کی طرح) وہ اپنی سختی میں پتھر کی طرح ہیں۔

أَوْ أَشَدُّ قَسْوَةً: (یا اس سے زیادہ سخت) یا اس سے سختی میں زیادہ بڑھ کر ہیں۔ اشد کا عطف کاف پر ہے۔ تقدیر عبارت یہ ہے۔

او مثل اشد قسوة۔ مضاف کو حذف کر کے مضاف الیہ کو اس کے قائم مقام کر دیا۔ یا وہ بذات خود اس سے زیادہ سخت ہیں۔

مطلب یہ ہوا کہ جو ان دلوں کا حال پہچانے تو وہ ان کو پتھر سے تشبیہ دے یا کسی اور جوہر سے جو پتھر سے زیادہ سخت ہو اور وہ لوہا ہے۔

یا پہچاننے والا ان کو پتھر سے تشبیہ دے یا وہ کہے کہ یہ پتھروں سے زیادہ سخت ہیں۔ اشد کے لفظ میں جو مبالغہ ہے وہ اسی کے لفظ میں

نہیں اور مفضل علیہ یعنی حجارہ کے لیے ضمیر نہیں لائی گئی کیونکہ وہ ظاہر تھا۔ اور اس میں کوئی التباس نہیں مثلاً کہتے ہیں زید کریم

وعمر واکرم۔

تختی کا بیان:

وَأَنَّ مِنَ الْحِجَارَةِ لَمَا يَتَفَجَّرُ مِنْهُ الْأَنْهَارُ: (اور بے شک بعض پتھروں سے نہریں پھوٹ کر نکلتی ہیں) یہ پتھروں سے ان کے دلوں کی تختی کے زیادہ ہونے کا بیان ہے۔

صرف: مَا يَهْدِي الذِّكْرُ: (مذہب کے معنی میں ہے۔ موضع نصب میں اِنَّ کا اسم ہے اور لام تاکید کا ہے۔ التفجر: کسی چیز کا زیادہ اور کثرت سے کھلنا۔

وَأَنَّ مِنْهَا لَمَّا يَشْقُقُ: (اور بعض ان میں پھٹ جاتے ہیں) اس کا اصل یتشقق ہے اعمش نے اس طرح پڑھا ہے تاہم کوشین سے بدل کر اس میں اوغام کر دیا۔

فَيَخْرُجُ مِنْهُ الْمَاءُ: (پس ان سے پانی نکلتا ہے) یعنی پتھروں میں ایسے پتھر بھی ہیں۔ جن میں بڑے بڑے سوراخ ہوتے ہیں۔ جن سے کثیر پانی ٹھاٹھیں مار کر ابلتا ہے اور بعض پتھر ایسے ہیں جو لمبائی یا چوڑائی میں پھٹ جاتے ہیں۔ پھر ان سے بھی پانی اُبلنے لگتا ہے۔ مگر ان کے دلوں میں تری بھی نہیں۔ (یعنی منفعت کا نام بھی نہیں)

وَأَنَّ مِنْهَا لَمَّا يَهْبِطُ: (اور بعض ان میں سے گر پڑتے ہیں) پہاڑ کی بلندی سے گر پڑتے ہیں۔

خشیت کی حقیقت:

مِنْ خَشْيَةِ اللَّهِ: (اللہ کے خوف سے) نمبر ۱: بعض نے کہا کہ یہ مجاز ہے مراد اللہ تعالیٰ کے حکم کا مطیع ہونا ہے کہ جو اللہ تعالیٰ ان میں ارادہ کرتے ہیں۔ اس سے باز نہیں رہتے مگر ان کفار کے دل نہ اطاعت اختیار کرتے ہیں اور نہ ہی وہ کرتے ہیں جس کا انہیں حکم ملتا ہے۔

نمبر ۲: یہ بھی کہا گیا کہ خشیت کا حقیقی معنی مراد ہے۔ مطلب یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ ان میں زندگی و تمیز پیدا کر دیتے ہیں۔ اور کسی جسم میں زندگی اور تمیز کے لیے کسی خاص معصیت کا ہونا ضروری نہیں۔ عند اهل السنة۔ اور قرآن مجید میں سورۃ حشر کی آیت نمبر ۲۱۔ لَوْ أَنْزَلْنَا هَذَا الْقُرْآنَ عَلَى جَبَلٍ کی تفسیر بھی اسی طرح ہے۔ یعنی ان کے دل نہیں ڈرتے۔

وَمَا اللَّهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُونَ: (اور اللہ تعالیٰ اس سے بے خبر نہیں جو تم کرتے ہو) یہ کفار کو دھمکی ہے ابن کثیر مکی نے تعملون کو بے عملوں سے تعملون پڑھا۔

اَفْتَطْمَعُوْنَ اَنْ يُؤْمِنُوْا لَكُمْ وَقَدْ كَانَ فَرِیْقٌ مِّنْهُمْ یَسْمَعُوْنَ کَلِمَ اللّٰهِ ثُمَّ

کیا تم لوگ یہ امید رکھتے ہو کہ یہودی تمہارے کہنے سے ایمان لے آئیں گے اور حال یہ ہے کہ ان میں سے کچھ لوگ ایسے تھے جو اللہ کا کلام سنتے رہے ہیں۔ پھر

یُحَرِّفُوْنَهُ مِنْۢ بَعْدِ مَا عَقَلُوْهُ وَهُمْ یَعْلَمُوْنَ ۝۷۵

اس میں تحریف کرتے رہے ہیں۔ اس کے بعد کہ وہ اس کو سمجھتے تھے اور جانتے تھے۔

تفسیر آیت ۷۵:

اَفْتَطْمَعُوْنَ: (کیا تم توقع رکھتے ہو) یہ خطاب رسول اللہ ﷺ اور مؤمنین کو فرمایا۔

اَنْ یُّؤْمِنُوْا لَكُمْ: (کہ وہ تم پر اعتماد کریں) کہ تمہاری دعوت کی وجہ سے ایمان لے آئیں گے۔ اور تمہاری بات قبول کر لیں گے۔

جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے سورۃ العنکبوت آیت نمبر ۲۶ میں فرمایا فَاٰمَنَ لَهُ لُوطٌ (ان کی دعوت پر لوط ایمان لائے) یعنی یہ یہود۔

وَقَدْ كَانَ فَرِیْقٌ مِّنْهُمْ: (حالانکہ ان میں ایک جماعت ایسی ہے) یعنی ان میں سے جو گزرے ایک گروہ ہے

یَسْمَعُوْنَ کَلِمَ اللّٰهِ: (جو اللہ تعالیٰ کا کلام سنتے ہیں) یعنی تورات

ثُمَّ یُحَرِّفُوْنَهُ: (پھر اس کو بدل دیتے ہیں) جس طرح انہوں نے صفات رسول اللہ ﷺ اور آیت رجم کو بدل ڈالا۔

مِنْۢ بَعْدِ مَا عَقَلُوْهُ: (اس کے بعد کہ انہوں نے اس کو سمجھا) اور عقلوں میں منضبط کر لیا۔ بٹھالیا

تحریف ان کی عادت:

وَهُمْ یَعْلَمُوْنَ: (اور وہ جانتے ہیں) کہ وہ جھوٹے مفتری ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ کفر اور تحریف ان کی پرانی عادت ہے۔

وَإِذَا لَقُوا الَّذِينَ آمَنُوا قَالُوا آمَنَّا وَإِذَا خَلَا بِعَضُفُهُمْ إِلَىٰ بَعْضٍ قَالُوا

اور جب ملاقات کرتے ہیں ان لوگوں سے جو ایمان لائے تو کہتے ہیں ہم ایمان لے آئے ہیں اور جب آپس میں ایک دوسرے کے پاس تنہائی میں ہوتے ہیں تو کہتے ہیں

أَتُحَدِّثُكَ بِمَا فَتَحَ اللَّهُ عَلَيْكُمُ لِيُخَاجِبَكُمْ بِهِ عِنْدَ رَبِّكُم ۖ أَفَلَا تَعْقِلُونَ ﴿۷۶﴾

کیا تم ان کو وہ چیزیں بتاتے ہو جو اللہ تعالیٰ نے تم پر کھولی ہیں تاکہ یہ لوگ ان کے ذریعے اللہ کے پاس حجت میں تم کو مغلوب کر دیں۔ کیا تم سمجھ نہیں رکھتے ہو؟

أَوَلَا يَعْلَمُونَ أَنَّ اللَّهَ يَعْلَمُ مَا يُسِرُّونَ وَمَا يُعْلِنُونَ ﴿۷۷﴾

کیا یہ لوگ نہیں جانتے کہ بلاشبہ اللہ تعالیٰ جانتا ہے جو کچھ چھپاتے ہیں اور جو کچھ ظاہر کرتے ہیں۔

وَإِذَا لَقُوا: (جب وہ ملتے ہیں) یعنی منافقین یا یہود

الَّذِينَ آمَنُوا: (ایمان والوں سے) یعنی اصحاب محمد ﷺ میں سے مخلص لوگوں سے۔

قَالُوا: (کہتے ہیں) منافقین۔

آمَنَّا: (ہم ایمان لائے) کہ تم حق پر ہو اور محمد ﷺ ہی رسول ہیں جن کے متعلق بشارت دی گئی ہے۔

وَإِذَا خَلَا بِعَضُفُهُمْ إِلَىٰ بَعْضٍ: (جب وہ ایک دوسرے کے پاس اکیلے ہوتے ہیں) وہ لوگ جو منافق نہیں ان لوگوں کے پاس جو منافق ہیں۔

قَالُوا: (وہ کہتے ہیں) ان کو عتاب کرتے ہوئے۔

أَتُحَدِّثُكَ بِمَا فَتَحَ اللَّهُ عَلَيْكُمُ: (کیا تم کہتے ہو ان کو) یعنی کیا تم اصحاب محمد ﷺ کو اطلاع دیتے ہو۔

بِمَا فَتَحَ اللَّهُ عَلَيْكُمُ: (جو اللہ تعالیٰ نے تم پر ظاہر کیا) جو اللہ تعالیٰ نے تم پر تورات میں محمد ﷺ کی حالت بیان کی ہے۔

لِيُخَاجِبَكُمْ بِهِ عِنْدَ رَبِّكُمُ: (تاکہ وہ تم سے جھگڑیں اس کے ذریعے تمہارے رب کے پاس)۔ تاکہ وہ تمہارے خلاف دلیل

بنائیں اس چیز کو جو اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں تمہارے اوپر اتاری ہے۔ انہوں نے اپنے خلاف تورات سے حجت کو اور ان کی

اس بات کو کہ یہ تمہاری کتاب میں موجود ہے۔ اللہ تعالیٰ کے ہاں حجت قرار دیا۔ جیسے کہتے ہیں (ہو فی کتاب اللہ تعالیٰ

ہا کذا) وہ مضمون اللہ تعالیٰ کی کتاب میں اس طرح ہے وہم عند اللہ ہلکذا، اور وہ اللہ کے ہاں بھی اس طرح ہے۔ ان

دونوں باتوں کا ایک ہی مطلب ہے۔

دوسرا قول یہ ہے کہ یہاں مضاف مضمّر ہے یعنی عند کتاب ربکم۔ تاکہ تمہارے رب کی کتاب میں جھگڑا کریں۔

تیسرا قول یہ ہے کہ تاکہ وہ تم سے مجادلہ اور اس کے ذریعہ مخاصمہ کریں۔ تمہارے رب کے ہاں جو تم نے ان کو کہا۔ وہ مسلمان

کہیں گے کہ تم نے کفر کیا اس کی سچائی کی اطلاع پانے کے باوجود۔

وَمِنْهُمْ اُمِّيُّونَ لَا يَعْلَمُونَ الْكِتَابَ اِلَّا اَمَانِيًّ وَانْ هُمْ اِلَّا يَظُنُّوْنَ ۝۷۸

اور ان میں ایسے لوگ ہیں جو ان پڑھ ہیں کتاب کا علم نہیں رکھتے۔ سوائے آرزوؤں کے اور وہ لوگ صرف گمانوں میں پڑے ہوئے ہیں

قَوْلٌ لِّلَّذِيْنَ يَكْتُبُوْنَ الْكِتَابَ بِاَيْدِيْهِمْ ثُمَّ يَقُوْلُوْنَ هٰذَا مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ

سو بڑی خرابی ہے ان لوگوں کیلئے جو کتاب کو لکھتے ہیں اپنے ہاتھوں سے پھر کہتے ہیں کہ یہ اللہ کی طرف سے ہے

لِيَشْتَرُوْا بِهِ ثَمَنًا قَلِيْلًا ۚ قَوْلٌ لَّهْم مِّمَّا كَتَبَتْ اَيْدِيْهِمْ وَقَوْلٌ لَّهْم

تاکہ اس کے ذریعہ خرید لیں تھوڑی سی قیمت، سو بڑی ہلاکت ہے ان کے لئے بوجہ اس کے جو ان کے ہاتھوں نے لکھا ہے۔ اور بڑی ہلاکت ہے ان کے لئے

مِّمَّا يَكْسِبُوْنَ ۝۷۹

اس کی وجہ سے جسے وہ کسب کرتے ہیں۔

اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ : (کیا تم سمجھتے نہیں) کہ یہ تمہارے خلاف دلیل ہے۔ اس طرح کہ تم اس کا اعتراف کرتے ہو پھر اس کی پیروی نہیں کرتے ہو۔

اَوْ لَا يَعْلَمُوْنَ اَنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ : (کیا وہ لوگ نہیں جانتے کہ اللہ تعالیٰ کو معلوم ہے) تمام باتیں۔

مَا يُسْرُوْنَ وَمَا يُعْلِنُوْنَ : (جو وہ ظاہر کرتے ہیں اور جو وہ چھپاتے ہیں) ایک ان میں سے ان کا کفر چھپانا اور ایمان ظاہر کرنا بھی تھا۔

وَمِنْهُمْ اُمِّيُّونَ : (اور بعض ان میں ان پڑھ ہیں) یعنی یہودیوں سے وہ اچھی طرح لکھنا نہیں جانتے کہ تورات کا مطالعہ کر لیتے اور ان کو یقین سے اس کے مضامین معلوم ہو جاتے۔

لَا يَعْلَمُوْنَ الْكِتَابَ : (وہ کتاب کو نہیں جانتے) کتاب سے مراد تورات ہے۔

امانی کی تفسیر:

اِلَّا اَمَانِيًّ : (مگر تمنائیں) نمبر ۱: مگر وہ تمنائیں جن میں وہ مبتلا تھے۔ کہ اللہ تعالیٰ ان کو معاف کر دیں گے اور ان پر رحم فرمائیں گے۔ اور ان کو چند دنوں آگ میں جانا پڑے گا۔

نمبر ۲: دوسرا قول یہ ہے مگر وہ من گھڑت جھوٹی باتیں جو انہوں نے اپنے علماء سے سن کر ان کو تقلیدی طور پر تسلیم کر لیا تھا۔ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے اس قول میں تمنیٰ کا یہی معنی ہے۔ ما تمنیت منذ اسلمت۔ کہ میں نے اسلام لانے کے بعد آج تک جھوٹ نہیں بولا۔

تیسرا قول یہ ہے مگر وہ جو پڑھتے تھے۔ جیسا کہ شاعر کے اس قول میں تمنیٰ کا یہی معنی ہے۔

تمنیٰ کتاب اللہ اول لیلۃ و آخرها لا قی حمام المقادر

رات کے پہلے حصہ اور پچھلے میں وہ اللہ کی کتاب پڑھتا۔ اور اس کی مقدر موت اسی حالت میں آئی۔ اب آیت کا مطلب یہ ہوا۔ کہ یہ یہود کتاب منزل کی حقیقت کو نہیں پہچانتے البتہ یہ ایسی چیزیں پڑھتے ہیں۔ جو انہوں نے اپنے احبار سے حاصل کی ہیں۔ اس صورت میں استثناء منقطع ہے۔

وَأَن هُمْ: (نہیں ہیں وہ)

إِلَّا يَظُنُّونَ: (یہ ان کا خیال ہی خیال ہے) یعنی وہ نہیں جانتے اس میں کیا ہے؟ پس آپ کی نبوت کا انکار محض گمان سے کرتے ہیں۔

سابقہ آیات سے ربط:

لَزِيْطٍ: ان آیات میں ان علماء کا ذکر کیا۔ جنہوں نے علم کے باوجود محض عناد سے تحریف کی۔ پھر ان کے عوام کا ذکر کیا۔ جنہوں نے ان کی اندھا دھند تقلید کی۔

فَوَيْلٌ: (ہلاکت ہے) حدیث میں ہے کہ ویل جہنم کی ایک وادی کا نام ہے۔ (رواہ ابن المبارک فی الزوائد عن ابی سعید الخدری) لِلَّذِيْنَ يَكْتُبُوْنَ الْكِتٰبَ: (ان پر جو لکھتے ہیں کتاب) تحریف شدہ بِأَيْدِيْهِمْ: (اپنے ہاتھوں سے) اپنی طرف سے بغیر اس کے کہ ان پر اتاری گئی۔ یہاں ہاتھوں کا تذکرہ تاکید کے لیے ہے۔ اور یہ مجازی تاکید ہے۔

ثُمَّ يَقُوْلُوْنَ هٰذَا مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ لَيْسَتْ رُوَا بِهٖ ثَمَنًا قَلِيْلًا: (پھر کہتے ہیں کہ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے کہ اس کے ذریعے سے تھوڑا سا مال لیں) ثمننا قلیلاً کا معنی معمولی عوض

فَوَيْلٌ لَّهٖمْ مِّمَّا كَتَبَتْ اَيْدِيْهِمْ وَوَيْلٌ لَّهٖمْ مِّمَّا يَكْسِبُوْنَ: (پس ان پر ہلاکت ہے جو ان کے ہاتھوں نے لکھا اور ہلاکت ہے ان کی کمائی سے)۔ یعنی رشوت

وَقَالُوا لَنْ تَمَسَّنَا النَّارُ اِلَّا اَيَّامًا مَّعْدُوْدَةً ۚ قُلْ اَتَّخَذْتُمْ

اور انہوں نے کہا کہ ہم کو ہرگز آگ نہ چھوئے گی مگر چند دن گنتی کے، آپ فرمائیے کیا تم نے

عِنْدَ اللّٰهِ عَهْدًا فَلَنْ يُخْلِفَ اللّٰهُ عَهْدَهُ اَمْ تَقُولُوْنَ عَلٰی اللّٰهِ مَا لَا

اللہ تعالیٰ سے کوئی عہد لے لیا ہے، سو اللہ تعالیٰ اپنے عہد کے خلاف نہ کرے گا یا اللہ کے ذمہ ایسی بات لگا رہے ہو جس کا تمہیں

تَعْلَمُوْنَ ۝۸۰

علم نہیں ہے۔

وَقَالُوا لَنْ تَمَسَّنَا النَّارُ اِلَّا اَيَّامًا مَّعْدُوْدَةً: (وہ کہتے ہیں کہ ہم کو نہیں چھوئے گی آگ مگر گنتی کے دن) چالیس دن جتنے دنوں پچھڑے کی عبادت کی تھی۔

حضرت مجاہدؒ کہتے ہیں کہ یہود کہتے تھے کہ دنیا کی عمر کل چھ ہزار سال ہے اور ہمیں ایک ہزار سال کے بدلے ایک دن عذاب دیا جائے گا۔ (اس طرح گویا چھ دن عذاب ہو کر ساتویں دن چھٹی)

قُلْ اَتَّخَذْتُمْ عِنْدَ اللّٰهِ عَهْدًا: (کہہ دیں کیا تم نے کوئی وعدہ) یعنی اس نے تم سے عہد کیا کہ وہ تمہیں اتنی ہی مقدار میں عذاب دے گا۔

فَلَنْ يُخْلِفَ اللّٰهُ عَهْدَهُ: (کہ ہرگز اللہ تعالیٰ خلاف نہ کرے گا اپنے عہد کے) یہ محذوف سے تعلق رکھتا ہے اصل کلام اس طرح ہوا۔ ان اتخذتم عند اللہ عہدا فلن يخلف اللہ عہده۔ اگر تم نے اللہ سے عہد لیا ہے پھر تو ہرگز اللہ تعالیٰ اپنے وعدے کی خلاف ورزی نہ فرمائیں گے۔

اَمْ تَقُولُوْنَ عَلٰی اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ: (یا تم کہتے ہو اللہ تعالیٰ پر جو نہیں جانتے)

ام کی اقسام:

تفسیر اول: اَمْ معادلہ کے لیے ہے۔ کہ کیا تم اللہ تعالیٰ کے متعلق وہ کہتے ہو جو تم جانتے ہو یا تم اس کے بارے میں وہ کہتے ہو جو نہیں جانتے۔

دوسری تفسیر: اَمْ منقطعہ۔ بل کے معنی میں ہے بلکہ تم اللہ تعالیٰ کے متعلق وہ بات کہتے ہو جو تم نہیں جانتے۔

بَلَىٰ مَنْ كَسَبَ سَيِّئَةً وَأَحَاطَتْ بِهِ خَطِيئَتُهُ فَأُولَٰئِكَ أَصْحَابُ النَّارِ هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ ﴿٨١﴾

ہاں جس نے گناہ کیا اور اس کے گناہ نے اس کو گھیر لیا تو ایسے لوگ دوزخ والے ہیں وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے۔

وَالَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ أُولَٰئِكَ أَصْحَابُ الْجَنَّةِ هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ ﴿٨٢﴾

اور جو لوگ ایمان لائے اور نیک عمل کئے یہ لوگ جنت والے ہیں وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے۔

وَإِذْ أَخَذْنَا مِيثَاقَ بَنِي إِسْرَآءَ لَا تَعْبُدُونَ إِلَّا اللَّهَ قَدْ وَّابَاؤُا الدِّينَ إِحْسَانًا

اور جب ہم نے بنی اسرائیل سے مضبوط عہد لیا کہ تم صرف اللہ کی عبادت کرو گے اور والدین کے ساتھ اور

وَزَى الْقُرْبَىٰ وَالْيَتَامَىٰ وَالْمَسْكِينِ وَقُولُوا لِلنَّاسِ حُسْنًا وَأَقِيمُوا الصَّلَاةَ

قربت داروں اور یتیموں کے ساتھ اور مسکینوں کے ساتھ اچھا سلوک کرو گے اور عام لوگوں سے اچھی بات کہنا اور نماز قائم کرنا

وَاتُوا الزَّكَاةَ ثُمَّ تَوَلَّيْتُمْ إِلَّا قَلِيلًا مِّنْكُمْ وَأَنْتُمْ مُّعْرِضُونَ ﴿٨٣﴾

اور زکوٰۃ دینا، پھر تم نے روگردانی کی مگر تم میں سے تھوڑے سے لوگوں نے، اور تم اعراض کرنے والے ہو

بلی: (کیوں نہیں) نفی کے بعد اثبات کے لیے ہے وہ نفی یہ ہے لَنْ تَمَسَّنَا النَّارُ۔ یعنی کیوں نہیں تمہیں آگ ہمیشہ کے لیے چھوئے گی۔ اس کی دلیل یہ ارشاد الہی ہے هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ کہ وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے۔
مَنْ كَسَبَ سَيِّئَةً: (جس نے برائی کی) سیئۃ سے مراد شرک ہے۔

تفسیر ابن عباس رضی اللہ عنہما:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور مجاہد رحمہ اللہ کی یہی تفسیر ہے۔

وَأَحَاطَتْ بِهِ خَطِيئَتُهُ: (اور گھیر لیا اس کو اس کے گناہوں نے) یعنی اس پر نجات کے راستے بند ہو گئے اس طرح کہ اس کی موت اس پر واقع ہوئی۔ پھر اگر ایمان کی حالت میں موت آئی تو سب سے بڑی طاعت یعنی ایمان اس کے پاس ہے اس لیے گناہ اس کا احاطہ کر ہی نہیں سکتا۔

ردِ خوارج:

گویا یہ نص اس کو شامل ہی نہیں۔ اس تعبیر سے معتزلہ اور خوارج کا اعتراض باطل ہو جاتا ہے احاطہ کی تفسیر ایک یہ بھی ہے کہ گناہ اس پر حاوی ہو گئے اور مسلط ہو گئے جیسا کہ دشمن حاوی ہو جاتا ہے اور اس نے توبہ کر کے ان سے چھٹکارہ حاصل نہیں کیا۔
قرأت: مدنی رحمہ اللہ نے خطباتہ، یا سے پڑھا ہے۔

قَالُوْكَ اَصْحَبُ النَّارِ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ : (وہ آگ والے ہیں اور اس میں ہمیشہ رہیں گے)

تَفْسِيْرُ آيَتِ ۸۲:

وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ اُولٰٓئِكَ اَصْحَبُ الْجَنَّةِ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ : (اور وہ لوگ جو ایمان لائے اور نیک عمل کیے وہ جنت والے ہیں وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے)

تَفْسِيْرُ آيَتِ ۸۳:

وَ اِذَا خٰذُنَا مِيْثَاقَ بَنِيْ اِسْرَآءِيْلَ : (اور جب ہم نے بنی اسرائیل سے پکا وعدہ لیا) مِيْثَاقَ - انتہائی پختہ و موکد عہد کو کہتے ہیں۔

خبر بصورتِ نہی:

لَا تَعْبُدُوْنَ اِلَّا اللّٰهَ : (تم اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کی عبادت نہ کرنا) یہ نہی کے انداز میں خبر ہے جیسا تم کہو۔ تذهب الی فلان تقول لہ کذا سے مقصود حکم دینا ہے کہ فلاں کے پاس جا اور اس کو اس طرح کہہ۔ یہ صراحتہ امر و نہی سے زیادہ بلیغ ہے کیونکہ یہ اسی طرح ہے گویا کہ بات ماننے اور انتہاء تک پہنچنے میں جلدی کی گئی اور وہ اس کے متعلق خبر دے رہا ہے۔ اور اس معنی کی معاونت حضرت اُبی بنی نعیمؓ کی قراءت لَا تَعْبُدُوا اور ان کا قول و قولوا کر رہا ہے یہاں قول مضمّر ہے۔

قراءت: مکی و حمزہ، علی نے لَا یَعْبُدُوْنَ پڑھا۔ کیونکہ بنی اسرائیل اسم ظاہر ہے۔ اور تمام اسماء ظاہرہ غیب ہیں۔ اب معنی یہ ہے کہ وہ عبادت نہ کریں مگر اللہ کی جب اَنْ حَذَفَ ہوا تو آخر میں رفع آگیا۔

وَبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا : (اور والدین کے ساتھ احسان کرنا) یعنی تم احسان کرو۔ یہ امر مقدر مانا تا کہ امر پر عطف صحیح ہو جائے۔ اور وہ قولوا ہے۔

وَذِي الْقُرْبٰی : (اور رشتہ داروں کے) رشتہ داری۔

یتیم کا معنی:

وَالْيَتٰمٰی : (اور یتیموں) جمع یتیم جس کا باپ بلوغت سے قبل یا بلوغت تک فوت ہو جائے اس لیے کہ آپ ﷺ کا ارشاد ہے: لَا یُتَمَّ بَعْدَ الْبُلُوْغِ۔ بلوغت کے بعد یتیمی نہیں (ابوداؤد)

وَالْمَسٰكِيْنِ : (اور مساکین کے ساتھ) جمع مسکین۔ وہ جس کو حاجت نے ٹھہرا دیا ہو۔

وَقَوْلُوا لِلنَّاسِ حُسْنًا : (اور تم کہو لوگوں کو اچھی بات) قول حسن اچھی بات جو فی نفسہ خوبی والی ہو۔

قراءت: حمزہ، علی نے حَسَنًا پڑھا ہے۔

وَأَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَآتُوا الزَّكٰوةَ ثُمَّ تَوَلَّیْتُمْ : (اور نماز قائم کرو اور زکوٰۃ ادا کرو پھر تم نے منہ موڑا) ميثاق سے پھر گئے اور اس کا انکار کر دیا۔

وَإِذَا أَخَذْنَا مِيثَاقَكُمْ لَا تَسْفِكُونَ دِمَاءَكُمْ وَلَا تُخْرِجُونَ أَنْفُسَكُمْ مِنْ دِيَارِكُمْ ثُمَّ أَقْرَرْتُمْ وَأَنْتُمْ تُشْهَدُونَ ﴿۸۵﴾

اور جب ہم نے تم سے عہد لیا کہ تم آپس میں خونریزی نہ کرو گے اور ایک دوسرے کو اپنے گھروں سے

نہ نکالو گے پھر تم نے اس کا اقرار کیا اور تم اس کی گواہی بھی دیتے ہو، پھر تم وہ لوگ ہو جو قتل کرتے ہو اپنی جانوں کو

وَتُخْرِجُونَ فَرِيقًا مِنْكُمْ مِنْ دِيَارِهِمْ تَظْهَرُونَ عَلَيْهِم بِالْإِثْمِ وَالْعُدْوَانِ ط

اور نکالتے ہو انہوں میں سے ایک جماعت کو ان کے گھروں سے، ان کے مقابلہ میں مدد کرتے ہو گناہ اور زیادتی کے ساتھ،

وَإِنْ يَأْتُوكُمْ أُسْرَىٰ فَدُوْهُمْ وَهُمْ وَهُوَ مُحَرَّمٌ عَلَيْكُمْ إِخْرَاجُهُمْ ط أَفْتُونُونَ

اور اگر وہ آجائیں تمہارے پاس قیدی ہونے کی حالت میں تو تم ان کی جان کا بدلہ دیکر چھڑا لیتے ہو حالانکہ ان کا نکالنا تم پر حرام تھا۔ کیا تم کتاب کے بعض حصہ پر ایمان

بِبَعْضِ الْكِتَابِ وَتَكْفُرُونَ بِبَعْضٍ فَمَا جَزَاءُ مَنْ يَفْعَلُ ذَلِكَ مِنْكُمْ إِلَّا خِزْيٌ

لاتے ہو اور بعض کے منکر ہوتے ہو۔ سو کیا جزا ہے اس کی جو تم میں سے ایسا کام کرے سوائے اس کے کہ دنیاوی زندگی میں

فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا ۚ وَيَوْمَ الْقِيَمَةِ يُرَدُّونَ إِلَىٰ أَشَدِّ الْعَذَابِ ط وَمَا اللَّهُ

رَسُوْلًا هُوَ، اور قیامت کے دن سخت ترین عذاب میں پہنچا دیئے جائیں گے۔ اور اللہ تعالیٰ

بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُونَ ﴿۸۶﴾

غافل نہیں ہے ان کاموں سے جو تم کرتے ہو۔

إِلَّا قَلِيلًا مِّنْكُمْ: (مگر تھوڑے تم میں سے) یہ کہا گیا ہے یہ وہ لوگ ہیں جو ان میں سے ایمان لے آئے

وَأَنْتُمْ مُّعْرِضُونَ: (اور تم اعراض کرنے والے تھے) تم ایسی قوم ہو کہ تمہاری عادت اعراض کرنا اور وعدوں سے پھرنا ہے۔

قتل و اخراج نفس کی تفسیر:

وَإِذَا أَخَذْنَا مِيثَاقَكُمْ لَا تَسْفِكُونَ دِمَاءَكُمْ وَلَا تُخْرِجُونَ أَنْفُسَكُمْ مِنْ دِيَارِكُمْ: (جب ہم نے تم سے پختہ وعدہ لیا

کہ تم ایک دوسرے کا خون نہ بہانا اور نہ نکالنا ایک دوسرے کو ان کے گھروں سے)

تفسیر نمبر ۱: یعنی تم ایک دوسرے کے ساتھ ایسا نہ کرو۔ دوسرے آدمی کو خود اس کا نفس قرار دیا۔ کیونکہ تمام اصل کے ایک ہونے کی

وجہ سے یا دین کے ایک ہونے کی وجہ سے متصل ہیں۔

تفسیر نمبر ۲: جب اس نے دوسرے کو قتل کر دیا تو گویا اس نے اپنے آپ کو قتل کیا اس لیے کہ اس سے قصاص لیا جائے گا۔ اور اس کے بدلے میں قتل کیا جائے گا۔

ثُمَّ أَقْرَرْتُمْ: (پھر تم نے اقرار کیا) یعنی میثاق کے ذریعہ اقرار کیا اور اس کو اپنے اوپر لازم کرنے کا اعتراف کیا

تفسیر شہادۃ:

وَأَنْتُمْ تَشْهَدُونَ: (اور تم گواہ ہو) نمبر ۱۔ گواہ ہو تم اس پر۔ جیسا کہتے ہیں فلان مُقَرَّرٌ عَلَى نَفْسِهِ بِكَذِّا، شاہد علیہا۔ جبکہ وہ اس کا پختہ وعدہ کرنے والا ہو۔

تفسیر نمبر ۲: اور تم آج بھی گواہی دیتے ہو کہ تمہارے اسلاف نے اس میثاق کا اقرار کیا تھا۔

ثُمَّ أَنْتُمْ هَؤُلَاءِ: (پھر تم وہی ہو) یہ ان کی طرف قتل و جلا وطنی دشمنی میں حد سے نکلنے کی نسبت سے کہا گیا۔ کہ میثاق لیے جانے اور اقرار و شہادت کے بعد یہ بات تم سے بہت ہی بعید ہے۔

خَو: انتم، مبتداء اور هَؤُلَاءِ بمعنی الذین ہے۔

تَقْتُلُونَ أَنْفُسَكُمْ: (قتل کرتے ہو ایک دوسرے کو) یہ هَؤُلَاءِ کا صلہ ہے۔ اور یہ صلہ موصول مل کر خبر ہے

وَتُخْرِجُونَ فَرِيقًا مِنْكُمْ مِّنْ دِيَارِهِمْ: (اور نکالتے ہو ایک جماعت کو ان کے گھروں سے) اللہ تعالیٰ کے میثاق کا لحاظ و پاس کیے بغیر۔

تَظْهَرُونَ عَلَيْهِمْ: (ایک دوسرے کی مدد کرتے ہو ان کے مقابلے میں)

قراءت: کوئی کے ہاں تخفیف کے ساتھ ہے دیگر قراءت شدید سے پڑھتے ہیں۔ جنہوں نے تخفیف کی تو انہوں نے ایک تاء کو حذف کر دیا۔ پھر ایک قول میں وہ دوسری تاء ہے اس لیے کہ ثقل کا باعث وہی ہے۔ اور دوسرا قول یہ ہے کہ پہلی تاء ہے جن قراء نے شدید پڑھی۔ انہوں نے تائے دوم کو ظا سے بدل کر اس میں ادغام کر دیا۔

تَفْسِيرٌ: تم تعاون کرتے ہو۔

بِالْإِثْمِ وَالْعُدْوَانِ: (گناہ اور دشمنی کے ساتھ) معصیت اور ظلم کے ساتھ۔

وَأَنْ يَأْتُواكُمْ أُسْرَى تَفْدُوهُمْ: (اگر وہی لوگ تمہارے پاس قید ہو کر آئیں تو ان کا فدیہ دیتے ہو)

قراءت: نمبر ۱: ابو عمرو نے اُساری تَفْدُوهُمْ

نمبر ۲: مکی و شامی قراء تَفَادُوهُمْ

نمبر ۳: حمزہ اُساری تَفْدُوهُمْ

نمبر ۴: علی اُساری تَفَادُوهُمْ

لغت میں فدی فادی کا ایک ہی معنی ہے۔

نَجْوٰ: اساری جمع اسیر ہے اسی طرح اُسری بھی جمع اسیر ہے یہ حال ہے۔

ہو ضمیر کی وضاحت:

وَهُوَ مُحَرَّمٌ عَلَيْكُمْ: (حالانکہ وہ حرام ہے تم پر)

نمبر ۱: یہ ضمیر شان ہے۔

نمبر ۲: یہ ضمیر مبہم ہے جس کی تفسیر اخراجہم ہے۔

اٰخِرَاجُهُمْ: (ان کا نکالنا)

اَقْتُوْا مَنُوْنَ بِبَعْضِ الْكِتٰبِ: (کیا مانتے ہو کتاب کی بعض باتیں) بعض کتاب سے مراد قیدیوں کا فدیہ ادا کرنا۔

وَتَكْفُرُوْنَ بِبَعْضِ: (اور نہیں مانتے بعض باتیں) قتال اور جلاوطن کر کے۔

چار قول:

سدی کا قول ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان سے چار عہد لیے۔

نمبر ۱: قتل نہ کرو۔ نمبر ۲: جلاوطن نہ کرو۔ نمبر ۳: برائی میں معاونت نہ کرو۔ نمبر ۴: قیدیوں کا فدیہ دو۔

انہوں نے قیدیوں کے فدیہ والے حکم کے علاوہ باقی تمام حکم چھوڑ دیئے۔

تفسیر آیت ۸۵:

فَمَا جَزَاءُ مَنْ يَفْعَلْ ذَلِكَ مِنْكُمْ اِلَّا خِزْيٌ: (پس کچھ سزا نہیں اس کی جو تم میں سے ایسا کرے مگر رسوائی) خزئی کا معنی رسوائی و ذلت ہے۔

فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ يُرَدُّوْنَ اِلٰى اَشَدِّ الْعَذَابِ: (دنیا کی زندگی میں اور قیامت کے دن ان کو سخت عذاب کی طرف لوٹایا جائے گا) نمبر ۱: عذاب وہ جس میں نہ آرام ہو اور نہ خوشی۔

نمبر ۲: دنیا کے عذاب سے سخت تر عذاب کی طرف ان کو لوٹایا جائے گا)

وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ: (اور اللہ تعالیٰ بے خبر نہیں اس سے جو تم کر رہے ہو)

قراءت: نافع، ابوبکر، یٰی نے تعملون کو یعملون پڑھا ہے۔

أُولَٰئِكَ الَّذِينَ اشْتَرُوا الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا بِالْآخِرَةِ فَلَا يُخَفَّفُ عَنْهُمُ الْعَذَابُ

یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے دنیاوی زندگی کو آخرت کے بدلہ مول لے لیا ، سو نہ ہلکا کیا جائے گا ان سے عذاب

وَلَا هُمْ يُنصَرُونَ ﴿۸۶﴾

اور نہ ان کی مدد کی جائے گی۔

تفسیر آیت ۸۶:

أُولَٰئِكَ الَّذِينَ اشْتَرُوا الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا بِالْآخِرَةِ :

(یہی لوگ ہیں جنہوں نے مول لے لی ہے دنیا کی زندگی آخرت کے بدلے) یعنی انہوں نے اس کو آخرت پر ترجیح دی۔

جیسا کہ خریدار بعض اشیاء کو چنتا ہے۔

فَلَا يُخَفَّفُ عَنْهُمُ الْعَذَابُ وَلَا هُمْ يُنصَرُونَ :

(پس ان سے کم نہ کیا جائے گا عذاب اور نہ ان کی مدد کی جائے گی) عذاب دور کرنے میں ان کی کوئی مدد نہ کرے گا۔

وَلَقَدْ آتَيْنَا مُوسَى الْكِتَابَ وَقَفَّيْنَا مِنْ بَعْدِهِ بِالرُّسُلِ ۚ وَآتَيْنَا عِيسَى

اور یہ بات واقعی ہے کہ ہم نے موسیٰ کو کتاب دی اور ان کے بعد پے در پے رسول بھیجے، اور دیئے ہم نے عیسیٰ بن مریم

ابْنَ مَرْيَمَ الْبَيِّنَاتِ وَأَيَّدْنَاهُ بِرُوحِ الْقُدُسِ ۖ أَفَكُلَّمَا جَاءَكُمْ رَسُولٌ

کو واضح دلائل، اور ان کی تائید کی ہم نے روح القدس کے ذریعہ، کیا جب کبھی کوئی پیغمبر تمہارے پاس ایسے احکام لایا جو

بِمَا لَا تَهْوَىٰ أَنْفُسُكُمْ اسْتَكْبَرْتُمْ ۖ فَفَرِيقًا كَذَّبْتُمْ ۖ وَفَرِيقًا تَقْتُلُونَ ﴿۸۷﴾

تمہارے نفسوں کو گوارا نہ تھے تو تم نے تکبر کیا، سو ایک جماعت کو تم نے جھٹلایا اور ایک جماعت کو قتل کرتے رہے ہو۔

تفسیر آیت ۸۷:

وَلَقَدْ آتَيْنَا مُوسَى الْكِتَابَ: (اور ہم نے موسیٰ علیہ السلام کو کتاب دی) الكتاب سے مراد تورات ہے جو اکٹھی اتاری گئی وَقَفَّيْنَا مِنْ بَعْدِهِ بِالرُّسُلِ: (اور ان کے بعد پے در پے رسول بھیجے) عرب کہتے ہیں قفاہ جب کوئی گردن کے پیچھے سے آئے۔ جیسے ذنب یہ ذنب سے ہے۔ اور قفاہ بہ پیچھے چلنا چلانا مطلب یہ ہے کہ ہم نے ان کے پیچھے بہت سے رسول بھیجے۔ اور وہ یوشع، اشمویل، شمعون، داؤد، سلیمان، شعیا، وارمیا، عزیر، حزقیل، الیاس، الیسع، یونس، زکریا، یحییٰ وغیرہم۔

وَآتَيْنَا عِيسَى ابْنَ مَرْيَمَ الْبَيِّنَاتِ: (اور عیسیٰ بن مریم کو کھلے معجزات دیئے) مریم کا معنی خادم ہے اس کا وزن علماء نحو کے ہاں مفعول ہے کیونکہ فعلاً کا وزن ثابت نہیں۔

مراد بینات:

الْبَيِّنَاتِ: واضح معجزات مثلاً مردوں کو زندہ کرنا مادرزاد اندھے اور کوڑھی کو درست کرنا مغیبات کی خبریں دینا۔

وَأَيَّدْنَاهُ بِرُوحِ الْقُدُسِ: (اور قوت دی جبرائیل امین سے) القدس کا معنی طہارت ہے

القدس کا معنی:

قراءت: الْقُدُس ابن کثیر مٹھی کے نزدیک جہاں بھی آئے گا دال کے سکون سے پڑھا جائے گا۔ روح القدس کا معنی پاکیزہ روح۔ جیسا کہتے ہیں حاتم الجود۔ نخی حاتم۔ عیسیٰ علیہ السلام کی اس سے تعریف بیان کی جاتی ہے۔

نمبر ۱: ان کے ساتھ خصوصیت و قرب کی وجہ سے۔

نمبر ۲: جبرائیل علیہ السلام مراد ہیں۔ کیونکہ وہ ایسی چیز آسمانوں سے لاتے ہیں جس میں دلوں کی زندگی ہے اور خصوصی تائید اس وقت فرمائی جب یہود نے ان کے قتل کا ارادہ کیا تھا۔

وَقَالُوا قُلُوبُنَا غُلْفٌ ۖ بَلْ لَعَنَهُمُ اللَّهُ بِكُفْرِهِمْ فَقَلِيلًا مَّا يُؤْمِنُونَ ﴿۸۸﴾

اور انہوں نے کہا کہ ہمارے دلوں پر غلاف ہیں۔ بلکہ ان کے کفر کی وجہ سے ان کو اللہ نے ملعون قرار دیدیا سو بہت کم ایمان لاتے ہیں

یا انجیل دے کر ان کی خصوصی تائید کی۔ جسا کہ سورۃ شوریٰ آیت نمبر ۵۲ روحاً من امرنا میں فرمایا یا اسم اعظم مراد ہے۔ جس سے وہ مردوں کو زندہ کرتے تھے۔

أَفَكُلَّمَا جَاءَكُمْ رَسُولٌ بِمَا لَا تَهْوَىٰ : (کیا جب کبھی لائے تمہارے پاس کوئی رسول وہ حکم جو ناپسند کرتے تھے) تھوڑی کا معنی پسند کرنا۔

أَنفُسُكُمْ اسْتَكْبَرْتُمْ : (تمہارے نفس تم نے تکبر کیا) تم نے اس کو قبول کرنے سے اپنے آپ کو بڑا قرار دیا

فَقَرَّبْنَا كَذَّبْتُمْ : (پس ایک جماعت کو جھٹلایا) جیسے عیسیٰ اور محمد ﷺ

وَقَرَّبْنَا تَقْتُلُونَ : (اور ایک جماعت کو قتل کیا) جیسے زکریا اور یحییٰ علیہما السلام۔

ایک نکتہ:

فواصل کی موافقت کے لیے قتلتم کی بجائے تقتلون فرمایا۔ یا مراد یہ ہے کہ ان کی ایک جماعت کو قتل کرنے کے اب بھی درپے ہو۔ کیونکہ تم قتل محمد ﷺ کے لیے گردش کرتے ہو۔ اگر میں نے ان کی حفاظت نہ کی ہوتی۔ (تو تم قتل کر ڈالتے) اور اس لیے تم نے ان کو سحر کیا۔ اور ان کے لیے بکری کے گوشت کو زہر آلود کیا۔

تَفْسِيرٌ : اب مطلب یہ ہوا کہ اے بنی اسرائیل ہم نے تمہارے انبیاء کو دیا جو کچھ دیا۔ پس جب بھی تمہارے پاس ان میں سے کوئی رسول حق لے کر آیا۔ تو تم نے اس پر ایمان لانے سے تکبر کیا۔ فاور جو اس سے متعلق تھا۔ ان کے درمیان ہمزہ تو نیچ یا تعجب کے لئے لایا گیا۔ تاکہ ان کی حالت پر تعجب کا اظہار ہو۔

غلف کی تفسیر:

وَقَالُوا قُلُوبُنَا غُلْفٌ : (اور کہا ہمارے دل غلافوں میں ہیں) غلف جمع اغلاف ہے وہ دل ایسے انداز سے پیدا کیے گئے ہیں کہ جن کو کئی پردوں نے ڈھانپ رکھا ہے۔ جو محمد ﷺ لے کر آئے۔ وہ ان تک نہیں پہنچتا ہے۔ اور نہ اس کو وہ سمجھتے ہیں یہ لفظ اغلف سے استعارہ کے طور پر استعمال ہوا ہے اغلف بے خشنہ کو کہتے ہیں۔

بَلْ لَعَنَهُمُ اللَّهُ بِكُفْرِهِمْ : (بلکہ اللہ تعالیٰ نے ان پر لعنت کی ان کے کفر کے سبب) اللہ تعالیٰ نے تردید فرمائی کہ ان کے دل اس طرح نہیں بنے جس طرح وہ کہتے ہیں۔ بلکہ وہ تو فطرت پر پیدا کیے گئے۔ اور ان میں حق کو قبول کرنے کی صلاحیت رکھی گئی۔ بے شک ان کو تو ان کے کفر و زلیغ کی وجہ سے مسترد کیا گیا۔

وَلَمَّا جَاءَهُمْ كِتَابٌ مِّنْ عِندِ اللَّهِ مُصَدِّقٌ لِّمَا مَعَهُمْ ۖ وَكَانُوا مِن قَبْلُ

اور جب ان کے پاس اللہ تعالیٰ کی طرف سے کتاب پہنچی وہ اس کی تصدیق کرنے والی ہے جو ان کے پاس ہے اور حال یہ تھا کہ اس سے پہلے

يَسْتَفْتِحُونَ عَلَى الَّذِينَ كَفَرُوا ۖ فَلَمَّا جَاءَهُمْ مَا عَرَفُوا كَفَرُوا بِهِ ۖ فَلَعْنَةُ اللَّهِ

وہ کافروں کے مقابلہ میں فتح یابی طلب کرتے تھے پس جب وہ چیز ان کے پاس آگئی جس کو پہچان لیا تو اس کے منکر ہو گئے۔ سو اللہ کی لعنت ہے

عَلَى الْكَافِرِينَ ۚ ۝۸۹ بِسْمَا أَشْتَرُوا بِهٖ أَنْفُسَهُمْ ۖ أَنْ يَكْفُرُوا بِمَا أَنْزَلَ اللَّهُ

کافروں پر، بری چیز ہے وہ جس کو اختیار کر کے اپنی جانوں کو خرید لیا یہ کہ کفر کریں اس چیز کے ساتھ جو اللہ نے اتارا

بَغْيًا ۚ أَنْ يُنْزَلَ اللَّهُ مِنْ فَضْلِهِ عَلَى مَنْ يَشَاءُ مِنْ عِبَادِهِ ۖ فَبَاءُ وَبِغَضَبٍ عَلَى

حسد کرتے ہوئے اس بات پر کہ اللہ اپنے فضل سے اپنے بندوں میں سے جس پر چاہے نازل فرمائے، سو وہ لوگ غضب پر غضب کے

غَضَبٍ ۖ وَلِلْكَافِرِينَ عَذَابٌ مُّهِينٌ ۝۹۰

مستحق ہو گئے اور کافروں کے لئے عذاب ہے ذلیل کرنیوالا۔

قلیل کا مفہوم:

فَقَلِيلًا مَّا يُؤْمِنُونَ: (بہت تھوڑے ہیں جو ایمان لاتے ہیں) مَخْجُورٌ: قَلِيلًا یہ مصدر محذوف کی صفت ہے یعنی ایمان قلیلا
یؤمنون۔ وہ تھوڑا ایمان لاتے ہیں۔ مازائدہ ہے۔

نمبر ۱: اور قلیل ایمان سے مراد کتاب کے بعض حصے پر ایمان ہے۔

نمبر ۲: قلیل سے ان کے ایمان کی نفی مراد ہے۔

قراءت: غُلْفٌ یہ غُلْف کی تخفیف ہے اور اس طرح بھی پڑھا گیا ہے۔ یہ جمع غلاف ہے مطلب یہ ہوا کہ ہمارے دل علوم کے
برتن ہیں۔ اس لیے ہم دوسروں کے علم سے بے نیاز ہیں۔

نمبر ۳: اگر تمہارا لایا ہوا صحیح ہوتا تو اسے ہم قبول کر لیتے۔

وَلَمَّا جَاءَهُمْ: (جب پہنچی ان کے پاس) هُمْ سے یہود مراد ہیں۔

كِتَابٌ مِّنْ عِندِ اللَّهِ: (کتاب اللہ کی طرف سے) کتاب سے مراد قرآن مجید ہے۔

مُصَدِّقٌ لِّمَا مَعَهُمْ: (جو تصدیق کرتی ہے اس چیز کی جو ان کے پاس ہے) معهم سے مراد ان کی کتاب جو اس کے مخالف نہیں۔

وَكَانُوا مِن قَبْلُ: (وہ اس سے پہلے)۔ یعنی قرآن (سے پہلے)

معنی استفتاح:

يَسْتَفْتِحُونَ عَلَى الَّذِينَ كَفَرُوا: (فتح مانگتے تھے کافروں پر) مشرکین سے لڑائی کے وقت اس طرح دعاء نصرت مانگتے تھے۔
اللَّهُمَّ انصُرْنَا بِالنَّبِيِّ الْمَبْعُوثِ فِي آخِرِ الزَّمَانِ الَّذِي نَجِدُ نَعْتَهُ فِي التَّوْرَةِ۔ اے اللہ تو ہماری مدد فرما۔ اس آخر الزمان
نبی کے مبعوث ہونے کی برکت سے جس کی تعریف تورات میں ہم پاتے ہیں اور وہ اپنے مشرک دشمنوں کو کہا کرتے تھے۔ اس نبی کا
زمانہ قریب آنے لگا ہے۔ جس کی بعثت ہماری بات کی تصدیق بنے گی۔ ہم انکے ساتھ ہو کر تمہیں عاؤ، شہود کی طرح قتل کریں گے۔
فَلَمَّا جَاءَهُمْ مَا عَرَفُوا: (پس جب وہ آگئے جس کو انہوں نے پہچانا) جب وہ پیغمبران کے پاس آئے جن کو انہوں نے پہچانا۔
نَحْمُ: ناموصولہ ہے اور عرفوا اس کا صلہ ہے یہ جاء کا فاعل ہے۔

كَفَرُوا بِهِ: (تو ان کا انکار کر دیا) ضد اور حسد کی وجہ سے اور سرداری کی حرص میں انکار کر دیا۔
فَلَعْنَةُ اللَّهِ عَلَى الْكَافِرِينَ: (پس اللہ تعالیٰ کی لعنت ہے کافروں پر) یعنی ان کافروں پر اللہ کی لعنت ہو۔

اسم ظاہر کا نکتہ:

یہاں ضمیر کی بجائے اسم ظاہر لایا گیا۔ اس بات کو بتلانے کے لیے کہ کفر کی وجہ سے وہ لعنت کے مستحق بن چکے۔
الکافرین پر الف لام عہد کا ہے یا جنس کا ہے اور وہ لوگ اس میں سب سے پہلے داخل ہیں۔
پہلے لما کا جواب مضمحل ہے، اور وہ اس طرح ہے کذبوا بہ۔ یا

نمبر ۲: انکروہ یا نمبر ۳: کفروا پہلے دوسرے دونوں لما کا جواب ہے۔

اس لیے کہ دونوں کا مقتضی ایک ہے۔ اب مطلب یہ ہوا کہ جب ان کے پاس وہ پیغمبر آگئے جن کو انہوں نے پہچانا تو ان کو
اوپر اقرار دے کر انکار کر دیا۔ مان کا انکار کر دیا۔

بِسْمَا: (بری ہے وہ چیز) نَحْمُ: مانکرہ موصوفہ ہے اور ہنس کے فاعل کی تفسیر کر رہا ہے۔

قراءت: ابو عمرو اس کو بَسْمَا غیر مہوز پڑھتے ہیں تمام باب میں۔ مطلب یہ ہے بہت بری ہے وہ چیز۔

اَشْتَرُوا بِهِ اَنْفُسَهُمْ: (جس کے بدلے بیچا انہوں نے اپنی جانوں کو) یعنی فروخت کر دیا یہ ہنس کا مخصوص بالذم ہے۔

اَنْ يَكْفُرُوا بِمَا اَنْزَلَ اللَّهُ: (کہ انکار کرنے لگے اس کلام کا جو اللہ تعالیٰ نے اتارا) انزل اللہ سے مراد قرآن مجید ہے۔

بَغِيًّا: (ضد کی وجہ سے) یہ مفعول ہے یعنی حسد اور اس چیز کی طلب میں جو انکے مناسب نہیں۔ یہ اَشْتَرُوا کی علت ہے بیچنے کا
سبب تھا۔

ان کا معنی:

اَنْ يَنْزِلَ اللَّهُ: (کہ اتارا اللہ نے) نمبر ۱: لام کے معنی ہیں۔ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے اتارا یا علی کے معنی میں اس بناء پر کہ اللہ
تعالیٰ نے اتارا۔ انہوں نے حسد کیا اس بناء پر کہ اللہ تعالیٰ نے اتارا۔

وَإِذَا قِيلَ لَهُمْ آمِنُوا بِمَا أَنزَلَ اللَّهُ قَالُوا نُوْمِنُ بِمَا أَنزَلَ عَلَيْنَا وَنَكْفُرُ

اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ اس پر ایمان لاؤ جو اللہ تعالیٰ نے نازل فرمایا تو کہتے ہیں کہ ہم اس پر ایمان لاتے ہیں جو اتارا گیا ہم پر، اور اس کے علاوہ جو کچھ ہے

بِمَا وَرَاءَهُ وَهُوَ الْحَقُّ مُصَدِّقًا لِّمَا مَعَهُمْ قُلْ فَلِمَ تَقْتُلُونَ أَنْبِيَاءَ اللَّهِ

وہ اس کے منکر ہوتے ہیں حالانکہ وہ حق ہے اس کی تصدیق کرنے والا جو ان کے پاس ہے، آپ فرمادیجئے سو تم کیوں اللہ کے نبیوں کو اس سے پہلے قتل

مِنْ قَبْلُ إِنْ كُنْتُمْ مُؤْمِنِينَ ۙ وَلَقَدْ جَاءَكُمْ مُوسَىٰ بِالْبَيِّنَاتِ ثُمَّ اتَّخَذْتُمْ

کرتے رہے ہو اگر تم مومن ہو، اور بلاشبہ موسیٰ تمہارے پاس کھلی ہوئی دلیلیں لے کر آئے پھر تم نے ان کے بعد پتھر سے کو

الْعِجْلِ مِنْ بَعْدِهِ وَأَنْتُمْ ظَالِمُونَ ۙ

معبود بنالیا، حالانکہ تم ظالم تھے۔

قراءت: يُنْزِلُ مکی وبصری تخفیف سے پڑھتے ہیں۔

مِنْ فَضْلِهِ: (اپنے فضل سے) فضل سے مراد وحی ہے

عَلَىٰ مَنْ يَشَاءُ مِنْ عِبَادِهِ: (اپنے بندوں میں سے جس پر چاہے) من عبادہ سے مراد حضرت محمد رسول اللہ ﷺ ہیں۔

یہ درپے غضب:

فَبَاءُ وَبِغَضَبٍ عَلَىٰ غَضَبٍ: (پس کمایا انہوں نے غصہ پر غصہ) پس وہ دہرے غضب کے حق دار بن گئے اس لیے کہ انہوں

نے ایک برحق پیغمبر کا انکار کر دیا۔ اور اس کے خلاف سرکشی کی۔ یا انہوں نے عیسیٰ علیہ السلام کے بعد محمد ﷺ کا انکار کیا۔ یا اس قول کے

بعد عزیر اللہ کا بیٹا ہے جو سورۃ التوبہ آیت نمبر ۳ عزیر بن اللہ اور اس قول کے بعد جو آیت نمبر ۶۴ سورۃ المائدہ میں ہے ید اللہ

مغلولہ۔ کہ اللہ کا ہاتھ بندھا ہوا ہے۔ وغیرہ اقوال کے بعد وہ پے درپے غضب کے مستحق ہوئے۔

وَلِلْكَافِرِينَ عَذَابٌ مُّهِينٌ: (اور کافروں کے لیے ذلت والا عذاب ہے) مہین کا معنی ذلت آمیز۔

تفسیر آیت ۸۱:

وَإِذَا قِيلَ لَهُمْ: (جب ان سے کہا جاتا ہے) یعنی ان یہود کو۔

آمِنُوا بِمَا أَنزَلَ اللَّهُ: (تم ایمان لے آؤ اس پر جو اللہ تعالیٰ نے اتارا) نمبر ۱: اس سے مراد قرآن مجید ہے نمبر ۲: ما انزل اللہ سے

مراد جو بھی اللہ تعالیٰ نے اتارا۔ اس طرح ہر کتاب کو شامل ہے۔

قَالُوا نُوْمِنُ بِمَا أَنزَلَ عَلَيْنَا: (وہ کہتے ہیں ہم تو ایمان لائیں گے اسی پر جو اتارا ہم پر) یعنی تورات

وَيَكْفُرُونَ بِمَا وَرَاءَهُ: (اور وہ کفر کرتے ہیں اس کے ساتھ جو اس کے بعد ہے) یعنی وہ کہتے تو یہ ہیں کہ ہم تورات پر ایمان رکھتے ہیں حالانکہ وہ تورات کے بعد اترنے والی کتاب کا انکار کرتے ہیں۔

مقولہ یہود کا رد:

وَهُوَ الْحَقُّ مُصَدِّقًا لِّمَا مَعَهُمْ: (حالانکہ وہ برحق ہے تصدیق کرنے والا ہے اس کی جو ان کے پاس ہے) اس تورات کے مخالف نہیں۔ اس میں ان کے اسی مقولہ (کہ ہم اس تورات پر ایمان رکھتے ہیں) کی تردید ہے اس لیے کہ جب انہوں نے اس وحی کا انکار کر دیا جو تورات کے موافق ہے تو گویا انہوں نے تورات کا انکار کر دیا۔ خواہ زبان سے ایسا نہیں کہا۔

نَحْوُ: مصدقاً یہ حال ہے جو تاکید کے لیے لایا گیا۔

قُلْ فَلِمَ تَقْتُلُونَ أَنْبِيَاءَ اللَّهِ: (کہہ دیں پس تم کیوں قتل کرتے رہے اللہ تعالیٰ کے پیغمبروں کو) یعنی تم نے کیوں (ان کو) قتل کیا۔ آیت میں یہ واقعہ ماضی کا ہے۔ اور مضارع اس کی جگہ لائے۔ اور اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد اس پر دلالت کرتا ہے۔

مِنْ قَبْلُ إِنْ كُنْتُمْ مُؤْمِنِينَ: (اس سے پہلے اگر تم مؤمن ہو) قبل سے مراد حضرت محمد ﷺ سے پہلے اس میں ان پر اعتراض کیا گیا۔ کہ تورات پر ایمان کا دعویٰ بھی کرتے ہو اور ادھر انبیاء ﷺ کو قتل بھی کرتے ہو حالانکہ تورات تو قتل انبیاء ﷺ کی گنجائش نہیں دیتی۔ کہا گیا ہے کہ انہوں نے ایک دن میں تین سو انبیاء ﷺ کو بیت المقدس میں قتل کیا۔

۹۱: وَلَقَدْ جَاءَكُمْ مُوسَىٰ بِالْبَيِّنَاتِ: (تحقیق آچکے تمہارے پاس موسیٰ علیہ السلام دلائل کے ساتھ) بیانات سے نو آیات مراد ہیں۔ قراءت: دال کو جیم میں ہمیشہ ادغام کر دیا جاتا ہے۔ جہاں بھی آئے یہ ابو عمرو، حمزہ اور علی کا قول ہے لقد جاء میں اسی طرح ہے۔

ثُمَّ اتَّخَذْتُمُ الْعِجْلَ: (پھر تم نے بنا لیا بچھڑا) یعنی معبود

مِنْ بَعْدِهِ: (ان کے بعد) موسیٰ علیہ السلام کے طور کی طرف جانے کے بعد

وَأَنْتُمْ ظَالِمُونَ: (اور تم ظالم تھے) نَحْوُ: یہ حال ہے یعنی تم نے بچھڑے کی عبادت کی اس حال میں کہ تم عبادت کو اس کے مقام سے ہٹانے والے تھے۔ یا یہ جملہ معترضہ ہے یعنی تم ایسی قوم ہو کہ تمہاری عادت ظلم کرنا ہے۔

وَإِذَا أَخَذْنَا مِيثَاقَكُمْ وَرَفَعْنَا فَوْقَكُمُ الطُّورَ خُذُوا مَا آتَيْنَكُم بِقُوَّةٍ وَأَسْمِعُوا

اور جب ہم نے تم سے پختہ عہد لیا اور بلند کر دیا تمہارے اوپر طور کو، لے لو جو کچھ ہم نے تم کو دیا قوت کے ساتھ اور سن لو،

قَالُوا سَمِعْنَا وَعَصَيْنَا وَأَشْرَبُوا فِي قُلُوبِهِمُ الْعِجْلَ بِكُفْرِهِمْ قُلْ

وہ کہنے لگے ہم نے سن لیا اور مانیں گے نہیں۔ اور پلا دیا گیا ان کے دلوں میں بچھڑا ان کے کفر کے سبب، آپ فرما دیجئے

يُسْمَايَا مُرْكُم بِهِ إِيْمَانُكُمْ إِنْ كُنْتُمْ مُؤْمِنِينَ ﴿٩٣﴾

کہ بری ہیں یہ باتیں جن کا تمہیں حکم دیتا ہے تمہارا ایمان اگر تم مؤمن ہو۔

۹۳: وَإِذَا أَخَذْنَا مِيثَاقَكُمْ وَرَفَعْنَا فَوْقَكُمُ الطُّورَ خُذُوا مَا آتَيْنَكُم بِقُوَّةٍ: (اور جب لیا ہم نے تم سے پختہ وعدہ اور تمہارے اوپر طور کو اٹھایا۔ پکڑو جو کچھ دیا ہم نے تم کو مضبوطی کے ساتھ) طور کے اٹھانے کا دوبارہ تذکرہ کیا۔ اس میں یہ اضافہ بھی ملا دیا۔ جو پہلے مقام کے تذکرے میں موجود نہیں۔

وَأَسْمِعُوا: (اور سنو) جو حکم تمہیں تورات میں ملا۔
قَالُوا سَمِعْنَا: (انہوں نے کہا ہم نے سنا) تمہارا قول۔
وَعَصَيْنَا: (اور نافرمانی کی ہم نے) تیرے حکم کی

صورتِ مطابقت:

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ان کے جواب کے ساتھ اس طرح مطابقت رکھتا ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں فرمایا۔ اسمعوا۔ تم سنو۔ اور تمہارا سننا قبولیت اور اطاعت والا ہونا چاہیے۔ انہوں نے جواب میں کہا ہم نے سنا لیکن اطاعت والا سننا نہیں۔

بچھڑے کی محبت کا رچنا:

وَأَشْرَبُوا فِي قُلُوبِهِمُ الْعِجْلَ: (رچ گیا انکے دلوں میں بچھڑا) یعنی اسکی محبت ان کے دلوں میں داخل ہو گئی اور اس کی عبادت کی حرص ان میں رچ بس گئی۔ جیسا کہ کپڑے پر رنگ چڑھتا ہے۔ اور فی قلوبہم میں پائے جانے کی جگہ کا ذکر ہے۔ اور مضاف جو کہ محبت ہے وہ محذوف ہے اسی اشرب حب العجل فی قلوبہم۔ بچھڑے کی محبت ان کے دلوں میں رچ بس گئی۔
بِكُفْرِهِمْ: (ان کے کفر کی وجہ سے) ان کے کفر کے سبب اور اعتقادِ تشبیہ کے سبب۔

اضافتِ تھکم:

قُلْ يَسْمَايَا مُرْكُم بِهِ إِيْمَانُكُمْ: (کہہ دیں بہت بری بات سکھا ہے تم کو تمہارا ایمان) یعنی تورات کے متعلق یہ بہت برا ہے۔ اس لیے کہ توراۃ میں گاؤں سالہ پرستی نہیں ہے۔ امر کی اضافت ان کے ایمان کی طرف یہ تھکم کے لیے ہے اسی طرح ایمان

قُلْ إِنْ كَانَتْ لَكُمْ الدَّارُ الْآخِرَةُ عِنْدَ اللَّهِ خَالِصَةً مِّنْ دُونِ النَّاسِ

آپ فرما دیجئے اگر آخرت والا گھر اللہ کے نزدیک خالص تمہارے ہی لئے ہے دوسروں کے لئے نہیں

فَتَمَنَّوُا الْمَوْتَ إِنْ كُنْتُمْ صَادِقِينَ ﴿۹۴﴾ وَلَنْ يَتَمَنَّوَهُ أَبَدًا بِمَا قَدَّمْتُمْ

تو موت کی تمنا کرو اگر تم سچے ہو اور وہ ہرگز کبھی موت کی تمنا نہ کریں گے بوجہ ان اعمال کے جو انہوں نے آگے

أَيْدِيهِمْ وَاللَّهُ عَلِيمٌ بِالظَّالِمِينَ ﴿۹۵﴾ وَلَتَجِدَنَّهُمْ أَحْرَصَ النَّاسِ عَلَى

بھیجے ہیں۔ اور اللہ ظالموں کو خوب جانتا ہے اور یہ واقعی بات ہے کہ تم ان کو زندہ رہنے پر سب لوگوں سے زیادہ حریص

حَيَوةٍ ۖ وَمِنَ الَّذِينَ أَشْرَكُوا يَوَدُّ أَحَدُهُمْ لَوْ يُعَمَّرُ أَلْفَ سَنَةٍ ۖ وَمَا هُوَ

پاؤ گے اور ان لوگوں سے بھی زیادہ جنہوں نے شرک کیا، ان کا ایک ایک فرد یہ آرزو رکھتا ہے کہ اس کو ہزار سال کی عمر دے دی جائے، اور حال یہ ہے

بِمُرْحَرَجِهِ مِنَ الْعَذَابِ أَنْ يُعَمَّرَ ۖ وَاللَّهُ بَصِيرٌ بِمَا يَعْمَلُونَ ﴿۹۶﴾

کہ اسے یہ چیز عذاب سے بچانے والی نہیں ہے کہ اس کی عمر زیادہ ہو جائے اور اللہ دیکھنے والا ہے ان کاموں کو جن کو وہ کرتے ہیں

کی اضافت بھی ان کی طرف اسی لیے ہے۔

إِنْ كُنْتُمْ مُؤْمِنِينَ: (اگر تم سچے مؤمن ہو) ان کے ایمان میں تشکیک کا اظہار اور ان کے دعویٰ کی صحت کا انکار و مذمت ہے۔

قُلْ إِنْ كَانَتْ لَكُمْ الدَّارُ الْآخِرَةُ: (کہہ دیں اگر تمہارے لیے آخرت کا گھر ہے) دار آخرت سے مراد جنت ہے۔

عِنْدَ اللَّهِ: (اللہ تعالیٰ کے ہاں) نَجْوً: یہ ظرف ہے اور لکم کان کی خبر ہے۔

خَالِصَةً: (خالص) یہ الدار الاخرہ سے حال ہے۔ مطلب یہ ہے مکمل تمہارے لیے ہے۔

اور تمہارے سوا اور کسی کا اس میں حق نہیں۔ یعنی اگر تمہارے قول لن یدخل الجنة الامن کان ہودا سورة بقرہ آیت

نمبر ۱۱۱ (کہ جنت میں ہمارے سوا کوئی داخل نہ ہوگا) صحیح ہے۔

مِنْ دُونِ النَّاسِ: (لوگوں کی بجائے) الناس میں الف لام جنس کا ہے۔

مشتاقان موت:

فَتَمَنَّوُا الْمَوْتَ إِنْ كُنْتُمْ صَادِقِينَ: (تو تم موت کی تمنا کرو اگر تم سچے ہو) اس بات میں جو تم کہتے ہو کیونکہ جس کو یقین ہو کہ وہ

اہل جنت میں سے ہے تو وہ اس کے لیے مشتاق ہوگا۔ ایسے گھر سے چھٹکارہ پانے کے لیے جو مصائب سے پر ہے جیسا کہ عشرہ

مبشرہ جن اللہ کے بارے میں منقول ہے کہ ان میں سے ہر ایک موت کو پسند کرتا اور اس کا شوق مند تھا۔

وَلَنْ يَتَمَنَّوْهُ أَبَدًا: (وہ ہرگز تمنا نہ کریں گے) ابدًا کو ظرفیت کی وجہ سے نصب دیا گیا ہے مطلب یہ ہے کہ وہ ہرگز (موت کی) تمنا نہ کریں گے۔ جب تک وہ زندہ ہیں۔

بِمَا قَدَّمَتْ أَيْدِيهِمْ: (بسبب اس کے جو ان کے ہاتھوں نے آگے بھیجا) یعنی جو انہوں نے محمد ﷺ کے ساتھ گذشتہ زمانہ میں کفر کیا اور اللہ تعالیٰ کی کتاب کی تحریف وغیرہ کی۔ یہ معجزات نبوت میں سے ہے کہ گذشتہ زمانے کی خبر بتلائی۔ اور جیسا آپ نے خبر دی۔ یہ اسی طرح واقع ہوا۔ جیسا کہ وَلَنْ تَفْعَلُوا البقرہ آیت نمبر ۲۴ میں (مستقبل میں نہ کر سکنے کی پیش گوئی ہے) اگر یہود موت کی تمنا کرتے۔ تو ضرور قرآن مجید نقل کر دیتا جس طرح دیگر حوادث نقل کیے۔

تہدید کفار:

وَاللَّهُ عَلِيمٌ بِالظَّالِمِينَ: (اور اللہ تعالیٰ ظالموں کو جاننے والے ہیں) میں ان کو تہدید کی گئی (دھمکی دی گئی ہے) وَلَتَجِدَنَّهُمْ أَحْرَصَ النَّاسِ: (اور تم ضرور پاؤ گے ان لوگوں کو سب سے زیادہ حریص) نَحْوَهُم اور احرص الناس۔ یہ دونوں وجد کے مفعول ہیں۔

عَلَى حَيَوةٍ: (زندگی پر) حیات کی تنوین تنکیر پر دلالت کرتی ہے اور مراد مخصوص قسم کی زندگی ہے اور وہ مہلت والی زندگی ہے اسی وجہ سے تنوین والی قراءت زیادہ بہتر ہے۔ (علی الحیاء) الف لام والی قراءت سے۔ جو حضرت ابی بنیہ کی قراءت ہے۔ وَمِنَ الَّذِينَ أَشْرَكُوا: (اور ان لوگوں سے بھی زیادہ جو مشرک ہیں) یہ معنی پر محمول ہے کیونکہ احرص الناس کا معنی احرص من الناس۔ لوگوں میں زیادہ حریص۔

الگ تذکرہ کی وجہ:

سوال: مشرک جب الناس میں داخل ہیں تو ان کا الگ تذکرہ کیوں کیا؟

جواب: مشرکین کی حرص سب سے زیادہ ہے جیسا کہ الملائکہ کہیں تو تمام فرشتے داخل ہیں۔ مگر جبرائیل و میکائیل کو خصوصاً ذکر کر دیا جاتا ہے۔ ان کی خصوصیت کی وجہ سے اسی طرح یہ حرص میں نمبر اول ہیں۔ یا یہ مراد ہے کہ یہ یہود مشرکوں سے بھی زیادہ حریص ہیں۔ سابقہ کلام کی دلالت کی وجہ سے۔

”احرص“ کو حذف کر دیا۔ اس میں یہود کو سخت ڈانٹ پلائی گئی اس لیے کہ مشرکوں کو تو آخرت پر بھی ایمان نہیں اور وہ فقط دنیا ہی کی زندگی جانتے ہیں۔ اگر وہ دنیا کے بارے میں حرص کریں تو بعید نہیں۔ کیونکہ یہی ان کی جنت ہے۔ پس اگر کوئی اہل کتاب ہوتے ہوئے زیادہ حرص کرے۔ جبکہ اس کو جزاء و سزا کا اقرار بھی ہے۔ تو وہ عظیم تو بیخ کا مستحق ہے۔ مشرکین سے ان کی حرص بڑھنے کی وجہ یہ ہے کہ وہ جانتے ہیں۔ کہ وہ آگ میں جائیں گے۔ کیونکہ ان کو اپنی حالت معلوم ہے (جس کی سزا جہنم ہی ہے) اور مشرکین کو اس کے متعلق کچھ بھی علم نہیں۔

شدت حرص:

يُوَدُّ أَحَدُهُمْ لَوْ يُعَمَّرُ أَلْفَ سَنَةٍ: (ان میں سے ہر ایک چاہتا ہے کاش اسے عمر دی جائے ایک ہزار برس) جملہ مستانفہ لا کر ان کی شدت حرص ذکر کی۔ دوسرا قول یہ ہے۔ الَّذِينَ أَشْرَكُوا سے مجوس مراد ہیں کیونکہ وہ اپنے بادشاہوں کے بارے میں کہا کرتے تھے۔ عیش الف نیروز۔! تو جیسے ہزار سال۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ یہ عجمیوں کا قول ہے۔ ہزار سال جیو۔

تیسرا قول: وَمِنَ الَّذِينَ أَشْرَكُوا۔ یہ ابتدائی کلام ہے یعنی ومنہم ناس یودا حدہم اور ان میں سے بعض لوگ ایسے ہیں جن میں سے ہر ایک چاہتا ہے گویا موصوف محذوف ہے، اس صورت میں والذین اشركوا سے مراد یہود ہونگے۔ کیونکہ انہوں نے کہا۔ عزیر ابن اللہ کہ عزیر اللہ کا بیٹا ہے۔

وَمَا هُوَ بِمُزْحِزٍ مِنَ الْعَذَابِ: (حالانکہ اس قدر جینا ان کو عذاب سے نجات دینے والا نہیں)

ضمیر کا مرجع:

نحو نمبر ۱: کی ضمیر احدہم کی طرف لوٹی ہے اور ان یعمرو یہ بمزحزحہ کا فاعل ہے۔

أَنْ يُعَمَّرَ: (یہ کہ اس کو عمر دی جائے) یہ بمزحزحہ کا فاعل ہے۔ مطلب یہ ہے کہ ان میں سے کوئی ایک بھی ایسا نہیں جس کو اس کی عمر آگ سے بچالے۔

نمبر ۲: ہو ضمیر مبہم اور ان یعمرو اس کی توحین۔ مطلب یہ ہو اوہ عمر دیا جانا ان میں سے کسی کو بھی آگ سے نہ بچا سکے گا۔ الزحزحہ: دور ہونا۔ ایک جانب ہونا۔ کتاب جامع العلوم وغیرہ میں لکھا ہے کہ لو یعمرو کا معنی أَنْ یُعَمَّرَ ہے۔ یعنی عمر دیا جانا۔ یہاں لَو۔ ان کا قائم مقام ہے۔ اور أَنْ فعل کو مصدر کے معنی میں کر دیتا ہے اور یہ یود کا مفعول ہے ای یودا حدہم تعمیر الف سنہ۔ ان میں سے ہر ایک ایک ہزار سال کی عمر چاہتا ہے۔

وَاللَّهُ بَصِيرٌ بِمَا يَعْمَلُونَ: (اور اللہ تعالیٰ دیکھتے ہیں جو وہ کرتے ہیں) یعنی ان کفار کا عمل (جانتا ہے) پس وہ اس پر ان کو سزا دے گا۔

قرأت: یعقوب رحمہ اللہ نے تعملون پڑھا ہے۔

قُلْ مَنْ كَانَ عَدُوًّا لِجِبْرِيلَ فَإِنَّهُ نَزَّلَهُ عَلَى قَلْبِكَ بِإِذْنِ اللَّهِ مُصَدِّقًا لِمَا

آپ فرمادیجئے کہ جو شخص دشمن ہو جبریل کا سو اس نے اتارا ہے قرآن تمہارے قلب پر اللہ کے حکم سے جو تصدیق کرنیوالا ہے اس کتاب کی جو

بَيْنَ يَدَيْهِ وَهُدًى وَبُشْرَى لِلْمُؤْمِنِينَ ۙ مَنْ كَانَ عَدُوًّا لِلَّهِ وَمَلَائِكَتِهِ

اس سے پہلے ہے اور ہدایت ہے اور بشارت ہے ایمان والوں کے لئے۔ جو شخص دشمن ہو اللہ کا اس کے فرشتوں کا

وَرُسُلِهِ وَجِبْرِيلَ وَمِيكَلَ فَإِنَّ اللَّهَ عَدُوٌّ لِلْكَافِرِينَ ۙ

اور اس کے پیغمبروں کا اور جبریل کا اور میکائیل کا تو بے شک اللہ دشمن ہے کافروں کا۔

تفسیر آیت ۹۷:

قُلْ مَنْ كَانَ عَدُوًّا لِجِبْرِيلَ: (اے محمد ﷺ آپ کہہ دیں جو کوئی دشمن ہو جبرائیل کا) قراءت۔ نمبر: ۱۔ مکی نے جبریلؑ بغیر ہمزہ پڑھا۔

نمبر ۲: حفص کے علاوہ باقی کوئی قراء نے جبرائیل۔ اشباع ہمزہ سے پڑھا۔

نمبر ۳: بقیہ تمام قراء نے، جبریل۔ بلا ہمزہ پڑھا۔

مَخْرُجًا: جبریل۔ معرفہ وعجمہ کی وجہ سے غیر منصرف ہے۔ اس کا معنی عبد اللہ ہے۔ کیونکہ سریانی میں جبر۔ عبد کو کہتے ہیں۔ اور ایل اللہ کا نام ہے۔

حجت بازیہودی:

روایت میں ہے کہ ابن صوری یا یہودی عالم نے نبی اکرم ﷺ سے حجت بازی کی۔ اور آپ سے سوال کیا۔ کہ آپ پر کون وحی لاتا ہے آپ ﷺ نے فرمایا جبریل۔ ابن صوری نے کہا وہ تو ہمارا دشمن ہے۔ اگر اور کوئی فرشتہ ہوتا تو ہم ضرور آپ پر ایمان لے آتے۔ اس نے بارہا ہم سے دشمنی کی۔ ان میں سب سے شدید تر یہ تھی۔ کہ ہمارے پیغمبر پر یہ حکم اتارا۔ عنقریب بیت المقدس کو بخت نصر تباہ کر دے گا۔ پس ہم نے اس کو قتل کرنے کے لیے ایک آدمی بھیجا۔ اس نے بخت نصر کو بابل میں ایک مسکین لڑکے کی صورت میں پایا۔ پھر جبرائیل علیہ السلام نے اس کا دفاع کر کے قاتل سے بچا لیا۔ اور کہا جبرائیل علیہ السلام نے۔ اگر تمہارے رب نے اس کو تمہارے ہلاک کرنے کا حکم دیا ہے تو تمہیں اس پر غلبہ نہ دیں گے۔ اور اگر اس کے ہلاک کا حکم نہیں دیا۔ تو پھر کس گناہ کی وجہ سے اسے قتل کرتے ہو۔ (الواحدی فی اسباب النزول)

فَإِنَّهُ نَزَّلَهُ: (اس نے تو اتارا ہے یہ کلام) پس جبرائیل علیہ السلام نے قرآن اتارا۔

اصول: ایسا اضمار جس کا پہلے تذکرہ نہ ہو۔ اس کو کثرت، شہرت کی وجہ سے بطور عظمت شان کے ضمیر کی صورت میں لاتے ہیں۔ گویا وہ اپنی ذات پر خود دلالت کرتا ہے۔ اور اس لیے اس کے صریح نام کی بجائے اس کی کسی صفت کا ذکر کر دیا جاتا ہے۔

خصوصیتِ قلب کی وجہ:

عَلَى قَلْبِكَ : (آپ کے دل پر) یعنی آپ کو یاد کرایا۔ اور دل کو خاص کرنے کی وجہ یہ ہے کہ وہ حفظ کا مقام ہے جیسے سورۃ شعراء آیت نمبر ۱۹۳، ۱۹۴ میں فرمایا۔ نَزَلَ بِهِ الرُّوحُ الْأَمِينُ۔ عَلَى قَلْبِكَ كَلَامُكَ تَقَضَّيْتَهُ تَقَا لِقَبْلِي كَمَا جَاءَتْ۔ مگر کلام اللہ کی حکایت کے طور جس طرح آپ سے کلام کیا گیا تھا۔ اسی طرح ذکر کر دیا گیا۔ (یہ قرآن کے کلام اللہ ہونے کی ایک دلیل ہے)

جواب شرط بنائیں:

نمبر ۱: اس طرح بھی درست ہے کہ فَاِنَّهُ نَزَّلَهُ كَوْثَرٍ لِّكَ جَزَائِنًا۔ تقدیر عبارت اس طرح ہو۔

ان عادی جبریل اُحَدُّ مِنْ اَهْلِ الْكُتُبِ فَلَا وَجْهَ لِمَعَادَاتِهِ حَيْثُ نَزَّلَ كِتَابًا مُّصَدِّقًا لِّلْكِتَابِ بَيْنَ يَدَيْهِ فَلَوْ اَنْصَفُوا لِاحِبِّهِ وَاشْكُرُوا لَهُ صَنِيعَهُ فِيْ اَنْزَالِهِ مَا يَنْفَعُهُمْ وَيُصَحِّحُ الْمَنْزِلَ عَلَيْهِمْ اَكْرَ كَوْنِيْ اَهْلَ كِتَابٍ مِّنْ سِوَا جِبْرَائِيلَ سَيَكُونُ كَوْنِيْ وَجْهٌ لِّهِمْ۔ اس لیے کہ اس نے ایک ایسی کتاب اتاری ہے جو اپنے سے پہلی کتابوں کی تصدیق کرنے والی ہے اگر ان میں انصاف ہوتا تو وہ اس سے محبت کرتے اور اس کے شکر گزار ہوتے۔ ان کے اس احسان پر کہ اس نے ان کیلئے فائدہ مند کتاب اتاری۔ اور انکی کتاب منزل (جس کی انہوں نے تحریف کر دی) کی وہ تصحیح کرنے والی ہے۔

نمبر ۲: جواب شرط کو محذوف مان کر تقدیر عبارت اس طرح ہو۔ مَنْ كَانَ عَدُوًّا لِّجِبْرِيلَ فَلَيُمَتَّ غِيْضًا فَاِنَّهُ نَزَلَ الْوَحْيُ عَلَى قَلْبِكَ۔ جو جبرائیل کا دشمن ہے پس اسے غصے سے ڈوب مرنا چاہیے۔ اس لیے کہ اس نے آپ کے دل پر وحی کو اتارا ہے۔ بِاِذْنِ اللّٰهِ : (اللہ تعالیٰ کے حکم سے) یہاں اذن کا معنی حکم ہے۔

مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ وَهُدًى وَبُشْرَىٰ لِلْمُؤْمِنِينَ : (جو تصدیق کرتا ہے اس کلام کی جو اس سے پہلے ہے اور ہدایت و خوش خبری ہے ایمان والوں کے لیے) اس میں یہود کے اس قول کی تردید ہے کہ جبرائیل تو سختی اور لڑائی لے کر آتا ہے۔ تو ان کو جواباً کہا گیا۔ کہ وہ تو ہدایت و بشارت بھی لاتا ہے۔

مَنْجُوْرٌ : باذن اللہ۔ نزل کی ضمیر فاعلی سے حال ہے یعنی اس حال میں کہ اس کو اجازت دی جاتی ہے۔ مصدقاً یہ نزلہ کی ہضمیر سے حال ہے۔ اسی طرح ہدی و بشری بھی اسی ضمیر سے احوال ہیں۔ یعنی ہادی اور مبشر۔

فرقہ شیعہ باطنیہ کا ہدیان:

قرآن مجید رسول اللہ ﷺ پر ان حروف میں نہیں اترا جن میں ہم پڑھتے ہیں بلکہ یہ الھام کے طور پر آپ کے دل پر اترا۔ آپ نے عربی الفاظ میں اس کو تعبیر کر دیا۔ ان حروف سے جن میں ہم پڑھتے ہیں۔ پس قرآن وہ باطنی معنی ہے یہ الفاظ قرآن نہیں اس کی دلیل نزلہ علی قلبک ہے۔

جواب: مگر ہم کہتے ہیں کہ یہ بات ان کی باطل ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید کے نظم عجیب کو معجزہ بنایا۔ سورۃ بقرہ آیت نمبر ۲۳ میں فرمایا۔ فَاتُوا بِسُوْرَةٍ مِّثْلِهِ۔ اور سورۃ یوسف آیت نمبر ۲ میں فرمایا۔ قَرَأْنَا عَرَبِيًّا۔ اور ظاہر ہے کہ سورۃ اور عربی زبان دونوں مجموعہ الفاظ سے بننے والی چیزیں ہیں محض معنی کو عربی نہیں کہا جاتا۔

وَلَقَدْ أَنْزَلْنَا إِلَيْكَ آيَاتٍ بَيِّنَاتٍ وَمَا يَكْفُرُ بِهَا إِلَّا الْفَاسِقُونَ ﴿۹۹﴾ أَوْ كُلَّمَا عَاهَدُوا

اور یہ واقعی بات ہے کہ ہم نے آپ کی طرف واضح دلیلیں نازل کی ہیں۔ اور ان کا انکار وہی لوگ کرتے ہیں جو حکمِ عدویٰ کرنے والے ہیں۔ کیا جب کبھی بھی انہوں نے کوئی عہد کیا

عَهْدًا نَبَذَهُ فَرِيقٌ مِّنْهُمْ ط بَلْ أَكْثَرُهُمْ لَا يُؤْمِنُونَ ﴿۱۰۰﴾

اس عہد کو ان میں سے ایک جماعت نے پھینک دیا بلکہ ان میں سے اکثر ایمان نہیں لائیں گے۔

۹۸: مَنْ كَانَ عَدُوًّا لِلَّهِ وَمَلَائِكَتِهِ وَرُسُلِهِ وَجِبْرِيلَ وَمِيكَالَ: (جو دشمن ہے اللہ تعالیٰ کا اور اس کے فرشتوں اور رسولوں کا اور جبرائیل اور میکائیل کا۔)

وجوہ قراءت:

نمبر ۱: بصری اور حفص نے میکال۔ نمبر ۲: مدنی نے میکال اختلاس ہمزہ کے ساتھ۔

نمبر ۳: بقیہ قراء نے میکائیل ہمزہ اور مد مشبعہ کو کسرہ دے کر۔

وجہ تخصیص: خصوصاً دو فرشتوں کو افضل ہونے کی وجہ سے نام کے ساتھ ذکر کر دیا۔ گویا کہ وہ اور جنس سے ہیں۔ اس لیے کہ وصف میں تغایر یہ ذات کے تغایر کے قائم مقام شمار ہوتا ہے۔

فَإِنَّ اللَّهَ عَدُوٌّ لِلْكَافِرِينَ: (بے شک اللہ تعالیٰ کافروں کا دشمن ہے) یہاں ضمیر کی بجائے اسم ظاہر ذکر کیا گیا۔ تاکہ ظاہر کر دیا جائے کہ ان سے عداوت کی وجہ ان کا کفر ہے اور فرشتوں کی عداوت بھی انبیاء علیہم السلام کی عداوت کی طرح کفر ہے۔ جو ان سے دشمنی کرتا ہے وہ اللہ تعالیٰ سے دشمنی کرتا ہے

تفسیر آیت: ۹۹: وَلَقَدْ أَنْزَلْنَا إِلَيْكَ آيَاتٍ بَيِّنَاتٍ وَمَا يَكْفُرُ بِهَا إِلَّا الْفَاسِقُونَ: (یقیناً ہم نے اتار دیں آپ کی طرف کھلی نشانیاں اور نہیں انکار کرتے مگر نافرمان) فاسق سے مراد کفر میں آگے بڑھنے والے۔ الف لام جنس کا ہے بہتر یہ ہے کہ اس سے اہل کتاب کی طرف اشارہ مراد لیا جائے۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ ابنِ صوریٰ نے آپ کو کہا ہمارے پاس آپ کوئی ایسی چیز نہیں لائے جس کو ہم پہچانتے ہوں۔ اور آپ پر کوئی نشانی نہیں اتری۔ جس کی وجہ سے ہم آپ کی اتباع کریں۔ پس یہ آیت اتری۔ (طبری فی تفسیرہ) ۱۰۰: أَوْ كُلَّمَا: (کیا جب کبھی) اَوْ اس میں وَاوْ محذوف پر عطف کے لیے آیا ہے۔ تقدیر عبارت یہ ہے۔ اُكْفُرُوا بِالْآيَاتِ الْبَيِّنَاتِ وَكَلَّمَا: کیا انہوں نے واضح آیات کا انکار کیا اور جب بھی۔

عَاهَدُوا عَهْدًا نَّبَذَهُ: (وہ کوئی عہد کرتے ہیں توڑ دیا) اس عہد کو نبذ کا معنی اس کو توڑ دیا۔ اور اس کا انکار کر دیا۔

فَرِيقٌ مِّنْهُمْ: (ایک گروہ نے ان میں سے) فرمایا کیونکہ ان میں سے بعض ایسے بھی تھے جنہوں نے نہیں توڑا۔

بَلْ أَكْثَرُهُمْ لَا يُؤْمِنُونَ: (بلکہ اکثریت ان کی تو ایمان ہی نہیں رکھتی) یعنی تورات کے ساتھ۔ پس وہ دین میں کسی چیز پر نہیں اس لیے وعدہ توڑنے کو گناہ نہیں سمجھتے۔ اور نہ اس کی پرواہ کرتے ہیں۔

وَلَمَّا جَاءَهُمْ رَسُولٌ مِّنْ عِندِ اللَّهِ مُصَدِّقٌ لِّمَا مَعَهُمْ نَبَذَ فَرِيقٌ مِّنَ

اور جب ان کے پاس اللہ تعالیٰ کی طرف سے رسول آیا جو تصدیق کرنے والا ہے اس کتاب کی جو ان کے پاس ہے تو جن کو کتاب دی گئی تھی

الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ ۖ كَتَبَ اللَّهُ وَرَاءَ ظُهُورِهِمْ كَانْتَهُم لَا يَعْلَمُونَ ﴿۱۰۱﴾

ان میں سے ایک جماعت نے اللہ کی کتاب کو پس پشت ڈال دیا گویا کہ وہ جانتے ہی نہیں ہیں

وَاتَّبَعُوا مَا تَتْلُوا الشَّيْطَانُ عَلَىٰ مُلْكٍ سُلَيْمٍ ۖ وَمَا كَفَرَ سُلَيْمٌ وَلَٰكِن

اور انہوں نے اس چیز کا اتباع کیا جسے سلیمان کے عہد حکومت میں شیطان پڑھتے تھے۔ اور نہیں کفر کیا سلیمان نے لیکن

الشَّيْطَانُ كَفَرٌ ۖ وَيُعْلَمُونَ النَّاسَ السِّحْرَ ۖ وَمَا أُنْزِلَ عَلَى الْمَلَكَيْنِ بِبَابِلَ

شیطان نے کفر اختیار کیا۔ وہ لوگوں کو جادو سکھاتے تھے۔ اور انہوں نے اس کا بھی اتباع کیا جو نازل ہوا دو فرشتوں پر بابل میں

هَارُوتَ وَمَارُوتَ ۚ وَمَا يُعَلِّمِنِ أَحَدٌ حَتَّى يَقُولَا إِنَّمَا نَحْنُ فِتْنَةٌ

یہ دو فرشتے ہاروت اور ماروت تھے اور یہ دونوں نہیں سکھاتے تھے کسی کو جب تک یوں نہ کہہ دیتے کہ ہمارا وجود ایک فتنہ ہے

فَلَا تَكْفُرُ ۚ فَيَتَعَلَّمُونَ مِنْهُمَا مَا يُفَرِّقُونَ بِهِ بَيْنَ الْمَرْءِ وَزَوْجِهِ ۚ وَمَا

لہذا تو کفر اختیار نہ کر، پس یہ لوگ ان سے وہ چیز سیکھ لیتے تھے جس کے ذریعہ مرد اور اس کی بیوی کے درمیان جدائی کر دیتے تھے۔ اور وہ لوگ

هُمْ بِضَارِّينَ بِهِ مِنْ أَحَدٍ إِلَّا بِإِذْنِ اللَّهِ ۚ وَيَتَعَلَّمُونَ مَا يَضُرُّهُمْ وَلَا يَنْفَعُهُمْ ۚ

اس کے ذریعہ کسی کو کچھ بھی کوئی ضرر نہیں پہنچا سکتے مگر اللہ کے حکم سے، اور وہ لوگ وہ چیز سیکھتے ہیں جو ان کو ضرر دینے والی ہے اور نفع دینے والی نہیں

وَلَقَدْ عَلِمُوا لَمَنِ اشْتَرَاهُ مَا لَهُ فِي الْآخِرَةِ مِنْ خَلَقٍ ۚ وَلَبِئْسَ

اور البتہ تحقیق انہوں نے یہ بات جان لی کہ جس نے اس کو خریدا ہے اس کے لئے آخرت میں کوئی حصہ نہیں اور بے شک وہ بری چیز ہے

مَا شَرَوْا بِهِ أَنْفُسَهُمْ لَوْ كَانُوا يَعْلَمُونَ ﴿۱۰۲﴾ وَلَوْ أَنَّهُمْ آمَنُوا وَاتَّقَوْا لَمَثُوبَةٌ

جس کے ذریعہ انہوں نے اپنی جانوں کو بچ دیا۔ اگر وہ جانتے ہوتے اور اگر وہ ایمان لاتے اور تقویٰ اختیار کرتے تو اللہ تعالیٰ کی

مِّنْ عِندِ اللَّهِ خَيْرٌ لَّوْ كَانُوا يَعْلَمُونَ ﴿۱۰۳﴾

طرف سے اس کا ثواب بہتر تھا اگر وہ جانتے ہوتے۔

۱۰۱: وَلَمَّا جَاءَهُمْ رَسُولٌ مِّنْ عِندِ اللَّهِ: (جب آیا ان کے پاس اللہ کا رسول) یعنی محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔
مُصَدِّقٌ لِّمَا مَعَهُمْ نَبَذَ فَرِيقٌ مِّنَ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ: (جو ان کی کتاب کی تصدیق کرنے والا ہے تو پھینک دیا ایک گروہ نے ان میں سے جن کو کتاب دی گئی)۔ الکتب سے مراد تورات۔ اوتوا الکتب سے مراد یہود ہیں۔

کتاب اللہ سے مراد:

کِتَابَ اللَّهِ: (اللہ تعالیٰ کی کتاب کو) نمبر ۱: کتاب اللہ سے مراد تورات۔ کیونکہ وہ رسول اللہ ﷺ کے انکار کی وجہ سے جو کہ تورات کی تصدیق کرنے والے تھے۔ درحقیقت تورات کا انکار کرنے والے اور اس کو چھوڑنے والے شمار ہوتے تھے۔
نمبر ۲: یا کتاب اللہ سے مراد قرآن مجید ہے۔ اس کو چھوڑ دیا اس کے بعد کہ اس کا قبول کرنا ان پر لازم تھا۔

اعراض کی تمثیل:

وَرَأَوْا ظُهُورَهُمْ: (پس پشت ڈال دیا) یہ ان کے چھوڑ دینے اور اعراض کرنے کی تمثیل ہے ان کے اعراض کو اس چیز سے تمثیل دی۔ جس کو بے پروائی اور بے توجہی کی وجہ سے اور اعراض کرنے سے پیٹھ پیچھے پھینک دیا جاتا ہے۔

كَانَهُمْ لَا يَعْلَمُونَ: (گویا کہ وہ کچھ جانتے ہی نہیں) کہ وہ اللہ کی کتاب ہے۔

۱۰۲: وَاتَّبَعُوا مَا تَتْلُو الشَّيَاطِينُ: (اور پیچھے پڑ گئے ان چیزوں کے جو پڑھتے تھے شیاطین) یعنی یہود نے کتاب اللہ کو پھینک دیا۔ اور سحر و منتر کی کتابوں کی اتباع کرنے لگے۔ جن کو وہ پڑھا کرتے تھے۔

عہد سلیمانی میں شیاطین کی حرکات:

عَلَىٰ مُلْكِ سُلَيْمَانَ: (سلطنت سلیمان علیہ السلام میں) سلیمان علیہ السلام کے عہد حکومت میں اور وہ اس طرح کہ شیاطین فرشتوں کی باتیں چوری چھپے سن لیتے پھر اس کے ساتھ اپنی طرف سے جھوٹ گھڑ کر ملاتے۔ پھر وہ کانہوں کے دلوں میں لا ڈالتے۔ کانہوں نے ان کو کتابوں کی صورت میں مرتب کر لیا تھا۔ جس کو وہ خود پڑھتے اور لوگوں کو سکھاتے تھے۔ یہ چیزیں سلیمان علیہ السلام کے زمانے میں پھیل گئیں۔ یہاں تک کہ وہ کہنے لگے جنات غیب جانتے ہیں اور یہ بھی کہا کرتے تھے۔ کہ یہ سلیمان علیہ السلام کا علم ہے اور سلیمان علیہ السلام کی سلطنت بھی اس علم سے مکمل ہوئی۔ اور اسی کے ذریعہ انہوں نے جنات کو تابع کیا اور انسانوں اور ہوا کو ماتحت بنایا ہے۔

وَمَا كَفَرَ سُلَيْمَانُ: (اور نہیں کفر کیا سلیمان علیہ السلام نے) اس میں شیاطین کی تردید ہے اور سحر کے اعتقاد و عمل جس کا انہوں نے سلیمان علیہ السلام پر بہتان باندھا تھا اس کی تردید ہے

وَلَكِنَّ الشَّيَاطِينَ: (لیکن شیاطین نے) وہی ہیں۔

كَفَرُوا: (کفر کیا) یعنی سحر کو استعمال کر کے اور اس کو مدون کر کے۔

قراءت: وَلَكِنَّ الشَّيَاطِينَ۔ لیکن تخفیف کے ساتھ ہے اور حمزہ، شامی اور علی نے شیاطین کو رفع کے ساتھ پڑھا۔

يُعَلِّمُونَ النَّاسَ السِّحْرَ: (وہ لوگوں کو جادو سکھاتے تھے)

نحو: یہ جملہ حال کے مقام پر ہے یعنی انہوں نے کفر کیا اس حال میں کہ وہ لوگوں کو سحر سکھانے والے تھے۔ اس حال میں کہ وہ اس سے ان کی گمراہی و اغواء کا قصد کرنے والے تھے۔

وَمَا أُنْزِلَ عَلَى الْمَلَكَيْنِ: (اس کی اتباع کی جو اتارا گیا دو فرشتوں پر)

عطف کہاں ہے؟

نمبر ۱: جمہور کہتے ہیں کہ مَا یہاں الذی کے معنی میں ہے۔ اور السحر پر عطف کی وجہ سے منصوب ہے۔ یعنی وہ ان کو تعلیم دیتے اس چیز کی جو دو فرشتوں پر اتاری گئی۔

نمبر ۲: اس کا عطف ماتسلوا پر ہے یعنی انہوں نے اتباع کی اس چیز کی جو دو فرشتوں پر اتاری گئی۔

بَابًا هَادُوتَ وَمَارُوتَ: (ہاروت ماروت پر بابل میں)۔ یہ دونوں ان کے نام ہیں۔

نحو: یہ ملکیں کا عطف بیان ہے: ان فرشتوں پر جو اتارا گیا تھا۔ وہ علم سحر تھا جو انسانوں کی آزمائش کیلئے اتارا گیا تھا۔ جس نے ان سے سیکھ کر عمل کیا وہ کافر ہو گیا اگر اس میں کوئی ایسی بات ہو جس سے ایمان کی تردید ہوتی تھی۔

اور جس شخص نے اس سے پرہیز کیا یا اس کو سیکھا تا کہ اس سے بچے اور اس کے دھوکے سے محفوظ رہ سکے۔ عمل کی خاطر نہیں سیکھا۔ تو ایسا شخص مؤمن ہے۔

شیخ ماتریدی کا قول:

شیخ ابو منصور ماتریدی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ سحر کے متعلق مطلقاً یہ کہہ دینا کہ یہ کفر ہے یہ غلط ہے۔ بلکہ اس کی حقیقت کو جانچنا ضروری ہے۔ اگر اس میں کسی شرط ایمان کی تردید ہوتی ہو۔ تو یہ کفر ہے ورنہ نہیں۔ وہ سحر جو کفر ہے اس کے قائل و عامل کو قتل کیا جائے گا۔

البتہ اگر عورت ہوگی تو اس کو قتل نہ کیا جائے گا۔ اور جو قسم سحر کی کفر نہیں مگر اس سے نفس کو ہلاک کرنا لازم آتا ہے اس کا حکم ڈاکوؤں والا ہے۔

(أَنْ يُقْتَلُوا أَوْ يَصَلَّبُوا أَوْ تُقَطَّعَ أَيْدِيهِمْ) (الایۃ) اس میں مؤنث و مذکر کا حکم ایک ہے اگر توبہ کر لیں تو توبہ قبول کی جائے گی۔ جنہوں نے توبہ کے قبول نہ کرنے کا قول کیا ہے انہوں نے غلط کہا۔ اس لیے کہ ساحرین فرعون کی توبہ قبول کر لی گئی۔

نمبر ۳: انزل کا معنی قذف فی قلوبہما مع النہی عن العمل۔ ان کے دلوں میں سحر ڈالا اس پر عمل کی ممانعت سمیت۔

من گھڑت حکایت کا رد:

نمبر ۴: یہ بھی کہا گیا کہ یہ دونوں فرشتے وہ تھے جن کا ملائکہ نے انتخاب کیا کہ ان میں شہوت پیدا کی جائے جب انہوں نے بنی آدم کو عار دلائی۔ یہ دن کو زمین میں فیصلہ کرتے اور رات کو آسمانوں پر چڑھ جاتے۔ دونوں نے زہرہ کی خواہش کی اس نے ان کو شراب پینے پر آمادہ کیا۔ پھر اس کے ساتھ وہ زنا میں مبتلا ہو گئے۔ ان کو ایک آدمی نے دیکھ لیا۔ ان دونوں نے اس کو قتل کر ڈالا۔ پھر دونوں

نے آخرت کے مقابلے میں دنیا کے عذاب کو ترجیح دی۔ اور وہ دونوں بابل کے کنوئیں میں اوندھے لٹکے ہوئے ہیں۔ یہ من گھڑت کہانی ہے جس کی کوئی اصل نہیں۔ معتبر مفسرین نے اس کی تردید کی ہے۔

وجہ تسمیہ: بابل کی وجہ تسمیہ یہ ہے کہ زبانیں اس میں وہاں مخلوط ہو جاتی تھیں۔

وَمَا يَعْلَمُونَ مِنْ أَحَدٍ: (وہ فرشتے کسی کو نہیں سکھاتے تھے)

حَتَّى يَقُولَ (یہاں تک کہ وہ کہتے) یہاں تک کہ اس کو تنبیہ کرتے اور اس کو نصیحت کرتے اور اس کو کہہ دیتے۔

إِنَّمَا نَحْنُ فِتْنَةٌ: (بے شک ہم آزمائش ہیں) فتنہ کا معنی ابتلاء ہے اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے آزمائش ہے

فَلَا تَكْفُرْ: (تو کفر نہ کر) یعنی اس کو سیکھ کر اور اس پر عمل کر کے اس انداز میں کہ جو کفر بن جائے۔

نحوی حکایت:

فَيَتَعَلَّمُونَ مِنْهُمَا: (پس وہ ان دونوں سے سیکھتے) نمبر ۱: فاء کا عطف يعلمون الناس السحر پر ہے۔ یعنی وہ ان کو سکھاتے

پس وہ جادو اور کفر ان سے سیکھتے۔ جادو اور کفر سیکھنے پر کفر و اور يعلمون الناس السحر دلالت کرتے ہیں۔

نمبر ۲: فاء کا عطف مضمر پر ہے پس تقدیر عبارت یہ ہوگی۔ فیاتون فیتعلمون۔ پس وہ ان کے پاس آتے اور ان سے سیکھتے۔ اور

ضمیر اس کی طرف جاتی ہے جس پر من احد دلالت کرتا ہے۔ یعنی فیتعلم الناس من الملکین۔ پس لوگ ان دونوں فرشتوں

سے سیکھتے۔

مَا يُفَرِّقُونَ بَيْنَ الْمَرْءِ وَزَوْجِهِ: (وہ باتیں جو جدائی ڈال دیں مرد و عورت کے درمیان) یعنی وہ علم سحر جو زوجین کے

درمیان تفریق کا سبب بنتا۔ اللہ تعالیٰ ابتلاء کے طور پر عورت میں نافرمانی اور مخالفت پیدا فرما دیتے

اہلسنت:

کے نزدیک سحر کی ایک حقیقت ہے اور معتزلہ کے ہاں یہ محض تخیل ہے اور ملع سازی ہے۔

وَمَا هُمْ بِضَارِّينَ بِهِ: (حالانکہ وہ نقصان نہیں پہنچا سکتے) ہ سے مراد سحر ہے۔

مِنْ أَحَدٍ إِلَّا بِإِذْنِ اللَّهِ: (اس سے کسی کو بغیر حکم الہی کے) یعنی اللہ تعالیٰ کے علم و مشیت کے ساتھ۔

وَيَتَعَلَّمُونَ مَا يَضُرُّهُمْ وَلَا يَنْفَعُهُمْ: (اور وہ سیکھتے تھے جو ان کو نقصان نہ پہنچا دے اور نہ نفع) یعنی آخرت میں۔

مَنْ يَسْتَلِمْ: اس میں بتلا دیا کہ سحر سے بچنا ضروری ہے جیسا وہ فلسفہ جو گمراہی کی طرف لے جائے۔ اس سے بھی بچنا ضروری ہے۔

وَلَقَدْ عَلِمُوا: (تحقیق وہ جان چکے) یعنی یہود۔

لَمَنِ اشْتَرَاهُ: (جس نے اس کو خریدا) کتاب اللہ کے بدلہ میں اس کو لیا جو شیاطین پڑھتے تھے۔

مَا لَهُ فِي الْآخِرَةِ مِنْ خَلَقٍ: (اس کے لیے آخرت میں کوئی حصہ نہیں) خلاق کا معنی حصہ ہے۔

وَلَيْسَ مَا شَرَوْا بِهِ أَنْفُسَهُمْ: (بہت بری چیز کے بدلے انہوں نے اپنے نفسوں کو بیچا) یعنی اپنے نفسوں کو بیچا۔

لَوْ كَانُوا يَعْلَمُونَ: (کاش وہ جان لیتے)

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَقُولُوا رَاعِنَا وَقُولُوا انْظُرْنَا وَاسْمَعُوا وَلِلْكَافِرِينَ

اے ایمان والو! تم لفظ راعنا نہ کہو اور لفظ انظرنا کہو اور سنو! اور کافروں کے لئے

عَذَابٌ أَلِيمٌ ۝۱۰۲

دردناک عذاب ہے۔

سوال: لَوْ كَانُوا يَعْلَمُونَ سے علم کی نفی کی۔ اور وَلَقَدْ عَلِمُوا سے ان کے لیے علم کا اثبات و تاکید قسم کے ساتھ کیا۔

جواب: کاش لو کَانُوا يَعْلَمُونَ کا معنی ہے وہ اپنے علم سے جان لیتے جب انہوں نے اپنے علم کو نہ جانا تو ان کو اس طرح قرار دیا گویا وہ جانتے ہی نہیں۔

تَفْسِيرُ آيَةِ ۱۰۳:

۱۰۳: وَلَوْ أَنَّهُمْ آمَنُوا: (اگر وہ ایمان لے آئے) 'امنوا سے مراد رسول اللہ ﷺ اور قرآن پر ایمان لانا ہے۔
وَاتَّقُوا: (اور تقویٰ اختیار کرتے) اور اللہ تعالیٰ سے ڈرتے تو کتاب اللہ کا پیچھے پیچھے پھینکنا اور شیاطین کی کتابوں کی اتباع چھوڑ دیتے۔

لَمْثُوبَةٌ مِّنْ عِنْدِ اللَّهِ خَيْرٌ لَّوْ كَانُوا يَعْلَمُونَ: (تو ضرور ثواب ہوتا اللہ تعالیٰ کے پاس سے بہتر اگر وہ جان لیتے) بے شک اللہ تعالیٰ کا ثواب بہت بہتر ہے ان غلط چیزوں سے جن میں وہ مبتلا تھے۔ اور وہ اس بات سے بخوبی واقف تھے۔ لیکن جب انہوں نے اپنے علم پر عمل ترک کیا۔ تو ان کو جاہل قرار دیا گیا۔

مطلب یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان کو بہتر بدلہ ملتا (اگر اپنے صحیح رخ پر قائم رہتے)

کنایت ثواب:

سوال: لَوْ کے جواب میں جملہ فعلیہ کی بجائے اسمیہ لائے؟

جواب: کیونکہ اس میں ثواب کے ثابت کرنے اور پختہ کرنے کی زیادہ دلالت ہے۔

سوال: لَمْثُوبَةُ اللَّهِ خَيْرٌ نِّمِیْسَ کَمَا بَلْکَ لَمْثُوبَةُ مِّنْ عِنْدِ اللَّهِ خَيْرٌ کَمَا بَلْکَ۔

جواب: اس لیے کہ لَمْثُوبَةُ مِّنْ عِنْدِ اللَّهِ خَيْرٌ کا مطلب یہ ہے کہ تھوڑا سا ثواب بھی ان کے لیے کافی تھا۔ لَوْ کو یہاں تمنی کے لیے بھی قرار دیا گیا۔ گویا انہیں یہ کہا گیا۔ کاش کہ وہ ایمان لاتے پھر نیا کلام شروع کر کے کہا لَمْثُوبَةُ مِّنْ عِنْدِ اللَّهِ خَيْرٌ۔

۱۰۴: يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَقُولُوا رَاعِنَا وَقُولُوا انْظُرْنَا: (اے ایمان والو! تم راعنا نہ کہو بلکہ انظرنا کہو) جب مسلمانوں کو آپ کوئی بات فرماتے تو مسلمان کہتے راعنا یا رسول اللہ۔ یعنی ہمارا خیال و انتظار فرمائیں۔ یہاں تک کہ ہم اس کو سمجھ کر یاد کر لیں۔

مَا يُوَدُّ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْ أَهْلِ الْكِتَابِ وَلَا الْمُشْرِكِينَ أَنْ يُنَزَّلَ عَلَيْكُمْ مِنْ

اہل کتاب میں سے جن لوگوں نے کفر اختیار کیا اور مشرکین یہ پسند نہیں کرتے کہ نازل کی جائے تمہارے اوپر تمہارے رب کی

خَيْرٍ مِّنْ رَبِّكُمْ ۖ وَاللَّهُ يَخْتَصُّ بِرَحْمَتِهِ مَنْ يَّشَاءُ ۖ وَاللَّهُ ذُو الْفَضْلِ

طرف سے کوئی خیر۔ اور اللہ تعالیٰ مخصوص فرمائے اپنی رحمت سے جس کو چاہے اور اللہ تعالیٰ بڑے

الْعَظِيمِ ۝

فضل والا ہے۔

رَاعِنَا کی وجہ ممانعت:

اور ادھر یہود کے ہاں عبرانی یا سریانی زبان میں، راعینا ”کلمہ تھا جس سے وہ ایک دوسرے کو گالم گلوچ کرتے تھے۔ جب انہوں نے مسلمانوں سے راعنا کا لفظ سنا تو انہوں نے فرصت کو غنیمت جانا اور رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو مخاطب کر کے یہی کلمہ کہنا شروع کر دیا۔ اور مراد اس سے وہ اپنا گالی والا کلمہ لینے لگے۔ پس مسلمانوں کو اس کلمہ سے روک دیا گیا۔ اور اس کا ہم معنی کلمہ انظرنا کہنے کا حکم دیا۔ یہ انظر نظر سے انتظار کے معنی میں ہے۔

وَاسْمَعُوا: (اور غور سے سنو) نمبر ۱: غور سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات اور فرامین کو سنو۔ کہ تمہارے کان ان کو محفوظ کرنے والے اور دماغ حاضر ہوں۔ تاکہ اعادہ اور رعایت کرنے والے کے مطالبہ کی حاجت پیش نہ آئے۔

نمبر ۲: قبولیت و اطاعت کی غرض سے سنو۔ تمہارا سننا یہود کی طرح نہ ہونا چاہئے کہ انہوں نے کہا۔

سَمِعْنَا وَعَصَيْنَا (کہ ہم نے سنا اور نافرمانی کی)

وَلِلْكَافِرِينَ عَذَابٌ أَلِيمٌ: (اور کافروں کے لیے دردناک عذاب ہے) یہود کے لیے جنہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو گالی دی ہے دردناک عذاب ہے۔

۱۰۵: مَا يُوَدُّ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْ أَهْلِ الْكِتَابِ وَلَا الْمُشْرِكِينَ أَنْ يُنَزَّلَ عَلَيْكُمْ مِنْ خَيْرٍ مِّنْ رَبِّكُمْ۔ (اہل کتاب میں

سے کافر اور مشرک یہ نہیں چاہتے کہ اتاری جائے تم پر بھلائی اللہ تعالیٰ کی طرف سے)

قراءت: يُنَزَّلَ کو ابو عمر و اور کی نے يُنَزَّلَ تخفیف کے ساتھ پڑھا ہے۔

اقسام من:

مِّنْ خَيْرٍ مِّنْ رَبِّكُمْ: (کوئی بھلائی تمہارے رب کی طرف سے)

نمبر ۱: پہلا من بیان یہ ہے۔

مَا نَنْسَخْ مِنْ آيَةٍ أَوْ نُنسِهَا نَأْتِ بِخَيْرٍ مِّنْهَا أَوْ مِثْلَهَا ۗ أَلَمْ تَعْلَمْ أَنَّ اللَّهَ عَلَىٰ كُلِّ

ہم جس کسی آیت کو منسوخ کرتے ہیں یا بھلا دیتے ہیں تو ہم اس سے بہتر یا اس جیسی آیت لے آتے ہیں۔ کیا تو نے نہیں جانا کہ بلاشبہ اللہ ہر چیز پر

شَيْءٍ قَدِيرٌ ۝۱۰۶ أَلَمْ تَعْلَمْ أَنَّ اللَّهَ لَهُ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَٱلْأَرْضِ ۗ وَمَا لَكُم مِّنْ

قادر ہے۔ کیا تو نے نہیں جانا کہ بے شک اللہ کے لئے آسمان اور زمین کا ملک ہے اور تمہارے لئے اللہ کے

دُونِ اللَّهِ مِنْ وَلِيٍّ وَلَا نَصِيرٍ ۝۱۰۷

سوا کوئی ولی اور مددگار نہیں۔

نمبر ۲: اور دوسرا زائدہ ہے جو خیر میں استغراق کا معنی پیدا کرنے کے لیے لایا گیا ہے۔ یعنی کسی قسم کی کوئی بھلائی۔

نمبر ۳: تیسرا مِنْ ابتداء غایت کے لیے ہے۔ الخیر سے وحی اور اسی طرح رحمت مراد ہے۔

وَاللَّهُ يَخْتَصُّ بِرَحْمَتِهِ مَن يَشَاءُ: (اور اللہ تعالیٰ خاص کرتے ہیں اپنی رحمت کے ساتھ جس کو چاہتے ہیں) یعنی وہ اپنے بارے میں خیال کرتے ہیں۔ کہ وہ وحی اتارے جانے کے زیادہ حقدار ہیں۔ پس اے مسلمانو! وہ تم سے حسد کرتے ہیں۔ اور پسند نہیں کرتے کہ تم پر کوئی چیز وحی میں سے اتاری جائے، اللہ تعالیٰ تو نبوت کے ساتھ جس کو چاہتا ہے خاص کر لیتا ہے۔

وَاللَّهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيمِ: (اور اللہ تعالیٰ بڑے فضل والے ہیں) اس میں بتلایا کہ نبوت کا ملنا بہت بڑا فضل ہے۔

شأن نزول: کفار نے نسخ کے سلسلہ میں یہ اعتراض اٹھایا کہ محمد ﷺ کو دیکھو۔ کہ اپنے اصحاب کو ایک بات کا حکم دیتے ہیں پھر ان کو منع کر کے اس کے الٹ حکم دیتے ہیں آج ایک بات کہتا ہے اور کل اس سے رجوع کر لیتا ہے۔ تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیات اتاریں۔

۱۰۶: مَا نَنْسَخْ مِنْ آيَةٍ أَوْ نُنسِهَا: (جو کوئی آیت ہم منسوخ کر دیتے ہیں یا بھلا دیتے ہیں)

لغوی معنی:

لغت میں نسخ تبدیل کرنے کو کہتے ہیں۔

شرعی تعریف:

کسی ایسے مطلق شرعی حکم کی انتہاء کو متاخر بیان کرنا کہ جس کا ہمیشہ رہنا ہمارے دماغوں میں پختہ ہو چکا ہو۔ یہ ہمارے حق میں تو بظاہر تبدیلی ہے مگر صاحب شرع کے لیے یہ بیان محض ہے۔

ہم نے ان لوگوں کا جواب یہ کہہ کر۔ ”یہ صاحب شرع کے حق میں محض بیان ہے“ ”دے دیا جو نسخ کے منکرین ہیں“ اور نسخ کو بداء قرار دیتے ہیں۔ میری مراد اس سے یہود ہیں۔ (یا اس طرح کے دیگر گروہ بھی)

محل نسخ:

ایسا حکم جس میں وجود و عدم کا ذاتی طور پر احتمال ہو۔ اور اس حکم کے ساتھ ایسی چیزیں جو نسخ کے خلاف ہوں وہ نہ پائی جائیں۔ مثلاً توقیت، تابید خواہ وہ توقیت وغیرہ نص سے ثابت ہو یا دلالت نص سے۔

شرط نسخ:

دل کے ارادے سے قدرت کافی ہے تمکن فعل سے قدرت ضروری نہیں۔ عندنا۔ البتہ معتزلہ فعل سے قدرت کو ضروری قرار دیتے ہیں۔

نسخ کی صورت:

نمبر ۱: تلاوت اور حکم سے نسخ بھی جائز ہے اور
نمبر ۲: یہ بھی جائز ہے۔ کہ حکم منسوخ ہو۔ اور تلاوت منسوخ نہ ہو۔
نمبر ۳: اور اس کا عکس ہو کہ تلاوت منسوخ ہو مگر حکم منسوخ نہ ہو۔
نمبر ۴: اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ حکم کا کوئی وصف منسوخ ہو جیسے نص پر اضافہ قید یہ ہمارے نزدیک نسخ ہے امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک نہیں۔

الانساء: دلوں سے اس کی یادداشت کا مٹ جانا۔
قراءت: ابو عمر و اور کی نے نَسَا ہا ہمزہ سے پڑھا ہے۔ نَسَا کا معنی موخر کرنا ہے یہ نَسَا ت سے لیا گیا ہے جس کا معنی اخروت ہے۔ میں نے موخر کیا۔

نَاَتٍ بِخَيْرٍ مِّنْهَا: (تو نازل کر دیتے ہیں اس سے بہتر) یعنی ہم کوئی آیت لے آتے ہیں جو بندہ کے لیے اس سے زیادہ بہتر ہوتی ہے۔ عمل میں ثواب کے لحاظ سے

أَوْ مِثْلَهَا: (یا اس جیسی) اس میں اس کی مثل ہوتی ہے اس لیے کہ بعض آیات کو بعض پر (بحیثیت آیت کے) کوئی فضیلت نہیں۔
أَلَمْ تَعْلَمْ أَنَّ اللَّهَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ: (کیا تجھے معلوم نہیں کہ اللہ ہر چیز پر قدرت رکھتے ہیں) یعنی وہ قادر ہے پس خیر اور اس کی مثل پر یکساں قدرت رکھتا ہے۔

تفسیر آیت: ۱۰۷:

۱۰۷: أَلَمْ تَعْلَمْ أَنَّ اللَّهَ لَهُ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَٱلْأَرْضِ: (کیا تم کو معلوم نہیں کہ آسمان و زمین کی سلطنت اسی اللہ کی ہے۔) وہ تمہارے معاملات کا مالک اور مدبر ہے وہ خوب جانتا ہے کہ ناخ منسوخ میں سے کس کے ساتھ تم سے عبادت کروانی ہے۔
وَمَا لَكُمْ مِّنْ دُونِ اللَّهِ مِنۢ وَّلِيٍّ: (اور تمہارے لیے اللہ کے مقابل کوئی مددگار دوست نہیں) ایسا جو تمہارے معاملے کا ذمہ دار ہو۔
وَلَا نَصِيرٌ: (اور نہ مددگار) اور نہ کوئی مددگار جو تمہیں عذاب سے بچائے۔

أَمْ تُرِيدُونَ أَنْ تَسْأَلُوا رَسُولَكُمْ كَمَا سَأَلَ مُوسَىٰ مِنْ قَبْلُ ۚ وَمَنْ يَتَّبِدَلِ

کیا تم چاہتے ہو کہ اپنے رسول سے سوال کرو جیسا کہ اس سے پہلے موسیٰ سے سوال کئے گئے اور جو شخص ایمان کے بدلہ کفر کو

الْكُفْرَ بِالْإِيمَانِ فَقَدْ ضَلَّ سَوَاءَ السَّبِيلِ ۝۱۰۸

اختیار کرے۔ سو وہ سیدھے راستے سے بھٹک گیا۔

تفسیر آیت ۱۰۸..... بیجا سوالات کی ممانعت:

أَمْ تُرِيدُونَ: (کیا تم یہ چاہتے ہو کہ) یہ اُم منقطعہ ہے۔ تقدیر عبارت یہ ہے۔ اُتریدون کیا تم ارادہ رکھتے ہو؟
أَنْ تَسْأَلُوا رَسُولَكُمْ كَمَا سَأَلَ مُوسَىٰ مِنْ قَبْلُ: (سوال کرو جس طرح سوال کئے گئے موسیٰ علیہ السلام سے اس سے قبل) روایت
میں آیا ہے کہ قریش نے کہا۔ اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم صفا پہاڑ کو ہمارے لیے سونا بنادے۔ اور مکہ کی زمین سے پہاڑ ہٹا کر اس کو کھلا میدان کر
دے۔ پس اس آیت میں ان کو نشانیاں مانگنے کی ممانعت کر دی گئی۔ جس طرح موسیٰ علیہ السلام کی قوم نے ان سے کہا۔

اجْعَلْ لَنَا إِلَهًا۔ سورۃ الاعراف آیت نمبر ۱۳۸

وَمَنْ يَتَّبِدَلِ الْكُفْرَ بِالْإِيمَانِ: (جو بدل لے کفر کو ایمان سے) جس نے آیات منزلہ پر یقین کو چھوڑ دیا۔ اور ان میں شک کیا اور
اپنی طرف سے اور کو ایجاد کیا

فَقَدْ ضَلَّ سَوَاءَ السَّبِيلِ: (پس وہ سیدھی راہ سے بھٹک گیا) سواء کا معنی سیدھا اور درمیانہ راستہ۔

وَدَّ كَثِيرٌ مِّنْ أَهْلِ الْكِتَابِ لَوْ يَرُدُّونَكُمْ مِّنْ بَعْدِ إِيمَانِكُمْ كُفَّارًا ۖ

اہل کتاب میں سے بہت سے لوگ دل سے یہ چاہتے ہیں کہ کاش تم کو تمہارے ایمان کے بعد پھر کفر کی طرف لوٹا لیں

حَسَدًا مِّنْ عِنْدِ أَنْفُسِهِمْ مِّنْ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمُ الْحَقُّ ۚ فَاعْفُوا

اپنے دلوں کے حسد کے باعث، بعد اس کے کہ ان کے لئے حق ظاہر ہو گیا ہے، سو تم معاف کرو

وَاصْفَحُوا حَتَّىٰ يَأْتِيَ اللَّهُ بِأَمْرِهِ ۚ إِنَّ اللَّهَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ۝۱۰۹

اور درگزر کرو یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ اپنا حکم بھیج دے، بے شک اللہ ہر چیز پر قادر ہے

وَأَقِيمُوا الصَّلَاةَ وَآتُوا الزَّكَاةَ ۚ وَمَا تُقَدِّمُوا لِأَنْفُسِكُمْ مِنْ خَيْرٍ

اور نماز قائم کرو اور زکوٰۃ ادا کرو اور جو کچھ پہلے سے بھیج دو گے اپنی جانوں کے لئے کوئی خیر

تَجِدُوهُ عِنْدَ اللَّهِ ۚ إِنَّ اللَّهَ بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرٌ ۝۱۱۰

اسے اللہ کے پاس پا لو گے، بے شک اللہ ان کاموں کو دیکھنے والا ہے جن کو تم کرتے ہو

تفسیر آیت ۱۰۹:

وَدَّ كَثِيرٌ مِّنْ أَهْلِ الْكِتَابِ لَوْ يَرُدُّونَكُمْ: (اہل کتاب میں سے بہت سے چاہتے ہیں کہ تم کو پھیر دیں) یہ کہ وہ تم کو لوٹا دیں۔
مِّنْ بَعْدِ إِيمَانِكُمْ كُفَّارًا: (ایمان کے بعد کفر کی حالت میں) یہ تمہیں ضمیر سے حال ہے مطلب یہ ہوا۔ یعنی تم کو تمہارے دین سے کفر کی حالت کی طرف لوٹا دیں۔

شأن نزول: یہ آیت اس وقت اتری جب یہود نے واقعہ احد کے بعد کہا۔ کیا تم نے غور نہیں کیا۔ کہ جو تکلیف تمہیں پہنچی۔ اگر تم حق پر ہوتے تو تمہیں شکست نہ ہوتی۔ تم ہمارے دین میں واپس لوٹ آؤ۔ وہی تمہارے لیے بہتر ہے۔
حَسَدًا: (حسد کی وجہ سے) یہ مفعول لہ ہے یعنی حسد کی وجہ سے۔ حسد دوسرے کے پاس نعمت کے ہونے پر افسوس کرنا (جلنا اور اس کے زوال کی تمنا کرنا)۔

مِّنْ عِنْدِ أَنْفُسِهِمْ: (جوان کے دلوں میں ہے) یہ ود کے متعلق ہے یعنی وہ اپنے دلوں سے چاہتے ہیں اپنی شہوت کی بناء پر۔
دین داری اور حق کی طرف میلان کی وجہ سے نہیں۔ کیونکہ وہ اس کو پسند کرتے ہیں۔

مِّنْ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمُ الْحَقُّ: (اس کے بعد کہ ان پر ظاہر ہو چکا حق) کہ ان کو معلوم ہے کہ تم حق پر ہو۔ یا حسد کی بناء پر یعنی ایسا حسد شدید جو ان کے دلوں کی گہرائی سے پھوٹنے والا ہے۔

فَاعْفُوا وَاصْفَحُوا: (تم معاف کرو اور درگزر کرو) پس تم ان کے ساتھ درگزر اور معافی کا راستہ اختیار کرو اگر ان سے جہالت

وَقَالُوا لَنْ يَدْخُلَ الْجَنَّةَ إِلَّا مَنْ كَانَ هُودًا أَوْ نَصْرًا ۚ تِلْكَ أَمَانِيُّهُمْ ۚ قُلْ

اور انہوں نے کہا کہ ہرگز کوئی شخص جنت میں داخل نہ ہوگا۔ سوائے اس کے جو یہودی ہو یا نصرانی ہو، یہ ان کی آرزوئیں ہیں، آپ فرمادیجئے

هَاتُوا بُرْهَانَكُمْ إِنْ كُنْتُمْ صَادِقِينَ ۝ بَلَىٰ ۚ مَنْ أَسْلَمَ وَجْهَهُ لِلَّهِ وَهُوَ مُحْسِنٌ

کہ لے آؤ اپنی دلیل اگر تم سچے ہو ہاں جس نے اپنی ذات کو اللہ کی فرمانبرداری کے لئے جھکا دیا اور وہ محسن ہو

فَلَهُ أَجْرُهُ عِنْدَ رَبِّهِ ۖ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ ۝

تو اس کے لئے اس کا اجر ہے اس کے رب کے پاس، اور ان لوگوں پر کوئی خوف نہیں، اور نہ یہ لوگ رنجیدہ ہوں گے

و دشمنی ظاہر ہو۔

حَتَّىٰ يَأْتِيَ اللَّهَ بِأَمْرِهِ ۚ (یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ لے آئے اپنا حکم) یعنی لڑائی والا حکم۔

إِنَّ اللَّهَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ۚ (بے شک اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قدرت رکھتے ہیں) وہ ان سے انتقام کی قدرت رکھتا ہے۔

تَفْسِيرُ آيَةِ ۱۱۰:

وَأَقِيمُوا الصَّلَاةَ وَآتُوا الزَّكَاةَ وَمَا تُقَدِّمُوا لِأَنفُسِكُمْ مِنْ خَيْرٍ ۚ (اور قائم کرو نماز اور دیتے رہو زکوٰۃ اور جو کچھ بھیج دو آگے اپنے لیے بھلائی) خیر سے مراد کوئی نیکی، نماز یا ان کے علاوہ دیگر عبادات۔

تَجِدُوهُ عِنْدَ اللَّهِ ۚ (وہ پاؤ گے اللہ تعالیٰ کے پاس) اس کا ثواب اس کے ہاں پالو گے۔

إِنَّ اللَّهَ بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرٌ ۚ (بے شک اللہ تعالیٰ جو تم کرتے ہو دیکھ رہا ہے) اس کے ہاں کسی عامل کا کوئی عمل ضائع نہیں ہوتا۔

ادعاء یہود و نصاریٰ:

۱۱۱: وَقَالُوا لَنْ يَدْخُلَ الْجَنَّةَ إِلَّا مَنْ كَانَ هُودًا أَوْ نَصْرًا ۚ (وہ کہتے ہیں ہرگز نہ جائیں گے جنت میں مگر جو یہودی یا عیسائی ہو) قالوا کی ضمیر اہل کتاب یہود و نصاریٰ کی طرف لوٹ رہی ہے۔ یعنی یہود نے کہا جنت میں فقط یہودی جائیں گے۔ نصاریٰ نے کہا جنت صرف نصاریٰ کیلئے ہے ان دونوں قولوں میں صنعت لف کا لحاظ رکھا گیا۔ کہ ہر فریق دوسرے کی تفسیل کر رہا ہے۔ اور دوسرے کو یقینی طور پر گمراہ قرار دے رہا ہے۔ سورۃ البقرہ آیت نمبر ۱۱۳۔ قَالَتِ الْيَهُودُ لَيْسَتِ النَّصَارَىٰ عَلَىٰ شَيْءٍ وَقَالَتِ النَّصَارَىٰ لَيْسَتِ الْيَهُودُ عَلَىٰ شَيْءٍ۔! میں یہ بات مذکور ہے ہود جمع ہائند کی جس طرح عائد جمع عوذ کی۔ مَنْ کے لفظ کا لحاظ کر کے کان کا اسم واحد لائے۔ اور معنی کی طرف نظر کر کے خبر جمع لائے۔

باطل تمنا:

تِلْكَ اَمَانِيْهُمْ: (یہ ان کی تمنائیں ہیں) اس سے ان کی مذکورہ تمنائوں کی طرف اشارہ کیا۔ اور وہ یہ کہ ایمان والوں پر رب کی طرف سے خیر نہ اترے گی، اور ایک تمنا یہ تھی۔ کہ وہ مسلمانوں کو کفر کی طرف لوٹا دیں۔ اور ایک تمنا یہ تھی کہ ان کے علاوہ کوئی جنت میں نہ جائے گا اس قسم کی باطل تمنائیں ان کی تمنائیں تھیں۔ الامنیۃ۔ یہ تمنی سے افعولہ کا وزن ہے۔ جیسے اضحوکہ۔

قُلْ هَاتُوْا بُرْهَانَكُمْ: (کہہ دیں اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم تم اپنی دلیل لاؤ) تم اپنے جنت میں داخلے کی دلیل لاؤ۔ ہات کا لفظ بمنزلہ ہاء کے ہے۔ جس کا معنی اُحْضُرْ ہے یہ ان کے قول لن یدخل الجنة الا من کان ہودا او نصری سے متصل ہے اور تِلْكَ اَمَانِيْهُمْ کا جملہ معترضہ ہے

اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقٰیْنَ: (اگر تم سچے ہو) اپنے دعویٰ میں۔

مذمت اہل کتاب:

۱۱۲: بَلٰی: (کیوں نہیں) دوسروں کے جنت میں داخلے کی یہود و نصاریٰ نے جو نفی کی۔ یہ اس کا اثبات ہے۔

مَنْ اَسْلَمَ وَجْهَهُ لِلّٰہِ: (جس نے حوالے کیا اپنے چہرے کو اللہ تعالیٰ کے) جس نے اپنے آپ کو اس کے لیے خالص کر لیا۔ اور وہ اس کے ساتھ کسی کو شریک نہیں ٹھہراتا۔

وَهُوَ مُحْسِنٌ: (اور وہ نیکو کار بھی ہے) وہ قرآن کی تصدیق کرنے والا ہے۔

فَلَهُ اَجْرُهُ: (اس کے لیے اس کا ثواب ہے) یہ من اسلم کا جواب ہے۔ من اسلم یہ ایسا کلام ہے جو معنی شرط کو متضمن ہے۔ اور بلی سے ان کی تردید ہے کہ جنت میں ہمارے سوا کوئی نہ جائے گا۔

عِنْدَ رَبِّہٖ وَلَا خَوْفٌ عَلَیْہُمْ وَلَا ہُمْ یَحْزَنُوْنَ: (اس کے پروردگار کے ہاں نہ خوف ہوگا ان پر اور نہ وہ غمگین ہوں گے)

وَقَالَتِ الْيَهُودُ لَيْسَتِ النَّصْرَىٰ عَلَىٰ شَيْءٍ ۖ وَقَالَتِ النَّصْرَىٰ لَيْسَتِ الْيَهُودُ

اور کہا یہود نے کہ نصاریٰ کسی چیز پر نہیں، اور نصاریٰ نے کہا کہ یہود کسی

عَلَىٰ شَيْءٍ ۚ وَهُمْ يَتْلُونَ الْكِتَابَ ۚ كَذٰلِكَ قَالَ الَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ مِثْلَ

چیز پر نہیں، حالانکہ وہ لوگ کتاب پڑھتے ہیں۔ ایسا ہی کہا ان لوگوں نے جو نہیں جانتے انہی کی

قَوْلِهِمْ ۚ فَاِنَّهُ يَحْكُمُ بَيْنَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فِیْمَا كَانُوْا فِیْهِ يَخْتَلِفُوْنَ ۝۱۱۳

کی بات، پس اللہ تعالیٰ فیصلہ فرمائے گا ان کے درمیان قیامت کے دن اس بات میں جس میں وہ آپس میں اختلاف رکھتے ہیں

تَفْسِیْرُ آیٰتِ ۱۱۳:

وَقَالَتِ الْيَهُودُ لَيْسَتِ النَّصْرَىٰ عَلَىٰ شَيْءٍ: (یہود نے کہا کہ نصاریٰ کسی راہ پر نہیں) کسی صحیح شئی پر جو شمار کی جاسکے۔

وَقَالَتِ النَّصْرَىٰ لَيْسَتِ الْيَهُودُ عَلَىٰ شَيْءٍ: (اور نصاریٰ نے کہا یہود کسی راہ پر نہیں)

وَهُمْ يَتْلُونَ الْكِتَابَ: (حالانکہ وہ سب کتاب الہی پڑھتے ہیں) وہم يتلون الكتاب میں واو حالیہ ہے اور الكتاب کا الف لام

جنس کا ہے۔ یعنی انہوں نے ایسی بات کہی حالانکہ وہ اہل علم اور کتابیں پڑھنے والے ہیں۔ اور جو تورات و انجیل کو اٹھانے والا اور

ان پر ایمان لانے والا ہے اسے باقی کا انکار نہیں کرنا چاہیے کیونکہ دونوں کتابیں ایک دوسرے کی مصدق ہیں۔

كَذٰلِكَ: (اسی طرح) اس جیسی بات جو تو سن چکا۔

تَوْخِیْخِ اہل کتاب:

قَالَ الَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ مِثْلَ قَوْلِهِمْ: (کہی ان لوگوں نے جو بے علم ہیں ان جیسی بات) یعنی وہ جاہل جن کو نہ کچھ علم ہے اور نہ

ان کے پاس کتاب ہے۔ جیسے بت پرست۔ دہریے وہ ہر دین والے کو کہتے ہیں۔ کہ وہ کسی ایسی چیز پر نہیں جو کسی شمار و قطار میں

آئے۔ اس آیت میں اہل کتاب کو سخت توبیخ کی گئی کہ انہوں نے علم کے باوجود اپنے آپ کو جاہلوں کی لڑی میں پرودیا ہے۔

فَاِنَّهُ يَحْكُمُ بَيْنَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فِیْمَا كَانُوْا فِیْهِ يَخْتَلِفُوْنَ: (پس اللہ تعالیٰ قیامت کے دن ان میں فیصلہ کرے گا۔ جس

میں یہ جھگڑتے تھے) یعنی یہود و نصاریٰ کے درمیان اس سزا کا جو ہر فریق کے لیے اس کے مناسب تجویز کی جائیگی۔

وَمَنْ أَظْلَمُ مِمَّنْ مَنَعَ مَسْجِدَ اللَّهِ أَنْ يُذْكَرَ فِيهَا اسْمُهُ وَسَعَىٰ فِي خَرَابِهَا

اور اس شخص سے زیادہ ظالم کون ہوگا جو اس بات سے روکے کہ اللہ کی مسجدوں میں اللہ کا نام لیا جائے اور ان کی ویرانی کی کوشش کرے،

أُولَٰئِكَ مَا كَانَ لَهُمْ أَنْ يَدْخُلُوهَا إِلَّا خَائِفِينَ لَهُمْ فِي الدُّنْيَا خِزْيٌ وَلَهُمْ

ان لوگوں کے لئے یہ جائز نہیں کہ ان میں داخل ہوں مگر ڈرتے ہوئے، ان کے لئے دنیا میں رسوائی ہے اور ان کے لئے

فِي الْآخِرَةِ عَذَابٌ عَظِيمٌ ﴿۱۱۴﴾

آخرت میں بڑا عذاب ہے۔

۱۱۴: وَمَنْ أَظْلَمُ مِمَّنْ مَنَعَ مَسْجِدَ اللَّهِ أَنْ يُذْكَرَ فِيهَا اسْمُهُ: (اور اس سے بڑھ کر ظالم کون ہوگا جو منع کرے اللہ تعالیٰ کی مسجدوں سے کہ ان میں اللہ تعالیٰ کا نام لیا جائے) قراءت: من ابتداء کی وجہ سے موضع رفع میں ہے اور یہ استفہامیہ ہے۔ اظلم یہ اس کی خبر ہے۔ مطلب یہ ہے کہ کون بڑا ظالم ہے اس شخص سے۔

نحوی تراکیب:

نمبر ۱: ان یذکر یہ منع کا مفعول دوم ہے کیونکہ محاورہ ہے منعتہ کذا۔ اس کی مثال سورۃ اسراء کی آیت وما منعنا ان نرسل بالایات میں منع کا مفعول اول نا اور دوم ان نرسل بالایات ہے۔ اور اسی سورت کی آیت نمبر ۹۴ وما منع الناس ان يؤمنوا۔ میں الناس اور ان يؤمنوا دو مفعول ہیں۔

نمبر ۲: یہ بھی جائز ہے کہ ان کے ساتھ حرف جر کو حذف کر دیں۔ اصل اس طرح ہے۔ من ان یذکر اور تم اس کو نصب دو بطور مفعول لہ کے۔ نصب کا مطلب یہ ہے۔ منعہا کراہۃ ان یذکر (ان مساجد سے روکے ذکر سے نفرت کی بناء پر)

ایک مسئلہ:

اللہ تعالیٰ کی تمام مساجد کے لیے یہ حکم ہے کہ اللہ تعالیٰ کی یاد سے ان میں روکنے والا ظلم میں حد سے نکلنے والا ہے اس کی وجہ یہ ہوئی کہ عیسائیوں نے بیت المقدس میں گندگی ڈال دی۔ لوگوں نے ان کو اس میں نماز پڑھنے سے روک دیا۔ یا مشرکین مکہ نے رسول اللہ ﷺ کو حدیبیہ کے سال مسجد حرام میں داخلے سے منع کیا۔

جمع کی وجہ:

سوال: یہاں مساجد اللہ فرمایا گیا۔ حالانکہ روکا تو ایک مسجد سے تھا۔ مسجد بیت المقدس یا مسجد حرام سے۔

جواب: حکم عام ہے اگرچہ سبب خاص ہے اس کی مثال سورۃ ہمزہ کی آیت نمبر اوایل لكل همزہ ہے۔ جو اخنس بن شریق کے بارے میں اتری۔ حالانکہ مراد عام ہر طعنہ زن ہے۔

وَلِلّٰهِ الْمَشْرِقُ وَالْمَغْرِبُ ۚ فَاَيْنَمَا تُوَلُّوْا فَثَمَّ وَجْهُ اللّٰهِ ۚ اِنَّ اللّٰهَ وَّاسِعٌ عَلِيْمٌ ۝۱۱۵

اور اللہ ہی کے لئے ہے مشرق اور مغرب، سو تم جس طرف بھی رخ کرو ادھر اللہ کا رخ ہے، بیشک اللہ واسع ہے، علیم ہے

وَسَعَىٰ فِي خَرَائِبِهَا: (اور کوشش کرے ان کے اجاڑنے کی) اللہ کی یاد کو منقطع کر کے۔ مَنْ سے عام مراد ہے جیسا کہ مَسْجِدَ اللّٰهِ سے مراد عام ہے یعنی ہر ایک مسجد مراد ہے۔

أُولَٰئِكَ: (یہ لوگ) اولئک کا مشار الیہ وہ رکاوٹ ڈالنے والے ہیں۔

مَا كَانَ لَهُمْ أَنْ يَدْخُلُوهَا: (اس لائق نہیں کہ ان میں داخل ہوں) یعنی ان کے لیے مناسب نہیں کہ وہ اللہ تعالیٰ کی مساجد میں داخل ہوں۔

عاجزانہ داخلہ کی اجازت:

إِلَّا خَافِيْنَ: (مگر ڈرتے ڈرتے) یہ يدخلوہا کی ضمیر سے حال ہے۔ نمبر ۱: یعنی مؤمنوں سے ڈرنے کی اور کپکپی کی حالت میں کہ کہیں پکڑ نہ لیے جائیں۔ بجائے اس کے کہ وہ ناجائز تسلط جمائیں اور منہ موڑیں۔ اور ایمان والوں کو اس سے روکیں۔ مطلب یہ ہوا کہ ان کا یہی حق تھا۔ اگر کفار کا ظلم و سرکشی وغور نہ ہو۔

نمبر ۲: یہ بھی کہا گیا۔ کہ ماکان لہم فی حکم اللہ یعنی بلاشبہ اللہ تعالیٰ نے فیصلہ فرمایا اور لوح محفوظ میں لکھ دیا کہ وہ مؤمنوں کی مدد فرمائے گا۔ اور ان کو مضبوط کرے گا۔ یہاں تک کہ وہ اسمیں داخل نہیں ہونگے۔ مگر اس حال میں کہ وہ ڈرنے والے ہونگے۔ روایت میں ہے کہ بیت المقدس میں کوئی عیسائی داخل نہیں ہوتا۔ مگر ناواقف بکرا اس خطرہ کے پیش نظر کہ قتل نہ کر دیا جائے۔ حضرت قتادہؓ فرماتے ہیں۔ بیت المقدس میں جو عیسائی پایا جاتا ہے اس کی خوب پٹائی کی جاتی ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے اعلان فرمادیا۔ الا لا يحجن بعد هذا العام مشرك (بخاری و مسلم) خبردار اس سال کے بعد کوئی مشرک ہرگز حج بیت اللہ کو نہ آئے۔

بعض نے اس ارشاد کا معنی یہ کیا ہے۔ کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ مشرکین کو بطور صاحب اقتدار کے وہاں غالب نہ ہونے دو۔ کہ اس کے راستہ میں کوئی رکاوٹ نہ ہونے دو۔ جیسا کہ اس آیت میں ہے جو سورۃ احزاب آیت نمبر ۵۳ میں ہے۔ وما کان لکم ان تؤذوا رسول اللہ کہ رسول اللہ ﷺ کو ایذا مت دو۔

لَهُمْ فِي الدُّنْيَا خِزْيٌ: (ان کے لیے دنیا میں رسوائی) خیزی سے مراد حربی کافر کا قتل و قید کرنا ہے اور ذمی کا جزیہ کی ذلت اٹھانا وَلَهُمْ فِي الْآخِرَةِ عَذَابٌ عَظِيمٌ: (اور ان کے لیے آخرت میں بہت بڑا عذاب ہے) عذاب سے مراد یہاں آگ ہے۔ ۱۱۵: وَلِلّٰهِ الْمَشْرِقُ وَالْمَغْرِبُ: (مشرق و مغرب اللہ تعالیٰ ہی کا ہے) یعنی مشرق و مغرب کے سارے ملک اس کے ہیں۔ اور وہی ان کا مالک ہے اور متولی ہے۔

فَإِنَّمَا تَوَلَّوْا: (جدھر تم اپنا منہ کر لو گے) یہ شرط ہے تو لو ایہ جزاء فعل اس کی وجہ سے مجزوم ہے یعنی جس جگہ میں ہو تم چہروں کا رخ قبلہ کی طرف پھيرو۔ اس مطلب کی دلیل سورۃ بقرہ کی آیت نمبر ۱۴۴۔ قَوْلٍ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ وَحَيْثُ مَا كُنْتُمْ فَوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ شَطْرَهُ۔ کہ تم اے پیغمبر پھيرو اپنے چہرے کو مسجد حرام کی طرف اور جس جگہ بھی تم ہو (تم مسلمانو) پھيرو اپنے چہروں کو اسی کی طرف۔

فَسَمَّ وَجْهَ اللّٰهِ: (پس ادھر ہی اللہ کا سامنا ہے) یہ جواب شرط ہے۔ یعنی وہ جہت جس پر وہ راضی ہے اور جس کا اس نے حکم دے رکھا ہے۔ پس مطلب یہ ہے کہ جب تمہیں مسجد حرام یا مسجد بیت المقدس میں نماز سے روک دیا گیا۔ تو تمہارے لیے ساری زمین کو مسجد بنا دیا گیا۔ پس تم زمین کے جس ٹکڑے پر چاہو نماز ادا کرو۔ اور اس میں بیت اللہ کی طرف منہ کر لو کیونکہ جہت کی طرف منہ تو ہر جگہ ممکن ہے۔

إِنَّ اللّٰهَ وَاسِعٌ عَلِيمٌ: (بے شک اللہ وسعت والے علم والے ہیں) یعنی وہ وسیع رحمت والے ہیں وہ بندوں پر اپنی رحمتوں کو وسیع کرنا چاہتے ہیں اور وہ بندوں کی مصلحتوں سے بخوبی واقف ہیں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ مسافر کی نماز کے سلسلہ میں یہ آیت اتری۔ کہ جب وہ اپنی سواری پر ہو تو جدھر اس کی سواری رخ کر لے ادھر ہی مسافر منہ کر کے نماز پڑھ لے۔
اشتباہ قبلہ کا حکم:

یہ بھی کہا گیا۔ کہ کچھ لوگوں پر قبلہ مشتبہ ہو گیا۔ انہوں نے مختلف اطراف کی طرف رخ کر کے (اپنے اجتہاد کے مطابق) نماز پڑھ لی۔ جب صبح ہوئی تو ان کو اپنی خطا کا علم ہوا۔ پس ان کا عذر قبول کر لیا گیا۔ یہ روایت امام شافعی رحمہ اللہ کے خلاف حجت ہے۔
امام شافعی رحمہ اللہ اور جہت قبلہ:

کیونکہ وہ قبلہ کے مشتبہ ہو جانے والوں میں سے قبلہ کی طرف پشت کر کے نماز پڑھنے والے کی نماز درست قرار نہیں دیتے۔ ایک قول یہ بھی ہے کہ اینما تو لو ایہ ذکر و دعا کیلئے ہے۔

وَقَالُوا اتَّخَذَ اللَّهُ وَلَدًا ۚ سُبْحَنَهُ ۚ بَلْ لَّهُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۚ كُلُّ

اور انہوں نے کہا کہ اللہ نے بیٹا بنا لیا ہے وہ اس سے پاک ہے، بلکہ اسی کے لئے ہے جو کچھ آسمانوں میں اور زمین میں ہے سب

لَّهُ قٰنِتُوْنَ ۝۱۱۶ بَدِيعُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۚ وَاِذَا قَضٰی اَمْرًا فَاِنَّمَا يَقُوْلُ

اسی کے لئے فرمانبردار ہیں۔ وہ بلا مثال کے پیدا فرمانے والا ہے، آسمانوں اور زمین کو اور جب فیصلہ فرمائے کسی امر کا تو پس یوں فرما دیتا

لَّهُ كُنْ فَيَكُوْنُ ۝۱۱۷

ہے کہ ہو جا، پس ہو جاتا ہے۔

۱۱۶: وَقَالُوا اتَّخَذَ اللَّهُ وَلَدًا: (وہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے بیٹا بنا لیا) ان کے قول سے مراد مسیح ابن اللہ اور عزیر ابن اللہ ہے۔
قراءت: شامی نے قالوا پڑھا ہے پس واو کو ثابت ماننے کی صورت میں یہ واقعہ ماقبل پر معطوف ہوگا اور اگر واو کا حذف مانیں تو یہ جملہ مستانفہ اور الگ واقعہ ہے۔

سُبْحَنَهُ: (وہ سبحان ہے)۔ اللہ تعالیٰ اولاد سے پاک ہے اور منزہ ہے۔
بَلْ لَّهُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ: (بلکہ اسی کا ہے جو کچھ آسمان و زمین میں ہے) یعنی وہ اس کا خالق و مالک ہے۔ اور
مسیح و عزیر اس کے مملوک و مخلوق ہیں۔ اور ولادت بذات خود مالکیت کے منافی ہے۔

کل کی نحوی تحقیق:

كُلُّ لَّهُ قٰنِتُوْنَ: (سب اسی کے تابعدار ہیں) مطیع ہیں ان میں سے کوئی چیز بھی اس کی تکوین و تقدیر سے نکل نہیں سکتی۔ كُلُّ میں
تنوین مضاف الیہ کے عوض میں آئی ہے۔ یعنی کل ما فی السموات والارض۔ (آسمان و زمین کی ہر چیز) یا تقدیر عبارت
یہ ہے۔

کل من جعلوه لله ولداً له قانتون مطيعون عابدون مقرون بالربوبية منكرون لما اضافوا اليهم۔ کہ ہر وہ جس کو
لوگوں نے اللہ کا بیٹا قرار دیا۔ وہ اللہ تعالیٰ کے مطیع اور اس کے سامنے عاجزی کرنے والے عبادت کرنے والے اور اس کی ربوبیت
کے اقراری ہیں۔ اور جس چیز کی نسبت لوگوں نے ان کی طرف کی ہے اس کا انکار کرنے والے ہیں۔

سوال: یہاں ما کا لفظ لایا گیا جو غیر ذوی العقول کے لیے ہے جبکہ قانتون جمع سالم عقلاء کے لیے ہے۔

جواب: یہ اسی طرح ہے جیسا کہا جاتا ہے سُبْحٰنَ مَا سَخَّرَ لَنَا۔ اے بمعنی مَنْ ہے کہ پاک ہے وہ ذات جس نے ان کو ہمارے کام
میں لگایا۔

تَفْسِيْرُ آيَتِ ۱۱:

بَدِيعُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ: (وہ آسمان و زمین کا موجد ہے) ان کا مخترع اور بغیر مثال کے ان کو بنانے والا ہے۔ عرب ہر اس آدمی کو جو ایسا کام کرے جو اس سے پہلے کسی نے نہ کیا ہو کہتے ہیں۔ ابدعت اس لیے اہل سنت والجماعت کی مخالفت کرنے والوں کو مبتدع کہا جاتا ہے۔

اس لیے کہ وہ دین اسلام میں ایسی چیز رواج دے رہا ہے جو صحابہ رضی اللہ عنہم و تابعین رحمہم اللہ نے نہیں کی۔
وَ اِذَا قَضٰی اَمْرًا: (جب وہ ارادہ کرتا ہے کسی کام کا) قضی کا معنی حکم دینا یا مقدر کرنا ہے۔
فَاِنَّمَا يَقُوْلُ لَهُ كُنْ فَيَكُوْنُ: (تو بس فرما دیتا ہے کہ ہو وہ ہو جاتا ہے)

جلد وقوع کی تمثیل:

کن فیکون۔ یہ کان تامہ ہے یعنی وہ کہتا ہے پیدا ہو جاوہ وجود میں آ جاتا ہے۔ یہ حقیقتاً تو جلدی وقوع پذیر ہونے کو مجاز و تمثیل سے ذکر کیا گیا۔ ورنہ نہ وہاں قول ہے نہ حاجت قول مطلب یہ ہوا کہ جن معاملات کا وہ فیصلہ اور ارادہ کرتا ہے تو وہ بلا روک ٹوک وجود میں آ جاتے ہیں۔ جس طرح کہ فرمانبردار نوکرا طاعت کرتے ہوئے ذرا توقف نہیں کرتا۔ اور نہ اس سے انکار بن پڑتا ہے ولدیت کے استبعاد کو اس سے اور مؤکد و پختہ طور پر ثابت کر دیا۔ اس لیے کہ جو قدرت کی ایسی صفات کاملہ رکھتا ہو۔ جس کی یہ صفات جسمیت کے منافی ہیں پھر تو الد کا تصور کیوں کر ممکن ہو؟
قراءت: فیکون میں رفع ہی سب سے بہتر ہے اور عام قراءت کی قراءت یہی ہے۔ وہ اسے جملہ متانفہ جانتے ہیں۔ ای فہو یكون۔

یا یقول پر عطف کی وجہ سے ضمہ آئے گا۔

ابن عامر رحمہ اللہ نے اس کو کن کی وجہ سے منصوب پڑھا ہے کیونکہ اس صورت میں امر ہے اور امر کا جواب فاء کی صورت میں منصوب ہوتا ہے۔ (ان مقدرہ کی وجہ سے)

قول فیصل:

کن حقیقت میں امر نہیں۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ اگر کہا جائے اِذَا قَضٰی اَمْرًا فَاِنَّمَا یَكُوْنُ فِیْکُوْنُ یا اس طرح کہا جائے فَاِنَّمَا یَقُوْلُ لَهُ کُنْ فِیْکُوْنُ۔ تو یہ دونوں برابر ہیں۔

جب اس کا امر ہونا ثابت نہ ہوا تو نصب کا کوئی مطلب نہیں۔ اور اس کی وجہ یہ ہے اگر وہ امر ہو تو دو حال سے خالی نہیں۔ یا تو اس سے موجود کو خطاب ہوگا۔ تو موجود کن سے مخاطب کیا نہیں جاتا۔ یا معدوم کو مخاطب کریں۔ تو معدوم قابل خطاب ہی نہیں۔

وَقَالَ الَّذِينَ لَا يَعْلَمُونَ لَوْلَا يُكَلِّمُنَا اللَّهُ أَوْ تَأْتِينَا آيَةٌ كَذَلِكَ

اور کہا ان لوگوں نے جو نہیں جانتے، کیوں نہیں بات کرتا ہم سے اللہ، یا کیوں نہیں آتی ہمارے پاس کوئی دلیل، ایسا ہی

قَالَ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ مِثْلَ قَوْلِهِمْ تَشَابَهَتْ قُلُوبُهُمْ قَدْ بَيَّنَّا الْآيَاتِ

کہا ان لوگوں نے جو ان سے پہلے تھے انہی جیسی بات، ان کے دل آپس میں ایک دوسرے کے مشابہ ہو گئے۔ بلاشبہ ہم نے ان لوگوں کے لئے دلیلیں بیان

لِقَوْمٍ يُوقِنُونَ ﴿۱۱۸﴾

کردی ہیں جو یقین لاتے ہیں۔

تفسیر آیت ۱۱۸:

وَقَالَ الَّذِينَ لَا يَعْلَمُونَ: (اور کہتے ہیں وہ لوگ جو نہیں جانتے) مشرکین میں سے یا اہل کتاب میں سے۔ ان سے علم کی نفی کی۔ کیونکہ انہوں نے اس پر عمل نہ کیا تو گویا ان کو علم ہی نہ تھا۔

لَوْلَا يُكَلِّمُنَا اللَّهُ: (کیوں نہیں باتیں کرتا ہم سے اللہ تعالیٰ) وہ ہم سے ہمکلامی کیوں نہیں کرتا۔ جیسا کہ ملائکہ سے کرتا ہے اور موسیٰ علیہ السلام سے ہمکلام ہوا یہ بات وہ تکبر و سرکشی کی بناء پر کہتے ہیں۔

أَوْ تَأْتِينَا آيَةٌ كَذَلِكَ قَالَ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ: (یا کیوں نہیں آتی ہمارے پاس کوئی نشانی اسی طرح کہا ان لوگوں نے جو ان سے پہلے گزرے) شدید انکار کی وجہ سے۔ کیونکہ ان کو دی جانے والی آیات وہ آیات ہی تو تھیں۔ ان آیات کی تحقیر کرتے ہوئے (وہ انکار کرتے تھے)

مِثْلَ قَوْلِهِمْ: (ان جیسی بات)

تَشَابَهَتْ قُلُوبُهُمْ: (ملے جلے ہیں ان کے دل) ان کے دل اور ان سے پہلے والوں کے دل اندھے ہیں۔ گویا اندھے ہونے میں مشابہ ہیں۔

قَدْ بَيَّنَّا الْآيَاتِ لِقَوْمٍ يُوقِنُونَ: (بے شک ہم نے بیان کر دیں نشانیاں ان لوگوں کے لیے جو یقین کرتے ہیں) یعنی اس قوم کے لیے جو انصاف پسند ہیں پس وہ ان آیات پر یقین کرتے ہیں۔ کہ یہ آیات ہیں جن پر یقین لانا اور اعتراف کرنا ضروری ہے۔ اور انہی پر وہ اکتفا کرتے ہیں۔ مزید کے متلاشی نہیں۔

إِنَّا أَرْسَلْنَاكَ بِالْحَقِّ بَشِيرًا وَنَذِيرًا ۖ وَلَا تُسْأَلُ عَنْ أَصْحَابِ الْجَحِيمِ ۝۱۱۹

بے شک ہم نے آپ کو بھیجا ہے حق کے ساتھ خوش خبری سنانے والا اور ڈرانے والا اور دوزخ والوں کے بارے میں آپ سے سوال نہیں کیا جائے گا

وَلَنْ تَرْضَىٰ عَنْكَ الْيَهُودُ وَلَا النَّصَارَىٰ حَتَّىٰ تَتَّبِعَ مِلَّتَهُمْ ۖ قُلْ إِنْ هَدَىٰ

اور ہرگز راضی نہ ہوں گے آپ سے یہود اور نصاریٰ یہاں تک کہ آپ ان کے دین کا اتباع کر لیں۔ آپ فرما دیجئے کہ بلاشبہ اللہ

اللَّهُ هُوَ الْهُدَىٰ ۖ وَلَئِنْ اتَّبَعْتَ أَهْوَاءَهُمْ بَعْدَ الَّذِي جَاءَكَ مِنَ الْعِلْمِ مَا لَكَ

کی ہدایت جو ہے وہی ہدایت ہے اور اگر آپ نے ان کی خواہشوں کا اتباع کیا بعد اس کے کہ آپ کے پاس علم آچکا ہے تو نہ ہوگا

مِنَ اللَّهِ مِنْ وَلِيٍّ وَلَا نَصِيرٍ ۝۱۲۰

آپ کے لئے کوئی ولی اور مددگار جو اللہ سے بچا دے۔

تفسیر آیت ۱۱۹:

إِنَّا أَرْسَلْنَاكَ بِالْحَقِّ بَشِيرًا وَنَذِيرًا: (بے شک ہم نے آپ کو حق کے ساتھ خوشخبری سنانے والا بنا کر بھیجا) یعنی
مؤمنوں کو ثواب کی خوش خبری اور کفار کو عقاب سے ڈرانے والے۔

وَلَا تُسْأَلُ عَنْ أَصْحَابِ الْجَحِيمِ: (تجھ سے پوچھ نہ ہوگی دوزخ والوں کے متعلق) ہم ان کے متعلق آپ سے پوچھ گچھ نہ
کرس گے کہ وہ آپ کے پیغام پہنچانے اور دعوت میں پوری کوشش صرف کرنے کے باوجود کیوں ایمان نہیں لائے۔

خَجُو: بِالْحَقِّ یہ بَشِيرًا وَنَذِيرًا کی طرح حال ہے۔ یعنی غیر مؤول ہے یہ جملہ مستانفہ ہے
قراءت: نافع میں نے لَا تُسْأَلُ نہی کے صیغہ کے ساتھ پڑھا ہے۔

دو تفسیریں:

مطلب یہ ہے کہ کفار جس چیز میں مبتلا ہیں اس کا عذاب بہت ہی بڑا ہے اس کا کیا پوچھنا ہے جیسے کہتے ہیں۔ کیف فلان جبکہ
وہ مصیبت میں مبتلا ہو تو جواباً یہی کہا جاتا ہے۔

لا قال اس کے بارے میں مت پوچھو۔

ایک قول یہ بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے پیغمبر کو کفار کے احوال کے بارے میں سوال سے روک دیا۔ جب کہ کسی صحابی
ؓ نے کہا کاش مجھے معلوم ہو جائے کہ میرے والد کا کیا حال ہے۔

الَّذِينَ اتَيْنَهُمُ الْكِتَابَ يَتْلُونَهُ حَقَّ تِلَاوَتِهِ ۖ أُولَٰئِكَ يُؤْمِنُونَ بِهِ ۖ وَمَنْ

وہ لوگ جن کو ہم نے کتاب دی ہے وہ اس کی تلاوت کرتے ہیں، جیسا کہ اس کی تلاوت کا حق ہے۔ یہ لوگ اس پر ایمان لاتے ہیں، اور جو شخص

يَكْفُرْ بِهِ ۖ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْخٰسِرُونَ ﴿١٢١﴾

اس پر ایمان نہ لائے سو یہ لوگ پوری طرح خسارہ میں ہیں۔

تفسیر آیت ۱۲۰:

وَلَنْ تَرْضٰی عَنْكَ الْيَهُودُ وَلَا النَّصْرٰی حَتّٰی تَتَّبِعَ مِلَّتَهُمْ: (ہرگز تم سے یہود و نصاریٰ خوش نہ ہونگے جب تک کہ تم اختیار نہ کرو ان کا دین) گویا انہوں نے اس طرح کہا۔ کہ ہم ہرگز تم سے راضی نہ ہونگے اگرچہ تم ہماری رضا مند یوں کی طلب میں انتہا کر دو۔

یہود کے دخول اسلام سے مایوسی:

یہاں تک کہ تو ہماری ملت کی اتباع کرے۔

اس میں رسول اللہ ﷺ کا یہود و نصاریٰ کے دخول اسلام سے مایوس ہونا ظاہر کیا گیا۔ پس اللہ تعالیٰ نے ان کا کلام ذکر کیا۔

تفسیر آیت ۱۲۰:

قُلْ اِنَّ هٰدٰی اللّٰہ: (کہہ دیں کہ اللہ ہی کی ہدایت) وہی ہدایت جس کو وہ اپنے بندوں کے لیے پسند کرتے ہیں۔
هُوَ الْهُدٰی: (ہدایت ہے) یعنی اسلام جو کہ خالص ہدایت ہے اس سے بڑھ کر کوئی ہدایت نہیں اور جس کی طرف تم (اے یہود و نصاریٰ) دعوت دیتے ہو وہ ہدایت نہیں بلکہ ضلالت ہے اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد۔
وَلٰٓئِن اَتَّبَعْتَ اٰهْوَاۤءَ هُمْ: (اگر آپ چلے ان کی خواہشات پر) یعنی ان کے ان اقوال پر جو کہ خواہشات، بدعات پر مبنی ہیں۔
بَعْدَ الَّذِیْ جَاۤءَکَ مِنَ الْعِلْمِ: (اس کے بعد کہ آپ کے پاس علم آچکا) یعنی العلم سے مراد یہ کہ جان لینا کہ وہ، وہ دین اسلام ہے یا جانا پہچانا ہوا دین۔ کہ جس کے دلائل واضح اور ثبوت روشن ہیں۔ وہ مراد ہے۔
مَا لَکَ مِنَ اللّٰہ: (آپ کے لیے کوئی حمایتی) یعنی اللہ کے عذاب سے
مِنْ وَلٰٓئِیْ وَلَا نَصِیْرٍ: (مددگار نہ ہوگا) نصیر بمعنی ناصر (مددگار) کے معنی میں ہے۔

تفسیر آیت ۱۲۱:

الَّذِیْنَ: (وہ لوگ)

مَنْحُورٌ: الذین اسم موصول مبتدا

اتٰینہم الکتب: (جن کو ہم نے کتاب دی)

مرا دتورات وانجیل ہے۔

نمبر ۱۲۱: یہ صلہ ہے۔

مرا د اہل کتاب کے مؤمن۔ الکتب سے

يٰۤاَيُّهَا اِسْرَآءِیْلُ اذْكُرُوا نِعْمَتِيَ الَّتِي اَنْعَمْتُ عَلَیْكُمْ وَاِنِّیْ فَضَّلْتُكُمْ عَلَی الْعَالَمِیْنَ ﴿۱۲۲﴾

اے بنی اسرائیل میری ان نعمتوں کو یاد کرو جن کا میں نے تم پر انعام کیا اور اس بات کو بھی کہ میں نے تم کو جہانوں پر فضیلت دی،

وَاتَّقُوا یَوْمًا لَا تَجْزِیْ نَفْسٌ عَنْ نَفْسٍ شَيْئًا وَلَا یُقْبَلُ مِنْهَا عَدْلٌ وَلَا تَنْفَعُهَا

اور ڈرو اس دن سے جس دن کوئی شخص کسی جان کی طرف سے کوئی مطالبہ ادا نہ کرے گا اور نہ کسی کی طرف سے جان کا کوئی بدلہ قبول کیا جائے گا اور نہ کوئی

شَفَاعَةٌ وَلَا هُمْ یُنصَرُونَ ﴿۱۲۳﴾

شفاعت نفع دے گی، اور نہ ان کی مدد کی جائے گی۔

نمبر ۲: یا اصحاب محمد صلی اللہ علیہ وسلم کتاب سے مراد قرآن مجید۔

یَتْلُوْنَهُ: (وہ اس کو پڑھتے ہیں) یہ ہم سے حالِ مقدرہ ہے کیونکہ کتاب دیئے جانے کے وقت وہ اس کی تلاوت کرنے والے نہ تھے۔ اور

حق تلاوت کا مطلب:

حَقَّ تِلَاوَتِهِ: (جیسے تلاوت کا حق ہے) مصدر کی وجہ سے منصوب ہے۔

ای یقرؤونہ حق قراءتہ فی الترتیل۔ یعنی وہ اس کو پڑھتے تھے۔ جیسے پڑھنے کا حق ہے یعنی ترتیل اور ادائیگی حروف تدبر و تفکر کے ساتھ۔

یا اس پر عمل کرتے ہیں۔ اور اس کے مضمون پر ایمان رکھتے ہیں۔ اور اس میں پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی تعریف کو نہیں بدلتے۔

اُولٰٓئِكَ: (یہی لوگ) مَخْمُومٌ: یہ مبتدا ہے۔ یُؤْمِنُوْنَ بِہ: یہ اس کی خبر ہے۔ اور یہ جملہ الذین کی خبر ہے۔ اور یہ بھی درست ہے کہ یَتْلُوْنَهُ کو خبر مانیں۔ اور یہ جملہ دوسری خبر ہے

وَمَنْ یَّكْفُرْ بِہْ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ: (اور جو اس کا انکار کرتے ہیں۔ وہی لوگ نقصان پانے والے ہیں) اس لیے وہ خسارہ پانے والے ہیں کہ انہوں نے گمراہی کو ہدایت کے بدلہ میں لے لیا۔

تَفْسِیْرُ آیت ۱۲۲:

۱۲۲: یٰۤاَيُّهَا اِسْرَآءِیْلُ اذْكُرُوا نِعْمَتِيَ الَّتِي اَنْعَمْتُ عَلَیْكُمْ: (اے بنی اسرائیل تم یاد کرو میری ان نعمتوں کو جو میں نے تم پر کیں) یعنی انعمتھا علیکم۔ تم پر میں نے انعام کیا۔

وَاِنِّیْ فَضَّلْتُكُمْ عَلَی الْعَالَمِیْنَ: (اور میں نے تمہیں فضیلت دی جہاں کے لوگوں پر) میں نے تمہیں تمہارے زمانے کے لوگوں پر فضیلت دی۔

وَإِذِ ابْتَلَىٰ إِبْرَاهِيمَ رَبُّهُ بِكَلِمَاتٍ فَأَتَمَّهُنَّ ۖ قَالَ إِنِّي جَاعِلُكَ لِلنَّاسِ إِمَامًا ۖ

اور جب آزمایا ابراہیمؑ ان کے رب نے چند کلمات کے ذریعہ تو انہوں نے ان کو پورا کیا۔ ان کے رب نے فرمایا کہ میں تم کو لوگوں کا پیشوا بنانے والا ہوں

قَالَ وَمِنْ ذُرِّيَّتِي ۖ قَالَ لَا يَنَالُ عَهْدِي الظَّالِمِينَ ﴿ ۱۲۴ ﴾

انہوں نے عرض کیا اور میری اولاد میں سے، ان کے رب نے فرمایا کہ میرا عہد ظلم کرنے والوں کو نہ ملے گا

تفسیر آیت ۱۲۳:

۱۲۳: وَاتَّقُوا يَوْمًا لَا تَجْزِي نَفْسٌ عَنْ نَفْسٍ شَيْئًا وَلَا يُقْبَلُ مِنْهَا عَدْلٌ وَلَا تَنْفَعُهَا شَفَاعَةٌ وَلَا هُمْ يُنصَرُونَ

(اور ڈرو اس دن سے جس دن کوئی کسی کے کام نہ آئے گا۔ اور نہ اس کی طرف سے معاوضہ قبول کیا جاوے گا اور نہ کسی کی سفارش اسے فائدہ دے گی اور نہ ان لوگوں کی مدد کی جائے گی)

مخبر: ہم مبتدا اور ينصرون خبر ہے۔ اور چاروں جملے یوماً کی صفت ہیں۔ یعنی واتقوا یوماً لا تجزی فیہ۔ ولا یقبل فیہ۔ ولا ہم ینصرون فیہ۔

بار دیگر لانے کی وجہ:

سوال: ان دونوں آیات کو دوبارہ کیوں لایا گیا؟

جواب: ان سے گناہ بار بار ہوئے گویا ہر دفعہ نیا گناہ ہوا۔ بنی اسرائیل کے واقعہ کو جس سے شروع فرمایا اسی پر ختم کیا۔

۱۲۴: وَإِذِ ابْتَلَىٰ إِبْرَاهِيمَ رَبُّهُ بِكَلِمَاتٍ: (جب آزمایا ابراہیمؑ کو ان کے رب نے چند کلمات کے ساتھ) واذا۔ اذکر محذوف ہے۔ ابتلاء کا معنی اوامرو نواہی سے امتحان کرنا ہے اور بندوں کے اختبار کا مطلب اس چیز کا ظہور جس کو ہم نہیں جانتے۔ اللہ کی طرف سے اختبار کا مطلب جس کو اپنے علم سے جانتا ہے اس کا ظاہر فرمانا۔

نتیجہ ابتلاء:

شہاد و غائب میں کسی خفی امر کا ظاہر ہونا۔ اسی وجہ سے تو ابتلاء کی اضافت اللہ تعالیٰ کی طرف کی جاسکتی ہے۔

دوسرا قول: یہ کہ اللہ تعالیٰ کا اپنے بندہ کا امتحان کرنا یہ مجاز ہے۔ اس سے کہ بندے کو دو کاموں میں ایک کے کرنے کا اختیار دے دیا جائے۔ جن کاموں کا اللہ تعالیٰ ارادہ فرمائے اور بندہ چاہتا ہے۔ گویا کہ اللہ تعالیٰ اس کا امتحان لے رہے ہیں۔ اس کام میں جو بندے سے سرزد ہوگا۔ تاکہ اس کے مطابق وہ بدلہ عنایت فرمائے۔

قراءت: ابو حنیفہؒ نے ابراہیمؑ ربہ ابراہیم کو رفع دیا ہے۔ ابن عباسؓ کا یہی قول ہے یعنی دعا کے کلمات سے ابراہیمؑ نے اپنے رب کو پکارا۔ جیسے امتحان لینے والا کرتا ہے۔ کہ آیا مخاطب اس کو جواب دے گا یا نہیں۔

وَإِذْ جَعَلْنَا الْبَيْتَ مَثَابَةً لِّلنَّاسِ وَأَمْنًا وَاتَّخِذُوا مِن مَّقَامِ إِبْرَاهِيمَ مُصَلًّى ۖ

اور جب ہم نے بنایا خانہ کعبہ کو لوگوں کے جمع ہونے کی جگہ اور امن اور بنا لو مقام ابراہیم کو نماز پڑھنے کی جگہ

وَعَهْدُنَا إِلَىٰ إِبْرَاهِيمَ وَإِسْمَاعِيلَ أَنَّ طَهَّرَا بَيْتِي لِلطَّائِفِينَ وَالْعَاكِفِينَ وَالرُّكَّعِ

اور ہم نے ابراہیم اور اسماعیل کو حکم بھیجا کہ تم دونوں میرے گھر کو پاک کر و طواف کرنے والوں اور قیام کرنے والوں اور رکوع اور سجدہ کرنے

السُّجُودِ ۱۲۵

والوں کے لئے۔

اکثر مفسرین کا قول:

اکثر مفسرین نے کلمات کو عشر خصال قرار دیا۔ جن میں پانچ سر اور پانچ جسم میں ہیں۔ مضمضہ، سواک، ناک میں پانی ڈالنا، مونچھیں کٹوانا۔ مانگ نکالنا۔ استنجاء۔ زیر ناف بال لینا۔ بغل کے بال نوچنا، ناخن کاٹنا، ختنہ کرنا۔

فَاتَّمَّهُنَّ: (پس انہوں نے ان کو پورا کر دیا) یعنی ان کو صحیح طور پر ادا کر دیا۔ بغیر کسی سستی اور اضافے کے جیسا کہ سورۃ نجم آیت نمبر ۳۷ میں فرمایا۔ وَإِبْرَاهِيمَ الَّذِي وَفَّى۔

قرأت: ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے مطابق مطلب یہ ہے اللہ تعالیٰ نے وہ دے دیا۔ جو ابراہیم علیہ السلام نے طلب کیا۔ اور ان چیزوں میں کمی نہ کی۔ اب اس کے مطابق کلمات سے مراد وہ ہے جو ابراہیم علیہ السلام نے اپنے رب سے مانگی نمبر: رَبِّ اجْعَلْ هَذَا بَلَدًا آمِنًا (البقرہ آیت نمبر ۱۲۶) نمبر ۲۔ رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا (البقرہ آیت نمبر ۱۲۷) نمبر ۳) وَاجْعَلْنَا مُسْلِمِينَ لَكَ (بقرہ آیت نمبر ۱۲۸)

سنن:

وَابْعَثْ فِيهِمْ رَسُولًا مِّنْهُمْ (البقرہ آیت نمبر ۱۲۹) اور قرأت مشہورہ کے مطابق کلمات پانچ سر میں ہیں۔ مانگ نکالنا۔ مونچھیں لینا۔ سواک کرنا۔ مضمضہ، استنجاہ پانچ بقیہ جسم میں ہیں۔ ختنہ۔ ناخن کاٹنا۔ بغل کے بال اکھاڑنا۔ زیر ناف بال۔ استنجاء۔

سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ شرائع کے تیس احکام ہیں جن میں سے دس سورۃ توبہ آیت نمبر ۱۱۲۔ الثَّانِبُونَ، دس احزاب کی آیت ۳۵ میں إِنَّ الْمُسْلِمِينَ وَالْمُسْلِمَاتِ اور دس سورت مؤمنون کی آیت نمبر ۹ اور معارج کی آیت نمبر ۳۴ بخافون۔ تک میں مذکور ہیں۔

قول آخر: یہ ہے کہ یہ حج کے احکامات ہیں۔

قَالَ إِنِّي جَاعِلُكَ لِلنَّاسِ إِمَامًا: (تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا میں تجھ کو لوگوں کا پیشوا بنانے والا ہوں) امام اس کو کہتے ہیں جس کی اقتداء کی جائے۔ یعنی وہ اپنے دین میں تیری اقتداء کریں گے۔

قَالَ وَمِنْ ذُرِّيَّتِي: (ابراہیم علیہ السلام نے کہا اور میری اولاد میں سے) یعنی تو میری اولاد میں سے مقتدا بنا جس کی لوگ اقتداء کریں، ذریۃ الرجل۔ مذکر و مؤنث ہر دو اولاد کے لیے آتا ہے۔ یہ ذرء سے فعلیۃ کا وزن ہے۔ ذرء کا معنی پیدا کرنا۔ ہمزہ کو یاء سے بدل دیا۔

مسلمانوں کا مقتدی کا فر نہیں ہو سکتا:

قَالَ لَا يَنْالُ عَهْدِي الظَّالِمِينَ: (کہا ہمارے اس عہد میں وہ داخل نہیں جو ظالم ہیں) قراءت: الظالمین، حمزہ اور حفص کے نزدیک سکون یاء کے ساتھ ہے۔ مطلب یہ ہے کہ امامت تیری اولاد میں سے اہل ظلم کو نہ ملے گی۔ اہل ظلم سے اہل کفر مراد ہیں۔ اس سے بتلادیا گیا۔ کہ مسلمانوں کی امامت اہل کفر کے لیے ثابت نہیں ہو سکتی۔ اور ان کی اولاد میں مسلمان و کافر دونوں ہونگے۔ جیسا سورۃ الصافات آیت نمبر ۱۱۳ میں بارگنا علیہ تا محسن و ظالم لنفسہ مبین۔ محسن سے مراد مؤمن اور الظالم سے کافر مراد ہیں۔

معتزلہ کا قول:

فاسق امامت کا حقدار نہیں۔ ظالم کا امامت کے منصب پر مقرر کرنا جائز نہیں اس لیے کہ امام تو دفع ظلم کے لیے ہوتا ہے جب ظالم کو مقرر کر دیا جائیگا۔ تو وہ مشہور مثال کے مطابق بن جائے گا۔ من استرعى الذئب ظلم۔ جس نے بھیڑیے کو چرواہا بنایا اس نے ظلم کیا۔

جواب معتزلہ: یہ ظالم سے مطلق یعنی کافر مراد ہے کیونکہ مطلق ظالم وہی ہے۔

دوسرا قول: یہ ہے کہ ابراہیم علیہ السلام نے سوال کیا کہ ان کا بیٹا نبی ہو۔ جس طرح ان کو نبوت ملی تو ارشاد ہوا کہ ظالم نبی نہیں ہوگا۔ ۱۲۵: وَإِذْ جَعَلْنَا الْبَيْتَ: (اور جب ٹھہرایا ہم نے گھر کو) بیت سے مراد کعبہ ہے یہ نام اس پر غالب آگیا جیسا کہ ثریا کو نجم کہا جاتا ہے۔

ملتی فی الحرم کی دلیل:

مَثَابَةٌ لِّلنَّاسِ: (لوگوں کے لیے اجتماع کی جگہ) حجاج و عمار کے لیے مرجع ہے۔ کہ وہاں سے جدا ہو کر پھر اس کی طرف لوٹتے ہیں۔

وَأَمْنًا: (اور امن کا مقام) امن کی جگہ جنایت کرنے والا وہاں پناہ لے تو اس پر تعرض نہیں کیا جاتا۔ یہاں تک کہ وہ خود نکل جائے اور یہ ہمارے لیے مسئلہ ملتی فی الحرم کے متعلق دلیل ہے۔

مقام ابراہیم (علیہ السلام) کی مراد:

وَاتَّخِذُوا مِنْ مَّقَامِ إِبْرَاهِيمَ مُصَلًّى: (اور بنا لو ابراہیم کے کھڑے ہونے کی جگہ کو جائے نماز) ہم نے کہا وہاں نماز کی جگہ مقرر کرلو۔ جہاں نماز ادا کیا کرو۔ آپ ﷺ کے متعلق روایت ہے کہ آپ نے عمر رضی اللہ عنہ کا ہاتھ پکڑا اور فرمایا یہ مقام ابراہیم ہے تو عمر نے کہا۔ اس کو نماز کی جگہ نہ بنالیں۔ تو آپ ﷺ نے فرمایا مجھے اس کا حکم نہیں ہوا۔ ابھی سورج غروب نہ ہوا تھا کہ یہ آیت اتری۔ (ابو نعیم، ابن ابی داؤد فی الصحاح بحوالہ کنز العمال ج ۷/۳۸۱)

دوسرا قول: یہ ہے کہ مصلى سے مراد مدعی اور وہ پتھر جس پر ابراہیم علیہ السلام کے قدم مبارک کا اثر موجود ہے یہ مقام ابراہیم ہے۔
تیسرا قول: سارا حرم مقام ابراہیم ہے۔

قراءت: شامی و نافع نے وَاَتَّخِذُوا۔ ماضی پڑھا۔ اور جعلنا پر عطف کیا۔ یعنی اتخذ الناس من مکان ابراہیم الذی وسم به لا هتما به به وامکان ذریعہ عندہ قبلۃ یصلون الیہا یعنی لوگوں نے ابراہیم کے اس نشان زدہ کھڑے ہونے کی جگہ کو متم بالشان سمجھ کر اور ان کی اولاد کے وہاں ٹھہرنے کی وجہ سے قبلہ قرار دیا۔ کہ اس کی طرف رخ کر کے نماز پڑھتے ہیں۔
وَعٰہِدُنَا اِلٰی اِبْرٰہِیْمَ وَاِسْمٰعِیْلَ: (اور ہم نے کہہ دیا ابراہیم و اسماعیل کو) ان دونوں کو ہم نے حکم دیا۔

طہارت کا معنی:

اَنْ طَہَّرَ اَبَیْتِی: (کہ صاف رکھو میرے گھر کو) قراءت: بَیْتِی۔ یاء کے فتح کے ساتھ مدنی اور حفص نے پڑھا۔ مطلب یہ ہوا کہ تم دونوں پاک کرو۔ یا مطلب یہ ہے کہ بتوں سے اس کو پاک رکھو۔ اور تمام قسم کی انجاس و خبائث سے صاف رکھو لِلطَّائِفِیْنَ: (طواف کرنے والوں) اس کے گرد طواف کرنے والوں کے لیے۔

وَالْعٰکِفِیْنَ: (اور اعتکاف کرنے والوں) نمبر ۱: جو اس کے پاس اعتکاف کرنے والے ہیں۔

نمبر ۲: وہ مجاور جو اس کے پاس اقامت اختیار کرنے والے ہیں۔ کہ اس کے پاس سے جدا نہیں ہوتے

دوسرا قول: طائفین کے متعلق یہ ہے کہ اپنے شہروں سے وہاں کھینچ کر آنے والے ہیں۔ اور عاکفین سے مراد اہل مکہ۔

۱۲۵۔ وَالرُّکَّعِ السُّجُودِ: (اور رکوع و سجدہ کرنے والوں کے لئے) نماز ادا کرنے والے۔ الرُّکَّعِ یہ راکع کی جمع ہے اور السجود جمع ساجد ہے۔

وَإِذْ قَالَ إِبْرَاهِيمُ رَبِّ اجْعَلْ هَذَا بَلَدًا آمِنًا وَارْزُقْ أَهْلَهُ مِنَ الثَّمَرَاتِ مَنْ

اور جب کہا ابراہیم نے اے میرے رب بنا دے اس شہر کو امن والا، اور رزق دے یہاں کے رہنے والوں کو پھلوں سے جو

آمِنٌ مِنْهُمْ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ قَالَ وَمَنْ كَفَرَ فَأُمَتِّعُهُ قَلِيلًا ثُمَّ

ان میں سے ایمان لائے اللہ اور یوم آخرت پر، اللہ تعالیٰ نے فرمایا اور جو شخص کفر اختیار کرے گا سو میں اسے تھوڑا سا نفع پہنچاؤں گا۔ پھر

أَضْطَرُّهُ إِلَىٰ عَذَابِ النَّارِ ۖ وَبِئْسَ الْمَصِيرُ ﴿۱۳۶﴾

اسے دوزخ کے عذاب کی طرف جبراً پہنچاؤں گا۔ اور وہ بری جگہ ہے۔

وَإِذْ قَالَ إِبْرَاهِيمُ رَبِّ اجْعَلْ هَذَا: (جب ابراہیم نے کہا اے میرے رب بنا اس شہر کو امن والا) یعنی نمبر ۱: اس شہر کو کر دے۔ نمبر ۲: اس مکان کو کر دے۔

بَلَدًا آمِنًا کا مطلب:

بَلَدًا آمِنًا: (امن والا شہر) نمبر ۱۔ امن والا۔ یہ اس طرح ہے جیسے عیشۃ راضیہ۔

نمبر ۲۔ ان کے لئے امن والا بنا جو اس میں رہیں یہ اس طرح ہے جیسا کہتے ہیں۔ لیل نائم۔ گہری نیند والی رات۔

نحو! هذا۔ یہ مفعول اول ہے اور بلدا مفعول دوم ہے اور امنا اس کی صفت ہے۔

وَارْزُقْ أَهْلَهُ مِنَ الثَّمَرَاتِ: (اور عطا کر اس کے رہنے والوں کو پھل) کیونکہ اہل مکہ کے ہاں پھل نہ تھے۔ پھر اس کا بدل دے۔

مَنْ آمِنٌ مِنْهُمْ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ: (ان لوگوں کو جو ان میں ایمان لائیں اللہ پر اور آخرت کے دن پر) اس کے رہنے والوں

میں سے۔ یہ بدل اکل سے بدل البعض ہے۔ یعنی رزق المؤمنین من اہلہ خاصہ۔ خاص کر اس کے رہنے والے مؤمنین کو رزق

عنایت فرما۔ رزق کو اپنی امامت پر قیاس کر کے ایمان والوں کے ساتھ خاص کر دیا۔

قَالَ: (فرمایا) اللہ تعالیٰ نے جواباً فرمایا۔

وَمَنْ كَفَرَ: (جو کفر کرے) یعنی میں ان کو بھی رزق دوں گا۔ جنہوں نے کفر کیا۔

فَأُمَتِّعُهُ قَلِيلًا: (پس اس کو فائدہ اٹھانے دوں گا تھوڑا)

نمبر ۱۔ تھوڑا فائدہ۔ نمبر ۲۔ تھوڑا زمانہ جو اس کی زندگی کا ہے۔

قراءت: شامی۔ فَأُمَتِّعُهُ

ثُمَّ أَضْطَرُّهُ: (پھر اس کو مجبور کروں گا) مجبور کروں گا۔

إِلَىٰ عَذَابِ النَّارِ وَبِئْسَ الْمَصِيرُ: (آگ کے عذاب کی طرف اور وہ بہت برا ٹھکانہ ہے)

مصیر کا معنی وہ لوٹنے کی جگہ جس کی طرف پہنچتے ہیں وہ آگ ہے پس مخصوص بالذم یہاں محذوف ہے۔

وَإِذْ يَرْفَعُ إِبْرَاهِيمُ الْقَوَاعِدَ مِنَ الْبَيْتِ وَإِسْمَاعِيلُ ۖ رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا ۖ

اور جب اٹھا رہے تھے ابراہیم کعبہ کی بنیادیں اور اسماعیل بھی، اے ہمارے رب قبول فرما لے ہم سے

إِنَّكَ أَنْتَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ ۝۱۲۷ رَبَّنَا وَاجْعَلْنَا مُسْلِمَيْنِ لَكَ وَمِنْ ذُرِّيَّتِنَا أُمَّةً

بے شک تو ہی خوب سننے والا جاننے والا ہے۔ اے ہمارے رب اور بنادے ہم کو تو اپنا فرمانبردار، اور بنادے ہماری اولاد میں سے ایک امت

مُسْلِمَةً لَّكَ ۖ وَآرِنَا مَنَاسِكَنَا وَتُبْ عَلَيْنَا إِنَّكَ أَنْتَ التَّوَّابُ الرَّحِيمُ ۝۱۲۸

جو تیری فرمانبردار ہو، اور ہمیں بتا دے ہمارے حج کے احکام، اور ہماری توبہ قبول فرما۔ بے شک تو ہی توبہ قبول فرمانے والا مہربان ہے۔

۱۲۷۔ وَإِذْ يَرْفَعُ إِبْرَاهِيمُ: (جب ابراہیم بلند کر رہے تھے) یہ زمانہ ماضی کی حکایت بیان کی۔

الْقَوَاعِدَ: (خانہ کعبہ کی بنیادیں) القواعد جمع قاعدہ کی ہے اور قاعدہ کہتے ہیں جو اوپر کے لئے بنیاد و جڑ کا کام دے۔ یہ صفت غالبہ ہے ورنہ اس کا معنی قائم ہونے والی اور رفع الاساس اس پر تعمیر کرنے کو کہتے ہیں۔ کیونکہ جب اس پر تعمیر کی جائے گی۔ تو وہ پستی سے بلندی میں منتقل ہو جائے گی اور قصیر ہونے کے بعد طویل ہو جائے گی۔

مِنَ الْبَيْتِ: (بیت اللہ کی) بیت سے مراد بیت اللہ وہ کعبہ شریف ہے۔

وَإِسْمَاعِيلُ: (اور اسماعیل) اس کا عطف ابراہیم پر ہے ابراہیم علیہ السلام معماری کر رہے تھے اور اسماعیل ان کو پتھر پکڑا رہے تھے۔ رَبَّنَا: (اے ہمارے رب) وہ دونوں ربنا کہتے تھے۔ یہ فعل حال ہونے کی وجہ سے محل نصب میں ہے اور عبد اللہ نے اپنی قراءت میں اس کو ظاہر بھی کیا ہے اور اب اس کا معنی یہ ہے وہ دونوں دیواروں کو ربنا کہتے ہوئے بلند کر رہے تھے۔

تَقَبَّلْ مِنَّا: (تو ہم سے قبول کر) اس گھر کی تعمیر کے سبب ہمارا قرب اپنی بارگاہ میں قبول کر۔

إِنَّكَ أَنْتَ السَّمِيعُ: (بے شک تو ہر بات سننے والا ہے) ہماری دعاؤں کو سننے والے۔

الْعَلِيمُ: (اور ہر بات جاننے والا ہے) ہمارے بواطن اور نیات کو جاننے والے ہیں۔ آیت میں قواعد کو پہلے مبہم رکھا اور پھر اس ابہام کے بعد واضح کر دیا اس میں مبہن کی عظمت شان کو ظاہر کرنا مقصود ہے۔

تَفْسِيرُ آيَةِ ۱۲۹:

رَبَّنَا وَاجْعَلْنَا مُسْلِمَيْنِ لَكَ: (اے ہمارے رب تو بنا ہمیں اپنا فرمانبردار)

نمبر ۱۔ مسلمین کا معنی ہم اپنے چہروں کو تیرے لئے خالص کرنے والے ہیں اور یہ اسی طرح ہے جیسا البقرہ آیت نمبر ۱۱۲ میں من اسلم وجہہ للہ۔

دوسرا قول: عاجز و فرمانبرداری اختیار کرنے والے ہیں۔ یہ اس طرح ہے جیسے کہیں اسلم لہ واستسلم۔ یعنی عاجزی کی اور یقین کر لیا۔ مطلب یہ ہے کہ ہمارے اخلاص اور اپنے اوپر یقین میں اضافہ فرما۔

رَبَّنَا وَابْعَثْ فِيهِمْ رَسُولًا مِّنْهُمْ يَتْلُو عَلَيْهِمْ آيَاتِكَ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ

اے ہمارے رب اور بھیج دے ان میں ایک رسول ان میں سے، جو تلاوت کرے ان پر تیری آیات، اور سکھائے ان کو کتاب

وَالْحِكْمَةَ وَيُزَكِّيْهِمْ ۚ إِنَّكَ أَنْتَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ ۝۱۲۹

اور حکمت، اور ان کا تزکیہ کرے، بے شک تو ہی عزیز ہے، حکیم ہے۔

وَمِنْ ذُرِّيَّتِنَا: (اور ہماری اولاد میں سے) نَحْمَدُ: یہ اجعل کے متعلق ہے تو ہماری اولاد میں سے کر دے۔
أُمَّةً مُّسْلِمَةً لَّكَ: (ایک فرمانبردار جماعت) نمبر ۱۔ من تبعیضہ ہے نمبر ۲۔ بیان یہ ہے۔

مراد امت:

امت سے مراد ایک قول کے مطابق امت محمدیؐ ہے۔

سوال: اپنی اولاد کو دعائیں کیوں خاص کیا؟

سوال کا مدلل جواب:

جواب: اولاد و شفقت کی سب سے زیادہ حقدار ہے جیسا کہ سورۃ التحریم آیت نمبر ۶ میں قوا انفسکم و اہلیکم ناراً فرمایا ہے۔
(کہ تم اپنے آپ اور اپنے اہل کو آگ سے بچاؤ)

وَأَرِنَا مَنَّا سِغْنًا: (اور ہماری عبادت کے طریقے ہمیں بتا) اِرْ کا لفظ رَأٰی سے بنا ہے اس کا معنی دکھانا یا بتلانا ہے۔ اس لئے اس کو دو مفعولوں کی ضرورت نہیں پڑی۔ یعنی تو ہمیں حج میں عبادت کے مقامات دکھا۔ یا بتلا۔ مناسک کا واحد منسک ہے۔ سین (س) کی زیر و زبردوں کے ساتھ استعمال ہوتا ہے اور اس کا معنی عبادت کے مقامات ہیں۔ اس لئے عبادت کرنے والے کو مناسک کہتے ہیں۔

قراءت: (مکی نے اُرْنَا پڑھا۔ اس کو فَخِذْ کے لفظ پر قیاس کیا۔ ابو عمرو نے رُو کو کسرہ کا اِشام دے کر پڑھا۔
وَتُبَّ عَلَيْنَا: (اور توبہ قبول کر) نمبر ۱۔ جو ہم سے کوتاہی پیش آگئی ہو۔

نمبر ۲۔ اپنی اولاد کے لئے دونوں نے توبہ طلب کی۔ یعنی ہماری اولاد کو معاف فرما۔
إِنَّكَ أَنْتَ التَّوَّابُ الرَّحِيمُ: (بے شک تو توبہ قبول کرنے والا مہربان ہے)

تفسیر آیت ۱۲۹:

رَبَّنَا وَابْعَثْ فِيهِمْ: (اے ہمارے رب تو بھیج ان میں) سے مراد امت مسلمہ ہے۔

وَمَنْ يَرْغَبُ عَنْ مِلَّةِ إِبْرَاهِيمَ إِلَّا مَنْ سَفِهَ نَفْسَهُ وَلَقَدْ اصْطَفَيْنَاهُ

اور ملت ابراہیم سے وہی روگردانی کرنے کا جس نے اپنے نفس کو احمق بنایا، اور بے شک ہم نے ان کو منتخب کر لیا

فِي الدُّنْيَا ۚ وَ إِنَّهُ فِي الْآخِرَةِ لَمِنَ الصَّالِحِينَ ۝۱۳۰ اِذْ قَالَ لَهُ رَبُّهُ

دنیا میں، اور وہ آخرت میں صالحین میں سے ہیں، جب فرمایا ان کے رب نے کہ

اَسْلِمَ ۚ قَالَ اَسْلَمْتُ لِرَبِّ الْعَالَمِينَ ۝۱۳۱

فرمانبردار ہو جا، تو انہوں نے عرض کیا کہ میں رب العالمین کا فرمانبردار ہوں۔

رَسُولًا مِّنْهُمْ: (رسول انہی میں سے) انہی میں سے پس اللہ تعالیٰ نے ان میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو بھیجا۔ آپ ﷺ نے فرمایا۔ انا دعوة ابی ابراہیم و بشری عیسی و رؤیا اقی۔ (رواہ احمد۔ الحاکم البزار) میں اپنے والد ابراہیم علیہ السلام کی دعا اور عیسیٰ علیہ السلام کی بشارت اور اپنی والدہ کا خواب ہوں) خواب یہ تھا۔ کہ آپ کی والدہ محترمہ نے ولادت سے قبل ایک روشنی اپنے سے نکلتی ہوئی دیکھی جس نے مکہ کو بھر دیا۔

يَتْلُوا عَلَيْهِمْ اٰیٰتِكَ: (جوان پر تیری آیات پڑھے) ان پر پڑھتا ہے اور ان کو پہنچاتا ہے۔ جو اس کی طرف وحی کے ذریعہ تیری وحدانیت کے دلائل اور انبیاء اور رسل علیہم السلام کی صداقت کے دلائل بھیجے جاتے ہیں۔ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ: (اور ان کو تعلیم دے کتاب) کتاب سے مراد قرآن مجید ہے۔ وَالْحِكْمَةَ: (وحکمت کی) سنت اور فہم قرآن مراد ہے۔

وَيُزَكِّيهِمْ: (اور ان کو پاک و صاف بنائے) وہ ان کو شرک اور تمام نجاستوں سے پاک کرتا ہے۔ اِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيزُ: (بے شک تو زبردست) وہ غالب جو مغلوب نہ ہو۔ الْحَكِيْمُ: (تدبیر والا ہے) اس چیز میں جس کا اس نے تمہیں مالک بنایا۔

تَفْسِيْرُ آيَةِ ۱۳۰:

وَمَنْ يَرْغَبُ عَنْ مِلَّةِ إِبْرَاهِيمَ: (نہیں اعراض کرتا ملت ابراہیم سے) یہ استفہام انکاری ہے اور اس بات کا شدت سے انکار کیا گیا۔ کہ واضح حق سے بے رغبتی اختیار کرنے والا عقل مند نہیں ہے۔ اور واضح حق ملت ابراہیم ہے۔ الملة۔ طریقہ، سنت۔ زجاج بیہد نے اسی طرح کہا ہے۔

الْاَمْنُ: (مگروہ)

نحوی تراکیب:

یہ یوغب کی ضمیر سے بدل ہے اور محل رفع میں واقع ہے اور بدل ہی صحیح ہے۔ کیونکہ جو منہ موڑنے والا ہے وہ لازم کرنے والا نہیں۔ جیسا کہتے ہیں۔ هل جاءك احد الا زيد تیرے پاس سوائے زید کے کوئی نہیں آیا۔ اب آیت کا معنی یہ بنے گا۔ نہیں اعراض کرتا ملت ابراہیم سے مگر وہ۔

مفاہمت کا مفہوم:

سَفَهَ نَفْسَهُ: (بے وقوف ہے جس کا نفس) یعنی جس کا نفس جاہل ہے۔
نمبر ۱۔ ای جھل نفسہ (یعنی وہ اپنے دل میں سوچتا نہیں)۔ یہاں سفہ کو جھل کی جگہ لائے اور اس کو اس کی طرح شمار کر لیا۔
نمبر ۲۔ دوسرا قول۔ یہ ہے کہ جس کے نفس میں حماقت ہے۔ پس فی کو حذف کر دیا جس طرح من کو اعراف آیت نمبر ۱۵۵ سے واختار موسیٰ قومہ۔ اور علیٰ کو سورة بقرہ آیت نمبر ۲۳۵ ولا تعزموا عقدة النکاح ای علی عقدة النکاح۔ یہ دو صورتیں زجاج کے نزدیک ہیں مگر فرما ہے کہ یہ تمیز کی وجہ سے منصوب ہے۔ مگر یہ قول ضعیف ہے۔ کیونکہ وہ معروف ہے۔

ملت ابراہیم (علیہ السلام) کا حکم:

وَلَقَدْ اصْطَفَيْنَاهُ فِي الدُّنْيَا وَ اِنَّهٗ فِي الْاٰخِرَةِ لَمِنَ الصّٰلِحِيْنَ: اس میں اُس آدمی کی رائے کی غلطی بتلائی جو ملت ابراہیم سے منہ موڑنے والا ہے کیونکہ جو شخص دونوں جہاں کی عظمت کا جامع ہو تو اس کے طریقے کی طرف رغبت کرنے سے بڑھ کر کسی کا طریقہ نہیں۔

تفسیر آیت ۱۳۱:

اِذْ قَالَ: (جب کہا) نحو۔ نمبر ۱۔ یہ اصطفیناہ کا ظرف ہے۔
نمبر ۲۔ یا اذ کر مضمحل کی وجہ سے منصوب ہے۔ گویا اس طرح کہا گیا۔ اس وقت کو یاد کرو تا کہ تمہیں معلوم ہو جائے وہی منتخب و صالح ہیں۔ کہ جن کی ملت قابل اعراض نہیں۔

لَهُ رَبُّهُ اَسْلِمَ: (ان کو ان کے رب نے تو فرما کر ہمارے دار ہو جا) یقین کر یا اطاعت کر یا اپنے دین کو اللہ تعالیٰ کے لئے خالص کر۔
قَالَ اَسْلَمْتُ لِرَبِّ الْعَالَمِيْنَ: (کہا میں نے اپنے تمام کاموں کو اللہ تعالیٰ کے لئے خالص کیا۔ میں خالص ہوا میں نے خالص کیا۔ یا میں مطیع ہوا۔

وَوَصَّى بِهَا إِبْرَاهِيمُ بَنِيهِ وَيَعْقُوبُ ط يَبْنِي إِنَّ اللَّهَ اصْطَفَى لَكُمُ الدِّينَ

اور ملت ابراہیم کی وصیت کی ابراہیم نے اپنے بیٹوں کو اور یعقوب نے بھی، اے میرے بیٹو بے شک اللہ نے منتخب فرمایا ہے تمہارے لئے اس دین کو،

فَلَا تَمُوتُنَّ إِلَّا وَأَنتُمْ مُسْلِمُونَ ﴿۳۲﴾ أَمْ كُنْتُمْ شُهَدَاءَ إِذْ حَضَرَ يَعْقُوبَ

سو ہرگز مت مرنّا مگر اس حالت میں کہ تم دین اسلام پر ہو۔ کیا تم حاضر تھے جس وقت آنے لگی یعقوب کو

الْمَوْتُ إِذْ قَالَ لِبَنِيهِ مَا تَعْبُدُونَ مِنْ بَعْدِي ط قَالُوا نَعْبُدُ إِلَهَكَ وَ

موت، جبکہ انہوں نے اپنے بیٹوں سے کہا کہ کس کی عبادت کرو گے میرے بعد، انہوں نے کہا ہم عبادت کریں گے آپ کے معبود کی اور

إِلَهَ آبَائِكَ إِبْرَاهِيمَ وَإِسْمَاعِيلَ وَإِسْحَاقَ إِلَٰهًا وَاحِدًا ط وَنَحْنُ لَهُ مُسْلِمُونَ ﴿۳۳﴾

آپ کے باپ دادوں ابراہیم، اسمعیل اور اسحاق کے معبود کی، جو ایک ہی معبود ہے اور ہم اس کے فرمانبردار ہیں

مرجع ضمائر:

وَوَصَّى بِهَا: (اور اس کی وصیت کی) قراءت مدنی و شامی نے اَوْ صلی پڑھا۔

نمبر ۱۔ ہا کی ضمیر سے مراد ملت ہے یا نمبر ۲۔ کلمہ اسلمت لرب العالمین ہے۔

إِبْرَاهِيمُ بَنِيهِ وَيَعْقُوبُ: (ابراہیم علیہ السلام نے اپنے بیٹوں کو اور یعقوب نے کہا) یعقوب یہ ابراہیم پر معطوف ہے اور اس کے حکم میں

داخل ہے اور مطلب یہ ہے کہ یعقوب علیہ السلام نے اپنے بیٹوں کو بھی وصیت کی۔

يَبْنِي: (اے میرے بیٹو) قال مضمرب ہے۔

چنا ہوا دین:

إِنَّ اللَّهَ اصْطَفَى لَكُمُ الدِّينَ: (بے شک اللہ تعالیٰ نے تمہیں چن کر دین دیا) یعنی تمہیں وہ دین دیا جو دینوں میں منتخب شدہ

ہے۔ وہ دین اسلام ہے اس کو تھا منے کی تمہیں توفیق دی۔

ثابت قدمی کا حکم:

فَلَا تَمُوتُنَّ إِلَّا وَأَنتُمْ مُسْلِمُونَ: (پس تم مسلمان ہو کر ہی مرنّا) تمہاری موت اسلام پر ثابت قدمی کی حالت میں ہونی

چاہیے۔ حقیقت میں اس بات کی ممانعت کی گئی کہ موت کے وقت ان کی حالت اسلام کے خلاف نہ ہونی چاہیے۔ جیسا کہتے ہیں۔

لا تصل الا وانت خاشع یعنی تمہیں نماز خشوع کے ساتھ پڑھنی چاہیے۔ اس میں نماز کی ممانعت نہیں بلکہ نماز میں خشوع کے

ترک کرنے کی ممانعت کی گئی ہے۔

تفسیر آیت ۱۳۳:

أَمْ كُنْتُمْ شُهَدَاءَ إِذْ حَضَرَ يَعْقُوبَ الْمَوْتُ: (کیا تم موجود تھے جب یعقوب علیہ السلام کا آخری وقت آیا)
ام کی اقسام:

نمبر ۱۔ ”أَمْ“ منقطعہ ہے۔ ہمزہ انکار کے لئے ہے شہداء جمع شہید اس کا معنی حاضر ہے۔ یعنی یعقوب علیہ السلام کی موت کے وقت تم حاضر نہ تھے۔ یہاں خطاب ایمان والوں کو فرمایا۔ اب مطلب یہ ہوا۔ کہ تم اس وقت موجود نہ تھے۔ تمہیں ان کے متعلق وحی سے علم ہوا۔

نمبر ۲۔ دوسرا قول۔ ”أَمْ“ متصلہ ہے اس سے قبل مقدر محذوف ہے اور اس وقت خطاب یہود کو ہے۔ کیونکہ وہ کہا کرتے تھے۔ کہ جو پیغمبر بھی فوت ہوا۔ وہ یہودیت پر فوت ہوا۔ تو ان کو مخاطب کر کے گویا فرمایا کہ تم انبیاء علیہم السلام پر یہودیت کے دعویدار ہو؟ کیا تم حاضر تھے جبکہ یعقوب علیہ السلام کو موت آئی؟

إِذْ قَالَ: (جب انہوں نے اپنے) نمبر ۱۔ یہ پہلے از سے بدل ہے اور ان دونوں میں شہداء کا لفظ عامل ہے۔
یا نمبر ۲۔ حَضَرَ کا ظرف ہے۔

لَبِئْسَ مَا تَعْبُدُونَ مِنْ بَعْدِي: (بیٹوں کو کہا تم لوگ میرے بعد کس کی پوجا کرو گے)

ما کی تفصیل:

مَحْجُوز: ما استفہامیہ ہے اور تعبدون کی وجہ سے محل نصب میں واقع ہے مطلب یہ ہے۔ کس چیز کی تم عبادت کرتے ہو؟ ما عام ہے ہر چیز کے لئے آتا ہے یا ما معبود کی صفت کے متعلق سوال کے لئے ہے۔ جیسا تم کہو۔ مازید ترید أفقیہ ام طیب زید کے متعلق تم کیا جانتے ہو کہ وہ فقیہ ہے یا طیب من بعدی۔ میری موت کے بعد

الہ کو دوبارہ لانے کی وجہ:

قَالُوا نَعْبُدُ إِلَهَكَ وَالِلَّهِ أَبَائُكَ: (انہوں نے کہا ہم اس کی عبادت کریں گے جو تیرا اور تیرے آباء کا ہے)۔ اللہ کا ذکر دوبارہ کیا گیا تاکہ ضمیر مجرور پر عطف بغیر اعادۃ حرف جار کے لازم نہ آئے۔

إِبْرَاهِيمَ وَإِسْمَاعِيلَ وَإِسْحَاقَ: (ابراہیم، اسماعیل، اسحاق کا معبود ہے) یہ آباء لك سے عطف بیان ہے۔

سوال: آباء میں اسماعیل علیہ السلام کا ذکر کیا حالانکہ وہ ان کے چچا ہیں۔

جواب: چچا بمنزلہ باپ کے ہوتا ہے۔ آپ علیہ السلام نے عباس رضی اللہ عنہ کے متعلق ارشاد فرمایا۔ ہذا بقیۃ آبائی (ابن ابی شیبہ)

نحوی لطائف:

إِلَهًا وَاحِدًا: (یعنی ایک معبود ہے) نمبر ۱۔ یہ اللہ ابائک سے بدل ہے جس طرح العلق کی آیت ۱۵-۱۶ میں ناصیہ۔ بالناصیۃ ناصیۃ کا ذبہ۔

تِلْكَ أُمَّةٌ قَدْ خَلَتْ ۖ لَهَا مَا كَسَبَتْ وَلَكُمْ مِمَّا كَسَبْتُمْ ۚ وَلَا تُسْأَلُونَ

وہ ایک جماعت تھی جو گزر گئی، ان کے لئے وہ ہے جو انہوں نے عمل کیا، اور تمہارے لئے وہ ہے جو تم نے عمل کیا، اور تم سے اس چیز کا سوال نہ ہوگا

عَمَّا كَانُوا يَعْمَلُونَ ﴿۱۳۴﴾

جو وہ کیا کرتے تھے۔

نمبر ۲ دوسرا قول: اختصاص کی وجہ سے منصوب ہے۔ یعنی ہم تیرے آباء کے معبود سے ایک ہی معبود مراد لیتے ہیں۔ وَنَحْنُ لَكُمْ مُسْلِمُونَ (اور ہم اسی کی فرمانبرداری کرنے والے ہیں) نحو نمبر ۱: یہ نعبد کے فاعل سے حال ہے ہم اس کی عبادت کرنے والے ہیں۔ اس حال میں کہ ہم اس کے فرمانبردار ہیں۔

نمبر ۲ دوسرا قول: یہ نعبد پر جملے کا عطف ہے گویا یہ مقولہ ثانی ہے۔

تیسرا قول: جملہ معترضہ ہے جو تاکید کے لئے لایا گیا۔

۱۳۴۔ تِلْكَ: (وہ) یہ امت مذکورہ کی طرف اشارہ ہے یعنی ابراہیم اسماعیل و یعقوب اور ان کی موحدا اولاد

أُمَّةٌ قَدْ خَلَتْ: (ایک جماعت تھی جو گزری) گزر چکی

غیر کی کمائی کام نہ آئے:

لَهَا مَا كَسَبَتْ وَلَكُمْ مِمَّا كَسَبْتُمْ: (ان کے لئے جو انہوں نے کمایا اور تمہارے لئے جو تم نے کمایا) یعنی کسی کو غیر کی کمائی کام نہ دے گی۔ خواہ کان کو مقدم مانیں یا مؤخر۔ کہ ان کو وہ چیز فائدہ دے گی جو انہوں نے کمائی۔ پس اسی طرح تمہیں وہ چیز کام نہ آئے گی جو تم نے کمائی۔ یہ بات فرمانے کی وجہ یہ ہے کہ وہ اپنے باپوں پر فخر کر کے (برائیوں پر ڈھٹائی اختیار کرنے والے تھے) اور اعمال کو کوئی حیثیت نہ دیتے تھے۔

وَلَا تُسْأَلُونَ عَمَّا كَانُوا يَعْمَلُونَ: (اور تم سے ان کے عملوں کی باز پرس نہ ہوگی) انکی برائیوں کا تمہیں مواخذہ بھگتنا نہ پڑے

گا۔

وَقَالُوا كُونُوا هُودًا أَوْ نَصْرًا تَهْتَدُوا ۖ قُلْ بَلْ مِلَّةَ إِبْرَاهِيمَ

اور انہوں نے کہا کہ ہو جاؤ یہودی یا نصرانی تم ہدایت پا جاؤ گے، آپ فرمائیے بلکہ ابراہیم کی ملت کا اتباع کرو جو پوری طرح

حَنِيفًا ۖ وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِينَ ۝۱۳۵ قُولُوا آمَنَّا بِاللّٰهِ وَمَا أُنْزِلَ

حق ہی کی طرف تھے اور مشرکین میں سے نہ تھے، تم لوگ کہو ہم ایمان لائے اللہ پر اور اس پر بھی جو اس نے نازل کیا

إِلَيْنَا وَمَا أُنْزِلَ إِلَىٰ إِبْرَاهِيمَ وَإِسْمَاعِيلَ وَإِسْحَاقَ وَيَعْقُوبَ وَالْأَسْبَاطِ

ہماری طرف، اور اس پر جو نازل کیا گیا ابراہیم اور اسمعیل اور اسحاق اور یعقوب پر، اور ان کی اولاد پر،

وَمَا أُوتِيَ مُوسَىٰ وَعِيسَىٰ وَمَا أُوتِيَ النَّبِيُّونَ مِنْ رَبِّهِمْ ۚ لَا نُفَرِّقُ

اور اس پر بھی جو عطا کیا گیا موسیٰ کو اور عیسیٰ کو اور جو کچھ عطا کیا گیا دیگر انبیاء کو ان کے رب کی طرف سے، ہم ان میں سے

بَيْنَ أَحَدٍ مِّنْهُمْ وَنَحْنُ لَهُ مُسْلِمُونَ ۝۱۳۶

کسی کے درمیان تفریق نہیں کرتے اور ہم اللہ کے فرمانبردار ہیں۔

۱۳۵۔ وَقَالُوا كُونُوا هُودًا أَوْ نَصْرًا: (اور کہتے ہیں کہ یہودی یا نصرانی ہو جاؤ) یعنی یہود نے کہا تم یہودی بن جاؤ۔ نصرانی نے کہا تم نصرانی بن جاؤ۔

تَهْتَدُوا: (تو ہدایت پا جاؤ گے) یہ مجزوم ہے کیونکہ یہ امر کا جواب ہے۔

قُلْ بَلْ مِلَّةَ إِبْرَاهِيمَ: (کہہ دیں بلکہ ہم تو ملت ابراہیم پر ہیں گے) بلکہ ہم تو ملت ابراہیم کی اتباع کریں گے۔

حنیف کا مفہوم:

حَنِيفًا: (جو تمام سے یکسو تھے) حنیف ابراہیم سے حال ہے جیسا کہ کہتے ہیں روایت وجہ ہند قائمہ میں نے ہندہ کا چہرہ دیکھا اس حال میں کہ وہ کھڑی ہے۔ الحنیف ہر دین باطل سے دین حق کی طرف جھکنے والا۔

تعریض بر مشرکین:

وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِينَ: (اور وہ مشرکوں میں سے نہ تھے) یہ اہل کتاب پر تعریض ہے کیونکہ وہ سب ملت ابراہیم کی اتباع کے دعویدار تھے حالانکہ وہ شرک پر تھے۔

۱۳۶۔ قُولُوا: (تم کہو) نمبر ۱۔ یہ ایمان والوں کو خطاب ہے۔

نمبر ۲۔ یہ کفار کو خطاب ہے یعنی تم ان کو کہو کہ تم حق قبول کر لو ورنہ تم باطل پر ہو۔

فَإِنْ آمَنُوا بِمِثْلِ مَا آمَنْتُمْ بِهِ فَقَدْ اهْتَدَوْا ۖ وَإِنْ تَوَلَّوْا فَإِنَّمَا هُمْ فِي

سو اگر وہ ایمان لے آئیں ان چیزوں پر جن پر تم ایمان لائے تو وہ ہدایت پا جائیں گے اور اگر وہ روگردانی کریں تو بس وہ مخالفت ہی میں

شِقَاقٍ ۚ فَسَيَكْفِيكَهُمُ اللَّهُ ۚ وَهُوَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ ۝۳۷

لگے ہوئے ہیں۔ پس مقرر ہے اللہ آپ کی طرف سے ان کے لئے کافی ہوگا اور وہ سمیع ہے علیم ہے

اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَمَا اُنْزِلَ اِلَيْنَا: (ہم اللہ پر ایمان لائے اور جو ہماری طرف اتارا گیا) انزل الینا سے مراد قرآن مجید ہے۔
سبط کی تفسیر:

وَمَا اُنْزِلَ اِلَىٰ اِبْرٰهٖمَ وَاسْمٰعِیْلَ وَیَعْقُوْبَ وَالْاَسْبَاطِ: (اور جو ابراہیم علیہ السلام اور اسماعیل الخاق و یعقوب اور ان کی اولاد کی طرف بھیجا گیا) السبط کا معنی پوتے، نواسے، حسن و حسین رضی اللہ عنہما سبط رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ ای الاسباط خفدة یعقوب کے پوتے اور ان کے بارہ بیٹوں کی اولاد مراد ہے۔

نحوی تحقیق:

نَحْوٌ: انزل کا لفظ الی اور علی دونوں کے ساتھ متعدی بنتا ہے اس لئے یہاں الی کے ساتھ ہے۔ اور آل عمران میں علی کے ساتھ ہے۔

تفسیر آیت ۱۳۶:

وَمَا اُوْتِیَ مُوسٰی وَعِیْسٰی وَمَا اُوْتِیَ النَّبِیُّوْنَ مِنْ رَّبِّہُمْ لَا نَفْرِقُ بَیْنَ اَحَدٍ مِّنْہُمْ: (اور اس پر جو دیئے گئے موسیٰ عیسیٰ اور جو انبیاء علیہم السلام کو ان کے رب کی طرف سے ملا ہم ان میں سے کسی ایک میں تفریق نہیں کرتے) جیسا کہ یہود و نصاریٰ نے کیا۔ احد۔ کا معنی یہاں جماعت ہے اس لئے بین کا لفظ اس پر داخل ہو سکتا ہے۔

وَنَحْنُ لَہٗ مُسْلِمُوْنَ: (اور ہم اللہ کے فرمانبردار ہیں) اللہ تعالیٰ کے ساتھ اخلاص اختیار کرنے والے ہیں۔

مثل کے صحیح مفہوم کی وضاحت میں تین اقوال:

۱۳۷۔ فَإِنْ آمَنُوا بِمِثْلِ مَا آمَنْتُمْ بِهِ فَقَدْ اهْتَدَوْا: (پس اگر وہ ایمان لائیں جس طرح تم ایمان لائے تو بے شک وہ ہدایت پا جائیں گے) آیت کا ظاہر مشکل ہے اس لئے کہ اس سے لازم آتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے لئے کوئی مثل ہو حالانکہ وہ اس سے بلند و بالا ہے۔

نمبر ۱۔ پس کہا گیا ہے کہ بآراء اور مثل یہ مصدر محذوف کی صفت ہے اصل عبارت یہ ہے۔

فان امنوا ایمانا مثل ایمانکم۔ پس اگر وہ ایمان لائیں ایسا ایمان جو تمہارے ایمان کی طرح ہو ضمیر اللہ تعالیٰ کی طرف لوٹتی

ہے۔ اور بآء کا اضافہ نئی چیز نہیں ہے جیسا اللہ تعالیٰ نے سورۃ یونس آیت نمبر ۲۷ والذین کسبوا السيئات جزاء سيئة بمثلها۔ تقدیر عبارت یہ ہے۔ جزاء سیئۃ مثلها۔ برائی کی جزا اس کی مثل سے ہے۔ جیسا کہ دوسری آیت میں ہے جزاء سيئة سيئة مثلها۔ الشوریٰ آیت نمبر ۴۰ میں ہے۔ برائی کی جزا اس کی مثل برائی سے ہے۔
دوسرا قول: مثل کا لفظ زائد ہے تقدیر عبارت یہ ہے فان امنوا ما امنتم به (اگر وہ ایمان لائیں جس ذات پر تم ایمان لائے ہو۔ حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی قراءت بما آمنتم به۔ اس کی تائید کرتی ہے۔

ما الذی کے معنی میں ہے اور اس کی دلیل حضرت ابی ابن کعب رضی اللہ عنہ کی قراءت بالذی آمنتم به ہے۔
تیسرا قول: بآء استعانت کے لئے ہے جیسا کہتے ہیں۔ کتبت بالقلم۔ اب مطلب یہ ہوا فان دخلوا فی الایمان بشهادة مثل شهادتکم التی امنتم بها۔ پس اگر وہ داخل ہوں ایمان میں شہادت کے ساتھ جو تمہاری اس شہادت جیسی ہو جس کے ساتھ تم ایمان لائے ہو۔

انحراف کا مطلب:

وَإِنْ تَوَلَّوْا: (اور اگر وہ انحراف کریں) نمبر ۱۔ اس میں سے جو تم انہیں کہتے ہو تو انہوں نے انصاف نہ کیا۔

نمبر ۲۔ دوسرا قول: اگر تم شہادت اور ایمان میں شہادت کے ساتھ داخلے سے منہ موڑو۔

فَانْمَاهُمْ فِي شِقَاقٍ: (تو پس وہ ضد پر ہیں) یعنی پس وہ مخالفت اور دشمنی میں مبتلا ہیں۔ وہ طلب حق میں کسی چیز پر نہیں۔

غلبہ اہل کتاب:

فَسَيَكْفِيكَهُمُ اللَّهُ: (پس کافی ہے تمہاری طرف سے ان کو اللہ) اس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اہل کتاب پر غلبہ کی ضمانت دی گئی ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ کا یہ وعدہ ان یہود میں سے بعض کے قتل اور بعض کی جلا وطنی سے پورا ہوا۔ سین کا معنی یہ ہے کہ وہ وعدہ ہر صورت میں پورا ہونے والا ہے۔ اگرچہ کچھ دیر سہی۔

وَهُوَ السَّمِيعُ: (اور وہ ہر بات کو سننے) جو کچھ وہ کہتے ہیں۔

ممانعت و وعید:

الْعَلِيمُ: (اور جاننے والا ہے) جو وہ حسد اور کینہ دلوں میں چھپائے ہوئے ہیں اللہ تعالیٰ ان کو خود سزا دیں گے۔ نمبر ۱۔ یہود کے لئے وعید ہے۔

نمبر ۲۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے وعدہ ہے یعنی اللہ تعالیٰ سنتے ہیں۔ جو آپ دعائیں کرتے ہیں۔ اور وہ آپ کی نیت سے واقف ہے اور آپ کے غلبہ دین کے ارادے کو جانتا ہے۔ وہ ان دعاؤں کو قبول فرمائے گا اور آپ کو منزل مقصود پر پہنچائے گا۔

صِبْغَةَ اللَّهِ وَمَنْ أَحْسَنُ مِنَ اللَّهِ صِبْغَةً وَنَحْنُ لَهُ عِبْدُونَ ﴿۱۳۸﴾

ہم کو اللہ تعالیٰ نے رنگ دیا ہے اور وہ کون ہے جس کا رنگ دینا اللہ تعالیٰ کے رنگ دینے سے اچھا ہو اور ہم اس کی عبادت کرنے والے ہیں

صِبْغَةَ اللَّهِ کی مراد حقیقی:

۱۳۸۔ صِبْغَةَ اللَّهِ: (ہم نے اللہ تعالیٰ کا رنگ لے لیا) نحو۔ صِبْغَةُ اللَّهِ سے مراد اللہ کا دین یہ مصدر مؤکد ہے اور اَمِنَّا بِاللَّهِ سورۃ البقرۃ آیت نمبر ۸۔ منصوب ہے۔ یہ فِعْلَةٌ کا وزن ہے جو صبغ سے ہے جیسے جِلْسَةٌ جَلَسَ سے۔ صِبْغَةُ دراصل اس حالت کو کہتے ہیں۔ جس پر رنگنا واقع ہوتا ہے۔ مراد اللہ تعالیٰ کا پاک کرنا ہے کیونکہ ایمان دلوں کو پاک کرتا ہے۔

اصل بات یہ ہے کہ نصاریٰ اپنے بچوں کو زرد پانی میں ڈبوتے اور اس کو معمود یہ کہتے اور کہتے یہ بچوں کی تطہیر ہے جب ان میں سے کوئی یہ فعل کر لیتا تو کہتا اب وہ واقعۃً نصرانی بن گیا اس پر مسلمانوں کو حکم ملا کہ وہ ان کو کہیں۔

اَمِنَّا بِاللَّهِ وَصِبْغَنَا اللَّهُ بِالْإِيمَانِ صِبْغَةً وَلَمْ نَصْبِغْ صِبْغَتَكُمْ ہم اللہ پر ایمان لائے اور اللہ نے ہمیں ایمان سے خوب رنگ دیا۔ ہم تمہارے رنگ میں اپنے آپ کو نہیں رنگتے آیت میں لفظ صِبْغَةُ مشاکلت کے لئے لایا گیا۔ جیسے کہتے ہیں جو درخت لگائے۔ اغرس کما یغرس فلان۔ مراد اس سے وہ آدمی ہے جو نیکی کا کام کر رہا ہو۔

وَمَنْ أَحْسَنُ مِنَ اللَّهِ صِبْغَةً: (اور کس کا رنگ اللہ کے رنگ سے بہتر ہے) یہ صِبْغَةُ تمیز ہے۔ مطلب یہ ہے کہ لا صِبْغَةَ احسن من صبغته۔ کہ کوئی رنگ اس کے رنگ سے زیادہ خوب نہیں۔ مراد اس سے دین یا تطہیر ہے۔

عطف آمنا پر:

وَنَحْنُ لَهُ عِبْدُونَ: (اور ہم اس کی عبادت کرنے والے ہیں) یہ آمنا باللہ پر عطف ہے۔ یہ عطف اس بات پر دلالت کر رہا ہے کہ صِبْغَةُ اللَّهِ کا قول یہ قولوا آمنا کے مفعول میں داخل ہے۔ ان قولوا اهذا و هذا ونحن له عابدون۔ کہ تم یہ کہو اور یہ بھی کہو کہ ہم اسی کی عبادت کرنے والے ہیں۔

بعض کا قول:

یہ ترکیب ان لوگوں کی تردید کر رہی ہے جو صبغۃ اللہ ملتہ ابراہیم کا بدل مانتے ہیں۔ یا اغراء کی بناء پر منصوب قرار دیتے ہیں۔ یعنی علیکم صبغۃ اللہ تم صبغۃ اللہ کو لازم پکڑو۔ کیونکہ اس سے نظم قرآن ٹوٹتا ہے اور کلام کا اپنے باہمی جوڑ ربط سے نکالنا لازم آتا ہے۔ (جو مناسب نہیں) اور مصدر مؤکد کہہ کر منصوب قرار دینا یہ سیبویہ کا قول ہے اور بہتر قول وہی ہے جو حزام نے کہا اور ہم نے اولاً نقل کیا۔

قُلْ أَتَحَاجُّونَنَا فِي اللَّهِ وَهُوَ رَبُّنَا وَرَبُّكُمْ وَلَنَا أَعْمَالُنَا وَلَكُمْ أَعْمَالُكُمْ وَنَحْنُ لَهُ

آپ فرمائیے کیا تم ہم سے اللہ کے بارے میں حجت کرتے ہو حالانکہ وہ ہمارا رب ہے اور تمہارا رب ہے اور تمہارے لئے ہیں عمل ہمارے لئے ہیں تمہارے لئے ہیں تمہارے لئے ہیں اور ہم اللہ تعالیٰ

مُخْلِصُونَ ۱۳۸ أَمْ تَقُولُونَ إِنَّ إِبْرَاهِيمَ وَإِسْمَاعِيلَ وَإِسْحَاقَ وَيَعْقُوبَ وَالْأَسْبَاطَ كَانُوا

کے لئے اخلاص والے ہیں کیا تم کہتے ہو کہ بے شک ابراہیم و اسمعیل اور اسحاق اور یعقوب اور ان کی اولاد

هُودًا أَوْ نَصْرَى ۱۳۹ قُلْ ءَأَنْتُمْ أَعْلَمُ أَمِ اللَّهُ ۖ وَمَنْ أَظْلَمُ مِمَّنْ كَتَمَ

یہودی تھے یا نصرانی تھے۔ آپ فرمادیجئے کیا تم زیادہ جانتے والے ہو یا اللہ زیادہ جانتے والا ہے، اور اس سے بڑھ کر ظالم کون ہو گا جس نے چھپایا

شَهَادَةً عِنْدَهُ مِنَ اللَّهِ ۖ وَمَا اللَّهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُونَ ۱۴۰

اس گواہی کو جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کے پاس موجود ہے۔ اور اللہ تعالیٰ ان کاموں سے بے خبر نہیں ہے جنہیں تم کرتے ہو

تِلْكَ أُمَّةٌ قَدْ خَلَتْ ۖ لَهَا مَا كَسَبَتْ وَلَكُمْ مَا كَسَبْتُمْ وَلَا تُسْأَلُونَ

وہ ایک جماعت تھی جو گزر گئی، ان کے لئے وہ ہے جو انہوں نے عمل کیا اور تمہارے لئے وہ ہے جو تم نے عمل کیا، اور تم سے اس چیز کا سوال نہ ہو گا

عَمَّا كَانُوا يَعْمَلُونَ ۱۴۱

جو وہ کرتے تھے۔

تفسیر آیت ۱۳۹:

قُلْ أَتَحَاجُّونَنَا فِي اللَّهِ: (کہہ تو کیا تم اللہ تعالیٰ کے بارے میں جھگڑتے ہو) یعنی کیا تم اللہ تعالیٰ کی شان میں ہم سے جھگڑا کرتے ہو اور اس پر جھگڑتے ہو کہ اس نے تمہاری بجائے عرب سے پیغمبر چنا۔ اور تم کہتے ہو کہ اگر اللہ تعالیٰ نے کسی پر کلام اتارنا ہوتا تو وہ ہم پر اتارتا۔ گو یا تم اپنے کو نبوت کا براحق وار قرار دیتے ہو۔

وَهُوَ رَبُّنَا وَرَبُّكُمْ: (حالانکہ وہ ہمارا رب ہے اور تمہارا رب) ہم اس کے بندے ہونے میں سب شریک ہیں اور وہ ہمارا رب ہے اللہ تعالیٰ اپنی رحمت اور عظمت اپنے بندوں میں سے جن کو چاہتا ہے ان کو پہنچاتا ہے۔

وَلَنَا أَعْمَالُنَا وَلَكُمْ أَعْمَالُكُمْ: (اور ہمارے لئے اعمال اور تمہارے لئے تمہارے (اعمال) یعنی عمل امر کی بنیاد ہے جس طرح کے تمہارے لئے اعمال ہیں اور اسی طرح کے ہمارے لئے بھی ہوں گے۔

وَنَحْنُ لَهُ مُخْلِصُونَ: (اور ہم اسی کو خالص ماننے والے ہیں) کہ ہم اس کی وحدانیت کو ماننے والے ہیں اس کو ایمان میں خالص کرتے ہیں اور تم شریک ٹھہراتے ہو اور مخلص عظمت کے زیادہ لائق ہے کہ اس کا احترام کیا جائے اور وہ دوسروں کی بہ نسبت

نبوت کا بھی حقدار ہے۔

۱۴۰۔ اَمْ تَقُولُوْنَ: (کیا تم کہتے ہو) قراءت۔ یہ شامی اور کوئی نے ابو بکر کے علاوہ تاء کے ساتھ پڑھا ہے۔

اَمْ کونسا ہے؟

نمبر ۱۔ اس صورت میں اَمْ ہمزہ کے معادل ہے جو اَتْحَاجُوْنَا میں ہے یعنی کونسا کام تم کرو گے؟ اللہ کے حکم میں حجت بازی یا دعویٰ یہودیت اور نصرانیت انبیاء علیہم السلام کے متعلق؟

نمبر ۲ دوسرا قول: اَمْ منقطعہ ہے یعنی بلکہ کیا تم کہتے ہو؟

یقولون دوسروں نے یاء سے پڑھا ہے اس صورت میں ہمزہ منقطعہ ہی ہو سکتا ہے۔

اِنَّ اِبْرٰهٖمَ وَاِسْمٰعِیْلَ وَاِسْحٰقَ وَیَعْقُوْبَ وَاٰلًا سُبَّاطًا کَانُوْا هُوْدًا اَوْ نَصْرٰی: (کہ ابراہیم، اسماعیل، اسحاق و یعقوب اور ان کی اولاد یہودی یا نصرانی تھے) پھر اپنے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم دیا۔ کہ ان کو بطور استفہام کہے انہی کی بات کو ان پر لوٹاتے ہوئے۔

قُلْ ؤَ اَنْتُمْ اَعْلَمُ اَمِ اللّٰهُ: (کہہ دیں کیا تم زیادہ جانتے ہو یا اللہ) یعنی بے شک اللہ نے ان کے لئے (مسلمانوں کیلئے) تو ملت اسلام کی گواہی دی ہے۔ اپنے اس قول میں۔ ما کان ابراہیم یهودیاً ولا نصرانیاً ولكن کان حنیفاً مسلماً۔ سورۃ آل عمران آیت نمبر ۶۷

ملت حنیفی کا چھپانے والا ظالم:

وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ کَتَمَ شَہَادَۃً عِنْدَہٗ مِنَ اللّٰہِ: (اور اس سے بڑا ظالم کون ہے جو اس گواہی کو چھپائے جو اس کے پاس ہو اللہ تعالیٰ کی طرف سے) جس نے اللہ تعالیٰ کی اس گواہی کو چھپایا جو اس کے پاس ہے۔ وہ شہادت ابراہیم علیہ السلام کے متعلق حنفیت کی ہے۔ مطلب یہ ہوا کہ اہل کتاب سے بڑا ظالم کوئی نہیں۔ کیونکہ انہوں نے اس گواہی کو چھپا دیا۔ حالانکہ اس کو جانتے ہیں۔ یا اگر ہم اس گواہی کو چھپاتے تو ہم سے بڑا کوئی ظالم نہ ہوتا۔ پس ہم تو اس کو نہیں چھپاتے۔ اس میں ان پر تعریض کی۔ کہ وہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق نبوت کی گواہی کو جو ان کی کتابوں میں موجود ہے چھپا رہے ہیں۔ مِنَ اللّٰہِ میں اس طرح ہے جیسے کہتے ہیں

ہذہ شہادۃ منی لفلان اذا شہدت لہ گویا یہ اس کی صفت ہے

وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ: (اور اللہ تعالیٰ بے خبر نہیں ان عملوں سے جو تم کرتے ہو) یعنی تکذیب رسل اور کتمان شہادت۔

مَا کَسَبَتْ کا مقصد:

بَلْکَ اُمَّۃٌ قَدْ خَلَتْ لَهَا مَا کَسَبَتْ وَلَکُمْ مَا کَسَبْتُمْ وَلَا تُسْئَلُوْنَ عَمَّا کَانُوْا یَعْمَلُوْنَ: (یہ ایک جماعت تھی جو گزر چکی ان کے لئے ہے جو انہوں نے کیا اور تمہارے کام آئے گا جو تم کرتے ہو۔ تم سے ان کے متعلق پوچھ گچھ نہ ہوگی۔

نمبر ۱۔ یہ تاکید کے لئے لائے۔

نمبر ۲۔ پہلی مرتبہ لا کر انبیاء علیہم السلام مراد ہیں۔ اور دوسری مرتبہ لا کر اسلاف یہود و نصاریٰ مراد لیے ہیں۔

سَيَقُولُ السُّفَهَاءُ مِنَ النَّاسِ مَا وَلَّهُمْ عَن قِبَلَتِهِمُ الَّتِي

عنقریب کہیں گے بیوقوف لوگ کس چیز نے پھیر دیا ان کو ان کے اس قبلہ سے

كَانُوا عَلَيْهَا ۖ قُلْ لِلّٰهِ الْمَشْرِقُ وَالْمَغْرِبُ ۖ يَهْدِي مَنْ يَّشَاءُ اِلٰى

جس پر وہ تھے۔ آپ فرما دیجئے اللہ ہی کے لئے مشرق اور مغرب ہے۔ وہ ہدایت دیتا ہے جس کو چاہے

صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿۱۲۲﴾

سیدھے راستے کی طرف۔

تفسیر آیت ۱۲۲:

سَيَقُولُ السُّفَهَاءُ مِنَ النَّاسِ مَا وَلَّهُمْ عَن قِبَلَتِهِمُ الَّتِي كَانُوا عَلَيْهَا قُلْ لِلّٰهِ الْمَشْرِقُ وَالْمَغْرِبُ يَهْدِي مَنْ يَّشَاءُ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ: (عنقریب بے وقوف لوگ کہیں گے کہ ان کو کس بات نے پھیر دیا ہے ان کے اس قبلہ سے جس پر یہ تھے کہہ دیں کہ مشرق و مغرب خدا ہی کے ہیں وہ جس کو چاہتا ہے سیدھے راستے کی طرف چلاتا ہے)

سفیہ کی مراد:

السُّفَهَاءُ۔ کم عقل اصل سفہ کی ہلکا پن ہے۔ اس سے مراد۔ نمبرا۔ یہود ہیں کیونکہ وہ کعبہ کی طرف رخ کرنا ناپسند کرتے تھے اور شریعت کے منسوخ ہونے کے قائل نہ تھے۔

نمبر ۲۔ منافقین ہیں۔ اس لئے کہ وہ مسلمانوں پر طعن و استہزاء کے بہت دلدادہ تھے۔

نمبر ۳۔ مشرکین ہیں کیونکہ وہ کہا کرتے تھے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے آباؤ اجداد کے قبلہ سے اعراض کیا پھر اب اس کی طرف لوٹ آئے ہیں۔ قسم بخدا وہ اپنی قوم کے دین کی طرف بھی ضرور لوٹ آئیں گے۔

نکتہ: معاملے کے پیش آنے سے پہلے بتلانے کا فائدہ یہ ہے کہ اس عظیم انقلاب کا نفس عادی بن جائے دفعۃً خلاف طبع چیز سے زیادہ گرانی ہوتی ہے نیز مخالف کے اعتراض کا جواب دینے کے لئے طبیعت مستعد ہو جائے۔ جیسا کہ تیر اندازی سے پہلے تیر کو پر لگائے جاتے ہیں۔

قبلہ کا معنی:

مَا وَلَّهُمْ۔ کس چیز نے ان کو پھیر دیا۔ عَن قِبَلَتِهِمُ الَّتِي كَانُوا عَلَيْهَا۔ اس سے مراد بیت المقدس لیتے تھے۔ الْقِبْلَةُ وہ جہت جس کا نماز میں انسان رخ کرتا ہے کیونکہ نمازی اسی کا سامنا کرتا ہے۔ (اصل میں ہیئت قبلہ کو کہتے ہیں) قُلْ لِلّٰهِ الْمَشْرِقُ وَالْمَغْرِبُ۔ کہہ دیں کہ مشرق و مغرب خدا ہی کے ہیں۔ یعنی مشرق و مغرب کے علاقے اور تمام زمین اسی کی ملکیت ہے۔ يَهْدِي مَنْ يَّشَاءُ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ۔ وہ جس کو چاہتا ہے سیدھے راستے کی طرف چلاتا ہے۔

وَكَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا لِّتَكُوْنُوْا شٰهَدَآءَ عَلٰی النَّاسِ وَیَكُوْنَ الرَّسُوْلُ عَلَیْكُمْ

اور اسی طرح ہم نے تم کو ایک ایسی جماعت بنا دیا جو متدال والی ہے تاکہ تم ہو جاؤ لوگوں پر گواہ اور رسول تم پر

شٰهِدٌ اَوْ مَا جَعَلْنَا الْقِبْلَةَ الَّتِیْ كُنْتَ عَلَیْهَا اِلَّا لِنَعْلَمَ مَنْ یَّتَّبِعُ الرَّسُوْلَ مِمَّنْ

گواہ اور جس قبلہ پر آپ تھے اسے ہم نے مقرر نہیں کیا مگر اس لئے کہ ہم جان لیں کون اتنا کرتا ہے رسول کا اس سے ممتاز ہو کر جو

یَنْقَلِبُ عَلٰی عَقْبِیْهِ ط وَاِنْ كَانَتْ لَكَبِیْرَةٌ اِلَّا عَلٰی الَّذِیْنَ هَدٰی اللّٰهُ ط

پہچھے پلٹ جاتا ہے اپنے لئے پاؤں، اور بے شک یہ قبلہ بدلنا بھاری بات ہے مگر ان لوگوں پر جن کو اللہ نے ہدایت دی

وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُضِیْعَ اِیْمَانَكُمْ ط اِنَّ اللّٰهَ بِالنَّاسِ لَرَّءُوْفٌ رَّحِیْمٌ ۝۱۴۳

اور اللہ ایسا نہیں ہے کہ ضائع کرے تمہارے ایمان کو بے شک اللہ لوگوں کے ساتھ بڑا مشفق مہربان ہے۔

قَدْ نَرٰی تَقَلُّبَ وَجْهِكَ فِی السَّمَآءِ فَلَنُوَلِّیْنٰكَ قِبْلَةً تَرْضٰہَا ۚ فَوَلِّ

ہم دیکھ رہے ہیں آپ کا آسمان کی طرف بار بار منہ اٹھانا پس ہم آپ کو ضرور ضرور متوجہ کر دیں گے ایسے قبلہ کی طرف جس سے آپ راضی ہوں گے سو آپ پھیر دیجئے

وَجْہَکَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ وَحِیْثُ مَا کُنْتُمْ فَوَلُّوْا وُجُوْہَکُمْ

اپنا چہرہ مسجد حرام کی طرف اور جہاں کہیں بھی تم لوگ ہو سو اپنے چہروں کو مسجد حرام کی طرف متوجہ کیا کرو

شَطْرَہ ط وَاِنَّ الَّذِیْنَ اُوْتُوْا الْکِتٰبَ لَیَعْلَمُوْنَ اَنَّہُ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّہُمْ ط

اور بلاشبہ جن لوگوں کو کتاب دی گئی وہ ضرور جانتے ہیں کہ بلاشبہ یہ حکم حق ہے۔ ان کے رب کی طرف سے ہے۔

وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا یَعْمَلُوْنَ ۝۱۴۴

اور اللہ غافل نہیں ہے ان کاموں سے جن کو وہ کرتے ہیں

درست قبلہ؟

مستقیم۔ برابر درست یعنی جس کو چاہتا ہے اس کی راہنمائی درست قبلہ کی طرف کر دیتا ہے۔

نمبر ۱۔ اور وہ کعبہ ہے جس کی طرف ہمیں رخ کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔

یا نمبر ۲۔ تمام مکان اللہ ہی کے ہیں۔ پس وہ جدھر چاہتا ہے ادھر رخ کرنے کا حکم دیتا ہے کبھی کعبہ کی طرف اور کبھی بیت المقدس کی طرف (اس میں خصوصیت مکانی کو دخل نہیں) اور نہ کسی کو اعتراض کا حق ہے۔ کیونکہ حقیقی اکیلا بادشاہ وہی ہے۔

تفسیر آیت ۱۴۳:

وَكَذَلِكَ جَعَلْنَاكُمْ أُمَّةً وَسَطًا: (اسی طرح ہم نے تم کو معتدل امت بنایا) كَذَلِكَ جَعَلْنَاكُمْ اس عجیب بنانے کی طرح ہم نے تمہیں بنایا۔

نحوی تحقیق:

نَحْوُ: كَذَلِكَ میں کاف تشبیہ کے لئے ہے اور ذَا اسم اشارہ ہے جو کاف کا مجرور ہے لَام اشارہ قریب (ذَا) اور اشارہ بعید کے درمیان فرق کے لئے لایا گیا۔ لَکَ ضمیر خطاب ہے اس کا کوئی محل اعراب نہیں۔

امت وسط کا معنی:

امۃ وسطا نمبر ۱۔ افضل و بہتر۔ بہتر کو وسط بھی کہا جاتا ہے اس لئے کہ خرابی اطراف میں جلد اثر پذیر ہوتی ہے اور درمیان محفوظ رہتا ہے۔

سب سے بہتر قبلہ:

مطلب یہ ہے جس طرح میں نے تمہارا قبلہ سب قبلوں سے بہتر بنایا۔ اسی طرح میں نے تمہیں سب سے افضل امت بنایا اور بنانے کی وجہ یہ ہے تاکہ تم غور سے وہ دلائل جان لو جو تمہارے لئے مقرر کیے گئے۔ اور تم پر کتاب اتاری گئی تاکہ معلوم ہو جائے کہ اللہ تعالیٰ نے کسی پر بھی بخل نہیں کیا اور نہ ظلم بلکہ راستے واضح کر دیئے اور رسولوں کو روانہ فرمایا۔ جنہوں نے اس کے پیغامات کو پہنچا دیا اور امتوں کی کامل خیر خواہی کی مگر پھر بھی کفار کو ان کی بد بخمتی نے شہوات کی پیروی اور دلائل سے اعراض کی طرف موڑ دیا۔ پس اے امت محمدیہ تم اس بات کی گواہی اپنے ہم عصروں اور اپنے سے ماقبل اور مابعد کے متعلق دو گے۔

وسط کی تفسیر دوم:

وسط کا معنی معتدل۔ کیونکہ وسط اطراف کے درمیان میں ہوتا ہے وہ کسی بھی طرف کے قریب تر یا بعید نہیں ہوتا۔ معنی یہ ہوگا۔ جس طرح ہم نے تمہارے قبلہ کو مشرق و مغرب کے درمیان معتدل بنایا۔ اسی طرح تمہیں معتدل امت بنایا۔ جو غلو اور تقصیر کے درمیان ہے۔ پس تم نہ تو نصاریٰ جیسا غلو کرتے ہو کہ مسیح علیہ السلام کو الوہیت کے درجہ تک پہنچا دیا اور نہ کوتاہی کرنے والے ہو جس طرح یہود نے حضرت مریم سلام اللہ علیہا پر تہمت زنا لگائی اور عیسیٰ علیہ السلام کو (نعوذ باللہ) ولد الزنا قرار دیا۔

علت امت وسط:

لِتَكُونُوا شُهَدَاءَ (تا کہ تم لوگوں پر گواہ بنو) **يُخَوِّرُ**: شہدہ غیر منصرف ہے اس میں الف ممدودہ برائے تانیث ہے۔
عَلَى النَّاسِ: یہ شہداء کا صلہ ہے یکون الرسول علیکم شہیدا اور رسول تم پر گواہ ہوں یہ لتکونوا پر عطف ہے (لام تعلیلیہ لا کرامت وسط کی علت بیان کر دی)

روایت میں ہے کہ امتیں قیامت کے دن انبیاء علیہم السلام کی تبلیغ کا انکار کر دیں گی۔ پس اللہ تعالیٰ انبیاء علیہم السلام سے ان کے پیغام پہنچانے کے گواہ طلب کرے گا۔ حالانکہ وہ تو خوب جانتا ہے پس امت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو گواہی کے لئے لایا جائے گا۔ وہ گواہی دیں گے تو اس وقت امتیں کہیں گی۔ تمہیں یہ کہاں سے معلوم ہوا ہے کہ انہوں نے پیغام پہنچایا۔ پس امت محمدیہ جواب دے گی۔ ہم نے اللہ تعالیٰ کی اطلاع دینے سے معلوم کیا جو اس نے اپنے پیغمبر صادق کی زبان پر اتاری۔ اس وقت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو بلایا جائے گا اور امت کا حال دریافت کیا جائے گا۔ پس آپ اپنی امت کی عدالت کی گواہی دیں گے اور تزکیہ کا سٹوفلیٹ عنایت کریں گے۔ باقی شہادت کبھی بلا مشاہدہ بھی ہوتی ہے۔ جیسا کہ مشہور اشیاء کے بارے میں سن کر شہادت۔

لفظ علی کا راز:

یہ حرف استعلاء ہے اور شہادت نگرانی کی طرح ہے اور شہید نگران کی طرح ہے اسی لئے کلمہ استعلاء لائے۔ جیسا ارشاد الہی ہے۔
كُنْتَ اَنْتَ الرَّقِيبُ عَلَيْهِمْ مَائِدَہ آیت نمبر ۱۱

ایک اور تفسیر:

یہ ہے تا کہ تم لوگوں پر دنیا میں گواہی دینے والے بنو یہ شہادت عدول و اختیار کی معتبر ہے۔
وَيَكُونُ الرَّسُولُ عَلَيْكُمْ شَهِيدًا: (اور رسول اللہ تم پر گواہ ہوں) یعنی رسول تمہارا تزکیہ کریں اور عدالت بیان کریں گے۔
قول شیخ ابو منصور رحمہ اللہ:

شیخ ابو منصور رحمہ اللہ فرماتے ہیں اس آیت سے ثابت ہوتا ہے کہ اجماع امت حجت ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اس امت کی صفت عدل سے بیان کی اور عادل ہی مستحق شہادت ہے اور اسی کی شہادت قابل قبول ہے۔ پس جب امت کے لوگ کسی بات پر جمع ہو جائیں اور اس کی گواہی دے دیں۔ تو اس بات کا قبول کرنا ضروری ہے۔
نکتہ: شہادت کے لفظ کا صلہ پہلی مرتبہ تو بعد میں لائے اور دوسری مرتبہ پہلے لائے۔ کیونکہ پہلی دفعہ میں امتوں کے خلاف ان کی شہادت کو ثابت کرنے کا ذکر ہے اور دوسرے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا خاص امت کے حق میں گواہی دینا مذکور ہے۔ (علیکم کی تقدیم کیا لطف دے رہی ہے)

القبلة کی مراد:

وَمَا جَعَلْنَا الْقِبْلَةَ الَّتِي كُنْتَ عَلَيْهَا: (اور نہیں بنایا تھا ہم نے وہ قبلہ جس پر آپ پہلے تھے) یعنی نہیں بنایا ہم نے اس قبلہ والی

جہت کو جس پر آپ تھے۔ اور وہ کعبہ ہے پس التی کنت علیہا یہ قبلہ کی صفت نہیں بلکہ یہ جعل کا مفعول دوم ہے۔ روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ مکہ میں کعبہ کی طرف نماز ادا کرتے تھے پھر ہجرت کے بعد بیت المقدس کی طرف نماز کا حکم ہوا۔ تاکہ یہود مانوس ہوں۔ (آپ کا نبی قبلتین ہونا تورات میں ہے اس لئے صخرہ کی طرف نماز کا حکم ہوا۔

اصول: اس سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ سنت کا نسخ کتاب اللہ سے جائز ہے۔ (امام شافعی رحمہ اللہ کا اس میں اختلاف ہے) کیونکہ بیت المقدس کی طرف منہ کرنا وحی غیر متلو سے ثابت ہے اور اس کا نسخ قرآن مجید کی آیت سے ہوا۔

نعلم کی تفسیر:

إِلَّا لِنَعْلَمَ مَنْ يَتَّبِعُ الرَّسُولَ مِمَّنْ يَنْقَلِبُ عَلَى عَقْبَيْهِ: (مگر اس لئے کہ ہم ظاہر کر دیں ان لوگوں کو جو پیروی کریں رسول کی ان لوگوں سے جو پھر جائیں اٹھ پائوں) نمبر ۱۔ یعنی تبدیلی کعبہ والی جہت جو آپ کو پسند ہے۔ اس غرض سے ہوئی۔ تاکہ ہم اس شخص کو جان لیں جو اسلام پر پختگی سے قائم رہنے والا ہے اور کون اضطراب کی وجہ سے اٹھ پائوں پھرنے والا ہے۔ اس سے یہ بتلایا کہ تحویل قبلہ کے وقت کئی لوگ اسلام سے پھر جائیں گے۔

قول شیخ ابو منصور رحمہ اللہ:

شیخ ابو منصور رحمہ اللہ نے فرمایا: لنعلم کا معنی یہ ہے کہ جس شخص یا چیز کا ہم پہلے ہونا جانتے تھے۔ اس کا موجود ہونا جان لیں۔ یعنی ہمارا علم اس کے وجود سے متعلق ہو جائے کہ وہ پائی جائے گی۔ اللہ تعالیٰ ازل سے اس شئی کو جانتا ہے جس کے وجود کا وہ ارادہ رکھتا ہے کہ وہ چیز اس وقت پائی جائے گی جس میں وہ اس کا وجود چاہے گا اور ازل میں یہ کہنا صحیح نہیں ہوگا کہ اللہ تعالیٰ کی فلاں شئی کو جواب تک موجود نہیں ہوئی۔ ازل میں موجود جانتا ہے۔ کیونکہ جو شئی موجود نہیں ہوئی اس کو موجود کس طرح جان سکتا ہے۔ پس جب وہ وجود میں آجائے گی تو وہ علم ازل کے تحت داخل ہو جائے گا۔ پس وہ چیز اس کو معلوم ہو جائے گی اور وہ موجود ہو جائے گی۔ تو اس اعتبار سے تبدیلی معلوم میں آئی۔ علم میں تبدیلی لازم نہیں آئی۔

دیگر اقوال:

یاد دوسرا قول یہ ہے تاکہ ہم جدا کر دیں تابع کو نا فرمان سے جیسا اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔

لِيُمَيِّزَ اللَّهُ الْخَبِيثَ مِنَ الطَّيِّبِ (الانفال: ۲۷) پس اس قول میں علم کی جگہ تمیز کا لفظ لایا گیا۔ کیونکہ تمیز علم سے حاصل ہوتی ہے۔ یا تیسرا قول: تاکہ رسول اللہ ﷺ اور مؤمن جان لیں گویا ان کے علم کو اپنی ذات کی طرف منسوب کیا۔ کیونکہ وہ اللہ تعالیٰ کے خاص بندے ہیں۔

یا چوتھا قول: یہ ہے کہ جو نہیں جانتے ان کو ملاطفت کے طور پر خطاب کیا جس طرح کہتے ہیں۔ اس آدمی کو جو سونے کے پگھلنے کا منکر ہو۔ فلنلقہ فی النار لنعلم ایدوب۔ کہ ہم اس کو آگ میں ڈالتے ہیں۔ تاکہ ہم جان لیں کہ آیا وہ پگھلتا ہے۔

(تو یہاں منکر کو سمجھانے کے لئے اپنے آپ کو اس کے ساتھ شامل کر کے اس پر فعل کو ثابت کرنا مقصود ہے) آیت میں بھی نعلم کا صیغہ خطاب ان سے ملاطفت کے لئے استعمال فرمایا گیا ہے۔

لکبیرہ کی تفسیر:

وَرَأَى كَانَتْ لَكَبِيرَةً: (بے شک یہ گراں گزرا ہے) یعنی تحویل یا جعل یعنی کرنا، بنانا یا قبلہ۔ نحو۔ کانت کی ضمیر ان تین میں سے کسی ایک کی طرف ہے۔

لکبیرۃ بھاری اور گراں۔ یہ ان دراصل ان ہے اور لکبیرۃ، کان کی خبر ہے اور لام ان شرطیہ اور مخففہ میں فرق کیلئے لایا گیا ہے۔
إِلَّا عَلَى الَّذِينَ هَدَى اللَّهُ: (مگر ان پر جن کو اللہ تعالیٰ نے ہدایت دی) یعنی اللہ تعالیٰ نے جن کو ہدایت و اتباع رسول پر صادق و ثابت قدم فرمایا۔

ایمان سے مراد نماز ہے:

وَمَا كَانَ اللَّهُ لِيُضَيِّعَ إِيمَانَكُمْ: (اور اللہ ایسا نہیں کہ ضائع کر دے تمہارے ایمان) ایمان سے مراد بیت المقدس کی طرف پڑھی جانے والی نمازیں ہیں۔ نماز کو یہاں ایمان فرمایا۔ کیونکہ نماز اہل ایمان پر ہی واجب ہے اور وہی اس کو قبول کرنے والے ہیں اور جماعت کے ساتھ اس کی ادائیگی علامت ایمان ہے۔

مَثَانِ نَزُولٍ: جب رسول اللہ ﷺ نے کعبہ کی طرف رخ کر لیا تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے کہا۔ ان لوگوں کا کیا بنے گا؟ جو تحویل قبلہ سے پہلے فوت ہو گئے۔ تو یہ آیت اتری۔ (بخاری و مسلم)

إِنَّ اللَّهَ بِالنَّاسِ لَءٌ وَفٌ رَّحِيمٌ: (بے شک اللہ تعالیٰ لوگوں پر شفقت رکھنے والے بڑے مہربان ہیں) یہ ماقبل کی تعلیل ہے۔ (یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ ان کی کی ہوئی عبادات جو اس کے حکم کے مطابق تھیں ضائع کر دے)

اختلاف قراءت: حجازی، شامی، حفص رحمہم اللہ نے لَءٌ وَفٌ کو فَعُول کے وزن پر ضمہ کو خوب ظاہر کر کے پڑھا اور دیگر قراء نے فَعُل کے وزن پر اختلاف حرکت کے ساتھ پڑھا ہے یہ دونوں مبالغہ کے صیغے ہیں۔ الرأفة بہت زیادہ رحمت و شفقت۔ رحیم مہربان جو ان کے اجر کو ضائع نہ کرے گا۔

نکتہ: (دونوں کو اسی طرح جمع کر دیا جیسا بسم اللہ میں الرحمن الرحیم کو) بہت زیادہ رحمت کو مقدم اور خصوصی کو مؤخر لایا گیا۔ نیز مقطع آیات کا بھی لحاظ ہو گیا)

توقع رسول اللہ ﷺ:

۱۴۴: قَدْ نَرَى تَقَلُّبَ وَجْهِكَ فِي السَّمَاءِ: (ہم دیکھ رہے ہیں آپ کے منہ کا آسمان کی طرف بار بار پھرنا) تَقَلُّبَ کا معنی بار بار چہرے کا لوٹنا۔ اور نگاہ کا آسمان کی طرف پھیرنا۔

رسول اللہ اپنے رب سے توقع رکھتے تھے۔ کہ وہ آپ کا رخ کعبہ کی طرف ابراہیمؑ کی موافقت اور یہود کی مخالفت میں پھیر دیں گے۔ اسلئے کہ آپ اہل عرب کو اسلام کی دعوت دے رہے تھے اور کعبہ اہل عرب کیلئے باعث فخر زیارت گاہ اور طواف کا مقام تھا۔
فَلَنُؤْتِيَنَّكَ قِبْلَةً تَرْضَاهَا: (بس ضرور پھیر دیں گے آپ کو اس قبلہ کی طرف جس کو آپ پسند کرتے ہیں)

فلنولينك كالمعنى۔ نمبر ۱۔ ضرور ہم آپ کو اس کے استقبال پر قدرت عطا کر دیں گے۔ یہ اس طرح ہے جیسے کہتے ہیں۔ ولینتہ کذا۔ جب تم اس کو اس چیز کا والی بنا دو۔

نمبر ۲۔ ہم آپ کو بیت المقدس کی سمت کی بجائے بیت اللہ کی سمت کے قریب کر دیں گے۔
ترضہا۔ تو پسند کرتا ہے اور اس کی طرف صحیح اغراض کے پیش نظر میلان رکھتا ہے۔ مگر ان اغراض کو دل میں رکھے ہوئے اللہ تعالیٰ کی مشیت و حکمت کی موافقت کرنے والا ہے۔

فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ: (تم اب پھیر لو اپنا چہرہ مسجد حرام کی طرف)

شطر کا معنی:

اصل میں ”الگ“ ہے پھر طرف کے معنی میں استعمال ہونے لگا۔ یہ ظرف ہونے کی بنا پر منصوب ہے۔ یعنی اجعل تولیۃ الوجه تلقاء المسجد۔ یعنی اس کی طرف اس کی سمت میں۔

عین قبلہ کا استقبال دُور والے کے لئے مشکل تھا۔ اللہ تعالیٰ نے کعبہ کی بجائے مسجد حرام کا ذکر کر کے ثابت کر دیا۔ کہ جہت قبلہ کی رعایت ضروری ہے۔ عین کعبہ کی نہیں۔

روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے مدینہ قدم رنجہ فرمانے کے بعد سولہ ماہ تک بیت المقدس کی طرف منہ کر کے نماز پڑھی۔ پھر کعبہ کی طرف رخ کر لیا۔

(تحویل صحیح قول کے مطابق ۱۵ رجب ۲ھ بدر سے دو ماہ قبل بوقت زوال ہوئی جبکہ ہجرت ۵ ربیع الاول بروز سوموار اور مدینہ میں ۱۲ ربیع الاول بروز سوموار تشریف آوری ہوئی اس سے سولہ ماہ اور چند دن بنتے ہیں)

وَحَيْثُ مَا كُنْتُمْ: (اور تم جہاں کہیں ہو) یعنی جس زمین میں ہو اور نماز کا ارادہ کرو تو۔
فَوَلُّوْا وُجُوْهُكُمْ شَطْرَهُ ط وَإِنَّ الَّذِيْنَ أُوتُوا الْكِتٰبَ لَيَعْلَمُوْنَ اِنَّهٗ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّهِمْ: (تم اپنے منہ اسی کی طرف کر لیا کرو اور وہ لوگ جن کو کتاب دی گئی وہ بخوبی جانتے ہیں کہ یہ برحق ہے ان کے رب کی طرف سے) یعنی تحویل قبلہ برحق ہے کیونکہ بشارات انبیاء میں موجود تھا کہ وہ رسول دونوں قبلوں کی طرف نماز پڑھیں گے۔

واحدی کا قول:

(بقول واحدی آپ نے مسجد بنی سلمہ میں ظہر کی نماز پڑھائی تو اسی میں تحویل ہوئی یہ مسجد قبلتین ہے۔ بخاری میں ہے کہ پہلی نماز کعبہ کی طرف پڑھی جانے والی عصر ہے قباء والوں نے دوسرے دن فجر میں تحویل کی خبر پر عمل کیا۔ بخاری و مسلم میں ہے کہ کعبہ کے اندر آپ نے دوستوں بائیں ایک دائیں کے درمیان بیت اللہ کے اندر نماز پڑھی۔

وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا يَعْمَلُوْنَ: (اور اللہ بے خبر نہیں ان کاموں سے جو وہ کرتے ہیں)

اختلاف قراءت:

کی۔ ابو عمرو نافع و عاصم رحمہم اللہ نے یعملون پڑھا ہے اور دیگر قراء نے تاء کے ساتھ پہلی قراءت کے مطابق یہ کفار کے

وَلَيْنَ آتَيْتَ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ بِكُلِّ آيَةٍ مَا تَبِعُوا قِبْلَتَكَ وَمَا

اور جن لوگوں کو کتاب دی گئی اگر آپ ان کے پاس تمام دلیلیں لے آئیں تب بھی آپ کے قبلہ کا اتباع نہ کریں گے۔ اور نہ

أَنْتَ بِتَابِعٍ قِبْلَتَهُمْ وَمَا بَعْضُهُمْ بِتَابِعٍ قِبْلَةَ بَعْضٍ ۖ وَلَيْنَ آتَيْتَ

آپ ان کے قبلہ کا اتباع کرنے والے ہیں، اور نہ وہ آپس میں ایک دوسرے کے قبلہ کا اتباع کرنے والے ہیں۔ اور البتہ اگر آپ نے اس کے بعد کہ آپ کے پاس

أَهْوَاءَهُمْ مِنْ بَعْدِ مَا جَاءَكَ مِنَ الْعِلْمِ ۚ إِنَّكَ إِذَا لَمِنَ الظَّالِمِينَ ۝۱۴۵

علم آچکا ہے ان کی خواہشوں کا اتباع کیا تو بے شک آپ اس وقت یقیناً ظلم کرنے والوں میں سے ہوں گے

لئے وعید ہے ان کے انکار پر سزا سے اللہ تعالیٰ بے خبر نہیں ضرور تمہیں سزا دے گا۔

اور دوسری قراءت کے مطابق ایمان والوں سے قبول واداء کا ثواب دینے کا وعدہ ہے۔

مطلب یہ ہوا کہ اے ایمان والو جو کچھ تم کرتے ہو اللہ تعالیٰ اس سے بے خبر نہیں وہ ضرور ثواب دیں گے۔

تَفْسِيرُ آيَةِ ۱۴۵: وَلَيْنَ آتَيْتَ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ بِكُلِّ آيَةٍ مَا تَبِعُوا قِبْلَتَكَ: (اگر آپ لے آئیں تمام دلائل ان لوگوں کے پاس جن کو کتاب دی گئی تو وہ آپ کے قبلہ کی پیروی نہ کریں گے)

عنادی لوگ:

اوتوا الكتب۔ وہ لوگ مراد ہیں جو حسد و عناد رکھتے ہیں آیت سے مراد قطعی دلیل کہ کعبہ کی طرف رخ نہ کرنا ہی برحق ہے۔ مَا تَبِعُوا قِبْلَتَكَ وہ آپ کے قبلہ کی اتباع نہیں کریں گے کیونکہ انکا آپ کی اتباع نہ کرنا۔ کسی شبہ کی وجہ سے نہیں کہ جس کو دلیل سے زائل کر دیا جائے۔ تو وہ ماننے لگیں بلکہ ترک اتباع محض حسد و عناد اور ضد کی وجہ سے ہے اسلئے کہ وہ آپ کی صفات اپنی کتابوں میں پاتے ہیں۔ جس سے آپ کا حق پر ہونا ان کو خوب معلوم ہے۔ ماتبعوا یہ جواب قسم ہے جو کہ جواب شرط کے قائم مقام آیا ہے۔

تمنائے یہود کا جواب:

وَمَا أَنْتَ بِتَابِعٍ قِبْلَتَهُمْ: (اور آپ بھی ان کے قبلہ کی پیروی کرنے والے نہیں ہیں) اس میں اہل کتاب کی رسول اللہ کے متعلق رجوع الی القبلة کی تمنا کو ختم کرنا مقصود ہے۔ اسلئے کہ اس سلسلہ میں وہ بڑے بے تاب تھے اور کہا کرتے تھے کہ اگر یہ ہمارے قبلہ پر قائم رہتے تو ممکن ہے ہم ان کو نبی منتظر مان لیتے اور یہ بات صرف اسی خاطر کہتے کہ آپ دوبارہ ان کے قبلہ کی طرف لوٹ جائیں اور قبلہ آپ کا اور انکا ایک ہو جائے حالانکہ یہود و نصاریٰ کا خود الگ الگ قبلہ ہے۔ مگر باطل پر اور حق کے خلاف ہونے میں دونوں یکساں ہیں۔ (اسلئے قبلتہم کو واحد لایا گیا) جب انکے قبلے موافق نہیں تو آپ سے قبلہ میں موافقت کا مطالبہ بیجا ہے۔

وَمَا بَعْضُهُمْ بِتَابِعٍ قِبْلَةَ بَعْضٍ ۖ (اور نہ وہ آپس میں ایک دوسرے کے قبلہ کا اتباع کرنے والے ہیں)۔

وَلَيْنَ آتَيْتَ أَهْوَاءَهُمْ مِنْ بَعْدِ مَا جَاءَكَ مِنَ الْعِلْمِ: (اگر آپ ان کی خواہشات کا اتباع کریں اس علم کے حاصل

الَّذِينَ اتَيْنَهُمُ الْكِتَابَ يَعْرِفُونَهُ كَمَا يَعْرِفُونَ أَبْنَاءَهُمْ ۖ وَإِنَّ فَرِيقًا

جن لوگوں کو ہم نے کتاب دی وہ رسول کو پہچانتے ہیں جیسا کہ وہ اپنے بیٹوں کو پہچانتے ہیں۔ اور بلاشبہ ان میں سے ایک فریق

مِّنْهُمْ لَيَكْتُمُونَ الْحَقَّ وَهُمْ يَعْلَمُونَ ﴿١٤٦﴾ الْحَقُّ مِنْ رَبِّكَ فَلَا تَكُونَنَّ

ایسا ہے جو ضرور حق کو چھپاتے ہیں حالانکہ وہ جانتے ہیں، حق ہے آپ کے رب کی طرف سے سو آپ ہرگز شک کرنے والوں میں سے

مِنَ الْمُمْتَرِينَ ﴿١٤٧﴾

نہ ہوجائیں۔

ہو جانے کے بعد) نمبر ۱۔ یعنی کعبہ کے قبلہ ہونے کے روشن دلائل آ جانے اور اسلام کے دین برحق ہونے کا علم ہو جانے پر۔

ثبات پر ابھارنا:

إِنَّكَ إِذَا لَمِنَ الظَّالِمِينَ: (تو بے شک ایسی حالت میں آپ بھی نافرمانوں میں سے ہوں گے) یعنی ظلم صریح کا ارتکاب کرنے والوں میں سے ہو جائیں گے۔ اس آیت میں سامعین کے ساتھ مہربانی کی گئی ہے اور حق پر ثبات کے لئے ان کو آمادہ کیا گیا ہے اور ایسے آدمی کو خبردار کیا گیا جو روشن دلیل کے بعد خواہشات کی اتباع کرنے لگے۔

خطاب بامت:

دوسرا قول: کہ ظاہر خطاب نبی اکرم ﷺ کو ہے مگر مراد امت ہے۔ الظالمین پر وقف لازم ہے ورنہ معنی بگڑ جاتا ہے۔ (یہ آیت مخالف عصمت نہیں کیونکہ یہ قضیہ شرطیہ ہے جس کے طرفین کا صدق لازم نہیں۔ یہ اسی طرح ہے جیسے دوسری آیت ان كَانَ لِلرَّحْمَنِ وَلَدٌ فَاَنَا أَوَّلُ الْعَابِدِينَ)

تَفْسِيرُ آيَةِ: يَعْرِفُونَ أَبْنَاءَهُمْ ۖ

۱۴۶: الَّذِينَ اتَيْنَهُمُ الْكِتَابَ يَعْرِفُونَهُ كَمَا يَعْرِفُونَ أَبْنَاءَهُمْ: (جن کو ہم نے کتاب دی وہ محمد کو پہچانتے ہیں جیسے اپنے بیٹوں کو پہچانتے ہیں) نحو۔ الذین یہ کلام مبتدا اور یعرفونہ اس کی خبر ہے ہ کی ضمیر سے مراد محمد ہیں۔ یہی راجح ہے۔ بعض نے قرآن اور تحویل قبلہ بھی کہا مگر وہ مرجوح ہے۔ کیونکہ کما یعرفون أبناءہم فرمایا۔ اگر ضمیر قرآن کی طرف لوٹی تو أبناء کی بجائے تورات لاتے۔ عبد اللہ بن سلام نے فرمایا میں آپ کو اپنے بیٹے سے بھی زیادہ پہچانتا ہوں۔ عمرؓ نے کہا وہ کیسے؟ تو انہوں نے جواب دیا مجھے محمدؐ کے نبی ہونے میں کوئی شک نہیں۔ باقی میرا بیٹا (تو اسکے متعلق گمان ہے) شاید اسکی والدہ نے خیانت کی ہو۔ اس پر عمرؓ نے اٹکے سر کو چوما۔ وَإِنَّ فَرِيقًا مِّنْهُمْ لَيَكْتُمُونَ الْحَقَّ وَهُمْ يَعْلَمُونَ: (کچھ لوگ ان میں سے حق کو چھپاتے ہیں حالانکہ وہ جانتے ہیں) فریق سے مراد وہ لوگ ہیں جو اسلام نہیں لائے اور ان کی حق پوشی کی بنیاد حسد و عناد ہے۔ حالانکہ وہ جانتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اس کو ان کی کتاب میں واضح کر دیا۔

وَلِكُلِّ وِجْهَةٌ هُوَ مُوَلِّيُّهَا فَاسْتَبِقُوا الْخَيْرَاتِ ۚ أَيْنَ مَا تَكُونُوا يَأْتِ بِكُمُ اللَّهُ

اور ہر جماعت کے لئے ایک جہت ہے جس کی طرف وہ اپنا رخ کرنے والے ہیں۔ لہذا تم نیک کاموں کی طرف آگے بڑھو، جہاں کہیں بھی تم ہو گے اللہ تعالیٰ تم سب کو لے

جَمِيعًا ۚ إِنَّ اللَّهَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ﴿۱۴۸﴾

آئے گا۔ بیشک اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔

الحق کی مراد:

۱۴۷۔ الْحَقُّ مِنْ رَبِّكَ فَلَا تَكُونَنَّ مِنَ الْمُمْتَرِينَ (حق وہی ہے جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے پس آپ شک کرنے والوں میں سے نہ ہوں) الحق۔ نمبر ۱۔ الف لام جنس کا ہے یعنی حق وہی ہے۔ جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے۔ نہ کہ کسی غیر کی طرف سے۔

مطلب یہ ہے کہ حق وہی ہے جس کا برحق ہونا اللہ تعالیٰ کی طرف سے ثابت ہو۔ جیسا کہ وہ جس پر آپ ہیں اور جس کا اللہ تعالیٰ کی طرف سے حق ہونا ثابت نہ ہو وہ باطل ہے۔ جیسا کہ اہل کتاب جس کو لیے پھرتے ہیں۔

نمبر ۲: یا الف لام عہد کا ہے اس سے خاص وہ حق مراد ہے۔ جس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تھے۔

خَجَوْا: الحق مبتداء من ربك خبر ہے۔ یا مبتداء محذوف ہو اور یہ خبر اور من ربك دوسری خبر یا حال۔ الممترین کا معنی رب تعالیٰ کی طرف سے ہونے میں شک کرنے والے۔

تفسیر آیت ۱۴۸:

وَلِكُلِّ وِجْهَةٌ هُوَ مُوَلِّيُّهَا فَاسْتَبِقُوا الْخَيْرَاتِ ۚ أَيْنَ مَا تَكُونُوا يَأْتِ بِكُمُ اللَّهُ جَمِيعًا ۚ إِنَّ اللَّهَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ (ہر ایک کے لئے ایک سمت ہے جس کی طرف وہ منہ کرنے والا ہے پس تم نیکیوں کی طرف سبقت کرو۔ تم جہاں کہیں ہو گے اللہ تعالیٰ تمہیں اکٹھا لائے گا۔ بے شک اللہ ہر چیز پر قادر ہے) یعنی ادیان مختلفہ میں سے ہر گروہ کا ایک قبلہ ہے۔

مرجع ضمیر:

حضرت ابی بنی اسدؓ کی قراءت میں وجہۃ کو وجہۃ پڑھا۔ هُوَ۔ یہ کل کی طرف لوٹنے والی ضمیر ہے۔ مولیٰ۔ نمبر ۱۔ ہا ضمیر وجہۃ کی طرف لوٹتی ہے۔ یعنی ہو مولیٰ وجہۃ۔ وہ پھیرنے والا ہے اس کی طرف اپنا منہ۔ پس ایک مفعول حذف کر دیا۔

دوسرا قول: هُوَ ضمیر اللہ تعالیٰ کی طرف راجع ہے یعنی اللہ تعالیٰ خاص اس کو اس کی طرف پھیرنے والے ہیں۔

قراءت: شامی رحمہ اللہ نے مَوْلَاهَا پڑھا یعنی وہ حقیقی مولیٰ ہے اس جہت کا جس کا یہ والی بنایا گیا۔ آیت کا مطلب یہ ہوا کہ ہر امت خواہ تم میں سے ہو یا تمہارے غیروں میں سے اس کے لئے ایک قبلہ ہے جس کی طرف وہ متوجہ ہوتی ہے۔

وَمِنْ حَيْثُ خَرَجْتَ قَوْلٍ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ۖ وَإِنَّهُ لَلْحَقُّ

اور جس جگہ سے بھی آپ باہر جائیں تو اپنا چہرہ مسجد حرام کی طرف پھیر دیں۔ اور بلاشبہ یہ ضرور حق ہے

مِنْ رَبِّكَ ۖ وَمَا اللَّهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُونَ ﴿۱۴۹﴾ وَمِنْ حَيْثُ خَرَجْتَ قَوْلٍ

آپ کے رب کی طرف سے، اور اللہ غافل نہیں ان کاموں سے جو تم کرتے ہو، اور جس جگہ سے بھی آپ باہر جائیں اپنا چہرہ مسجد حرام کی

وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ۖ وَحَيْثُ مَا كُنْتُمْ فَوَلُّوا وُجُوهَكُمْ شَطْرَهُ ۚ

طرف پھیر دیجئے اور جہاں کہیں بھی تم ہو سو اپنے چہرے اس کی طرف پھیر لو،

لِيَأْخُذَ النَّاسُ عَلَيْكُمْ حُجَّةً ۚ إِلَّا الَّذِينَ ظَلَمُوا مِنْهُمْ ۖ فَلَا تَخْشَوْهُمْ

تاکہ لوگوں کو تمہارے مقابلہ میں کوئی حجت نہ رہے۔ سوائے ان کے جنہوں نے ان میں سے ظلم کیا۔ لہذا تم ان سے نہ ڈرو

وَإِخْشَاؤُنِي ۚ وَلَا تَمْرِعُمْ عَلَيْكُمْ وَعَلَّامُ تَهْتَدُونَ ﴿۱۵۰﴾

اور مجھ سے ڈرو تاکہ میں پوری کردوں تم پر اپنی نعمت اور تاکہ تم ہدایت پر رہو۔

سبقت کی تفسیر میں اقوال:

فاستبقوا الخیرات۔ تم بھلائیوں کی طرف دوسروں سے آگے بڑھو۔ خواہ وہ قبلہ کا معاملہ ہو یا دیگر این ماتکونوا۔ یعنی جہاں بھی تم ہو اور تمہارے دشمن ہوں گے۔ یات بکم اللہ جمیعاً۔ اللہ عز وجل تم کو لے آئے گا قیامت کے دن پس حق پرست اور باطل پرست کے درمیان فیصلہ کرے گا۔

دوسرا قول:

(اے امت محمد! تم میں سے ہر ایک کیلئے ایک طرف ہے جنوبی یا شمالی یا شرقی یا غربی جس کی طرف منہ کر کے وہ نماز پڑھتا ہے۔ تم اطراف کے فاصلوں کی طرف سبقت کرو۔ وہی اطراف کعبہ کی چوکھٹ ہے۔ اگرچہ وہ مختلف ہیں۔ این ماتکونوا۔ تم مختلف جہات میں سے جس طرف ہو گے۔ یات بکم اللہ یعنی اللہ تم کو جمع کر دیں گے اور تمہاری نماز کو اس طرح قرار دیں گے۔ گویا وہ ایک طرف ہی پڑھی گئی اور گویا تم سب مسجد حرام میں حاضر ہو کر نماز پڑھ رہے ہو۔ اللہ تعالیٰ کو ہر چیز پر قدرت حاصل ہے۔

تفسیر آیت ۱۴۹:

وَمِنْ حَيْثُ خَرَجْتَ قَوْلٍ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ۔ وَإِنَّهُ لَلْحَقُّ مِنْ رَبِّكَ وَمَا اللَّهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُونَ (جس جگہ سے آپ نکلیں تو اپنا منہ مسجد حرام کی طرف کر لیں اور وہی حق ہے تیرے رب کی طرف سے اور اللہ ان کاموں سے جو تم کرتے ہو بے خبر نہیں) وَمِنْ حَيْثُ خَرَجْتَ یعنی شہر سے تم سفر کے لئے نکلو تو اپنا چہرہ مسجد حرام کی طرف پھیر لو۔ جب نماز پڑھو۔

وانہ۔ بے شک یہ حکم تیرے رب کی طرف سے برحق ہے اور اللہ تعالیٰ بے خبر نہیں ان کاموں سے جو تم کرتے ہو۔
قراءت: (ابو عمرو نے یاء کے ساتھ پڑھا۔ یعملون۔

تفسیر آیت ۱۵۰..... وجہ تاکید:

وَمِنْ حَيْثُ خَرَجْتَ فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ وَحَيْثُ مَا كُنْتُمْ فَوَلُّوا وُجُوهَكُمْ شَطْرَهُ: (اور اے محمد ﷺ جہاں کہیں سے آپ نکلیں تو اپنا منہ مسجد حرام کی طرف کر لیجئے۔ اور اے مسلمانو! تم جہاں کہیں ہو تو اپنا منہ اس طرف کر لیا کرو۔) ومن حیث سے حکم کو دوبارہ بیان کر کے تاکید کر دی اور حکم کو پختہ کر دیا۔ کیونکہ نسخ کا حکم محل فتنہ اور شبہ کا باعث ہے پس مناسب ہوا کہ مسئلہ دوبارہ لائے تاکہ وہ ثابت قدم ہو جائیں اور ہر ایک موقعہ سے وہ چیزیں معلق کیں جو دوسرے مقام میں معلق نہ کیں۔ جس سے دوبارہ لانے سے فوائد مختلف ہو گئے۔ پہلی مرتبہ شرف نبوی کو اول مرتبہ ذکر کیا۔ پھر علت ذکر کی۔ کہ ہر نبی کا قبلہ الگ ہوتا ہے اس آیت میں شرف نبوی اور علت دونوں کو ذکر کر دیا۔

لَا يَكُونُ لِلنَّاسِ عَلَيْكُمْ حُجَّةٌ: (تاکہ لوگوں کا تم پر الزام نہ رہے) یعنی تمہیں اللہ تعالیٰ نے قبلہ کے سلسلہ میں حجت کا طریقہ بتلایا۔ جو کہ ولکل وجہۃ میں ذکر کیا گیا۔ الناس سے مراد یہود ہیں۔ علیکم حجة تورات میں جو تحویل قبلہ مذکور ہے اس کے خلاف کوئی دلیل نہ رہے۔ یہاں معاندین کی بات کو حجت کہا۔ کیونکہ وہ اپنی بات بطور حجت ہی کرتے تھے۔

ترک بیت المقدس قوم کی رعایت ہے:

إِلَّا الَّذِينَ ظَلَمُوا مِنْهُمْ: (سوائے ان لوگوں کے جو ان میں ظالم ہیں) نمبر ۱۔ یہ الناس سے استثناء ہے یعنی تاکہ لوگوں کے پاس کوئی حجت جس سے وہ تم پر اعتراض کر سکیں نہ رہے۔ مگر ظالم کہ ان کے پاس تو سرے سے حجت ہوتی ہی نہیں۔ یہود اس طرح کہتے ہیں۔ کہ اس نے بیت المقدس کا قبلہ اپنی قوم کی رعایت کی خاطر ترک کیا ہے اور اپنے وطن کی محبت کی خاطر چھوڑا ہے۔ اگر یہ حق پر ہوتے تو انبیاء علیہم السلام کے قبلہ کو لازم پکڑتے۔

ظالم سے مراد کون؟

نمبر ۲۔ دوسرا قول: یہ ہے تاکہ عرب کے پاس تمہارے خلاف الزام اعتراض نہ رہے۔ کہ تم نے کعبہ کی طرف منہ کرنا ترک کر دیا۔ جو کہ ابراہیمؑ و اسماعیلؑ کا قبلہ ہے جو کہ تمام عرب کے جدا مجد ہیں۔ مگر وہ لوگ جو ان میں سے ظالم ہیں اور وہ اہل مکہ ہیں کہ جواب اس طرح کہنے لگے ہیں کہ اب اپنے آباؤ اجداد کے قبلہ کی طرف لوٹنا شروع ہوئے ہیں۔ عنقریب ان کے دین کی طرف بھی لوٹ آئیں گے۔

طعن سے مت گھبراؤ:

فَلَا تَخْشَوْهُمْ وَاخْشَوْنِي وَلَا تَمْنَعُوا نِعْمَتِي عَلَيْكُمْ وَلَعَلَّكُمْ تَهْتَدُونَ: (پس تم ان سے نہ ڈرو اور مجھ سے ہی ڈرو۔ تاکہ میں اپنا فضل تم پر پورا کروں اور تم ہدایت پاؤ) فلا تخشوہم یہ جملہ مستانفہ بطور تنبیہ لایا گیا۔ کہ تم اے مسلمانو! کفار کے قبلہ کے سلسلہ میں طعن و تنبیہ سے مت گھبراؤ۔ ان کے طعن تمہارا کچھ بھی نقصان نہ کر سکیں گے اور مجھ سے ڈرو اور میرے حکموں کی مخالفت نہ کرو۔

کَمَا أَرْسَلْنَا فِيكُمْ رَسُولًا مِّنْكُمْ يَتْلُو عَلَيْكُمْ آيَاتِنَا وَيُزَكِّيكُمْ وَيُعَلِّمُكُمُ الْكِتَابَ

جیسا کہ ہم نے بھیجا تمہارے اندر ایک رسول جو تم میں سے ہے وہ تلاوت کرتا ہے تم پر ہماری آیات اور تمہیں پاکیزہ بناتا ہے اور تم کو کتاب اور حکمت کی

وَالْحِكْمَةَ وَيُعَلِّمُكُم مَّا لَمْ تَكُونُوا تَعْلَمُونَ ﴿۵﴾ فَاذْكُرُونِي أَذْكُرْكُمْ وَاشْكُرُوا لِي

تعلیم دیتا ہے اور تم کو وہ چیزیں سکھاتا ہے جنہیں تم نہیں جانتے تھے۔ سو تم مجھ کو یاد کرو میں تمہیں یاد کروں گا، اور میرا شکر کرو،

وَلَا تَكْفُرُونِ ﴿۵﴾

اور میری ناشکری نہ کرو۔

نحوی تحقیق:

ولا تم۔ نمبر ۱۔ یہ لنلا پر عطف ہے یعنی عرفتکم لنلا یكون حجة ولا تم نعمتی علیکم بھدایتی ایا کم الی الکعبۃ۔ میں نے تمہیں بتلادیا تاکہ تمہارے خلاف ان کے پاس کوئی حجت نہ رہے اور تاکہ میں اپنی نعمت تم پر پوری کروں تمہاری کعبہ کی طرف راہنمائی کروں تاکہ تم قبلہ ابراہیم کی طرف راہ پاؤ۔

تفسیر آیت ۱۵:

کَمَا أَرْسَلْنَا فِيكُمْ رَسُولًا مِّنْكُمْ يَتْلُو عَلَيْكُمْ آيَاتِنَا وَيُزَكِّيكُمْ وَيُعَلِّمُكُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَيُعَلِّمُكُم مَّا لَمْ تَكُونُوا تَعْلَمُونَ۔

(جیسا کہ بھیجا ہم نے تم میں ایک رسول تم ہی میں سے جو پڑھتے ہیں تم پر ہماری آیات اور تم کو پاک و صاف کرتے ہیں اور کتاب و حکمت تم کو سکھاتے ہیں اور جو باتیں تم نہ جانتے تھے وہ تم کو بتاتے ہیں)

کاف کا تعلق ما قبل سے ہے یا ما بعد سے:

قول اول: (کما ارسلنا۔ کاف کا تعلق ما قبل سے مانیں تو عبارت اس طرح ہوگی۔ ولا تم نعمتی علیکم فی الاخرة بالشواب کما اتممتها علیکم فی الدنيا بارسال الرسول۔

اور تاکہ میں اپنی نعمت تم پر آخرت میں ثواب دے کر پوری کروں کہ جس طرح کہ میں نے اس نعمت کو دنیا میں رسول بھیج کر پورا کیا۔ اس صورت میں تہتدون پروقف نہیں۔

دوسرا قول: (کاف کا تعلق ما بعد سے ہو۔ ای کما ذکرتمکم بارسال الرسول فاذکرونی بالطاعة اذکرکم بالشواب یعنی جس طرح میں نے تمہیں رسول بھیج کر یاد رکھا۔ تو تم اطاعت سے مجھے یاد رکھو۔ میں ثواب سے تمہیں یاد رکھوں گا۔ اس صورت میں تہتدون پروقف لازم ہے۔ منکم سے عرب مراد ہیں۔ یتلوا کا معنی پڑھتا ہے۔ آیاتنا سے قرآن مجید اور الکتاب سے بھی

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اسْتَعِينُوا بِالصَّبْرِ وَالصَّلَاةِ إِنَّ اللَّهَ مَعَ الصَّابِرِينَ ﴿٥٣﴾

اے ایمان والو! صبر اور نماز کے ذریعہ مدد حاصل کرو، بے شک اللہ صابروں کے ساتھ ہے۔

وَلَا تَقُولُوا لِمَنْ يُقْتَلُ فِي سَبِيلِ اللَّهِ أَمْوَاتٌ ۚ بَلْ أَحْيَاءٌ وَلَٰكِن لَّا

اور جو لوگ اللہ کی راہ میں قتل کئے جاتے ہیں ان کے بارے میں یوں نہ کہو کہ وہ مردہ ہیں بلکہ وہ زندہ ہیں لیکن تم اس کا ادراک

تَشْعُرُونَ ﴿٥٤﴾

نہیں کرتے۔

قرآن مجید مراد ہے الحکمة سے سنت و فقہ مالک تکونوا تعلمون سے مراد وہ باتیں ہیں کہ جن کی پہچان کا سوائے وحی کے کوئی راستہ نہ تھا۔

تفسیر آیت ۱۵۲..... ذکر کی بابت چھ اقوال:

فَاذْكُرُونِيْٓ اَذْكُرْكُمْ وَاَشْكُرُوْا لِيْ وَلَا تَكْفُرُوْنَ (تم مجھے یاد رکھو میں تم کو یاد رکھوں گا۔ اور میرا احسان مانو اور میری ناشکری نہ کرو) نمبر ۱۔ فاذا کرونی پس تم مجھے مقدور بھریا کرو۔ اذکرکم میں تمہیں مغفرت سے یاد کروں گا۔

دوسرا قول: تم مجھے ثناء سے یاد کرو۔ میں عطاء سے یاد کروں گا۔

تیسرا قول: تم سوال سے یاد کرو۔ میں نوال سے یاد کروں گا۔

چوتھا قول: تم توبہ سے یاد کرو۔ میں معافی سے یاد کروں گا۔

پانچواں قول: تم اخلاص سے یاد کرو۔ میں چھٹکارے سے یاد کروں گا۔

چھٹا قول: تم مناجات سے یاد کرو۔ میں نجات سے یاد کروں گا۔

واشکروالی۔ تم میرا ان نعمتوں پر شکریہ ادا کرو۔ جو میں نے تمہیں دیں۔ ولا تکفرون۔ تم میری نعمتوں کا انکار نہ کرو۔

تفسیر آیت ۱۵۳:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اسْتَعِينُوا بِالصَّبْرِ وَالصَّلَاةِ إِنَّ اللَّهَ مَعَ الصَّابِرِينَ (اے ایمان والو! مدد حاصل کرو صبر اور نماز سے بے

شک اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہیں) صبر سے ہر فضیلت حاصل کی جاتی ہے۔ الصلوٰۃ، نماز ہر ذیلہ سے روکنے والی ہے۔

مع الصابرین۔ اللہ تعالیٰ کی مدد اور نصرت اور قبول دعا صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔

تفسیر آیت ۱۵۴: شہدائے بدر:

وَلَا تَقُولُوا لِمَنْ يُقْتَلُ فِي سَبِيلِ اللَّهِ أَمْوَاتٌ ۚ بَلْ أَحْيَاءٌ وَلَٰكِن لَّا تَشْعُرُونَ (اور تم نہ کہو ان کو جو لوگ بارے جائیں اللہ

وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ بِشَيْءٍ مِّنَ الْخَوْفِ وَالْجُوعِ وَنَقْصٍ مِّنَ الْأَمْوَالِ وَالْأَنْفُسِ

اور ضرور ضرور ہم تم کو آزمائیں گے کچھ خوف سے اور کچھ بھوک سے اور کچھ مالوں میں اور جانوں اور پھلوں

وَالثَّمَرَاتِ ۚ وَبَشِّرِ الصَّابِرِينَ ۝ الَّذِينَ إِذَا أَصَابَتْهُمُ مُصِيبَةٌ قَالُوا ۚ

میں کی کر کے، اور خوشخبری سنا دیجئے صبر کرنے والوں کو جن کی صفت یہ ہے کہ جب پہنچے ان کو کوئی مصیبت تو وہ کہتے ہیں

إِنَّا لِلَّهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُونَ ۝ أُولَٰئِكَ عَلَيْهِمْ صَلَوَاتٌ مِّن رَّبِّهِمْ وَرَحْمَةٌ قَفْ وَ

کہ بے شک ہم اللہ ہی کے لئے ہیں اور بے شک ہم اسی کی طرف لوٹنے والے ہیں۔ یہ وہ لوگ ہیں جن پر ان کے رب کی طرف سے عام رحمتیں ہیں اور خاص رحمت بھی ہے اور

أُولَٰئِكَ هُمُ الْمُتَذَكَّرُونَ ۝

یہ وہ لوگ ہیں جو ہدایت پانے والے ہیں۔

کی راہ میں کہ وہ مردہ ہیں بلکہ وہ زندہ ہیں لیکن تم سمجھ نہیں سکتے (ولا تقولوا یہ شہدائے بدر کے متعلق نازل ہوئی ان کی تعداد چودہ تھی۔ اموات یہ مبتدا محذوف ہم کی خبر ہے کہ وہ مردہ ہیں۔ بل احياء یعنی وہ زندہ ہیں۔

عدم شعور کی تفسیر:

لا تشعرون۔ یعنی تم اس کو نہیں جانتے۔ کیونکہ شہید کی زندگی حساً معلوم نہیں ہو سکتی۔ حضرت حسن رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ شہداء اللہ کے ہاں زندہ ہیں۔ ان کا رزق ان کی ارواح کو پہنچایا جاتا ہے پس ان کو راحت و خوشی پہنچتی ہے جیسا کہ آگ ال فرعون کی ارواح پر صبح و شام پیش کی جاتی ہے۔ پس ان کو اس سے تکلیف پہنچتی ہے حضرت مجاہد رحمہ اللہ کہتے ہیں ان کو جنت کے پھلوں سے رزق ملتا ہے اور اس کی ہوائیں ان کو پہنچتی ہیں۔ مگر وہ جنت میں نہیں۔

معمولی مصائب سے آزمائش:

۱۵۵۔ وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ بِشَيْءٍ مِّنَ الْخَوْفِ وَالْجُوعِ وَنَقْصٍ مِّنَ الْأَمْوَالِ وَالْأَنْفُسِ وَالثَّمَرَاتِ وَبَشِّرِ الصَّابِرِينَ (اور ضرور ہم تمہیں آزمائیں گے کسی قدر ڈرا اور بھوک اور اموال و نفس اور پھلوں کی کمی سے اور اے محمد ﷺ خوش خبری سنا دیں صبر کرنے والوں کو) وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ یعنی ہم کسی قدر مصائب پہنچا کر برکات سماویہ سے مستفید کریں گے جیسے کوئی کسی قوم کو آزمائے آیا وہ بلاء پر صبر کرتے ہیں یا نہیں اور اطاعت پر باقی رہتے ہیں یا نہیں۔ بشیء۔ یعنی تھوڑے سے ان مصائب میں سے اور معمولی سے۔ تنوین تنکیر شئی پر لا کر انتہائی قلت بیان کر دی۔ تاکہ بتلادیا جائے کہ ہر مصیبت جو انسان کو پہنچتی ہے خواہ وہ کتنی بڑی ہو مگر وہ ان مصائب کے مقابلہ میں قلیل ہے جن سے اللہ تعالیٰ نے بچایا ہوا ہے۔ تاکہ ان بندوں کو دکھلادیا جائے کہ اللہ کی رحمت کسی حال میں بھی بندے سے جدا نہیں اور مصیبت کے وقوع سے پہلے یہ پیشینگوئی اس لئے دی تاکہ نزول مصائب کے وقت نفس مطمئن رہے

اور وہ پریشانی کے وقت اس کو برداشت کرنے کا خوگر بنالے۔ من الخوف۔ خوف سے دشمن کا خوف یا اللہ کا خوف مراد ہے۔ والجوع سے قحط یا بقول امام شافعی رحمہ اللہ صوم رمضان مراد ہے۔ ونقص من الاموال والانفس۔ کبھی مویشیوں کی موت یا زکوٰۃ سے (ظاہر ہوگی)

نَحْوُ: اس کا عطف شئی پر یا خوف پر ہے یعنی شئی من نقص الاموال۔ تھوڑی سی اموال کی کمی سے والا نفس۔ نفوس کی کمی قتل یا موت یا مرض یا بڑھاپے سے۔ والثمرات۔ ثمرات کی کمی سے۔ کھیتی کے ثمرات (غلہ و پھل) یا اولاد کی موت (بمنزلہ ثمرہ ہے) اولاد بمنزلہ ثمرہ قلب ہے۔

صبر والے لوگ:

بشر الصابرین۔ تم انکو خوش خبری دو۔ جو ان مصائب پر صبر کرنے والے ہیں۔ یا مصائب کے وقت انا للہ کہنے والے ہیں۔ کیونکہ استرجاع اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کے سپرد کرنا اور اسکے حکموں پر یقین کرنا ہے حدیث میں آتا ہے جس نے مصیبت کے وقت استرجاع کیا اللہ تعالیٰ اسکی مصیبت کو درست کر دیتے ہیں اور اسکا انجام اچھا کر دیتے ہیں اور اچھا پسندیدہ بدلہ عنایت فرماتے ہیں۔ (بیہقی۔ طبرانی) روایت ابو داؤد میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا چراغ بجھ گیا۔ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انا للہ پڑھا تو صحابی رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کیا یہ مصیبت ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ جی ہاں! ہر وہ چیز جس سے مؤمن کو ایذا پہنچے۔ (ابو داؤد)

کم کا مخاطب:

کم نمبرا۔ کا خطاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کیا گیا۔

نمبر ۲۔ دوسرا قول: ہر وہ شخص مراد ہے جو بشارت کے لائق ہو۔

تفسیر آیت ۱۵۶:

الَّذِينَ إِذَا أَصَابَتْهُمْ مُصِيبَةٌ قَالُوا إِنَّا لِلَّهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُونَ: (جب انہیں کوئی مصیبت پہنچتی ہے تو کہتے ہیں ہم اللہ تعالیٰ کے لئے ہیں اور ہم اسی کی طرف لوٹنے والے ہیں)

نحوی تحقیق:

نمبر ۱۔ الذین۔ صابرین کی صفت ہونے کی بناء پر منصوب ہے اس صورت میں اس پر وقف نہیں۔ بلکہ راجعون پر وقف ہے۔
نمبر ۲۔ صابرین پر وقف کریں تو الذین مبتدا ہے اور اولئک خبر ہے۔ مگر پہلی صورت زیادہ بہتر ہے کیونکہ الذین اور اس کا صلہ وغیرہ صبر کا بیان ہے۔ اذا اصابتهم مصیبة سے مراد نا پسندیدہ بات یہ اسم فاعل کا صیغہ ہے اور اصابت کا معنی لحقت بمعنی پہنچنا۔ ملنا ہے۔ مصیبة پر وقف نہیں کیونکہ قالوا یہ اذا کا جواب ہے اور یہ شرط جزاء مل کر الذین کا صلہ ہے۔ انا للہ۔ یہ اللہ کی مالکیت کا اقرار و اعتراف ہے اور انا الیہ راجعون اپنے نفوس کے متعلق فناء کا اقرار ہے۔

إِنَّ الصَّفَا وَالْمَرْوَةَ مِنْ شَعَائِرِ اللَّهِ ۚ فَمَنْ حَجَّ الْبَيْتَ أَوِ اعْتَمَرَ

بے شک صفا اور مروہ اللہ کی نشانیوں میں سے ہیں۔ سو جو شخص بیت اللہ کا حج کرے یا عمرہ کرے

فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِ أَنْ يَطَّوَّفَ بِهِمَا ۖ وَمَنْ تَطَوَّعَ خَيْرًا ۖ فَإِنَّ اللَّهَ

اس پر اس بات میں ذرا بھی گناہ نہیں کہ ان دونوں کے درمیان آنا جانا کرے اور جو شخص خوشی سے کوئی نیک کام کرے تو اللہ تعالیٰ

شَاكِرٌ عَلِيمٌ ﴿۱۵۸﴾

قدردان ہے جاننے والا ہے۔

تفسیر آیت ۱۵۷:

أُولَٰئِكَ عَلَيْهِمْ صَلَوَاتٌ مِّنْ رَبِّهِمْ وَرَحْمَةٌ وَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُهْتَدُونَ: (یہ وہی لوگ ہیں جن پر رحمتیں ہیں اور یہی لوگ ہدایت پر ہیں)

رحمت و صلوة کے جمع کی حکمت:

الصلوات جمع صلوة شفقت و مہربانی۔ اس کو رافۃ بمعنی مہربانی کی جگہ لائے اور رحمت اور صلوة کو جمع کر دیا۔ جیسا سورۃ التوبۃ آیت نمبر ۱۱ میں رؤف رحیم۔ اور سورۃ الحدید میں رافۃ و رحمة۔ اب مطلب یہ ہوا ان پر مہربانی کے بعد مہربانی اور رحمت کے بعد رحمت ہے۔ (صلوات کو جمع لانے میں انواع کی طرف اشارہ ہے) و اولئک ہم المہتدون۔ وہ وہی راہ پانے والے ہیں۔ سیدھے راستے کی طرف اس لئے کہ انہوں نے استرجاع کیا اور اللہ تعالیٰ کے حکم پر یقین کیا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا۔ دو چیزیں بہترین ساتھی ہیں اور ان پر ایک شاندار اضافہ ہے اور وہ صلوة اور رحمت ہیں اور اضافہ زیادتی ہدایت ہے۔

تفسیر آیت ۱۵۸:

إِنَّ الصَّفَا وَالْمَرْوَةَ مِنْ شَعَائِرِ اللَّهِ فَمَنْ حَجَّ الْبَيْتَ أَوِ اعْتَمَرَ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِ أَنْ يَطَّوَّفَ بِهِمَا وَمَنْ تَطَوَّعَ

خَيْرًا فَإِنَّ اللَّهَ شَاكِرٌ عَلِيمٌ: (بے شک صفا اور مروہ اللہ تعالیٰ کے شعائر میں سے ہے جو بیت اللہ کا حج کرے یا عمرہ کرے۔ تو

اس پر کچھ گناہ نہیں کہ دونوں کا طواف کرے اور جو شوق سے کوئی نیکی کرے۔ پس بے شک اللہ تعالیٰ قدردان و واقف کار ہیں)

ان الصفا و المروة۔ صفا و مروہ مکہ میں دو پہاڑ ہیں۔ من شعائر اللہ۔ شعائر جمع شعيرة علامت کو کہتے ہیں۔ شعائر اللہ سے

مراد عبادت کے مقام اور حج کے مقامات ہیں حج البیت کا معنی کعبہ کا قصد کرنا۔ اعتمر زیارت کعبہ کرنا حج لغت میں قصد کرنے اور

اعتما زیارت کرنے کو کہتے ہیں پھر شرعی معنی غالب آگیا۔ اب دو عبادتوں کے نام ہیں۔ اس کی مثال اعیان میں النجم البیت ہے۔

إِنَّ الَّذِينَ يَكْتُمُونَ مَا أَنزَلْنَا مِنَ الْبَيِّنَاتِ وَالْهُدَىٰ مِنْ بَعْدِ

بے شک جو لوگ چھپاتے ہیں ان چیزوں کو جو ہم نے نازل کیں جو واضح چیزیں ہیں اور ہدایت کی باتیں ہیں بعد اس کے

مَا بَيَّنَّاهُ لِلنَّاسِ فِي الْكِتَابِ ۖ أُولَٰئِكَ يَلْعَنُهُمُ اللَّهُ وَيَلْعَنُهُمُ اللَّعْنُونَ ۝۱۵۹

کہ ہم نے اس کو لوگوں کے لئے کتاب میں بیان کیا یہ چھپانے والے وہ لوگ ہیں جن پر اللہ لعنت فرماتا ہے۔ اور ان پر لعنت بھیجتے ہیں لعنت کرنے والے۔

إِلَّا الَّذِينَ تَابُوا وَأَصْلَحُوا وَبَيَّنَّوْا فَأُولَٰئِكَ أَتُوبُ عَلَيْهِمْ ۖ وَأَنَا

سوائے ان لوگوں کے جنہوں نے توبہ کی اور اصلاح کی اور بیان کیا سو یہ وہ لوگ ہیں جن کی توبہ قبول کروں گا۔ اور میں

التَّوَّابُ الرَّحِيمُ ۝۱۶۰

بہت توبہ قبول کرنے والا ہوں رحیم ہوں۔

لا جناح سے نفی گناہ:

فلا جناح علیہ یعنی اس پر گناہ نہیں۔ نَحْوُ: ان يطوف بهما تاء کو طامیں ادغام کیا يتطوف سے يطوف بن گیا۔ الطوف۔ کسی چیز کے گرد چلنا۔ یہاں مراد دونوں کے درمیان سعی کرنا ہے جاہلیت میں صفا پر اساف اور مروہ پر ناکہ دو بت نصب کیے گئے تھے۔ روایت میں ہے کہ یہ دو مرد عورت تھے جنہوں نے کعبہ میں زنا کیا۔ تو اللہ تعالیٰ نے انہیں مسخ کر کے پتھر بنا دیا۔ عبرت کے لئے ان کو پہاڑوں پر رکھ دیا گیا۔ جب طویل عرصہ گزر گیا۔ تو ان کی پوجا شروع ہو گئی۔ اہل جاہلیت سعی میں ان کو ہاتھ لگاتے تھے۔ اسلام نے آکر بت تڑوا دیئے۔ مسلمانوں نے جاہلیت کا فعل سمجھ کر ان کے درمیان طواف کو ناپسند کیا۔ لا جناح کہہ کر گناہ کی نفی کی گئی ہے۔

۱ نکتہ فقہیہ:

معلوم ہوا کہ ان کے درمیان سعی رکن نہیں جیسا کہ امام مالک و شافعی رحمہما اللہ کا قول ہے۔ ومن تطوع خیرا۔ جو کوئی شوق سے کوئی نیکی ان کا طواف کر کے کرے۔

۲ نکتہ فقہیہ:

یہاں بھی تطوع کا لفظ رکن نہ ہونے کا اشارہ کر رہا ہے۔

قراءت: حمزہ اور علی نے يطوع یا سے پڑھا اصل میں يتطوع ہے تاء کو طامیں ادغام کیا۔ فان الله شاكر عليم۔ بے شک اللہ قدردان ہیں قلیل پر کثیر بدلہ دیتے ہیں۔ علیم۔ جاننے والے ہیں اشیاء کو خواہ چھوٹی ہوں یا بڑی۔

تفسیر آیت ۱۵۹:

إِنَّ الَّذِينَ يَكْتُمُونَ مَا أَنزَلْنَا مِنَ الْبَيِّنَاتِ وَالْهُدَىٰ مِنْ بَعْدِ مَا بَيَّنَّاهُ لِلنَّاسِ فِي الْكِتَابِ أُولَٰئِكَ يَلْعَنُهُمُ اللَّهُ

إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا وَمَاتُوا وَهُمْ كُفَّارًا أُولَٰئِكَ عَلَيْهِمْ لَعْنَةُ اللَّهِ

بے شک جن لوگوں نے کفر اختیار کیا اور وہ اس حال میں مر گئے کہ وہ کافر تھے سو یہ وہ لوگ ہیں جن پر اللہ کی لعنت ہے

وَالْمَلَائِكَةُ وَالنَّاسُ أَجْمَعِينَ ﴿١٦١﴾ خَالِدِينَ فِيهَا لَا يُخَفَّفُ عَنْهُمْ الْعَذَابُ

اور فرشتوں کی اور تمام لوگوں کی۔ وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے ان سے عذاب ہلکا نہ کیا جائے گا،

وَلَا هُمْ يُنْظَرُونَ ﴿١٦٢﴾ وَالْهُكْمُ لِلَّهِ وَاحِدٌ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ الرَّحْمَنُ الرَّحِيمُ ﴿١٦٣﴾

اور نہ ان کو مہلت دی جائے گی۔ اور تمہارا معبود ایک ہی معبود ہے۔ اس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ وہ رحمن ہے رحیم ہے۔

وَيَلْعَنُهُمُ اللَّعْنُونَ: (بے شک جو لوگ چھپاتے ہیں وہ کھلی نشانیاں جو ہم نے فیصلہ اور ہدایت کی اتاریں۔ اسکے بعد کہ ہم نے ان کو کتاب میں لوگوں کیلئے بیان کر دیا۔ یہی لوگ ہیں جن پر اللہ تعالیٰ لعنت کرتا ہے اور لعنت کرنے والے ان پر لعنت کرتے ہیں) الذین یکتُمون یہ چھپانے والے علمائے یہود ہیں۔ ما انزلنا جو اتاری یعنی تورات۔ البینات سے وہ نشانیاں مراد ہیں جو حضرت محمدؐ کے متعلق شاہد عدل تھیں۔ الہدیٰ۔ ہدایت سے مراد آپؐ کے وصف کے سبب اسلام کی طرف راہ پانا ہے بسناہ جس کو ہم نے واضح کر دیا۔

للناس فی الكتاب۔ لوگوں کے لئے تورات میں کہ اس میں کوئی اشکال کی جگہ نہیں چھوڑی مگر انہوں نے اس واضح کا قصد کر کے اس کو چھپا دیا۔ یہی لوگ ہیں جن پر اللہ تعالیٰ لعنت کرتے ہیں اور ان پر ملائکہ اور مؤمن لعنت کرتے ہیں۔

تَفْسِیْرُ آیَتِ ۱۶۰:

إِلَّا الَّذِينَ تَابُوا وَأَصْلَحُوا وَبَيَّنَّا فَاُولَٰئِكَ أَتُوبُ عَلَيْهِمْ وَأَنَا التَّوَّابُ الرَّحِيمُ: (مگر جن لوگوں نے توبہ کی اور اصلاح کی اور صاف صاف بیان کر دیا۔ پس یہ لوگ ہیں جن کی توبہ میں قبول کروں گا اور میں توبہ کا بڑا قبول کرنے والا مہربان ہوں) تابوا مگر جن لوگوں نے کتمان حق اور ترک ایمان سے توبہ کی۔ اور اصلحوا اور اصلاح کر لی اس خرابی کی جو کر بیٹھے تھے اور جو زپادتی ہوئی تھی اس کا تدارک کر لیا۔ اُولَٰئِكَ اتوب علیہم۔ ان کی توبہ میں قبول کروں گا اور میں توبہ قبول کرنے والا مہربان ہوں۔

مستحقین لعنت:

۱۶۱: إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا وَمَاتُوا وَهُمْ كُفَّارًا أُولَٰئِكَ عَلَيْهِمْ لَعْنَةُ اللَّهِ وَالْمَلَائِكَةِ وَالنَّاسِ أَجْمَعِينَ: (بے شک جنہوں نے کفر کیا اور کفر پر مر گئے انہی لوگوں پر اللہ تعالیٰ اور ملائکہ اور تمام آدمیوں کی پھٹکار ہے) ان الذین کفروا وماتوا وهم کفار۔ یعنی ان حق چھپانے والوں میں سے جو مر گئے اور توبہ نہ کی۔

کیا الناس سے مؤمن و کافر دونوں مراد ہیں:

أُولَٰئِكَ عَلَيْهِمْ لَعْنَةُ اللَّهِ وَالْمَلَائِكَةِ وَالنَّاسِ أَجْمَعِينَ۔ ان پر اللہ ملائکہ و تمام لوگوں کی زندگی اور موت کے بعد لعنت

ہوگی۔ الناس سے مؤمن مراد ہیں۔ یا مؤمن و کافروں مراد ہیں۔ اس لئے کہ قیامت کے دن وہ ایک دوسرے کو لعنت کریں گے۔ اللہ تعالیٰ نے سورۃ الاعراف آیت نمبر ۳۸ میں فرمایا: کُلَّمَا دَخَلَتْ أُمَّةٌ لَعْنَتْ أُخْتَهَا کہ جب ان میں سے ایک جماعت جہنم میں داخل ہو چکے گی۔ تو اپنے بعد میں آنے والی جماعت کو لعنت کرے گی۔

تَفْسِيرُ آیت ۱۶۲..... يَنْظُرُونَ کا معنی:

خَالِدِينَ فِيهَا لَا يَخَفُّ عَنْهُمْ الْعَذَابُ وَلَا هُمْ يَنْظُرُونَ: (ان سے عذاب کو ہلکانہ کیا جائے گا اور نہ ان کو مہلت ملے گی) خالدین یہ علیہم کی ہُم ضمیر سے حال ہے فیہا اس لعنت میں یا آگ میں ضمیر لائی گئی اس چیز کی بڑائی بیان کرنے اور ڈرانے کے لئے۔ ان سے عذاب کو ہلکانہ کیا جائے گا اور نہ ان کو مہلت دی جائے گی۔ نمبر ۱۔ ينظرون۔ انظار سے ہے جس کا معنی مہلت دینا ہے۔ یعنی معذرت کرنے کے لئے مہلت نہ دی جائے گی۔

یا دوسرا قول: یہ ہے کہ یہ نظر سے ہے کہ ان کو نظر رحمت سے نہ دیکھا جائے گا۔ جیسا فرمایا۔ وَلَا يَنْظُرُوا لَهُمْ يَوْمَ الْقِيَمَةِ (الایۃ)

تَفْسِيرُ آیت ۱۶۳:

وَاللَّهُمَّ إِلَهٌ وَاحِدٌ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ الرَّحْمَنُ الرَّحِيمُ: (تمہارا معبود وہ ایک ہی معبود ہے اس کے سوا کوئی معبود نہیں وہ بڑا رحم کرنے والا مہربان ہے)۔

اللہ واحد۔ الوہیت میں یکتا ہے۔ الوہیت میں اس کا کوئی شریک نہیں اور نہ دوسرے کو اللہ کا نام دینا درست ہے۔ لا الہ الا ہو۔ اس میں وحدانیت کی تقریر اور غیر کی نفی اور اس کے لئے اثبات ہے۔

نحوی تحقیق:

ہو مرفوع ہے۔ کیونکہ یہ موضع لا الہ کا بدل ہے یہاں نصب جائز نہیں۔ کیونکہ بدل دلالت کرتا ہے کہ اعتماد دوسرے پر ہے اور آیت میں مقصود یہی ہے۔ اگر نصب مانیں تو اس میں اول پر اعتماد ماننا پڑتا ہے (جو کہ درست نہیں) **نَحْوُ**: الرَّحْمَنُ الرَّحِيمُ۔ مرفوع ہے یہ مبتدا کی خبر ہے یعنی وہ تمام نعمتیں۔ وہ اصول ہوں یا فروغ ان کا والی ہے۔ کوئی چیز اس کے سواء یہ صفت نہیں رکھتی۔ جو اس کے سواء ہے وہ یا تو خود نعمت ہے بلکہ بدل ہیں کیونکہ ضمیر کی صفت نہیں آتی۔ اب مطلب یہ ہوا کوئی معبود نہیں۔ مگر وہی یعنی بڑا مہربان نہایت رحم والا۔

اِنَّ فِي خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاٰخِلَافِ الْيَلِّ وَالنَّهَارِ وَ

بلاشبہ آسمان اور زمین کے پیدا فرمانے میں اور رات و دن کے الٹ پھیر میں اور

الْفُلْكِ الَّتِي تَجْرِي فِي الْبَحْرِ بِمَا يَنْفَعُ النَّاسَ وَمَا اَنْزَلَ اللّٰهُ مِنْ

کشتیوں میں جو کہ چلتی ہیں سمندر میں وہ سامان لے کر جو لوگوں کو نفع دیتا ہے اور جو کچھ نازل فرمایا اللہ نے

السَّمَاءِ مِنْ مَّاءٍ فَاَحْيَا بِهِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا وَبَتْ فِيهَا مِنْ كُلِّ

آسمان سے یعنی پانی پھر زندہ فرمایا اس کے ذریعہ زمین کو اس کے مردہ ہو جانے کے بعد اور پھیلا دیئے زمین میں ہر قسم کے

دَابَّةٍ ۚ وَتَصْرِيفِ الرِّيْحِ وَالسَّحَابِ الْمُسَخَّرِ بَيْنَ السَّمَاءِ وَالْاَرْضِ

چلنے پھرنے والے جانور اور ہواؤں کے گردش کرنے میں اور بادلوں میں جو آسمان و زمین کے درمیان مسخر ہیں

لَاٰتٍ لِّقَوْمٍ يَعْقِلُوْنَ ۝۱۶۴

ضرورت نشانیاں ہیں ان لوگوں کے لئے جو سمجھ رکھتے ہیں۔

توحید کے دلائل عقلیہ:

۱۶۴۔ شَانَ نَزْوِل: مشرکین کو اکیلے معبود پر تعجب ہوا تو انہوں نے اس پر نشانی کا مطالبہ کیا تو یہ آیت اتری۔

اِنَّ فِي خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاٰخِلَافِ الْيَلِّ وَالنَّهَارِ وَالْفُلْكِ الَّتِي تَجْرِي فِي الْبَحْرِ بِمَا يَنْفَعُ النَّاسَ وَمَا اَنْزَلَ اللّٰهُ مِنْ السَّمَاءِ مِنْ مَّاءٍ فَاَحْيَا بِهِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا وَبَتْ فِيهَا مِنْ كُلِّ الدَّابَّةِ وَتَصْرِيفِ الرِّيْحِ وَالسَّحَابِ الْمُسَخَّرِ بَيْنَ السَّمَاءِ وَالْاَرْضِ لَاٰتٍ لِّقَوْمٍ يَعْقِلُوْنَ: (بے شک زمین و آسمان کے پیدا کرنے اور دن رات کی آمد و رفت میں اور جہازوں میں جو سمندر میں چلتے ہیں وہ چیزیں لے کر جس سے لوگوں کو نفع ہوتا ہے اور پانی میں جو اللہ تعالیٰ نے آسمان سے اتارا پھر اس سے زمین کو زندہ کر دیا۔ اس کی موت کے بعد اور اس میں ہر قسم کے جانور پھیلا دیئے اور ہواؤں کے پھیرنے میں اور بادل میں جو آسمان و زمین کے درمیان تابع کیے ہوئے ہیں۔ ان سب میں سمجھدار لوگوں کے لئے نشانیاں ہیں) اختلاف الیل والنہار۔ دن و رات۔ رنگ میں۔ طول و قصر میں اور آنے جانے میں ایک دوسرے کے پیچھے آنے میں مختلف ہیں۔ یمنفع الناس۔ کشتی میں جو چیزیں لا کر لائی جاتی ہیں۔ اس سے لوگ فائدہ اٹھاتے ہیں۔ یا کشتیاں لوگوں کے نفع کے ساتھ چلتی ہیں۔ یعنی چلنے میں فائدہ ہے۔ من السماء۔ یہ من ابتدائیہ ہے من ماء سے بارش مراد ہے یہ من بیانیہ ہے کیونکہ آسمان سے اترنے والی بارش اور دوسری چیزیں ہیں۔ فاحیابہ۔ اس کو انزال پر عطف کیا۔ بہ یعنی پانی کے ساتھ۔ الارض بعد موتہا۔ موت سے

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَتَّخِذُ مِنْ دُونِ اللَّهِ أَنْدَادًا يُحِبُّونَهُمْ كَحُبِّ اللَّهِ ۖ

اور بعض لوگ ایسے ہیں جنہوں نے خدا تعالیٰ کے علاوہ اس کے شریک تجویز کر رکھے ہیں وہ ان سے ایسی محبت کرتے ہیں جیسی اللہ سے محبت ہونی واجب ہے

وَالَّذِينَ آمَنُوا أَشَدُّ حُبًّا لِلَّهِ ۖ وَلَوْ يَرَى الَّذِينَ ظَلَمُوا إِذْ يَرُونَ الْعَذَابَ

اور جو لوگ ایمان لائے ان کا اللہ سے محبت کرنا بہت ہی زیادہ قوی ہے، اور اگر جان لیں وہ لوگ جنہوں نے ظلم کیا جس وقت دیکھیں عذاب کو

أَنَّ الْقُوَّةَ لِلَّهِ جَمِيعًا ۚ وَأَنَّ اللَّهَ شَدِيدُ الْعَذَابِ ۝۱۶۵

کہ بلاشبہ ساری قوت اللہ ہی کے لئے ہے۔ اور بیشک اللہ تعالیٰ سخت عذاب والا ہے۔

مراد خشک ہونا ہے و بٹ کو فاحیا پر عطف کیا۔ بٹ کا معنی بکھرنا ہے فیہا یعنی زمین میں من کل دآبہ۔ دآبہ وہ ہے جو ریگ کر چلے۔

ہواؤں کے پھرنے کا معنی:

و تصرف الرياح۔ نمبر ۱۔ ہواؤں کا پھیرنا ان کا مشرق و مغرب اور جنوب و شمال سے چلنا اور گرم و ٹھنڈا اور تند، ہلکا اور فائدہ مند اور مضر ہونا ہے۔

نمبر ۲۔ دوسرا قول کبھی رحمت کی اور کبھی عذاب کی۔ السحاب المسخر اللہ تعالیٰ کی مشیت کے مطیع ہیں۔ جہاں چاہتا ہے وہاں برستے ہیں۔ بین السماء والارض آسمان و زمین کے درمیان یعنی فضا میں لقوم یعقلون۔ عقل مندوں کے لئے جو عقل کی آنکھوں سے دیکھتے ہیں اور عبرت حاصل کرتے ہیں۔

پس ان اشیاء سے ان کے ایجاد کرنے والے کی عظیم قدرت اور نو ایجاد کرنے والے کی حکمت اور پیدا کرنے والے کی وحدانیت پر استدلال کرنے والے ہیں۔

عظیم فائدہ:

حدیث شریف میں فرمایا جس نے یہ آیت پڑھی اور اس میں سوچ و بچار کر کے اس سے عبرت حاصل نہ کی اس کے لئے ہلاکت ہے (دیلمی)

موحد و مشرک کا انداز محبت:

۱۶۵۔ وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَتَّخِذُ مِنْ دُونِ اللَّهِ أَنْدَادًا يُحِبُّونَهُمْ كَحُبِّ اللَّهِ وَالَّذِينَ آمَنُوا أَشَدُّ حُبًّا لِلَّهِ وَلَوْ يَرَى الَّذِينَ ظَلَمُوا إِذْ يَرُونَ الْعَذَابَ أَنَّ الْقُوَّةَ لِلَّهِ جَمِيعًا وَأَنَّ اللَّهَ شَدِيدُ الْعَذَابِ (بعض لوگ اللہ کے سوا اوروں کو شریک بناتے ہیں اور جو ایمان والے ہیں ان کو ان سے زیادہ اللہ کی محبت ہے اگر کوئی ان ظالموں کو دیکھے جبکہ یہ عذاب دیکھیں گے) تو یہ بڑے

خوف کا وقت ہوگا) اس لئے کہ ہر طرح کی قوت اللہ ہی کے لئے ہے بے شک اللہ کا عذاب سخت ہے (و من الناس۔ یعنی اس واضح دلیل کے بعد بھی لوگ من دون اللہ انداداً۔ اللہ تعالیٰ کے ساتھ بتوں کو شریک بناتے ہیں۔ یعجونہم۔ یعنی بتوں کی ایسی تعظیم کرتے ہیں جیسے اللہ تعالیٰ کی تعظیم کی جاتی ہے اور ان کے سامنے عاجزی کرتے ہیں یعنی بتوں سے اس طرح محبت کرتے ہیں جیسے اللہ تعالیٰ سے محبت کی جاتی ہے۔ مطلب یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ کی محبت اور ان کی محبت میں برابری کرتے ہیں کیونکہ وہ ذات باری تعالیٰ کا اقرار کرتے اور اس کا قرب ان کے ذریعے حاصل کرتے ہیں۔

دوسرا قول: ان سے وہ محبت کرتے ہیں جس طرح مؤمن اللہ تعالیٰ سے محبت کرتے ہیں والذین امنوا اشد حبا للہ۔ اور ایمان والوں کو اللہ تعالیٰ سے زیادہ محبت ہے۔ مشرکین کی اس محبت کے مقابلے میں جو ان کو اپنے معبودوں سے ہے۔ کیونکہ مؤمن کسی حال میں بھی اپنے رب سے منہ موڑنے والا نہیں۔ بخلاف مشرکین کے کہ وہ سخت مصائب میں اپنے معبودوں کو چھوڑ کر اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرتے ہیں اور اس کے سامنے گڑگڑاتے اور عاجزی کرتے ہیں۔

اختلاف قراءت:

ولو یروی۔ کونافع اور شامی نے قرآنی پڑھا ہے اس صورت میں خطاب رسول اللہ ﷺ کو ہوگا۔ یا ہر مخاطب کو۔ مطلب یہ ہوگا کہ اے مخاطب اگر تو وہ منظر دیکھے تو بہت سخت معاملہ دیکھے گا۔ الذین ظلموا۔ سے مراد شریک بنانے والے لوگ ہیں۔ اذ یروُن کو یا کے ضمہ کے ساتھ یروُن شامی نے پڑھا ہے اول صورت میں جب وہ دیکھیں گے اور دوسری صورت میں جب وہ دکھائے جائیں گے۔

نا قابل بیان حسرت:

العذاب ان القوة للہ جمیعاً۔ جمیعاً یہ حال ہے۔ وان اللہ شدید العذاب۔ یعنی سخت ہے اس کا عذاب۔ اب مطلب آیت کا یہ ہوا۔ اگر یہ لوگ جو اپنے شرک کے سبب ظلم عظیم کا ارتکاب کرنے والے ہیں جان لیں کہ ہر چیز پر ثواب۔ عقاب کی قدرت اللہ تعالیٰ ہی کو ہے ان کے معبودوں کو نہیں اور وہ ظالموں کو دیئے جانے والے سخت عذاب کو بھی جان لیں۔ جبکہ قیامت کے دن اس عذاب کو آنکھوں سے دیکھ لیں گے۔ تو ان کو نا قابل بیان حسرت و افسوس کا سامنا کرنا پڑے گا۔ یہاں لو کا جواب حذف کیا گیا ہے کیونکہ لو جب کسی شوق مند چیز یا خطرناک چیز پر داخل کریں۔ تو اس کا جواب بہت کم ساتھ لایا جاتا ہے۔ تاکہ دل اس میں ہر راستہ پر جائے۔ جبکہ یہ ماضی پر داخل ہو۔ اسی طرح اذ کی وضع بھی ماضی پر دلالت کرنے کے لئے ہے۔

سوال: مگر یہاں دونوں۔ لو اور اذ مضارع پر داخل ہوئے ہیں۔

جواب: اللہ تعالیٰ کے کلام میں مستقبل بھی ماضی کی طرح قطعی اور سچا ہے۔

إِذْ تَبَرَّأَ الَّذِينَ اتَّبَعُوا مِنَ الَّذِينَ اتَّبَعُوا وَرَأَوْا الْعَذَابَ وَتَقَطَّعَتْ

جب کہ بیزار ہو جائیں گے وہ لوگ جن کی پیروی کی گئی ان لوگوں سے جنہوں نے پیروی کی تھی۔ اور دیکھ لیں گے عذاب کو اور کٹ جائیں گے

بِهِمُ الْأَسْبَابُ ۝۱۶۶ وَقَالَ الَّذِينَ اتَّبَعُوا لَوْ أَنَّ لَنَا كَرَّةً فَنَتَبَرَّأَ مِنْهُمْ كَمَا

ان کے آپس کے تعلقات اور کہیں گے وہ لوگ جنہوں نے پیروی کی کاش ہم کو واپس جانا نصیب ہو جاتا تو ہم ان سے بیزار ہو جاتے، جیسا کہ

تَبَرَّءُوا مِنَّا ۚ كَذَلِكَ يُرِيهِمُ اللَّهُ أَعْمَالَهُمْ حَسَرَاتٍ عَلَيْهِمْ ۖ وَمَا هُمْ

وہ ہم سے بیزار ہو گئے۔ اللہ اسی طرح دکھائے گا ان کو ان کے اعمال حسرتیں بنا کر اور وہ

يُخْرِجِينَ مِنَ النَّارِ ۝۱۶۷

آگ سے نکلنے والے نہ ہوں گے۔

تفسیر آیت ۱۶۶:

إِذْ تَبَرَّأَ الَّذِينَ اتَّبَعُوا مِنَ الَّذِينَ اتَّبَعُوا وَرَأَوْا الْعَذَابَ وَتَقَطَّعَتْ بِهِمُ الْأَسْبَابُ۔ (یاد کرو اس وقت کو جب الگ ہو جائیں گے وہ سردار جنگی پیروی کی گئی ان لوگوں سے جنہوں نے پیروی کی تھی اور وہ عذاب دیکھیں گے اور ان کے سب تعلقات ٹوٹ جائیں گے)

اختلاف قراءت:

إِذْ تَبَرَّأَ۔ عاصم کے علاوہ قرائے عراق نے سارے قرآن میں جہاں ذال اور تاء جمع ہوں تو وہاں ادغام کر کے پڑھا ہے۔
نحوی تحقیق:

یہ اذ یرون سے بدل ہے الذین اتبعوا سے مراد رؤسا ہیں جن کی پیروی کی گئی۔

من الذین اتبعوا سے مراد تبع و پیروکار۔ وَرَأَوْا الْعَذَابَ۔ وادھالیہ ہے ای تبرء وافی حال رؤیتهم العذاب۔ یعنی وہ عذاب دیکھنے کی حالت میں بیزاری کا اظہار کریں گے۔ وَتَقَطَّعَتْ۔ اس کا عطف تبرأ پر ہے ای تبرأ و تقطعت۔

تعریف سبب:

بہم الاسباب۔ اسباب سبب کی جمع ہے وہ تعلق مراد ہے جو ایک دین پر ہونے کی وجہ سے ان کے مابین تھا۔ اسی طرح نسب و محبت کا تعلق بھی اس میں شامل ہے اصل سبب ملانے والے ذریعہ کو کہتے ہیں۔

تفسیر آیت ۱۶۷:..... اعمال پر حسرتیں:

وَقَالَ الَّذِينَ اتَّبَعُوا لَوْ أَنَّ لَنَا كَرَّةً فَنَتَبَرَّأَ مِنْهُمْ كَمَا تَبَرَّءُوا مِنَّا ۚ كَذَلِكَ يُرِيهِمُ اللَّهُ أَعْمَالَهُمْ حَسَرَاتٍ عَلَيْهِمْ

يَا أَيُّهَا النَّاسُ كُلُوا مِمَّا فِي الْأَرْضِ حَلَالًا طَيِّبًا وَلَا تَتَّبِعُوا خُطُوَاتِ الشَّيْطَانِ

اے لوگو! کھاؤ ان چیزوں میں سے جو زمین میں حلال پاکیزہ ہیں اور مت پیچھے چلو شیطان کے قدموں کے

إِنَّهُ لَكُمْ عَدُوٌّ مُبِينٌ ۝۱۶۸ إِنَّمَا يَأْمُرُكُمْ بِالسُّوءِ وَالْفَحْشَاءِ وَأَنْ تَقُولُوا عَلَى

بے شک وہ تمہارے لئے کھلا ہوا دشمن ہے۔ وہ تم کو صرف برائی کا اور بے حیائی کا حکم کرتا ہے اور یہ کہ تم اللہ کے ذمہ وہ باتیں لگاؤ

اللَّهِ مَا لَا تَعْلَمُونَ ۝۱۶۹

جن کو تم نہیں جانتے۔

وَمَا هُمْ بِخَارِجِينَ مِنَ النَّارِ: (جنہوں نے اتباع کیا تھا وہ کہیں گے ہائے کاش ہمیں ایک بار لوٹ جانا میسر ہو تو ہم بھی ان سے الگ ہو جائیں جیسے یہ ہم سے آج الگ ہو گئے اسی طرح اللہ تعالیٰ افسوس کرنے والوں کے لئے ان کے عمل ان کو دکھائے گا۔ اور انہوں نے آگ سے نکلنا نہیں)۔

وقال الذين اتبعوا سے مراد تبعین ہیں۔ کثرۃ واپس لوٹنا دنیا کی طرف فتنہ آ۔ لَوْ جِئْتَنِي كِلْتَا يَدَيْكَ لَوَجَدْتَنِي مِنَ الْكَاذِبِينَ۔ یہ اس کا جواب ہے۔ مطلب یہ ہوگا کاش ہمارے لئے واپسی ہو تو ہم ان سے بیزار ہو جائیں۔ کما تبرء وامننا جیسا یہ اب ہم سے بیزار ہو گئے۔ كذلك سے مراد اس رسوا کن دکھاوے کی طرح۔ اعمالہم یعنی بت پرستی۔ حسرات علیہم۔ حسرات یہ حسرت کی جمع ہے اس کا معنی شرمندگیاں۔ یرہم۔ یہ افعال قلوب سے ہے اور حسرات اس کا تیسرا مفعول ہے مطلب یہ ہے کہ ان کے اعمال ان پر حسرتوں میں بدل جائیں گے۔ اور وہ اپنے اعمال کی جگہ حسرتوں کے سوا کچھ نہ دیکھیں گے۔ وما ہم بخارجین من النار۔ انہوں نے آگ سے نکلنا نہیں۔ بلکہ وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے۔

تَفْسِيرُ آيَةِ ۱۶۸:

يَا أَيُّهَا النَّاسُ كُلُوا مِمَّا فِي الْأَرْضِ حَلَالًا طَيِّبًا وَلَا تَتَّبِعُوا خُطُوَاتِ الشَّيْطَانِ إِنَّهُ لَكُمْ عَدُوٌّ مُبِينٌ: (اے لوگو۔ کھاؤ ان چیزوں میں سے جو زمین میں ہیں حلال اور ستھری اور شیطان کے قدموں پر نہ چلو بے شک وہ تمہارا کھلا دشمن ہے) شَانِ نَزُولُ: یہ ان لوگوں کے متعلق اتری جنہوں نے بحیرہ و سائبہ وغیرہ تحریکات بنا رکھی تھیں یا ایہا الناس کلوا۔ کلوا کا امر اباحت کے لئے ہے۔ ان لوگوں کو مخاطب کیا جنہوں نے بحیرہ وغیرہ بنا رکھے تھے۔

نحوی تحقیق:

مما فی الارض میں من تبعیضیہ ہے یعنی زمین کی بعض اشیاء کیونکہ تمام اشیاء زمین سے کھانے والی نہیں۔ حلالاً۔ نمبر ۱۔ یہ کلوا کا مفعول ہے یعنی تم حلال چیزیں کھاؤ۔

دوسرا قول: یہ مما فی الارض سے حال ہے یعنی تم کھاؤ زمین کی چیزیں اس حال میں کہ وہ حلال ہوں۔ طیباً۔ ستھری یعنی ہر شے سے پاک۔ وَلَا تَتَّبِعُوا خُطُوَاتِ الشَّيْطَانِ۔ خطوات سے وہ راستے مراد ہیں جن کی طرف وہ دعوت دیتا ہے۔ یہ خطوۃ کی جمع ہے قدموں کی درمیانی مسافت کو کہتے ہیں۔ عرب کہتے ہیں اتبع خطوتہ یعنی اس نے اقتداء کی یا اس کے طریقے پر چلا۔

اختلاف قراءت:

خطوات کو ابو عمرو نے طاء کے سکون سے خُطُوَات پڑھا ہے۔ عیاش نافع و حمزہ ابو بکر نے طاء کے ضمہ کے ساتھ پڑھا خُطُوَات۔

انہ لکم عدو مبین۔ بے شک وہ تمہارا ایسا دشمن ہے جس کی عداوت ظاہر ہے اس میں ذرہ بھرا خفاء نہیں۔ مبین کا لفظ ابان سے ہے یہ متعدی و لازم دونوں طرح استعمال ہوتا ہے۔

ظاہری تضاد کا ازالہ:

سوال: وَالَّذِينَ كَفَرُوا اولیاءُہم الطاغوت سورۃ البقرہ آیت نمبر ۲۵۷ اس آیت کے خلاف معلوم ہوتی ہے۔

جواب: وہ آیت اس کے خلاف نہیں کیونکہ طاغوت سے مراد شیطان ہے اور اس کی دوستی فقط ظاہر میں ہوتی ہے اس ظاہری دوستی جتانے کی وجہ سے اولیاءُہم الطاغوت فرمایا گیا۔ ورنہ باطن میں تو وہ دشمن ہے۔ وہ دوستی اعمال کو مزین کرنے کے لئے کرتا ہے ورنہ دشمن کی بات کون مانتا ہے اور اس کا اصل مقصد ہلاکت میں ڈالنا ہے۔

تفسیر آیت ۱۶۹:

اِنَّمَا یأْمُرُکُمْ بِالسُّوْءِ وَالْفَحْشَآءِ وَاَنْ تَقُوْلُوْا عَلٰی اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ (بے شک وہ تمہیں بے حیائی اور برائی کا حکم دیتا ہے اور اس بات کا کہ اللہ تعالیٰ پر تم وہ بات کہو جو تم نہیں جانتے) انمایا مرکم۔ اس میں بیان کیا کہ اس کی اتباع سے باز آنا ضروری ہے اور اس سے ظاہر میں عداوت رکھنی چاہیے۔ یعنی شیطان کبھی بھی بھلائی کا حکم نہیں دے سکتا۔ بلاشبہ وہ تو تمہیں حکم دے گا۔

سوء و فحشاء کا فرق:

نمبر ۱۔ بالسوء۔ برائی کا۔ والفحشاء اور بے حیائی کا۔ فحشاء وہ برا کام جو قباحت میں حد سے بڑھ جائے۔

دوسرا قول: سوء جس گناہ میں حد نہیں آتی۔ فحشاء۔ جس میں حد لازم ہو جاتی ہے۔

مَحْجُوْر: بالسوء پر عطف کی وجہ سے ان تقولوا محل جر میں ہے ای بان تقولوا۔ مالا تعلمون جو تم نہیں جانتے بغیر علم کے۔ جیسے تمہارا کہنا کہ یہ حلال ہے اور یہ حرام۔

مَسْئَلَة: اس میں ہر بات شامل ہے جو اللہ تعالیٰ کے متعلق کہنی درست نہیں مگر وہ اس کی طرف منسوب کر دی گئی ہو۔

وَإِذَا قِيلَ لَهُمُ اتَّبِعُوا مَا أَنْزَلَ اللَّهُ قَالُوا بَلْ نَتَّبِعُ مَا أَلْفَيْنَا عَلَيْهِ آبَاءَنَا

اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ تم اس کا اتباع کرو، جو اللہ نے نازل فرمایا تو کہتے ہیں کہ بلکہ ہم اس کا اتباع کریں گے جس پر ہم نے اپنے باپ دادوں کو پایا۔

أَوَلَوْ كَانَ آبَاؤُهُمْ لَا يَعْقِلُونَ شَيْئًا وَلَا يَهْتَدُونَ ﴿١٧٠﴾ وَمِثْلُ الَّذِينَ

کیا وہ اپنے باپ دادوں کا اتباع کریں گے۔ اگرچہ وہ کچھ بھی نہ سمجھتے ہوں، اور ہدایت پر نہ ہوں۔ اور مثال ان لوگوں کی

كَفَرُوا كَمَثَلِ الَّذِي يَنْعِقُ بِمَا لَا يَسْمَعُ إِلَّا دُعَاءً وَنِدَاءً صُمُّ بَكْمٌ عُمَىٰ

جنہوں نے کفر کیا اس شخص کی مثال ہے جو آواز دے ایسی چیز کو جو نہ سنے سوائے پکار کے اور بلاوے کے، بہرے ہیں، گونگے ہیں،

فَهُمْ لَا يَعْقِلُونَ ﴿١٧١﴾

اندھے ہیں سو وہ سمجھ نہیں رکھتے۔

تَفْسِيرُ آیت ۱۷۰:

وَإِذَا قِيلَ لَهُمُ اتَّبِعُوا مَا أَنْزَلَ اللَّهُ قَالُوا بَلْ نَتَّبِعُ مَا أَلْفَيْنَا عَلَيْهِ آبَاءَنَا أَوَلَوْ كَانَ آبَاؤُهُمْ لَا يَعْقِلُونَ شَيْئًا وَلَا يَهْتَدُونَ۔ (جب ان سے کہا جاتا ہے کہ اس پر چلو جو اللہ تعالیٰ نے اتارا ہے تو کہتے ہیں۔ نہیں۔ بلکہ ہم تو اس پر چلیں گے جس پر ہم نے اپنے باپ دادا کو پایا ہے۔ بھلا۔ اگر ان کے باپ دادا کچھ بھی نہ سمجھتے ہوں اور نہ سیدھے راستے پر ہوں۔ تو پھر بھی ان کے راستے پر چلیں گے)

هُم كَامْرَجٍ:

نمبر ۱۔ وَاِذَا قِيلَ لَهُمُ اتَّبِعُوا۔ ضمیر جمع کی الناس کی طرف لوٹتی ہے اور التفات کے طور پر ان سے رخ پھیرا گیا گویا اس طرح کہا۔ عقل مندوں کی طرف توجہ کر کے کہ ان احمقوں کو دیکھو۔ کہ ٹھیک بات بتلائی تو کیا جواب دیا؟
نمبر ۲۔ دوسرا قول: هُمْ كَامْرَجٍ کی ضمیر مشرکین کی طرف لوٹتی ہے۔

نمبر ۳۔ تیسرا قول: یہ یہود کا ایک گروہ تھا جن کو رسول اللہ ﷺ نے ایمان و قرآن کی طرف بلایا تو انہوں نے یہ جواب دیا۔ قالوا بل نتبع ما الفينا۔ الفینا کا معنی وجدنا ہے علیہ اباءنا جس پر ہم نے آباء کو پایا وہ ہم سے بہتر تھے اور زیادہ علم والے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے اولو کان اباؤہم۔ سے ان کی تردید کی۔ وَاِذَا اس میں حالیہ ہے ہمزہ تعجب اور تردید کے لئے ہے۔ مطلب یہ ہوا کہ کیا یہ ان کی اتباع کریں گے اگر ان کے آباء دین کی کوئی بات نہ سمجھتے ہوں اور نہ ہی درست راستے کی طرف راہ پانے والے ہوں۔

سابقہ آیات سے ربط:

پہلے ان کی تردید کی پھر ان کے متعلق مثال بیان فرمائی۔

تفسیر آیت ۱۷۱:

وَمَثَلُ الَّذِينَ كَفَرُوا كَمَثَلِ الَّذِي يَنْعِقُ بِمَا لَا يَسْمَعُ إِلَّا دُعَاءٌ وَنِدَاءٌ صُمُّ بُكُمْ عُمْى فَهُمْ لَا يَعْقِلُونَ۔ (کافروں کی مثال اس شخص جیسی ہے جو چلا چلا کر ایسی چیز کو پکار رہا ہو جو سوائے چلانے اور پکارنے کے کچھ نہیں سنتا۔ بہرے گونگے، اندھے ہیں پس وہ کچھ نہیں سمجھتے) مثل الذين كفروا۔ اس سے پہلے مضاف محذوف ہے ای داعی الذين كفروا كمثل الذي ينعق۔ ينعق کا معنی چیختا ہے۔ بما لا يسمع الا دعاء و نداء سے مراد بہائم ہیں۔

مفہوم آیت:

اب مطلب آیت کا یہ ہے کہ ان کافروں کو دعوت دینے والے کی مثال جیسے کوئی حیوانات کو آواز دے جو کہ آواز میں سے گھنٹی کی سر اور آواز کی گونج سنتے ہیں۔ بغیر ذہنوں میں ڈالنے اور سمجھنے کے۔ جیسا کہ بہائم کو آواز دینے والا جو پکارنے والے کی پکار و نداء ہی سنتا ہے جس سے ان کو آواز دیتا۔ اور ڈانٹ ڈپٹ کرتا ہے وہ جانور اور کچھ نہیں سمجھتے جیسے عقل مند سمجھتے ہیں۔

نعق و نداء میں فرق:

النعيق آواز دینے کو کہتے ہیں جیسے نعق المؤذن نعق الراعى بالضأن۔ چرواہے نے بھیڑوں کو آواز دی۔ النداء۔ جو سنی جائے۔

الدعاء جو آواز کبھی سنی جائے اور کبھی نہ سنی جائے۔ صُمُّ۔ یہ ہم ضمیر کی خبر ہے ای ہم صم بکم یہ اسی مبتداء کی دوسری خبر ہے عُمى یہ خبر ثالث ہے یعنی وہ حق سے اندھے ہیں۔ فہم لا يعقلون۔ پس وہ نصیحت کو نہیں سمجھتے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُلُوا مِن طَيِّبَاتِ مَا رَزَقْنَاكُمْ وَاشْكُرُوا لِلَّهِ إِن كُنتُمْ

اے ایمان والو! کھاؤ ان پاکیزہ چیزوں میں سے جو ہم نے تم کو دی ہیں۔ اور شکر کرو اللہ کا اگر تم

إِيَّاهُ تَعْبُدُونَ ﴿۷۲﴾ إِنَّمَا حَرَّمَ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةَ وَالدَّمَ وَلَحْمَ الْخِنْزِيرِ وَمَا

اس کی عبادت کرتے ہو۔ اللہ تعالیٰ نے تم پر صرف مردار اور خون اور خنزیر کا گوشت اور وہ جانور حرام کئے ہیں جن کے ذبح کرتے وقت

أَهْلٌ بِهِ لِلْغَيْرِ اللَّهِ ۖ فَمَنِ اضْطُرَّ غَيْرَ بَاغٍ وَلَا عَادٍ فَلَا إِثْمَ عَلَيْهِ ط

غیر اللہ کا نام پکارا گیا ہو۔ سو جو شخص مجبوری میں ڈال دیا جائے اس حال میں کہ باغی نہ ہو، اور حد سے بڑھ جانے والا نہ ہو تو اس پر کوئی گناہ نہیں

إِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ﴿۷۳﴾

بیشک اللہ تعالیٰ غفور ہے رحیم ہے۔

سابقہ آیات سے ربط: تفسیر آیت ۱۷۲:

اس میں بتلایا کہ جن چیزوں کو مشرکین حرام قرار دینے والے ہیں وہ حلال ہیں چنانچہ فرمایا۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُلُوا مِن طَيِّبَاتِ مَا رَزَقْنَاكُمْ وَاشْكُرُوا لِلَّهِ إِن كُنتُمْ إِيَّاهُ تَعْبُدُونَ: (اے ایمان والو! ہم نے جو تم کو

رزق دیا ہے اس سے حلال اور ستھری چیزیں کھاؤ اور شکر کرو اللہ کا اگر تم اسی کی عبادت کرتے ہو) يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُلُوا مِن

طيبات ما رزقناکم۔ (۱) طيبات سے مراد لذیذ چیزیں (۲) حلال چیزیں و اشکروا لله: اور تم اس اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرو۔

جس نے تمہیں رزق دیا۔ ان کنتم اياه تعبدون۔ اگر یہ واقعی صحیح ہے کہ تم عبادت کے ساتھ اس کو خاص کرنے والے ہو اور اس

بات کے اقراری ہو کہ تمام نعمتیں فرمانے والے وہی ہیں۔

ما قبل سے ربط: تفسیر آیت ۱۷۳:

اب حرام چیزوں کو بیان کیا۔

إِنَّمَا حَرَّمَ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةَ وَالدَّمَ وَلَحْمَ الْخِنْزِيرِ وَمَا أُهْلَ بِهِ لِغَيْرِ اللَّهِ فَمَنِ اضْطُرَّ غَيْرَ بَاغٍ وَلَا عَادٍ فَلَا إِثْمَ

عَلَيْهِ۔ إِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَّحِيمٌ۔ (بے شک اس نے حرام کیا تم پر مردار اور خون اور سور کا گوشت اور جس پر پکارا گیا اللہ تعالیٰ کے

غیر کا نام پھر جو کوئی مجبور ہو جائے نہ ہو خلاف کرنے والا اور نہ حد سے بڑھنے والا تو اس پر کچھ گناہ نہیں بے شک اللہ بخشنے والا مہربان

ہے)۔

میتہ کی تعریف:

انما حرم علیکم المیتۃ میتہ ہر اس جانور کو کہتے ہیں جس کی روح ذبح ہے پاک کرنے کے بغیر نکل جائے۔ انما حرمت میتہ کو ثابت کرنے اور ماسواء کی نفی کے لئے ہے ای ما حرم علیکم الا المیتۃ۔ نہیں حرام کیا تم پر مگر مردار۔ والدم۔ بنے والا خون۔ کیونکہ دوسری آیت سورۃ انعام نمبر ۱۴۵ میں او دمًا مسفوحًا ہے۔

دودم حلال:

اور دو میتہ اور دودم حدیث سے ان کی حلت ثابت ہے احلت لنا میتتان و دمان السمک و الجراد و الکبد و الطحال (احمد ابن ماجہ) ہمارے لئے دو مردار اور دو خون حلال ہیں۔ مچھلی۔ مکڑی۔ جگر اور تلی۔

ولحم الخنزیر۔ یعنی خنزیر اپنے تمام اجزاء کے ساتھ۔ گوشت کا تذکرہ اس لئے کیا گیا کیونکہ کھانے میں وہ اصل ہے۔ وما اهل به لغير الله۔ یعنی جو بتوں کے لئے ذبح کیا جائے اس پر اللہ تعالیٰ کے علاوہ کسی کا نام لیا جائے۔ الہلال۔ آواز بلند کرنا یعنی بت کے لئے اس پر آواز بلند کی گئی ہو اور اہل جاہلیت کہتے تھے: باسم اللات والعزی۔ فمن اضطر جو مجبور ہو جائے۔

نحو و قراءات:

نون کو کسرہ دیا دوساکن آنے کی وجہ سے یعنی نون اور ضا دیہ بصری حمزہ اور عاصم کے نزدیک ہے دیگر قراء طاء کے ضمہ کی وجہ سے نون کو ضمہ دیتے ہیں فَمَنْ اضْطُرَّ۔ غیر یہ حال ہے ای فاکل غیر اس نے کھایا اس حال میں کہ وہ بغاوت کرنے والا نہ تھا۔

باغی کا معنی:

نمبر ۱۔ باغ کا مطلب یہ ہے کہ لذت و شہوت کی خاطر کھانے والا نہ ہو۔ ولا عادی ضرورت کی حد سے تجاوز نہ کرنے والا ہو۔ دوسرا قول: کہ امام کا باغی نہ ہو اور سفر حرام کی وجہ سے تجاوز نہ کرنے والا ہو یہ قول ضعیف ہے۔ کیونکہ سفر طاعت بغیر ضرورت مباح نہیں اور بلا سفر گھر میں رکار ہنا مباح ہے اور دوسری بات یہ بھی کہ بغاوت اس کو ایمان سے خارج نہیں کرتی۔ پس وہ محرومی کا حقدار نہیں۔

اور مجبور آدمی کو اتنا کھا لینا درست ہے جس سے زندگی بچ جائے اور اس سے گزارہ ہو سکے سیری نہ ہو۔ کیونکہ اضطراری اباحت اتنی مقدار میں ہے جس سے ضرورت ٹل سکے۔ فلا اثم علیہ۔ تو اس کو کھا لینے میں گناہ نہیں۔ ان اللہ غفور۔ بلاشبہ اللہ تعالیٰ کبیرہ گناہوں کو معاف فرما دینے والے ہیں تو پھر اضطراری حالت میں مردار کے کھا لینے سے کیونکر مواخذہ فرمائیں گے رحیم مہربان ہے اس لئے رخصت دے دی۔

إِنَّ الَّذِينَ يَكْتُمُونَ مَا أَنْزَلَ اللَّهُ مِنَ الْكِتَابِ وَيَشْتَرُونَ بِهِ ثَمَنًا قَلِيلًا

بے شک وہ لوگ جو چھپاتے ہیں اس چیز کو جو اللہ نے نازل فرمائی یعنی کتاب اور خریدتے ہیں اس کے بدلہ تھوڑی قیمت

أُولَٰئِكَ مَا يَأْكُلُونَ فِي بُطُونِهِمْ إِلَّا النَّارَ وَلَا يُكَلِّمُهُمُ اللَّهُ يَوْمَ الْقِيَمَةِ

تو یہ وہ لوگ ہیں جو نہیں بھرتے اپنے پیٹوں میں مگر آگ، اور اللہ قیامت کے دن ان سے بات نہ کرے گا

وَلَا يُزَكِّيهِمْ ۖ وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ﴿۱۷۴﴾ أُولَٰئِكَ الَّذِينَ اشْتَرُوا الضَّلٰلَةَ

اور نہ انہیں پاک کرے گا، اور ان کے لئے دردناک عذاب ہے۔ یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے خرید لیا گمراہی کو

بِالْهُدٰى وَالْعَذَابِ بِالْمَغْفِرَةِ ۖ فَمَا أَصْبَرَهُمْ عَلَى النَّارِ ﴿۱۷۵﴾ ذٰلِكَ بِأَنَّ اللَّهَ

ہدایت کے بدلے، اور عذاب کو مغفرت کے بدلے، سو وہ کس قدر صبر کرنے والے ہیں آگ پر، یہ اس وجہ سے کہ بے شک اللہ

نَزَّلَ الْكِتَابَ بِالْحَقِّ ۖ وَإِنَّ الَّذِينَ اخْتَلَفُوا فِي الْكِتَابِ لَفِي شِقَاقٍ بَعِيدٍ ﴿۱۷۶﴾

نے نازل فرمایا کتاب کو حق کے ساتھ، اور بے شک جن لوگوں نے کتاب میں اختلاف کیا بے شک وہ بڑی دور کی شقاق و رزئی میں ہیں۔

۱۷۴

۱۷۴۔ شَانِ نَزُولِ: یہ آیت یہود کے ان سرداروں کے متعلق اتری جنہوں نے رسول اللہ ﷺ کی صفت تبدیل کر دی اور اس پر رشوت بھی لی۔

إِنَّ الَّذِينَ يَكْتُمُونَ مَا أَنْزَلَ اللَّهُ مِنَ الْكِتَابِ وَيَشْتَرُونَ بِهِ ثَمَنًا قَلِيلًا أُولَٰئِكَ مَا يَأْكُلُونَ فِي بُطُونِهِمْ إِلَّا النَّارَ وَلَا يُكَلِّمُهُمُ اللَّهُ يَوْمَ الْقِيَمَةِ وَلَا يُزَكِّيهِمْ وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ: (بے شک وہ لوگ جو چھپاتے ہیں ان آیات کو جو اللہ تعالیٰ نے اتاریں کتاب میں اور اس کے بدلے لیتے ہیں قیمت یہ لوگ اپنے پیٹوں میں آگ بھر کر کھاتے ہیں۔ ان سے اللہ تعالیٰ قیامت کے دن بات نہیں کرے گا اور نہ ان کو پاک کرے گا اور ان کے لئے دردناک عذاب ہے) یکتُمون ما انزل اللہ وہ چھپاتے ہیں اس چیز کو جو اللہ تعالیٰ نے اتارا یعنی صفات محمد ﷺ ثَمَنًا قَلِيلًا تھوڑی قیمت یعنی بدلہ یا قیمت والی (مراد دنیا اور اغراض دنیا ہیں)۔

اکل بطن کی تشریح:

أُولَٰئِكَ مَا يَأْكُلُونَ فِي بُطُونِهِمْ: وہ اپنے پیٹوں میں نہیں کھاتے یعنی پیٹ بھر۔ عرب کہتے ہیں فلان اکل فی بطنہ و اکل فی بعض بطنہ یعنی پیٹ بھر کھایا، الا النار۔ مگر آگ۔ اس لئے کہ جب ایسی چیز کھائی جس کی سزا آگ ہے تو گویا آگ کھائی۔ اور عرب کہتے ہیں۔ اکل فلان الدم کہ فلاں تو خون کھاتا ہے۔ یہ اس وقت بولتے ہیں جب کوئی مال دیت کھا جائے۔ کیونکہ دیت خون کے بدلہ میں حاصل ہوتی ہے۔ شاعر نے کہا۔

یا کلن کل لیلۃ اکافاً۔ اکاف سے ثمن اکاف مراد ہے
وہ ہر رات پالان یعنی پالان کی قیمت کھاتی ہیں ثمن اکاف کو اکاف بہت مناسبت کی وجہ سے کہہ دیا۔

کلام سے مراد:

ولا یکلمهم اللہ۔ ان سے اللہ تعالیٰ کلام نہ فرمائیں گے۔ کلام سے سرور کن کلام مراد ہے لیکن اس طرح کا کلام احسنوا فیہا
ولا تکلمون۔ المؤمنون آیت نمبر ۱۰۸ جو دھتکارنے کے لئے ہے وہ کہا جائے گا۔ ولا یرکبہم۔ نمبرا۔ نہ ان کو گناہوں کی
میل سے پاک کریں گے۔

نمبر ۲۔ یا اللہ تعالیٰ انکی مدح و ثناء نہ کرے گا۔ ولہم عذاب الیم۔ اور ان کے لئے دردناک عذاب ہے۔ الیم: بمعنی موم ہے۔
نَحْمُ: تینوں جملوں کا عطف ان کی خبر پر ہے۔ گویا چاروں جملے ان کی خبر ہیں۔

تفسیر آیت ۱۷۵:

أُولَٰئِكَ الَّذِينَ اشْتَرَوُا الضَّلٰلَةَ بِالْهُدٰی وَالْعَذَابَ بِالْمَغْفِرَةِ فَمَا أَصْبَرَهُمْ عَلَى النَّارِ ذٰلِكَ بِأَنَّ اللّٰهَ نَزَّلَ
الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ وَإِنَّ الَّذِينَ اخْتَلَفُوا فِی الْكِتٰبِ لَفِی شِقَاقٍ بَعِیْدٍ: (یہی لوگ ہیں جنہوں نے ہدایت کے بدلے گمراہی
اور مہر کے بدلے قہر لے لیا پس کتنا صبر ہے ان کو آگ پر۔ یہ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے سچی کتاب اتاری اور جنہوں نے کتاب میں
اختلاف کیا وہ سخت ضد میں ہیں) أُولَٰئِكَ یہی لوگ ہیں جنہوں نے ہدایت کے بدلے گمراہی خریدی اور مغفرت کے بدلے
عذاب یعنی حضرت محمد ﷺ کی تعریف کو چھپایا۔ (تا کہ انکار کریں جو عذاب و گمراہی کا سبب ہیں)۔

استفہام تو بخنی:

فَمَا أَصْبَرَهُمْ عَلَى النَّارِ۔ کتنا صبر ہے ان کا آگ پر یہ استفہام تو بخنی ہے یعنی کس چیز نے ان کو صابر بنا دیا۔ اس عمل پر
جو آگ کی طرف لے جانے والا ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ان کو جہنم کی آگ پر بڑا صبر ہے۔

تفسیر آیت ۱۷۶:

ذٰلِكَ: اس کا مشار الیہ عذاب ہے یعنی یہ عذاب اس سبب سے ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ نے جو کتب سماویہ اتاری ہیں وہ برحق
ہیں۔ اختلاف جنہوں نے اختلاف کیا یعنی اہل کتاب فی الکتب۔ اس میں الف لام جنس کا ہے اللہ تعالیٰ کی تمام کتابیں مراد
ہیں۔ انہوں نے بعض کتابوں کو برحق اور بعض کو باطل قرار دیا۔

شقاق بعید کا مطلب:

لفی شقاق۔ شقاق کا معنی مخالفت۔ بعید۔ دور یعنی حق سے دور۔

دوسرا قول: ان کا یہ کفر اس سبب سے ہے کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن برحق اتارا اور جنہوں نے اس کے متعلق اختلاف کیا وہ ایسی
مخالفت میں مبتلا ہیں جو ہدایت سے بہت دور ہے۔

لَيْسَ الْبِرَّ أَنْ تُوَلُّوا وُجُوهَكُمْ قِبَلَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ وَلَكِنَّ الْبِرَّ

نیکی اس میں نہیں ہے کہ تم اپنے چہروں کو مشرق اور مغرب کی طرف پھیر لیا کرو۔ لیکن نیکی

مَنْ آمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ وَالْمَلَائِكَةِ وَالْكِتَابِ وَالنَّبِيِّنَ ۖ وَآتَى

یہ ہے کہ کوئی شخص اللہ پر ایمان لائے اور آخرت کے دن پر اور فرشتوں پر اور کتابوں پر اور نبیوں پر اور اپنا

الْمَالَ عَلَى حُبِّهِ ذَوِي الْقُرْبَىٰ وَالْيَتَامَىٰ وَالْمَسْكِينِ وَابْنَ السَّبِيلِ ۖ

مال دے اس کی محبت ہوتے ہوئے فراہت والوں کو اور یتیموں کو اور مسکینوں کو اور مسافروں کو،

وَالسَّائِلِينَ وَفِي الرِّقَابِ ۖ وَأَقَامَ الصَّلَاةَ وَآتَى الزَّكَاةَ ۖ وَالْمُوفُونَ

اور سوال کرنے والوں کو اور گردنوں کے چھڑانے میں، اور قائم کرے نماز کو اور ادا کرے زکوٰۃ کو، اور جو پورا کرنے والے ہیں

بِعَهْدِهِمْ إِذَا عٰهَدُوا ۖ وَالصَّابِرِينَ فِي الْبَأْسَاءِ وَالضَّرَّاءِ وَحِينَ

اپنے عہد کو جبکہ وہ عہد کریں۔ اور صبر کرنے والے ہیں سختی میں اور تکلیف میں اور جنگ کے

الْبَأْسِ ۖ أُولَٰئِكَ الَّذِينَ صَدَقُوا ۖ وَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُتَّقُونَ ﴿۱۷﴾

موقعہ پر۔ یہی لوگ ہیں جنہوں نے سچائی کی راہ اختیار کی اور یہی لوگ متقی ہیں۔

تَفْسِيْرُ آيَةِ ۱۷:

لَيْسَ الْبِرَّ أَنْ تُوَلُّوا وُجُوهَكُمْ قِبَلَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ وَلَكِنَّ الْبِرَّ مَنْ آمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ وَالْمَلَائِكَةِ
وَالْكِتَابِ وَالنَّبِيِّنَ۔ وَآتَى الْمَالَ عَلَى حُبِّهِ ذَوِي الْقُرْبَىٰ وَالْيَتَامَىٰ وَالْمَسْكِينِ وَابْنَ السَّبِيلِ۔ وَالسَّائِلِينَ وَفِي

الرِّقَابِ وَأَقَامَ الصَّلَاةَ وَآتَى الزَّكَاةَ۔ وَالْمُوفُونَ بِعَهْدِهِمْ إِذَا عٰهَدُوا۔ وَالصَّابِرِينَ فِي الْبَأْسَاءِ وَالضَّرَّاءِ وَحِينَ
الْبَأْسِ أُولَٰئِكَ الَّذِينَ صَدَقُوا وَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُتَّقُونَ۔ (نیکی یہ نہیں کہ تم اپنا منہ مشرق و مغرب کی طرف کرو۔ بلکہ نیکی ان کی

ہے جو اللہ پر ایمان لائے اور فرشتوں پر اور کتاب پر اور پیغمبروں پر اور مال کی محبت کے باوجود مال دیا رشتہ داروں کو اور یتیموں کو اور محتاجوں اور مسافروں اور سائلوں کو اور گردنیں چھڑانے میں اور قائم کرتے رہے نماز اور پورا کرنے والے ہیں اپنے عہد کو جب وہ
عہد کرتے ہیں اور صبر کرنے والے ہیں۔ تنگی اور تکلیف میں اور لڑائی کے وقت۔ یہی لوگ سچے ہیں اور یہی لوگ پرہیزگار ہیں)

اصلی بر کیا ہے؟

لیس البر ان تولوا۔ تمہارا مشرق و مغرب کی طرف منہ پھیرنا نیکی نہیں اس میں خطاب نصاریٰ کو ہے کیونکہ ان کا قبلہ بیت

المقدس کی جانب مشرق تھا اور یہود کا قبلہ بیت المقدس کی مغربی جانب تھا اور ان میں سے ہر ایک کا خیال یہی تھا۔ کہ اصل نیکی اسی کے قبلہ کی طرف منہ پھیرنا ہے۔ ان کی تردید فرمائی کہ جو تم کہتے ہو یہ درست نہیں بلکہ وہ تو منسوخ ہے۔

نمبر ۱۔ ولكن البر۔ لیکن نیکی تو اس شخص کی ہے جو اللہ تعالیٰ پر ایمان لایا۔

نمبر ۲۔ دوسرا قول: نیکی والا وہ ہے جو ایمان لایا اللہ تعالیٰ پر۔ ان دونوں اقوال کے مطابق مضاف محذوف ہے مگر پہلا قول ان میں سے عمدہ ہے۔ البر۔ کا معنی ہر نیکی اور ہر پسندیدہ فعل کو کہتے ہیں۔ اور یہ بھی کہا گیا کہ مسلمانوں اور اہل کتاب نے قبلہ کے معاملے میں بہت دلچسپی لی۔ تو ان کو یہ بات سمجھائی گئی یہ کوئی بڑی نیکی نہیں۔ کہ جس میں مصروف ہو کر تم نیکی کی سب اقسام کو بھول جاؤ۔ لیکن جو نیکی واجب الاہتمام ہے وہ اس شخص کی ہے۔ جو ایمان لایا اور ان اعمال کو انجام دیا۔

بخوف: البر لیس کی خبر ہونے کی وجہ سے منصوب ہے اور ان تولوا بتاویل مصدر اسم ہے۔

اختلاف قراءت:

البر کو نصب کے ساتھ حمزہ اور حفص نے پڑھا ہے اور نافع اور شامی نے وَلَٰكِنَّ الْبِرَّ امام مبرد فرماتے تھے اگر میں قاری ہوتا تو میں اس طرح پڑھتا۔ لَٰكِنَّ الْبِرَّ ایک قراءت میں لَٰكِنَّ الْبَرَّ پڑھا گیا ہے۔ والیوم الآخر۔ آخرت کے دن سے مراد اٹھنے کا دن ہے۔

والملائكة والکتاب۔ نمبر ۱۔ الف لام کتاب پر جنس کا ہے اللہ تعالیٰ کی تمام کتب اگر عہد کا ہو تو قرآن مجید مراد ہے۔ والنبيين واتى المال على حبه۔

ضمیمہ کے مراجع:

نمبر ۱۔ حُبِّہ کی ضمیر اللہ تعالیٰ کی طرف لوٹی ہے یعنی مال اللہ تعالیٰ کی محبت میں خرچ کیا۔

نمبر ۲۔ یا مال کی طرف یعنی مال کی محبت کے باوجود اس کو دیا۔

نمبر ۳۔ الا یتاء کی طرف لوٹی ہے مراد یہ ہے مال دے رہا ہو اس حالت میں کہ وہ اس کے دینے میں دل سے راضی و خوش ہو۔ ذوی القربی۔ قرابت والے ان کو مقدم زیادہ حقدار ہونے کی وجہ سے کیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا تمہارا مسکین پر صدقہ تو ایک صدقہ شمار ہوگا اور رشتہ دار پر صدقہ اور صلہ رحمی کا ثواب ملے گا۔ (ترمذی نسائی)

والیتامی۔ یتیم سے مراد قرابت والے فقراء اور یتامی ہیں اور مطلق اسلئے لائے۔ کیونکہ التباس کا خطرہ نہیں۔

مسکین کی تعریف:

والمساكين جمع مسکین جو لوگوں میں ہمیشہ سکون پکڑنے والا ہو کیونکہ اسکے پاس کچھ نہیں جس سے چلے پھرے مثلاً سگور۔ جو ہمیشہ نشہ میں رہتا ہو۔ وابن السبیل اگرچہ لفظاً مفرد ہے مگر مراد اس سے جنس ہے اسکو ابن السبیل کہنے کی وجہ سے سفر کا لازم لینا ہے یا مہمان ہونے کی وجہ سے ابن السبیل کہا۔ والسائلین۔ سوال کرنے والے سے مراد کھانا طلب کرنے والے۔ وفي الرقاب۔ گردنوں میں سے مراد مکاتیب کی گردنیں آزاد کروانے میں یا قیدی چھڑوانے میں واقام الصلوة صلوٰۃ سے فرضی نماز مراد ہے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِصَاصُ فِي الْقَتْلِ ۖ الْحُرُّ بِالْحُرِّ

اے ایمان والو! تم پر قصاص فرض کیا گیا مقتولین کے بارے میں آزاد کو

وَالْعَبْدُ بِالْعَبْدِ ۚ وَالْأَنْثَىٰ بِالْأُنْثَىٰ ۚ فَمَنْ عُفِيَ لَهُ مِنْ أَخِيهِ شَيْءٌ فَاتِّبَاعٌ

آزاد کے بدلہ اور غلام کو غلام کے بدلہ، اور عورت کو عورت کے بدلہ، سو جس شخص کے لئے اس کے بھائی کی طرف سے کچھ معافی کر دی جائے تو بھلائی کے ساتھ

بِالْمَعْرُوفِ وَأَدَاءٌ إِلَيْهِ بِإِحْسَانٍ ۚ ذَٰلِكَ تَخْفِيفٌ مِّن رَّبِّكُمْ وَرَحْمَةٌ ۚ

اس کا مطالبہ ہو اور اچھے طریقہ پر اس کی ادائیگی ہو۔ یہ تخفیف ہے تمہارے رب کی طرف سے اور رحمت ہے

فَمَنْ اعْتَدَىٰ بَعْدَ ذَٰلِكَ فَلَهُ عَذَابٌ أَلِيمٌ ﴿۱۷۸﴾ وَلَكُمْ فِي الْقِصَاصِ حَيَوةٌ يَا أُولِي

پھر جس نے اس کے بعد زیادتی کی تو اس کے لئے درد ناک عذاب ہے اور تمہارے لئے قصاص میں بڑی زندگی ہے اے عقل

الْأَلْبَابِ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ ﴿۱۷۹﴾

والو! تاکہ تم پرہیز کرتے رہو۔

یہاں زکوٰۃ سے مراد:

واتی الزکوۃ۔ فرضی زکوٰۃ ہے بعض نے کہا یہ اول کی تاکید ہے۔

دوسرا قول: یہ ہے کہ اول سے مراد نفلی صدقات اور نیکی کے اعمال ہیں۔ الموفون پورے کرنے والے اپنے عہد کو جب وہ عہد کرتے ہیں۔ اس کا عطف من امن پر ہے اور عہد سے اللہ کا عہد یا لوگوں کا عہد مراد ہے۔ والصابرین۔ شہداء میں صبر کی فضیلت کو ظاہر کرنے کے لئے فعل مدح و تخصیص سے منصوب ہے اسی طرح قتال کے مقامات کی فضیلت تمام اعمال سے برتر ثابت کرنے کے لئے اسے منصوب ذکر کیا۔ فی الباساء۔ بآساء سے فقر و شدت مراد ہے والضرآء مرض اور اپاہج پن۔ حین الباس۔ لڑائی کا وقت اولئک الذین صدقوا یعنی ان صفات والے ہی وہ لوگ ہیں جو دین میں سچے ہیں اور وہی متقی ہیں۔

آیت: ۱۷۸۔ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِصَاصُ فِى الْقَتْلِ۔ الْحُرُّ بِالْحُرِّ وَالْعَبْدُ بِالْعَبْدِ وَالْاُنْثٰى بِالْاُنْثٰى فَمَنْ عُفِيَ لَهُ مِنْ اَخِيْهِ شَيْءٌ فَاتِّبَاعٌ بِالْمَعْرُوْفِ وَاَدَاۤءٌ اِلَيْهِ بِاِحْسَانٍ ۚ ذٰلِكَ تَخْفِیْفٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَرَحْمَةٌ ۚ فَمَنْ اَعْتَدٰى بَعْدَ ذٰلِكَ فَلَهٗ عَذَابٌ اَلِیْمٌ۔

(اے ایمان والو! تم پر قصاص فرض کیا جاتا ہے تم پر بدلہ لینا مقتولوں میں۔ آزاد کے بدلے آزاد قتل کیا جائے غلام کے بدلے غلام اور

عورت کے عوض عورت۔ پس جس شخص کو معاف کر دیا جائے اس کے بھائی کی طرف سے کچھ تو دستور کے موافق چلنا چاہیے اور اچھے انداز سے چلنا چاہیے۔ یہ تمہارے رب کی طرف سے آسانی اور مہربانی ہے پھر جو شخص زیادتی کرے۔ اس کے بعد تو اس کے لئے دردناک عذاب ہے۔

طرزِ جاہلیت:

روایات میں آیا ہے کہ عرب کے بعض قبیلوں میں جاہلیت کے زمانے میں خون کا معاملہ تھا اور ایک کو دوسرے پر طاقت اور قوت حاصل تھی۔ تو انہوں نے قسم اٹھائی۔ کہ ہم دوسرے قبیلے کے آزاد کو غلام کے بدلے میں قتل کریں گے اور ان کے مرد کو عورت کے بدلے میں قتل کریں گے اور ایک کے بدلے میں ان کے دو قتل کریں گے۔ جب اسلام آیا تو انہوں نے رسول اللہ ﷺ کو اپنے معاملے میں فیصلہ بنایا۔ پس اللہ تعالیٰ نے یہ آیت اتاری۔ **يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُتِبَ عَلَيْكُمْ فَضْلُ كَرَمِكُمْ**۔

مفہوم قصاص:

عليكم القصاص۔ قصاص اصل میں برابری کو کہتے ہیں۔ اصل میں یہ اس محاورے سے لیا گیا ہے۔ **قَصَّ اثْرَهُ وَاقْتَصَهُ**۔ یہ اس وقت کہتے ہیں جب کسی کا پیچھا کیا جائے۔ اسی لئے قصہ کہانیاں بیان کرنے والے کو قاص کہتے ہیں۔ کیونکہ وہ حکایات کا پیچھا کرتے ہیں۔ **الْقَتْلَى جَمْعُ قَتِيلٍ**۔ اب مطلب یہ ہوا۔ کہ تم پر فرض کیا گیا کہ تم برابری اور مساوات اختیار کرو۔ مقتولین میں الحر بالحر یعنی آزاد پکڑا جائے گا یا مقتول ہوگا آزاد کے بدلے العبد بالعبد امام شافعی کا قول آزاد کو غلام کے بدلے میں اس آیت کی وجہ سے قتل نہ کیا جائے گا اور ہمارے نزدیک قصاص آزاد اور غلام کے درمیان بھی جاری ہوگا۔ جیسا اس آیت میں ہے جو سورہ مائدہ آیت نمبر: ۴۵۔ **أَنَ النَّفْسَ بِالْأَنَفِ**۔ کہ جان کے بدلے جان۔ جیسا کہ مذکور مؤنث کے درمیان آپ کے اس ارشاد سے المسلمون تتكافأ دماءهم۔ (ابوداؤد۔ ابن ماجہ) مسلمانوں کے خون برابر ہیں۔

نفوس میں تفاضل معتبر نہیں۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ اگر ایک جماعت ایک آدمی کو قتل کرے تو اس کے بدلہ میں ان سب کو قتل کیا جائے۔ اس لیے کہ حکم کا کسی نوع سے مخصوص ہونا دوسری نوع کی نفی نہیں کرتا۔ بلکہ حکم اس میں دلیل کے آنے تک موقوف رہے گا اور یہاں تو دلیل موجود ہے۔ جیسا ہم واضح کر چکے۔

عفو کی تحقیق:

فمن عفى له۔ عفو یہ عفویت کی ضد ہے۔ کہا جاتا ہے۔ عفو عن فلان جب کہ اس سے درگزر کیا جائے اور اس کی سزا سے اعراض کیا جائے۔ یہ جانی یا جنایت کی طرف متعدی عن کے ساتھ ہوتا ہے۔ جیسا کہ البقرہ ۵۲ **عَفْوًا عَنْكُمْ** پھر ہم نے تمہارا گناہ معاف کر دیا اور الشوریٰ آیت نمبر ۲۵ **وَيَعْفُوا عَنِ السَّيِّئَاتِ**۔ وہ بہت سی برائیاں معاف کرتا ہے اور جب یہ دونوں جمع ہو جائیں تو پہلے کی طرف لام سے متعدی ہوگا۔ جیسے عفو له عن ذنبہ۔ میں نے اسے اس کا گناہ معاف کر دیا۔ اور حدیث میں ہے عفو لكم عن صدقة الخيل والرقيق۔ (ابوداؤد) میں نے گھوڑوں اور غلاموں کی زکوٰۃ تمہیں معاف کر دی۔ یعنی

چھوڑ دی۔

حضرت امام زجاج رحمہ اللہ کا بیان:

زجاج رحمہ اللہ فرماتے ہیں۔ من عفی له کا معنی جس کا دیت کی وجہ سے قتل چھوڑ دیا جائے۔ (یعنی معاف کر دیا جائے) ازہری نے کہا عفو لغت میں زائد کو کہتے ہیں۔ جیسے سورہ بقرہ کی آیت ۲۱۹ میں ویسئلونک ماذا ینفقون قل العفو۔ اور کہا جاتا ہے عفوت لفلان بمال۔ جبکہ مال اس کو دے اور مہربانی سے زائد دے۔ و عفوت له عمالی علیہ جبکہ اس کے ذمہ جو کچھ تھا اس کو چھوڑ دیا جائے۔

قول جمہور:

جمہور مفسرین آیت کا معنی یہ بتاتے ہیں۔ بس جس آدمی کو اس کے بھائی کی جانب سے معاف کر دی جائے کوئی چیز زائد۔ اس معنی میں فعل کی نسبت مصدر کی طرف کی گئی ہے جیسے کہ اس مثال میں سیر بزیذ بعض السیر زید کو کچھ چلایا گیا۔

الایخ لانے کی حکمت:

الایخ اس سے مراد مقتول کا وارث بھائی ہے اور اس لفظ سے تعبیر کر کے درحقیقت مہربانی پر آمادہ کیا گیا ہے۔ کیونکہ دونوں آدم علیہ السلام کی اولاد اور اسلام کے رشتے میں منسلک ہیں۔ من سے مراد وہ قاتل ہے جس کو اس کا گناہ معاف کیا جا رہا ہے۔ یہاں آیت میں دوسرے مفعول کی ضرورت نہ ہونے کی وجہ سے چھوڑ دیا گیا۔ اور بعض نے کہا۔ کہ لہ کا لفظ عنہ کی بجائے لایا گیا۔ اور ضمیر لہ اور اخیہ میں یہ من کی طرف راجع ہے اور علیہ میں بھائی کی طرف راجع ہے۔ یا تبع کے لئے ہے اس کے لئے فاتباع کا لفظ دلالت کر رہا ہے اب مطلب یہ ہوا کہ مطالبہ کرنے والا قاتل کا پیچھا کرے۔ کس طریقے کے ساتھ۔ یعنی اچھے انداز سے مطالبہ کرے۔ تاکہ اس کو مطلوب ادا کر دیا جائے یعنی قاتل خون کا بدلہ احسان کے ساتھ ادا کرے ٹال مٹول نہ کرے۔ اور نہ اس میں کمی کرے۔ شیء من العفو کہا گیا ہے تاکہ یہ معلوم ہو جائے کہ اگر بعض خون کا حصہ معاف کر دیا گیا۔ یا بعض وارثوں نے معاف کر دیا۔ تو اس وقت معافی کامل ہو گئی۔ اور قصاص ختم ہو گیا۔

دوسرا قول:

نمبر ۲۔ جنہوں نے عفی کی تفسیر شیء کے لفظ کو مفعول بہ بنانے کے بغیر کی ہے اور اسی طرح جنہوں نے اعطی کے ساتھ کی ہے یعنی ان الولی اذا اعطی له شیء من مال اخیہ۔ یعنی القاتل بطریق الصلح فلیاخذہ بمعروف من غیر تعنیف و لیؤدہ القاتل الیہ بلا تسویف۔ بے شک ولی کو جب کوئی چیز اپنے بھائی کے مال میں سے دی جائے یعنی قاتل کے مال میں سے بطور صلح تو اس ولی کو چاہیے کہ وہ اس مال کو دستور کے مطابق لے لے۔ اس میں کوئی سختی نہ برتے۔ اور قاتل بھی اس کو مال بغیر افسوس کے ادا کرے۔

منجور: اتباع کا لفظ مرفوع ہے کیونکہ یہ مبتداء مضمیر کی خبر ہے یعنی الواجب اتباع یعنی واجب ہے اتباع کرنا اس حکم کا جو کہ

معافی کے سلسلے میں ذکر کیا گیا۔ ذلک اس سے مراد عفو اور دیت لینے کا جو حکم پیچھے ذکر ہوا تخفیف من ربکم ورحمة۔ یہ تخفیف ہے تمہارے رب کی طرف سے اور مہربانی ہے۔ اس لئے تورات میں قتل کے علاوہ دوسرا حکم نہیں تھا اور انجیل میں معافی بغیر بدلے کے تھی۔ اور کوئی حکم نہ تھا۔ ہمارے لئے قصاص اور عفو اور مال صلح کے طریقے سے لینا آسانی اور وسعت کی خاطر جائز کیا گیا۔

دلالتِ آیت:

یہ آیت دلالت کرتی ہے کہ کبیرہ گناہ کرنے والا مؤمن ہے کیونکہ قتل کے پائے جانے کے باوجود ایمان کے ساتھ اس کی تعریف ذکر کی گئی اور ایمان کے ساتھ قائم ہونے والا بھائی چارہ باقی رہا۔ اور وہ تخفیف اور رحمت کا حق دار بن گیا۔

تعدی کی تفسیر:

فَمَنْ اَعْتَدَى بَعْدَ ذَلِكَ: (جو شخص حد سے بڑھا اس کے بعد) یعنی تخفیف کے بعد اور اس نے تجاوز کیا۔ جو اس کے لئے جائز نہیں تھا۔ جیسے غیر قاتل کو قتل کرنا یا دیت لینے کے بعد بھی قاتل کو قتل کر دینا فَلَہٗ عَذَابٌ اَلِیْمٌ۔ پس اس کے لئے دردناک عذاب ہے۔ الیم۔ سے مراد یہاں آخرت میں سخت دردناک قسم کا عذاب ہے۔

تفسیرِ آیت ۱۷۹:

وَلَكُمْ فِي الْقِصَاصِ حَیْوةٌ یَّا وَلِیَّی الْاَلْبَابِ لَعَلَّکُمْ تَتَّقُوْنَ: (تمہارے لئے قصاص میں زندگی ہے اے عقل والو) یہ کلام انتہائی فصیح ہے کیونکہ اس میں غرابت پائی جاتی ہے۔

قصاص بڑی زندگی ہے:

نمبر ۱۔ قصاص میں انسان قتل ہو جاتا ہے اور اس کی زندگی ختم ہو جاتی ہے۔ مگر آیت میں اس کو حیوة کے لئے بطور ظرف کے ذکر کیا گیا اور قصاص کو معرفہ لایا گیا۔ اور حیوة کے لفظ کو نکرہ لا کر خوب بلاغت ظاہر کر دی۔ کیونکہ مطلب یہ بنا۔ کہ تمہارے لئے حکم کی اس قسم میں سے جو کہ قصاص ہے۔ بہت بڑی زندگی ہے۔ اس لئے کہ اس سے اس چیز کی روک تھام کی گئی کہ جو ان میں ایک شخص کے بدلے ایک جماعت کا قتل کر دینے کا رواج تھا۔ تو گویا سب کی زندگی بچ گئی۔

نمبر ۲۔ پس فرمایا کہ قصاص میں زندگی ہے۔ یعنی خاص قسم کی زندگی ہے۔ یا اعلیٰ قسم کی زندگی ہے اور وہ وہی زندگی ہے جو قتل سے رک جانے کے بنا پر حاصل ہوئی۔ کیونکہ اس کو بھی معلوم ہو گیا۔ کہ اگر وہ بھی قتل کرے گا۔ تو اس سے قصاص لیا جائے گا۔ اس لئے جب وہ قتل کا ارادہ کرے گا۔ تو یہ بات یاد آتے ہی وہ قتل سے باز رہے گا۔ پس اس کا ساتھی اس کے ہاتھ سے قتل ہونے سے بچ جائے گا۔ اور وہ قصاص سے بچ جائے گا۔ پس قصاص کا حکم انسانوں کی زندگی کا سبب بن گیا۔ یا ولی الالباب۔ اے عقل والو۔ لعلکم تتقون۔ تاکہ تم قتل سے بچ جاؤ قصاص سے ڈرتے رہو۔

كُتِبَ عَلَيْكُمْ إِذَا حَضَرَ أَحَدَكُمُ الْمَوْتُ إِنْ تَرَكَ خَيْرًا ۖ الْوَصِيَّةُ لِلْوَٰلِدَيْنِ

تم پر فرض کیا گیا کہ جب تم میں سے کسی کو موت حاضر ہو جائے تو اپنے والدین اور قرابت

وَالْأَقْرَبِينَ بِالْمَعْرُوفِ ۚ حَقًّا عَلَى الْمُتَّقِينَ ۝۱۸۰ ۖ فَمَنْ بَدَّلَهُ بَعْدَ مَا

داروں کے لئے وصیت کرے۔ بشرطیکہ مال چھوڑا ہو۔ یہ حکم لازم ہے ان لوگوں پر جو خدا کا خوف رکھتے ہیں پھر جو شخص سننے کے بعد اس کو

سَمِعَهُ فَإِنَّمَا إِثْمُهُ عَلَى الَّذِينَ يُبَدِّلُونَهُ ۖ إِنَّ اللَّهَ سَمِيعٌ عَلِيمٌ ۝۱۸۱ ۖ فَمَنْ

بدل دے اس کا گناہ انہیں لوگوں پر ہوگا جو اس کو تبدیل کر دیں گے۔ بے شک اللہ تعالیٰ سننے والا ہے، جاننے والا ہے۔ سو جو شخص

خَافَ مِنْ مُّوْصٍ جَفَاءً أَوْ إِثْمًا فَأَصْلَحَ بَيْنَهُمْ فَلَا إِثْمَ عَلَيْهِ ۖ إِنَّ اللَّهَ

وصیت کرنے والے کی جانب سے کسی جانب داری یا گناہ کا خوف کھائے پھر ان کے درمیان صلح کرادے سو اس پر کوئی گناہ نہیں ہے۔ بے شک اللہ تعالیٰ

غَفُورٌ رَّحِيمٌ ۝۱۸۲

غفور ہے رحیم ہے۔

تفسیر آیت ۱۸۰:

كُتِبَ عَلَيْكُمْ إِذَا حَضَرَ أَحَدَكُمُ الْمَوْتُ إِنْ تَرَكَ خَيْرًا ۖ الْوَصِيَّةُ لِلْوَٰلِدَيْنِ وَالْأَقْرَبِينَ بِالْمَعْرُوفِ ۚ حَقًّا عَلَى الْمُتَّقِينَ ۝۱۸۰ ۖ فَمَنْ بَدَّلَهُ بَعْدَ مَا سَمِعَهُ فَإِنَّمَا إِثْمُهُ عَلَى الَّذِينَ يُبَدِّلُونَهُ ۖ إِنَّ اللَّهَ سَمِيعٌ عَلِيمٌ ۝۱۸۱ ۖ فَمَنْ خَافَ مِنْ مُّوْصٍ جَفَاءً أَوْ إِثْمًا فَأَصْلَحَ بَيْنَهُمْ فَلَا إِثْمَ عَلَيْهِ ۖ إِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ۝۱۸۲

مال کو خیر فرمایا:

خیر۔ کا معنی کثیر مال۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میرے آزاد کردہ غلام نے وصیت کا ارادہ کیا اور اس کے پاس سات سو درہم تھے۔ تو میں نے اس کو منع کیا اور فرمایا اللہ تعالیٰ نے وصیت کے بارے میں فرمایا۔ ان ترک خیرا۔ اگر بہت مال چھوڑے اور تیرے پاس مال نہیں۔ (ابن ابی شیبہ) الوصیۃ۔ یہ کُتِبَ کا نائب فاعل ہے۔

وصیت وارث:

نمبر ۱۔ ابتدائے اسلام میں وصیت وارث کے حق میں ثابت تھی۔ پھر سورہ نساء کی آیت میراث سے منسوخ کر دی گئی جیسا کہ ہم شرح المنار میں ذکر کر چکے ہیں۔

نمبر ۲: یہ منسوخ نہیں بلکہ یہ ان کے متعلق ہے جو کفر کی وجہ سے وارث نہیں کیونکہ وہ لوگ نئے نئے مسلمان ہوئے۔ آدمی مسلمان ہوتا اور اس کے والدین اور دیگر قرابت والے اسلام نہ لاتے اور اسلام رشتہ وراثت کو منقطع کر دیتا ہے پس ان میں قرابت کے حق کی ادائیگی کے لئے استحباب کے طور پر وصیت جاری کی گئی۔ اس صورت میں کُتِبَ کا معنی فرض نہیں ہوگا۔ (بلکہ لکھ دیا گیا ہوگا) بالمعروف کا معنی عدل ہے۔ اس طرح نہیں کہ مال دار کے لئے وصیت کرے اور فقیر کے لئے نہ کرے اور ثلث مال سے تجاوز بھی نہ کرے حقاً یہ مصدر مؤکد ہے یعنی حق ذلك حقاً۔ یہ ثابت و لازم کیا گیا ہے لازم کرنا علی المتقین۔ ان لوگوں پر جو شرک سے بچنے والے ہیں۔

تفسیر آیت ۱۸۱:

فَمَنْ بَدَّلَهُ بَعْدَ مَا سَمِعَهُ فَإِنَّمَا إِثْمُهُ عَلَى الَّذِينَ يُبَدِّلُونَهُ إِنَّ اللَّهَ سَمِيعٌ عَلِيمٌ: (جو وصیت کو بدل دے اس کے بعد کہ سن چکا۔ تو اس کا گناہ ان لوگوں پر ہے جو اس کو بدلیں۔ بے شک اللہ تعالیٰ سننے والے خبر رکھنے والے ہیں) فمن بدلہ۔ جس شخص نے اپنی طرف سے بدل دیا۔ جبکہ وصیت کرنے والوں اور گواہوں کی طرف سے وصیت شرع کے موافق تھی۔ بعد ما سمعہ۔ سن لینے کے بعد یعنی وصیت کر دینے کے بعد فانما اثمہ علی الذین یبدلونہ۔ اس کا گناہ ان پر ہے جو اس کو بدلتے ہیں۔ یعنی تبدیل کرنے کا گناہ بدلنے والوں کے ذمہ ہے۔ موصی یا موصی لہ کے ذمہ نہیں۔ کیونکہ وہ تو اس ظلم سے بری الذمہ ہیں۔ ان اللہ سمیع علیم: بے شک اللہ وصیت کے قول کو سننے والا اور تبدیل کرنے والے کے ظلم سے واقف ہے۔

تفسیر آیت ۱۸۲:

فَمَنْ خَافَ مِنْ مَوْصٍ جَنَفًا أَوْ إِثْمًا فَأَصْلَحَ بَيْنَهُمْ فَلَا إِثْمَ عَلَيْهِ ط إِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَحِيمٌ: (جس کو خطرہ ہو وصیت کرنے والے کی طرف سے طرفداری کا یا گناہ کا پس اس نے اصلاح کر دی ان کے درمیان تو اس پر کچھ گناہ نہیں بے شک اللہ بخشنے والے مہربان ہیں)

خوف کا مطلب:

فَمَنْ خَافَ۔ جس کو خطرہ ہو خوف کا معنی جاننا ہے اور کلام عرب میں یہ معروف ہے۔ کہا جاتا ہے اخاف ان یرسل السماء۔ مقصد اس سے ظن غالب ہوتا ہے جس کو علم کے قائم مقام لاتے ہیں۔ جیسا اس آیت میں فان خفتم ان لا یقیمہ۔ اگر تم جانو کہ وہ قائم نہیں رکھ سکیں گے۔ من موص۔ وصیت کرنے والے سے۔ قراءت۔ یہ قراءت کو فی میں موص پڑھا گیا۔ سوائے حفص کے۔

جنف و اثم کا فرق:

جَنَفًا أَوْ إِثْمًا۔ وہ طرف داری جو خطا سے وصیت میں واقع ہو۔ اثم وہ زیادتی جو جان بوجھ کر کی جائے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِينَ مِنْ

اے ایمان والو! فرض کئے گئے تم پر روزے جیسا کہ فرض کئے گئے ان لوگوں پر جو تم سے

قَبْلَكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ ﴿۱۸۳﴾ أَيَّامًا مَّعْدُودَاتٍ ۖ فَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ مَّرِيضًا

پہلے تھے تاکہ تم پرہیزگار بن جاؤ چند دن کے روزے رکھ لو جو شخص تم میں سے مریض ہو

أَوْ عَلَى سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِّنْ أَيَّامٍ أُخَرَ ۖ وَعَلَى الَّذِينَ يُطِيقُونَهُ فِدْيَةٌ

یا سفر پر ہو تو دوسرے دنوں کی گنتی کر کے روزے رکھ لے اور جن لوگوں کو روزہ رکھنے کی طاقت ہے ان کے ذمہ ہے فدیہ

طَعَامٍ مَّسْكِينٍ ۖ فَمَنْ تَطَوَّعَ خَيْرًا فَهُوَ خَيْرٌ لَهُ ۖ وَأَن تَصُومُوا خَيْرٌ لَّكُمْ

ایک مسکین کے کھانے کا۔ پس جو شخص اپنی خوشی سے کوئی خیر کا کام کرے تو وہ اس کے لئے بہتر ہے۔ اور یہ کہ تم روزہ رکھو تمہارے لئے بہتر ہے

إِن كُنْتُمْ تَعْلَمُونَ ﴿۱۸۴﴾

اگر تم جانتے ہو۔

ہر تبدیلی باطل نہیں:

فاصلح بینہم۔ اس نے ان کے درمیان اصلاح کر دی۔ یعنی اولاد اور قرابت داروں کو طریق شرع پر لا کر ان میں اصلاح کر دی۔ تو اس صورت میں اس پر گناہ نہ ہوگا۔ کیونکہ اس کی یہ تبدیلی تو تبدیلی باطل الی الحق ہے۔ اس کا تذکرہ جو باطل سے تبدیل کر کے پھر اس کو حق سے بدل دے تو پھر بھی گناہ نہیں۔ تاکہ معلوم ہو جائے کہ ہر تبدیلی سے گناہ گار نہیں ہوتا۔

دوسرا قول: یہ وصیت کرنے والے کی زندگی میں حکم ہے یعنی جو آدمی کسی وصیت کرنے والے کی وصیت کے وقت موجود تھا۔ پھر اس کو خلاف شرع پا کر اس سے اس کو منع کیا اور اس کو اصلاح پر آمادہ کیا۔ تو اب وصیت کرنے والے کے پہلے قول پر اس کو گناہ نہ ملے گا۔ بے شک اللہ تعالیٰ غفور رحیم ہیں۔

۱۸۳۔ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِينَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ (اے ایمان والو! تم پر روزے فرض کیے گئے ہیں جس طرح فرض کیے گئے ان پر جو تم سے پہلے تھے۔ تاکہ تم پرہیزگار بن جاؤ)

تفسیر آیت ۱۸۴:

أَيَّامًا مَّعْدُودَاتٍ فَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ مَّرِيضًا أَوْ عَلَى سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِّنْ أَيَّامٍ أُخَرَ وَعَلَى الَّذِينَ يُطِيقُونَهُ فِدْيَةٌ طَعَامٍ مَّسْكِينٍ فَمَنْ تَطَوَّعَ خَيْرًا فَهُوَ خَيْرٌ لَهُ وَأَن تَصُومُوا خَيْرٌ لَّكُمْ إِن كُنْتُمْ تَعْلَمُونَ (چند گنتی کے دن ہیں۔ پس جو شخص تم

میں سے بیمار ہو یا سفر پر ہو تو دوسرے دنوں سے گنتی ضروری ہے۔ اور ان لوگوں پر جو طاقت نہیں رکھتے ایک محتاج کا کھانا کھانا ہے پھر جو اپنی خوشی سے نیکی کرے تو وہ اس کے لئے بہتر ہے اور تمہارا روزہ رکھنا تمہارے واسطے بہتر ہے اگر تم سمجھو)

فرضیتِ روزہ:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ۔ کتب یعنی فرض کیے گئے۔ صیام۔ یہ صام کا مصدر ہے مراد رمضان المبارک کے روزے ہیں۔ کما کتب۔ یعنی لکھا جانا جس طرح کہ لکھا گیا۔ یہ مصدر محذوف کی صفت ہے۔ علی الذین من قبلکم۔ تم سے پہلے لوگوں سے وہ تمام انبیاء علیہم السلام اور امتیں مراد ہیں۔ جو آدم علیہ السلام سے تمہارے زمانے تک ہو گزریں۔ یہ قدیم عبادت ہے اور تشبیہ صرف فرضیت میں ہے کہ ہر ایک پر ان سابقہ امم میں کچھ دنوں کے روزے تھے۔ یعنی جس طرح تم ان دنوں روزہ سے عبادت کرنے والے ہو۔ اس طرح دیگر امتیں بھی روزہ سے عبادت گزاری کرنے والی تھیں۔

روزہ ذریعہ تقویٰ:

لعلکم تتقون۔ تاکہ تم بچو۔ یعنی روزے کے ذریعے گناہوں سے بچو۔ نمبر ۱۔ کیونکہ روزے نفس کو اس کی خواہشات سے خوب روکنے والے ہیں اور برائی کے مقامات سے نفس کو زیادہ ڈانٹ ڈپٹ کرنے والے ہیں۔

نمبر ۲۔ دوسرا قول: تاکہ تم زمرہ متقین میں پرودے جاؤ۔ اس لئے کہ روزہ متقین کا شعار ہے۔ **نَحْوُ** : ایا ما یہ الصیام مصدر کی وجہ سے منصوب ہے۔ یعنی ان تصوموا ایا ما لیکن زیادہ صحیح یہ ہے کہ اس کو صوموا محذوف کا مفعول مانیں۔ کیونکہ مصدر کی صورت میں اجنبی فاعل حائل ہے۔ معدودات۔ گنتی کے معلوم دن یعنی تھوڑے سے دن ہیں۔ کیونکہ قلیل چیز کو ہی گنا جاتا ہے۔ نہ کہ کثیر کو۔

حکم مریض:

فمن کان منکم مریضاً۔ جو تم میں سے بیمار ہو اور روزے کی وجہ سے مرض میں اضافہ کا خطرہ ہو۔ یا وہ سفر پر ہو۔ فعدة۔ بس اس پر گنتی ہے یعنی اگر اس نے روزہ نہ رکھا۔ تو جتنے دنوں افطار کیا۔ تو اس کے ذمے ان ایام افطار کے دنوں کی گنتی کے مطابق روزے ہیں۔ پس عدة کا لفظ معدود کے معنی میں ہے۔ من ایام اخر۔ جو ایام سفر و مرض کے علاوہ ہوں۔ اخر یہ غیر منصرف ہے کبریٰ سے کبر اور صغریٰ سے صغر علی الذین یطیقونہ اور ان لوگوں پر جو روزے کی طاقت رکھتے ہیں اور وہ معذور بھی نہیں۔ پس وہ روزہ نہ رکھیں۔ (یہ ان مفسرین کے ہاں ہے جو اس آیت کو منسوخ مانتے ہیں اور جو اس کو منسوخ نہیں مانتے وہ باب افعال کا ہمزہ سلب کے لئے مانتے ہیں) تو ان پر فدیہ ہے۔ ایک مسکین کا کھانا ہے۔ جو گندم سے نصف صاع اور دوسری اجناس سے ایک صاع دیا جائے گا۔ طعام یہاں فدیہ سے بدل واقع ہے۔

قراءت: ابن ذکوان اور مدنی نے فدیۃ طعام مساکین پڑھا ہے۔ ابتدائے اسلام میں طبائع روزے کی عادی نہ تھیں اس لئے

شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِي أُنْزِلَ فِيهِ الْقُرْآنُ هُدًى لِّلنَّاسِ وَبَيِّنَاتٍ مِّنَ

رمضان کا مہینہ وہ مہینہ ہے جس میں قرآن نازل کیا گیا۔ جو لوگوں کے لئے ہدایت ہے اور ہدایت کے بارے میں اس کے بیانات خوب

الْهُدَى وَالْفُرْقَانِ ۚ فَمَنْ شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ فَلْيَصُمْهُ ۖ وَمَنْ كَانَ

واضح ہیں اور حق و باطل کے درمیان فرق ظاہر کرنے والے ہیں سو جو شخص تم میں سے اس ماہ میں موجود ہو وہ اس میں روزہ رکھے اور جو شخص

مَرِيضًا أَوْ عَلَىٰ سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِّنْ أَيَّامٍ أُخَرَ ۗ يُرِيدُ اللَّهُ بِكُمُ الْيُسْرَ وَلَا

مریض ہو یا سفر پر ہو تو دوسرے دنوں کی کفती کر کے روزے رکھ لے۔ اللہ تمہارے لئے آسانی کا ارادہ فرماتا ہے۔ دشواری کا ارادہ

يُرِيدُ بِكُمُ الْعُسْرَ وَلِتُكْمِلُوا الْعِدَّةَ وَلِتُكَبِّرُوا اللَّهَ عَلَىٰ مَا هَدَاكُمْ وَ

نہیں فرماتا اور تاکہ تم کفती پوری کیا کرو۔ اور تاکہ تم اس پر اللہ کی بڑائی بیان کرو کہ اس نے تم کو ہدایت دی

لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ ﴿۱۸۵﴾

اور تاکہ تم شکر کرو۔

افطار و فدیہ کی رخصت دی گئی پھر اختیار آیت فَمَنْ شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ (الایۃ) اس سے منسوخ ہو گیا۔ اسی وجہ سے فَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ مَرِيضًا (الایۃ) کونسخ و منسوخ دونوں میں ذکر کر دیا۔ تاکہ وہ حکم کی بقاء پر دلالت کرے۔ دوسرا قول: یہ بھی ہے کہ آیت کا معنی اس طرح ہے کہ جو طاقت نہیں رکھتے۔ لا مضمر ہے۔ اور حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کی قراءت اس کی تائید کرتی ہے۔ اس طرح منسوخ ماننے کی ضرورت نہیں۔ فَمَنْ تَطَوَّعَ خَيْرًا۔ جو مقدار فدیہ سے زائد ثواب کی خاطر دے۔ تو وہ اس کے لئے بہتر ہے۔ یعنی تطوع یا خیر اس کے لئے بہتر ہے۔

اختلاف قراءت:

حمزہ و علی رحمہما اللہ نے يَطْوَعُ بمعنی تطوع پڑھا ہے۔

تَفْسِيرٌ وَأَنْ تَصُومُوا :

یعنی طاقت والو! تمہارا روزہ رکھنا ہی تمہارے حق میں فدیہ اور تطوع سے بہت بہتر ہے یہ حکم ابتداءً اسلام میں تھا۔ دوسرا قول: یہ ہے کہ تمہارا سفر و مرض میں روزہ رکھ لینا بہتر ہے۔ کیونکہ وہ نفس پر زیادہ گراں ہے اگر تم روزے کی فضیلت کو جانتے ہو۔ گویا ان شرطیہ کا جواب محذوف ہے۔

۱۸۵۔ شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِي أُنْزِلَ فِيهِ الْقُرْآنُ هُدًى لِّلنَّاسِ وَبَيِّنَاتٍ مِّنَ الْهُدَى وَالْفُرْقَانِ فَمَنْ شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ

فَلْيَصُصْهُ وَمَنْ كَانَ مَرِيضًا أَوْ عَلَى سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِّنْ أَيَّامٍ أُخَرَ يُرِيدُ اللَّهُ بِكُمُ الْيُسْرَ وَلَا يُرِيدُ بِكُمُ الْعُسْرَ وَلِتُكْمِلُوا الْعِدَّةَ وَلِتُكَبِّرُوا اللَّهَ عَلَىٰ مَا هَدَاكُمْ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ: (رمضان کا مہینہ وہ مہینہ ہے جس میں قرآن اتارا گیا۔ جو لوگوں کے لئے ہدایت ہے اور معجزہ (حق و باطل میں) فرق کرنے والی بات پس جو شخص موجود ہو تم میں سے اس مہینے میں پس چاہیے کہ وہ روزہ رکھے اور جو شخص بیمار ہو یا سفر میں ہو پس وہ گنتی پوری کرے دوسرے دنوں سے اللہ تمہارے ساتھ آسانی چاہتے ہیں اور تمہارے ساتھ تنگی کا ارادہ نہیں کرتے کہ تم پورا کرو گنتی کو اور تاکہ تم اللہ کی بڑائی بیان کرو اس پر جو اس نے راہنمائی فرمائی تاکہ تم احسان مانو)

نکحہ: ۱۔ شہر رمضان۔ یہ مبتداء ہو تو الذی اپنے صلہ کے ساتھ اس کی خبر ہے۔

نمبر ۲۔ یہ مبتداء محذوف کی خبر ہے یعنی ہو شہر تو صلہ موصول مل کر شہر رمضان کی صفت ہے۔

نمبر ۳۔ کتب علیکم الصیام میں الصیام سے بدل ہے۔

انزل فیہ القرآن۔ نمبر ۱۔ اس میں قرآن اتارا گیا۔ یعنی اتارنے کی ابتداء ہوئی اور لیلة القدر میں ابتداء کی گئی۔

دوسرا قول: انزل فی شانہ۔ کہ اس کی شان میں قرآن مجید اتارا گیا۔ اور وہ یہ آیت ہے۔

کتب علیکم الصیام۔ رمضان۔ یہ رمض سے مصدر ہے۔ جس کا معنی گرمی سے جلنا ہے۔ پھر شہر کی اضافت اس کی طرف کر کے ایک خاص مہینے کا نام بنادیا۔ یہ غیر منصرف ہے۔ الف۔ نون۔ اور تعریف کی وجہ سے۔

رمضان کی وجہ تسمیہ:

اور اس کے نام رکھنے کی وجہ یہ ہے۔ کہ اس میں بھوک سے جلتے اور سختی برداشت کرتے ہیں۔ اور انہوں نے مہینوں کے نام انہی اوقات سے رکھے تھے۔ جن میں وہ واقع ہوئے۔ یہ مہینہ گرمیوں کی شدت میں واقع ہوا اسی لئے یہ نام رکھ دیا گیا۔

سوال: حدیث میں آیا ہے من صام رمضان ایمانا واحتساباً غفرلہ ماتقدم من ذنبہ۔ اس میں مضاف اور مضاف الیہ تسمیہ کے ساتھ استعمال ہوئے ہیں۔

جواب: التباس کا خطرہ نہیں۔ یہ حذف مضاف کی قسم میں سے ہے گویا یہ من صام شہر رمضان ہوا۔

قراءت: القرآن کا لفظ:

القرآن یہ پورے قرآن میں غیر مہموز ہے۔ مکی ہجریہ کے ہاں۔

ہُدٰی۔ یہ حال ہونے کی وجہ سے منصوب ہے یعنی وہ قرآن اتارا گیا اس حال میں کہ وہ لوگوں کے لئے حق کا ہادی ہے اور حق کی طرف راہنمائی کے لئے اس میں کھلی نشانیاں ہیں اور قرآن حق و باطل میں امتیاز پیدا کرتا ہے۔ قرآن مجید کی پہلی صفت ہدایت بیان کی۔ پھر فرمایا یہ من جملہ ان واضح دلائل سے ہے جن سے اللہ تعالیٰ راہنمائی فرماتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی وحی اور کتب سماویہ کے ذریعہ حق و باطل میں واضح تفریق کر دی۔

فمن شہد۔ پس جو شاہد ہو یعنی موجود و مقیم ہو مسافر نہ ہو۔ پس وہ اس میں روزہ رکھے اور افطار ہر گز نہ کرے۔

مَحْجُوْرٌ: الشَّهْرُ کا لفظ منصوب ہے مفعول فیہ ہونے کی وجہ سے اسی طرح لیصمہ کی ضمیر بھی منصوب بوجہ مفعول بہ نہیں۔ کیونکہ مقیم و مسافر مہینہ میں حاضر و موجود ہوتے ہیں۔

افطار مرض و سفر میں مباح ہے:

وَمَنْ كَانَ مَرِيضًا تَأْفَعِدَةً مِنْ أَيَّامِ آخِرِ عِدَّةٍ مُبْتَدَأٍ أَوْ خَبَرٌ مَحْذُوفٌ بِعَيْنِ فَعْلِيهِ عِدَّةٌ أَوْ صَوْمٌ عِدَّةٍ۔ پس اس پر گنتی کے روزے ہیں۔ یرید اللہ بکم الیسر۔ اللہ تعالیٰ تمہارے ساتھ آسانی کا ارادہ فرماتے ہیں اسی لئے سفر و مرض میں افطار کو مباح کر دیا۔ ولا یرید بکم العسر اور تم پر سختی کرنا نہیں چاہتے۔

مَسْئَلَةٌ: جن حضرات نے مریض و مسافر پر افطار کو فرض قرار دیا۔ انہوں نے اس آیت کے مفہوم سے اعراض کیا۔ ولتکملوا العدة۔ تاکہ تم گنتی پوری کرو۔ قضا کے ساتھ جو تم نے افطار کیا۔ جب مرض و سفر زائل ہو جائیں۔ فعل معلل محذوف ہے اور ماسبق اس پر دلالت کرتا ہے۔ تقدیر عبارت یہ ہے۔ لتعلموا ولتکملوا العدة تاکہ تم جان لو اور تاکہ تم اس گنتی کو قضا سے پورا کر لو۔ جو تم نے افطار کیا ہے۔

حکم شکر:

ولتکبروا اللہ علی ما ہدٰکم ولعلکم تشکرون۔ (اور تاکہ تم اللہ تعالیٰ کی بڑائی بیان کرو۔ اس بات پر کہ اس نے تمہیں ہدایت دی۔ اور تاکہ تم شکر ادا کرو) مشروعیت پر۔ یعنی ان تمام باتوں پر جو مذکور ہوئیں۔ حاضر کو مہینے کے روزہ کا حکم۔ افطار کیے ہوئے ایام کو دوسرے دنوں میں گن کر پورا کرنے کا حکم اور رخصت کے وقت افطار کی اباحت پر شکر ادا کرو۔ ولتکملوا گنتی کی رعایت کا حکم جو دیا اس کی یہ علت ہے۔ ولتکبروا اللہ۔ یہ قضاء اور افطار کی ذمہ داری سے نکلنے کی جو کیفیت معلوم ہوئی۔ اس کی یہ علت ہے۔ اور لعلکم تشکرون۔ یہ رخصت ملنے کی علت ہے۔

عجیب ترتیب:

یہ انتہائی شاندار قسم کی ترتیب ہے۔ تکبیر کو علی سے متعدی کیا گیا۔ اس لیے کہ اس میں حمد کا معنی پایا جاتا ہے۔ گویا یوں فرمایا تاکہ تم اس کی تعظیم کرو۔ اس حالت میں کہ تم اس کی اس بات پر حمد کرنے والے ہو۔ کہ اس نے اپنی طرف سے تمہیں ہدایت دی۔ قراءت: ابوبکر رضی اللہ عنہ نے لتکملوا تشدید میم سے پڑھا ہے۔

وَإِذَا سَأَلَكَ عِبَادِي عَنِّي فَإِنِّي قَرِيبٌ ۖ أُجِيبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ إِذَا دَعَانِ ۚ

اور جب میرے بندے آپ سے میرے بارے میں سوال کریں سو بلاشبہ میں قریب ہوں، دعا کرنے والے کی دعا قبول کرتا ہوں جب وہ مجھ سے دعا کرے۔

فَلْيَسْتَجِيبُوا إِلَيَّ وَلْيُؤْمِنُوا بِي لَعَلَّهُمْ يَرْشُدُونَ ﴿۱۸۶﴾

سو وہ میرے احکام کو قبول کریں اور مجھ پر یقین رکھیں تاکہ وہ نیک راہ پر رہیں۔

تفسیر آیت ۱۸۶:

وَإِذَا سَأَلَكَ عِبَادِي عَنِّي فَإِنِّي قَرِيبٌ ۖ أُجِيبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ إِذَا دَعَانِ ۚ فَلْيَسْتَجِيبُوا إِلَيَّ وَلْيُؤْمِنُوا بِي لَعَلَّهُمْ يَرْشُدُونَ (جب آپ سے میرے بندے میرے متعلق پوچھیں تو کہیں۔ میں قریب ہوں۔ قبول کرتا ہوں دعا کرنے والے کی دعا جب وہ مجھ سے دعا کرے۔ پس چاہیے کہ وہ میرا حکم مانیں اور مجھ پر ایمان لائیں۔ تاکہ وہ سیدھا راستہ پائیں) شَانِ نزول: ایک بدو نے رسول اللہ ﷺ سے دریافت کیا۔ کیا ہمارا رب قریب ہے کہ ہم چپکے چپکے دعا کریں۔ یاد رہے کہ زور سے پکاریں۔ تو یہ آیت اتری۔ (تفسیر طبری)

مراد قرب:

قرب سے مراد قرب مکانی نہیں۔ کیونکہ اس سے ذات باری تعالیٰ بلند و بالا ہے۔ قرب علم و اجابت مراد ہے۔ (بلکہ قرب واقعی مراد ہے جس کا ادراک وحی سے ہو سکتا ہے)

أُجِيبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ إِذَا دَعَانِ ۚ فَلْيَسْتَجِيبُوا إِلَيَّ وَلْيُؤْمِنُوا بِي لَعَلَّهُمْ يَرْشُدُونَ۔ میں قبول کرتا ہوں دعا کرنے والے کی دعا جب وہ مجھ سے دعا کرتا ہے پس چاہیے کہ وہ میرا حکم مانیں اور مجھ پر ایمان لائیں۔ تاکہ وہ سیدھا راستہ پائیں۔

اختلاف قراءت:

سہل، یعقوب، ابو عمرو، نافع رحمہم اللہ نے سوائے قالون کے حالت وصل میں الداع، دعان کو الداعی، دعانی پڑھا ہے۔ دیگر قراء نے دونوں حالتوں میں بغیر یاء پڑھا ہے۔

اجابت کے رخ:

اجیب۔ اجابت دعا کا تو سچا وعدہ ہے وعدہ خلافی ناجائز ہے۔ البتہ اجابت دعا میں حاجت کے پورے ہونے میں تخالف ہے۔ اس کی وضاحت اس طرح ہے کہ اجابت دعوت یہ ہے کہ بندہ کہے۔ یا رب پس اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔ لبيك عبدی۔ تو یہ بات ہر بندہ مؤمن کے لئے موجود ہے اور رہی قضائے حاجت یعنی مراد دینا۔ نمبر ۱۔ تو اس میں کبھی تو فوراً مل جاتی ہے۔

نمبر ۲۔ کبھی کچھ مدت بعد۔ نمبر ۳۔ اور کبھی آخرت میں ملے گی۔ نمبر ۴۔ اور کبھی اس مطلوب چیز کے علاوہ میں اس کے لئے خیر ہوتی ہے۔ وہ دے دی جاتی ہے۔ نلیستجیبوا لی۔ پس ان کو میرا حکم ماننا چاہیے۔ جبکہ میں ان کو ایمان و طاعت کی طرف

اِحْلَ لَكُمْ لَيْلَةَ الصِّيَامِ الرَّفْتُ إِلَى نِسَائِكُمْ هُنَّ لِبَاسٌ لَكُمْ وَاَنْتُمْ لِبَاسٌ لَّهُنَّ ۚ عَلِمَ اللّٰهُ اَنَّكُمْ كُنْتُمْ تَخْتَانُوْنَ اَنْفُسَكُمْ فَتَابَ عَلَيْكُمْ وَعَفَا عَنْكُمْ ۚ فَالْآنَ بَاشِرُوْهُنَّ وَاَبْتَغُوا مَا كَتَبَ اللّٰهُ لَكُمْ ۚ

حلال کیا گیا تمہارے لئے روزهوں کی راتوں میں بیویوں میں مشغول ہونا۔ وہ لباس ہیں تمہارے لئے

اَنْتُمْ لِبَاسٌ لَّهُنَّ ۚ عَلِمَ اللّٰهُ اَنَّكُمْ كُنْتُمْ تَخْتَانُوْنَ اَنْفُسَكُمْ فَتَابَ

اور تم ان کا لباس ہو۔ اللہ نے جان لیا کہ بلاشبہ تم اپنے نفسوں کی خیانت کرتے تھے سو اس نے تمہاری توبہ

عَلَيْكُمْ وَعَفَا عَنْكُمْ ۚ فَالْآنَ بَاشِرُوْهُنَّ وَاَبْتَغُوا مَا كَتَبَ اللّٰهُ لَكُمْ ۚ

قبول فرمائی اور تم کو معاف فرما دیا۔ سو اب ان سے میل ملاپ کرو اور تلاش کرو جو اللہ نے تمہارے لئے لکھ دیا ہے۔

وَكُلُّوا وَاَشْرَبُوا حَتّٰی يَتَبَيَّنَ لَكُمْ الْخَيْطُ الْاَبْيَضُ مِنَ الْخَيْطِ الْاَسْوَدِ

اور کھاؤ اور پیو یہاں تک کہ تمہارے لئے سفید تاگ سیاہ تاگ سے ممتاز ہو کر ظاہر ہو جائے۔

مِنَ الْفَجْرِ ۖ ثُمَّ اَتِمُّوا الصِّيَامَ اِلَى الْاَيْلِ ۚ وَلَا تَبَاشِرُوْهُنَّ وَاَنْتُمْ

یعنی فجر کا تاگ۔ پھر تم روزه پورے کرو رات تک اور بیویوں سے میل ملاپ نہ کرو اس حال میں کہ تم

عَاكِفُوْنَ ۚ فِي الْمَسْجِدِ ۚ تِلْكَ حُدُودُ اللّٰهِ فَلَا تَقْرَبُوهَا ۚ كَذٰلِكَ

اعتکاف کئے ہوئے ہو مسجدوں میں۔ یہ اللہ کی حد بندیاں ہیں لہذا ان کے پاس نہ پھنکو اسی طرح

يُبَيِّنُ اللّٰهُ اٰيَاتِهِ لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَتَّقُوْنَ ۝۱۸۷

اللہ بیان فرماتا ہے لوگوں کے لئے اپنی آیات تاکہ لوگ پرہیزگار بنیں۔

بلاؤں جیسا کہ وہ حاجات کے وقت مجھے پکارتے ہیں۔ تو ان کی حاجات پوری کرتا ہوں۔ ولیؤ منوا ہی۔ اور مجھ پر ایمان لائیں۔

ان دونوں میں لام امر ہے۔

لعلہم یرشدون تاکہ وہ سیدھا راستہ پائیں یعنی گزشتہ خصلتوں پر کار بند ہوں تاکہ ہدایت پانے کے امیدوار ہوں۔ رشد یہ غنی کی ضد ہے۔

شان نزول: ابتدائے اسلام میں جب آدمی عشاء کی نماز پڑھ لیتا یا اس سے پہلے سویا رہتا تو اس پر کھانا پینا جماع اگلی رات تک

حرام ہو جاتا۔ صرف کھانا پینا اور جماع شام کے بعد عشاء پڑھنے اور جاگتے رہنے تک درست تھا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عشاء کے

بعد اپنی زوجہ سے صحبت کر لی۔ پس جب غسل کر چکے۔ تو رونے اور اپنے آپ کو ملامت کرنے لگے۔ پس نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت

میں حاضر ہو کر خبر دی۔ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ تمہیں یہ مناسب نہ تھا۔ تو یہ آیت اتری۔

۱۸۷: اِحْلَ لَكُمْ لَيْلَةَ الصِّيَامِ الرَّفْتُ إِلَى نِسَائِكُمْ هُنَّ لِبَاسٌ لَكُمْ وَاَنْتُمْ لِبَاسٌ لَّهُنَّ عَلِمَ اللّٰهُ اَنَّكُمْ كُنْتُمْ تَخْتَانُوْنَ

اَنْفُسَكُمْ فَتَابَ عَلَيْكُمْ وَعَفَا عَنْكُمْ ۚ فَالْآنَ بَاشِرُوْهُنَّ وَاَبْتَغُوا مَا كَتَبَ اللّٰهُ لَكُمْ ۚ وَكُلُّوا وَاَشْرَبُوا حَتّٰی يَتَبَيَّنَ لَكُمْ

الْخَيْطُ الْأَبْيَضُ مِنَ الْخَيْطِ الْأَسْوَدِ مِنَ الْفَجْرِ ثُمَّ أَتَمُّوا الصِّيَامَ إِلَى الْيَلِّ وَلَا تَبَاشِرُوهُنَّ وَأَنْتُمْ عَاكِفُونَ فِي الْمَسَاجِدِ تِلْكَ حُدُودُ اللَّهِ فَلَا تَقْرُبُوهَا كَذَلِكَ يَبَيِّنُ اللَّهُ آيَاتِهِ لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَتَّقُونَ: (حلال کر دیا گیا تمہارے لئے روزوں کی راتوں میں اپنی بیویوں کے پاس جانا وہ تمہارا لباس اور تم ان کا لباس ہو۔ اللہ تعالیٰ نے جانا کہ تم چوری سے اپنا نقصان کرتے ہو۔ پس اس نے معاف کیا۔ اور تم سے درگزر کیا۔ پس اب تم ان سے ہم بستر ہو اور تلاش کرو جو اللہ تعالیٰ نے لکھ دیا تمہارے لئے اور کھاتے پیتے رہو۔ یہاں تک کہ صاف نظر آنے لگے۔ تمہیں صبح کی سفید دھاری کالی دھاری سے۔ پھر پورا کرو روزہ رات تک۔ اور نہ ہم بستر ہو ان سے جبکہ تم اعتکاف کرنے والے ہو۔ مساجد میں یہ اللہ تعالیٰ کے ضابطے ہیں۔ پس ان کے نزدیک بھی نہ جاؤ اسی طرح اللہ تعالیٰ صاف صاف بیان کرتا ہے اپنی نشانیاں لوگوں کے لئے تاکہ وہ پرہیزگار بنیں)

لباس سے تشبیہ کی وجہ:

احل لکم لیلۃ الصیام الرفث۔ رفث جماع کو کہتے ہیں۔ الی نساء کم۔ رفث کو الی سے متعدی کیا گیا ہے۔ کیونکہ اس میں افشاء یعنی جماع کا مفہوم پایا جاتا ہے اور افشاء الی سے متعدی ہوتا ہے البتہ رفث کے لفظ کو کنایہ کے لئے استعمال کیا۔ حالانکہ اس میں فتح کا معنی پایا جاتا ہے افشاء کا لفظ نہیں لائے۔ اس سے اس قباحت کی طرف اشارہ کیا۔ جو قبل از اباحت پائی گئی تھی۔ جیسا کہ اَنْکُمْ کُنْتُمْ تَخْتَانُونَ اَنْفُسَکُمْ میں خیانت سے تعبیر کیا۔ اور چونکہ مرد و عورت ایک دوسرے سے لپٹتے ہیں اور ہر ایک دوسرے پر مثل لباس کے مشتمل ہو جاتا ہے۔ اس لئے دونوں کو ایک دوسرے کے لباس سے تشبیہ دی۔ جو کہ جسم کو ڈھانپنے والا ہوتا ہے۔ اپنے اس ارشاد سے ہن لباس لکم وانتم لباس لھن۔

دوسرا قول: یہ ہے کہ لباس جس طرح پہننے والے کو چھپا لیتا ہے اسی طرح مرد اور عورت ایک دوسرے کو حرام سے چھپاتے اور روکتے ہیں۔

نَحْمَدُہُمْ: ہن لباس لکم یہ جملہ مستانفہ ہے جو کہ بیان کی طرح ہے احلال کے سبب کے لئے۔ اب مطلب یہ ہوا کہ جب تمہارے اور ان کے درمیان اتنا گہرا میل جول ہے۔ اور تمہارا ان سے صبر ممکن نہیں۔ اور ان سے پرہیز تم پر گراں ہے اسی لئے ان کے ساتھ مباشرت کی اجازت تمہیں دے دی گئی۔ علم اللہ انکم کنتم تختانون انفسکم۔ اللہ تعالیٰ جانتے ہیں کہ اپنے نفسوں پر جماع کر کے ظلم کرتے ہو۔ اور اپنے خیر کے حصہ میں کمی کرتے ہو۔ الاختنان یہ خیانت سے ہے جیسا کہ اکتساب کسب سے ہے۔ مزید میں زیادتی اور شدت ہے۔ فتاب علیکم۔ پس اس نے تم پر رجوع فرمایا جبکہ تم نے ارتکاب ممنوع سے توبہ کی۔ وعفا عنکم اور اس نے معاف کر دیا جو تم نے رخصت سے پہلے کیا۔ فالئن باشر وھن۔ اب ان سے ملو۔ یعنی روزے کی راتوں میں جماع کرو یہ امر اباحت کے لیے ہے مجامعت کو مباشرت اس لیے کہا۔ کیونکہ۔ ونوں کے چمڑے آپس میں ملتے ہیں۔

تلاش کا مطلب:

وابتغوا ما کتب اللہ لکم اور تلاش کرو جو اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے لکھ دیا ہے۔ یعنی نمبر ۱۔ تلاش کرو جو اللہ تعالیٰ نے تمہاری قسمت میں مباشرت کے ساتھ اولاد لوح محفوظ میں لکھ دی ہے مطلب یہ ہوا کہ فقط قضائے

شہوت کی خاطر مت مباشرت کرو۔ بلکہ نکاح کے ذریعہ اللہ تعالیٰ نے جو والد و تناسل کا سلسلہ بنایا ہے اس کو سامنے رکھو۔
نمبر ۲۔ اس مقام میں تلاش کرو۔ جو اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے مقرر کر دیا ہے اور اس کو حلال کر دیا ہے نہ وہ مقام جو اللہ تعالیٰ نے حرام کیا ہے۔

دھاگے کی مشابہت:

وکلوا واشربوا حتی یبین لکم الخیط الابيض من الخیط الاسود۔ خیط ابیض سفید دھاگے سے مراد افق میں پھیلنے والی سفیدی جو کھینچے ہوئے دھاگے کی طرح ہوتی ہے۔ سیاہ دھاگے سے مراد رات کی وہ سیاہی جو افق میں پھیلی ہوتی ہے۔ ان کے افق میں پھیلنے کی بناء پر سیاہ و سفید دھاگے سے تشبیہ دی۔ من الفجر۔ نمبر ۱۔ یہ خیط ابیض کا بیان ہے کہ فجر کی سفید دھاری مراد ہے نہ اور کچھ۔ خیط اسود کا بیان ترک کر دیا۔ کیونکہ متضاد میں ایک کا بیان خود دوسرے کا بیان ہے۔

نمبر ۲۔ من تبغیضہ ہے کیونکہ یہ فجر کا بعض اور خصوصاً پہلا بعض ہے۔
بلاغت: اس کو استعارہ قرار دے کر تشبیہ بلیغ بنایا گیا جیسا کہو۔ رأیت اسداً۔ مجاز ہے۔ اگر اس پر من فلان کا لفظ اضافہ کر دیا تو یہ تشبیہ بن گئی۔

حضرت عدی بن حاتم ۹ھ میں مسلمان ہوئے کہتے ہیں کہ میں نے سفید و سیاہ دھاگے لے کر ان کو اپنے تنکے کے نیچے رکھ دیا۔ میں نے ان کو نکال کر دیکھا۔ تو سیاہ و سفید میں امتیاز نہ ہو سکا۔ پس میں نے نبی اکرم ﷺ کو اطلاع دی تو آپ نے فرمایا انک لعریض القفا یعنی تو سلیم القلب ہے کیونکہ یہ محاورہ تو قلت عقل وفہم پر بولا جاتا ہے۔ آپ نے فرمایا اس سے تو دن کی سفیدی اور رات کی سیاہی مراد ہے۔

ثم اتموا الصیام الی الیل۔ پھر تم روزہ پورا کرو رات تک یعنی ان چیزوں سے رات تک رکو۔

مسئلہ عجیب:

نمبر ۱۔ اس میں دلیل ہے کہ صوم رمضان کی نیت دن میں کی جاسکتی ہے۔

نمبر ۲۔ فجر تک غسل کا مؤخر کرنا جائز ہے۔

نمبر ۳۔ وصال کے روزے کی نفی کی گئی۔

نمبر ۴۔ کھانے پینے سے بھی کنارہ لازم ہے۔

نمبر ۵۔ جنابت روزے کے منافی نہیں۔

آیت سے ماخوذ مسائل:

وانتم عاکفون فی المسجد۔ اور تم اعتکاف کرنے والے ہو۔ مساجد میں۔ یعنی ان میں حالت اعتکاف میں ہو۔
مَسْئَلَةٌ: اس سے واضح ہو گیا۔ کہ رمضان شریف کی راتوں میں جماع حلال ہے لیکن اس کی حلت غیر معتکف کے لئے ہے۔

وَلَا تَأْكُلُوا أَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ وَتُدْلُوا بِهَا إِلَى الْحُكَّامِ

اور آپس میں ایک دوسرے کے مال باطل ذریعہ سے مت کھاؤ۔ اور نہ لے جاؤ ان کو حاکموں کی طرف

لِتَأْكُلُوا فَرِيقًا مِّنْ أَمْوَالِ النَّاسِ بِالْإِثْمِ وَأَنْتُمْ تَعْلَمُونَ ﴿۱۸۸﴾

تاکہ کھا جاؤ ایک حصہ لوگوں کے مالوں میں سے گناہ کے ساتھ حالانکہ تم جانتے ہو۔

وانتم یہ جملہ موضع حال میں ہے۔

مَسْئَلَةٌ: اس سے ثابت ہوتا ہے کہ اعتکاف مسجد میں ہی ہو سکتا ہے کسی بھی مسجد میں ہو سکتا ہے کوئی مسجد مخصوص نہیں۔

تلك۔ اس سے ان احکام کی طرف اشارہ ہے جو ذکر ہو چکے۔ حدود اللہ۔ اللہ کی حدود سے مراد مقررہ احکام ہیں۔ فلا تقر بوہا۔ ان کے قریب مت جاؤ یعنی ان کی مخالفت اور تبدیلی کے قریب بھی مت گزرو۔ كذلك یبین اللہ آیاتہ۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ کھول کر اپنی آیات بیان کرتے ہیں۔ آیات سے مراد احکامات ہیں لعلہم یتقون۔ تاکہ وہ متقی بن جائیں۔ یعنی حرام سے بچیں۔

۱۸۸۔ وَلَا تَأْكُلُوا أَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ وَتُدْلُوا بِهَا إِلَى الْحُكَّامِ لِنَأْكُلُوا فَرِيقًا مِّنْ أَمْوَالِ النَّاسِ بِالْإِثْمِ وَأَنْتُمْ تَعْلَمُونَ: (اور نہ کھاؤ آپس میں اپنے مال ناحق اور نہ ذریعہ بناؤ ان مالوں کو حاکموں تک رسائی تاکہ کھاؤ تم تھوڑا مال لوگوں کا گناہ کے ساتھ حالانکہ تم جانتے ہو) ولا تاکلوا۔ تم نہ کھاؤ اپنے اموال اپنے درمیان یعنی تم ایک دوسرے کا مال نہ کھاؤ۔ بالباطل۔ ناحق کے ساتھ یعنی اس طریق سے جس کو اللہ تعالیٰ نے مباح نہیں کیا اور نہ مشروع قرار دیا ہے۔

ناحق فیصلے کی مذمت:

وتدلوا بها الى الحكام اور نہ حکام کے پاس لے جاؤ تاکہ تم لوگوں کے اموال میں سے کچھ کھاؤ یہ مجرم ہے نہی کے تحت داخل ہے۔ یعنی نہ ڈالو اموال کا معاملہ اور ان میں فیصلہ حکام کے پاس۔ لتاکلوا، تاکہ تم کھاؤ یعنی فیصلہ کے ذریعہ۔ فریقا، کچھ۔ من اموال الناس بالاثم، لوگوں کے اموال میں سے گناہوں کے ساتھ۔ اثم۔ سے مراد جھوٹی گواہی یا جھوٹی قسم یا صلح کے ساتھ یہ جانتے ہوئے کہ جس کے حق میں فیصلہ ہوا ہے وہ ظالم ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے دونوں فریق کو فرمایا۔ انما انا بشر وانتم تختصمون الی ولعل بعضکم الی بعض فاقضیٰ له علیٰ نحو ما اسمع منه فمن قضیت له بشی من حق اخیه فلا یاخذن منه شیئاً فان ما اقضیٰ له قطعة من نار۔ اے لوگو! میں تمہاری طرح انسان ہوں اور تم میرے پاس جھگڑے، فیصلے کرانے کے لئے لاتے ہو اور یہ بھی ممکن ہے کہ بعض تم میں سے اپنی دلیل اور اظہار بیان میں دوسرے سے زیادہ زبان آور اور فصیح ہو پھر اسکے بیان پر میں اسکے موافق فیصلہ کر دوں تم کو چاہیے کہ جس کے لیے میں اسکے بھائی مسلمان کے حق میں سے کچھ دلاؤں۔ اس کو نہ لو کیونکہ یہ لینے والے کے لئے میں نے گویا آگ کا ایک انگارہ دیدیا۔ (بخاری و مسلم)

يَسْأَلُونَكَ عَنِ الْاَهْلَةِ ۚ قُلْ هِيَ مَوَاقِيْتُ لِلنَّاسِ وَالْحَجِّ ۚ وَلَيْسَ

وہ آپ سے چاندوں کے بارے میں سوال کرتے ہیں۔ آپ فرما دیجئے کہ یہ اوقات مقررہ ہیں لوگوں کے لئے اور حج کے لئے اور نیکی

الْبِرِّ بَانَ تَأْتُوا الْبُيُوتَ مِنْ ظُهُورِهَا وَلَكِنَّ الْبِرَّ مَنِ اتَّقَى ۚ وَأَتُوا

نہیں ہے کہ تم گھروں میں ان کے پچھواڑوں کی طرف سے آؤ لیکن نیکی یہ ہے کہ کوئی شخص تقویٰ اختیار کرے، اور آ جاؤ تم

الْبُيُوتَ مِنْ اَبْوَابِهَا ۚ وَاتَّقُوا اللَّهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ ﴿۱۸۹﴾

گھروں میں ان کے دروازوں سے۔ اور اللہ سے ڈرو تاکہ تم کامیاب ہو جاؤ۔

پس اس فرمانے پر وہ دونوں رونے لگے اور ہر ایک نے کہا میرا حق میرے ساتھی کا ہے (احمد)

بعض نے وتدلوا بھا کا مطلب یہ کیا بعض کو نہ لے جاؤ برے مقام کے پاس رشوت کے طور پر۔ عرب کہتے ہیں ادلی دلوہ۔ اس نے اپنا ڈول کنوئیں میں ڈالا پانی نکالنے کے لئے۔ وانتم تعلمون حالانکہ تم جانتے ہو۔ کہ تم باطل پر ہو اور جانتے ہوئے گناہ کا ارتکاب قباح میں برتر ہے اور اس کا مستحق تو بیخ کا زیادہ مستحق ہے۔

نشان نزول: حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ نے کہا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم چاند کیونکر دھاگے کی طرح باریک ظاہر ہو کر بڑھتا جاتا ہے۔ یہاں تک کہ بڑھ کر برابر ہو جاتا ہے۔ پھر کم ہوتا جاتا ہے۔ یہاں تک کہ اسی حالت کی طرف لوٹ جاتا ہے۔ جس میں شروع میں تھا۔ آخر یہ سورج کی طرح ایک حالت میں کیوں نہیں رہتا۔ تو یہ آیت اتری۔

۱۸۹: يَسْأَلُونَكَ عَنِ الْاَهْلَةِ ۚ قُلْ هِيَ مَوَاقِيْتُ لِلنَّاسِ وَالْحَجِّ ۚ وَلَيْسَ الْبِرُّ بِاَنْ تَأْتُوا الْبُيُوتَ مِنْ ظُهُورِهَا وَلَكِنَّ الْبِرَّ مَنِ اتَّقَى ۚ وَأَتُوا الْبُيُوتَ مِنْ اَبْوَابِهَا ۚ وَاتَّقُوا اللَّهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ۔ (اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم آپ سے لوگ پہلی رات کے چاند کا حال پوچھتے ہیں۔ فرما دیجئے کہ یہ وقت ہیں لوگوں کے (معاملات) کے لئے اور حج کے واسطے اور نیکی نہیں کہ تم گھروں میں ان کی پشت کی طرف سے آؤ بلکہ نیکی اس کی ہے جو پرہیزگاری کرے اور آؤ گھروں میں ان کے دروازوں کی طرف سے اور اللہ تعالیٰ سے ڈرو تاکہ تم کامیاب ہو جاؤ) یسئلونک عن الہلۃ۔ اہلہ ہلال کی جمع ہے۔ ہلال کو ہلال کہنے کی وجہ یہ ہے کہ وہ اپنی آوازیں چاند دیکھتے وقت بلند کرتے تھے۔

چاند ذریعہ وقت ہے:

قل ہی مواقیت للناس والحج۔ کہہ دیں وہ لوگوں اور حج کے لئے اوقات ہیں۔ یعنی نشان ہیں۔ جن سے لوگ اپنے کھیتوں، تجارت، قرضہ جات، روزے، افطار، عدت، نساء، ایام حیض، مدت حمل وغیرہ کے احکام کا وقت معلوم کرتے ہیں اور حج کے نشان ہیں۔ جن سے حج کے اوقات مقرر ہوتے ہیں۔

طریق انصار:

بعض انصار کا یہ طریقہ تھا کہ جب وہ احرام باندھ لیتے تو وہ کسی دروازے کی طرف سے احاطہ گھر اور نہ ہی کسی خیمہ میں داخل ہوتے۔ اگر وہ کچے مکانات والے ہوتے تو گھر کے کچھلی طرف سوراخ کر کے داخل ہوتے اور گھر سے نکلتے۔ اور اگر خیمے والا ہوتا تو خیمہ کی کچھلی جانب سے نکلتا پس (اس رسم بد کے ازالہ کے لئے) یہ آیت نازل ہوئی۔ ولیس البرکۃ نیکی یہ نہیں کہ گھروں میں کچھلی جانب سے داخل ہو۔ یعنی نیکی نہیں دروازہ سے داخل ہونے میں بتکلف اپنے آپ کو تنگی میں ڈالنا۔

بخوی تحقیق:

البر کے رفع میں یہاں سب کا اتفاق ہے کیونکہ آیت اس جگہ دونوں احتمال رکھتی ہے جیسا کہ ہم نے واضح کیا تھا۔ پس رفع نصب اس جگہ درست ہے مگر اس آیت میں ایک ہی احتمال ہے اور وہ رفع ہے اس لئے کہ لیس کی خبر پر بآء ہی داخل ہوتی ہے ولکن البر لیکن نیکی تو اس شخص کی ہے جس نے تقویٰ اختیار کیا ان چیزوں سے جن کو اللہ تعالیٰ نے حرام قرار دیا۔

اختلاف قراءات:

البیوت کو کسرہ اول کے ساتھ (ابن کثیر) ابن عامر کسائی نے پڑھا اسی طرح اس کے باب العیون۔ الشیوخ وغیرہ میں مگر مدنی۔ بصری، حفص رحمہم اللہ نے البیوت کو ضمہ کے ساتھ اصل ہی پڑھا ہے۔ جیسے کعب کعبوب۔ کسرہ کی وجہ یہ بتائی گئی کہ اس کے بعد بآء آرہی ہے مگر اس سے لازم آتا ہے کہ کسرہ سے ضمہ کی طرف نکلنا لازم ہے۔ اس کے مطابق مطلب یہ ہوا۔ کہ جب جانداروں کے بارے میں انہوں نے سوال کیا اور اس کے نقصان کی حکمت دریافت کی۔ تو ان کو کہا گیا کہ تم بخوبی جانتے ہو کہ اللہ تعالیٰ جو کچھ کرتے ہیں وہ عین حکمت ہے پس یہ سوال ترک کر دو اور غور کرو۔ اس ایک خصلت کے متعلق کہ یہ نیکی میں سے کسی درجہ کی بھی نہیں۔ حالانکہ تم اس کو نیکی خیال کرتے ہو۔ ماقبل سے اس آیت کے تعلق کی یہ وجہ ہے۔ دوسرا قول: یہ بھی ممکن ہے کہ جن چیزوں کا ذکر ہوا یعنی مواقیت حج ان کے لئے بطور استطراد (کلام کو اس انداز سے ذکر کرنا کہ دوسرا کلام خود لازم آجائے) لایا گیا ہو۔ چونکہ یہ ان کے من جملہ افعال حج میں سے تھا۔

تیسرا احتمال: ممکن ہے کہ یہ تمثیل ہو کیونکہ انہوں نے سوال الٹ کیا تو ان کو کہا گیا تمہاری مثال اس میں اس جیسی ہے جیسے کوئی گھر کا دروازہ چھوڑ کر گھر کی پشت سے داخل ہوا ب مطلب یہ ہوا یہ کوئی نیکی نہیں اور نہ تمہیں اس پر قائم رہنا مناسب ہے کہ الٹ سوال کرو۔ لیکن اصل نیکی تو اس کی ہے جو ان چیزوں سے بچا اور اس نے پرہیز کیا۔ اور اس قسم کی جسارت نہ کی۔

افعال الہی میں حکمت:

وَأَتُوا الْبُيُوتَ مِنْ أَبْوَابِهَا۔ آؤ گھروں میں ان کے دروازوں سے یعنی معاملات کو اس طرح اختیار کرو۔ جیسے لازم ہوتے ہیں الٹ مت کرو۔ یا

دوسرا قول: مراد یہ ہے کہ یہ اعتقاد رکھنا لازم ہے کہ اللہ تعالیٰ کے تمام افعال میں حکمت ہے اور درست ہیں ان کے متعلق دل میں

وَقَاتِلُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ الَّذِينَ يُقَاتِلُونَكُمْ وَلَا تَعْتَدُوا ۝

اور اللہ کی راہ میں جنگ کرو ان لوگوں سے جو تم سے جنگ کرتے ہیں، اور زیادتی مت کرو،

إِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِينَ ۝ (۱۹۰) وَاقْتُلُوهُمْ حَيْثُ ثَقِفْتُمُوهُمْ

بے شک اللہ تعالیٰ زیادتی کرنے والوں کو پسند نہیں فرماتا، اور تم ان کو قتل کرو جہاں بھی پالو،

وَأَخْرِجُوهُمْ مِّنْ حَيْثُ أَخْرَجَكُمُ وَالْفِتْنَةُ أَشَدُّ مِنَ الْقَتْلِ ۝

اور نکال دو ان کو جہاں سے انہوں نے تم کو نکالا، اور فتنہ قتل سے بھی زیادہ سخت ہے۔

وَلَا تَقْتُلُوهُمْ عِنْدَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ حَتَّىٰ يُقْتَلُوا فِيهِ ۚ فَإِنْ

اور ان سے جنگ مت کرو مسجد حرام کے پاس جب تک کہ وہ تم سے اس میں خود نہ لڑیں۔ مگر اگر

قَتَلُوكُمْ فَأَقْتُلُوهُمْ ۚ كَذٰلِكَ جَزَاءُ الْكَافِرِينَ ۝ (۱۹۱) فَإِنْ اٰنْتَهَوْا

وہ تم سے جنگ کریں تو تم ان کو قتل کر دو۔ ایسی ہی جزا ہے کافروں کی۔ اگر وہ باز آ جائیں

فَإِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ۝ (۱۹۲) وَقَتِّلُوهُمْ حَتَّىٰ لَا تَكُونَ فِتْنَةٌ

تو اللہ غفور رحیم ہے۔ اور ان سے یہاں تک جنگ کرو کہ فتنہ باقی نہ رہے

وَيَكُونَ الدِّينُ لِلَّهِ فَإِنْ اٰنْتَهَوْا فَلَا عُدُوًّا اِلَّا عَلَى الظَّالِمِينَ ۝ (۱۹۳)

اور ہو جائے دین اللہ ہی کے لئے۔ پس اگر وہ باز آ جائیں تو زیادتی نہیں ہے مگر ظالموں پر۔

کوئی شبہ نہیں لانا چاہیے اور نہ کوئی اعتراض کر کے شک کرنا مناسب ہے بلکہ سوال بھی نہ کرنا چاہیے کیونکہ سوال کے متعلق شک کا قرین ہونے کی وجہ سے اتہام والزام ہے جیسا سورہ انبیاء آیت نمبر ۲۲ میں فرمایا۔ لَا يَسْئَلُ عَمَّا يَفْعَلُ وَهُمْ يُسْئَلُونَ۔ اللہ تعالیٰ جو کچھ کرتے ہیں اس کا سوال نہیں کیا جاسکتا لوگوں سے پوچھا جائے گا۔ وَاتَّقُوا اللَّهَ اور تم اللہ تعالیٰ سے ڈرو۔ ان کے تمام احکام میں جن کا اس نے حکم دیا اور جن سے روکا، لعلکم تفلحون۔ تاکہ تم کامیاب ہو کر سرمدی نعمتوں کو پالو۔

مفہوم آیت میں چار اقوال:

۱۹۰۔ وَقَاتِلُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ الَّذِينَ يُقَاتِلُونَكُمْ وَلَا تَعْتَدُوا۔ إِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِينَ: اور اللہ کی راہ میں جنگ کرو ان لوگوں سے جو تم سے جنگ کرتے ہیں اور زیادتی مت کرو بے شک اللہ تعالیٰ زیادتی کرنے والوں کو پسند نہیں فرماتا۔ وَقَاتِلُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ۔ اللہ کے راہ میں مقاتلہ کا مطلب اعلائے کلمۃ اللہ اور عظمت دین کے لئے جہاد کرنا ہے الذین یقاتلونکم۔ جو تم

سے لڑائی کرتے ہیں نہ ان سے جو کہ باز رہنے والے ہیں اس صورت میں یہ آیت سورۃ التوبہ آیت نمبر ۲۶ قاتلو المشرکین کافۃ سے منسوخ مانی جائے گی۔

دوسرا قول: یہ آیت سب سے پہلی آیت ہے جو قتال کے سلسلہ میں اتری۔ پس رسول اللہ ﷺ اس سے لڑتے جو آپ سے لڑتا اور اس سے ہاتھ روکتے جو لڑائی سے باز رہتا۔

تیسرا قول: جو تم سے لڑائی قائم کرنے والے ہیں یعنی نو جوان نہ وہ جو لڑائی کے قابل نہیں مثلاً بوڑھے بچے رہبان عورتیں۔ چوتھا قول: تمام کفار مراد ہیں کیونکہ وہ تمام ہی مسلمانوں سے لڑائی کا قصد کرنے والے ہیں اور قاصدین مقاتلین کے حکم میں ہیں۔

حد سے نہ بڑھنے کا مطلب:

ولا تعتدوا۔ حد سے نہ بڑھو۔ یعنی قتال میں ابتداء کر کے۔

دوسرا قول: حد سے نہ بڑھوان سے لڑائی کر کے ان سے لڑائی منع کی گئی مثلاً بوڑھے عورتیں وغیرہ تیسرا قول: مثلاً کر کے حد سے نہ بڑھو بے شک اللہ تعالیٰ حد سے بڑھنے والوں کو پسند نہیں کرتے۔

تفسیر آیت ۱۹:

وَأَقْتُلُوهُمْ حَيْثُ ثَقِفْتُمُوهُمْ: (اور ان کو قتل کرو جہاں تم ان کو پاؤ) الثقف کسی چیز کو جلدی پالینا اور اس پر غلبہ حاصل کر لینا۔ یعنی جس جگہ ان کے قتل پر قادر ہو۔

وَأَخْرِجُوهُمْ مِّنْ حَيْثُ أَخْرَجُوكُم: (اور ان کو وہاں سے نکالو۔ جہاں سے انہوں نے تمہیں نکالا) یعنی مکہ سے وعدہ الہی:

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں سے فتح مکہ کا وعدہ فرمایا اور رسول اللہ ﷺ نے اسلام نہ لانے والوں کے ساتھ ایسا سلوک فرمایا۔

فتنہ سے مراد:

وَالْفِتْنَةُ أَشَدُّ مِنَ الْقَتْلِ۔ نمبر ۱۔ فتنہ سے مراد یہاں شرک ہے جو قتل سے عظیم تر ہے یہ قتل ایک وقت میں مسلمانوں کے لئے مباح کر دیئے۔

دوسرا قول: فتنہ سے عذاب آخرت مراد ہے۔

تیسرا قول: وہ مشقت و مصیبت جو انسان پر اترتی ہے اور قتل سے بڑھ کر اس سے سزا پاتا ہے۔

نکتہ: ایک عقل مند سے کسی نے پوچھا۔ ما اشد من الموت موت سے زیادہ سخت کوئی چیز ہے؟ اس نے جواب دیا وہ مصیبت جس میں موت کی تمنا کی جائے۔ تو گویا اخراج عن الوطن کو ان فتن سے قرار دیا جن میں ابتداء کے وقت موت کی تمنا کی جاتی ہے۔

وَلَا تَقْتُلُوهُمْ عِنْدَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ حَتَّى يُقْتَلُوا كُمْ فِيهِ : (ان سے مسجد حرام کے پاس مت لڑو) یعنی حرم میں ان کے ساتھ لڑائی کی ابتداء نہ کرو۔ (یہاں تک کہ وہ ابتداء کریں)۔ عند المسجد سے مراد سارا حرم ہے۔
فَإِنْ قَتَلْتُمْهُمْ فَاقْتُلُوهُمْ : (اگر وہ تم سے لڑیں تو تم ان سے لڑو) حرم میں۔ ہمارے نزدیک اشہر حرم میں بھی قتل نہ کریں گے۔ مگر جب کہ وہ ہمارے ساتھ قتل میں ابتداء کریں۔ پس اس وقت ہم ان کو قتل کریں گے۔ اگرچہ فاقتلوہم حیث ثقتموہم سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کا قتل ہر جگہ مباح ہے لیکن آیت۔ لا تقاتلوہم عند المسجد الحرام سے حرم کی تخصیص ہو گئی۔ سوائے اس صورت کے جس میں وہ ابتداء کریں۔

(تفسیر شرح التاویلات میں اسی طرح مذکور ہے) كَذَلِكَ جَزَاءُ الْكَافِرِينَ (کافروں کی سزا اسی طرح ہے) نحو۔ یہ مبتداء و خبر ہے۔

اختلاف قراءات:

حمزہ اور علی رحمہما اللہ نے اس طرح پڑھا۔ وَلَا تَقْتُلُوهُمْ حَتَّى يُقْتَلُوا كُمْ فَإِنْ قَتَلْتُمْهُمْ

تفسیر آیت ۱۹۲:

فَإِنْ أَنْتَهَوْا : (اگر وہ باز آجائیں) یعنی شرک سے اور قتال سے
فَإِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ : (بے شک اللہ تعالیٰ بخشنے والا ہے) ان تمام سرکشوں کو جو پہلے کی جا چکیں۔
رَحِيمٌ : (مہربان ہے) ان کے ایمان و توبہ کو قبول فرمائے گا۔

۱۹۳۔ وَقَتْلُوهُمْ حَتَّى لَا تَكُونَ فِتْنَةٌ : (ان سے لڑو یہاں تک کہ فتنہ نہ رہے) یعنی شرک

نحوی تحقیق:

یہ کان تامہ ہے اور حتی کئی کے معنی میں ہے یا الٰہی اَنْ کے معنی میں

وَيَكُونُ الدِّينُ لِلَّهِ : (اور دین ہو جائے خالص) اس طرح کہ شیطان کا اس میں کوئی حصہ نہ ہو۔ یعنی اس کے سوا کسی چیز کی عبادت نہ کی جائے۔

ظالم سے مراد:

فَإِنْ أَنْتَهَوْا فَلَا عُدْوَانَ إِلَّا عَلَى الظَّالِمِينَ : (اگر وہ باز آجائیں تو کسی پر زیادتی نہیں سوائے ظالموں کے) یعنی اگر وہ کفر سے باز آجائیں تو ان سے مت لڑو۔ اس لئے کہ زیادتی صرف ظالمین پر ہی ہے اور یہ ایمان کی وجہ سے ظالم نہیں رہے (دوسرا قول: ظالموں کے سوا کسی پر زیادتی نہ کرو۔ جو ظالم باز نہ آنے والے ہوں۔

بلاغت: آیت میں مشاکلہ ہے کہ جزائے ظلم کو ظلم کہہ دیا جس طرح سورہ بقرہ آیت نمبر ۱۹۴ میں فَمَنْ اعْتَدَىٰ عَلَيْكُمْ فَاعْتَدُوا عَلَيْهِ میں بدلہ اعتداء کو اعتداء کہہ دیا گیا ہے۔

الشَّهْرُ الْحَرَامُ بِالشَّهْرِ الْحَرَامِ وَالْحُرُمَتُ قِصَاصٌ ط فَمِنْ اَعْتَدَى

حرمت والا مہینہ حرمت والے مہینہ کے عوض، اور حرمتیں معاوضہ کی چیزیں ہیں، سو جو شخص تم پر کوئی زیادتی

عَلَيْكُمْ فَاَعْتَدُوا عَلَيْهِ بِمِثْلِ مَا اَعْتَدَى عَلَيْكُمْ ۚ وَاتَّقُوا اللَّهَ وَاعْلَمُوا

کرے تو اس پر اتنی ہی زیادتی کرو جتنی زیادتی اس نے تم پر کی ہے۔ اور اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو اور یقین کرو

اَنَّ اللَّهَ مَعَ الْمُتَّقِينَ ۝۱۹۴

کہ اللہ ڈرنے والوں کے ساتھ ہے۔

تفسیر آیت ۱۹۴:

الشَّهْرُ الْحَرَامُ بِالشَّهْرِ الْحَرَامِ وَالْحُرُمَتُ قِصَاصٌ ط فَمِنْ اَعْتَدَى عَلَيْكُمْ فَاَعْتَدُوا عَلَيْهِ بِمِثْلِ مَا اَعْتَدَى عَلَيْكُمْ ۚ وَاتَّقُوا اللَّهَ وَاعْلَمُوا اَنَّ اللَّهَ مَعَ الْمُتَّقِينَ: حرمت والا مہینہ بدلہ میں حرمت والے مہینے کے اور حرمت والی چیزوں میں برابری ہے۔ جو زیادتی کرے تم پر تو تم اس پر زیادتی کرو اسی قدر جتنی اس نے زیادتی کی۔ اور اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو اور یقین کرو اللہ تعالیٰ ڈرنے والوں کے ساتھ ہے۔

۶ھ۔ ذیقعدہ حدیبیہ والے سال مشرکین نے مسلمانوں سے شہر حرام ذوالقعدہ میں لڑائی کی۔ پس عمرۃ القضاء کے ذیقعدہ میں یہ بات کہی گئی۔ لڑائی کو ذیقعدہ کی بناء پر ناپسند کیا تو فرمایا۔ حرمت والا مہینہ بدلہ میں حرمت والے مہینے کے ہے اور اس کی بے حرمتی ان کی بے حرمتی کے بدلے میں ہے۔ یعنی تم اس کی حرمت سے بے پروائی ان کے بے حرمتی کے مقابلہ میں کر رہے ہو۔

وَالْحُرُمَتُ قِصَاصٌ ط حرمت کی اشیاء میں برابری جاری ہوتی ہے جو کسی چیز کی بے حرمتی کرے۔ تو اس حرمت کا اس سے قصاص لیا جائے گا۔ کہ اس کی بے حرمتی کی جائے گی۔ پس جب انہوں نے تمہارے مہینے کی حرمت کو توڑا ہے تو تم بھی ان سے اسی طرح کرو اور کوئی پرواہ نہ کرو۔ اور فَمِنْ اَعْتَدَى عَلَيْكُمْ فَاَعْتَدُوا عَلَيْهِ بِمِثْلِ مَا اَعْتَدَى عَلَيْكُمْ ۚ کہ جو حد سے گزرے۔ پس اس پر اتنی زیادتی کرو۔ جتنی اس نے تم پر کی۔ سے اس کی تائید کر دی۔ مَن شَرَطِيہ ہے اور بآء زائدہ نہیں۔ تقدیر عبارت یہ ہے بعقوبہ مماثلۃ یعنی ایسی سزا جو مماثل ہو اور ان کی عداوت کے پیش نظر تقویٰ اختیار کرو۔

یاباء زائدہ مان لیں۔ تو تقدیر عبارت یہ ہے۔ عدواناً مثل عداوتہم۔ یعنی ایسی زیادتی جو ان کی زیادتی جیسی ہو۔ وَاتَّقُوا اللَّهَ اور اللہ تعالیٰ سے ڈرو۔ اس حالت میں کہ تم زیادتی کرنے والوں پر غلبہ پانے والے ہو۔ پس ان پر ایسی زیادتی نہ کرو۔ جو تمہارے لئے حلال نہ ہو۔

وَاعْلَمُوا اَنَّ اللَّهَ مَعَ الْمُتَّقِينَ۔ اور یقین کر لو بے شک اللہ متقین کے ساتھ ہیں۔ اپنی مدد کے ساتھ (معیت، نصرت و مدد ہی مراد ہے)

مع وَأَنْفِقُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَلَا تُلْقُوا بِأَيْدِيكُمْ إِلَى التَّهْلُكَةِ وَأَحْسِنُوا إِنَّ

اور اللہ کی راہ میں خرچ کرو۔ اور نہ ڈالو اپنے ہاتھوں کو ہلاکت میں، اور خوبی کے ساتھ کام کیا کرو، بے شک

اللَّهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِينَ ۱۹۵

اللہ تعالیٰ خوبی کے ساتھ کام کرنے والوں کو پسند فرماتا ہے۔

تفسیر آیت ۱۹۵:

وَأَنْفِقُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَلَا تُلْقُوا بِأَيْدِيكُمْ إِلَى التَّهْلُكَةِ وَأَحْسِنُوا۔ (اور تم اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کرو۔ اور اپنے ہاتھوں کو ہلاکت میں نہ ڈالو اور نیکی کرو بے شک اللہ نیک لوگوں کو پسند کرتا ہے) وَأَنْفِقُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ اور خرچ کرو اللہ کی رضا مندی میں یہ انفاق جہاد اور دیگر میں عام ہے۔ وَلَا تُلْقُوا بِأَيْدِيكُمْ إِلَى التَّهْلُكَةِ اور تم اپنے نفسوں کو ہلاکت میں مت ڈالو۔ ایدیکم سے مراد نفس ہیں۔ باء زائدہ ہے۔ یا نہ قتل کرو اپنے نفسوں کو اپنے ہاتھوں جیسا عرب کہتے ہیں اهلك فلان نفسہ بیدہ جب کہ وہ اپنے نفس کی ہلاکت کا سبب بنے۔ مطلب یہ ہوا اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کرنے کو ترک کرنے کی ممانعت ہے۔

ترک انفاق ممنوع ہے:

کیونکہ یہ ہلاکت کا سبب ہے یا خرچہ میں فضول خرچی کرے یہاں تک کہ فقیر ہو جائے اور اپنے اہل کو ضائع کر دے۔ یا نفس کو خطرات میں مبتلا کرنا۔ یا غزوہ کے ترک سے ہلاکت میں نہ ڈالو۔ کیونکہ وہ دشمن کی تقویت کا باعث ہے۔ التہلکہ: ہلاک الہلک یہ ایک ہی ہیں۔ واحسنوا: اور نیکی کرو۔ یعنی اس کے بدلے کے متعلق اچھا گمان اللہ پر رکھو۔ ان اللہ يحب المحسنين۔ (بے شک اللہ تعالیٰ نیکی کرنے والوں کو پسند کرتے ہیں) جو محتاجوں کو دیتے ہیں۔

وَأَتِمُّوا الْحَجَّ وَالْعُمْرَةَ لِلَّهِ ۖ فَإِنْ أُحْصِرْتُمْ فَمَا اسْتَيْسَرَ مِنَ الْهَدْيِ ۚ

اور پورا کرو حج اور عمرہ کو اللہ کے لئے پس اگر تم کو روک دیا جائے تو قربانی کا جانور جو میسر ہو ذبح کر دو،

وَلَا تَحْلِقُوا رُءُوسَكُمْ حَتَّىٰ يَبْلُغَ الْهَدْيُ مَحَلَّهُ ۖ فَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ مَّرِيضًا أَوْ بِهِ

اور اپنے سروں کو اس وقت تک نہ مونڈو جب تک کہ قربانی کا جانور اپنی جگہ نہ پہنچ جائے۔ سو جو شخص تم میں سے مریض ہو یا اس کے

أَذًى مِّنْ رَّأْسِهِ فَفِدْيَةٌ مِّنْ صِيَامٍ أَوْ صَدَقَةٍ أَوْ نُسُكٍ ۚ

سر میں تکلیف ہو تو فدیہ دیدے روزوں سے یا صدقہ ۱۰ سے یا قربانی کے جانور سے۔

فَإِذَا أَمِنْتُمْ ۖ فَمَنْ تَمَتَّعَ بِالْعُمْرَةِ إِلَى الْحَجِّ فَمَا اسْتَيْسَرَ مِنَ الْهَدْيِ ۚ فَمَنْ

پھر جب تم امن کی حالت میں ہو سو جو شخص عمرہ کو حج کے ساتھ ملا کر تمتع ہو تو قربانی کا جانور جو میسر ہو ذبح کر دے، سو جو شخص

لَمْ يَجِدْ فَصِيَامُ ثَلَاثَةِ أَيَّامٍ فِي الْحَجِّ وَسَبْعَةٍ إِذَا رَجَعْتُمْ ۖ تِلْكَ عَشْرَةٌ كَامِلَةٌ ۖ

نہ پائے تو تین دن کے روزے ہیں حج میں اور سات دن کے روزے ہیں جب کہ تم لوٹ آؤ۔ یہ پورے دس ہوئے۔

ذَٰلِكَ لِمَنْ لَّمْ يَكُنْ أَهْلُهُ حَاضِرِي الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ وَاتَّقُوا اللَّهَ وَاعْلَمُوا

یہ اس کے لئے ہے جس کے گھر والے مسجد حرام میں حاضر نہ ہوں۔ اور اللہ سے ڈرو، اور جان لو

أَنَّ اللَّهَ شَدِيدُ الْعِقَابِ ۝

کہ بلاشبہ اللہ سخت عذاب والا ہے۔

۱۹۶۔ وَأَتِمُّوا الْحَجَّ وَالْعُمْرَةَ لِلَّهِ فَإِنْ أُحْصِرْتُمْ فَمَا اسْتَيْسَرَ مِنَ الْهَدْيِ وَلَا تَحْلِقُوا رُءُوسَكُمْ حَتَّىٰ يَبْلُغَ الْهَدْيُ مَحَلَّهُ ۚ فَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ مَّرِيضًا أَوْ بِهِ أَذًى مِّنْ رَّأْسِهِ فَفِدْيَةٌ مِّنْ صِيَامٍ أَوْ صَدَقَةٍ أَوْ نُسُكٍ فَإِذَا أَمِنْتُمْ فَمَنْ تَمَتَّعَ بِالْعُمْرَةِ إِلَى الْحَجِّ فَمَا اسْتَيْسَرَ مِنَ الْهَدْيِ ۚ فَمَنْ لَمْ يَجِدْ فَصِيَامُ ثَلَاثَةِ أَيَّامٍ فِي الْحَجِّ وَسَبْعَةٍ إِذَا رَجَعْتُمْ ۖ تِلْكَ عَشْرَةٌ كَامِلَةٌ ۚ ذَٰلِكَ لِمَنْ لَّمْ يَكُنْ أَهْلُهُ حَاضِرِي الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ وَاتَّقُوا اللَّهَ وَاعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ شَدِيدُ الْعِقَابِ: (اور تم پورا کرو اللہ تعالیٰ کیلئے حج اور عمرہ کو پھر اگر تم روک لئے جاؤ۔ تو جو کچھ ہو سکے قربانی معین سے اور نہ منڈواؤ اپنے سر یہاں تک کہ ہدی اپنے ٹھکانہ پر پہنچ جائے پھر جو کوئی تم میں سے بیمار ہو یا اس کو تکلیف ہو سر کی تو اس پر بدلہ لازم ہے روزہ یا خیرات ہدی میں سے پس جب تم امن میں ہو جاؤ۔ تو جو شخص نفع اٹھائے عمرہ کا حج کے ساتھ ملانے کا تو جو کچھ میسر ہو ہدی میں سے۔ پس جو شخص ہدی نہ پائے پس وہ حج کے دنوں میں تین دن کے روزے رکھے اور سات جب تم لوگوں۔ یہ دس دن مکمل ہوئے یہ حکم اس کیلئے

ہے جس کے گھر والے مسجد حرام کے پاس موجود نہیں۔ اللہ تعالیٰ سے ڈرو۔ اور یقین کرو بے شک اللہ سخت بدلہ لینے والے ہیں۔
وَاتِمُّوا الْحَجَّ وَالْعُمْرَةَ لِلّٰهِ: اور پورا کرو حج و عمرہ اللہ تعالیٰ کے لئے یعنی ان کی ادائیگی ان کی شرائط کے ساتھ اور فرائض کے ساتھ
اللہ تعالیٰ کے لئے پوری کرو۔ بغیر کسی نقص اور سستی کے اور یہ بھی کہا گیا۔ تکمیل تو شروع کرنے کے بعد ہے اور یہ اس بات کی دلیل
ہے کہ جس نے ان دونوں کو شروع کیا۔ اس پر ان کی تکمیل لازم ہے اور یہی ہم کہتے ہیں کہ عمرہ شروع کرنے سے لازم ہو جاتا ہے
پس اس آیت میں لزوم عمرہ کے لئے امام شافعیؒ کے لئے کوئی موقع استدلال کا نہ رہا۔ کیونکہ یہاں تو تکمیل کا حکم ہے اور
واجب و نوافل دونوں کی تکمیل کا بھی حکم دیا جاتا ہے۔

تکمیل کا حکم:

یا ان کا اتمام یہ ہے کہ اپنے گھر سے ان کا احرام باندھے۔

یا ان دونوں کے لئے الگ الگ سفر کرے۔

یا ان دونوں میں حلال مال خرچ کرے۔

یا ان دونوں کی ادائیگی کے ساتھ تجارت نہ کی جائے۔

احصار کا مفہوم:

فَاِنْ اُحْصِرْتُمْ: اگر تم روک دیئے جاؤ۔ عرب کہتے ہیں۔ احصر فلان۔ جبکہ اس کو کچھ خوف یا مرض یا عاجزی نے روک دیا۔
وحصر۔ جب دشمن جانے سے روک دے۔ ہمارے نزدیک احصار ہر رکاوٹ خواہ وہ دشمن یا بیماری یا ان کے علاوہ کسی بھی چیز
سے پیش آجائے ظاہر نص سے یہی معلوم ہوتا ہے۔

حدیث میں آیا ہے کہ من کسرا و عرج فقد حل کہ جس کی ہڈی ٹوٹ گئی یا لنگڑا ہو گیا اس کیلئے جائز ہے کہ وہ حلال ہو
اور اس پر آئندہ سال حج ہے۔ (ابوداؤد و ترمذی) امام شافعیؒ کے نزدیک احصار صرف دشمن سے ہے اور ظاہر نص دلالت کر رہی ہے
کہ احصار عمرہ کے دوران بھی واقع ہو سکتا ہے کیونکہ دونوں کے بعد ذکر کیا گیا ہے۔ فَمَا اسْتَيْسَرَ مِنَ الْهَدْيِ (جو ہدی میسر ہو) عرب
کہتے ہیں یسر الامر و استیسر۔ اس کو میسر ہوا جیسا کہ صعب و استصعب بولتے ہیں۔ مجرد و مزید دونوں کا ایک ہی معنی ہے
الہدی ہدیہ کی جمع ہے یعنی اگر بیت اللہ کی طرف جانے سے تم روک دیئے جاؤ اس حالت میں کہ تم حج کا احرام باندھنے والے ہو یا عمرہ
کا پس تم بر لازم ہے کہ جب تم ان سے حلال ہونے کا ارادہ کرو۔ تو جو ہدی میسر ہو خواہ اونٹ یا گائے یا بکری (وہ دیکر حلال ہو جاؤ)

مَنْحَوْ: مایہ مبتدا ہونے کی وجہ سے مرفوع ہے تقدیر عبارت فعلیکم ما استیسر ہے یا منصوب ہے تقدیر عبارت فاھدوا ما استیسر۔

مقام ذبح کونسا ہے؟

وَلَا تَحْلِقُوا رُءُوسَكُمْ حَتّٰی يَبْلُغَ الْهَدْيُ مَحِلَّهُؕ (اور تم سر نہ منڈواؤ یہاں تک کہ ہدی اپنے حلال ہونے کی جگہ کو پہنچ جائے)
اس میں ان لوگوں کو خطاب کیا جن کو روک لیا گیا ہو۔ یعنی سر منڈا کر حلال نہ ہو یہاں تک کہ تمہیں معلوم ہو جائے کہ وہ ہدی جو تم
نے حرم روانہ کی ہے وہ اپنے مقام ذبح پر پہنچ چکی ہے وہ مقام جہاں اس کا نحر کرنا ضروری ہے اور وہ حرم ہے۔

مَسْئَلَةٌ: یہ آیت ہماری دلیل ہے کہ دم احصار حرم میں ہی ذبح ہوگا۔

امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک غیر حرم میں بھی اس کا ذبح کرنا درست ہے۔
 فَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ مَّرِيضًا (پس جو تم میں سے بیمار ہو) جس شخص کو تم میں سے ایسی بیماری ہو جس سے حلق کی ضرورت پڑ جائے۔
 أَوْ بِهِ أَذًى مِّن رَّأْسِهِ (اس کو سر کی تکلیف ہو۔ یعنی جوئیں پڑ جائیں۔ یا زخم ہو جائے۔
 فَقَدِيَّةٌ) (توفد یہ ہے) یعنی اس کے ذمہ فدیہ ہے اگر وہ سر منڈوا دے۔
 مِّن صِيَامٍ (روزوں سے) یعنی تین دن کے روزے۔ أَوْ صَدَقَةٍ (یا صدقہ) یعنی چھ مسکین پر صدقہ جبکہ ہر مسکین کو نصف
 صاع گندم کا دیا جائے۔
 أَوْ نُسُكٍ (یا قربانی) یعنی بکری نسک مصدر ہے یا جمع نسیکۃ ہے۔
 فَإِذَا أَمِنْتُمْ (جب تم امن میں ہو جاؤ۔ یعنی احصار سے یعنی احصار نہ ہو اور تم حالت امن و سلامتی میں ہو۔

نفع اٹھانا کیا ہے؟

فَمَنْ تَمَتَّعَ (فائدہ اٹھایا جس نے بِالْعُمْرَةِ إِلَى الْحَجِّ) (عمرہ کو حج سے ملانے کا) اس کا نفع اٹھانا عمرہ کے ساتھ وقت حج میں یہ
 ہے کہ اس کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے قرب کا فائدہ حاصل کر لیا۔ حج کے تقرب سے پہلے اور یہ بھی کہا گیا کہ نفع اٹھانا یہ ہے کہ جب وہ
 عمرہ سے حلال ہو گیا تو اس نے نفع اٹھایا یا اس چیز کو اپنے لئے مباح کر کے جو اس پر احرام حج کی تکمیل تک حرام تھی۔ اب حج کے
 احرام باندھنے تک حلال رہے گی۔
 فَمَا اسْتَيْسَرَ مِنَ الْهَدْيِ (پس جو ہدی میسر ہو) یہ ہدی متعہ ہے یہ دم نسک یعنی شکرانہ ہے اس لئے اس کا گوشت کھایا جائے گا اور
 یوم نحر کو ذبح کریں گے۔

ہدی کے بدلے دس روزے:

فَمَنْ لَّمْ يَجِدْ (پس جو شخص نہ پائے) یعنی ہدی۔ فَصِيَامُ ثَلَاثَةِ أَيَّامٍ فِي الْحَجِّ۔ پس وہ تین دن کے روزے رکھے حج میں یعنی
 اس کے ذمہ تین دن کے روزے ہیں۔ حج کے ایام میں اور وہ اس کے مہینے میں جو دونوں احراموں کے درمیان ہونگے احرام عمرہ
 اور احرام حج۔ وَسَبْعَةٌ إِذَا رَجَعْتُمْ (اور سات جب تم لوٹو) یعنی جب تم سفر کر لو اور افعال حج سے فارغ ہو جاؤ۔ (خواہ مکہ میں ہو یا
 گھر پہنچ کر) تِلْكَ عَشْرَةٌ كَامِلَةٌ (یہ دس پورے ہوئے) یعنی یہ دس روزے ہدی کے بدلے میں پورے ہیں۔ یا ثواب میں
 پورے ہیں۔ یا واو یہاں اس ابہام کو دور کرنے کے لئے لائے کہ واؤ کو یہاں اباحت کے لئے نہ سمجھ لیا جائے جیسا کہ اس مثال
 میں ہے جالس الحسن وابن سیرین۔ اب اس مثال میں دونوں کے پاس بیٹھنا یا ایک کے پاس بیٹھنے میں وہ تکمیل حکم کرنے
 والا ہوگا۔

ذَلِكَ: سے تمتع کی طرف اشارہ کیا اس لئے کہ مسجد حرام کے پاس رہنے والوں کے لئے تمتع و قرآن ہمارے نزدیک جائز نہیں۔ عند
 الشافعی رحمہ اللہ۔ یہ اشارہ اس حکم کی طرف ہے جو وجوب ہدی صیام ہے حالانکہ ان پر کوئی چیز واجب نہیں۔

لِمَنْ لَّمْ يَكُنْ أَهْلُهُ حَاضِرِي الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ (یہ اس کے لئے ہے جس کے گھر والے مسجد حرام کے پاس موجود نہ ہوں) وہ

الْحَجُّ أَشْهُرٌ مَّعْلُومَاتٌ ۖ فَمَنْ فَرَضَ فِيهِنَّ الْحَجَّ فَلَا رَفَثَ وَلَا فُسُوقَ ۚ

حج کا وقت چند مہینے ہیں جو معلوم ہیں، سو جس شخص نے ان میں حج کو اپنے ذمہ لازم کر لیا تو نہ کوئی فحش بات ہے نہ فسوق ہے

وَلَا جِدَالَ فِي الْحَجِّ ۚ وَمَا تَفَعَّلُوا مِنْ خَيْرٍ يَعْلَمُهُ اللَّهُ ۚ

نہ کسی قسم کا جھڑپا ہے۔ اور جو بھی کوئی نیک کام کرے تو اللہ تعالیٰ اس کو جانتا ہے

وَتَزَوَّدُوا فَإِنَّ خَيْرَ الزَّادِ التَّقْوَىٰ وَاتَّقُونِ يَا أُولِيَ الْأَلْبَابِ ﴿۱۹۷﴾

اور زاد راہ ساتھ لے لیا کرو چونکہ بہتر زاد راہ و پکار ہنا ہے اور اے عقل والو! مجھ سے ڈرتے رہو۔

لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ أَنْ تَبْتَغُوا فَضْلًا مِنْ رَبِّكُمْ ۚ فَإِذَا أَفَضْتُمْ

تم پر اس میں کوئی گناہ نہیں کہ معاش تلاش کرو جو تمہارے رب کی طرف سے ہے۔ پھر جب

مَنْ عَرَفْتُمْ فَإِذَا ذُكِّرُوا بِاللَّهِ عِنْدَ الْمَشْعَرِ الْحَرَامِ وَادْكُرُوهُ

تم عرفات سے واپس ہو تو اللہ کو یاد کرو مشعر حرام کے نزدیک۔ اور اس کو یاد کرو

كَمَا هَدَيْتُكُمْ وَإِنْ كُنْتُمْ مِنْ قَبْلِهِ لَمَنِ الضَّالِّينَ ﴿۱۹۸﴾

جیسا کہ اس نے تمہیں ہدایت دی ہے۔ اور حقیقت میں بات یہ ہے کہ تم اس سے پہلے گمراہ ناواقف تھے۔

ثُمَّ أَفِضُوا مِنْ حَيْثُ أَفَاضَ النَّاسُ وَاسْتَغْفِرُوا اللَّهَ ۚ إِنَّ اللَّهَ

پھر تم اسی جگہ سے واپس آؤ جہاں سے دوسرے لوگ واپس آئیں، اور اللہ سے مغفرت طلب کرو، بلاشبہ اللہ تعالیٰ

غَفُورٌ رَحِيمٌ ﴿۱۹۹﴾

غفور ہے، رحیم ہے۔

اہل موافقت پھر وہ جوان کے علاوہ ہیں مکہ تک۔ وَاتَّقُوا اللَّهَ (اور تم اللہ سے ڈرو) ان احکام میں جن کا اس نے تمہیں حکم دیا اور جن سے حج وغیرہ کے سلسلہ میں روک دیا۔ وَاعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ شَدِيدُ الْعِقَابِ (اور یقین کر لو کہ بے شک اللہ تعالیٰ سخت بدلہ لینے والے ہیں ان سے جو اس سے نہ ڈرے)

آیت - ۱۹۷: الْحَجُّ أَشْهُرٌ مَّعْلُومَاتٌ فَمَنْ فَرَضَ فِيهِنَّ الْحَجَّ فَلَا رَفَثَ وَلَا فُسُوقَ وَلَا جِدَالَ فِي الْحَجِّ وَمَا تَفَعَّلُوا مِنْ خَيْرٍ يَعْلَمُهُ اللَّهُ وَتَزَوَّدُوا فَإِنَّ خَيْرَ الزَّادِ التَّقْوَىٰ وَاتَّقُونِ يَا أُولِيَ الْأَلْبَابِ لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ أَنْ

تَبْتَغُوا فَضْلًا مِّن رَّبِّكُمْ فَإِذَا أَفْضْتُمْ مِّنْ عَرَفْتٍ فَادْكُرُوا اللَّهَ عِندَ الْمَشْعَرِ الْحَرَامِ وَاذْكُرُوا كَمَا هَدَاكُمْ وَإِنْ كُنْتُمْ مِّنْ قَبْلِهِ لَمَنِ الضَّالِّينَ۔ ثُمَّ أَفِيضُوا مِّنْ حَيْثُ أَفَاضَ النَّاسُ وَاسْتَغْفِرُوا اللَّهَ إِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَّحِيمٌ: (حج کے مہینے مقرر ہیں پس جو شخص لازم کرے اپنے اوپر حج کو نہ وہ عورت کے پاس جائے اور نہ کوئی گناہ کا کام کرے اور نہ وہ جھگڑا کرے حج میں اور جو کچھ تم نیکی کرو گے اللہ تعالیٰ اس کو جانتے ہیں اور زادِ راہ لے لو پس بے شک بہترین زادِ راہ تقویٰ ہے اور مجھ سے ڈرو۔ اے عقل والو! تم پر کچھ گناہ نہیں کہ تم تلاش کرو فضل (یعنی) رزق اپنے پروردگار کا۔ پس جب تم عرفات سے لوٹو پس اللہ تعالیٰ کو یاد کرو مشعر حرام کے پاس اور اس کو یاد کرو جیسا اس نے تمہیں بتایا اور بے شک تم تھے اس سے پہلے گمراہوں میں پھر تم لوٹو جہاں سے دوسرے لوگ لوٹیں۔ اور اللہ تعالیٰ سے معافی طلب کرو۔ بے شک اللہ تعالیٰ بخشنے والا ہے)

الْحَجَّ: سے مراد وقت حج ہے جیسے کہتے ہیں: البرد شہران۔ سردی کا وقت دو مہینے۔ اَشْهُرٌ مَّعْلُومَاتٌ معلومات سے مراد لوگوں کے ہاں معروف اور جانے پہچانے۔ جن کا لوگوں کو پہچانا مشکل نہیں وہ شوال، ذوالقعدہ اور دس دن ذوالحجہ کے ہیں۔

فائدہ توقیت:

ان مہینوں کو حج کے لئے مقرر کرنے کا فائدہ یہ ہے کہ کوئی فعل حج ان مہینوں کے علاوہ ادا نہیں ہو سکتا۔ حتیٰ کہ امام شافعیؒ کے نزدیک تو احرام بھی منعقد نہیں ہو سکتا۔ ہمارے نزدیک اگر پہلے باندھ لیا۔ کراہیت کے ساتھ منعقد ہو جائے گا۔ الاشہر۔ جمع لائے کیونکہ دو ماہ مکمل اور تیسرے کا کچھ حصہ ہے یا یہ اسم جمع ہے اور اسم جمع واحد کے بعد سب کو شامل ہوتا ہے اس کی دلیل سورۃ التحریم آیت نمبر ۴ فقد صغت قلوبکمما ہے۔

کہ قلوب جمع لائے دو کے لئے۔ فَمَنْ فَرَضَ جَسَ نے فرض کیا۔ یعنی احرام سے اپنے اوپر لازم کر لیا۔ فِیْہِنَّ الْحَجَّ۔ ان مہینوں میں حج کو۔ فَلَا رَفَثَ۔ وہ نہ جماع کرے۔ رفث جماع کو کہتے ہیں یا تذکرہ جماع عند النساء یا فحش کلام۔

فسوق کی وضاحت:

وَلَا فُسُوقٌ۔ نہ گناہ کرے۔ فسوق سے مراد گناہ یا گالم گلوچ ہے اس لئے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: سباب المؤمن فسوق (بخاری) مؤمن کو گالم گلوچ کرنا فسق ہے یا برے القاب سے یاد کرنا۔ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا سورۃ الحجرات۔ آیت نمبر ۱۱۔ بنس الاسم الفسوق کہ فسق والا نام بہت برا ہے۔

وَلَا جِدَالَ فِی الْحَجِّ اور نہ جھگڑا کرے حج میں۔ یعنی نہ جھگڑے رفقاء کے ساتھ اور نہ خدام اور جانور ہنکانے والوں کے ساتھ۔

ایک سوال کا جواب:

سوال: حج میں ان سے اجتناب کا حکم دیا حالانکہ ان سے ہر حال میں بچنا واجب ہے۔

جواب: حج کے ساتھ تو یہ اور زیادہ عیب والے اور برے ہیں۔ جیسا کہ نماز میں ریشم پہننا قرآن مجید کی قراءت نفی سے مراد یہاں ان کے انتفاء کا لازم ہونا ہے کہ وہ بالکل نہ پائے جائیں۔

اختلاف قراءت:

ابو عمرو اور کی نے پہلے دو فلا رفت ولا فسوق پڑھا اور دونوں کو نبی پر محمول کیا۔ گویا یوں کہا فلا یكونن رفت ولا فسوق۔ کہ ہرگز جماع و فسوق نہ کرو۔ اور تیسرے ولا جدال کو نصب سے پڑھا۔ خبر کے معنی میں۔ جدال کی نفی کی گویا اس طرح کہا لا شک ولا خلاف فی الحج۔ یعنی اس میں شک اور نزاع نہیں کہ حج ذوالحجہ میں قرار پکڑ گیا۔ (جیسا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا ہے) (اس میں اختلاف مت کرو) برائیوں سے روک کر پھر خیر پر ابھارا کہ وہ برائی کی جگہ اچھا کام کریں۔ اور برے اعمال کی جگہ برو تقویٰ اختیار کریں اور جدال کی جگہ موافقت اور اخلاق جمیلہ کا مظاہرہ کریں۔ چنانچہ فرمایا: وَمَا تَفْعَلُوا مِنْ خَيْرٍ يَعْلَمُهُ اللّٰهُ اور جو بھی تم بھلائی کا کام کرو اللہ تعالیٰ اس کو جانتے ہیں اور تم یقین کر لو کہ اللہ تعالیٰ ان افعال کو جاننے والے ہیں۔ وہ ان پر بدلہ عنایت فرمائیں گے۔

مَسْئَلَةٌ: اس آیت میں ان لوگوں کی تردید ہے جو اللہ تعالیٰ کے بارے میں اس بات کے قائل ہیں کہ اس کو جزئیات کا (نعوذ باللہ) علم نہیں۔

شان نزول: اہل یمن جب حج و عمرہ کے لئے جاتے تو زاد سفر ساتھ نہ لیتے۔ بلکہ کہتے ہم تو متوکل ہیں۔ پس وہ لوگوں پر بوجھ بنتے۔ تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت اتاری۔ وَتَزَوَّدُوا۔ تم زاد راہ لے لیا کرو۔ لوگوں سے کھانا مانگنے اور تنگ کرنے سے بچو۔ اور ان پر بوجھ نہ بنو۔

بہترین زاد راہ:

فَإِنَّ خَيْرَ الزَّادِ التَّقْوَىٰ۔ پس بہترین زاد راہ تقویٰ ہے۔ یعنی لوگوں کو تنگ کرنے اور ان پر بوجھ بننے سے بچنا۔ دوسرا قول: آخرت کے لئے زاد راہ لو اپنے آپ کو محظورات احرام و حج سے بچاؤ اس لئے کہ بہترین آخرت کا زاد ممنوعات سے بچنا ہے۔ وَاتَّقُوا اور میری سزا سے بچو۔ یہ دعان کی طرح ہے۔

قراءت: ابو عمرو نے وصل کی حالت میں یا، کے ساتھ پڑھا ہے اور بقیہ تمام قراء نے وصل و وقف میں حذف یا، سے پڑھا ہے۔ یَاُولٰٓئِی الْاَلْبَاب۔ (اے عقل والو) یعنی تقاضہ عقل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا تقویٰ اختیار کرے اور جو شخص عقل والا ہو کر اس سے نہیں ڈرتا وہ گویا عقل سے خالی ہے۔

شان نزول: ان لوگوں کے متعلق اتری۔ جن کا خیال یہ تھا کہ اونٹ والے اور تاجر پر حج نہیں۔ اور وہ کہا کرتے: هُوَ لَاءِ الدَّاجِ وَلِيسُوا بِالْحَاجِّ۔ کہ یہ معاون ہیں حاجی نہیں۔ تو اللہ تعالیٰ نے نازل فرمایا۔

حج میں تجارت ممنوع نہیں:

۱۹۸: لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ اَنْ تَبْتَغُوا فَضْلًا مِّنْ رَبِّكُمْ (کہ تم پر کوئی گناہ نہیں کہ تم تلاش کرو فضل اپنے رب کا) یعنی حج کے ایام میں روزی جو فضل و عطیہ خداوندی ہے اس کی تلاش میں کوئی حرج نہیں۔ فضل سے مراد نفع یا تجارت ہے۔

فَاِذَا اَفْضُتُمْ مِّنْ عَرَفَاتٍ: (جب تم عرفات سے لوٹو۔) یہ افاضۃ الماء سے ہے۔

پانی کا زور سے بہنا۔ اور اصل اس طرح ہے افضتم انفسکم۔ مفعول کو ترک کر دیا گیا یعنی جب تم کثرت سے چلاؤ۔ اپنے آپ کو اور لوٹو۔

عرفات جمع ہے:

عرفات۔ یہ موقف حج کا نام ہے یہ نام جمع ہی ہے۔ جیسے اذرعات۔ اور یہ منصرف ہے۔ کیونکہ اس میں تاء تانیث کی نہیں۔ بلکہ الف کے ساتھ یہ جمع مؤنث کی علامت ہے (واحد اس کا عرفۃ ہے)

وجہ تسمیہ: اس کا نام عرفات اس لئے رکھا گیا کہ ابراہیم علیہ السلام کو اس کی نشان دہی کی گئی تو انہوں نے اس جگہ کو جو نبی دیکھا پہلی نظر میں پہچان لیا۔

دوسرا قول: اس میں آدم علیہ السلام و حوا علیہما السلام کی ملاقات ہوئی تو انہوں نے ایک دوسرے کو پہچان لیا۔

دلیل فرضیت عرفات:

مَسْئَلَةٌ: اس میں دلیل ہے کہ وقوف عرفات فرض ہے کیونکہ افاضۃ ٹھہرنے کے بعد ہوتا ہے۔

فَاذْكُرُوا اللّٰهَ: (پس تم اللہ تعالیٰ کو یاد کرو) یعنی تلبیہ اور لا الہ الا اللہ اور حمد و ثناء اور دعا کے ساتھ۔ یا نماز مغرب و عشاء پڑھ کر۔

مشعر حرام کو جمع کہنے کی وجہ:

عِنْدَ الْمَشْعَرِ الْحَرَامِ: (مشعر حرام کے پاس) اور یہ قزح ہے یعنی وہ پہاڑ ہے جس پر امام وقوف کرتا ہے اور اس پر میقدہ بطور علامت ہے۔ المشعر۔ علامت اور نشان کیونکہ وہ عبادت کے مقامات میں سے ہے۔ الحرام۔ اس کو حرام حرمت (بمعنی روکنا) حرم میں جو چیزیں ممنوع ہیں وہ اس میں بھی ممنوع ہیں۔ یا عظمت کی وجہ سے کہہ دیا۔ یا مشعر حرام مزدلفہ ہے اس کو مزدلفہ اور جمع کہنے کی وجہ یہ ہے کہ آدم علیہ السلام و حوا علیہما السلام کے ساتھ یہاں جمع ہوئے اور ان کے قریب ہوئے۔ یا یہاں دو نمازیں جمع کی جاتی ہیں یا یہاں وقوف کر کے لوگ اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کرتے ہیں۔

وَ اذْكُرُوْهُ كَمَا هَدٰكُمْ: (اور اس کو یاد کرو جیسا اس نے تمہاری راہنمائی کی) مَّا مصدر یہ ہے یا کافہ ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ کو اچھی طرح یاد کرو۔ جیسا اس نے تمہیں سکھایا۔ کہ کیسے تم نے اس کو یاد کرنا ہے اور اس سے عدول نہ کرو۔

وَ اِنْ كُنْتُمْ مِّنْ قَبْلِهٖ: (اگرچہ تم اس ہدایت سے پہلے)

ان مخففہ:

لَمِنَ الضَّالِّیْنَ: (البتہ جاہلوں میں سے تھے) اور تم نہیں جانتے تھے کہ کس طرح اللہ کی عبادت اور اس کا ذکر کرنا ہے۔ ان یہ مخففہ من المثلثہ ہے۔ اور لام اس کے بعد فارقہ ہے۔

فَإِذَا قُضِيَتْ مَنَاسِكُكُمْ فَادْكُرُوا اللَّهَ كَذِكْرِكُمْ آبَاءَكُمْ أَوْ أَشَدَّ ذِكْرًا ۚ

سو جب تم پورا کر لو اپنے حج کے کاموں کو سو اللہ کو یاد کرو، جیسے تم اپنے باپ دادوں کا ذکر کرتے رہے ہو، بلکہ اس سے بھی زیادہ بڑھ کر ذکر کرو،

فَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَقُولُ رَبَّنَا آتِنَا فِي الدُّنْيَا وَمَالَهُ فِي الْآخِرَةِ مِنْ

سو بعض لوگ ایسے ہیں جو کہتے ہیں کہ اے ہمارے رب ہم کو دنیا میں دے دیجئے، اور ایسے لوگوں کے لئے آخرت میں

خَلَاقٍ ۚ وَمِنْهُمْ مَّنْ يَقُولُ رَبَّنَا آتِنَا فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً وَفِي الْآخِرَةِ حَسَنَةً

کوئی حصہ نہیں، اور بعض لوگ ایسے ہیں جو کہتے ہیں کہ اے ہمارے رب ہم کو دنیا میں بہتری عطا فرمائیے، اور آخرت میں بہتری عنایت کیجئے

وَقِنَا عَذَابَ النَّارِ ۚ أُولَٰئِكَ لَهُمْ نَصِيبٌ مِّمَّا كَسَبُوا ۗ وَاللَّهُ سَرِيعُ الْحِسَابِ ۚ

اور ہم کو دوزخ کے عذاب سے بچائیے۔ یہ لوگ ایسے ہیں کہ ان کے لئے بڑا حصہ ہے ان کے اعمال کی وجہ سے اور اللہ جلدی حساب لینے والا ہے

تفسیر آیت ۱۹۹:

ثُمَّ أَفِيضُوا مِنْ حَيْثُ أَفَاضَ النَّاسُ : (پھر تم لوٹو جہاں سے ہو کر لوٹیں لوگ) صرف مزدلفہ سے ہی مت لوٹو۔ کہا گیا کہ یہ قریش کو عرفات سے ہو کر مزدلفہ آنے کا حکم دیا۔ کیونکہ وہ مزدلفہ میں ٹھہرتے جبکہ بقیہ تمام لوگ عرفات میں جاتے۔ اور کہتے ہم تو حرم کے باشندے ہیں۔ ہم حرم سے نہ نکلیں گے۔

افاضہ کا معنی:

دوسرا قول: افاضہ عرفات تو مذکور ہے یہاں سے مراد مزدلفہ سے منیٰ کو لوٹنا ہے۔ اس صورت میں الناس سے مراد قریش ہوں گے۔ اور خطاب عام افيضوا کا مؤمنین کو ہوگا۔

حمس: یہ قریش کا لقب تھا۔ کیونکہ وہ اپنے دین میں مضبوط اور متشدد تھے۔

معافی مانگو:

وَاسْتَغْفِرُوا اللَّهَ ۖ (اور اللہ تعالیٰ سے معافی مانگو) جو تم نے موقف میں آج تک مخالفت کی۔ اسی طرح جاہلیت کے دیگر اعمال۔ یا اعمال حج میں اپنی کوتاہی پر اللہ تعالیٰ سے معافی مانگو اور استغفار کرو۔

إِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَّحِيمٌ (بے شک اللہ غفور رحیم ہیں) تم پر

تفسیر آیت ۲۰۰:

فَإِذَا قُضِيَتْ مَنَاسِكُكُمْ (جب تم اپنے افعال حج پورے کر چکو) جن کا تمہیں حکم دیا گیا حج میں اور وہاں سے کوچ کرو۔

فَاذْكُرُوا اللَّهَ كَذِكْرِكُمْ آبَاءَكُمْ: (تو اللہ تعالیٰ کو یاد کرو جس طرح تم اپنے آباء کو یاد کرتے تھے) یعنی کثرت سے اللہ تعالیٰ کا ذکر کرو۔ اور اس میں مبالغہ کرو۔ جس طرح اپنے آباء کے تذکرہ میں مبالغہ کرتے تھے اور ان کے مفاخر اور ان کے واقعات زندگی بیان کرتے تھے۔

طریقہ جاہلیت:

جب وہ حج کے افعال ادا کر لیتے تو مسجد منیٰ اور پہاڑ کے درمیان ٹھہرتے اور اپنے آباء کے فضائل و محاسن اور ان کے کارنامے بیان کرتے۔

طریقہ جاہلیت:

أَوْ أَشَدَّ ذِكْرًا: (بلکہ اس سے بھی بڑھ کر)

مُخَفَّرٌ: یہ کد کر کم پر عطف کی وجہ سے موضع جر میں ہے جیسا کہتے ہیں۔ کد کر قریش آباء ہم۔ یا قوم اشد منہم ذکر۔ اس صورت میں ذکر آتمیز ہے۔ یعنی ایسی قوم کی طرح یاد کرو۔ جو ان سے زیادہ یاد کرنے والی ہو۔ فَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَقُولُ۔ (پس بعض لوگ ایسے ہیں جو کہتے ہیں ان لوگوں میں سے) جو حج میں حاضر ہو کر اللہ تعالیٰ سے دنیا کی لذات مانگتے ہیں اور اس طرح کہتے ہیں۔

دُنیا کے طالب:

رَبَّنَا آتِنَا فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً وَفِي الْآخِرَةِ خَيْرًا: (اے ہمارے رب ہمارا عطیہ دنیا کے ساتھ خاص کر دے۔ ایسے لوگوں کے لئے آخرت میں کوئی حصہ نہیں) یعنی مالدار کی مرتبہ وغیرہ کیونکہ ان کا مقصد دنیا کے گرد ہے اس لئے کہ وہ آخرت کے انکاری ہیں۔ مطلب یہ ہوا کہ اے حجاج تم اللہ تعالیٰ کا خوب ذکر کرو اور اس سے دعا کرو۔ کیونکہ لوگ کوتاہی کرنے والے ہیں۔ جو اللہ تعالیٰ کی یاد سے سوائے اغراض دنیا کے اور کچھ نہیں چاہتے۔ اور کچھ لوگ کثرت والے ہیں جو ان دونوں جہاں کی خیر مانگتے ہیں۔ پس تم ان کثرت والوں میں سے بنو جن کے بارے میں جو کہا گیا وہ آگے آتا ہے۔

۲۰۱۔ وَمِنْهُمْ: (اور ان لوگوں میں سے) جو حج میں حاضر ہوتے ہیں بعض ایسے ہیں جو قَوْلُ رَبَّنَا آتِنَا فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً (کہتے ہیں اے ہمارے رب ہمیں دنیا میں بھلائی عنایت فرما) حسنة سے مراد نعمت اور عافیت یا علم و عبادت۔

آخرت کی بھلائی:

وَفِي الْآخِرَةِ حَسَنَةً: (اور آخرت میں بھلائی) یعنی معافی و مغفرت یا مال اور جنت یا تعریف خلق اور رضائے حق یا ایمان و امان یا خلاص و خلاص جہنم یا سنت و جنت یا قناعت و شفاعت یا نیک عورت اور حور العین یا سعادت والی زندگی اور بشارت والی بعثت۔

نار سے مراد:

وَقَفْنَا عَذَابَ النَّارِ: (اور تو ہمیں عذاب سے بچا) تو جہنم کے عذاب سے ہماری حفاظت فرما۔ یا عذاب نار سے یا بری عورت سے

وَاذْكُرُوا اللَّهَ فِي أَيَّامٍ مَّعْدُودَاتٍ ۖ فَمَنْ تَعَجَّلَ فِي يَوْمَيْنِ فَلَا

اور اللہ کا ذکر کرو چند دنوں میں پھر جو شخص دو دن میں تعجل کرے اس پر

إِثْمَ عَلَيْهِ ۖ وَمَنْ تَأَخَّرَ فَلَا إِثْمَ عَلَيْهِ ۚ لِمَنِ اتَّقَىٰ ۖ وَاتَّقُوا اللَّهَ

کچھ گناہ نہیں، اور جو شخص تاخیر کرے اس پر کچھ گناہ نہیں اس شخص کے واسطے جو تقویٰ اختیار کرے۔ اور اللہ سے ڈرتے رہو

وَأَعْلَمُوا أَنَّكُمْ إِلَيْهِ تُحْشَرُونَ ﴿۲۰۳﴾

اور خوب یقین رکھو کہ تم سب کو خدا ہی کے پاس جمع ہونا ہے۔

۲۰۲۔ اُولَٰئِكَ: (یہ) یعنی دنیا و آخرت کی دعا کرنے والے۔

لَهُمْ نَصِيبٌ مِّمَّا كَسَبُوا: (ان کو ان کی کمائی کا حصہ ملے گا) یعنی اس جنس میں سے حصہ ملے گا۔ جو اعمال حسد انہوں نے کمائے اور وہ ثواب ہے جو کہ عمدہ منافع ہیں۔ یا من اجل یہ ہے اس وجہ سے کہ انہوں نے کمائی کی۔
دُعا کمائی ہے:

سوال: دعا کو کسب کیوں کہا؟

جواب: کیونکہ دعا اعمال میں سے ہے اور اعمال کی تعریف کسب سے کی جاتی ہے یا ممکن یہ ہے کہ اولئک سے فریقین مراد لیں۔ کہ ہر فریق کو اس جنس سے حصہ ملے گا جو اس نے کمائی۔

سرعت حساب:

وَاللَّهُ سَرِيعُ الْحِسَابِ: (اللہ جلد حساب لینے والے ہیں) قریب ہے کہ قیامت قائم فرمادیں اور بندوں کا حساب لیں۔ پس کثرت ذکر میں جلدی کرلو۔ اور طلب آخرت میں تیزی کرو۔ یا اللہ تعالیٰ نے سرعت حساب کی صفت اپنے لئے بیان فرمائی کہ مخلوق اور اس کے اعمال کتنے زیادہ ہیں مگر وہ ان کا جلد حساب لے لے گا۔ تاکہ کمال قدرت کی دلیل بن جائے۔ اور ایسی کامل قدرت والے سے ڈرنا چاہیے۔ روایات میں آتا ہے کہ وہ تمام مخلوق کا حساب اتنی دیر میں لے لے گا جتنی دیر میں بکری کا دودھ دوہتے ہیں اور دوسری روایت میں ہے کہ ایک پل بھر میں مخلوق کا حساب لے لیں گے۔

تفسیر آیت ۲۰۳:

وَاذْكُرُوا اللَّهَ فِي أَيَّامٍ مَّعْدُودَاتٍ ۖ فَمَنْ تَعَجَّلَ فِي يَوْمَيْنِ فَلَا إِثْمَ عَلَيْهِ لِمَنِ اتَّقَىٰ ۖ وَاتَّقُوا اللَّهَ ۚ لِمَنِ اتَّقَىٰ ۖ وَأَعْلَمُوا أَنَّكُمْ إِلَيْهِ تُحْشَرُونَ: (اور اللہ تعالیٰ کو یاد کرو گنتی کے دنوں میں پھر جو جلدی چلا گیا۔ تو اس پر کچھ گناہ نہیں اور جو ٹھہرا رہا اس پر بھی کچھ گناہ نہیں یہ ان کے لئے ہے جو پرہیزگاری اختیار کرے اور تم اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو۔ اور یقین کر لو کہ تم اس کے ہاں جمع کیے جاؤ گے) وَاذْكُرُوا اللَّهَ فِي أَيَّامٍ مَّعْدُودَاتٍ۔ گنتی کے دنوں سے مراد ایام تشریق ہیں۔

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يُعْجِبُكَ قَوْلُهُ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَيُشْهَدُ اللَّهُ عَلَىٰ

لوگوں میں ایسا شخص بھی ہے جس کی گفتگو آپ کو دنیاوی زندگی میں پسند آتی ہے اور وہ اللہ کو گواہ بناتا ہے اس بات پر جو

مَا فِي قَلْبِهِ ۚ وَهُوَ أَلَدُّ الْخِصَامِ ۝۲۰۶ وَإِذَا تَوَلَّىٰ سَعَىٰ فِي الْأَرْضِ

اس کے دل میں ہے۔ حالانکہ وہ سخت ترین جھگڑالو ہے۔ اور جب وہ پیٹھ پھیر کر چل دیتا ہے تو زمین میں دوڑ دھوپ کرتا ہے

لِيُفْسِدَ فِيهَا وَيُهْلِكَ الْحَرْثَ وَالنَّسْلَ ۚ وَاللَّهُ لَا يُحِبُّ الْفُسَادَ ۝۲۰۷

تاکہ اس میں فساد کرے اور کھیتی کو اور نسل کو برباد کرے اور اللہ فساد کو پسند نہیں فرماتا

وَإِذَا قِيلَ لَهُ اتَّقِ اللَّهَ أَخَذَتْهُ الْعِزَّةُ بِالْإِثْمِ فَحَسْبُهُ جَهَنَّمُ ۝۲۰۸

اور جب اس سے کہا جاتا ہے کہ تو اللہ سے ڈر تو اس کا غرور نفس اس کو گناہ پر آمادہ کر دیتا ہے۔ سو اس کے لئے جہنم کافی ہے

وَلَبِئْسَ الْمِهَادُ ۝۲۰۹

اور بلاشبہ وہ برا بچھونا ہے۔

مراد ذکر:

اور وَاذْكُرُوا اللَّهَ سے مراد نماز کے بعد کبھی جانے والی تکبیرات اور رمی جمار کے وقت کی تکبیر ہے۔

فَمَنْ تَعَجَّلَ۔ جو جلدی کرے کوچ میں۔ یا کوچ میں سبقت کر جائے عجیل اور استعجل یہ دونوں ایک دوسرے کے مطاوع بن کر عجل کے معنی میں آتے ہیں۔ اور یہ متعدی بھی آتے ہیں۔ مگر مطاوعت زیادہ مناسب ہے کہ اس نے اسکو جلدی کا حکم دیا اس نے جلدی کر لی۔ فِی یَوْمَئِین۔ دو دنوں میں یعنی ان تین دنوں میں دو دن گیارہ بارہ کی رمی پر اکتفاء کیا اور تیسرے دن کے لئے نہ رکا۔

نفسی گناہ کی وجہ:

فَلَا إِثْمَ عَلَيْهِ۔ اس پر گناہ نہیں۔ یعنی اس ایک دن کی رمی ترک کرنے سے وہ گناہگار نہ ہوگا۔ وَمَنْ تَأَخَّرَ فَلَا إِثْمَ عَلَيْهِ لِمَنِ اتَّقَىٰ۔ اس کے لئے جو بچا شکار کرنے یا جماع اور فسوق سے۔ مطلب یہ ہے کہ اس کو جلدی کا اختیار ہے۔ اگرچہ تاخیر افضل ہے۔ کبھی فاضل و افضل میں تخیر واقع ہوتی ہے۔ جیسا کہ مسافر کو روزے اور افطار میں اختیار ہے اگرچہ روزہ افضل ہے۔

دوسرا قول: اہل جاہلیت دو قسم کے تھے بعض جلدی رمی کرنے والے کو گناہگار قرار دیتے اور بعض تاخیر کرنے والے کو گناہگار سمجھتے۔ پس قرآن مجید نے آکر دونوں کی نفی کر دی۔

وَاتَّقُوا اللَّهَ اور تم اللہ تعالیٰ سے تمام امور میں ڈرو۔ وَاعْلَمُوا أَنَّكُمْ إِلَيْهِ تُحْشَرُونَ۔ اور یقین جانو کہ تم اس کی بارگاہ میں جمع ہو گے۔ جب وہ تمہیں قبور سے زندہ کر کے اٹھائے گا۔

۲۰۴۔ وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يُعْجِبُكَ قَوْلُهُ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَيُشْهَدُ اللَّهُ عَلَىٰ مَا فِي قَلْبِهِ وَهُوَ أَلَدُّ الْخِصَامِ وَإِذَا

تَوَلَّى سَعَى فِي الْأَرْضِ لِيُفْسِدَ فِيهَا وَيُهْلِكَ الْحَرْثَ وَالنَّسْلَ وَاللَّهُ لَا يُحِبُّ الْفُسَادَ۔ وَإِذَا قِيلَ لَهُ اتَّقِ اللَّهَ أَخَذَتْهُ الْعِزَّةُ بِالْإِثْمِ فَحَسْبُهُ جَهَنَّمُ وَلَبِئْسَ الْمِهَادُ: (بعض لوگ ایسے ہیں جن کی بات آپ کو پسند آتی ہے دنیا کی زندگی میں اور وہ اللہ تعالیٰ کو گواہ بناتا ہے اس بات پر جو اس کے دل میں ہے حالانکہ وہ سخت جھگڑالو ہے جب وہ لوٹ کر جاتا ہے تو زمین میں فساد پھیلانے کے لئے دوڑ دھوپ کرتا ہے تاکہ کھیتی و نسل کو تباہ کرے۔ اور اللہ تعالیٰ فساد کو پسند نہیں کرتے اور جب اس کو کہا جاتا ہے اللہ سے ڈر تو غرور اس کو گناہ پر آمادہ کرتا ہے پس اس کے لئے جہنم کافی ہے اور وہ بہت برا ٹھکانہ ہے۔ وَمِنَ النَّاسِ۔ یہ آیات اخس بن شریق کے متعلق اتریں۔ جو رسول اللہ ﷺ سے ملتا تو نرم بات کرتا اور دعویٰ کرتا کہ وہ مسلمان ہے اور رسول اللہ ﷺ سے محبت رکھتا ہے اور اپنی اس حجت میں سچا ہے تو اللہ نے وَمِنَ النَّاسِ نازل فرمائی۔

دعویٰ محبت سے مقصود دنیا:

يُعْجِبُكَ قَوْلُهُ آپ کو پسند آتی ہے اور تمہارے دل میں بڑی معلوم ہوتی ہے اسی سے الشیء العجیب یعنی وہ شئی جو نفس میں معظم معلوم ہو۔ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا۔ فی یہ قول کے متعلق ہے۔ اے یعجبک ما یقولہ فی معنی دنیا۔ آپ کو پسند آتی ہے وہ بات جو وہ کہتا ہے دنیا کے سلسلہ میں کیونکہ دعویٰ محبت سے اس کا مقصود دنیا ہے نہ کہ آخرت۔

دوسرا قول: آپ کو پسند آتا ہے یعنی اس کا شیریں کلام دنیا کے سلسلہ میں آپ کو پسند آتا ہے آخرت کے متعلق نہیں۔ کیونکہ اس موقع پر اس کی زبان میں لکنت پیدا ہو جاتی ہے۔

وَيُشْهِدُ اللَّهُ عَلَى مَا فِي قَلْبِهِ اور وہ اللہ تعالیٰ کو اپنے دل کی بات پر گواہ بناتا ہے یعنی وہ قسم اٹھا کر کہتا ہے۔ اللہ شاہد علی ما قلبی من محبتک۔ اللہ تعالیٰ گواہ ہے کہ میرے دل میں آپ کی محبت ہے اور میں آپ پر ایمان رکھتا ہوں۔ وَهُوَ الذُّ الْخِصَامُ۔ حالانکہ وہ شخص جھگڑالو ہے۔

نحوی لطائف:

نَحْوُ: یہ اضافت فی کے معنی میں ہے کیونکہ فعل کا وزن اسکی طرف مضاف ہوتا ہے جو کہ اس کا بعض حصہ ہوتا ہے جیسے تم کہو۔ زید افضل القوم اور آدمی جھگڑے کا حصہ تو بن نہیں سکتا۔ پس تقدیر عبارت یہ ہوگی۔ الذ فی الخصومة۔ وہ جھگڑے میں سخت ہے۔ یا الخصام جمع خصم ہے جیسے صَعْبٌ وَصِعَابٌ اب تقدیر عبارت اس طرح ہے وہ خصومت کے اعتبار سے سخت جھگڑالو ہے۔ ۲۰۵۔ وَإِذَا تَوَلَّى: (جب وہ تم سے منہ پھیر کر جاتا ہے) اور جاتے ہوئے نرم و پیٹھی بات کہہ کر گیا۔

فسادی منافق:

سَعَى فِي الْأَرْضِ لِيُفْسِدَ فِيهَا: (وہ دوڑ دھوپ کرتا ہے تاکہ فساد برپا کرے) جیسا اس نے ثقیف کے ساتھ کیا۔ کہ اس کے اور ان کے درمیان مخالفت تھی۔ ان پر شب خون مارا اور ان کے مویشیوں کو ہلاک کیا۔ اور کھیتیوں کو آگ لگا دی۔ وَيُهْلِكَ الْحَرْثَ وَالنَّسْلَ: (اور ہلاک کرے کھیتی اور نسل) یعنی کھیتی اور حیوان یا جب کہ یہ یاء کے ساتھ یهلك ہو تو پھر اس سے مراد وہ حرکت ہے جس کو برے حکام زمین میں فساد پھیلانے کیلئے کرتے ہیں۔ کھیتیوں کی ہلاکت اور نسل کشی کی صورت میں ایک اور

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَشْرِي نَفْسَهُ ابْتِغَاءَ مَرْضَاتِ اللَّهِ وَاللَّهُ رَءُوفٌ

اور لوگوں میں ایسا شخص بھی ہے جو خرید لیتا ہے اپنے نفس کو اللہ کی رضا تلاش کرنے کے لئے اور اللہ اپنے بندوں پر بڑا

بِالْعِبَادِ ۝۷۷ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا ادْخُلُوْا فِي السَّلَامِ كَافَّةً ۚ وَلَا تَتَّبِعُوا خُطُوٰتِ

مہربان ہے۔ اے ایمان والو! اسلام میں پورے پورے داخل ہو جاؤ اور شیطان کے قدموں کے پیچھے

الشَّيْطٰنِ ۚ اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ ۝۷۸ فَاِنْ زَلَلْتُمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَا جَاءَتْكُمْ

نہ چلو، بے شک وہ تمہارا کھلا دشمن ہے، سو اگر تم غزش کھا جاؤ اس کے بعد کہ تمہارے پاس واضح دلیلیں

الْبَيِّنٰتُ فَاَعْلَمُوْا اَنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ۝۷۹

آجکی ہیں تو جان لو کہ بلاشبہ اللہ زبردست ہے حکمت والا ہے۔

قول یہ ہے۔ کہ ظلم کو اختیار کرے۔ یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ ظلم کی نحوست سے بارش کو بند کر دیں۔ جس سے کھیتیاں اور نسل برباد ہو جائیں۔ گویا ہلاکت کی نسبت مجازاً اس کی طرف کر دی گئی۔

وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ الْفُسَادَ: (اور اللہ تعالیٰ فساد کو پسند نہیں کرتے)

۲۰۶۔ وَاِذَا قِيْلَ لَهُ: (جب اس کو کہا جاتا ہے) اے ضمیر کا مرجع اخص ہے۔

اتَّقِ اللّٰهَ: (تو اللہ سے ڈر) زمین میں بگاڑ پیدا کرنے اور ہلاکت پھیلانے کے سلسلے میں

جاہلی غیرت کی مذمت:

اَخَذَتْهُ الْعِزَّةُ بِالْاِثْمِ: (اس کو غرور گناہ پر آمادہ کرتا ہے) یعنی تکبر اور جاہلی غیرت اس کو گناہوں پر برا بیچتے کرتی ہے حالانکہ اس سے روکا گیا ہے مگر وہ اس کے ارتکاب کو لازم سمجھتا ہے۔

دوسرا قول: یا بلاء سیئہ ہے یعنی پکڑ لیتا ہے اس کو غرور اس گناہ کے سبب سے جو گناہ اس کے دل میں ہے اور وہ کفر ہے۔

فَحَسْبُهُ جَهَنَّمُ: (پس اس کے لئے کافی ہے جہنم)

وَكَبَسَ الْمِهَادُ: (اور جہنم بہت برا بچھونا ہے)

شان نزول: یہ آیت حضرت صہیب رضی اللہ عنہ کے بارے میں نازل ہوئی جبکہ مشرکین نے انکو اسلام کے چھوڑنے کیلئے کہا اور انکے ساتھ والے کچھ لوگوں کو شہید کر دیا حضرت صہیب رضی اللہ عنہ نے فرمایا اگر تم چاہو کہ میں اپنا وہ مال جو مکہ میں چھوڑ آیا ہوں۔ وہ بتادوں۔

اور تم اس پر قابض ہو جاؤ اور میرا راستہ چھوڑ دو۔ انہوں نے آمادگی ظاہر کی۔ انہوں نے پتہ بتا دیا اور مدینہ میں آگئے تو یہ آیت اتری۔

۲۰۷۔ وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَشْرِي نَفْسَهُ: یا ان لوگوں کے حق میں اتری جو بھلائی کا حکم دیتے ہیں اور برائیوں سے روکتے ہیں۔

یہاں تک کہ قتل کر دیئے جاتے ہیں۔

يَشْرِي نَفْسَهُ۔ کا معنی اپنے آپ کو بیچنا۔

اِبْتِغَاءً: (واسطے طلب کرنے) کا معنی چاہنے کے لئے۔ مَرْضَاتِ اللہ۔ اللہ کی رضا مندی۔ یہاں اس کو حاصل ہو سکے۔

وَاللّٰهُ رَءُوْفٌ بِالْعَبَادِ: (اور اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر نرمی کرنے والے ہیں)

۲۰۸۔ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اَدْخُلُوْا فِى السِّلْمِ كَآفَّةً وَلَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ الشَّيْطٰنِ اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ۔ فَاِنْ زَلَلْتُمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَ تَكُمُ الْبَيِّنٰتُ فَاَعْلَمُوْۤا اَنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ: (اے ایمان والو داخل ہو جاؤ اسلام میں پورے پورے اور شیطان کے قدموں پر مت چلو۔ بے شک وہ تمہارا کھلا دشمن ہے۔ پھر اگر تم پھسل گئے اس کے بعد کہ واضح دلائل تمہارے پاس آ چکے تو یقین کر لو کہ اللہ تعالیٰ زبردست حکمت والے ہیں)

قراءت: يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اَدْخُلُوْا فِى السِّلْمِ علی اور حجازی نے سین کے فتح کے ساتھ پڑھا ہے سلم کا معنی اطاعت و فرمانبرداری ہے یعنی اللہ تعالیٰ کے فرمانبردار اور مطیع بن جاؤ۔ یا اس کا معنی اسلام ہے اور خطاب اہل کتاب کو ہے کیونکہ وہ اپنے پیغمبر اور کتاب پر ایمان لائے تھے۔ یا منافقین کو خطاب ہے۔ کیونکہ وہ صرف زبانوں سے اسلام کے دعوے دار تھے۔ کَآفَّةً۔ پورے پورے یعنی کوئی ایک بھی تم میں سے اپنا ہاتھ اسلام کی فرمانبرداری سے نہ نکالے۔ یہ ادخلوا کی ضمیر سے حال ہے اور اس کا معنی ہے تمام

دوسرا قول: یا یہ سلم کے لفظ سے حال ہے کیونکہ وہ بھی لفظاً مؤنث ہے اب مطلب یہ ہوگا گویا ان کو حکم دیا گیا کہ وہ تمام طاعات میں داخل ہو جائیں۔ یعنی ان کو انجام دیں۔

تیسرا قول: وہ اسلام کے شعبوں اور اس کے تمام احکام میں داخل ہو جائیں یہ کافۃ کا لفظ کف سے ہے گویا ان کو روک دیا گیا۔ کہ کوئی ایک ان میں سے اپنی اجتماعیت سے نہ نکلے۔

وَلَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ الشَّيْطٰنِ۔ شیطان کے قدموں پر مت چلو۔ خطوات۔ سے مراد وساوس ہیں۔ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ۔ بے شک وہ تمہارا کھلا دشمن ہے۔ یعنی اس کی عداوت ظاہر ہے۔

۲۰۹۔ فَاِنْ زَلَلْتُمْ۔ پس اگر تم پھسل گئے یعنی اسلام میں داخل ہونے سے تمہارے قدموں نے لغزش کھائی۔ مِّنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَ تَكُمُ الْبَيِّنٰتُ۔ تمہارے پاس دلائل آنے کے بعد بینات سے مراد واضح ثبوت اور روشن شواہد ہیں۔ جس چیز میں داخل ہونے کے لئے تمہیں دعوت دی گئی ہے وہ برحق ہے فَاَعْلَمُوْۤا اَنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ پس تم یقین کر لو اللہ زبردست حکمت والے ہیں۔ عزیز ایسے غلبے والے کو کہتے ہیں۔ جس کو کوئی چیز بھی مانع نہ بن سکے۔ حکیم کا مطلب یہ ہے کہ وہ ایسی حکمت والا ہے کہ وہ حق پر انتقام لیتا ہے۔

نکتہ: ایک قاری نے اس آیت میں عزیز حکیم کی بجائے غفور رحیم پڑھ دیا ایک بدو نے اس آیت کو اس کی زبان سے جب سنا۔ حالانکہ وہ قرآن پڑھا ہوا نہیں تھا۔ وہ کہنے لگا کہ یہ اللہ کا کلام نہیں۔ کیونکہ حکیم لغزش اور معصیت کے وقت مغفرت کا تذکرہ نہیں کرتا۔ کیونکہ اس طرح تو معصیت پر خود آمادہ کرنا لازم آتا ہے۔

هَلْ يَنْظُرُونَ إِلَّا أَنْ يَأْتِيَهُمُ اللَّهُ فِي ظُلَلٍ مِّنَ الْغَمَامِ وَالْمَلَائِكَةُ

یہ لوگ صرف اس امر کے منتظر ہیں کہ اللہ اور فرشتے بادلوں کے سائبانوں میں ان کے پاس

وَقُضِيَ الْأَمْرُ وَاللَّهُ تَرْجِعُ الْأُمُورُ ۚ

آجائیں اور سارا قصہ ختم ہو جائے۔ اور اللہ ہی کی طرف تمام امور لوٹائے جائیں گے

۲۱۰۔ هَلْ يَنْظُرُونَ إِلَّا أَنْ يَأْتِيَهُمُ اللَّهُ فِي ظُلَلٍ مِّنَ الْغَمَامِ وَالْمَلَائِكَةُ وَقُضِيَ الْأَمْرُ وَاللَّهُ تَرْجِعُ الْأُمُورُ۔
(نہیں وہ انتظار کر رہے مگر اس بات کا کہ آئے اللہ تعالیٰ ان کے پاس بادل کے سائبانوں میں اور فرشتے اور معاملے کا فیصلہ کر دیا جائے گا اور اللہ ہی کی طرف تمام کاموں کا لوٹنا ہے۔ هَلْ يَنْظُرُونَ هَلْ۔ یہاں مانافہ کے معنی میں ہے۔ نہیں وہ انتظار کر رہے اور یا تیکم اللہ کا مطلب اللہ کا حکم اور اس کی پکڑ کا آنا ہے جیسا کہ سورۃ النحل آیت نمبر ۳۲ میں فرمایا او یاتی امر ربک اور سورۃ اعراف آیت نمبر ۴ میں فرمایا: فَجَاءَ هَا بَاسُنَا۔

دوسرا قول: جس چیز کو لایا جانا ہے وہ محذوف ہے اور معنی یہ ہوگا۔ اللہ تعالیٰ اپنی پکڑ لائے اس پر پچھلی آیت فاعلموا ان اللہ عزیز حکیم۔ دلالت کر رہی ہے۔ فی ظلل۔ ظلل جمع ظلت کی۔ ظلمہ اس چیز کو کہتے ہیں جو ڈھانپ لے غما کا معنی بادل اس میں دراصل ڈرایا گیا ہے کیونکہ بادل سے بارش کا بھی گمان ہے جب اس سے عذاب اترے۔ تو معاملہ زیادہ خوفناک اور رسوا کن ہوتا ہے۔ والملائکہ یعنی وہ فرشتے آجائیں جن کو عذاب پر مقرر کیا گیا ہے یا اس سے مراد قیامت کے دن ان کا حاضر ہونا ہے۔ وقضی الامر اور معاملہ طے کر دیا جائے یعنی ان کی ہلاکت کا معاملہ پورا ہو جائے اور اس سے فراغت حاصل ہو جائے۔ والی اللہ ترجع الامور۔ اور اللہ کی طرف تمام کاموں کا لوٹنا ہے یعنی اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے بندوں کو بعض امور کا اختیار دیا ہے۔ پس سارے معاملات حشر کے دن اسی کی طرف لوٹیں گے۔

اختلاف قراءت:

قرآن مجید میں جہاں بھی تَرْجِعُ الْأُمُورُ ہے شامی حمزہ اور علی رحمہم اللہ کے نزدیک تَرْجِعُ الْأُمُورُ پڑھا جائے گا۔

سَلْ بَنِي إِسْرَءِيلَ كَمَا آتَيْنَهُمْ مِنْ آيَةٍ بَيِّنَةٍ ۖ وَمَنْ يُبَدِّلْ

آپ بنی اسرائیل سے دریافت فرمائیے ہم نے ان کو کتنی واضح دلیلیں دیں۔ اور جو شخص

نِعْمَةً اللَّهِ مِنْ بَعْدِ مَا جَاءَتْهُ فَإِنَّ اللَّهَ شَدِيدُ الْعِقَابِ ۝۲۱۱

اللہ کی نعمت کو بدل دے اس کے بعد کہ نعمت اس کے پاس آ جائے تو بے شک اللہ سخت عذاب والا ہے

۲۱۱۔ سَلْ بَنِي إِسْرَءِيلَ كَمَا آتَيْنَهُمْ مِنْ آيَةٍ بَيِّنَةٍ وَمَنْ يُبَدِّلْ نِعْمَةَ اللَّهِ مِنْ بَعْدِ مَا جَاءَتْهُ فَإِنَّ اللَّهَ شَدِيدُ الْعِقَابِ۔ (اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم آپ بنی اسرائیل سے پوچھیں کہ ہم نے بنی اسرائیل کو کتنی کھلی نشانیاں دیں۔ اور جس نے اللہ کی نعمت کو بدل دیا۔ ان کے آجانے کے بعد پس بے شک اللہ تعالیٰ سخت عذاب دینے والا ہے) سَلْ اصل میں اسئل ہے۔ ہمزہ کو فتح سے بدل کر سین کر دیا اور ہمزہ کو حذف کر دیا۔ اب سین کے متحرک ہونے کی وجہ سے ہمزہ وصل کی بھی ضرورت نہ رہی پس یہ سَلْ ہو گیا اس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم دیا گیا۔ یا ہر مخاطب کو۔ یہ سوال تو بیخ کیلئے ہے۔ جس طرح کہ کافروں سے قیامت کے دن پوچھا جائے گا۔

معجزات و دلائل:

آیۃ بَيِّنَةٍ۔ سے مراد وہ آیات جو انبیاء کے ذریعے ان کو دی گئیں۔

دوسرا قول: یا وہ آیتیں جو ان کی کتابوں میں دین اسلام کے صحیح ہونے پر گواہی دے رہی ہیں۔

مَنْ: یہ کم یہاں استفہامیہ ہے یا خبریہ۔ کم استفہامیہ کی صورت میں سَل کو مفعول ثانی کی ضرورت نہ ہوگی۔ مگر خبریہ کی صورت میں یہ سَل کا مفعول ثانی ہوگا۔

اسباب ہدایت کو گمراہی کے لئے استعمال کرنا:

وَمَنْ يُبَدِّلْ نِعْمَةَ اللَّهِ۔ نعمت اللہ سے مراد اللہ کی نشانیاں ہیں اور وہ حقیقت میں اللہ کی عظیم نعمتیں ہیں۔ کیونکہ وہ ہدایت کے اسباب اور گمراہی سے نجات کا ذریعہ ہیں اور یہ بدل کا مطلب یہ ہے کہ اللہ نے وہ آیات اس لئے ظاہر فرمائیں۔ تاکہ وہ ان کی ہدایت کا سبب بن جائیں۔ انہوں نے انہی کو اپنی گمراہی کا سبب بنا دیا۔ جیسا کہ سورۃ التوبہ آیت نمبر ۱۲۵۔ فزادتهم رجسا الى رجسهم۔ میں فرمایا گیا کہ ان آیات نے ان کی پلیدی میں (بوجہ شدید انکار کے) اضافہ کر دیا۔

یا دوسرا قول: انہوں نے اپنی کتابوں کی ان آیات کو بدل ڈالا جو دین محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر دلالت کرنے والی تھیں۔ مِنْ بَعْدِ مَا جَاءَتْهُ (اس کے بعد کہ وہ آچکیں)۔ آنے کا مطلب یہ ہے اس کے بعد کہ انہوں نے اس کو پہچان لیا اور ان کی صحت ان کے ہاں ثابت ہو گئی کیونکہ جب آدمی کسی چیز کو نہ پہچانے تو وہ چیز اس سے غائب شمار ہوتی ہے۔ فَإِنَّ اللَّهَ شَدِيدُ الْعِقَابِ۔ (بے شک اللہ تعالیٰ سخت عذاب دینے والا ہے) اس کو جو اس کا مستحق ہو۔

وقف

زَيْنَ الَّذِينَ كَفَرُوا الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا وَيَسْخَرُونَ مِنَ الَّذِينَ اٰمَنُوا ۗ

مزین کی گئی ان لوگوں کے لئے دنیاوی زندگی جنہوں نے کفر کیا اور وہ ہنسی کرتے ہیں ان لوگوں سے جو لوگ ایمان لائے

وَالَّذِينَ اتَّقَوْا فَوْقَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ۗ وَاللّٰهُ يَرْزُقُ مَنْ يَّشَاءُ بِغَيْرِ

حالاتکہ جن لوگوں نے پرہیز گاری کو اختیار کیا وہ قیامت کے دن ان سے بالا ہوں گے۔ اور اللہ جسے چاہے بلا حساب رزق عطا

حِسَابٍ ۙ

فرماتا ہے۔

تفسیر آیت ۲۱۲:

زَيْنَ الَّذِينَ كَفَرُوا الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا وَيَسْخَرُونَ مِنَ الَّذِينَ اٰمَنُوا ۗ وَالَّذِينَ اتَّقَوْا فَوْقَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ۗ وَاللّٰهُ يَرْزُقُ مَنْ يَّشَاءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ۔ (دنیا کی زندگی ان کے لئے خوش نمابندی گئی جنہوں نے کفر کیا اور یہ کفار ان لوگوں سے ہنستے ہیں جو ایمان لائے اور وہ لوگ جو متقی ہیں۔ ان سے اوپر ہونگے قیامت کے دن اور اللہ تعالیٰ جسے چاہتا ہے بے حساب روزی دیتا ہے)

دُنیا کا پسندیدہ بنایا جانا:

زَيْنَ الَّذِينَ كَفَرُوا۔ کافروں کے لئے دنیا کی زندگی کو مزین کر دیا گیا۔ یہ تزئین کرنے والا شیطان ہے اس نے دنیا کو مزین اور اپنے وساوس سے خوبصورت بنایا اور پسندیدہ کر دیا کہ وہ اس کے سواء اور کسی چیز کو چاہتے ہی نہیں۔

دوسرا قول: اللہ تعالیٰ ہی انسانوں میں خواہشات پیدا کرنے والا ہے کیونکہ تمام کائنات اسی کی مخلوق ہے اور اس پر مجاہد ابن حنیس وحید کی قراءت زَيْنَ الَّذِينَ كَفَرُوا الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا معروف کے ساتھ دالالت کرتی ہے وَيَسْخَرُونَ مِنَ الَّذِينَ اٰمَنُوا۔ (وہ ایمان والوں سے ہنستے ہیں) کفار مکہ فقراء، مؤمنین ابن مسعود، عمار، صہیب رضی اللہ عنہم وغیرہم سے تمسخر کرتے تھے۔ کیونکہ کافر دنیا کو مقصود سمجھتے تھے۔ جن کے پاس دنیا نہیں تھی وہ ان سے تمسخر کرتے یا ان کا مذاق اڑاتے جو دنیا کے علاوہ اور کسی چیز کو مطلوب بناتا۔ وَالَّذِينَ اتَّقَوْا فَوْقَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ۔ (اور وہ لوگ جو متقی ہیں ان سے اوپر ہوں گے قیامت کے دن) تقویٰ سے مراد شرک سے بچنا ہے اور یہ بچنے والے فقراء، مؤمنین تھے۔ اوپر ہونگے کیونکہ وہ بلند جنتوں میں ہونگے۔ اور کافر کو جہنم کے گڑھے میں۔

ہر توسع نعمت ہے:

وَاللّٰهُ يَرْزُقُ مَنْ يَّشَاءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ (اور اللہ تعالیٰ رزق دیتے ہیں جس کو چاہتے ہیں بغیر حساب کے) بغیر کمی کے یعنی وہ توسیع کرتا ہے جس پر توسیع کا ارادہ فرماتا ہے۔ جیسا قارون وغیرہ پر توسیع فرمائی۔ اور یہ وسعت تم پر اللہ تعالیٰ کی حکمت کے پیش نظر ہے اور وہ نعمت کے ساتھ استدراج ہے۔ اگر یہ اکرام ہوتا تو پھر اہل ایمان اس کے سب سے زیادہ مستحق تھے۔

كَانَ النَّاسُ أُمَّةً وَاحِدَةً ۖ فَبَعَثَ اللَّهُ النَّبِينَ مُبَشِّرِينَ

سب لوگ ایک جماعت تھے، پھر اللہ نے نبی بھیجے خوشخبری دینے والے،

وَمُنْذِرِينَ ۖ وَأَنْزَلَ مَعَهُمُ الْكِتَابَ بِالْحَقِّ لِيَحْكُمَ بَيْنَ النَّاسِ

اور ڈرانے والے، اور ان کے ساتھ کتاب اتاری حق کے ساتھ، تاکہ فیصلہ فرمائے لوگوں کے درمیان

فِيمَا اخْتَلَفُوا فِيهِ ۖ وَمَا اخْتَلَفَ فِيهِ إِلَّا الَّذِينَ أُوتُوهُ مِنْ بَعْدِ

اس بات کا جس میں انہوں نے اختلاف کیا اور یہ اختلاف ان ہی لوگوں نے کیا جن کو کتاب دی گئی۔ اور انہوں نے یہ اختلاف باہمی ضد و ضدی کے باعث

مَا جَاءَتْهُمْ الْبَيِّنَاتُ بَغْيًا بَيْنَهُمْ ۚ فَهَدَى اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا لِمَا

اس کے بعد کیا جبکہ ان کے پاس کھلی ہوئی دلائل آ چکی تھیں، پھر اللہ نے اپنے فضل سے ان لوگوں کو جو ایمان لائے اس

اخْتَلَفُوا فِيهِ مِنَ الْحَقِّ بِإِذْنِهِ ۖ وَاللَّهُ يَهْدِي مَنْ يَشَاءُ إِلَى صِرَاطٍ

امر حق کی ہدایت دی جس میں وہ اختلاف کرتے تھے اور اللہ جس کو چاہے سیدھے راستہ کی ہدایت

مُسْتَقِيمٌ ۚ

دیتا ہے

تفسیر آیت ۲۱۳:

كَانَ النَّاسُ أُمَّةً وَاحِدَةً ۖ فَبَعَثَ اللَّهُ النَّبِينَ مُبَشِّرِينَ وَمُنْذِرِينَ وَأَنْزَلَ مَعَهُمُ الْكِتَابَ بِالْحَقِّ لِيَحْكُمَ بَيْنَ النَّاسِ فِيمَا اخْتَلَفُوا فِيهِ وَمَا اخْتَلَفَ فِيهِ إِلَّا الَّذِينَ أُوتُوهُ مِنْ بَعْدِ مَا جَاءَتْهُمْ الْبَيِّنَاتُ بَغْيًا بَيْنَهُمْ ۚ فَهَدَى اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا لِمَا اخْتَلَفُوا فِيهِ مِنَ الْحَقِّ بِإِذْنِهِ ۖ وَاللَّهُ يَهْدِي مَنْ يَشَاءُ إِلَى صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ۔ (سب لوگ ایک ہی دین رکھتے تھے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے انبیاء ﷺ کو بھیجا۔ خوشخبری دینے والے اور ڈرانے والے اور ان کے ساتھ سچی کتاب اتاری۔ تاکہ فیصلہ کرے لوگوں میں اس بات کا جس میں انہوں نے اختلاف کیا، اور نہیں اختلاف کیا اس کتاب میں مگر ان لوگوں نے جن کو وہ کتاب دی گئی اس کے بعد کہ ان کے پاس کھلی نشانیاں آ گئیں۔ آپس کی ضد کی وجہ سے پھر اللہ تعالیٰ نے ایمان والوں کو اپنے حکم سے وہ راہ دکھا دی جس میں اختلاف کرتے تھے اللہ تعالیٰ جسے چاہتا ہے سیدھی راہ دکھا دیتا ہے۔)

امت سے مراد دین ہے:

كَانَ النَّاسُ أُمَّةً وَاحِدَةً۔ امت واحدہ کا مطلب یہ ہے کہ وہ آدم علیہ السلام سے لے کر نوح علیہ السلام تک ایک دین پر متفق تھے۔ یا نوح علیہ السلام اور ان کے ساتھ جو کشتی میں تھے۔ پس انہوں نے اختلاف کیا فَبَعَثَ اللَّهُ النَّبِيِّنَ۔ پس پھر اللہ تعالیٰ نے انبیاء علیہم السلام کو بھیجا۔ مَا اخْتَلَفُوا کے حذف پر یہ آیت دلالت کرتی ہے۔ لِيَحْكُمَ بَيْنَ النَّاسِ فِيمَا اخْتَلَفُوا فِيهِ اور عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی قراءت بھی کان الناس امة واحدة فاختلفوا اور سورہ یونس آیت نمبر ۱۹۔ وَمَا كَانَ النَّاسُ اِلَّا اُمَّةً وَاحِدَةً فَاخْتَلَفُوا بھی دلالت کرتی ہے۔ یا

دوسرا قول:

لوگ ایک ہی جماعت کفر کی حالت میں تھے پھر اللہ تعالیٰ نے انبیاء علیہم السلام کو بھیجا پس انہوں نے ان پر اختلاف کیا۔ (پہلی توجیہ راجح ہے) مبشرین خوش خبری سنانے والے مؤمنین کو ثواب ملنے کی و منذرین۔ اور ڈرانے والے عذاب کے ساتھ کفار کو۔

مَنْحُورٌ: مبشرین اور منذرین دونوں حال ہیں۔ وَأَنْزَلَ مَعَهُمُ الْكِتَابَ۔ اور اس نے ان میں سے ہر ایک کے ساتھ ایک کتاب اتاری۔ بِالْحَقِّ یعنی جو حق کی وضاحت کرنے والی تھی۔ لِيَحْكُمَ تاکہ وہ اللہ تعالیٰ یا کتاب یا نبی صلی اللہ علیہ وسلم فیصلہ کریں جو اترا۔ بَيْنَ النَّاسِ فِيمَا اخْتَلَفُوا فِيهِ لوگوں کے درمیان ان باتوں میں جن میں لوگوں نے اختلاف کیا۔ دین اسلام کے سلسلہ میں۔ کیونکہ انہوں نے اتفاق کے بعد اختلاف کیا وَمَا اخْتَلَفَ فِيهِ۔ اس میں اختلاف نہیں کیا۔ یعنی حق میں۔ اِلَّا الَّذِينَ أُوتُوهُ۔ مگر ان لوگوں نے جن کو وہ کتاب دی گئی تھی حالانکہ کتاب تو ازالہ اختلاف کے لئے اتاری گئی تھی۔ مطلب یہ ہوا کہ وہ اختلاف میں اور بڑھ گئے جب ان پر کتاب اتاری گئی۔ مِنْ بَعْدِ مَا جَاءَتْهُمْ الْبَيِّنَاتُ۔ اس کے بعد کہ ان کے پاس واضح دلائل اس کی سچائی کے آچکے۔ بَغْيًا بَيْنَهُمْ۔ اپنے درمیان حسد اور ظلم کی بناء پر کیونکہ ان میں دنیا کی حرص اور قلت انصاف پائی جاتی تھی۔

مَنْحُورٌ: بَغْيًا یہ مفعول لہ ہے۔

فَهَدَى اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا لِمَا اخْتَلَفُوا فِيهِ۔ پس ہدایت دی اللہ تعالیٰ نے ایمان والوں کو حق کی طرف وہ حق کہ جس میں اختلاف کیا جن لوگوں نے بھی کیا۔ مِنَ الْحَقِّ یہ اخْتَلَفُوا کا بیان ہے۔ بِإِذْنِهِ اپنے حکم کے ساتھ یعنی اپنے علم کے ساتھ۔ وَاللَّهُ يَهْدِي مَنْ يَشَاءُ إِلَى صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ۔ اللہ تعالیٰ جس کو چاہتے ہیں سیدھے راستے کی طرف ہدایت دیتے ہیں۔

أَمْ حَسِبْتُمْ أَنْ تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ وَلَمَّا يَأْتِكُمْ مَثَلُ الَّذِينَ خَلَوْا مِنْ

کیا تم نے خیال کیا ہے کہ جنت میں داخل ہو جاؤ گے حالانکہ ان لوگوں جیسے واقعات تمہیں پیش نہیں آئے جو تم سے پہلے

قَبْلَكُمْ مَسَّتْهُمُ الْبَأْسَاءُ وَالضَّرَاءُ وَزُلْزَلُوا حَتَّى يَقُولَ الرَّسُولُ

گزرے ہیں۔ ان کو پہنچی سختی اور تکلیف اور وہ لوگ جھنجھوڑ دیئے گئے یہاں تک کہ رسول نے

وَالَّذِينَ آمَنُوا مَعَهُ مَتَى نَصُرَ اللَّهُ ۚ أَلَا إِنَّ نَصْرَ اللَّهِ قَرِيبٌ ﴿۲۱۴﴾

اور ان مؤمنین نے جو رسول کے ساتھی تھے کہہ دیا کہ کب ہو گی اللہ کی مدد خبردار بلاشبہ اللہ کی مدد قریب ہے

۲۱۴۔ اَمْ حَسِبْتُمْ اَنْ تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ وَلَمَّا يَأْتِكُمْ مَثَلُ الَّذِينَ خَلَوْا مِنْ قَبْلِكُمْ مَسَّتْهُمُ الْبَأْسَاءُ وَالضَّرَاءُ وَزُلْزَلُوا حَتَّى يَقُولَ الرَّسُولُ وَالَّذِينَ آمَنُوا مَعَهُ مَتَى نَصُرُ اللَّهُ اَلَا اِنَّ نَصْرَ اللَّهِ قَرِيبٌ۔ (کیا تم نے یہ سمجھا کہ جنت میں یونہی چلے جاؤ گے حالانکہ جو تم سے پہلے (انبیاء مؤمنین) گزرے ان کی سی حالت (تنگی) تمہیں پیش نہیں آئی انہیں سختی پہنچی اور (فقر و بیماری کی) تکلیف سے بھی اور ان کو جھنجھوڑا گیا یہاں تک کہ رسول اور جو ان کے ساتھ ایمان لائے وہ کہنے لگے کہ خدا کی مدد کب آئے گی آگاہ رہو اللہ تعالیٰ کی مدد قریب ہے)

نَحْوُ: اَمْ حَسِبْتُمْ یہ ام منقطعہ ہے متصلہ نہیں۔ کیونکہ متصلہ کی شرط یہ ہے کہ اس سے پہلے ہمزہ استفہام ہوتا ہے جیسا کہ کہتے ہیں اَعِنْدَكَ زَيْدٌ ام عمرو؟ یعنی کونسا دونوں میں تیرے پاس ہے اس کے جواب میں زید کہیں گے اگر زید وہاں ہو یا عمرو کہیں گے جب عمرو وہاں ہو۔

باقی ام منقطعہ استفہام و خبر دونوں کے بعد واقع ہوتا ہے اور وہ ہل اور ہمزہ کے معنی میں آتا ہے اور تقدیر عبارت یہ ہوگی۔ بَلْ اَحْسِبْتُمْ ہمزہ تقریر کے لئے ہو اور مؤمنین کے خیال کے انکار اور استبعاد کے لئے اس سے غرض یہ ہے کہ مؤمن سختی اور تکلیف میں صبر کریں۔ اللہ تعالیٰ نے جب امتوں کا اپنے انبیاء علیہم السلام پر اختلاف کا ذکر کیا جو اختلاف امتوں نے واضح دلائل آنے کے بعد ڈالا۔ اس سے مقصد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور ایمان والوں کو ثابت قدمی اور صبر پر تسلی دینا مقصود تھا۔ اس موقع پر جبکہ مشرکین اور یہود و نصاریٰ ان کے ساتھ اختلاف کر رہے تھے اور ان کے ساتھ محض عداوت کی وجہ سے آیات کا انکار کر رہے تھے۔

ایسے موقع پر طریق التفات سے فرمایا۔ اَمْ حَسِبْتُمْ اَنْ تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ وَلَمَّا يَأْتِكُمْ بلکہ تم نے گمان کر لیا کہ جنت میں یونہی چلے جاؤ گے۔ حالانکہ تمہارے پاس نہیں آئی یہاں لَمَّا بمعنی لم ہے اور لَمَّا میں معنی توقع کا بھی ہے۔ یعنی ایسے حالات آنے کی توقع و انتظار ہے۔ مَثَلُ الَّذِينَ خَلَوْا کا معنی گزرنا ہے یعنی ان کا حال وہ مثال ہے شدت و سختی کی۔ مِنْ قَبْلِكُمْ۔ سے مراد انبیاء علیہم السلام اور مؤمن ہیں۔ مستہم یہ حالت کا بیان ہے جملہ مستانفہ ہے گویا کہنے والا یوں کہہ رہا ہے کہ وہ حال کیسا تھا؟ تو جواب آ یا مَسَّتْهُمُ الْبَأْسَاءُ۔ ان کو تنگیوں نے گھیر لیا۔ وَالضَّرَاءُ بیماری اور بھوک حملہ آور ہوئی وَزُلْزَلُوا قسماً قسم کی مصیبتوں سے

يَسْأَلُونَكَ مَاذَا يُنْفِقُونَ ۖ قُلْ مَا أَنْفَقْتُمْ مِنْ خَيْرٍ فَلِلَّهِ الدِّينُ

وہ آپ سے دریافت کرتے ہیں کیا خرچ کریں؟ آپ فرما دیجئے کہ جو مال تم خرچ کرو اس کا مصرف والدین

وَالْأَقْرَبِينَ وَالْيَتَامَىٰ وَالْمَسْكِينِ وَابْنِ السَّبِيلِ ۚ وَمَا تَفْعَلُوا مِنْ خَيْرٍ

اور قرابت دار اور یتیم اور مسکین لوگ ہیں۔ اور جو بھی خیر کا کوئی کام تم کرو گے

فَإِنَّ اللَّهَ بِهِ عَلِيمٌ ﴿۲۱۵﴾

سو اللہ اس کو خوب جانتے والا ہے۔

ان کو حرکت دی گئی اور جھنجھوڑا گیا۔ جیسا زلزلہ سے حرکت آتی ہے۔

بے قراری انتہاء کو:

حَتَّى يَقُولَ الرَّسُولُ وَالَّذِينَ آمَنُوا مَعَهُ ۚ اس حد تک کہ رسول اور مؤمن کہنے لگے۔ مَتَى نَصْرُ اللَّهِ۔ کب آئے گی اللہ تعالیٰ کی مدد یعنی بے قراری انتہا کو پہنچ گئی اور صبر باقی نہ رہا حتیٰ کہ وہ کہنے لگے مَتَى نَصْرُ اللَّهِ مطلب یہ ہے کہ مدد طلب کرتے اور اس کی تمنا میں شدت کا زمانہ طویل ہو گیا۔ اَلَا اِنَّ نَصْرَ اللَّهِ قَرِيبٌ۔ جلدی مدد سے ان کی طلب کو پورا کرتے ہوئے انہیں کہا گیا۔ آگاہ رہو بے شک اللہ تعالیٰ کی مدد قریب ہے۔

اختلاف قراءت:

يَقُولُ نافع اور علی رحمہما اللہ نے رفع سے پڑھا اور اس کو حکایت حال ماضی میں قرار دیا جیسے کہتے ہیں شربت الابل حتی یجیء البعیر یجر بطنہ تو یہاں یجیء حکایت حال ماضی ہے باقی قراء نے اَنَ مقدّرہ مان کر منصوب پڑھا ہے اور معنی استقبال کا کیونکہ ان اس کی علامت ہے۔

۲۱۵۔ يَسْأَلُونَكَ مَاذَا يُنْفِقُونَ قُلْ مَا أَنْفَقْتُمْ مِنْ خَيْرٍ فَلِلَّهِ الدِّينُ وَالْأَقْرَبِينَ وَالْيَتَامَىٰ وَالْمَسْكِينِ وَابْنِ السَّبِيلِ وَمَا تَفْعَلُوا مِنْ خَيْرٍ فَإِنَّ اللَّهَ بِهِ عَلِيمٌ۔ آپ ﷺ سے دریافت کرتے ہیں کہ وہ کیا خرچ کریں تم کہہ دو کہ جو مال تم خرچ کرو۔ تو ماں باپ اور رشتہ داروں کو یتیموں اور محتاجوں اور مسافروں کو دو اور تم جو کچھ نیکی کرو پس بے شک اللہ تعالیٰ اس کو جانتا ہے۔

لِشَانِ نَزُولِ: جب حضرت عمرو بن جموح رضی اللہ عنہ نے سوال کیا کہ ہم کس قسم کے اموال اور کہاں کہاں خرچ کریں تو یہ آیت اتری۔

(ابن حبان)

کُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِتَالُ وَهُوَ كُرْهُ لَكُمْ وَعَسَىٰ أَنْ تَكْرَهُوا شَيْئًا وَهُوَ

فرض کیا گیا تم پر جنگ کرنا اور وہ تمہیں ناگوار ہے، اور ممکن ہے کہ تم کسی چیز کو ناگوار سمجھو اور وہ

خَيْرٌ لَّكُمْ وَعَسَىٰ أَنْ تُحِبُّوا شَيْئًا وَهُوَ شَرٌّ لَّكُمْ وَاللَّهُ يَعْلَمُ وَأَنْتُمْ

تمہارے لئے بہتر ہو، اور ممکن ہے کہ تم کسی چیز کو پسند کرو اور وہ تمہارے لئے بری ہو، اور اللہ جانتا ہے اور تم

لَا تَعْلَمُونَ ۚ

نہیں جانتے۔

صراحتِ مصارف میں حکمت:

يَسْأَلُونَكَ اللَّهُ تَعَالَىٰ لِمَ أَتَيْنَا هَٰذَا مِنْ خَيْرٍ عَمَّا فَرَمَا خَرَجَ كَ الْمَصَارِفِ كَوَصْرَا حَتَّىٰ كَمَا تَهَذُّ ذَكَرْ كَرَدِيَا۔ اور سائل کے سوال کے جواب کو اشارہ میں بیان فرمایا۔ اس سے یہ واضح کر دیا کہ اصل قابلِ اہتمام مصرف کا لحاظ و خیال رکھنا ہے کیونکہ خرچ قابلِ اعتبار وہی ہوتا ہے۔ جو صحیح موقع پر صرف ہو جائے۔

حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے کہ یہ نفلی نفقہ جات کے سلسلہ میں ہے۔ وَمَا تَفَعَّلُوا مِنْ خَيْرٍ فَإِنَّ اللَّهَ بِهِ عَلِيمٌ۔ جو بھی تم بھلائی کرو پس اللہ تعالیٰ اس کو جاننے والے ہیں وہ اس پر بدلہ دیں گے۔

تفسیر آیت ۲۱۶:

کُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِتَالُ وَهُوَ كُرْهُ لَكُمْ وَعَسَىٰ أَنْ تَكْرَهُوا شَيْئًا وَهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ وَعَسَىٰ أَنْ تُحِبُّوا شَيْئًا وَهُوَ شَرٌّ لَّكُمْ وَاللَّهُ يَعْلَمُ وَأَنْتُمْ لَا تَعْلَمُونَ۔ (تم پر جہاد فرض کیا گیا اور وہ تمہیں ناگوار ہے اور شاید تمہیں ایک چیز بری لگے۔ حالانکہ وہ تمہارے حق میں بہتر ہو اور شاید ایک چیز تمہیں اچھی معلوم ہو حالانکہ وہ تمہارے حق میں بری ہے اور اللہ تعالیٰ (تمہاری بھلائی اور برائی کو) جانتا ہے اور تم نہیں جانتے) کتب علیکم القتال۔ تم پر کفار سے جہاد فرض کیا گیا۔

صفت سے مقصود اظہارِ مبالغہ:

وَهُوَ كُرْهُ لَكُمْ۔ یہاں مصدر کو صفت کی جگہ لایا گیا۔ تاکہ مبالغہ ظاہر ہو جیسا کہ اس شعر میں۔
فَإِنَّمَا هِيَ إِقْبَالٌ وَادْبَارٌ تو یہاں شاعر نے گھر کے پچھلے حصے اور سامنے والے حصے کو اقبال و ادبار کہہ دیا۔ گویا بذاتِ خود وہ کوئی ناپسند چیز ہے کہ جس سے اتنی طبعی ناپسندیدگی ہے یا یہ فَعْلٌ کا وزن مفعول کے معنی میں ہے۔ جیسے خُبْرٌ بمعنی الْمَخْبُورُ۔ یعنی مکروہ لکم۔ وہ ناپسندیدہ ہے تمہیں۔ وَعَسَىٰ أَنْ تَكْرَهُوا شَيْئًا وَهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ۔ ہو سکتا ہے کہ تم کسی چیز کو ناپسند کرو اور وہ تمہارے حق میں بہت بہتر ہو۔ پس تم غزوہ کو ناپسند کر رہے ہو۔ حالانکہ اس میں دو میں سے ایک خیر ضرور مل جائے گی یا کامیابی اور

يَسْأَلُونَكَ عَنِ الشَّهْرِ الْحَرَامِ قِتَالٍ فِيهِ ۖ قُلْ قِتَالٌ فِيهِ كَبِيرٌ ۖ

آپ سے شہر حرام کے بارے میں سوال کرتے ہیں، آپ فرما دیجئے کہ اس میں جنگ کرنا بڑا جرم ہے،

وَصَدُّ عَنْ سَبِيلِ اللَّهِ وَكَفْرٌ بِهِ وَالْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ۖ وَإِخْرَاجُ

اور اللہ کی راہ سے روکنا اور اس کے ساتھ کفر کرنا اور مسجد حرام کے ساتھ کفر کرنا اور اہل مسجد حرام کو

أَهْلِهِ مِنْهُ أَكْبَرُ عِنْدَ اللَّهِ ۚ وَالْفِتْنَةُ أَكْبَرُ مِنَ الْقَتْلِ ۖ وَلَا يَزَالُونَ

وہاں سے نکالنا اللہ کے نزدیک اس سے بڑا گناہ ہے۔ اور فتنہ پردازی قتل کرنے سے بڑا جرم ہے۔ اور کافر لوگ

يُقَاتِلُونَكُمْ حَتَّى يَرُدُّوكُمْ عَنْ دِينِكُمْ إِنِ اسْتَطَاعُوا ۖ وَمَنْ يَرْتَدِدْ

برابر تم سے جنگ کرتے رہیں گے یہاں تک کہ تمہیں پھر دین تمہارے دین سے اُتران سے ہو سکے، اور جو شخص تم میں سے

مِنْكُمْ عَنْ دِينِهِ فَيَمُتْ وَهُوَ كَافِرٌ فَأُولَٰئِكَ حَبِطَتْ أَعْمَالُهُمْ

اپنے دین سے پھر جانے پھر حالت کفر میں مر جائے، سو دنیا و آخرت میں ایسے لوگوں کے اعمال

فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ ۚ وَأُولَٰئِكَ أَصْحَابُ النَّارِ ۖ هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ ﴿٢١٧﴾

اکارت ہو جائیں گے اور یہ لوگ دوزخ والے ہیں، وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے،

غنیمت یا شہادت و جنت۔ وَعَسَىٰ أَنْ تَحِبُّوا شَيْئًا۔ اور شاید تم کسی چیز کو پسند کرو اور وہ غزوہ میں بیٹھ رہنا ہے۔ وَهُوَ شَرٌّ لَّكُمْ اور وہ تمہارے لئے بہت بری ہو اس لئے کہ اس میں ذلت و فقر اور اجر و غنیمت سے محرومی ہے۔

اللہ جل شانہ جو فرمائیں کروالو:

وَاللَّهُ يَعْلَمُ اللہ جانتے ہیں وہ چیز جو تمہارے حق میں خیر ہے وَأَنْتُمْ لَا تَعْلَمُونَ۔ اور تم نہیں جانتے اس کو پس جلدی سے وہ کروالو جس کا وہ حکم دے رہے ہیں خواہ وہ تمہیں گراں ہو۔

نکتہ: عَسَىٰ یہاں لایا گیا۔ اصل میں یہ شک کے لئے ہے کیونکہ نفس جب پاک ہو جاتا ہے تو اس کی تمام خواہشات شریعت کے مطابق ہو جاتی ہیں پھر وہ ان چیزوں سے نفرت کرتا ہے جو اللہ کو ناپسند ہیں اور ان چیزوں کو پسند کرتا ہے جو اللہ کو پسند ہیں۔

تَفْسِيرُ آیت ۲۱۷:

يَسْأَلُونَكَ عَنِ الشَّهْرِ الْحَرَامِ قِتَالٍ فِيهِ ۖ قُلْ قِتَالٌ فِيهِ كَبِيرٌ ۖ وَصَدُّ عَنْ سَبِيلِ اللَّهِ وَكَفْرٌ بِهِ وَالْمَسْجِدِ

الْحَرَامِ وَ اِخْرَاجُ اَهْلِهِ مِنْهُ اَكْبَرُ عِنْدَ اللّٰهِ وَالْفِتْنَةُ اَكْبَرُ مِنَ الْقَتْلِ وَلَا يَزَالُونَ يُقَاتِلُونَكُمْ حَتّٰى يَرُدُّوكُمْ عَنْ دِيْنِكُمْ اِنْ اَسْتَطَاعُوْا وَمَنْ يَّرْتَدِدْ مِنْكُمْ عَنْ دِيْنِهٖ فَيَمُتْ وَهُوَ كَافِرٌ فَاُولٰٓئِكَ حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ وَاُولٰٓئِكَ اَصْحَابُ النَّارِ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ۔

(اے محمد ﷺ آپ سے ماہ حرام میں جنگ کے متعلق پوچھتے ہیں ان سے کہہ دو۔ اس (ماہ حرام) میں لڑنا بڑا گناہ ہے اور اللہ کی راہ سے روکنا اور اس کو نہ ماننا اور مسجد حرام سے روکنا اور اس کے رہنے والوں کو نکال دینا اللہ کے نزدیک بہت بڑا گناہ ہے اور فساد اس قتل سے بھی زیادہ سخت ہے اور وہ تم سے ہمیشہ لڑتے رہیں گے یہاں تک کہ وہ تمہیں تمہارے دین سے پھیر دیں اگر وہ قابو پالیں اور جو تم میں سے اپنے دین سے پھر جائے گا اور کفر کی حالت میں مرجائے گا تو ایسے لوگوں کے عمل ضائع ہو جائیں گے۔ دنیا میں اور آخرت میں اور یہی لوگ دوزخی ہیں اور وہ ہمیشہ اس میں رہیں گے)۔

سریہ عبداللہ بن جحش رضی اللہ عنہ:

آیت یَسْأَلُونَكَ اس سریہ عبداللہ بن جحش رضی اللہ عنہ کے متعلق اتری۔ جس کو رسول اللہ ﷺ نے جمادی الاخریٰ میں روانہ فرمایا تھا۔ انہوں نے مشرکین سے لڑائی کر لی یہ سمجھ کر کہ رجب کا چاند نہیں ہوا حالانکہ رجب ہو چکا تھا۔ قریش نے پروپیگنڈا کیا محمد (ﷺ) نے تو اشہر حرام کو بھی حلال کر دیا حالانکہ ان میں خائف کو بھی امن حاصل تھا۔ یَسْأَلُونَكَ آپ سے کفار سوال کرتے ہیں یا مسلمان سوال کرتے ہیں کہ اشہر حرام میں قتال کا حکم کیا ہے؟

نحو: الشہر سے قتال فیہ بدل الاشتمال ہے۔

قراءت: عن قتال فیہ تکرار عامل کے ساتھ پڑھا گیا۔ جیسا کہ سورۃ الاعراف آیت نمبر ۵۷ میں لِلَّذِیْنَ اَسْتَضَعُّوْا لِمَنْ اٰمَنَ مِنْهُمْ۔ میں لام کو دوبارہ لایا گیا ہے۔ قُلْ قِتَالٌ فِیْهِ کَبِیْرٌ۔ کہہ دیں کہ لڑائی اس میں بڑا یعنی گناہ ہے۔

نحو: قتال، مبتداء کبیر، خبر ہے نکرہ کو مبتداء بنانا درست ہے کیونکہ فیہ کی وجہ سے اس میں تخصیص پیدا ہو گئی ہے وہ قتال کی صفت ہے۔

رائے مفسرین: اکثر مفسرین کی رائے یہ ہے کہ یہ آیت فاقتلوا المشرکین حیث وجدتموہم التوبۃ آیت نمبر ۵ سے منسوخ ہے (مگر جن دلائل کو نسخ کے لئے پیش کیا جاتا ہے وہ خود محل نظر ہیں البتہ بعض مفسرین نے الشہر الحرام بالشہر الحرام سے اس کو منسوخ مانا ہے جس سے ابتداء قتال فی الاشہر الحرام تو حرام رہے گی البتہ جوابی کارروائی اس آیت سے حلال ثابت ہوگی۔ واللہ اعلم۔

حدیبیہ میں روکنا:

وَصَدُّ عَنْ سَبِیْلِ اللّٰهِ۔ اور اللہ تعالیٰ کی راہ سے روکنا یعنی کفار کا رسول اللہ ﷺ اور صحابہ کرام کو حدیبیہ والے سال روکنا۔

نحو: یہ مبتداء ہے و کفر بہ اس کا معطوف علیہ ہے اور اخراج اہلہ یہ بھی اس کا معطوف علیہ ہے ان تینوں اسماء کی خبر

اَكْبَرُ عِنْدَ اللَّهِ ہے۔ والمسجد الحرام۔ فراء جیسے کا خیال یہ ہے کہ والمسجد الحرام کا عطف کفر بہ میں بہ پر ہے تقدیر عبارت یہ ہے کفر بہ وبالمسجد الحرام

علمائے بصرہ کا قول: ضمیر مجرور پر عطف اس صورت میں جائز ہے جبکہ حرف جار کو دوبارہ لایا جائے۔ پس اس طرح نہیں کہہ سکتے مردت بہ وزید۔ بلکہ اس طرح کہیں گے مردت بہ وبزید پس اگر یہاں عطف بہ پر ہوتا تو عبارت اس طرح ہوتی۔ وکفر بہ وبالمسجد الحرام

وَاٰخِرَاجُ اَهْلِهِ۔ وہاں کے رہنے والوں کا نکالنا یعنی مسجد حرام کے رہنے والوں کا نکالنا اور وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور مومن تھے اس کا عطف بھی صَدُّ پر ہے۔ اَكْبَرُ عِنْدَ اللَّهِ اللہ تعالیٰ کے ہاں بہت بڑا گناہ ہے جو کچھ کہ فعل قتال اشہر حرام میں سر یہ نے خطا کیا ہے اور گمان کی بناء پر کیا۔ (قصد انہیں) وَالْفِتْنَةُ۔ اور نکالنا یا شرک کرنا۔ اَكْبَرُ مِنَ الْقَتْلِ۔ یہ شہر حرام میں قتل سے بڑھ کر ہے یا کفار کا مسلمان کو دکھ دینا ان مسلمانوں کے شہر حرام میں قتل کفار سے زیادہ فتنہ ہے۔

پیشینگوئی:

وَلَا يَزَالُونَ يُقَاتِلُونَكُمْ حَتَّى يَرُدُّوكُمْ عَنْ دِينِكُمْ۔ وہ تم سے لڑتے رہیں گے یہاں تک کہ وہ تم کو تمہارے دین سے لوٹا دیں یعنی کفر کی طرف۔

اس آیت میں اطلاع دی گئی ہے کہ کفار کی ہمیشہ مسلمانوں سے عداوت رہے گی۔ اور وہ اس سے کبھی باز نہ آئیں گے۔ یہاں تک کہ مسلمانوں کو ایمان سے پھیر دیں۔

نکتہ: حَتَّى یہاں تعلیل کے لئے ہے جیسے کہتے ہیں يَعْبُدُ اللَّهُ حَتَّى يَدْخُلَ الْجَنَّةَ۔ یعنی وہ اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتا رہے گا تاکہ وہ جنت میں پہنچ جائے۔

آیت کا مطلب:

مطلب آیت کا یہ ہوا۔ کہ وہ تم سے لڑتے رہیں گے تاکہ وہ تمہیں ایمان سے لوٹا دیں۔ اِنْ اسْتَطَاعُوا۔ اگر وہ ایسا کر سکیں ان میں ایسا کر سکنے سے استبعاد ظاہر کیا گیا۔ جیسے تم دشمن کو کہتے ہو۔ ان ظفرت بی فلا تبق علی۔ کہ اگر تم مجھ پر کامیابی پاؤ۔ تو مت چھوڑنا۔ حالانکہ تمہیں یقین ہے کہ وہ تم پر کامیابی نہ پاسکے گا۔ مطلب یہ ہوا کہ وہ ایسا نہ کر سکیں گے کیونکہ تم ایمان میں مضبوط ہو۔ وَمَنْ يَرْتَدِدْ مِنْكُمْ عَنْ دِينِهِ۔ اور جو شخص تم میں سے پھر گیا اپنے دین سے یعنی اسلام سے کفر کی طرف۔

کفر سے مراد ارتداد ہے:

فَيَمُتْ وَهُوَ كَافِرٌ۔ اور کفر کی حالت میں اس کی موت آگئی۔ یہاں کفر سے ارتداد مراد ہے۔ فَأُولَٰئِكَ حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ فِي الدُّنْيَا وَالْآٰخِرَةِ۔ پس ان کے اعمال دنیا اور آخرت میں برباد ہو گئے۔ اس لئے کہ ارتداد سے مسلمانوں والے تمام ثمرات سے محروم ہو گئی۔ اور آخرت میں ثواب اور اچھے ٹھکانے سے محروم ہو گیا۔

إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَالَّذِينَ هَاجَرُوا وَجْهَدُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ أَُولَٰئِكَ

بیشک جو لوگ ایمان لائے اور جنہوں نے ہجرت کی اور جنہوں نے اللہ کی راہ میں جہاد کیا یہ لوگ

يَرْجُونَ رَحْمَتَ اللَّهِ ۖ وَاللَّهُ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ﴿٢١٨﴾

اللہ کی رحمت کی امید رکھتے ہیں، اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔

وَأُولَٰئِكَ أَصْحَابُ النَّارِ هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ۔ وہ آگ والے ہیں اور وہ اس آگ میں ہمیشہ رہنے والے ہیں۔

استدلال امام شافعی رحمہ اللہ:

اس آیت سے معلوم ہوا کہ ارتداد سے اعمال جط نہیں ہوں گے جب کہ موت ارتداد پر نہ آئے۔ گویا اگر توبہ کر لی تو سابقہ اعمال بحال ہیں۔

جواب: اللہ تعالیٰ نے سورہ مائدہ آیت نمبر ۴۴ وَمَنْ يَكْفُرْ بِالْإِيمَانِ فَقَدْ حَبِطَتْ عَمَلُهُ۔ میں جط عمل کو فقط ارتداد سے معلق فرمایا ہے۔ پس ثابت ہوا کہ صرف ارتداد سے جط اعمال ہو جاتا ہے۔ اصل اس اختلاف کی بنیاد وہ کلیہ ہے کہ مطلق کو مقید پر ہمارے ہاں محمول نہ کریں گے۔ بلکہ اپنے اپنے مقام پر رہیں گے اور ان کے ہاں مطلق کو مقید پر محمول کر کے اس میں بھی وہ قید معتبر مانیں گے۔

والدلائل فی اصول الفقہ۔

شان نزول: مجاہدین سریہ نے عرض کیا کہ ہمیں اس جہاد کا اجر ملے گا۔ تو یہ آیت نازل ہوئی۔

تفسیر آیت ۲۱۸:

إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَالَّذِينَ هَاجَرُوا۔ بے شک جو لوگ ایمان لائے اور وہ لوگ جنہوں نے ہجرت کی۔ یعنی انہوں نے مکہ کو اور اپنے خاندانوں کو چھوڑا۔

وَجْهَدُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ۔ (اور اللہ تعالیٰ کی راہ میں جہاد کیا) مشرکین کے خلاف۔

قراءت: یہاں وقف نہیں۔ کیونکہ اولئک يرجون یہ ان کی خبر ہے۔

أُولَٰئِكَ يَرْجُونَ رَحْمَتَ اللَّهِ۔ وہ اللہ تعالیٰ کی رحمت کے امیدوار ہیں کہا جاتا ہے من وجا طلب ومن خاف هرب۔

نکتہ: (امید کو ان کے لئے اس وجہ سے ثابت کیا تا کہ یہ معلوم ہو جائے۔ کہ عمل نہ موجب ثواب ہے اور نہ ثبوت ثواب کا یقین

دلانے والا۔ خاص کر اس وقت جبکہ اعتبار خاتمہ کا ہے)

وَاللَّهُ غَفُورٌ رَّحِيمٌ۔ (اور اللہ تعالیٰ بخشنے والا مہربان ہے)

يَسْأَلُونَكَ عَنِ الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ قُلْ فِيهِمَا آثَمُ كَبِيرٌ وَمَنَافِعُ لِلنَّاسِ

وہ آپ سے شراب اور جوئے کے بارے میں سوال کرتے ہیں، آپ فرمادیجئے کہ ان دونوں میں بڑا گناہ ہے اور لوگوں کے لئے منافع ہیں،

وَإِثْمُهُمَا أَكْبَرُ مِنْ نَّفْعِهِمَا وَيَسْأَلُونَكَ مَاذَا يُنْفِقُونَ قُلِ الْعَفْوَ

اور ان کا گناہ ان کے نفع سے بڑا ہے، اور وہ آپ سے سوال کرتے ہیں کیا خرچ کریں، آپ فرمادیجئے کہ جو زائد ہو وہ خرچ کر دیں

كَذَلِكَ يُبَيِّنُ اللَّهُ لَكُمُ الْآيَاتِ لَعَلَّكُمْ تَتَفَكَّرُونَ ﴿٢١٩﴾ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ

اللہ ایسے ہی بیان فرماتا ہے آیات، تاکہ تم فکر کرو دنیا میں اور آخرت میں،

وَيَسْأَلُونَكَ عَنِ الْيَتَامَى قُلْ إِصْلَاحٌ لَهُمْ خَيْرٌ وَإِنْ تُخَالِطُوهُمْ

اور وہ آپ سے سوال کرتے ہیں یتیموں کے بارے میں، آپ فرمادیجئے کہ اصلاح کرنا ان کے لئے بہتر ہے اور اگر ان کا خرچ آپس میں مالاو

فَإِخْوَانُكُمْ وَاللَّهُ يَعْلَمُ الْمُفْسِدَ مِنَ الْمَصْلِحِ وَلَوْ شَاءَ اللَّهُ لَأَعْنَتَكُمْ

تو وہ تمہارے بھائی ہیں، اور اللہ جانتا ہے کہ تم میں مفسد کون ہے مصلح کون ہے اور اللہ چاہتا تو تم کو مشقت میں ڈال دیتا،

إِنَّ اللَّهَ عَزِيزٌ حَكِيمٌ ﴿٢٢٠﴾

بے شک اللہ غالب ہے حکمت والا ہے۔

۲۱۹۔ يَسْأَلُونَكَ عَنِ الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ قُلْ فِيهِمَا آثَمُ كَبِيرٌ وَمَنَافِعُ لِلنَّاسِ وَإِثْمُهُمَا أَكْبَرُ مِنْ نَفْعِهِمَا وَيَسْأَلُونَكَ مَاذَا يُنْفِقُونَ قُلِ الْعَفْوَ كَذَلِكَ يُبَيِّنُ اللَّهُ لَكُمُ الْآيَاتِ لَعَلَّكُمْ تَتَفَكَّرُونَ۔ (آپ سے اے محمد ﷺ) یہ لوگ شراب اور جوئے کے بارے میں سوال کرتے ہیں ان سے کہہ دو۔ ان دونوں میں بڑا گناہ ہے اور لوگوں کے فائدے بھی ہیں۔ اور ان کے فائدے سے انکا گناہ بڑا ہے اور آپ سے دریافت کرتے ہیں کہ وہ کیا خرچ کریں کہہ دو۔ جو ضرورت سے زیادہ ہو اسی طرح اللہ تعالیٰ تم سے صاف صاف آیتیں بیان کرتے ہیں تاکہ تم غور کرو۔ شراب کے متعلق چار آیات اتریں۔ مکہ شریف میں نمبر ۱۔ سورہ نحل ومن ثمرات النخيل والا عناب تتخذون منه سكرًا ورزقا حسنا۔ مسلمان شراب کو استعمال کرتے تھے اور اس وقت حلال بھی تھی پھر حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ اور بعض دیگر صحابہ رضی اللہ عنہم نے کہا یا رسول اللہ ﷺ آپ ہمیں شراب کے بارے میں فتویٰ دیں۔ یہ عقل کو دور کرنے والی اور مال سلب کرنے والی ہے۔ پس اللہ تعالیٰ نے یہ آیت اتاری۔

واقعه عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ:

نمبر ۲۔ يَسْأَلُونَكَ عَنِ الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ۔ پھر کچھ لوگوں نے تو شراب پینی چھوڑ دی۔ جبکہ دوسرے استعمال کرتے رہے

حضرت عبدالرحمن بن عوفؓ نے ایک دن دوستوں کی جماعت کو دعوت دی انہوں نے شراب پی اور نشہ چڑھ گیا۔ نماز کا وقت آ گیا۔ تو ان میں سے کسی نے امامت کروائی۔ تو قل یا ایہا الکفرون لا اعبد کو اعبد ماتعبدون پڑھ دیا۔ اس پر یہ آیت اتری۔

واقعہ عتبان بن مالک رضی اللہ عنہ:

نمبر ۳۔ لَا تَقْرَبُوا الصَّلَاةَ وَأَنْتُمْ سُكَرَىٰ۔ النساء آیت نمبر ۴۳ اب اس کے بعد پینے والوں کی تعداد کم ہو گئی۔ پھر حضرت عتبان بن مالک رضی اللہ عنہ نے دوستوں کی ایک جماعت کو بلایا۔ جب انہوں نے شراب پی اور اس کا نشہ چڑھا۔ تو ایک دوسرے سے جھگڑے اور باہمی مار پٹائی ہوئی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا اَللّٰهُمَّ بَيْنْ لَنَا بَيِّنًا شَافِيًا۔ پس اللہ تعالیٰ نے یہ آیت۔

نمبر ۴۔ اِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَيْسِرُ تَا۔ فَهَلْ أَنْتُمْ مُنْتَهُوْنَ۔ اتاری۔ سورۃ المائدہ آیت نمبر ۹۰۔ ۹۱ اس آیت کو سن کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی زبان سے نکلا۔ انتھینا انتھینا یا رب اے ہمارے رب ہم باز آئے باز آئے۔

ارشاد حضرت علی رضی اللہ عنہ:

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ اگر ایک قطرہ شراب کنوئیں میں گر جائے پھر اس کی جگہ منارہ بنایا جائے۔ میں علی اس پر اذان نہ دوں گا۔ اور اگر دریا میں قطرہ گر جائے پھر وہ دریا خشک ہو جائے اور اس میں گھاس اُگ آئے تو میں اس کو اپنے جانوروں کو نہ چراؤں گا۔ خمر۔ انگور کا شیرہ جو گاڑھا ہو جائے جھاگ نکالے اصل میں خمرہ خمر مصدر پر اسمیت کا معنی غالب آ گیا۔ اس نے ڈھانپا ڈھانپنا۔ شراب بھی عقل کو ڈھانپ لیتی ہے۔

میسر کا مآخذ:

المیسر۔ کا معنی ہے جُوالیہ میسر سے مصدر ہے جیسا موعدا پنے فعل سے۔

کہا جاتا ہے۔ میسر تہ۔ جبکہ اس سے جوا کھیلے۔ اور ایسر سے مشتق ہے۔ کیونکہ دوسرے کا مال اس میں سہولت و آسانی بغیر محنت و تھکاؤ کے حاصل کر لیتا ہے یا ایسار سے مشتق ہے گویا اس کے بائیں ہاتھ نے یہ مال چھین لیا ہے۔ جوئے کی صورت حال اس طرح تھی ان کے ہاں دس تیر تھے۔ جن پر خطوط تھے۔ اور وہ درج ذیل تھے۔

جوئے کے تیر:

نمبر ۱۔ الفذ اس کا ایک حصہ تھا۔ نمبر ۲۔ التوام اس کے دو حصے تھے۔ نمبر ۳۔ الریب اس کے تین حصے تھے۔ نمبر ۴۔ الحلس اس کے چار حصے تھے۔ نمبر ۵۔ النافس اس کے پانچ حصے تھے۔ نمبر ۶۔ المسبل اس کے چھ حصے تھے۔ نمبر ۷۔ المعلىٰ اس کے سات حصے تھے۔ تین تیر بلا علامت تھے ان کا کوئی حصہ نہ تھا۔ نمبر ۱۔ المنیع نمبر ۲۔ السفیح۔ نمبر ۳۔ الوغد وہ ان تمام تیروں کو ایک تھیلے میں ڈالتے۔ اور ایک عادل آدمی کے ہاتھ پر رکھ دیتے۔ پھر وہ ان تیروں کو حرکت دیتا۔ اور اپنا ہاتھ تھیلے میں ڈال کر ہر آدمی کے نام پر باری باری ایک ایک تیر نکالتا جاتا۔ جس کا تیر ان تیروں میں سے نکلتا جن کے حصے مقرر تھے۔ وہ مقررہ حصے لے لیتا۔ اور جس کا ایسا تیر نکلتا جن کے حصے مقرر نہ تھے وہ کچھ وصول نہ کرتا۔ بلکہ سارے اونٹ کی قیمت بطور تاوان دیتا۔ وہ حصے وصول

کرنے والے اپنے حصے فقراء پر بانٹ دیتے۔ اس میں سے خود کچھ بھی استعمال نہ کرتے اور اس پر فخر کرتے اور جو اس میں داخل نہ ہوتا۔ اس کی مذمت کرتے۔ قمار کی تمام اقسام۔ نزد۔ شطرنج وغیرہ اسی کے حکم میں ہیں۔

لین دین کے متعلق سوال:

وہ آپ سے ان کے لین دین کے متعلق سوال کرتے ہیں۔ آپ فرمادیں۔ قُلْ فِيهِمَا اِثْمٌ كَبِيرٌ وَمَنَافِعُ لِلنَّاسِ (کہ ان میں گناہ بہت بڑا ہے اور لوگوں کے کچھ فائدے بھی ہیں)۔ باہمی جھگڑے اور گالم گلوچ کی وجہ سے اور فحش گوئی اور جھوٹ کی وجہ سے۔

قرأت: حمزہ اور علی رحمہما اللہ نے کبیر کی جگہ کثیر پڑھا ہے۔

ومنافع للناس سے مراد تجارت خمر کے فوائد اور پینے کی لذت اور جوئے میں فقراء کا نفع یا مال بلا محنت کے میسر آ جانا۔ وَاِثْمُهُمَا۔ ان کے لین دین کے گناہ کی سزا۔ اَكْبَرُ مِنْ نَّفْعِهِمَا۔ وہ ان دونوں کے فائدے سے بہت بڑھ کر ہے۔ کیونکہ شرابی اور جوہاز طرح طرح کے جرائم کا ارتکاب کرتے ہیں۔

وَيَسْأَلُونَكَ مَاذَا يُنفِقُونَ قُلِ الْعَفْوَ۔ وہ آپ سے پوچھتے ہیں کہ کیا خرچ کریں تو فرمادیں جو بچ رہے۔ عفو زائد کو کہتے ہیں۔ یعنی تم وہ خرچ کرو۔ جو ضرورت سے بچا ہوا ہو۔ ابتدائے اسلام میں تمام زائد مال کا خرچ کرنا فرض تھا کھیتی والے کو اپنا سال کا خرچہ رکھ کر مہینے کے بعد زائد کے خرچ کر ڈالنے کا حکم تھا۔

جب آیت زکوٰۃ نازل ہوئی۔ تو یہ حکم منسوخ ہو گیا۔

نحو و قرأت: ابو عمرو نے اس کو ضمہ کے ساتھ اَلْعَفْوُ پڑھا ہے جنہوں نے اس کو نصب دیا تو انہوں نے ”مَاذَا“ کو ایک اسم قرار دے کر ینفقون سے منصوب بنایا ہے۔ تقدیر عبارت یہ ہے قُلْ يَنْفِقُونَ الْعَفْو۔ : اور جنہوں نے رفع پڑھا انہوں نے مَا کو مبتدا اور ذاکو صلہ سمیت اس کی خبر بنایا ہے ذایہا الذی کے معنی میں ہے ینفقون یہ ذاکا صلہ ہے تقدیر عبارت یہ ہے۔ مَا الذی ینفقون؟ تو اس کے جواب میں العفو لایا گیا۔ یعنی هو العفو۔ تو جواب کو سوال والا اعراب دے دیا۔ تاکہ سوال و جواب میں مطابقت ہو۔

كَذٰلِكَ۔ کاف یہ موضع نصب میں مصدر محذوف کی صفت ہے یعنی تَبَيَّنًا قِتْلَ هٰذَا التَّبَيِّنِ۔ يَبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ الْاٰيٰتِ لَعَلَّكُمْ تَتَفَكَّرُوْنَ۔ اللہ تعالیٰ اپنی آیات کھول کر بیان کرتے ہیں۔ تاکہ تم سوچ و بچار کرو۔

تَفْسِيْرُ آيَةِ ۲۲۰:

فِي الدُّنْيَا۔ (دنیا میں) یعنی دنیا کے معاملے میں۔

وَالْآٰخِرَةِ (اور آخرت میں) فی یہ یتفکرون سے متعلق ہے۔ یعنی تم دونوں جہانوں کے متعلق غور و فکر کرو۔ اور ایسے اعمال کرو۔ جو تمہارے لئے نہایت درست ہوں۔ یا دونوں جہانوں کے متعلق سوچ و بچار کرو اور ان میں جو باقی رہنے والا ہے اور کثرت منافع والا ہے اس کو ترجیح دو۔

دوسرا قول: یہ ہے کہ یسین کے متعلق بھی ہو سکتا ہے تقدیر عبارت یہ ہوگی۔

یسین لکم الایات فی امر الدارین و فیما یتعلق بہما اور وہ تمہارے لئے اپنی آیات دونوں جہانوں کے سلسلے میں اور جو چیزیں ان سے متعلق ہیں واضح طور پر بیان کرتے ہیں۔ لعلکم تتفکرون۔ تاکہ تم سوچ بچار کرو۔ جب یہ آیت نمبر ۱۰ سورۃ نساء ان الذین یا کلون اموال الیتیمی ظلماً اتری تو کئی صحابہ رضی اللہ عنہم نے یتامی سے علیحدگی اختیار کر لی۔ اور ان سے میل جول چھوڑ دیا۔ اور ان کے مالوں کی نگرانی ترک کر دی۔ اور اس بات کا تذکرہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کیا۔ تو یہ آیت اتری۔

مداخلت برائے احتیاج:

وَيَسْأَلُونَكَ عَنِ الْيَتَامَىٰ قُلْ إِصْلَاحٌ لَّهُمْ خَيْرٌ۔ (وہ آپ سے یتیموں کے بارے سوال کرتے ہیں تم کہہ دو اصلاح کرنا ان کے لئے بہتر ہے) یعنی ان کے معاملات میں اور اموال میں اصلاح کی خاطر مداخلت الگ تھلگ ہو جانے سے بہتر ہے۔

وَأَنْ تَخَالَطُوهُمْ (تم ان سے میل جول کرو) اور علیحدگی اختیار مت کرو۔

فَاِخْوَانُكُمْ۔ (پس وہ تمہارے دینی بھائی ہیں) اور بھائی کا حق ہے کہ دوسرے بھائی کے ساتھ مل جل کر رہے۔

وَاللّٰهُ يَعْلَمُ الْمُفْسِدَ مِنَ الْمُصْلِحِ۔ (اللہ تعالیٰ کو معلوم ہے ان کے اموال میں بگاڑ پیدا کرنے والے کا ان کی اصلاح کرنے والے سے) پس مداخلت کے مطابق بدلہ دے گا۔ پس احتیاط کرو اور اصلاح کے علاوہ اور کوئی چیز مت تلاش کرو۔

وَلَوْ شَاءَ اللّٰهُ۔ (اور اگر اللہ تعالیٰ کو تمہاری تنگی منظور ہوتی)

لَا غَنَّتْكُمْ۔ (تو تمہیں مشقت میں ڈال دیتا) تمہیں مشقت اٹھوا کر اور تنگی میں مبتلا کرتا۔ اور شرکت کو مطلق مباح نہ کرتا۔

إِنَّ اللّٰهَ عَزِيزٌ۔ (بے شک اللہ تعالیٰ زبردست) یعنی غالب ہے وہ اپنے بندوں پر مشقت ڈالنے کی قدرت رکھتا ہے اور تنگی میں مبتلا کرنے کی۔

حَكِيمٌ۔ (حکمت والا ہے) وہ وسعت کے مطابق اور طاقت کے لحاظ سے حکم دیتا ہے۔



وَيَسْأَلُونَكَ عَنِ الْمَحِيضِ ۖ قُلْ هُوَ أَذَىٌّ ۚ فَاعْتَرِلُوا النِّسَاءَ فِي

اور وہ آپ سے حیض کے بارے میں سوال کرتے ہیں، آپ فرما دیجئے کہ وہ گندگی ہے، سو تم علیحدہ رہو عورتوں سے حیض

الْمَحِيضِ ۚ وَلَا تَقْرَبُوهُنَّ حَتَّىٰ يَطْهَرْنَ ۚ فَإِذَا تَطَهَّرْنَ فَأْتُوهُنَّ

کے زمانہ میں، اور ان کے پاس نہ جاؤ یہاں تک کہ وہ پاک ہو جائیں، پھر وہ جب پاک ہو جائیں تو ان کے پاس آؤ

مِنْ حَيْثُ أَمَرَكُمُ اللَّهُ ۚ إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ التَّوَّابِينَ وَيُحِبُّ

جس جگہ سے اللہ نے تم کو حکم دیا ہے۔ بے شک اللہ پسند فرماتا ہے خوب توبہ کرنے والوں کو، اور پسند فرماتا ہے خوب پاکیزگی

الْمُتَطَهِّرِينَ ﴿۲۲۲﴾

اختیار کرنے والوں کو۔

وَلَا تُنكِحُوا الْمُشْرِكِينَ ۚ نِكَاحُكُمْ بَاطِلٌ وَأَنْتُمْ لَا تُبْطِلُونَ ۚ

امام زجاج رحمہ اللہ نے اسی طرح کہا۔

جامع العلوم:

نے فرمایا۔ یہاں ایک مفعول کو حذف کیا گیا ہے۔

تقدیر عبارت یہ ہے: وَلَا تُنكِحُوا هُنَّ الْمُشْرِكِينَ کہ نہ نکاح کر کے دو ان مسلمات کا مشرکین کو۔ حَتَّىٰ يَوْمِنَا ۚ وَلَعَبْدٌ مُّؤْمِنٌ خَيْرٌ

مِنْ مُّشْرِكٍ وَلَوْ أَعْجَبَكُمْ ۚ یہاں تک کہ وہ ایمان لائیں اور مؤمن غلام بہت بہتر ہے مشرک سے اگرچہ وہ تمہیں پسند آئے۔

أُولَٰئِكَ أَسْأَلُكَ فِيهِمْ عِلَّتْ بَيَانُ كُنَىٰ أَوْرَاسِ كَامُشَارِا لِّهٖ مُشْرِكَةٌ عَوْرَتِيں اور مشرک مرد ہیں۔

ان سے رشتہ قطع کریں:

يَدْعُونَ إِلَى النَّارِ ۚ (وہ آگ کی طرف دعوت دینے والے ہیں) یعنی اس کفر کی طرف دعوت دینے والے ہیں جو اہل نار کا عمل

ہے پس وہ اس بات کے مستحق ہیں۔ کہ ان سے دوستی نہ کی جائے۔ اور نہ ان سے دامادی کا رشتہ قائم کیا جائے۔

ان سے موالات واجب ہے:

وَاللَّهُ يَدْعُو إِلَى الْجَنَّةِ وَالْمَغْفِرَةِ ۚ (اور اللہ تعالیٰ جنت و مغفرت کی طرف دعوت دینے والے ہیں) اور جو چیز انکی طرف

پہنچانے والی ہو یہی وہ لوگ ہیں جن کی موالات واجب ہے اور انکی مصاہرت درست ہے۔ بِإِذْنِهِ۔ اپنے اذن سے یعنی اپنے علم

سے یا اپنے حکم سے۔ وَيُبَيِّنُ لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُونَ اور اپنی آیات کھول کر بیان کرتے ہیں۔ تاکہ وہ نصیحت حاصل کریں۔

۲۲۲۔ وَيَسْأَلُونَكَ عَنِ الْمَحِيضِ ۖ قُلْ هُوَ أَذَىٌّ فَاعْتَرِلُوا النِّسَاءَ فِي الْمَحِيضِ وَلَا تَقْرَبُوهُنَّ حَتَّىٰ يَطْهَرْنَ فَإِذَا

تَطَهَّرْنَ فَأَتُوهُنَّ مِنْ حَيْثُ أَمَرَكُمُ اللَّهُ إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ التَّوَّابِينَ وَيُحِبُّ الْمُتَطَهِّرِينَ۔ اور وہ آپ سے حیض کے بارے میں سوال کرتے ہیں آپ فرمادیتے کہ وہ گندگی ہے۔ سو تم علیحدہ رہو عورتوں سے حیض کے زمانہ میں اور ان کے پاس نہ جاؤ یہاں تک کہ وہ پاک ہو جائیں پھر وہ جب پاک ہو جائیں تو ان کے پاس آؤ جس جگہ سے اللہ نے تم کو حکم دیا ہے۔ بے شک اللہ پسند فرماتا ہے خوب تو بہ کرنے والوں کو اور پسند فرماتا ہے خوب پاکیزگی اختیار کرنے والوں کو۔

نشانِ نزول: اہل عرب حائضہ عورتوں کے ساتھ کھاتے پیتے نہ تھے۔ اور نہ ہی ان کے ساتھ رہائش رکھتے جیسا کہ یہود مجوس کرتے۔ حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ان کے متعلق سوال کیا۔ یا رسول اللہ! حیض کی حالت میں عورتوں سے کس طرح معاملہ کریں؟ پس یہ آیت اتری۔

وَيَسْأَلُونَكَ عَنِ الْمَحِيضِ (وہ آپ سے حیض کے متعلق پوچھتے ہیں) الْمَحِيضُ۔ یہ مصدر میمی ہے کہا جاتا ہے۔ حاضت حیضاً۔ اس کو حیض آیا حیض آنا۔ جیسے جاء مجیناً۔

قُلْ هُوَ آذَى۔ (کہہ دیں وہ ناپاکی ہے)۔ یعنی حیض گندگی ہے اور صحبت کرنے والے کو ایذا دیتی ہے۔

اعترال عورت کا دائرہ:

فَاعْتَزِلُوا النِّسَاءَ فِي الْمَحِيضِ (تم عورتوں سے حیض میں الگ رہو) یعنی ان سے پرہیز کرو۔ یعنی مجامعت نہ کرو۔ یہ بھی کہا گیا کہ نصاریٰ ان سے مجامعت میں حیض کی پرواہ نہ کرتے۔ اور یہود ان سے بالکل علیحدگی اختیار کرتے پس اللہ تعالیٰ نے دونوں کے درمیان میں میانہ روی کا حکم دیا۔

مَسْنَدُہ: امام ابوحنیفہ اور ابو یوسف رحمہما اللہ کے نزدیک ازار کے نیچے والے حصہ سے پرہیز کرے۔ امام محمد رحمہ اللہ کے نزدیک فقط شرمگاہ سے پرہیز واجب ہے۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ وہ خون کے نشان یعنی شرمگاہ سے نیچے۔ اور اس کے لئے بقیہ جسم میں اختیار ہے۔ وَلَا تَقْرَبُوهُنَّ۔ (ان کے قریب نہ جاؤ) یعنی مجامعت مت کرو۔ یا ان کی مجامعت کے قریب نہ جاؤ۔ حَتَّى يَطْهُرْنَ۔ (یہاں تک کہ وہ پاک ہو جائیں)

اختلافِ قراءت: حفص کے علاوہ کوئی قراء کے نزدیک تشدید کے ساتھ ہے۔ یعنی وہ غسل کر لیں اور یہ اصل میں یسطھرن۔ تاء۔ طاء کو قرب مخرج کی وجہ سے ادغام کر لیا۔ دیگر قراء نے یطھرن۔ تخفیف کے ساتھ پڑھا ہے اس کا معنی خون کا منقطع ہونا ہے۔ مَسْنَدُہ: دونوں قراءتیں دو آیات کی طرح ہیں ہم نے دونوں پر عمل کرتے ہوئے کہا۔ کہ دم حیض کے اکثر دن گزر جانے پر اگر خون منقطع ہو گیا۔ اور اگر عورت نے غسل نہیں بھی کیا۔ تو مرد اسکے قریب جاسکتا ہے قراءت تخفیف کا یہ تقاضا ہے اور اگر خون قلیل دنوں میں منقطع ہو گیا۔ تو جب تک عورت غسل نہ کرے اس کے قریب نہ جائے۔ یا اس پر ایک وقت نماز کا نہ گزر جائے۔ تاکہ انقطاع بالیقین ثابت ہو جائے۔ اس طرح قراءت تشدید پر عمل ہو گیا۔ اور اس پر محمول کرنا آیت کا یہ اس کے عکس پر محمول کرنے سے اولیٰ ہے۔ کیونکہ عکس کی صورت میں ایک پر عمل کا ترک لازم ہوگا۔ جمع نہ کیا جاسکے گا۔ امام شافعی رحمہ اللہ کے ہاں مرد اس وقت تک قریب نہیں جاسکتا۔ جب تک خوب طہارت حاصل نہ کرے۔ اور ان کی دلیل یہ آیت: فَإِذَا تَطَهَّرْنَ فَأَتُوهُنَّ ہے۔

نِسَاؤُكُمْ حَرْثٌ لَّكُمْ ۖ فَاتُوا حَرْثَكُمْ اَنۡیۤ اَشِدَّتُمْ ۚ وَقَدِّمُوا اِلٰۤیۡنَفْسِكُمْ ۝

تمہاری عورتیں تمہاری کھیتی ہیں، سو تم اپنی کھیتی میں آ جاؤ جس طرف سے ہو کر چاہو اور تم اپنی جانوں کے لئے آگے بھیج دو،

وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَعْلَمُوۡا اَنَّكُمۡ مُّٰلِقُوۡهُ ۝ وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِيۡنَ ۝

اور اللہ سے ڈرو، اور جان لو کہ بلاشبہ تم اس سے ملاقات کرنے والے ہو، اور مومنین کو خوشخبری سنا دو۔

امام شافعی رحمہ اللہ کے ہاں صورت جمع:

آنے کا مطلب ان سے جماع کرنا ہے۔ پس اس طرح انہوں نے دونوں آیات کو جمع کیا۔

مِنْ حَيْثُ اَمَرَكَ اللّٰهُ۔ (جہاں سے اللہ تعالیٰ نے تمہیں حکم دیا) یعنی ان مقامات سے جہاں سے اس نے تمہیں آنے کا حکم دیا۔ اور اس کو حلال کیا اور وہ شرمگاہ ہے۔

اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ التَّوَّابِيۡنَ۔ (بے شک اللہ توبہ کرنے والوں کو پسند کرتے ہیں) تو ابین سے مراد ممنوعات کے ارتکاب سے رجوع کرنے والے یا اللہ تعالیٰ کی طرف لوٹنے والے خواہ وہ غلطی پر غلطی کر لیں۔ اللہ تعالیٰ کی محبت کی پہچان یہ ہے کہ اس کی عظیم معافی کے سبب مایوس نہ ہو۔

وَيُحِبُّ الْمُتَطَهِّرِيۡنَ۔ (اور خوب پاکیزگی والوں کو پسند کرتے ہیں) یعنی پانی سے پاکیزگی اختیار کرنے والے یا عورتوں کے ساتھ دبر میں وطی سے بچنے والے ہیں۔ یا حیض میں جماع سے بچنے والے یا فواحش سے بچنے والے ہیں۔

نشان نزول: یہود کہا کرتے تھے کہ اگر کوئی اپنے اہل کے ساتھ بیٹھ کر وطی کرے تو لڑکا بھیںگا پیدا ہوگا تو یہ آیت اتری۔

مقصود جماع بقائے نسل ہے:

۲۲۳۔ نِسَاؤُكُمْ حَرْثٌ لَّكُمْ۔ (تمہاری عورتیں تمہارے لئے کھیتی ہیں) یعنی کھیتی کے مقامات ہیں۔ اور یہ مجاز ہے عورتوں کو کھیتیوں سے تشبیہ دی۔ اس لئے کہ ان کے رحموں میں نطفہ ڈالے جاتے ہیں جو نسل کے لئے بمنزلہ بیج ہے اور لڑکا بمنزلہ نبات کے ہے دراصل نِسَاؤُكُمْ حَرْثٌ لَّكُمْ یہ فَاَتَوْهُنَّ مِنْ حَيْثُ اَمَرَكَ اللّٰهُ کا بیان اور توضیح بن گئی۔ یعنی وہ مقام جس کا اللہ تعالیٰ نے تمہیں حکم دیا۔ وہ مقام کھیتی ہے مقام گندگی نہیں۔ اس سے درحقیقت متنبہ کر دیا کہ مجامعت کا مقصد قضائے شہوت نہیں بقائے نسل ہے پس ایسے مقامات سے آؤ جس سے یہ مقصد متعلق ہے۔

فَاتُوا حَرْثَكُمْ اَنۡیۤ اَشِدَّتُمْ۔ (اپنی کھیتی میں آؤ جیسے تم چاہو) یعنی ان سے جماع کرو جب چاہو۔ یا جس طرح چاہو۔ آؤ بیٹھ کر۔ یا چپ لیٹ کر یا پہلو کے بل لیٹ کر مگر آنے کا مقام ایک ہی ہے۔ وہ مقام حرث ہے۔

یہ درحقیقت تمثیل ہے یعنی تم ان کے پاس آؤ جیسا تم اپنی اراضی جن میں تم کاشت کرنا چاہتے ہو جس طرف سے آتے ہو کوئی ایک طرف مخصوص نہیں۔

وَلَا تَجْعَلُوا لِلّٰهِ عُرْضَةً لِأَيْمَانِكُمْ أَنْ تَبَرُّوا وَتَتَّقُوا وَتُصْلِحُوا بَيْنَ النَّاسِ ط

اور اپنی قسموں کے ذریعہ نیکی کرنے اور تقویٰ اختیار کرنے اور لوگوں کے درمیان اصلاح کرنے کے لئے اللہ کو آڑ نہ بناؤ

وَاللّٰهُ سَمِيعٌ عَلِيمٌ ﴿۲۲۴﴾

اور اللہ سنے والا اور جاننے والا ہے۔

بلاغت:

ان آیات میں لطیف کنایات اور خوبصورت تعریضات ہیں۔

تعلیم آداب:

ہو ا ذی فاعتزلوا النساء۔ من حیث امر کم اللہ۔ فاتوا حرثکم اثنی شتم۔ ہر مسلمان پر لازم ہے کہ ان آداب کو اختیار کرے۔ اپنے محاورات اور مکاتبات میں بتکلف یہ انداز اختیار کرے۔

وَقَدْ مَوَّا لَانْفُسِكُمْ۔ (اپنے نفسوں کے لئے آگے بھیجو) یعنی جن اعمال صالحہ کا مقدم کرنا ضروری ہے اور ممنوعات کی مخالفت سے بچو یا اولاد طلب کرو یا اس سے مراد وہی ہے۔

وَاتَّقُوا اللّٰهَ۔ (اور اللہ تعالیٰ سے ڈرو) یعنی ممنوعات پر جرأت مت کرو۔

وَاعْلَمُوا اَنَّكُمْ مُلْقَوٰهُ۔ (اور یقین کر لو بے شک تم اس کو ملنے والے ہو) یعنی تم اس کی طرف جانے والے ہو پس اس کی ملاقات کی تیاری کرو۔

وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِينَ۔ (اور ایمان والوں کو خوش خبری دے دو) ثواب کے ساتھ اے محمد ﷺ۔

عجیب نکتہ:

تین مرتبہ یَسْأَلُونَكَ بغیر واؤ کے آیا۔ پھر تین مرتبہ واؤ کے ساتھ لایا گیا۔ کیونکہ پہلے تین حوادث کے متعلق سوال گویا متفرق حالات میں پیش آیا اس لئے حرف عطف نہیں لایا گیا کیونکہ ہر سوال ابتدائی سوال تھا اور پچھلے حوادث کے متعلق سوال ایک ہی وقت میں پیش آئے اس لئے واؤ جمع کا ان کے درمیان لایا گیا۔

۲۲۴۔ وَلَا تَجْعَلُوا لِلّٰهِ عُرْضَةً لِأَيْمَانِكُمْ أَنْ تَبَرُّوا وَتَتَّقُوا وَتُصْلِحُوا بَيْنَ النَّاسِ وَاللّٰهُ سَمِيعٌ عَلِيمٌ۔ (اور نہ بناؤ اللہ تعالیٰ کو روکنے والا اپنی قسموں کا کہ تم نیکی کرو گے۔ اور تقویٰ اختیار کرو گے اور اصلاح کرو گے لوگوں کے درمیان اور اللہ تعالیٰ سنے والا اور جاننے والا ہے)۔

عرضہ کی تفسیر:

العُرْضَہ۔ بروزن فعلہ بمعنی مفعول ہے جیسا قبضہ بمعنی مقبوض۔ اس چیز کو کہتے ہیں جو کسی چیز کے لئے رکاوٹ بنے۔ یہ عرض العود علی الاناء سے لیا گیا ہے جو لکڑی اس برتن سے آڑ اور رکاوٹ بن جائے۔ جیسے تم کہتے ہو۔ عرضة دون الخیر۔ فلاں آدمی بھلائی کے راستہ میں رکاوٹ ہے بعض لوگ صلہ رحمی کے بعض کاموں پر قسم اٹھاتے یا اصلاح رشتہ داری کرنے کی قسم کھا لیتے یا کسی پر احسان نہ کرنے کی یا عبادت نہ کرنے کی۔ پھر کہتے۔

اخاف الله ان احث في يمينی۔ میں اللہ تعالیٰ سے ڈرتا ہوں کہ میری قسم ٹوٹ جائے پس وہ نیکی کو اس لئے چھوڑتا ہے اپنی قسم میں نیکی کا ارادہ کر کے۔

قسم سے متعلق قسم کو چھوڑنا:

پس ان کو کہہ دیا تم اللہ تعالیٰ کو اپنی قسموں کا نشانہ نہ بناؤ۔ یعنی اس چیز کے لئے رکاوٹ نہ بناؤ اس چیز کو جس پر قسم اٹھائی ہے اور محلو ف علیہ یمین کہا کیونکہ وہ قسم سے متعلق ہے جیسا رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو آدمی کسی چیز پر قسم اٹھائے پھر اس کے غیر کو اس سے بہتر دیکھے تو اپنی قسم کا کفارہ ادا کرے۔ (احمد نسائی) تو اس شی کو یمین کہا گیا۔

اَنْ تَبْرُوْا وَتَتَّقُوْا وَتَصْلِحُوْا بَيْنَ النَّاسِ۔ (کہ تم نیکی نہ کرو گے اور تقویٰ اختیار نہ کرو گے اور لوگوں کے مابین اصلاح نہ کرو گے)۔

لام کی دو قسمیں:

جملہ لایمانکم کا عطف بیان ہے یعنی لایمور المحلوف علیہا النی ہی البر والتقوی والاصلاح بین الناس۔ یعنی وہ امور جن پر قسم اٹھائی گئی ہے وہ بر تقویٰ اور اصلاح بین الناس ہے اور لام فعل سے متعلق ہے۔ یعنی ولا تجعلوا اللہ عرضة لایمانکم نہ بناؤ اللہ کو اپنی قسموں کے لئے پردہ۔

دوسرا قول: لام تغلیل کے لئے بھی ہو سکتا ہے اور ان تبروا فعل سے متعلق ہو یا عرضة سے متعلق ہو یعنی ولا تجعلوا اللہ لاجل ایمانکم بہ عرضة لان تبروا۔ اللہ تعالیٰ کی قسموں کو لوگوں کے ساتھ سلوک کرنے سے تم آڑ نہ بناؤ کہ تم قسم کھا لو کہ فلاں کے ساتھ سلوک نہ کرو گے۔

وَاللّٰهُ سَمِیْعٌ۔ (اور اللہ سننے والے ہیں) تمہاری قسموں کو۔ عَلِیْمٌ۔ (اور جاننے والے ہیں) تمہاری نیت کو

لَا يُؤَاخِذُكُمُ اللَّهُ بِاللَّغْوِ فِي أَيْمَانِكُمْ وَلَكِنْ يُؤَاخِذُكُمْ بِمَا كَسَبَتْ

اللہ تعالیٰ تمہارا مواخذہ نہیں فرمائے گا۔ تمہاری لغو قسموں کے بارے میں، لیکن مواخذہ اس بات پر فرمائے گا جس کا تمہارے دلوں نے

قُلُوبُكُمْ وَاللَّهُ غَفُورٌ حَلِيمٌ ﴿۲۲۵﴾

اور اللہ غفور ہے حلیم ہے۔

ارادہ کیا

تفسیر آیت ۲۲۵:

لَا يُؤَاخِذُكُمُ اللَّهُ بِاللَّغْوِ فِي أَيْمَانِكُمْ۔ (اللہ تعالیٰ تم سے مواخذہ نہ کرے گا تمہاری قسموں میں بے ہودہ قسموں پر) اللغو۔ وہ بے ہودہ اور نکمی چیز جس کا اعتبار نہ ہو خواہ کلام ہو یا اور کچھ۔

یمین لغو:

وہ بے ہودہ قسم جس کا قسموں میں اعتبار نہ ہو اور وہ یہ ہے کہ کسی ایسی چیز پر قسم کھائے کہ جس کے متعلق گمان ہو کہ اس نے قسم نہیں اٹھائی اور معاملہ اس کے الٹ ہو۔ مطلب یہ ہے کہ وہ لغو یمین اٹھانے والے کو سزا نہ دیں گے۔ عند الشافعی رحمہ اللہ۔ جو زبان پر بلا قصد جاری ہو جائے مثلاً لا والله وبلى والله وَلَكِنْ يُؤَاخِذُكُمْ۔ (لیکن وہ مواخذہ کریں گے) یعنی سزا دیں گے۔

یمین غموس اور مواخذہ آخرت:

بِمَا كَسَبَتْ قُلُوبُكُمْ۔ (اس پر جو کمایا تمہارے دلوں نے) یعنی جو جان بوجھ کر قسم میں جھوٹ بولا ہے اور وہ اس طرح ہے کہ آدمی ایسی چیز کی قسم جان بوجھ کر کھائے جس کے متعلق جانتا ہو۔ کہ وہ اس کے برخلاف ہے جو وہ کہہ رہا ہے اور یہی یمین غموس ہے۔ امام شافعی رحمہ اللہ نے اس آیت سے یمین غموس پر کفارہ کو لازم کیا کیونکہ وہ دل کا کسب ہے۔ عزم اور قصد ہے اور مواخذہ یہاں واضح نہیں۔ بلکہ سورۃ المائدہ کی آیت میں واضح ہے۔ پس وہاں کا بیان یہاں کیلئے ہوگا۔ جواب: ہم کہتے ہیں اور وہ اگلے جہان کا معاملہ ہے اور مواخذہ اس جگہ دار ابتلاء سے مقید ہے پس ایک کو دوسرے پر محمول کرنا درست نہیں۔

وَاللَّهُ غَفُورٌ حَلِيمٌ۔ (اللہ تعالیٰ بخشنے والے بردبار ہیں) کہ تمہاری لغو قسموں پر مواخذہ نہیں کرتے۔

لِّلَّذِينَ يُؤْلُونَ مِنْ نِسَائِهِمْ تَرَبُّصُ أَرْبَعَةِ أَشْهُرٍ فَإِنْ فَاءُوا فَإِنَّ اللَّهَ

جو لوگ اپنی بیویوں کے پاس جانے کے بارے میں قسم کھا لیتے ہیں، ان کے لئے چار مہینہ کا انتظار ہے پھر اگر رجوع کر لیں تو اللہ

غَفُورٌ رَحِيمٌ ۲۲۶ وَإِنْ عَزَمُوا الطَّلَاقَ فَإِنَّ اللَّهَ سَمِيعٌ عَلِيمٌ ۲۲۷

بخشنے والا مہربان ہے۔ اور اگر وہ طلاق کا پختہ ارادہ کر لیں تو بے شک اللہ سننے والا جاننے والا ہے۔

تفسیر آیت ۲۲۶:

لِّلَّذِينَ يُؤْلُونَ مِنْ نِسَائِهِمْ۔ وہ لوگ جو اپنی بیویوں کے پاس نہ جانے کی قسم کھا لیتے ہیں۔ یؤلون کا معنی قسم اٹھانا ہے اور یہ ابن عباس رضی اللہ عنہما کی قراءت ہے: مِنْ نِسَائِهِمْ یہ جار مجرور سے متعلق ہے۔ یعنی للذین کے جیسا تم کہو۔
لَكَ مِنْي نَصْرَةٌ۔ وَلَكَ مِنْي مُعَاوَنَةٌ۔ اب مطلب یہ ہوا للمؤلین من نساء ہم۔ اپنی عورتوں کے بارے میں قسم کھانے والوں کے لئے۔

ایلاء کی تحقیق:

تَرَبُّصُ أَرْبَعَةِ أَشْهُرٍ۔ (چار ماہ انتظار کرنا ہے) یعنی قسم اٹھانے والے کے لئے ثابت ہوا چار ماہ کا انتظار گویا یہ استقرار کے متعلق ہوا۔ یؤلون کے متعلق نہیں کیونکہ وہ آلی علی سے متعدی ہوتا ہے جیسے کہتے ہیں آلی فلان علی امرأته۔ صحیح محاورہ ہے اگر کسی نے آلی فلان من امرأته کہا۔ تو اس آیت کو دیکھ کر غلط وہم کیا ہے۔ البتہ اس طرح کہا جاسکتا ہے۔ یہاں من سے آلی کو متعدی اس لئے کیا گیا کیونکہ اس قسم میں بعد اور دوری کا معنی پایا جاتا ہے گویا تقدیر عبارت اس طرح ہے یبعدون من نساء ہم مؤلین وہ دوری اختیار کرتے ہیں اپنی عورتوں سے اس حال میں کہ وہ قسم اٹھانے والے ہیں۔

فَإِنْ فَاءُوا۔ پس اگر وہ رجوع کریں ان مہینوں میں۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی قراءت میں فان فاء و فیہن ہے وہ اس معنی کی تاکید کرتی ہے یعنی و طی کی طرف لوٹ آئیں۔ اور ترک پر اصرار چھوڑ دیں۔

فَإِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَحِيمٌ۔ (پس اللہ تعالیٰ بخشنے والے رحم کرنے والے ہیں) اسی لئے کفارہ مشروع کیا۔

تفسیر آیت ۲۲۷:

وَإِنْ عَزَمُوا الطَّلَاقَ۔ (اگر انہوں نے طلاق کا ارادہ کر لیا) رجوع کو ترک کر کے پس وہ مدت کے اختتام کا انتظار کریں۔

فَإِنَّ اللَّهَ سَمِيعٌ۔ (پس اللہ سننے والا ہے) اس کی قسم والی بات کو۔

قول شافعی رحمہ اللہ:

عَلِيمٌ۔ (اور جاننے والا ہے) اس کی نیت کو۔ دراصل یہ جملہ اصرار علی القسم ترک رجوع پر وعید ہے امام شافعی رحمہ اللہ کے ہاں

وَالْمُطَلَّاتُ يَتَرَبَّصْنَ بِأَنْفُسِهِنَّ ثَلَاثَةَ قُرُوءٍ ۖ وَلَا يَحِلُّ لَهُنَّ أَنْ

اور طلاق دی ہوئی عورتیں اپنی جانوں کو روکے رکھیں تین حیض آئے تک، اور ان کے لئے یہ بات حلال نہیں ہے کہ

يَكْتُمْنَ مَا خَلَقَ اللَّهُ فِي أَرْحَامِهِنَّ إِنْ كُنَّ يُؤْمِنَنَّ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ

جو کچھ اللہ نے ان کے رحموں میں پیدا فرمایا ہے اسے چھپائیں اگر وہ ایمان رکھتی ہیں اللہ پر اور یومِ آخرت

الْآخِرَةِ وَبَعُولَتُهُنَّ أَحَقُّ بِرَدِّهِنَّ فِي ذَلِكَ إِنْ أَرَادُوا إِصْلَاحًا ۚ

پر، اور ان کے شوہر ان کے لوٹانے کے زیادہ حقدار ہیں اس مدت کے اندر اگر اصلاح کا ارادہ کریں،

وَلَهُنَّ مِثْلُ الَّذِي عَلَيْهِنَّ بِالْمَعْرُوفِ ۚ وَلِلرِّجَالِ عَلَيْهِنَّ دَرَجَةٌ ۚ

اور عورتوں کے لئے اس جیسا حق ہے جو ان کے اوپر ہے ایسے طریقہ پر، اور مردوں کا ان کے مقابلہ میں درجہ بڑھا ہوا ہے

وَاللَّهُ عَزِيزٌ حَكِيمٌ ۚ

اور اللہ زبردست ہے حکمت والا ہے۔

اس کا معنی یہ ہے پس اگر وہ رجوع کر لیں مدت کے گزرنے کے بعد گویا رجوع مدت کے گزرنے کے بعد ہے کیونکہ فاء تعقیب مع الوصل کے لئے ہے۔

شاندار جواب:

جواب: مگر اس کا جواب یہ ہے فان فاء و وان عزموا اور حقیقت للذین یؤلون من نساء ہم کی تفصیل ہے۔ اور تفصیل مفصل کے بعد آتی ہے۔ جیسا کہ تم کہو۔

انا نزیلکم هذا الشهر فان احدثکم اقامت عندکم الی آخره والالکم اقم الاریثما اتحول۔ میں اس مہینہ تمہارا مہمان ہوں پس اگر میں تمہاری تعریف کروں تو ہمیشہ تک کے لئے تم میں قیام کروں گا۔ ورنہ قیام نہ کروں گا اور تھوڑی دیر میں کوچ کر جاؤں گا۔

تفسیر آیت ۲۲۸: وَالْمُطَلَّاتُ۔ (اور طلاق شدہ عورتیں) یعنی مراد مدخول بھا حیض والی عورتیں۔

امر بصورتِ خبر:

يَتَرَبَّصْنَ بِأَنْفُسِهِنَّ۔ (وہ اپنے آپ کو روکیں) یہ خبر ہے جو امر کا معنی دیتی ہے اصل کلام اس طرح ہوگا۔ ولتتربصن المطلقات چاہیے کہ مطلقہ عورتیں انتظار کریں امر کو بصورتِ خبر لا کرتا کید امر مقصود ہے اور اس بات کی طرف نشان دہی کی گئی کہ یہ ان کاموں میں سے ہے جن کو فی الفور پورا کرنا مناسب ہے گویا ان عورتوں نے اس حکم کو انتظار سے تسلیم کر لیا ہے پس اس کے

پائے جانے کی خبر دی جا رہی ہے۔ اہل عرب دعائیں اس طرح استعمال کرتے ہیں۔ رحمک اللہ یہ کلمہ دعائیہ بھی خبر کی صورت میں اسی لئے لایا جاتا ہے۔ کہ قبولیت پر یقین و اعتماد ہوتا ہے گویا رحمت ابھی موجود ہے اور یہ اس کے متعلق خبر دے رہا ہے۔ پھر یہاں مبتداء پر اس کی بنیاد رکھ کر تاکید میں اضافہ کر دیا۔ کیونکہ جملہ اسمیہ دوام و ثبات پر دلالت کرتا ہے بخلاف جملہ فعلیہ کے نیز انفس کا ذکر کر کے ان کو انتظار پر مزید براہیختہ کیا گیا اور مزید اس پر ابھارا کیونکہ عورتوں کے نفس مردوں کی طرف مائل ہونے والے ہیں۔ پس ان کی ذوات کو حکم دیا۔ کہ وہ اپنے آپ کو ہٹائیں۔ اور طمع پر غالب کریں اور انتظار پر مجبور کریں۔

قرء بمعنی حیض کی اشارۃ النص سے دلیل:

ثَلَاثَةُ قُرُوءٍ۔ (تین حیض) قرء جمع قروء یا قروء کی اور اس کا معنی حیض ہے۔ اس لئے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا۔ دعی الصلوة ایام اقراءك (دارقطنی)

تو نماز اپنے حیض کے ایام کی مقدار چھوڑ دو۔ اسی طرح یہ ارشاد طلاق الامۃ تطلیقتان وعدتها حیضتان۔ (ابوداؤد ترمذی) آپ ﷺ نے طہران نہیں فرمایا اور سورۃ الطلاق آیت نمبر ۴ والسی ینسن من المحیض من نساء کم ان ار تبتم فعد تین ثلاثۃ اشہر۔ میں اشہر کو حیض کے قائم مقام قرار دیا گیا۔ اطہار کو قائم مقام قرار نہیں دیا گیا۔ (پس گویا اشارۃ النص سے اس معنی کی تاکید ہو گئی) ان نصوص کے علاوہ دلائل عقلیہ۔

اس معنی کے تین دلائل عقلیہ:

دلیل عقلی نمبر ۱: عدت کا مقصود استبراء رحم ہے حیض سے رحم کا استبراء حاصل ہوتا ہے نہ کہ طہر سے اسی بناء پر بالاتفاق لونڈی کے لئے استبراء ایک حیض سے حاصل ہوتا ہے۔

نمبر ۲۔ اگر طہر مراد لیا جائے جیسا کہ امام شافعی رحمہ اللہ کا قول ہے تو عدت دو قروء اور تیسرے کے کسی قدر حصہ سے ختم ہو جائے پس تین کی عدت حاصل نہ ہوئی کیونکہ جب کوئی شخص اپنی بیوی کو طہر کے آخر میں طلاق دے تو وہ حیض امام شافعی رحمہ اللہ کے ہاں عدت میں پورا شمار کیا جاتا ہے۔ اور وہ اگر اس کو حیض کے آخر میں طلاق دے تو ہمارے ہاں وہ حیض گنتی میں نہ آئے گا اور یہ ظاہر بات ہے کہ تین ایک خاص عدد ہے جو تین سے کم پر بولا نہیں جاتا۔

نمبر ۳۔ محاورۃ عرب ہے اقراءت المرأة جبکہ اس کو حیض آئے اور امرأة مقرئ حائضہ عورت

نحوی تحقیق:

مَحْجُورٌ: ثلاثۃ منصوب ہے کیونکہ مفعول بہ ہے یعنی یتربصن ثلاثۃ قروء نمبر ۱۔ یا ظرفیت کی وجہ سے منصوب ہے یعنی یتربصن مدۃ ثلاثۃ قروء نمبر ۲۔ یعنی وہ روکیں اپنے کو مدت تین حیض کے گزرنے تک۔ تمیز جمع کثرت ہے نہ جمع قلت جو کہ اقراء ہے کیونکہ اتساعاً یہ جمعیت میں مشترک ہیں۔ شاید قروء کا لفظ قروء کی جمع کے طور پر اقراء سے زیادہ استعمال ہوتا ہے پس اس کو قلیل الاستعمال پر ترجیح دے کر ذکر کیا گیا۔ کیونکہ قلیل الاستعمال بمنزلہ مہمل کے ہے۔

کتمان کی مراد:

وَلَا يَحِلُّ لَهُنَّ أَنْ يَكْتُمْنَ مَا خَلَقَ اللَّهُ فِيْ أَرْحَامِهِنَّ - (اور ان کے لئے جائز نہیں کہ وہ چھپائیں اس چیز کو جو اللہ تعالیٰ نے ان کے رحموں میں پیدا کی ہے) یعنی حمل یا دم حیض یا دونوں میں سے کوئی ایک اور یہ حکم اس وقت ہے جبکہ عورت اپنے خاوند سے جدائی کا ارادہ رکھتی ہو پس وہ حمل کو چھپائے تاکہ وہ خاوند اس کی طلاق میں وضع حمل تک انتظار نہ کریں۔ اور کہیں ایسا نہ ہو کہ وہ لڑکے کے بارے میں شفقت کرتے ہوئے اس کو رخصت سے گریز کرے۔ یا وہ عورت اپنا حیض چھپائے اور کہے کہ وہ حائضہ ہے حالانکہ وہ طہر میں ہو، تاکہ جلدی طلاق حاصل کر لے۔

إِنْ كُنَّ يُؤْمِنُنَّ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ - (اگر وہ اللہ تعالیٰ اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتی ہیں) یہاں ان کی اس حرکت کو بڑا کر کے پیش کیا گیا۔ کیونکہ جس کو اللہ تعالیٰ پر اور آخرت کی سزا پر ایمان ہو وہ اس کے گناہ پر جرأت نہیں کرتا۔ وَبَعُولَتُهُنَّ - (اور ان کے خاوند) البعول جمع بعل ہے تاء جمع مؤنث کے لئے لائی گئی ہے۔ أَحَقُّ بِرَدِّهِنَّ - (ان کے لوٹانے کے زیادہ حق دار ہیں) یعنی ان کے خاوند رجعت کے زیادہ حقدار ہیں۔

لفظ زوج کی حکمت:

مَسْئَلَةٌ: اس سے یہ بات ثابت ہوئی کہ طلاق رجعی سے وطی حرام نہیں ہوتی اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے خاوند کو طلاق کے بعد بھی زوجاً کے لفظ سے ذکر فرمایا ہے۔

فِيْ ذَلِكَ - (اس میں) یعنی مدت انتظار میں۔ مطلب یہ ہے کہ جب آدمی رجوع کا ارادہ کر لے اور عورت انکار کرے تو مرد کی بات کو عورت کی بات پر ترجیح دی جائے گی۔ اور مرد اس بات کا زیادہ حقدار ہے اس بناء پر نہیں کہ اس کو رجوع کا حق ہے۔ اِنْ ارَادُوا - (اگر وہ ارادہ کریں) یعنی رجوع کا۔

إِصْلَاحًا - (درستگی کا) اپنے اور ان کے مابین۔ اور ان پر احسان کا ارادہ رکھتے ہوں۔ ان کو نقصان پہنچانا مقصود نہ ہو۔

طرفین کے حقوق و فرائض:

وَلَهُنَّ مِثْلُ الَّذِي عَلَيَّهِنَّ (اور ان عورتوں کا حق ہے اسکی مثل جیسا عورتوں پر ہے) یعنی ان عورتوں کا مردوں پر حق لازم ہے جیسے مہر و نفقہ اور حسن معاشرت اور ترک مضرت وغیرہ اسکی مثل جو خاوندوں کا ان عورتوں پر لازم ہے جیسے ناپسند باتوں سے روکنا اور اچھی باتوں کا حکم دینا۔ بالمعروف سے مماثلت فی الاصلاح مراد ہے:

بِالْمَعْرُوفِ - (دستور کے موافق) یعنی اس انداز سے جو شریعت و عادات میں نامناسب خیال نہیں کیا جاتا۔ یہاں مماثلت سے جنس فعل میں مماثلت مراد نہیں بلکہ ایک دوسرے کے حقوق ذمہ ہونے اور اصلاح و درستی اختیار کرنے میں مماثلت مراد ہے۔

پس مرد پر لازم نہیں کہ جب عورت اس کے کپڑے دھوئے یا اس کے لئے کھانا تیار کرے تو وہ مرد بھی اسی طرح اس کے لئے کرے۔ بلکہ اس کے بالمقابل وہ کام کرے جو مردوں کے لائق ہیں۔

الطَّلَاقُ مَرَّتَيْنِ ۖ فَاِمْسَاكِ بِمَعْرُوفٍ اَوْ تَسْرِیْحٍ بِاِحْسَانٍ ۚ وَلَا

طلاق دو مرتبہ ہے پھر روک لینا ہے بھلائی کے ساتھ، یا چھوڑ دینا ہے اچھے طریقہ سے اور

يَحِلُّ لَكُمْ اَنْ تَاْخُذُوْا اِمَمًا اَتَيْتُمُوْهُنَّ شَيْئًا اِلَّا اَنْ يَّخَافَا اَلَّا

تمہارے لئے یہ حلال نہیں ہے کہ تم کچھ بھی لے لو اس مال میں سے جو تم نے ان کو دیا ہے۔ مگر اس صورت میں کہ میاں بیوی اس بات سے ڈرتے ہوں کہ حدود اللہ

يُقِيْمَا حُدُوْدَ اللّٰهِ ۚ فَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا يُقِيْمَا حُدُوْدَ اللّٰهِ ۚ فَلَا جُنَاحَ

قائم نہ رکھ سکیں گے، سو اگر تم لوگوں کو یہ ڈر ہو کہ وہ دونوں اللہ کے حدود کو قائم نہ رکھ سکیں گے، تو کوئی گناہ نہیں

عَلَيْهُمَا فَاِذَا افْتَدَتْ بِهٖ ۚ تِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ فَلَا تَعْتَدُوْهَا ۚ وَمَنْ

ان دونوں پر اس بارے میں کہ عورت اپنی جان کا بدلہ دے دے، یہ اللہ کے حدود ہیں۔ سو تم ان سے آگے مت بڑھو۔ اور جو کوئی

يَتَعَدَّ حُدُوْدَ اللّٰهِ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظَّالِمُوْنَ ۚ ۲۲۹ ۚ فَاِنْ طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ

شخص اللہ کے حدود سے آگے بڑھ جائے تو ایسے لوگ ظلم کرنے والے ہیں، پھر اگر اس کو طلاق دے دی تو اس کے لئے اس کے بعد حلال نہ

لَهٗ مِنْۢ بَعْدِ حَتّٰی تَنْكِحَ زَوْجًا غَيْرَهٗ ۚ فَاِنْ طَلَّقَهَا فَلَا جُنَاحَ

ہو گی یہاں تک کہ اس شوہر کے بعد کسی دوسرے شوہر سے نکاح نہ کرے۔ سو اگر اس نے طلاق دے دی تو ان دونوں پر کوئی

عَلَيْهِمَا اَنْ يَّتَرَاجَعَا اِنْ ظَنَّا اَنْ يُقِيْمَا حُدُوْدَ اللّٰهِ ۚ وَتِلْكَ

گناہ نہیں کہ پھر آپس میں رجوع ہو جائیں۔ اگر دونوں کو اس بات کا گمان ہو کہ اللہ کے حدود قائم رکھیں گے اور یہ

حُدُوْدُ اللّٰهِ يَبَيِّنُهَا لِقَوْمٍ يَعْلَمُوْنَ ۚ ۲۳۰

اللہ کی حد بندیاں ہیں وہ انہیں بیان فرماتا ہے ان لوگوں کے لئے جو جانتے ہیں۔

وَلِلرِّجَالِ عَلَيْهِنَّ دَرَجَةٌ ۚ (اور مردوں کو ان پر درجہ حاصل ہے) یعنی زائد حق ہے اور اس کے معاملات کی ذمہ داری میں

افضلیت ہے اگرچہ لذت و استمتاع، انفاق، ملک نکاح میں دونوں شریک ہیں۔

وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ (اور اللہ تعالیٰ زبردست ہیں) اس کے معاملات پر اعتراض نہیں کیا جاسکتا۔

حَكِيْمٌ (حکمت والے ہیں) وہ اسی بات کا حکم فرماتے ہیں۔

تَفْسِيْرُ آيَتِ ۲۲۹:

الطَّلَاقُ مَرَّتَيْنِ۔ (طلاق (رجعی) دوبارہ ہے) الطلاق بمعنى التّطليق یعنی طلاق دینا ہے جیسے السلام بمعنی تسلیم۔ مطلب یہ ہے کہ

شرعی طلاق ایک طلاق کے بعد طلاق متفرق طور پر دینا ہے۔ نہ کہ اکٹھی اور نہ ایک ہی لفظ سے مرتین سے مراد تثنیہ نہیں بلکہ دفعہ (مرتبہ) مراد ہے۔ جیسے سورہ ملک آیت نمبر ۴ میں ثم ارجع البصر کرتین یعنی کُرّۃً بعد کُرّۃً ایک مرتبہ کے بعد دوسری مرتبہ ہے نہ کہ دو مرتبہ۔

طلاق بدعت:

مَسْنَلَةٌ: اس آیت میں ہماری دلیل ہے۔ دو طلاقوں اور تین کو اکٹھا ایک ہی طہر میں دینا بدعت ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں الگ الگ کر کے دینے کا حکم دیا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ظاہر میں اگرچہ یہ خبر ہے مگر یہ امر ہے ورنہ اللہ تعالیٰ کی خبر میں تخلف لازم آتا ہے اس لئے کہ طلاق اکٹھی بسا اوقات پائی جاتی ہے۔ ایک قول: یہ بھی ہے کہ ایک انصاریہ نے عرض کیا۔ میرے خاوند نے کہا ہے کہ میں تمہیں طلاق دیتا ہوں پھر رجوع کرتا رہوں گا۔ پس یہ آیت اتری۔

الطَّلَاقُ مَرَّتَيْنِ۔ کہ طلاق رجعی تو دوبار ہے کیونکہ تیسری طلاق کے بعد رجوع نہیں۔ بِمَعْرُوفٍ۔ پھر دستور کے موافق رکھنا ہے یعنی رجوع کر کے مطلب یہ ہے کہ تم پر دستور کے موافق رو کے رکھنا لازم ہے۔ اَوْ تَسْرِیْعُ بِإِحْسَانٍ۔ (یا حسن سلوک سے رخصت کر دے) یعنی اس سے رجوع نہ کرے۔ یہاں تک کہ عدت سے بائٹہ ہو جائے۔

تیسری طلاق اور خلع:

دوسرا قول: یہ ہے کہ اس کو تیسری طلاق تیسرے طہر میں دے دے۔ یہ آیت جمیلہ اور ان کے خاوند ثابت بن قیس بن شماس کے بارے میں اتری۔ جمیلہ ان کو ناپسند کرتی تھی۔ جبکہ ثابت اس سے محبت کرتے تھے۔ ثابت نے ان کو مہر میں ایک باغ دے رکھا تھا۔ پس جمیلہ نے وہ باغ واپس کر کے ان سے خلع کر لیا۔ اسلام میں یہ سب سے پہلا خلع تھا (تفسیر طبری صفحہ ۴۶۱ جلد ۲) وَلَا یَحِلُّ لَكُمُ۔ (اور تمہارے لئے جائز نہیں ہے) اے خاوند یا اے حکام کیونکہ فیصلے کے وقت وہی لینے دینے کا حکم کرنے والے ہوتے ہیں اس لئے انہی کو خود لینے دینے والے کہہ دیا گیا۔

أَنْ تَأْخُذُوا مِمَّا آتَتْكُمْوهُنَّ شَيْئًا۔ (کہ تم لو اس میں سے کچھ جو کہ تم انہیں دے چکے ہو) یعنی اس میں سے جو مہر تم ان کو دے چکے ہو۔

إِلَّا أَنْ يَخَافَا أَلَّا يُقِيمَا حُدُودَ اللَّهِ۔ (مگر جب دونوں کو خوف ہو کہ وہ دونوں خدائی قوانین پر قائم نہ رہ سکیں گے) یعنی مگر یہ کہ میاں بیوی جان لیں کہ ازدواجی زندگی برقرار رکھنے میں حقوق زوجیت میں حدود اللہ کی خلاف ورزی لازم آتی ہے اس لئے کہ بیوی کی بد اخلاقی اور نافرمانی ظاہر ہو چکی۔

فَإِنْ خِفْتُمْ۔ (پس اگر تمہیں ڈر ہو) یعنی اے حکام۔ یہ بھی جائز ہے کہ اول خطاب ازواج کو ہو اور دوسرا حکام کو۔

حدود اللہ کی مخالفت:

الَّا يَقِيْمَا حُدُوْدَ اللّٰهِ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا۔ (کہ وہ دونوں اللہ کے قوانین کی پابندی نہ کر سکیں گے تو ان دونوں پر کچھ گناہ نہیں) یعنی نہ مرد پر لینے کا گناہ اور نہ عورت پر دینے کا گناہ۔

فِيْمَا افْتَدَتْ بِہ۔ (اس چیز میں جو وہ عورت اپنے خاوند کو فدیہ میں دے) یعنی اس چیز کے دینے میں جس سے وہ اپنی جان چھڑا لے۔ اور جو مہر اس کو ملا ہے اس کے بدلے میں اپنے خاوند سے خلع کرے۔

نحو و قراءت:

حمزہ یعقوب ابو جعفر رحمہم اللہ نے الا ان يخافا کو مثنیٰ للمفعول پڑھا ہے۔ جبکہ دیگر قراء نے قراءت حفص کی طرح مثنیٰ للمفاعل ہی پڑھا ہے۔

اور الا یقیمما یہ بمعنی صلہ یخافا کی ضمیر تشبیہ سے بدل الاشتمال ہے۔ مثلاً خیف زید ترکہ اقامۃ حدود اللہ۔ زید سے چھوڑنے کا خطرہ ہوا یعنی اللہ تعالیٰ کی حدود کا قیام۔

تِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ فَلَا تَعْتَدُوْهَا۔ (یہ اللہ تعالیٰ کی حدود ہیں) پس تم ان سے تجاوز نہ کرو۔ یعنی انکی مخالفت کر کے تجاوز نہ کرو۔ وَمَنْ يَتَعَدَّ حُدُوْدَ اللّٰهِ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ۔ (جو اللہ تعالیٰ کی حدود سے آگے بڑھتے ہیں وہی ظالم ہیں) یعنی اپنے نفسوں کو نقصان پہنچانے والے ہیں۔

تفسیر آیت ۲۳۰:

فَاِنْ طَلَّقَهَا۔ (پس اگر اس نے عورت کو طلاق دے دی) یعنی تیسری بار۔ دوبار کے بعد۔

خلع طلاق بدل:

سوال: خلع ہمارے نزدیک طلاق ہے اور ایک قول امام شافعی رحمہ اللہ کا بھی یہی ہے۔ تو اس طرح یہ چوتھی طلاق بن گئی۔

جواب: خلع طلاق بالبدل ہے (اور پہلی دو جو مذکور ہوئیں وہ بلا بدل ہیں) پس یہ تیسری طلاق ہوئی۔ اور یہ اسی کا بیان ہے یعنی اگر اس نے تیسری طلاق بالبدل دے دی۔ تو اس سے تحلیل کا حکم اس طرح ہے۔

فَلَا تَحِلُّ لَہُ مِنْۢ بَعْدُ۔ (تو اب اس کے بعد وہ اسکے لئے حلال نہیں ہے) یعنی تیسری طلاق کے بعد۔ حَتّٰی تَنْكِحَ زَوْجًا غَیْرَہُ۔ (جب تک کہ شوہر ثانی کے نکاح میں نہ آئے) یعنی اس وقت تک جبکہ وہ دوسرے خاوند سے نکاح نہ کرے۔ نکاح کی اسناد عورت کی طرف کی جاتی ہے۔ جیسے مرد کی طرف جیسے تزوج کا لفظ ہے۔ اس میں دلیل ہے۔ کہ نکاح عورت کی تعبیر سے بھی منعقد ہو جائے گا۔ اور وطی کی قید حدیث عمیلہ سے لگائی ہے۔ جیسا اصول فقہ میں معروف ہے۔

نکتہ: جب خاوند نے فراق کا اقدام کیا اور شرمندگی سے نکلنے کیلئے کوئی راستہ باقی نہ رہنے دیا تو عورت کو دوسرے خاوند کے دخول کے بغیر حلال نہ قرار دیا گیا۔ جب اس نے دخول کر لیا تو اب یہ عورت حلال ہو گئی اور دخول اس لئے لازم کیا۔ تاکہ آئندہ اس فعل

وَإِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَاءَ فَبَلَغْنَ أَجَلَهُنَّ فَأَمْسِكُوهُنَّ بِمَعْرُوفٍ أَوْ

اور جب تم عورتوں کو طلاق دے دو پھر وہ اپنی عدت گزر جانے کے قریب پہنچ جائیں تو ان کو ہوگ کو بھلائی کے ساتھ یا

سَرَّحُوهُنَّ بِمَعْرُوفٍ وَلَا تُمْسِكُوهُنَّ ضِرَارًا لِّتَعْتَدُوا وَمَنْ

ان کو چھوڑ دو خوبی کے ساتھ، اور ضرر پہنچانے کے لئے انہیں روک کر کے نہ رکھو تاکہ تم زیادتی کرو، اور جو

يَفْعَلْ ذَلِكَ فَقَدْ ظَلَمَ نَفْسَهُ ط وَلَا تَتَّخِذُوا آيَاتِ اللَّهِ هُزُوًا ز

شخص ایسا کرے گا سو اس نے اپنی جان پر ظلم کیا۔ اور مت بناؤ اللہ کی آیتوں کو مذاق کی چیز

وَإِذْ كُرُوا نِعْمَتَ اللَّهِ عَلَيْكُمْ وَمَا أَنْزَلَ عَلَيْكُمْ مِنَ الْكِتَابِ وَالْحِكْمَةِ

اور یاد کرو اللہ کی نعمتوں کو جو تم پر ہیں، اور جو کچھ اللہ نے تم پر نازل فرمایا ہے کتاب اور حکمت اس کو بھی یاد کرو۔

يَعِظُكُمْ بِهِ ط وَاتَّقُوا اللَّهَ وَاعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ ۝۲۳۱

اللہ اس کے ذریعہ تم کو نصیحت فرماتا ہے اور اللہ سے ڈرو اور جان لو کہ اللہ بے شک ہر چیز کو جاننے والا ہے۔

کے ارتکاب سے باز رہے۔

فَإِنْ طَلَّقَهَا ط پس اگر اس نے اس عورت کو طلاق دے دی یعنی زوج ثانی نے وطی کے بعد فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا (ان دونوں پر اس میں کوئی گناہ نہیں) یعنی پہلے خاوند اور اس عورت پر أَنْ يَتَرَاجَعَا (کہ پھر رجوع کر لیں) اِنْ ظَنَّا أَنْ يُقِيمَا حُدُودَ اللَّهِ (اگر ان کو یقین ہو کہ وہ اللہ تعالیٰ کی حدود کو قائم رکھ سکیں گے)۔

تعبیری حکمت:

سوال: (ان علما انهما یقیمان) نہیں فرمایا بلکہ اِنْ ظَنَّا اَنْ یُقِیْمَا کہا گیا۔

جواب: کیونکہ یقین ان سے غائب ہے۔ اس کو سوائے اللہ تعالیٰ کے اور کوئی نہیں جانتا۔

وَتِلْكَ حُدُودُ اللَّهِ یُبَیِّنُهَا (یہ اللہ تعالیٰ کی حدود ہیں جن کو وہ بیان کرتے ہیں) قاری المفصل نے نون کے ساتھ پڑھا ہے۔ یعنی نُبَیِّنُهَا۔ لِقَوْمٍ یَّعْلَمُونَ (ان لوگوں کے لئے جو جانتے ہیں) یعنی اس کو سمجھتے ہیں جو ان کیلئے بیان کیا گیا۔

تَفْسِیْرُ آیَتِ ۲۳۱:

وَإِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَاءَ فَبَلَغْنَ أَجَلَهُنَّ۔ (جب تم عورتوں کو طلاق دو اور وہ اپنی عدت پوری کرنے کو ہوں) یعنی جب ان کی عدت انتہا کو پہنچ جائے اور اسکے انتہا کے قریب ہو جائیں۔

لفظ اجل کا معنی:

الاجل کا لفظ تمام مدت پر بھی بولا جاتا ہے اور آخر مدت پر بھی انسان کی عمر کو بھی الاجل کہا جاتا ہے۔ اور موت کو بھی الاجل کہتے ہیں۔ جس سے عمر ختم ہوتی ہے۔

حسن معاشرت کا حکم:

فَأَمْسِكُوهُمْ بِمَعْرُوفٍ أَوْ سِرِّ حُوهُنَّ بِمَعْرُوفٍ۔ انہیں حسن معاشرت سے روک لو یا سلوک کے ساتھ انہیں رخصت کر دو۔ یعنی یا تو ان سے رجوع کر لے مگر اس سے ان کو دکھ دینا مقصود نہ ہو۔ یا پھر اس کا راستہ چھوڑ دے تاکہ اس کی عدت ختم ہو جائے اور بلا ایذا کے ہونا ظاہر ہو جائے۔

خاتمہ رواج:

وَلَا تُمْسِكُوهُمْ ضِرَارًا (اور ان کو تنگ کرنے کیلئے مت روکو) ضِرَارًا۔ مفعول لہ (ترجمہ اسکے مطابق ہے) یا حال ہے۔ مت ان کو روکو اس حال میں کہ ان کو تنگی دینے والے ہو۔ عرب میں رواج یہ تھا کہ عورت کو طلاق دے کر چھوڑ دیا جاتا۔ یہاں تک کہ اس کی عدت کا زمانہ قریب اختتام ہوتا۔ تو پھر اس سے رجوع کر لیتے۔ مگر یہ رجوع ضرورت کی بناء پر نہ تھا۔ بلکہ عدت کو لمبا کرنا مقصود ہوتا تھا۔ اس کو قرآن مجید میں الامساك ضِرَارًا۔ فرمایا گیا۔ لَتَعْتَدُوا تَا کہ تم ان پر زیادتی کرو۔ یعنی ان پر ظلم کرو یا ان کو فدیہ دینے پر مجبور کرو۔ وَمَنْ يَفْعَلْ ذَلِكَ۔ (جو اس طرح کرے گا) یعنی دکھ دینے کیلئے روکے گا۔

تاکید عمل:

فَقَدْ ظَلَمَ نَفْسَهُ۔ (بس یقیناً اس نے اپنی ہی جان پر ظلم کیا)۔ اس جان کو اللہ تعالیٰ کے عذاب کا مستحق بنا کر وَلَا تَتَّخِذُوا إِلٰهَ إِلَّا اللَّهُ هُزُؤًا (اور تم اللہ تعالیٰ کی آیات کو مذاق نہ بناؤ)۔ یعنی تم ان آیات کو اپنانے اور ان کے فرامین پر عمل کی کوشش کرو۔ اور ان کی پوری پوری نگہبانی کرو۔ ورنہ تو تم انکا مذاق بنانے والے ہو عرب اس آدمی کو جو کسی معاملے میں کوشش نہ کرے کہتے ہیں۔ انما انت لاعب وهازی۔ تو تو کھیل تماشا اور مذاق اڑانے والا ہے۔ وَاذْكُرُوا نِعْمَتَ اللَّهِ عَلَيْكُمْ (اور اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کو یاد کرو جو اس نے تم پر کی ہیں)۔ یعنی اسلام دے کر اور نبوت محمد ﷺ کو دے کر۔

وَمَا أَنْزَلَ عَلَيْكُمْ مِّنَ الْكِتَابِ وَالْحِكْمَةِ (اور جو کتاب اس نے نازل کی اور حکمت)۔ حکمت سے مراد کتاب اور سنت ہے۔ ذکر نعمت۔ یہ ہے کہ اس کا شکریہ ادا کرے اور اس نعمت کا شکریہ ادا کرے۔

يَعِظُكُمْ بِهِ (وہ اس کے ساتھ تمہیں نصیحت کرتے ہیں) یعنی ہ کی ضمیر ما انزل کی طرف جارہی ہے اور یہ حال واقع ہے۔ وَاتَّقُوا اللَّهَ (اور تم اللہ تعالیٰ سے ڈرو) اس چیز میں جس میں اس نے تمہارا امتحان لیا ہے۔

وَأَعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ۔ (اور یقین کرو بے شک اللہ تعالیٰ ہر چیز کو جاننے والے ہیں) خواہ وہ ذکر ہو یا تقویٰ نصیحت حاصل کرنا وغیر ذلک یہ انتہائی بلیغ انداز میں وعدہ و وعید ہے۔

وَإِذَا طَلَقْتُمُ النِّسَاءَ فَلَبُغْنَ أَجَلَهُنَّ فَلَا تَعْضُلُوهُنَّ أَنْ يَنْكِحْنَ

اور جب تم طلاق دو عورتوں کو پھر وہ پہنچ جائیں اپنی عدت کو تو ان کو اس سے نہ روکو کہ وہ اپنے شوہروں سے

اَزَّوَّاجَهُنَّ إِذَا تَرَاضَوْا بَيْنَهُم بِالْمَعْرُوفِ ذَلِكَ يُوعَظُ بِهِ مَنْ

نکاح کریں جبکہ آپس میں خوبی کے ساتھ رضا مند ہو جائیں۔ اس کے ذریعہ نصیحت کی جاتی ہے اس شخص کو جو تم میں سے

كَانَ مِنْكُمْ يُؤْمِنُ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ ذَلِكَُمَّ آزَكِي لَكُمْ وَأَطْهَرُ

اللہ پر اور آخرت کے دن پر ایمان لاتا ہے۔ یہ تمہارے لئے زیادہ صفائی اور زیادہ پاکی کی بات ہے

وَاللَّهُ يَعْلَمُ وَأَنْتُمْ لَا تَعْلَمُونَ ﴿۳۲﴾

اور اللہ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے۔

تفسیر آیت ۲۳۲:

وَإِذَا طَلَقْتُمُ النِّسَاءَ فَلَبُغْنَ أَجَلَهُنَّ (اور جب تم عورتوں کو طلاق دے دو اور وہ اپنی عدت کو پہنچ جائیں) یعنی ان کی عدت ختم ہو جائے۔

بلوغ کا معنی:

نکتہ: دونوں کلاموں کا سیاق ظاہر کر رہا ہے۔ کہ بلوغ کا دونوں جگہ معنی الگ الگ ہے۔ یہاں تو نکاح کے بعد بلوغ کا ذکر کیا گیا ہے۔ اور یہ عدت کے بعد ہی ہوتا ہے۔ پس یہاں معنی ختم ہونا اور پہلی آیت میں رجعت کے بعد ذکر کیا اور رجعت عدت کے دوران ہوتی ہے۔ اور پہلے میں معنی قریب اور اختتام ہونا ہے۔

فَلَا تَعْضُلُوهُنَّ۔ (پس تم مت ان کو روکو)۔ یعنی مت ان کو منع کرو۔

العضل۔ روکنا اور تنگی دینا۔

أَنْ يَنْكِحْنَ۔ (یہ کہ وہ نکاح کریں)۔ یعنی اس بات سے کہ وہ نکاح کریں۔

أَزَّوَّاجَهُنَّ۔ (اپنے خاوندوں سے) یعنی وہ خاوند جن کی طرف یہ عورتیں رغبت رکھتی ہیں اور وہ ان کے لئے مناسب بھی ہیں۔

عجیب استنباط:

مَسْئَلَةٌ: اس سے بھی اشارہ نکلا کہ عورتوں کی تعبیر سے نکاح منعقد ہو جاتا ہے۔

نکتہ: آیت میں خطاب ان ازواج کو ہے۔ جو اپنی عورتوں کو ظلم کے طور پر عدت کے ختم ہونے کے بعد روکتے ہیں اور اس وقت بھی ان کو چھوٹ نہیں دیتے کہ وہ جن خاوندوں سے پسند کریں نکاح کر لیں۔ ان کو ازواج مایوول کے اعتبار سے کہا گیا۔ یا خطاب اولیائے عورت کو ہے۔ جو ان عورتوں کو اپنے سابقہ خاوندوں کی طرف لوٹنے سے روکنے والے ہیں۔ ان کو ازواج ماضی کے اعتبار سے کہا۔

واقعہ معقل بن یسار رضی اللہ عنہ:

یہ آیت حضرت معقل بن یسار رضی اللہ عنہ کے متعلق اتری جب انہوں نے اپنی بہن جملاء بن یسار کو اپنے سابقہ خاوند بداح بن عاصم عجلانی کے ساتھ دوبارہ نکاح سے روکا۔ یا عام لوگوں کو خطاب ہے کہ تمہارے درمیان عضل یعنی روکنا نہیں پایا جاتا۔ کیونکہ جب وہ پایا جائے اور لوگ اس سے راضی ہوں تو وہ تمام منع کرنے والے کے حکم میں ہوتے ہیں۔

اِذَا تَرَاصُوا بَيْنَهُمْ۔ (جب وہ باہم رخصت ہو جائیں) یعنی جب منگنی کا پیغام دینے والا اور عورتیں رضا مند ہوں۔ بِالْمَعْرُوفِ (دستور کے مطابق) جو دین و مروت کے ساتھ اچھی شرائط یا مہر مثل کے ساتھ اور کفو میں کیونکہ جب دونوں میں سے ایک معدوم ہو تو اولیاء کو تعرض کرنا درست ہے۔ اور ذلک میں خطاب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ہے۔ یا ہر ایک مخاطب کو۔ يُوْعَظُ بِهِ مَنْ كَانَ مِنْكُمْ يَوْمَئِذٍ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ۔ (یہ اس شخص کو نصیحت کی جاتی ہے جو تم میں سے اللہ تعالیٰ اور قیامت کے دن پر ایمان رکھتا ہو) اس لئے کہ نصیحت انہی میں کامیاب ہوتی ہے۔ ذلک یہ (اے لوگو) یعنی منع کرنا۔

اَزْكٰى لَكُمْ وَاَظْهَرُ۔ (یہ تمہارے حق میں نفع دینے والی اور زیادہ پاک کرنے والی ہے) یعنی تمہارے لئے گناہوں کی گندگی سے زیادہ پاک کرنے والی ہے یا افضل اور اطیب ہے۔

وَاللّٰهُ يَعْلَمُ۔ (اور اللہ تعالیٰ جانتے ہیں) اس چیز کو جس میں پاکیزگی اور طہارت ہے۔

وَاَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ (اور تم نہیں جانتے ہو) اس کو

وَالْوَالِدَاتُ يُرْضِعْنَ أَوْلَادَهُنَّ حَوْلَيْنِ كَامِلَيْنِ لِمَنْ أَرَادَ أَنْ يُتِمَّ الرَّضَاعَةَ ۖ

اور مائیں دودھ پلائیں اپنی اولاد کو دو سال پورے اس کے لئے جو دودھ پلانے کی مدت پوری کرنا چاہے۔

وَعَلَى الْمَوْلُودِ لَهُ رِزْقُهُنَّ وَكِسْوَتُهُنَّ بِالْمَعْرُوفِ ۖ لَا تُكَلَّفُ نَفْسٌ إِلَّا وُسْعَهَا ۚ

اور جس کی اولاد ہے اس کے ذمہ ماؤں کا کھانا اور کپڑا ہے قاعدہ کے مطابق، کسی جان کو تکلیف نہیں دی جاتی مگر اس کی برداشت کے مطابق،

لَا تُضَارُّ وَالِدَةُ بِوَلَدِهَا وَلَا مَوْلُودٌ لَهُ بِوَلَدِهِ ۚ وَعَلَى الْوَارِثِ مِثْلُ

نہ تکلیف دی جائے والد کو اس کے بچہ کی و سے اور نہ اس کو تکلیف دی جائے جن کا بچہ ہے اس کے بچہ کی و سے اور وارث کے ذی اسی طرح

ذَلِكَ ۚ فَإِنْ أَرَادَ اِفْصَالًا عَنْ تَرَاوُعٍ مِّنْهُمَا وَتَشَاوُرٍ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا ۖ

سے لازم ہے۔ سو اگر دونوں آپس کی رضا مندی اور باہم مشورے سے دودھ چھڑانا چاہیں تو ان دونوں پر کوئی گناہ نہیں ہے،

وَإِنْ أَرَدْتُمُ أَنْ تَرْضِعُوْا أَوْلَادَكُمْ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ إِذَا سَلَّمْتُمْ

اور اگر تم اپنی اولاد کو دودھ پلوانا چاہو تو اس میں کچھ گناہ نہیں ہے جبکہ تم سپرد کر دو

مَّا أَتَيْتُمُ بِالْمَعْرُوفِ ۖ وَاتَّقُوا اللَّهَ وَاعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرٌ ۝۳۳

جو کچھ ان کو دینا طے کیا ہے قاعدہ کے موافق، اور اللہ سے ڈرو اور جان لو کہ بلاشبہ اللہ ان کاموں کو دیکھتا ہے جنہیں تم کرتے ہو۔

تَفْسِيْرُ آيَةِ ۲۳۳:

وَالْوَالِدَاتُ يُرْضِعْنَ أَوْلَادَهُنَّ (اور مائیں دودھ پلائیں اپنی اولاد کو) یہ صورتِ خبر ہے مگر امرِ موكد کے معنی میں ہے جیسا کہ بتر تبصن مگر یہ امر بطور استحباب ہے یا بطور وجوب جبکہ بچہ ماں کا دودھ ہی قبول کرتا ہو یا اس کے لئے کوئی دایہ نہ ملتی ہو یا والد اجرت سے عاجز ہو۔ یا مطلقہ والدات مراد ہوں۔ اور نفقہ اور کپڑے بطور رضاعت واجب کئے گئے ہوں۔

حَوْلَيْنِ (دو سال) یہ ظرف ہے گامِلین (پورے دو) یہ حَوْلین کی تاکید ہے۔ کیونکہ اس میں تسامح ہو سکتا ہے جس طرح تم کہتے ہو۔ انک اقامت عند فلان حولین ولم تستکملہما تم نے فلاں کے ہاں دو سال قیام کیا۔ اور ان کو پورا نہ کیا ہو۔

لِمَنْ أَرَادَ أَنْ يُتِمَّ الرَّضَاعَةَ۔ (اس شخص کے لئے جو رضاعت کو پورا کرنے کا ارادہ رکھتا ہو) اس میں اس شخص کا بیان ہے جس کی طرف حکم متوجہ ہو۔ یعنی یہ حکم اس شخص کے لئے ہے جو رضاعت کی مدت پوری کرنا چاہتا ہو۔

باپ کی ذمہ داری:

حاصل کلام: یہ ہے کہ باپ کے ذمہ لازم ہے کہ وہ اپنے بیٹے کو دودھ پلائے ماں کے ذمہ نہیں۔ اور باپ کے ذمہ ہے یا لازم ہے کہ اس کے لئے ایک دایہ کا انتظام کرے۔ مگر یہ کہ ماں دودھ پلانے پر خوش دلی سے راضی ہو۔ اور وہ خود رضامندی ظاہر کرنے والی ہو۔ اس پر اس کو مجبور نہیں کیا جاسکتا اور ماں کو مزدوری طلب کرنی جائز نہیں۔ جب تک کہ وہ بیوی ہے یا معتدہ ہے۔
وَعَلَى الْمَوْلُودِ لَهُ (اور والد پر) ہضمیر لام کی طرف لوٹتی ہے اور لام الذی کے معنی میں ہے۔ تقدیر عبارت یہ ہے علی الذی یولد له وهو الوالد

مَحْجُورٌ: نہ فاعلیت کی وجہ سے محل رفع میں ہے جیسا کہ علیہم غیر المفعول علیہم۔ الفاتحہ آیت نمبر ۷ میں ہے۔

مولود لہ کی تعبیر میں حکمت:

سوال: یہاں مولود لہ فرمایا گیا والد نہیں فرمایا۔

جواب: تاکہ معلوم ہو جائے کہ ماؤں نے ان بچوں کو ان کے لئے جنا ہے۔ اس لئے کہ اولاد باپوں کی ہے نسب کی نسبت باپوں کی طرف ہوتی ہے نہ کہ ماؤں کی طرف۔ پس ان باپوں پر لازم ہے کہ وہ ان (والدات) کو کھانا اور کپڑا دیں۔ جبکہ وہ ان کی اولاد کو دودھ پلائیں۔ جیسا کہ دایہ کو کھانا کپڑا دیا جاتا ہے ذرا غور تو کرو۔ جہاں ایسا موقع نہ تھا۔ وہاں والد کا نام لے کر ذکر کیا سورہ لقمان: ۳۳ وَأَخْشَوْا يَوْمًا لَا يَجْزِي وَالِدٌ عَنْ وَلَدِهِ وَلَا مَوْلُودٌ هُوَ جَارٍ عَنْ وَالِدِهِ شَيْئًا اور تم ڈرو اس دن سے کہ والد اپنی اولاد کی طرف سے کام نہ آئے گا اور نہ مولود اپنے والد کے کچھ کام آ سکے گا۔

رِزْقُهُنَّ وَكِسْوَتُهُنَّ بِالْمَعْرُوفِ (ان کے خرچے اور کپڑے کی دستور کے موافق ذمہ داری ہے) یعنی بغیر فضول خرچی اور بغیر کمی کے۔ اس کی تفسیر لا تکلف نفس الا وسعها ہے۔ کہ ان میں سے کسی کو ایسی چیز کی تکلیف نہ دی جائے گی۔ جو اس کی وسعت میں نہیں۔ اور نہ وہ دکھ دیئے جائیں گے۔

لَا تُكَلَّفُ نَفْسٌ إِلَّا وُسْعُهَا (نہ تکلیف دی جائے گی کسی نفس کو مگر اس کی وسعت کے مطابق) یعنی جو پائی جائے یا امکان کی حد تک۔ التکلیف۔ اس چیز کو لازم کرنا جس کو تکلف میں ترجیح دی جاتی ہے۔

نحو و قراءت:

مَحْجُورٌ: وسعها۔ یہ لا تکلف کا مفعول ثانی ہونے کی وجہ سے منصوب ہے۔ استثناء کی وجہ سے نہیں اور الا دو مفعولوں کے درمیان آیا ہے لَا تُضَارُّ قراءت: قرائے مکہ و بصرہ ابن کثیر و یعقوب نے رفع کے ساتھ پڑھا ہے۔ اس وجہ سے کہ یہ لا تکلف سے بدل ہے پس یہ خبر بمعنی نہیں ہے۔ باقی قراء نے لَا تُضَارُّ کو نصب سے پڑھا ہے نہی مان کر۔

ان دونوں صورتوں میں معروف و مجہول ہونے کا احتمال ہے اور اس کی اصل تُضَارُّ يَأْتُضَارُّ ہے بقیہ قراء نے لَا تُضَارُّ نہی پڑھا اور اصل تُضَارُّ پہلی راء کو ساکن کر دیا اور دوسری میں ادغام کر دیا۔ اب دوسرا کن جمع ہوئے تو دوسری راء کو فتح دیدیا۔

ضرر کی صورتیں:

وَالِدَةٌ يَوْلِدُهَا وَلَا مَوْلُودٌ لَهَا يَوْلِدُهَا (والدہ اپنے بیٹے کی وجہ سے اور نہ والد تکلیف دیا جائے بیٹے کی وجہ سے) نہ ماں اپنے خاوند کو تکلیف دے اپنے بیٹے کے سبب سے۔ وہ یہ ہے کہ نخرے کرے اور اس سے رزق اور کپڑے ایسے مانگے جو خلاف انصاف ہوں۔ اور اس کے دل کو پریشان کرے۔ لڑکے کی دیکھ بھال میں کوتاہی برتے۔ اور بچے کو اپنے ساتھ مانوس کر لینے کے بعد کہے کہ کوئی دودھ والی دایہ اس کے لئے تلاش کر لو۔ بس اسی طرح کی دیگر مائیں۔ یعنی نہ والد اپنی بیوی کو بیٹے کی وجہ سے تکلیف دے کہ اس سے ایسی چیز روک لے جو اس پر لازم ہے کپڑے اور رزق میں سے۔ یا اس سے بیٹا چھین لے حالانکہ وہ اس کو دودھ پلانا چاہتی ہو۔ جب یہ مجہول ہو پھر یہ ممانعت اس بات کی بنے گی۔ کہ عورت کو تکلیف پہنچے خاوند کی طرف سے اور تکلیف خاوند کو پہنچے عورت کی طرف سے لڑکے کی وجہ سے۔

دوسرا قول: لَا تَضَارُّ بِمَعْنَى لَا تَضُرُّ ہے اور بآء اس کے صلہ میں آئی ہے۔ یعنی نہ نقصان پہنچائے والدہ اپنے بیٹے کو نہ اس کی غذا کا خیال رکھے۔ اور نہ نگہبانی اور نہ اپنے سے مانوس کرنے کے بعد والد کے سپرد کرے۔ اور والد نقصان دے بیوی کو اپنے بیٹے کے سبب۔ وہ اس طرح کہ عورت سے بچہ چھین لے یا اس کے حق میں کوتاہی کرے۔ جس کے نتیجہ میں وہ لڑکے کے حقوق میں کوتاہی کرے۔

نسبت میں حکمت:

نکتہ: والد اور والدہ دونوں کی طرف لڑکے کی نسبت کی تاکہ ان کی شفقت اور محبت میں جوش آئے۔ وہ دونوں اس پر خصوصی شفقت کریں۔ (اپنے اختلاف کو بھول جائیں)

مَنْحُورٌ: وَعَلَى الْوَارِثِ۔ یہ علی المولود له رزقهن وکسوتهن پر معطوف ہے اور ان کے درمیان میں معروف کی تفسیر ہے جو بطور جملہ معترضہ معطوف اور معطوف علیہ میں حائل ہے۔

تقدیر عبارت یہ ہے۔ وَعَلَى الْوَارِثِ الصَّبِي عِنْدَ عَدَمِ الْاَبِ مِثْلَ ذَلِكَ۔ کہ بچے کے وارث پر والد نہ ہونے کی صورت میں اسی کی مثل ہے۔

مِثْلُ ذَلِكَ۔ اس کی مثل سے مراد یعنی کپڑے اور رزق جو والد کی زندگی میں اس کے ذمہ تھا وارث پر بھی وہی لازم ہے۔

وارث کی تفسیر:

وارث کی تفسیر میں اختلاف ہے۔ نمبر ۱: ابن ابی لیلیٰؒ کے نزدیک ہر وہ جو اس کا وارث بنا۔ خواہ مرد ہو یا عورت۔

نمبر ۲۔ احناف کے نزدیک۔ ذی رحم محرم مراد ہے۔ کیونکہ قراءت عبد اللہ بن مسعودؓ میں وَعَلَى الْوَارِثِ ذِي الرَّحْمِ المحرم مثل ذلك ہے۔

نمبر ۳۔ عند الشافعیؒ والد کی جائیداد سے خرچہ ادا کیا جائے گا۔

فَإِنْ أَرَادَا فِصَالًا (اگر دونوں دودھ چھڑانے کا ارادہ رکھتے ہوں) یعنی دونوں ماں باپ دودھ چھڑانے کا ارادہ رکھتے ہوں اور وہ ارادہ۔

عَنْ تَرَاضٍ مِنْهُمَا وَتَشَاوُرٍ (رضامندی اور باہمی مشورے سے صادر ہونے والا ہو) فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا (تو ان دونوں پر اس سلسلہ میں کوئی گناہ نہیں) ان الفاظ سے تحدید کے بعد توسع فرمایا گیا۔ کہ دو سال سے بڑھائیں یا کم کریں۔

التَّشَاوُرُ۔ (ایک دوسرے سے رائے لینا) یہ شرط العسل سے لیا گیا۔ جب کہ تم شہد کو چھتے سے نکالو۔ اور یہ اس لئے فرمایا تاکہ باہمی رضامندی سوچ و پجار کے ساتھ ہو۔ جس سے بچے کو تکلیف و ضرر نہ پہنچے۔

مصنف کا ذوق سلیم:

سُبْحَانَ الَّذِي أَدَّبَ الْكَبِيرَ وَلَمْ يَهْمَلِ الصَّغِيرَ وَاعْتَبَرَ اتِّفَاقَهُمَا لِأَنَّ لِلَّابِ النِّسْبَةَ وَالْوَلَايَةَ وَلِلَّامِ الشَّفَقَةَ وَالْعَنَايَةَ۔

مصنف کے یہ ذوقی جملے بعینہ نقل کئے گئے تاکہ پڑھنے والا ان کے ذوق سلیم کی داد دیے بغیر نہ رہے۔ پاک ہے وہ ذات جس نے بڑے کو ادب سکھایا اور چھوٹے کو ضائع و بیکار نہ ہونے دیا۔ اور والدین کے اتفاق کا اعتبار کیا۔ کیونکہ باپ کو نسبت اور ولایت حاصل ہے۔ اور ماں کو ممتا اور عنایت و ہاب حقیقی سے ملی ہے۔

اضافت عدلی کا فائدہ:

وَأِنْ أَرَدْتُمْ أَنْ تَسْتَرْضِعُوا أَوْلَادَكُمْ۔ اگر تم اپنی اولاد کو دودھ پلوانا چاہتے ہو۔ یعنی اولاد کم کی اضافت لام کے معنی میں ہے۔ لا اولاد کم۔ یہ زجاج کا قول ہے۔ بعض نے کہا استرضع یہ ارضع سے منقول ہے۔ عرب کہتے ہیں ارضعت المرأة الصبی واسترضعتها الصبی عورت نے بچے کو دودھ پلایا۔ میں نے بچے کے لئے اس کا دودھ طلب کیا۔ یہ دو مفعولوں کی طرف متعدی ہے۔ یعنی تم دودھ پلانے والیوں سے اپنی اولاد کو دودھ پلواؤ۔ تو ایک مفعول حذف کر دیا گیا۔ یعنی ماں کے علاوہ اور کسی عورت سے تم دودھ پلاتے ہو۔ جبکہ ماں انکاری ہے۔ یا دودھ پلانے سے عاجز ہے۔

فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ إِذَا سَلَّمْتُمْ (پس کوئی گناہ نہیں جبکہ تم سپرد کردو)۔ دودھ پلانے والیوں کو۔ مَا أَتَيْتُمْ (جو تم نے دینا ہو) یعنی جو تم مزدوری دینے کا ارادہ رکھتے ہو۔

قراءت: مکی نے آتیتُم بہ پڑھا ہے۔ یہ آتی إِلَیْهِ احْسَانًا سے لیا گیا ہے۔ جبکہ وہ احسان کرے اور اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد سورہ مریم۔ ۴۱ کان وعدہ ماتیا میں یہی معنی ہے۔ پورا کیا ہوا۔ التسلیم یہ حوالے کرنا مستحب ہے۔ جواز کی شرط نہیں۔

بِالْمَعْرُوفِ یہ سلمتم کے متعلق ہے۔ یعنی اجرت مراضع کے سپرد کردو بطیب خاطر اور بسرور نفس وَاتَّقُوا اللَّهَ وَاعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرٌ۔ اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور یقین کر لو۔ بیشک اللہ تعالیٰ جو تم عمل کرتے ہو دیکھنے والے ہیں۔ یعنی اس پر تمہارے اعمال مخفی نہیں۔ پس وہ ان اعمال پر تمہیں بدلہ دے گا۔

وَالَّذِينَ يُتَوَفَّوْنَ مِنْكُمْ وَيَذَرُونَ أَزْوَاجًا يَتَرَبَّصْنَ بِأَنْفُسِهِنَّ أَرْبَعَةَ أَشْهُرٍ

اور تم میں سے جو لوگ وفات پا جائیں اور بیویاں چھوڑ جائیں تو یہ بیویاں اپنی جانوں کو روکے رکھیں چار مہینے

وَعَشْرًا فَإِذَا بَلَغْنَ أَجَلَهُنَّ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيمَا فَعَلْنَ فِي أَنْفُسِهِنَّ

دس دن، پھر جب وہ پہنچ جائیں اپنی میعاد کو سو تم پر کوئی گناہ نہیں اس بات میں کہ وہ عورتیں اپنی جانوں کے بارے میں خوبی کے ساتھ

بِالْمَعْرُوفِ ۝ وَاللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ خَبِيرٌ ۝

کوئی فیصلہ کر لیں، اور جو تم کرتے ہو اللہ اس کی خبر رکھنے والا ہے۔

۲۳۳: وَالَّذِينَ يُتَوَفَّوْنَ مِنْكُمْ۔ (وہ جو تم میں سے مر جائیں) توفیت و استوفیت اس وقت بولتے ہیں۔ جب کسی چیز کو پورا پورا لیا جائے۔ یعنی ان کے ازواج کو پورا پورا لے لیا جائے۔ وَيَذَرُونَ (اور وہ چھوڑ جائیں)۔

انتظار کا مطلب:

أَزْوَاجًا يَتَرَبَّصْنَ بِأَنْفُسِهِنَّ (وہ بیویاں وہ روکیں اپنے کو) یعنی ان کی بیویاں اپنے آپ کو روکیں جو تم میں سے فوت ہو جائیں۔ یعنی عدت گزاریں یا مطلب یہ ہے۔ ان کے بعد اپنے آپ کو روکیں اور انتظار کریں۔ بَعْدَهُمْ کو معلوم ہونے کی وجہ سے حذف کر دیا گیا۔ جو جملہ خبر بنے اس میں ایک ضمیر ہونی چاہیے۔ جو مبتداء کی طرف لوٹنے والی ہو۔ تقدیر عبارت یہ ہے: وازواج الذین يُتَوَفَّوْنَ يَتَرَبَّصْنَ بَعْدَهُمْ۔

قرأت: مفضل نے يُتَوَفَّوْنَ معروف یا کے فتح سے پڑھا اور اس کا معنی اپنی عمریں پوری کر لیں۔

تذکرہ میں لیالی کا لحاظ:

أَرْبَعَةَ أَشْهُرٍ وَعَشْرًا۔ چار ماہ دس دن یعنی دس راتوں کے ساتھ دن بھی داخل ہوں گے۔ لفظ عشر کو مؤنث لانا لیالی کے لحاظ سے ہے۔ کیونکہ اہل عرب جب عدت کو لیالی و ایام میں مبہم ذکر کرتے ہیں۔ تو لیالی کا لحاظ کرتے ہیں۔ جیسے کہتے ہیں۔ صمت عشرًا۔ جبکہ قرآن مجید میں فرمایا: ان لبثتم الا عشرًا۔

فَإِذَا بَلَغْنَ أَجَلَهُنَّ (جب وہ اپنی عدت پوری کر چکیں)۔ یعنی پس اگر ان کی عدت ختم ہو جائے۔

فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ (تو تم پر کچھ گناہ نہیں) اے ائمہ اور حکام

فِيمَا فَعَلْنَ فِي أَنْفُسِهِنَّ (جو وہ اپنے نفسوں کے بارے میں دستور کے مطابق کریں)۔ یعنی مٹگنی کرنے والوں کا پیغام وصول کرنا۔ بِالْمَعْرُوفِ دستور کے مطابق یعنی اس طریق سے جس کو شرع درست قرار دیتی ہے۔ وَاللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ خَبِيرٌ (اللہ تعالیٰ تمہارے کاموں سے خبردار ہے)۔ یعنی تمہارے باطن سے واقف ہے۔ (اس کے مطابق جزا دے گا)

وَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيمَا عَرَّضْتُمْ بِهِ مِنْ خِطْبَةِ النِّسَاءِ أَوْ أَكْنَنْتُمْ فِي أَنْفُسِكُمْ

اور تم پر اس بات میں کوئی گناہ نہیں کہ ان عورتوں کو کنایہ نکاح کا پیغام دیدو یا اپنے دلوں میں پوشیدہ رکھو

عَلِمَ اللَّهُ أَنَّكُمْ سَتَذْكُرُونَهُنَّ وَلَكِنْ لَا تُؤَاوِدُوهُنَّ سِرًّا إِلَّا أَنْ تَقُولُوا قَوْلًا

اللہ کو معلوم ہے کہ بے شک تم ان عورتوں کا ذکر کرو گے۔ اور لیکن ان سے نکاح کا خفیہ طور پر وعدہ نہ کر لینا، مگر یہ کہ ان سے ایسی بات کہو

مَعْرُوفًا وَلَا تَعْرِضُوا عَقْدَةَ النِّكَاحِ حَتَّى يَبْلُغَ الْكِتَابُ أَجَلَهُ وَعَلِمُوا

جو عقدہ کے موافق ہو، اور تم نکاح کرنے کا ارادہ مت کرو یہاں تک کہ عدت قانون کے مطابق ختم ہو جائے، اور تم جان لو

أَنَّ اللَّهَ يَعْلَمُ مَا فِي أَنْفُسِكُمْ فَاحْذَرُوهُ وَعَلِمُوا أَنَّ اللَّهَ غَفُورٌ حَلِيمٌ

کہ بے شک اللہ جانتا ہے۔ جو تمہارے دلوں میں ہے، سو تم اللہ سے ڈرو، اور جان لو کہ بلاشبہ اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔

تفسیر آیت ۲۳۵:

وَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيمَا عَرَّضْتُمْ بِهِ مِنْ خِطْبَةِ النِّسَاءِ (تم پر کچھ گناہ نہیں۔ اسمیں کہ تم اشارہ ان عورتوں کو نکاح کا پیغام دو)۔

تعریض و کنایہ کا فرق:

خطبہ کا مطلب طلب نکاح اور تعریض یہ ہے کہ تم کہو بیشک تو خوبصورت ہے۔ یا نیک ہے۔ اور میرا مقصد نکاح کرنا ہے۔ اس طرح کا قدم جس سے یہ خیال پیدا ہو کہ وہ اس سے نکاح کرنا چاہتا ہے۔ تاکہ وہ اپنے آپ کو اس کے لئے روک کر رکھے۔ اگر وہ پسند کرے۔ البتہ صراحت نکاح کی نہیں کر سکتا۔ کہ اس طرح کہے۔

انی اریدان اتزوجک کہ میں تم سے شادی کرنا چاہتا ہوں۔ تعریض و کنایہ کا فرق۔ یہ معنی کہ کسی چیز کا ذکر ان الفاظ کے علاوہ دیگر الفاظ سے کرے۔ جو اس کے لئے بنائے گئے اور مخصوص ہیں۔ کنایہ کہلاتا ہے۔

اور تعریض کسی چیز کا تذکرہ کرنا جو دلالت کے انداز سے ہو مثلاً محتاج کہے کہ میں سلام کرنے آیا ہوں۔ اور آپ کے سخاوت والے چہرے کی زیارت کرنے آیا ہوں۔ اس لئے اہل عرب کہتے ہیں۔

حسبك بالتسليم مني تقاضیا گویا اس نے کلام ایسے انداز سے کیا جو قائل کی غرض پر دلالت کرتا ہے۔

أَوْ أَكْنَنْتُمْ فِي أَنْفُسِكُمْ (یا اپنے دلوں میں چھپاؤ) یعنی تم اپنے دلوں میں چھپاؤ اور اپنے دلوں میں رکھو اور زبان سے تعریض و تصریح کسی طور پر ظاہر نہ کرو۔

عَلِمَ اللَّهُ أَنَّكُمْ سَتَذْكُرُونَهُنَّ (اللہ تعالیٰ کو معلوم ہے کہ تم عنقریب ان کا تذکرہ کرو گے) یعنی ہر صورت ان کا تذکرہ کرو گے۔ ان کی طرف رغبت کو زبان سے ظاہر کرنے سے نہیں رکو گے۔

وَلَكِنْ لَا تُوَاعِدُوهُنَّ سِرًّا (لیکن ان سے خفیہ جماع کا وعدہ نہ کرو)۔ کیونکہ یہ پوشیدہ کیے جانے والے افعال میں سے ہے۔ یعنی عدت میں اس طرح مت کہو کہ میں جماع پر قدرت رکھتا ہوں۔

إِلَّا أَنْ تَقُولُوا قَوْلًا مَّعْرُوفًا (مگر یہ کہ ان سے دستور کی بات کہو)۔ تعریض و کنایہ سے الّا کا تعلق لا تو اعدوہن سے ہے یعنی لا تو اعدوہن مواعدة قط۔

الا مواعدة معروفة غیر منکرۃ ان سے وعدہ نہ لو پختہ وعدہ مگر دستور کا وعدہ جو نامناسب نہ ہو۔

عزم فعل کی طرح ہے:

وَلَا تَعْزِمُوا عُقْدَةَ النِّكَاحِ (اور عقد نکاح کا قصد نہ کرو) یہ عزم الامر اور عزم علیہ پختہ ارادہ کرنا عقد نکاح کی نہیں میں مبالغہ کیلئے عزم عقد سے منع فرمایا۔ کیونکہ کسی فعل کا پختہ ارادہ اس پر اقدام کرنا ہی ہوتا ہے۔ جب عزم سے منع فرمایا تو فعل کی ممانعت اور زیادہ ہو گئی۔ مطلب یہ ہے کہ نکاح کی گرہ کو باندھنے کا عزم مت کرو۔ یا دوسرا قول: نکاح کی گرہ کو قطعی مت کرو۔ کیونکہ عزم کی حقیقت قطع ہے۔ اور اس حدیث کا یہی معنی ہے۔

لَا صِيَامَ لِمَنْ لَمْ يَعْزَمْ الصِّيَامَ مِنَ اللَّيْلِ۔ جو رات کو روزے کا قطعی فیصلہ نہ کرے اس کا روزہ نہیں۔ اور دوسری روایت میں لَمْ يَبَيْتِ الصِّيَامَ (نسائی) بھی وارد ہوئے ہیں۔ قطعی فیصلہ مراد ہو گیا مطلب آیات کا یہ ہے۔ عقد نکاح کا پختہ ارادہ مت کرو۔

حَتَّى يَبْلُغَ الْكِتَابُ أَجَلَهُ جب تک کہ لکھا ہوا اپنے وقت کو نہ پہنچ جائے۔ یعنی یہاں تک کہ اس کی عدت ختم ہو جائے۔ عدت کو کتاب کہا کیونکہ اس کی فرضیت کتاب سے ثابت ہوئی مطلب یہ ہوا کہ یہاں تک لکھا ہوا انتظار اپنے وقت مقررہ یعنی انتہاء کو نہ پہنچ جائے۔

وَأَعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ يَعْلَمُ مَا فِي أَنْفُسِكُمْ تم یقین کر لو۔ اللہ تعالیٰ جانتے ہیں۔ جو تمہارے دلوں میں ہے۔ یعنی وہ پختہ ارادہ جو جائز نہیں۔

فَاحْذَرُوهُ پس اس سے ڈرو یعنی اس کا پختہ ارادہ نہ کرو۔ وَأَعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ غَفُورٌ حَلِيمٌ۔ جان لو کہ اللہ تعالیٰ بخشنے والے حلم والے ہیں۔ اسی لئے تمہیں جلدی سزا نہیں دیتے (بلکہ مہلت دیتے ہیں)

مَثَانِ نَزُولٍ: یہ اس شخص کے بارے میں نازل ہوئی جس نے نہ تو بیوی کو طلاق دی تھی اور نہ ہی اس کا مہر مقرر کیا تھا۔

لَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ إِنْ طَلَقْتُمُ النِّسَاءَ مَا لَمْ تَمْسُوهُنَّ أَوْ تَفْرِضُوا لَهُنَّ

کوئی گناہ نہیں تم پر اگر طلاق دے دو عورتوں کو جبکہ تم نے ان کو چھوا نہ ہو اور مہر مقرر نہ

فَرِيضَةً ۖ وَمَتَّعُوهُنَّ عَلَى الْمَوْسِعِ قَدَرُهُ وَعَلَى الْمُقْتَرِقَدَرُهُ مَتَاعًا

کیا ہو اور ان کو متعہ دے دو، گنجائش رکھنے والے پر گنجائش کے بقدر ہے، اور تنگ دست پر اس کی حیثیت کے موافق ہے، یہ فائدہ پہنچانا

بِالْمَعْرُوفِ ۚ حَقًّا عَلَى الْمُحْسِنِينَ ﴿۲۳۶﴾ وَإِنْ طَلَقْتُمُوهُنَّ مِنْ قَبْلِ أَنْ

عمدہ طریقہ پر ہو، واجب ہے اچھا سلوک کرنے والوں پر۔ اور اگر تم ان کو اس سے پہلے طلاق دے دو کہ

تَمْسُوهُنَّ وَقَدْ فَرَضْتُمْ لَهُنَّ فَرِيضَةً فَنِصْفُ مَا فَرَضْتُمْ إِلَّا أَنْ يَعْفُونَ

ان کو چھوا ہو حالانکہ ان کے لئے مہر مقرر کر چکے ہو تو اس صورت میں اس کا آدھا ہے جتنا تم نے مقرر کیا ہے، مگر یہ کہ وہ معاف کر دیں

أَوْ يَعْفُوا الَّذِي بِيَدِهِ عُقْدَةُ النِّكَاحِ ۚ وَأَنْ تَعْفُوا أَقْرَبُ لِلتَّقْوَى ۚ وَلَا

یا وہ شخص معاف کر دے جس کے ہاتھ میں نکاح کی گرہ ہے، اور یہ بات کہ تم معاف کر دو زیادہ قریب ہے تقویٰ سے۔ اور نہ

تَتَسَوُّوا الْفَضْلَ بَيْنَكُمْ ۚ إِنَّ اللَّهَ بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرٌ ﴿۲۳۷﴾

بھولو آپس میں احسان کرنے کو، بے شک اللہ اس کو دیکھنے والا ہے جو کچھ تم کرتے ہو۔

تَفْسِيرُ آيَةِ ۲۳۶:

لَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ۔ تم پر کچھ گناہ نہیں یعنی تم پر وجوب مہر کا تاوان نہیں۔

إِنْ طَلَقْتُمُ النِّسَاءَ۔ اگر تم عورتوں کو طلاق دے دو۔ یہ شرط ہے۔ اور اس کے جواب پر لَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ دلالت کر رہا ہے۔ تقدیر کلام یہ ہے۔ إِنْ طَلَقْتُمُ النِّسَاءَ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ (اگر تم عورتوں کو طلاق دے دو تو تم پر کچھ گناہ نہیں)۔ مَا لَمْ تَمْسُوهُنَّ (جب تک کہ تم نے عورتوں کو ہاتھ نہ لگایا ہو)۔ یعنی ان سے مجامعت نہ کی ہو۔ ماشرطیہ ہے۔ یعنی ان لم تجامعوہن۔ اگر تم نے ان سے مجامعت نہ کی ہو۔

اختلافِ قراءات:

حمزہ علی رحمہما اللہ نے قرآن مجید میں جہاں بھی یہ لفظ آیا اس کو تَمَسَّوْهُنَّ پڑھا ہے۔ کیونکہ یہ فعل دو کے درمیان ہوئے والا ہے۔

غیر موطوءہ کا مہر:

سے مطلقا ہیں۔ ان فعل کے ساتھ استثناء کی وجہ سے موضع نصب میں واقع ہے گویا اس طرح کہا گیا۔ پس تم پر نصف ہے جو تم نے مقرر کیا۔ تمام اوقات میں مگر اس وقت میں کہ وہ تم سے نصف مہر معاف کر دیں۔

صیغوں میں فرق:

سوال: مردوں کے لئے یعفوا اور عورتوں کے لئے یعفون کا صیغہ لایا گیا۔ حالانکہ تانیث و تذکیر کا فرق ہونا چاہیے۔

جواب: یعفوا۔ اس میں واؤ ضمیر ہے اور نون علامت رفع تھی ان کی وجہ سے گر گئی اور یعفون میں واؤ لام کلمہ ہے اور نون ضمیر جمع مؤنث ہے اس لئے عامل کا اس میں چنداں اثر نہیں۔ او یعفوا۔ یہ یعفون کے محل پر معطوف ہے۔

نکاح کی گرہ والا:

الَّذِي بِيَدِهِ عَقْدَةُ النِّكَاحِ وہ جس کے ہاتھ میں نکاح کی گرہ ہے یعنی خاوند جیسا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے تفسیر فرمائی۔ اور یہی سعید بن جبیر اور شریح اور مجاہد۔ امام ابو حنیفہ اور امام شافعی رحمہما اللہ کا قول جدید بھی یہی ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ طلاق کا اختیار مرد کو ہے۔ پس عقد کو باقی رکھنا بھی اسی کے اختیار میں ہے۔

مطلب یہ ہے کہ شرعی واجب تو نصف مہر ہی ہے مگر عورت کل کو ساقط کر دے تو اس کی مرضی۔ یا مرد اپنی عظمت کا خیال کرتے ہوئے تمام ادا کر دے۔

امام مالک اور امام شافعی رحمہما اللہ کا پرانا قول یہ ہے کہ بیدہ عقدہ النکاح سے ولی مراد ہے۔

ایک اہم سوال:

امام مالک اور امام شافعی رحمہما اللہ کے مسلک کے مطابق ولی چھوٹی بچی کے حق میں تبرع کا مالک نہیں تو یہاں بڑی عورت کے سلسلہ میں عقدہ النکاح کیسے بن گیا۔

نحو: ان تعفوا۔ یہ بتاویل مبتداء ہے اور اقرب للتقویٰ یہ خبر ہے اس میں خطاب ازواج اور زوجات کا بطور تغلیب ہے۔

مقام عفو:

زواج بیدہ نے اس کو ذکر فرمایا ہے۔ مطلب یہ ہوا کہ خاوند کا عفو یہ ہے کہ وہ کل مہر دے دے اور یہ عفو اس کے حق میں بہت بہتر ہے اور عورت کا عفو تمام کا وصول نہ کرنا بلکہ تمام سے دستبردار ہونا یہ عورت کے لئے بہت بہتر ہے۔ یا دوسرا قول: خاوندوں کے لئے عفو بہت بہتر ہے۔

وَلَا تَنْسُوا الْفَضْلَ (اور تم فضل کو نہ بھلاؤ) یہاں فضل افضلیت کے معنی میں ہے۔

بَيْنَكُمْ (اپنے درمیان) یعنی اس بات کو مت بھولو کہ بعض کو بعض پر فضیلت ہے جیسے دینے والا ہاتھ لینے والے ہاتھ سے افضل ہے۔ اِنَّ اللّٰهَ بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرٌ (بے شک اللہ تعالیٰ تمہارے کاموں کو دیکھ رہا ہے) پس وہ تمہاری افضلیت پر تمہیں بدلہ دیگا۔

حِفْظُوا عَلَى الصَّلَوَاتِ وَالصَّلَاةِ الْوُسْطَىٰ وَقَوْمُوا لِلَّهِ قَتَيْنَ ۝۲۳۸

پابندی کرو نمازوں کی اور درمیان والی نماز کی، اور کھڑے ہو جاؤ اللہ کے لئے اس حال میں کہ عاجزی اختیار کئے ہوئے ہو۔

تفسیر آیت ۲۳۸:

حِفْظُوا عَلَى الصَّلَوَاتِ (تم تمام نمازوں کی حفاظت کرو) یعنی ان کو ان کے اوقات میں ادا کرنے کا التزام کرو۔ اور ان کے ارکان اور شرائط کو پورا کرنے کا التزام کرو۔

نماز عصر کی عظمت:

وَالصَّلَاةِ الْوُسْطَىٰ (اور درمیانی نماز) یعنی جو نمازوں کے درمیان میں ہو۔ یعنی فضیلت والی۔ عرب کے لوگ فضیلت والی چیز کے لئے وسط کا لفظ استعمال کرتے ہیں۔

صلوٰۃ وسطیٰ کو مفرد لا کر صلوات پر عطف کیا کیونکہ یہ نماز فضیلت میں منفرد مقام رکھتی ہے اور وہ صلوٰۃ عصر ہے۔

امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ اور جمہور علماء کا یہی مسلک ہے۔

دلیل نمبر ۱: اس لئے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے احزاب کے دن فرمایا۔ انہوں نے ہمیں صلوٰۃ وسطیٰ سے مشغول کیا یعنی صلوٰۃ عصر سے۔ اللہ تعالیٰ ان کے گھروں کو آگ سے بھر دے۔ (بخاری، مسلم، احمد)

نمبر ۲۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہی وہ نماز ہے کہ جس سے سلیمان مشغول ہوئے یہاں تک کہ سورج حجاب میں چھپ گیا۔ (ابن ابی شیبہ)

نمبر ۳۔ مصحف حفصہ رضی اللہ عنہ میں الصَّلَاةِ الْوُسْطَىٰ۔ صلوٰۃ العصر کے الفاظ ہیں۔

نمبر ۴۔ یہ نماز دو دن اور دو رات کی نمازوں کے درمیان میں واقع ہے۔

نمبر ۵ اور اس کی فضیلت کی ایک وجہ یہ ہے کہ لوگ اپنی تجارت اور معیشت کے کاموں میں مصروف ہوتے ہیں۔

تفسیری اقوال:

دوسرا قول: یہ نماز ظہر ہے کیونکہ یہ دن کے درمیان میں ہے۔

تیسرا قول: نماز فجر ہے۔ کیونکہ یہ دن کی دو اور رات کی دو نمازوں کے درمیان میں ہے۔

چوتھا قول: نماز مغرب ہے کیونکہ یہ دو اور چار رکعات کے مابین تین رکعات والی ہے۔ اور اس لئے بھی کہ دو، سری نمازوں اور دو جہری نمازوں کے درمیان میں ہے۔

پانچواں قول: نماز عشاء ہے کیونکہ وہ دو طاق نمازوں کے درمیان میں ہے یعنی مغرب اور نماز وتر۔

چھٹا قول: یہ لیلة القدر کی طرح غیر معین ہے تاکہ تمام نمازوں کی حفاظت کریں۔

فَإِنْ خِفْتُمْ فَرَجَالًا أَوْ رُكْبَانًا فَإِذَا أَمِنْتُمْ فَأَذْكُرُوا اللَّهَ كَمَا عَلَّمَكُم مَّا لَمْ

پھر اگر تم کو خوف ہو تو کھڑے ہوئے یا سواری پر بیٹھے ہوئے نماز پڑھ لیا کرو، پھر جب تم کو امن حاصل ہو جائے تو اللہ کو یاد کرو جیسا کہ اس نے تمہیں سکھایا ہے جو تم

تَكُونُوا تَعْلَمُونَ ﴿۲۳۹﴾

نہیں جانتے تھے۔

قنوت قیام ہے:

وَقُومُوا لِلَّهِ قَانِتِينَ (تم اللہ تعالیٰ کے سامنے ادب سے کھڑے رہا کرو) یعنی نماز میں

مُخَوِّعَاتٍ: قانتین۔ یہ حال ہے۔ یعنی اس حال میں کہ تم اطاعت کرنے والے اور خشوع کرنے والے ہو۔ یا اللہ تعالیٰ کو قیام میں یاد کرنے والے ہو۔

القنوت۔ کا معنی قیام کی حالت میں اللہ تعالیٰ کو یاد کرنا۔

دوسرا قول: اس میں کہ وہ قیام کو لمبا کرنے والے ہیں۔

تَفْسِيرُ آيَةِ ۲۳۹:

فَإِنْ خِفْتُمْ (پس اگر تم کو خوف ہو) یعنی دشمن کا خوف ہو یا اور کوئی۔

فَرَجَالًا (پس پیدل) یہ حال ہے یعنی تم پیدل نماز پڑھو۔ رجال جمع راجل ہے جیسے قائم اور قیام۔

أَوْ رُكْبَانًا (یا سواری پر) یعنی ایک اکیلے اشارہ کے ساتھ۔ اس صورت میں قبلہ کی طرف منہ کرنا ضروری نہ ہوگا۔

فَإِذَا أَمِنْتُمْ (جب تم امن میں ہو جاؤ) یعنی خوف زائل ہو جائے۔

فَاذْكُرُوا اللَّهَ (پس تم اللہ تعالیٰ کو یاد کرو) یعنی پس امن والی نماز پڑھو۔

كَمَا عَلَّمَكُم (جیسا اس نے تمہیں سکھایا) یعنی یاد کرنا اس طرح جیسا اس نے تمہیں سکھایا۔

مَّا لَمْ تَكُونُوا تَعْلَمُونَ (وہ باتیں جو تم نہ جانتے تھے) یعنی صلوٰۃ امن۔

وَالَّذِينَ يُتَوَفَّوْنَ مِنْكُمْ وَيَذَرُونَ أَزْوَاجًا ۖ وَصِيَّةً لِّأَزْوَاجِهِمْ مَّتَّاعًا

اور جو لوگ وفات پا جائیں اور چھوڑ جائیں بیویوں کو وصیت کر دیں اپنی بیویوں کے لئے مستمع ہونے کی

إِلَى الْحَوْلِ غَيْرِ إِخْرَاجٍ ۚ فَإِنْ خَرَجْنَ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِي مَا فَعَلْنَ فِي

ایک سال تک اس طور پر کہ وہ گھر سے نہ نکالی جائیں، پس اگر وہ خود نکل جائیں تو تم پر کوئی گناہ نہیں ہے اس بات میں جو وہ اپنی

أَنْفُسِهِنَّ مِنْ مَّعْرُوفٍ ۖ وَاللَّهُ عَزِيزٌ حَكِيمٌ ﴿۲۴۰﴾

جانوں کے لئے قاعدہ کے مطابق اختیار کر لیں، اور اللہ عزت والا ہے، حکمت والا ہے۔

تفسیر آیت ۲۴۰:

وَالَّذِينَ يُتَوَفَّوْنَ مِنْكُمْ وَيَذَرُونَ أَزْوَاجًا ۖ وَصِيَّةً لِّأَزْوَاجِهِمْ مَّتَّاعًا (اور وہ جو تم میں سے فوت ہو جائیں اور چھوڑ جائیں بیویاں وصیت کرنا ہے اپنی بیویوں کے لئے)

نحو و اختلاف قراءت:

شامی ابو عمرو اور حمزہ حفص نے وصیۃ کو نصب سے پڑھا ہے فلیوصوا وصیۃ۔ وہ وصیت کریں وصیت کرنا۔ یہ زجاج سے مروی ہے۔ اور دیگر قراء نے رفع سے پڑھا ہے یعنی فعلیہم الوصیۃ ان پر وصیت لازم ہے۔

نمبر ۱۔ متاعاً یہ وصیت کی وجہ سے منصوب ہے کیونکہ یہ مصدر ليو صوا وصیۃ متاعاً وہ وصیت کریں وصیت فائدہ دینے کی۔ منسوخ و ناسخ کا ذکر:

دوسرا قول: متعوهن متاعاً۔ تم ان کو سامان کا فائدہ دو۔

إِلَى الْحَوْلِ (ایک سال تک) یہ متاعاً کی صفت ہے۔

غیر اخراج (بلا نکالے) یہ مصدر مؤکد ہے جیسا تمہارا قول هذا القول غیر ماتقول۔ میں غیر ماتقول قول کی تاکید ہے۔ دوسرا قول: متاعاً سے بدل ہے مطلب آیت کا یہ ہوا کہ ان لوگوں پر حق بنتا ہے کہ جو فوت ہو رہے ہوں کہ وہ قریب المرگ ہونے سے پہلے بیویوں کے متعلق وصیت کریں کہ ان کی بیویاں ان کے بعد ایک سال مکمل نان و نفقہ لے لیں گی۔ یعنی یہ خرچہ ان پر ترکہ میت مشترکہ میں سے کیا جائے گا اور ان کو ان کے گھروں سے نہ نکالا جائے۔

ابتداءً اسلام میں یہ مقرر کیا گیا پھر اس آیت سے منسوخ کر دیا گیا۔

والذین يتوفون منكم ويذرون أزواجاً الى قوله اربعة اشهر و عشرا۔ یہ نسخ والی آیت اگرچہ تلاوت میں مقدم ہے مگر نزول میں متاخر ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد سيقول السفهاء من الناس سورة البقرة۔ آیت نمبر ۱۴۲ میں ہے۔

وَالْمُطَلَّاتِ مَتَاعٌ بِالْمَعْرُوفِ حَقًّا عَلَى الْمُتَّقِينَ ﴿۲۴۱﴾ كَذَلِكَ

اور طلاق دی ہوئی عورتوں کے لئے فائدہ پہنچانا ہے اچھے طریقہ پر، یہ ضروری قرار دیا گیا ہے متقیوں پر، اسی طرح اللہ بیان

يُبَيِّنُ اللَّهُ لَكُمُ آيَاتِهِ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُونَ ﴿۲۴۱﴾

تاکہ تم سمجھو۔

فرماتا ہے اپنی آیات

قد نرأى قلب وجھك فى السماء البقرہ آیت نمبر ۱۴۴۔ تلاوت میں مقدم ہے مگر نزول میں متاخر ہے اور قد نرأى تلاوت میں متاخر اور نزول میں مقدم ہے۔

فَإِنْ خَرَجْتَ (پس اگر وہ نکل جائیں) یعنی ایک سال کے بعد۔

فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيمَا فَعَلْنَا فِي أَنْفُسِنَا (تو تم پر کچھ گناہ نہیں جو وہ اپنے نفسوں کے بارے میں کریں) یعنی زینت، پیغام منگنی کا وصول کرنا۔

مِن مَّعْرُوفٍ (دستور کے مطابق) یعنی شرعاً غلط نہ ہو۔

وَاللَّهُ عَزِيزٌ حَكِيمٌ (اور اللہ زبردست حکمت والا ہے) ان احکام میں جو وہ کرتے ہیں۔

تَفْسِيرُ آیت ۲۴۱:

وَالْمُطَلَّاتِ مَتَاعٌ (مطلقہ عورتوں کو فائدہ دینا ہے) یعنی عدت کا نفقہ۔

بِالْمَعْرُوفِ حَقًّا عَلَى الْمُتَّقِينَ (دستور کے موافق یہ حق ہے متقین پر) حَقًّا یہ مصدر ہونے کی وجہ سے منصوب ہے۔

تَفْسِيرُ آیت ۲۴۲:

كَذَلِكَ يُبَيِّنُ اللَّهُ لَكُمُ آيَاتِهِ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُونَ (اسی طرح اللہ تعالیٰ کھول کر آیات بیان کرتے ہیں تاکہ تم سمجھو) اگر اس سے مراد

متعہ ہو تو مراد مطلقہ مذکورہ کے علاوہ ہے اور یہ متعہ مستحب ہے۔

تَعْقِلُونَ یہ محل رفع میں اول کی خبر ہے۔

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ خَرَجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ وَهُمْ اُلُوْفٌ حَذَرَ الْمَوْتِ ۖ فَقَالَ لَهُمْ

تو نے ایسے لوگوں کو دیکھا جو موت کے ڈر سے اپنے گھروں سے نکلے اور وہ تعداد میں ہزاروں تھے، پھر فرمایا اللہ تعالیٰ

اَللّٰهُ مُوْتُوْا ۖ ثُمَّ اَحْيَاهُمْ ۚ اِنَّ اللّٰهَ لَذُوْ فَضْلٍ عَلٰی النَّاسِ وَلٰكِنْ اَكْثَرُ

نے کہ مر جاؤ، پھر ان کو زندہ فرما دیا، بے شک اللہ ضرور فضل والا ہے لوگوں پر، لیکن اکثر

النَّاسِ لَا يَشْكُرُوْنَ ۚ وَقَاتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَاعْلَمُوْا اَنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ۝۲۷

لوگ شکر نہیں کرتے، اور قتال کرو اللہ کی راہ میں اور جان لو کہ بے شک اللہ نعم والا ہے، جاننے والا ہے۔

تفسیر آیت ۲۴۳:

اَلَمْ تَرَ (کیا آپ نے نہیں دیکھا) یہ ہمزہ تقریر و تاکید کے لئے ہے ان لوگوں کے لئے جنہوں نے اہل کتاب اور احبار اولین سے یہ واقعہ سن رکھا تھا اور ان کی حالت پر تعجب کے اظہار کے لئے بھی ہے۔

دوسرا قول: یہ کلام تعجب دلانے میں ایک مثل بن گیا۔ اس سے ان لوگوں کو مخاطب کیا گیا۔ جنہوں نے اس واقعہ کو نہ دیکھا اور نہ سنا تھا۔ تاکہ مثل سے بے خبر ہونے سے ان پر تعجب کا اظہار ہو۔

دیار سے مراد:

اِلَى الَّذِيْنَ خَرَجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ (ان لوگوں کو جو اپنے گھروں سے نکلے) یعنی اپنی بستی و شہر سے بعض نے کہا یہ بستی واسطہ ہے جہاں طاعون پڑنے پر لوگ وہاں سے بھاگ نکلے۔ پس اللہ تعالیٰ نے ان کو موت دے دی۔ پھر حضرت حزقیل علیہ السلام کی دعا سے ان کو دوبارہ زندہ کیا۔

دوسرا قول: یہ بنی اسرائیل کے لوگ ہیں ان کے بادشاہ نے ان کو جہاد کی دعوت دی۔ تو یہ موت سے ڈر کر بھاگ کھڑے ہوئے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو آٹھ دن تک موت کی نیند سلایا۔ پھر ان کو زندہ کیا۔

وَهُمْ اُلُوْفٌ (اور وہ ہزاروں تھے) حُجُوْۃ: یہ حال ہونے کی وجہ سے موضع نصب میں ہے۔ اس میں دلیل ہے کہ اُلُوْفٌ کا لفظ کثرت کے لئے بولا جاتا ہے۔ کیونکہ یہ جمع کثرت ہے یہ اَلْف کی جمع ہے۔ الاف کی نہیں۔

حَذَرَ الْمَوْتِ (موت کے ڈر سے) یہ مفعول لہ ہے۔

فَقَالَ لَهُمُ اللّٰهُ مُوْتُوْا (پھر اللہ تعالیٰ نے انہیں فرمایا کہ مر جاؤ) یعنی اللہ تعالیٰ نے ان کو موت دے دی۔

موت، موت میں فرق:

نکتہ: یہ انداز تعبیر اس لئے اختیار فرمایا گیا تاکہ ظاہر ہو کہ ان تمام کی موت ایک آدمی کی طرح تھی۔ اللہ تعالیٰ کے حکم و مشیت سے یہ

موت عادت موت سے مختلف ہے۔

اس میں مسلمانوں کو جہاد پر ابھارا کہ جب موت کے بغیر چارہ کار نہیں۔ اور اس سے بھاگنے کا چارہ نہیں تو زیادہ بہتر ہے کہ وہ موت اللہ تعالیٰ کی راہ میں پیش آئے۔

ثُمَّ أَحْيَاهُمْ (پھر ان کو زندہ کیا) تاکہ وہ عبرت حاصل کریں اور جان لیں اللہ کے حکم و فیصلے سے بھاگنا ممکن نہیں۔ اس کا عطف فعل محذوف پر ہے تقدیر عبارت یہ ہے۔ پس وہ مر گئے پھر ان کو زندہ کر دیا۔ یا اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کے فرمان فقال لهم الله موتوا کا معنی ہی یہ ہے۔ پس اللہ تعالیٰ نے ان کو موت دے دی۔ وہ معنوی اعتبار سے اس پر عطف تھا۔

إِنَّ اللَّهَ لَذُو فَضْلٍ عَلَى النَّاسِ (بے شک اللہ تعالیٰ لوگوں پر مہربانی کرنے والے ہیں) اس طرح کہ ان کو ایسے واقعات دکھاتے ہیں جن سے وہ عبرت حاصل کریں۔ جیسا کہ ان کو دکھایا اور جیسا ان کا واقعہ بیان کر کے تمہیں دکھایا۔

یا دوسرا قول: لوگوں پر فضل فرمانے والے ہیں کہ ان لوگوں کو زندہ کر دیا۔ تاکہ وہ عبرت حاصل کریں اور کامیاب ہوں۔ اگر اللہ تعالیٰ چاہتے۔ تو ان کو مردہ چھوڑ دیتے۔ قیامت کے دن تک

وَلَكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَشْكُرُونَ (لیکن اکثر لوگ شکر نہیں کرتے اس پر)

۲۴۴: اس بات کی دلیل ہے کہ یہ واقعہ جہاد پر آمادہ کرنے کے لئے لایا گیا۔ یہ بعد والا واقعہ لائے اور اس میں قتال کا حکم دیا۔ اور وہ یہ ارشاد ہے۔

آمادگی بر جہاد:

وَقَاتِلُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ (اور تم اللہ تعالیٰ کی راہ میں قتال کرو) اس میں جہاد پر آمادہ کیا گیا۔ یہ بتلانے کے بعد کہ موت سے فرار فائدہ مند نہیں۔

یہ خطاب امت محمدی ﷺ کو فرمایا۔ یا

دوسرا قول: ان کو خطاب ہے جن کو زندہ کیا گیا۔

وَأَعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ سَمِيعٌ (اور جان لو کہ بے شک اللہ تعالیٰ ہر بات سننے والے ہیں) جو باتیں پیچھے رہنے والے اور سبقت کرنے والے کرتے ہیں۔

عَلِيمٌ (جاننے والے ہیں) ان چیزوں کو جو انسان کو نقصان دینے والی ہیں۔

مَنْ ذَا الَّذِي يُقْرِضُ اللَّهَ قَرْضًا حَسَنًا فَيُضِعَّهُ لَهُ أَضْعَافًا كَثِيرَةً وَاللَّهُ

کون ہے جو قرض دے اللہ کو قرض حسن، پھر اللہ اس کے لئے اضافہ فرما دے چند در چند بہت سے اضافے فرما کر، اور اللہ

يَقْبِضُ وَيَبْصُطُ ۖ وَإِلَيْهِ تُرْجَعُونَ ﴿۲۴۵﴾

تنگی فرماتا ہے اور کشادہ فرماتا ہے، اور اس کی طرف لوٹا دیئے جاؤ گے۔

۲۴۵۔ مَنْ ذَا الَّذِي (کون ہے ایسا) جو قرض دے۔ **يَخْجُو**: مَنْ استفہام کے لئے ہے۔ اور مبتداء کی وجہ سے موضع رفع میں ہے۔ اور ذَا اس کی خبر ہے۔ الذی یہ ذا کی صفت ہے۔ یا بدل ہے۔
يُقْرِضُ اللَّهُ (وہ اللہ تعالیٰ کو قرضہ دے) یہ جملہ الذی کا صلہ ہے۔

قرض کہنے کی حکمت:

نکتہ: اللہ تعالیٰ کی راہ میں جو خرچ کیا جاتا ہے اس کو قرض فرمایا۔ کیونکہ قرض اس کو کہا جاتا ہے جو اپنے مال میں سے دوسرے کو اس لئے دیا جاتا ہے تاکہ وہ اس کے برابر اس کو واپس پھیر دے۔ اور قرض کا لغوی معنی قطع کرنا ہے اور اس کو قرض کہنے کی وجہ یہ ہے کہ اس کو وہ اپنے مال سے قطع کرتا ہے اور مقروض کو دیتا ہے اور مقراض قینچی اور قرض الفار۔ ان قراض تمام میں کاٹنے کا مفہوم ہے اس کو قرض کہہ کر متنبہ کر دیا کہ اللہ تعالیٰ اس مال کو اپنے پاس نہ رکھے گا۔ بے شک وہ ان کو بہر صورت اس پر بدلہ عنایت فرمائے گا۔
قَرْضًا حَسَنًا (قرض حسن) یعنی پاکیزہ مال میں سے جو بطیب خاطر دیا جائے اس سے مراد جہاد میں خرچ کرنا ہے اسلئے کہ جب قتال کا حکم دیا گیا اللہ تعالیٰ کی راہ میں تو اس میں مال کی ضرورت ہوگی۔ اسلئے صدقہ پر آمادہ کیا تاکہ اسباب جہاد مہیا کیے جائیں۔
فَيُضِعُّهُ لَهُ (تاکہ اللہ تعالیٰ اس کے لئے اس کو کئی گنا کر دے)

قراءت: نمبر ۱۔ ابن عامر اور عاصم نے استفہام کا جواب بنا کر ان مقدّرہ کی وجہ سے منصوب پڑھا ہے۔ باقی قراء ابو عمرو۔ نافع، حمزہ اور علی رحمہم اللہ نے یقرض پر عطف کر کے اس کو مرفوع پڑھا ہے۔ یا جملہ متانفہ ہے۔ ای فہو یضاعفہ۔
نمبر ۲۔ شامی نے فَيُضِعُّهُ پڑھا۔ جبکہ کی نے فَيُضِعُّهُ پڑھا۔ بقیہ قراء نے مفاعلہ کے صیغہ سے ہی پڑھا۔
أَضْعَافًا (بڑھانا) یہ مصدر کی جگہ ہے۔

كَثِيرَةً (بہت زیادہ) کہ جس کی حقیقت اللہ تعالیٰ ہی جانتے ہیں یہ بھی کہا گیا کہ ایک کا بدلہ سات سو۔
وَاللَّهُ يَقْبِضُ وَيَبْصُطُ (اور اللہ تعالیٰ تنگ دست کرتا ہے اور کھولتا ہے) یعنی اپنے بندوں پر رزق کو تنگ کرتا ہے اور وسیع کرتا ہے پس تم بوقت وسعت بخل نہ کرو۔ وہ وسعت کے بدلے تنگی نہ دے گا۔

قراءت: یبسط۔ حجازی، عاصم اور علی رحمہم اللہ نے پڑھا۔

وَإِلَيْهِ تُرْجَعُونَ (اسی کی طرف تم لوٹائے جاؤ گے) پس وہ تمہیں اس پر جو تم نے آگے بھیجا بدلہ عنایت فرمائے گا۔

الْمُتَرِّ إِلَى الْمَلَا مِنْ بَنِي إِسْرَءِيلَ مِنْ بَعْدِ مُوسَى إِذْ قَالُوا لِنَبِيِّ لَهُمْ

کیا آپ کو بنی اسرائیل کی ایک جماعت کا قصہ معلوم ہے جو موسیٰ کے بعد پیش آیا، جب انہوں نے اپنے نبی سے عرض کیا

أَبْعَثْ لَنَا مَلِكًا نُقَاتِلَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ قَالَ هَلْ عَسَيْتُمْ إِنْ كُتِبَ عَلَيْكُمُ

کہ مقرر کر دیجئے ہمارے لئے ایک بادشاہ تاکہ ہم اللہ کی راہ میں جہاد کریں، انہوں نے فرمایا کیا ایسا ہو گا کہ اگر تم پر قتال فرض

الْقِتَالُ إِلَّا تُقَاتِلُوا ط قَالُوا وَمَا لَنَا أَلَّا نُقَاتِلَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ

کیا گیا تو تم قتال نہ کرو؟ وہ کہنے لگے اور ہمیں کیا ہوا کہ ہم اللہ کی راہ میں قتال نہ کریں

وَقَدْ أَخْرَجْنَا مِنْ دِيَارِنَا وَأَبْنَاءِنَا ط فَلَمَّا كُتِبَ عَلَيْهِمُ الْقِتَالُ

حالانکہ ہم نکال دیئے گئے ہیں اپنے گھروں سے اور اپنے بیٹوں کے ماس سے، پھر جب ان پر قتال فرض کیا گیا

تَوَلَّوْا إِلَّا قَلِيلًا مِّنْهُمْ ط وَاللَّهُ عَلِيمٌ بِالظَّالِمِينَ ﴿۲۴۶﴾

تو پھر گئے سوائے ان میں سے تھوڑے لوگوں کے، اور اللہ ظالموں کو خوب جاننے والا ہے،

تفسیر آیت ۲۴۶:

الْمُتَرِّ إِلَى الْمَلَا (کیا تم نے اس جماعت کو نہیں دیکھا) یعنی شرفاء۔ ان کو ملاء اس لئے کہا جاتا ہے کہ دلوں کو راہنمائی ہے بھر دیتے ہیں اور آنکھوں کو رعب سے۔

مِنْ بَنِي إِسْرَءِيلَ (بنی اسرائیل میں سے) یہاں مِنْ تبعیضیہ ہے۔

واقعة بنی اسرائیل:

مَنْ بَعْدِ مُوسَى۔ (موسیٰ علیہ السلام کے بعد) یعنی ان کی وفات کے بعد یہاں مِنْ ابتدائے غایت کیلئے ہے۔

إِذْ قَالُوا (جب انہوں نے کہا)

لِنَبِيِّ لَهُمْ (اپنے پیغمبر کو) اور وہ شمعون یا یوشع یا شموئیل علیہ السلام تھے۔

أَبْعَثْ لَنَا مَلِكًا (تو ہمارے لئے ایک بادشاہ مقرر کر) یعنی تو ہمارے ساتھ قتال کے لئے اٹھا بطور امیر کے ایک شخص تاکہ

اس کی رائے سے ہم لڑائی کی تدبیریں کریں۔ اور اس کے حکم پر اتریں۔

نُقَاتِلَ (ہم قتال کریں) یہ جواب ہونے کی وجہ سے مجزوم ہے اور نون کے ساتھ ہے۔

فِي سَبِيلِ اللَّهِ (اللہ تعالیٰ کی راہ میں) یہ نقاتل کا صلہ ہے۔

قَالَ (ان کو نبی ﷺ نے کہا)۔

هَلْ عَسَيْتُمْ اِنْ كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِتَالُ (کیا قریب ہے کہ اگر تم پر قتال فرض کر دیا جائے)

قراءت: عَسَيْتُمْ۔ کو عَسَيْتُمْ جہاں بھی آئے نافع نے پڑھا ہے۔

عَسَىٰ کی خبر اور اسم میں فاصل شرط ان کتب علیکم القتال ہے۔ اور عَسَىٰ کی خبر اَلَا تُقَاتِلُوْا ہے اب مطلب یہ ہوا

کیا تم قریب ہو اس بات کے کہ نہ قتال کرو تم۔ یعنی کیا بات اس طرح ہے جیسے میں توقع کرتا ہوں۔ کہ تم نہ قتال کرو گے۔ بلکہ بزدلی

کرو گے۔ بل استفہامیہ داخل ہے تاکہ ان سے وہ پوچھا جائے جس کی ان کو ان سے توقع تھی۔ اور مقصد استفہام سے تقریر ہے اور

ثابت کرنا ہے کہ جس کی توقع ہے وہ ہونے والا ہے اور وہ اپنی توقع میں درست ہے۔

قَالُوا وَمَا لَنَا اَلَّا نُقَاتِلَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ (انہوں نے کہا ہمیں کیا ہے کہ ہم اللہ تعالیٰ کی راہ میں نہ لڑیں گے) یعنی ترک

قتال کی طرف کوئی چیز ہمیں دعوت دینے والی ہے اور ترک قتال میں ہمارا کیا مقصد پورا ہوتا ہے۔

قصہ خروج بنی اسرائیل:

وَقَدْ اُخْرِجْنَا مِنْ دِيَارِنَا وَ اَبْنَانَا (حالانکہ ہمیں اپنے گھروں اور بیٹوں سے نکالا گیا)

وقد میں واو حالیہ ہے اور اس کا قصہ یہ ہے کہ قوم جالوت مصر و فلسطین کے درمیان رہتے تھے۔ انہوں نے ان کے ۴۴۰

شہزادے قید کر لیے تھے۔ ان کے کہنے کا مقصد یہ تھا۔ کہ جب معاملہ اس حد تک پہنچ چکا ہے تو جہاد ضروری ہے۔

فَلَمَّا كُتِبَ عَلَيْهِمُ الْقِتَالُ (جب ان پر قتال فرض کر دیا گیا) یعنی جس چیز کی تم نے التماس کی ہے۔ آؤ اس کو قبول کرو۔

تَوَلَّوْا (انہوں نے منہ موڑا) یعنی اس سے اعراض کیا۔

اِلَّا قَلِيْلًا مِّنْهُمْ (مگر تھوڑے ان میں سے) ان کی تعداد ۳۱۳ تھی جتنی کہ اہل بدر کی تھی۔

وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ بِالظّٰلِمِيْنَ (اور اللہ تعالیٰ ظالموں کو جانتے ہیں) اس میں انہوں نے ترک جہاد کی جو زیادتی کی تھی۔ اس پر یہ

وعید ہے۔

وَقَالَ لَهُمْ نَبِيُّهُمْ إِنَّ اللَّهَ قَدْ بَعَثَ لَكُمْ طَالُوتَ مَلِكًا قَالُوا أَنَّى يَكُونُ لَهُ

اور کہا ان سے ان کے نبی نے بے شک اللہ نے مقرر فرما دیا تمہارے لئے طالوت کو بادشاہ وہ کہنے لگے کہ ان کو

الْمُلْكُ عَلَيْنَا وَنَحْنُ أَحَقُّ بِالْمُلْكِ مِنْهُ وَلَمْ يُؤْتَ سَعَةً مِّنَ الْمَالِ ط

ہم پر حکمران ہونے کا حق کیسے پہنچتا ہے حالانکہ ہم ان سے زیادہ حکمرانی کے مستحق ہیں اور ان کو مالی گنجائش نہیں دی گئی،

قَالَ إِنَّ اللَّهَ اصْطَفَاهُ عَلَيْكُمْ وَزَادَهُ بَسْطَةً فِي الْعِلْمِ وَالْجِسْمِ ط

ان کے نبی نے کہا کہ بے شک اللہ نے ان کو تم پر حکمرانی کے لئے منتخب فرمایا ہے، اور ان کو علم میں اور جسم میں فراخی عطا فرمائی ہے۔

وَاللَّهُ يُؤْتِي مُلْكَهُ مَن يَشَاءُ ط وَاللَّهُ وَاسِعٌ عَلِيمٌ ۝۲۴۷ وَقَالَ لَهُمْ نَبِيُّهُمْ

اور اللہ اپنا ملک جسے چاہے دے اور اللہ وسعت والا ہے علم والا ہے۔ اور کہا ان سے ان کے نبی نے

إِنَّ آيَةَ مُلْكِهِ أَنْ يَأْتِيَكُمُ التَّابُوتُ فِيهِ سَكِينَةٌ مِّن رَّبِّكُمْ وَبَقِيَّةٌ مِّمَّا

کہ بلاشبہ اس کے حکمران ہونے کی یہ نشانی ہے کہ آجائے گا تمہارے پاس تابوت جس میں تسکین ہے تمہارے رب کی طرف سے اور کچھ بچی ہوئی

تَرَكَ آلُ مُوسَىٰ وَآلُ هَارُونَ تَحْمِلُهُ الْمَلَائِكَةُ ط إِنَّ فِي ذَلِكَ لَآيَةً لَّكُمْ

چیزیں ہیں ان میں سے جنہیں چھوڑا تھا آل موسیٰ اور آل ہارون نے جس کو فرشتے اٹھا کر لے آئیں گے۔ بے شک اس میں ضرور نشانی ہے تمہارے لئے

إِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِينَ ۝۲۴۸

اگر تم ایمان والے ہو۔

۳۲

۱۶

۲۴۷: وَقَالَ لَهُمْ نَبِيُّهُمْ إِنَّ اللَّهَ قَدْ بَعَثَ لَكُمْ طَالُوتَ ان کے پیغمبر علی نے فرمایا بے شک اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے

طالوت کو مقرر فرمایا ہے۔ مَخْجُور: طالوت یہ جالوت کی طرح عجی نام ہے اور اسی طرح داؤد بھی یہ غیر منصرف ہیں علمیت کی وجہ

سے اور عجمہ ہونے کی بناء پر

مَلِكًا۔ (ایک بادشاہ) یہ حال ہے۔

قَالُوا أَنَّى يَكُونُ لَهُ الْمُلْكُ عَلَيْنَا (انہوں نے کہا کیسے ہوگی اس کو سربراہی ہم پر) یعنی کیسے؟ اور کہاں سے؟ اس میں

طالوت کی سپہ سالاری کا انکار اور اس پر اظہار بعد ہے کہ یہ بہت دور کی بات ہے۔

وَنَحْنُ أَحَقُّ بِالْمُلْكِ مِنْهُ (ہم اس سے زیادہ سربراہی کے حقدار ہیں) واو حالیہ ہے۔

دُنیا پرستوں کا مزاج:

وَلَمْ يُولَدْ سَعَةً مِّنَ الْمَالِ (اس کو مالی وسعت میسر نہیں) یعنی وہ ہم پر سربراہ کیسے بنے گا جبکہ حالت یہ ہے کہ وہ سربراہی کے لائق ہی نہیں۔ کیونکہ اس سے زیادہ مستحق موجود ہیں۔ اور شان یہ ہے کہ وہ فقیر ہے اور بادشاہ کے لئے مال ہونا چاہیے جس سے وہ مضبوطی حاصل کر سکے۔ بنی اسرائیل نے یہ بات کہی کیونکہ نبوت تو لاؤی بن یعقوب علیہ السلام کی اولاد میں تھی۔ اور بادشاہت یہود ابن یعقوب علیہ السلام کے خاندان میں اور طالوت یہ بنیامین کی اولاد سے تھا اور یہ پانی پلانے والا آدمی تھا۔ یارنگنے والا محتاج آدمی تھا۔

روایات میں ہے کہ ان کے پیغمبر علیہ السلام نے اس وقت دعا کی جب انہوں نے اس سے سپہ سالاری کا مطالبہ کیا۔ پس ان کو ایک لاشی دی گئی۔ جس سے قد کی پیمائش کی گئی۔ ان لوگوں کی جو بادشاہ بننے والے تھے۔ اس کے مطابق کوئی بھی پورا نہ اتر اسوائے طالوت کے۔

حکم پر اعتراض کی گنجائش نہیں:

قَالَ إِنَّ اللَّهَ اصْطَفَاهُ عَلَيْكُمْ (اس نے کہا بے شک اللہ تعالیٰ نے اس کو تم پر چن لیا ہے) اصطافی میں طاء یہ تاء کا بدل ہے صا د ساکنہ کی جگہ۔ معنی اس کا پسند کرنا اور چننا ہے یعنی اللہ تعالیٰ نے اس کو چنا ہے وہ مصالِح کو تم سے زیادہ جاننے والے ہیں۔ اور اس کے حکموں پر اعتراض کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔

پھر دو مصلحتوں کا تذکرہ بھی فرما دیا جو ان مصالِح سے زیادہ نفع بخش تھیں جو انہوں نے ذکر کی تھیں۔ یعنی نسب اور مال اور وہ مصلحتیں علم مبسوط اور جسامت۔

پیغمبر علیہ السلام نے کہا۔ وَزَادَهُ بَسْطَةً فِي الْعِلْمِ وَالْجِسْمِ (اللہ تعالیٰ نے بڑھا دیا اس کو علم و جسم کی وسعت میں) بَسْطَةً یہ مفعول دوم ہے۔

بڑا ماہر:

کہتے ہیں کہ وہ اپنے وقت میں بنی اسرائیل کی لڑائی کے فنون اور علوم دیانات میں سب سے بڑھ کر تھا۔ اور ہر انسان سے اپنے سر اور کندھے کے لحاظ سے لمبا چوڑا تھا۔

البسطہ وسعت درازی کو کہتے ہیں۔ اور بادشاہ کے لیے علم والا ہونا ضروری ہے۔ کیونکہ جاہل ذلیل و حقیر ہے اور اس سے مخلوق کو فائدہ نہ ہوگا۔ اور وہ جسامت والا ہو کیونکہ اس سے دلوں میں اس کی شان اور رعب بیٹھتا ہے۔

وَاللَّهُ يُؤْتِي مُلْكُهُ مَن يَشَاءُ (اللہ تعالیٰ اپنا ملک جن کو چاہتے ہیں عنایت فرماتے ہیں) یعنی اللہ تعالیٰ کی بادشاہی میں اس کا کوئی منازع نہیں۔ وہ جس کو چاہتا عنایت کر دیتا ہے اس کا وراثت سے تعلق نہیں۔

وَاللَّهُ وَاسِعٌ۔ (اللہ تعالیٰ وسعت والے ہیں) یعنی وسیع فضل و عطا والے ہیں اس پر وسعت فرما دیتے ہیں جن کے پاس

وسعت مالی نہیں ہوتی۔ اس کو فقر کے بعد غنی کر دیتے ہیں۔
 عَلَیْہِمْ (وہ جاننے والے ہیں) کہ جس کو بادشاہی کے لیے چننا ہے۔
 پھر بھی انہوں نے اپنے پیغمبر ﷺ سے طالوت کے چناؤ اور نشانی کا مطالبہ کر دیا۔

تفسیر آیت ۲۲۸:

وَقَالَ لَهُمْ نَبِيُّهُمْ إِنَّ آيَةَ مُلْكِهِ أَنْ يَأْتِيَكُمُ التَّابُوتُ (ان کو ان کے پیغمبر ﷺ نے کہا بے شک اس کی بادشاہت کی نشانی یہ ہے کہ تابوت تمہارے پاس آجائے گا) یعنی وہ صندوق جس میں تورات تھی جب موسیٰ ﷺ قتال کرتے اس کو آگے رکھتے بنی اسرائیل کے نفوس کو اس سے سکون حاصل رہتا۔ اور وہ فرار اختیار نہ کرتے۔

صندوق سکینہ:

فِيهِ سَكِينَةٌ مِّنْ رَبِّكُمْ (اس میں سکینہ ہے تمہارے رب کی طرف سے) سکون و اطمینان ہے
 وَبَقِيَّةٌ - (بقیہ چیزیں) یعنی الواح کے ٹکڑے۔ عصائے موسیٰ، ثیاب موسیٰ، کچھ تورات۔ موسیٰ ﷺ کے نعل اور عمامہ
 ہارون علیہ السلام۔

مِمَّا تَرَكَ آلُ مُوسَىٰ وَآلُ هَارُونَ (جن کو چھوڑا آل موسیٰ اور آل ہارون نے) یعنی جن کو چھوڑا موسیٰ و ہارون علیہما السلام
 نے۔ آل کا لفظ ان دونوں ہستیوں کی عظمت شان کو ظاہر کرنے کے لئے ہے۔

فرشتے تابوت لائے:

تَحْمِلُهُ الْمَلَائِكَةُ (اس کو فرشتے اٹھانے والے ہونگے) یعنی تابوت کو۔ اللہ تعالیٰ نے اس کو موسیٰ ﷺ کے بعد اٹھا لیا تھا۔
 پس فرشتے اس کو لے کر اٹھائے ہوئے اترے۔ جبکہ بنی اسرائیل دیکھ رہے تھے۔

مِنْجُو: یہ جملہ موضع حال میں واقع ہے اور اسی طرح فیہ سکینہ بھی اور من ربکم یہ سکینہ کی صفت ہے اور مما ترک یہ
 بقیہ کی صفت ہے۔

إِنَّ فِي ذَلِكَ لَآيَةً لَّكُمْ إِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِينَ (اس میں نشانی ہے تمہارے لئے اگر تم مؤمن ہو) یعنی تابوت کے تمہاری
 طرف لوٹ آنے میں اس بات کی علامت و نشانی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہی طالوت کو تم پر بادشاہی دی ہے۔ اگر تم اس کی تصدیق
 کرنے والے ہو۔

فَلَمَّا فَصَلَ طَالُوتُ بِالْجُنُودِ ۖ قَالَ إِنَّ اللَّهَ مُبْتَلِيكُمْ بِنَهَرٍ ۖ فَمَنْ شَرِبَ

طالوت لشکروں کے ساتھ روانہ ہوئے تو انہوں نے کہا کہ بلاشبہ اللہ تعالیٰ تمہیں ایک نہر کے ذریعہ آزمانے والا ہے، سو جس نے اس میں سے

مِنْهُ فَلَيْسَ مِنِّي ۚ وَمَنْ لَّمْ يَطْعَمْهُ فَإِنَّهُ مِنِّي إِلَّا مَنِ اعْتَرَفَ غُرْفَةً ۚ

پی لیا وہ مجھ سے نہیں ہے اور جس نے اس سے نہ پیا تو وہ مجھ سے ہے سوائے اس شخص کے جس نے اپنے ہاتھ سے ایک چلو

بِيَدِهِ ۚ فَشَرَبُوا مِنْهُ إِلَّا قَلِيلًا مِّنْهُمْ ۖ فَلَمَّا جَاوَزَهُ هُوَ وَالَّذِينَ آمَنُوا

پی لیا، پھر تھوڑے سے افراد کے علاوہ سب نے اس میں سے پی لیا پھر جب آگے بڑھے طالوت اور وہ لوگ جو ان کے ساتھ ایمان

مَعَهُ ۚ قَالُوا الْإِطَاقَةُ لَنَا الْيَوْمَ بِجَالُوتَ وَجُنُودِهِ ۖ قَالَ الَّذِينَ يَظُنُّونَ

لائے تھے تو کہنے لگے کہ آج ہمیں جالوت اور اس کے لشکروں سے لڑنے کی طاقت نہیں ہے، جو لوگ اللہ کی ملاقات کا

أَنَّهُمْ مُّلِقُوا اللَّهَ ۚ كَم مِّنْ فِئَةٍ قَلِيلَةٍ غَلَبَتْ فِئَةً كَثِيرَةً بِإِذْنِ اللَّهِ ۖ

یقین رکھتے تھے وہ کہنے لگے کتنی ہی کم تعداد جماعتیں اللہ کے حکم سے بھاری تعداد والی جماعتوں پر غالب ہو چکی ہیں

وَاللَّهُ مَعَ الصَّابِرِينَ ۝ (۲۴۹) وَلَمَّا بَرَزُوا لِجَالُوتَ وَجُنُودِهِ قَالُوا رَبَّنَا أَفْرِغْ

اور اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔ اور جب یہ لوگ جالوت اور اس کے لشکروں کے مقابلہ کے لئے نکلے تو عرض کیا کہ اے ہمارے رب ہم پر صبر

عَلَيْنَا صَبْرًا وَثَبَّتْ أَقْدَامُنَا وَانْصَرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكَافِرِينَ ۝ (۲۵۰)

ڈال دے اور ہمیں ثابت قدم رکھ، اور کافروں کے مقابلہ میں ہماری مدد فرما۔

۲۴۹: فَلَمَّا فَصَلَ طَالُوتُ بِالْجُنُودِ (جب طالوت لشکر لے کر جدا ہوئے) فصل کا معنی خرچ یعنی نکلنا ہے۔ یعنی جب نکلے اپنے اس شہر سے دشمن کے خلاف جہاد کے لئے۔

تعداد لشکر:

بالجنود کا لفظ موضع حال میں ہے یعنی لشکروں کو ساتھ لینے والے تھے۔ جن کی تعداد اسی ہزار تھی۔ یہ وقت گرمی کا تھا۔ انہوں نے مطالبہ کر دیا کہ اللہ تعالیٰ ان کے لئے پانی کی نہر جاری کر دے۔

قَالَ إِنَّ اللَّهَ مُبْتَلِيكُمْ (انہوں نے کہا بے شک اللہ تمہارا امتحان کرنے والے ہیں) یعنی تمہارے ساتھ ایسا معاملہ کرنے والے ہیں جیسا امتحان لینے والا کرتا ہے۔

دریائے فلسطین:

بَنَهَرٌ (ایک دریا کے ساتھ) یہ دریائے فلسطین ہے۔ یہ ابتلاء اسی لئے تھا تا کہ سچے مجاہد اور نکتے پہچان لیے جائیں۔
فَمَنْ شَرِبَ مِنْهُ (پس جس نے اس میں سے پیا) یعنی منہ لگا کر
فَلَيْسَ مِنِّي (پس وہ مجھ سے نہیں) یعنی وہ میرا سچا پیروکار نہیں اور میرا حمایتی نہیں۔
وَمَنْ لَمْ يَطْعَمْهُ (جس نے نہ چکھا) یہ طعم لاشی سے ہے جب کہ اس کو چکھا جائے۔
فَإِنَّهُ مِنِّي (پس وہ مجھ سے ہے)

قراءت: ابو عمرو اور مدنی نے مِیْنِ یاء کے فتح کے ساتھ پڑھا ہے
إِلَّا مَنِ اعْتَرَفَ (یہ استثناء ہے۔ فَمَنْ شَرِبَ مِنْهُ فَلَيْسَ مِنِّي سے۔ اور دوسرا جملہ استثناء سے جملہ متاخرہ کے حکم میں
ہے۔ صرف عنایت کی وجہ سے اس کو مقدم کیا گیا ہے۔
غُرْفَةٌ بَيْدَةٍ (ایک چلو ہاتھ سے)
قراءت: حجازی اور ابو عمرو نے غُرْفَةٌ غین کے فتح کے ساتھ پڑھا ہے۔ اس کا معنی مصدر والا ہے۔ اور غُرْفَةٌ غین کے ضمہ کے
ساتھ بمعنی مغروف بمعنی چلو۔

مطلب یہ ہے کہ ہاتھ کے ایک چلو کی رخصت ہے۔ منہ لگا کر پینے کی اجازت نہیں۔ اس کی دلیل یہ ہے۔
فَشَرِبُوا مِنْهُ (پس انہوں نے اس سے پیا) یعنی منہ لگا کر پیا۔
إِلَّا قَلِيلًا مِّنْهُمْ (مگر تھوڑے ان میں سے) اور ان کی تعداد تین سو تیرہ تھی۔
فَلَمَّا جَاوَزَهُ (پس جب وہ اس کو عبور کر گئے) یعنی نہر کو۔
هُوَ (وہ) اس سے مراد طالوت ہیں۔

وَالَّذِينَ آمَنُوا مَعَهُ (اور وہ لوگ جو ان کے قول پر یقین کرنے والے تھے) یعنی قلیل تعداد میں۔
قَالُوا لَا طَاقَةَ لَنَا الْيَوْمَ (وہ کہنے لگے ہمیں آج طاقت نہیں) یعنی کوئی قوت نہیں۔

جابر جالوت:

بِجَالُوتَ (جالوت کے ساتھ) یہ عمالقہ کا ایک جابر بادشاہ ہے جو عَمَلِیق بن عاد کی اولاد میں سے تھا۔ اس کے خود میں تین سو،
رطل لو ہا تھا۔

وَجُنُودِهِ قَالَ الَّذِينَ يَظُنُّونَ أَنَّهُمْ مُّلَاقُوا اللَّهِ - (اور اس کے لشکروں کا مقابلہ کیا۔ کہا ان لوگوں نے جو یقین رکھتے تھے
کہ وہ اللہ تعالیٰ سے ملنے والے ہیں) یعنی شہادت پر یقین کرنے والے ہیں۔

بعض نے کہا۔ قالوا کی ضمیر ان میں بہت سے لوگوں کی طرف لوٹی ہے۔ جو پیچھے رہ گئے تھے۔
اور والذین یظنون میں ضمیر ان قلیل کی طرف ہے۔ جو ثابت قدم رہنے والے تھے۔

فَهَزَمُوهُمْ بِأَذْنِ اللَّهِ وَقَتَلَ دَاوُدُ جَالُوتَ وَآتَاهُ اللَّهُ الْمُلْكَ وَالْحِكْمَةَ وَعَلَّمَهُ

سوان کو شکست دے دی اللہ کے حکم سے اور قتل کر دیا داؤد نے جالوت کو اور اللہ نے ان کو ملک دے دیا اور حکمت عطا فرما دی، اور ان کو جو کچھ

مِمَّا يَشَاءُ وَلَوْلَا دَفْعُ اللَّهِ النَّاسَ بَعْضَهُمُ بِبَعْضٍ لَّفَسَدَتِ الْأَرْضُ

چاہا علم دے دیا اور اگر نہ ہوتا اللہ کا دفع فرمانا لوگوں کو بعض کو بعض کے ذریعہ تو زمین میں فساد ہو جاتا

وَلَكِنَّ اللَّهَ ذُو فَضْلٍ عَلَى الْعَالَمِينَ ﴿٢٥١﴾ تِلْكَ آيَاتُ اللَّهِ نَتْلُوهَا عَلَيْكَ

اور لیکن اللہ جہانوں پر فضل فرمانے والا ہے۔ یہ اللہ کی آیات ہیں جنہیں ہم آپ پر تلاوت کرتے

بِالْحَقِّ وَإِنَّكَ لَمِنَ الْمُرْسَلِينَ ﴿٢٥٢﴾

ہیں اور بلاشبہ آپ پیغمبروں میں سے ہیں۔

روایات میں یہ بھی ہے کہ ایک چلو آدمی کے پینے اور برتن کے لئے کافی ہو جاتا۔ جنہوں نے پانی پیا۔ ان کے ہونٹ سیاہ ہو گئے۔ اور پیاس ان پر غالب آگئی۔

كَمْ مِنْ فِئَةٍ قَلِيلَةٍ (بہت سی تھوڑی جماعتیں ہیں)

نَحْوُ: یہ کَم خبر یہ ہے اور ابتداء کی وجہ سے محل رفع میں ہے۔

غَلَبَتْ (غالب آگئیں) یہ کَم کی خبر ہے۔

فِئَةٍ كَثِيرَةٍ (بڑی جماعتوں پر)

بِأَذْنِ اللَّهِ (اللہ تعالیٰ کے حکم سے) یعنی اس کی مدد سے

وَاللَّهُ مَعَ الصَّابِرِينَ (اور اللہ تعالیٰ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہیں) اپنی مدد کے ذریعہ۔

تَفْسِيرُ آیت ۲۵۰:

وَلَمَّا بَرَزُوا لِجَالُوتَ وَجُنُودِهِ (جب وہ جالوت اور اس کے لشکر کے سامنے آئے) یعنی ان سے لڑائی کرنے نکلے۔

قَالُوا رَبَّنَا أَفْرِغْ عَلَيْنَا صَبْرًا (کہنے لگے اے ہمارے رب تو انڈیل ہم پر صبر) افرغ کا معنی انڈیلنا ہے صبر سے مراد لڑائی

میں ثابت قدمی ہے۔

وَكَبَّتْ أَقْدَامُنَا (اور ہمارے قدموں کو مضبوط کر) ہمارے دلوں کو مضبوط کر کے اور ہمارے دشمنوں کے دلوں میں رعب ڈال کر۔

وَأَنْصَرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكَافِرِينَ (اور تو کافر قوم کے خلاف ہماری مدد فرما) یعنی ہماری اعانت فرما۔

تَفْسِيرُ آیت ۲۵۱:

فَهَزَمُوهُمْ (پس انہوں نے ان کو شکست دی) یعنی جالوت اور مومنین نے جالوت اور اس کے لشکروں کو۔

فیصلہ قضاء و قدر:

بِإِذْنِ اللَّهِ (اللہ تعالیٰ کے اذن سے) یعنی اس کے فیصلہ قضاء و قدر سے

تذکرہ داؤد علیہ السلام:

وَقَتَلَ دَاوُدُ جَالُوتَ (اور داؤد نے جالوت کو قتل کیا) داؤد علیہ السلام کے والد ایشی بھی طالوت کے لشکر میں اپنے چھ بیٹوں سمیت شامل تھے۔ داؤد ان میں ساتویں تھے۔ اور وہ اپنے تمام بھائیوں میں سب سے چھوٹے تھے۔ اور بکریاں چراتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے پیغمبر علیہ السلام کی طرف وحی کی کہ داؤد ہی جالوت کو قتل کرے گا۔

انہوں نے ان کے والد سے داؤد کو طلب کیا وہ آگئے۔ راستے میں چلتے ہوئے تین پتھروں نے داؤد کو کہا: ہمیں اٹھالو۔ اور اس سے کہا تم ہمارے ساتھ جالوت کو قتل کرو گے۔

داؤد نے ان پتھروں کو اپنے تھیلے میں ڈال لیا اور وہ پتھر جالوت کی طرف پھینکے پس اس کو قتل کر دیا۔ طالوت نے اپنی بیٹی کا نکاح داؤد علیہ السلام سے کر دیا۔ پھر ان کو حسد پیدا ہوا اور اس کو قتل کرنا چاہا (مگر قدرت نہ پاسکا) پھر تائب ہو کر موت آئی۔

ملک سے مراد:

وَأَنَّهُ اللَّهُ الْمَلِكُ (اللہ تعالیٰ نے ان کو بادشاہی دے دی) ارض مقدس کے مشرق و مغربی علاقوں میں داؤد سے پہلے بنی اسرائیل کسی بادشاہ پر مجتمع نہ ہوئے تھے۔

وَالْحِكْمَةُ (اور حکمت) یعنی نبوت۔

وَعَلَّمَاهُ مِمَّا يَشَاءُ (اور اس کو جو چاہا علم دیا) یعنی صنعت زرع اور کلام طیور وغیرہ۔

وَلَوْلَا دَفْعُ اللَّهِ النَّاسَ (اگر اللہ تعالیٰ لوگوں کو دور نہ کرتے)

نَحْنُ: الناس یہ مفعول بہ ہے۔

بَعْضُهُمْ یہ الناس کا بدل ہے یعنی بعض لوگوں کو۔

قراءت: دفع کو مدنی نے دَفَاعُ پڑھا ہے۔ یہ دفاع دفع کا مصدر ہے۔ یا اس کا معنی دفع دفع کرنے والا ہے۔

فساد کا مطلب:

بِبَعْضٍ لَفَسَدَتِ الْأَرْضُ (بعض لوگوں کے ساتھ تو بگڑ جاتی زمین) یعنی اگر اللہ تعالیٰ بعض لوگوں کو بعض سے دفع نہ کرے اور ان کے ذریعے ان کا فساد نہ روکے تو مفسد غالب آجائیں اور زمین بگڑ جائے اور اس کے منافع کھیتی و نسل باطل ہو جائیں۔

دوسرا قول: اگر اللہ تعالیٰ مسلمانوں کی کافروں کے خلاف مدد نہ کرتا۔ تو غلبہ کفار سے زمین بگڑ جاتی اور نیک قتل کر دیئے جاتے۔ اور شہر برباد ہو جاتے اور بندے دکھوں میں مبتلا ہو جاتے۔

وَلَكِنَّ اللَّهَ ذُو فَضْلٍ عَلَى الْعَالَمِينَ (لیکن اللہ تعالیٰ جہان والوں پر فضل فرمانے والے ہیں) یعنی ان سے فساد کا ازالہ کر کے۔

یہ آیت معتزلہ کے خلاف اہلسنت کی دلیل ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ اصلح کو اختیار فرماتے ہیں۔
آیات کا مفہوم:

۲۵۲: تِلْكَ آيَةُ اللَّهِ يَهْدِي اللَّهُ الَّذِينَ يَشَاءُ إِلَى صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ
نَحْوُ: تِلْكَ مَبْدِئُ آيَاتِ اللَّهِ خَبْرٌ

مطلب یہ ہوا یہ ہزاروں کے واقعات جو بیان کیے گئے اور ان کی موت کا تذکرہ ہوا اور پھر زندگی بخشنے کا اور طالوت کی بادشاہت۔ جابروں پر ایک بچہ کے ذریعہ ان کا غلبہ وغیرہ یہ اللہ تعالیٰ کی نشانیاں ہیں۔
نَتْلُوَهَا (ہم ان کو پڑھ کر سنارہے ہیں)

نَحْوُ: يَهْدِي اللَّهُ الَّذِينَ يَشَاءُ إِلَى صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ
یہ آیت اللہ سے حال ہے اور اس کا عامل تِلْكَ کا معنی ہے۔ یا آیت اللہ یہ تِلْكَ سے بدل ہے اور نَتْلُوَهَا اس کی خبر ہے۔

عَلَيْكَ بِالْحَقِّ (آپ پر حق کے ساتھ) یعنی اس یقین کے ساتھ کہ جس میں اہل کتاب کو شک کی گنجائش نہیں ہے کیونکہ یہ واقعات ان کی کتابوں میں بھی اسی طرح ہیں۔

دلیل رسالت:

وَإِنَّكَ لَمِنَ الْمُرْسَلِينَ (اور بے شک آپ البتہ رسولوں میں سے ہیں) اس لئے کہ آپ ان کو کسی کتاب کی قراءت کے بغیر اطلاع دے رہے ہیں۔ یا آپ ان کو کسی اہل کتاب سے سننے کے بغیر اطلاع دے رہے ہیں جو رسالت کی کھلی نشانی ہے۔

تِلْكَ الرُّسُلُ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلَىٰ بَعْضٍ مِّنْهُمْ مَّنْ كَلَّمَ اللَّهُ وَرَفَعَ

یہ رسول ہیں ہم نے فضیلت دی ان میں بعض کو بعض پر، ان میں بعض سے اللہ نے کلام فرمایا اور بعض کو

بَعْضَهُمْ دَرَجَاتٍ ۖ وَآتَيْنَا عِيسَى ابْنَ مَرْيَمَ الْبَيِّنَاتِ وَأَيَّدْنَاهُ بِرُوحِ الْقُدُسِ ۖ

درجات کے اعتبار سے بلند فرمایا، اور ہم نے عیسیٰ بن مریم کو کھلے کھلے معجزات، اور ہم نے ان کی تائید کی روح القدس کے ذریعہ،

وَلَوْ شَاءَ اللَّهُ مَا أَقْتَلَ الَّذِينَ مِنْ بَعْدِهِمْ مِّنْ بَعْدِ مَا جَاءَ تَهُمُ الْبَيِّنَاتُ

اور اگر اللہ چاہتا تو وہ لوگ آپس میں جنگ نہ کرتے جو ان کے بعد تھے، اس کے بعد کہ آئے ان کے پاس کھلے ہوئے معجزات

وَلَكِنْ اخْتَلَفُوا فَمِنْهُمْ مَّنْ آمَنَ وَمِنْهُمْ مَّنْ كَفَرَ ۖ وَلَوْ شَاءَ اللَّهُ مَا أَقْتَلُوا ۚ

لیکن انہوں نے آپس میں اختلاف کیا سو ان میں سے بعض وہ تھے جو ایمان لائے اور بعض وہ تھے جنہوں نے کفر کیا، اور اگر اللہ چاہتا تو وہ لوگ آپس میں جنگ نہ کرتے

وَلَكِنَّ اللَّهَ يَفْعَلُ مَا يُرِيدُ ۚ

لیکن اللہ کرتا ہے جو چاہتا ہے۔

تفسیر آیت ۲۵۳:

تِلْكَ الرُّسُلُ (یہ رسل) تِلْكَ کا اشارہ رسولوں کی جماعت کی طرف ہے۔

جن کے واقعات اس سورت میں مذکور ہو چکے۔ آدم علیہ السلام سے داؤد علیہ السلام تک۔

یاد دوسرا قول: جن رسل کی جماعت کا علم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ان آیات کے نزول سے قبل ہو چکا۔

طاعات میں تفاوت:

فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلَىٰ بَعْضٍ (ہم نے ان میں سے بعض کو بعض پر فضیلت دی) یعنی رسالت کے علاوہ خصوصیات کے ساتھ فضیلت دی۔ کیونکہ رسالت و نبوت میں تو تمام برابر ہیں۔ جیسا کہ مؤمن صفت ایمان میں تمام برابر ہیں اور ایمان کے بعد طاعات میں متفاوت ہیں۔ پھر اس ارشاد

مِنْهُمْ مَّنْ كَلَّمَ اللَّهُ (ان میں سے بعض وہ تھے جن سے اللہ تعالیٰ نے کلام کیا) مِنْهُمْ مَّنْ كَلَّمَ اللَّهُ سے امت کی وضاحت کی۔ یعنی ان سے کلام کیا اللہ تعالیٰ نے۔ ضمیر عائد کو صلہ سے حذف کر دیا۔ یعنی مِنْهُمْ مَنْ فَضَّلَهُ اللَّهُ بَانَ كَلِمَةٍ مِنْ غَيْرِ سَفِيرٍ۔ ان میں جن کو اللہ تعالیٰ نے فضیلت اس طرح دی۔ کہ بغیر سفیر کے ان کو شرف کلام بخشا اور وہ موسیٰ علیہ السلام ہیں۔

بلند درجات سے مراد:

وَرَفَعَ بَعْضَهُمْ دَرَجَاتٍ (اور بعض کے درجات بلند کئے)

تَحْقِيقاً: بعضہم پہلا مفعول اور دَرَجَاتٍ دوسرا مفعول ہے۔ یعنی بدرجات یا الی درجات۔

مطلب یہ ہوا کہ بعض ان میں سے وہ ہیں جن کو تمام انبیاء علیہم السلام پر رفعت عنایت فرمائی پس فضیلت میں تفاوت کے بعد وہ ان میں درجات کثیرہ کے ذریعہ افضل ہو گئے اور وہ حضرت محمد ﷺ کی ذات گرامی ہے۔ کیونکہ آپ ہی ان میں تمام کائنات کی طرف بھیجے جانے کی وجہ سے افضل ہو گئے اور اس لیے بھی کہ آپ کو وہ نشانات و معجزات دیئے گئے جو کثرت تعداد میں ایک ہزار یا اس سے بھی بڑھنے والے ہیں۔ ان میں سب سے بڑا معجزہ قرآن مجید ہے۔ کیونکہ یہ زمانہ کے چہرہ پر باقی رہنے والا معجزہ ہے۔ اس ابہام میں تخم اور وضاحت ہے کیونکہ وہ ایک ایسی علامت ہے۔ جو کسی پر مخفی نہیں اور ایسا امتیاز ہے جس میں کسی کو التباس نہیں۔ دوسرا قول: اس سے مراد حضرت محمد و ابراہیم علیہما السلام وغیرہما انبیائے اولوالعزم مراد ہیں۔

وَآتَيْنَا عِيسَى ابْنَ مَرْيَمَ الْبَيِّنَاتِ (اور ہم نے عیسیٰ بن مریم کو واضح نشانات دیئے) جیسے مردوں کو زندہ کرنا مادر زاد نابینا اور برص کی بیماری والے کو تندرست کر دیا کرتے تھے۔ وغیر ذلک
وَآيَدْنَاهُ بِرُوحِ الْقُدُسِ (اور ہم نے جبرائیل علیہ السلام کے ذریعے ان کی مدد کی) یعنی ہم نے ان کو قوت دی۔ یا انجیل کے ساتھ مدد دی۔

وَلَوْ شَاءَ اللَّهُ مَا اقْتَتَلَ (اگر اللہ تعالیٰ چاہتے تو وہ لوگ نہ لڑتے) یعنی باہمی اختلاف نہ کرتے۔ جس کی وجہ سے نوبت قتال آئی۔

الَّذِينَ مِنْ بَعْدِهِمْ (وہ لوگ جو ان کے بعد ہوئے) یعنی ان رسل علیہم السلام کے بعد
مِنْ بَعْدِ مَا جَاءَتْهُمْ الْبَيِّنَاتُ (اس کے بعد کہ ان کے پاس کھلے دلائل آ گئے) یعنی ظاہر معجزات
وَلَكِنْ اخْتَلَفُوا (لیکن انہوں نے اختلاف کیا) یعنی میری مشیت کے ساتھ۔ پھر اختلاف کی وضاحت اس طرح فرمائی۔
فَمِنْهُمْ مَنْ آمَنَ وَمِنْهُمْ مَنْ كَفَرَ (پس کچھ تو ایمان لے آئے اور کچھ وہ لوگ ہوئے جنہوں نے کفر کیا) یعنی میری مشیت کے ساتھ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں میں نے اپنے رسولوں کے معاملات کو اس طرح جاری کیا۔ یعنی کسی پیغمبر کی تمام امت اس کی زندگی میں اس پر متفق نہیں ہوئی۔ اور نہ ہی ان کی زندگی کے بعد بلکہ انہوں نے ان کے متعلق۔ فَمِنْهُمْ مَنْ آمَنَ وَمِنْهُمْ مَنْ كَفَرَ۔ پس ان میں سے کچھ تو ایمان لائے اور ان میں سے بعض نے کفر کیا۔ یعنی اختلاف کا رویہ اختیار کیا۔

کفر کا مطلب:

وَلَوْ شَاءَ اللَّهُ مَا اقْتَتَلُوا (اگر اللہ تعالیٰ چاہتے تو وہ قتال نہ کرتے) اس جملہ کو تاکید کے لئے دوبارہ لایا گیا۔ یعنی اگر میری مشیت میں ہوتا کہ وہ آپس میں قتال نہ کریں تو وہ آپس میں قتال نہ کرتے۔ اس لئے کہ میری مملکت میں میری مشیت چلتی ہے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَنْفِقُوا مِمَّا رَزَقْنَاكُمْ مِنْ قَبْلِ أَنْ يَأْتِيَ

اے ایمان والو! اس میں سے خرچ کرو جو ہم نے تمہیں دیا ہے اس سے پہلے کہ وہ دن

يَوْمٌ لَا بَيْعَ فِيهِ وَلَا خُلَّةٌ وَلَا شَفَاعَةٌ ۖ وَالْكَافِرُونَ هُمْ

آئے جس میں نہ بیع ہو گی نہ دوستی اور نہ سفارش، اور جو کافر ہیں وہ

الظَّالِمُونَ ﴿۲۵۱﴾

ظلم کرنے والے ہیں۔

تردید معترکہ:

اس آیت سے معترکہ کی تردید ہوتی ہے۔ کیونکہ اس آیت میں یہ بتلایا گیا کہ اگر اللہ چاہتے کہ وہ قتال باہمی نہ کریں۔ تو وہ نہ کرتے۔ حالانکہ معترکہ کہتے ہیں۔ اگر اللہ تعالیٰ چاہتے کہ وہ آپس میں نہ لڑیں تو بھی وہ لڑ پڑتے۔

ثبوت ارادہ:

وَلَكِنَّ اللَّهَ يَفْعَلُ مَا يُرِيدُ (اور لیکن اللہ تعالیٰ وہی کرتے ہیں جو کچھ چاہتے ہیں) اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے اپنی ذات کے لئے ارادہ کو ثابت کیا۔ جیسا کہ مذہب اہلسنت ہے۔

تفسیر آیت ۲۵۲:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَنْفِقُوا مِمَّا رَزَقْنَاكُمْ (اے ایمان والو! تم خرچ کرو اس میں سے جو ہم نے تمہیں دیا) یعنی جہاد فی سبیل اللہ میں خرچ کرو۔

یاد دوسرا قول: (اس سے مراد ہر صدقہ واجبہ زکوٰۃ وغیرہ ہے)

عدم تدارک کا دن:

مِنْ قَبْلِ أَنْ يَأْتِيَ يَوْمٌ لَا بَيْعَ فِيهِ (اس سے پہلے کہ ایسا دن آئے کہ جس میں نہ خرید و فروخت ہوگی) یعنی اس سے پہلے کہ ایسا دن آئے کہ جس میں تم اس انفاق کا تدارک نہ کر سکو گے جو رہ جائے کیونکہ اس دن میں نہ خرید و فروخت ہوگی کہ اس میں تم خرید لو جو تم نے خرچ کرنا ہو۔

وَلَا خُلَّةٌ (اور نہ دوستی ہوگی) کہ دو دوست دوستی کا لحاظ کر کے چشم پوشی کر سکیں۔

وَلَا شَفَاعَةٌ (اور نہ سفارش) یعنی کافروں کے لئے سفارش نہ ہوگی۔ باقی مسلمانوں کے لئے ہوگی۔ یا شفاعت ہوگی مگر

اس کی اجازت سے۔

اللَّهُ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ الْحَيُّ الْقَيُّومُ لَا تَأْخُذُهُ سِنَّةٌ وَلَا نَوْمٌ لَهُ مَا فِي

اللہ ایسا ہے کہ معبود نہیں ہے مگر وہی، وہ زندہ ہے، قائم رکھنے والا ہے، اس کو نہیں پکڑتی اونگھ اور نہ نیند، اس کے لئے ہے جو

السَّمَوَاتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ مَنْ ذَا الَّذِي يَشْفَعُ عِنْدَهُ إِلَّا بِإِذْنِهِ يَعْلَمُ

آسمانوں میں ہے اور جو زمین میں ہے، کون ہے جو سفارش کرے اس کے پاس مگر اس کی اجازت کے ساتھ، وہ جانتا ہے

مَا بَيْنَ أَيْدِيهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ وَلَا يُحِيطُونَ بِشَيْءٍ مِّنْ عِلْمِهِ إِلَّا بِمَا

جو ان کے سامنے ہے اور جو ان کے پیچھے ہے، اور وہ احاطہ نہیں کرتے اس کی معلومات میں سے کسی چیز کا مگر جو وہ

شَاءَ وَسِعَ كُرْسِيُّهُ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ وَلَا يَئُودُهُ حِفْظُهُمَا وَهُوَ

چاہے، گنجائش ہے اس کی کرسی میں آسمانوں کی، اور زمین کی اور اسے بھاری نہیں ہے ان دونوں کی حفاظت، اور وہ

الْعَلِيُّ الْعَظِيمُ ۲۵۵

برتر ہے، عظمت والا ہے۔

دوقول:

وَالْكَافِرُونَ هُمُ الظَّالِمُونَ (اور کافروہی ظالم ہیں) یعنی کافر اپنے نفسوں پر ظلم کرنے والے ہیں کیونکہ انہوں نے اپنی حاجت کے دن کی طرف بڑھنا چھوڑ دیا۔

یاد دوسرا قول: یہ ہے کہ اس دن کا انکار کرنے والے وہی ظالم ہیں۔

قراءت: لَا يَبِيعُ فِيهِ وَلَا خُلَّةٌ وَلَا شَفَاعَةٌ۔ مکی اور بصری قراء نے اسی طرح پڑھا۔

تفسیر آیت ۲۵۵:

اللَّهُ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ (اللہ تعالیٰ کہ اس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ مگر وہی)

نحو: لفظ اللہ مبتداء اور جملہ اسمیہ لا الہ الا ہوا اس کی خبر ہے۔ لافعی جنس الہ اس کا اسمِ اِلا اداتِ حصر ہو بدل از محل لا۔

الْحَيُّ (زندہ) یعنی ایسی باقی رہنے والی ذات جس پر فنا کا کوئی راستہ نہ ہو۔

الْقَيُّومُ (مخلوق کو تھا منے والا) یعنی ایسی ہمیشگی والی ذات جو مخلوق کی تدبیر کرنے والی ہو۔ اور اس کی نگہبانی کرنے والی ہو۔

نیند و اونگھ کا فرق:

لَا تَأْخُذُهُ سِنَّةٌ وَلَا نَوْمٌ (اس کو اونگھ اور نیند نہیں آتی) سنۃ اونگھ اعصاب دماغی کی وہ سستی جو نیند سے پہلے آئے۔ النوم

نیند دماغ کے اعصاب میں استرخائی کیفیت کو کہتے ہیں۔

مفضل رحمۃ اللہ علیہ : کہتے ہیں۔ کہ السنۃ سر کا بوجھل ہونا۔ النعاس آنکھ کا بوجھ النوم دل کے بوجھ کو کہتے ہیں۔

نَحْوُ : لا تاخذہ سنۃ ولا نوم یہ القیوم کی تاکید ہے کیونکہ جس کو نیند و اونگھ آجائے وہ قیوم نہیں بن سکتا۔

سب کو تھامنے والا :

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی طرف وحی کی گئی۔ ان کو کہہ دو کہ میں آسمان و زمین کو اپنی قدرت سے تھامنے والا ہوں۔ اگر مجھے اونگھ یا نیند آجائے تو یہ دونوں فنا ہو جائیں (ابو یعلیٰ)

لَهُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ (زمین و آسمان میں جو کچھ ہے اسی کا ہے) یعنی ملک و ملک کے لحاظ سے یعنی بادشاہ بھی وہی اور مالک بھی وہی۔

کبریائی باری تعالیٰ عزوجل :

مَنْ ذَا الَّذِي يَشْفَعُ عِنْدَهُ اِلَّا بِاِذْنِهٖ (اس کی اجازت کے بغیر اس کے سامنے کون سفارش کر سکتا ہے؟) یعنی کسی کی ہمت و جرات نہیں۔ کہ اس کی اجازت کے بغیر اس کے ہاں شفاعت کرے۔ اس میں اللہ تعالیٰ کی کبریائی اور عظمت کا بیان ہے اور کوئی شخص قیامت کے دن کلام کرنے کا اختیار نہ رکھتا ہوگا۔ مگر جب وہ خود اس کو کلام کی اجازت دے۔ اس میں کفار کے اس زعم کی تردید ہے۔ کہ بت ان کے لئے شفاعت کریں گے۔

يَعْلَمُ مَا بَيْنَ اَيْدِيهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ (وہی ان کے سامنے اور پیچھے کی چیزوں کو جانتا ہے) یعنی جو ان سے پہلے تھا۔ اور جو آئندہ ہوگا۔

نَحْوُ : ہم ضمیر عقلاء کا لحاظ کر کے لائی گئی۔

وَلَا يُحِيطُوْنَ بِشَيْءٍ مِّنْ عِلْمِهٖ (اور اہل علم اللہ تعالیٰ کے علم میں سے کسی چیز کا احاطہ نہیں کر سکتے) یعنی اس کی معلومات میں سے۔ دعا کا یہ کلمہ اللھم اغفر علمک فینا۔ میں علم بمعنی معلوم ہے۔

اِلَّا بِمَا شَاءَ (مگر وہ جو چاہے) یعنی مگر جو وہ سکھائے۔

کرسی کے متعلق اقوال :

وَسِعَ كُرْسِيُّهُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ (اسکی کرسی آسمان اور زمین کو اپنے اندر سامنے والی ہے) یعنی اس کا علم اور اسی سے الکراسۃ کا پی کو کہتے ہیں۔ کیونکہ اس میں علم ہوتا ہے۔ اسی الکراسۃ کا معنی میں علماء اور علم کو کرسی کہا جاتا ہے۔ اس کے مرتبہ و عظمت کا لحاظ کر کے جو جہاں کی کرسی ہے اور یہ اسی طرح ہے جیسا کہ سورۃ غافر کی آیت ربنا وسعت کل شیء رحمة و علما۔

دوسرا قول : ملک کو کرسی کہا۔ اس کے اس مرتبہ کا لحاظ کر کے جو کہ بادشاہت کی کرسی ہے۔

تیسرا قول : اس کا عرش۔ حسن رحمۃ اللہ علیہ کا یہی قول ہے۔

چوتھا قول: عرش کے علاوہ تخت ہے حدیث میں ہے کہ ساتوں آسمان کرسی کے مقابلہ میں ایک چھلے کی مانند ہیں۔ جو وسیع بیابان میں پڑا ہو۔ اور عرش کی فضیلت کرسی پر ایسی ہے جیسا کہ وسیع بیابان کو اس چھلے پر۔ (ابن مردویہ)
پانچواں قول: اس کی قدرت اس کی دلیل یہ ارشاد ہے وَلَا يُوَدُّهُ حَفْظُهُمَا۔
وَلَا يَنْوُدُّهُ (اس کو تھکاتی نہیں) یعنی اس کو بوجھل نہیں کرتی اور نہ اس پر گراں کرتی ہے۔
حِفْظُهُمَا (ان دونوں کی حفاظت) یعنی زمین و آسمان کی حفاظت۔

بلند اور عزت و جلال والا:

وَهُوَ الْعَلِيُّ الْعَظِيمُ (وہ بلند و بالا عظمت والا ہے) یعنی اپنی ملک و سلطنت میں بلند اور عزت و جلال میں بڑائی والا ہے۔
دوسرا قول: العلی۔ ان صفات سے اعلیٰ جو اس کے لائق نہیں۔ العظیم۔ ایسی صفات سے موصوف جو اس کے لائق ہیں۔ یہ دونوں صفات کمال تو حید کو جامع ہیں۔

نکتہ: آیت الکرسی میں جملوں کو بغیر حرف عطف کے لایا گیا۔ کیونکہ وہ جملے بطور بیان آئے ہیں۔
پس پہلا جملہ اس بات کو بیان کر رہا ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ تدبیر خلق کرنے والے ہیں اور وہ مخلوق کے نگہبان ہیں۔ اس میں غفلت برتنے والے نہیں۔

دوسرے: میں فرمایا۔ یہ تمام اس لئے کرتے ہیں کہ وہ مخلوق کے خود مالک ہیں۔
تیسرے: اس لئے کہ اس کی شان کبریائی والی ہے۔

اور چوتھے: اس لئے کہ وہ خلق کے حالات کا احاطہ کرنے والے ہیں۔
پانچویں: اس لئے کہ اس کا علم وسیع ہے اور اس کا علم تمام معلومات سے متعلق ہے۔ یا اس کے جلال اور عظیم قدرت کی وجہ سے۔
فضیلت آیت الکرسی:

یہ آیت فضیلت والی ہے یہاں تک کہ اس کی فضیلت میں بہت سی روایات ہیں۔
ایک روایت ان میں سے وہ ہے جس کو حضرت علیؓ نے بیان کیا۔ کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ جس نے آیت الکرسی پڑھی۔ ہر فرض نماز کے بعد۔ اسکو دخول جنت سے صرف موت ہی رکاوٹ ہے اور اس پر ہمیشگی صدیق یا عابد ہی کرتا ہے۔ جس نے اسکو بستر پر لیٹتے ہوئے پڑھا۔ اللہ تعالیٰ اسکے نفس اور اسکے پڑوس اور پڑوس کے پڑوس اور اس کے ارد گرد گھروں کو امان میں رکھتے ہیں۔ (بیہقی)
دوسری روایت: نبی علیہ السلام نے فرمایا۔ سید البشر آدم (یعنی سب سے پہلے انسان آدم علیہ السلام) اور عرب کے سردار محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ہیں اور یہ بات میں فخر سے نہیں کہتا۔

(اس روایت میں نکارت ہے کیونکہ صحیح مرفوع روایت انا سید ولد آدم ولا فخر کے الفاظ مروی ہیں) فارسیوں کے سردار سلمان علیہ السلام اور رومیوں کے سردار صہیب علیہ السلام اور حبشیوں کے سردار بلال علیہ السلام اور پہاڑوں کا سردار طور اور دنوں کا سردار جمعہ اور کلاموں کا سردار قرآن۔ قرآن کا سردار سورۃ بقرہ اور بقرہ کی آیات کی سردار آیت الکرسی۔ (دیلمی فی مسند الفردوس)

لَا اِكْرَاهَ فِي الدِّينِ قَدْ تَبَيَّنَ الرُّشْدُ مِنَ الْغَيِّ فَمَنْ يَكْفُرْ بِالطَّاغُوتِ

نہیں ہے زبردستی دین میں، ظاہر ہو چکی ہے ہدایت گمراہی سے ممتاز ہو کر، سو جو شخص منکر ہو طاغوت کا

وَيُؤْمِنُ بِاللّٰهِ فَقَدْ اسْتَمْسَكَ بِالْعُرْوَةِ الْوُثْقٰى لَا اَنْفِصَامَ لَهَا وَاللّٰهُ

اور ایمان لائے اللہ پر تو بے شک اس نے مضبوط حلقہ پکڑ لیا۔ جو ٹوٹنے والا نہیں ہے اور اللہ

سَمِيعٌ عَلِيمٌ ﴿۲۵۶﴾

سننے والا جاننے والا ہے۔

نمبر ۳۔ فرمایا۔ جس گھر میں آیت الکرسی پڑھی جائے۔ اس کو شیاطین تیس دنوں تک چھوڑ جاتے ہیں۔ اور اس گھر میں جادو گر اور جادو گرانی چالیس راتوں تک داخل نہیں ہو سکتی۔ (بقول ابن حجر اس کی اصل نہیں ملی)

نمبر ۴۔ فرمایا جس نے سوتے وقت آیت الکرسی پڑھی۔ اس پر ایک فرشتہ مقرر کر دیا جاتا ہے جو اس کی حفاظت کرتا ہے یہاں تک کہ صبح طلوع ہو۔ (درمنثور)

نمبر ۵۔ اور فرمایا۔ جس نے یہ دو آیات شام کے وقت پڑھیں تو صبح تک اس کی حفاظت کی جاتی ہے اور اگر صبح بھی پڑھ لیں۔ تو شام تک اس کی حفاظت کی جاتی ہے۔

نمبر ۱۔ آیت الکرسی نمبر ۲۔ حلم مؤمن کی آیات الیہ المصیر تک۔ (ترمذی)

وجہ فضیلت:

کیونکہ یہ دونوں آیات اللہ تعالیٰ کی وحدانیت اور اس کی تعظیم اور بزرگی اور عظیم صفات پر مشتمل ہیں۔ اور رب العزت کے تذکرہ سے اور کونسا تذکرہ بڑھ کر ہو سکتا ہے جو اس کا ذکر ہو گا وہ تمام ذکروں سے افضل ہے اس سے بخوبی یہ معلوم ہو گیا کہ تمام علوم میں سب سے اعلیٰ علم تو حید ہے۔

نکتہ: سب سے زیادہ عظمت والی آیت، آیت الکرسی۔ سب سے زیادہ خوف والی آیت۔ من يعمل مثقال ذرة خیرا یرہ۔ ومن يعمل مثقال ذرة شرا یرہ۔ اور سب سے زیادہ امید والی آیت قل یا عبادى الذین اسرفوا۔ کذا عن ابن مسعود

تفسیر آیت ۲۵۶:

لَا اِكْرَاهَ فِي الدِّينِ (دین میں جبر نہیں) یعنی دین حق پر کسی کو جبر نہیں لایا جاسکتا۔ دین حق سے مراد دین اسلام ہے۔

ایک قول: یہ ہے اگرچہ یہ جملہ خبریہ ہے مگر معنی یہی کا ہے۔ یعنی دین پر لانے کے لئے جبر نہ کرو۔

ایک روایت:

روایت میں ہے کہ ایک انصاری کے دو بیٹے نصرانی ہو گئے ان کے والد نے ان کو پکڑا اور کہا میں تمہیں نہیں چھوڑوں گا۔

اَللّٰهُ وَلِیُّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا یُخْرِجُهُم مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ وَالَّذِیْنَ

اللہ ولی ہے ان لوگوں کا جو ایمان لائے، وہ ان کو نکالتا ہے اندھیروں سے نور کی طرف، اور جن لوگوں نے

كَفَرُوْا اَوَّلَیْئُهُمُ الطَّاغُوْتُ لَا یُخْرِجُوْنَهُم مِّنَ النُّوْرِ اِلَى الظُّلُمٰتِ اُولٰٓئِكَ

کفر اختیار کیا ان کے اولیاء شیطین ہیں وہ ان کو نکالتے ہیں نور سے اندھیروں کی طرف، یہ لوگ

اَصْحٰبُ النَّارِ هُمْ فِیْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿۲۵۷﴾

دورخ والے ہیں وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے۔

یہاں تک کہ تم مسلمان ہو۔ انہوں نے انکار کر دیا۔ وہ اپنا جھگڑا رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں لائے۔ انصاری نے کہا۔ یا رسول اللہ ﷺ کیا میرے دیکھتے ہوئے میرا بعض حصہ آگ میں چلا جائے؟ پس یہ آیت اتری۔ اس انصاری نے ان کا رستہ چھوڑ دیا۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ اور ایک جماعت نے کہا۔ کہ یہ ابتداء اسلام میں تھا۔ پھر آیات قتال سے یہ منسوخ ہو گیا۔ (مگر نسخ تو تب ہو جب ان میں تعارض ہو اور یہاں تو تعارض بھی نہیں)

قَدْ تَبَيَّنَ الرُّشْدُ مِنَ الْغَيِّ (تحقیق واضح ہو گئی رشد گمراہی سے) یعنی ایمان کفر سے دلائل واضحہ کے ذریعہ نکھر چکا ہے۔ فَمَنْ يَكْفُرْ بِالطَّاغُوْتِ (پس جو شخص طاغوت کے ساتھ کفر کرے) طاغوت سے مراد شیطان ہے۔ یا اصنام و یومئذ باللہ فَقَدْ اسْتَمْسَكَ بِالْعُرْوَةِ الْوُثْقٰی (اور وہ ایمان لائے اللہ تعالیٰ پر پس واقعی اس نے مضبوط تھام لیا مضبوط رسی کو) استمساک کا معنی تھامنا ہے۔ العروۃ جس کو تھاما جائے جس سے چمٹا جائے۔ الوثقیٰ۔ یہ اوثق کی مؤنث ہے یعنی انتہائی مضبوط رسی۔ پختہ محفوظ۔

شاید محسوس سے مثال:

لَا انْقِصَامَ لَهَا (اس کے لئے ٹوٹنا نہیں) یعنی اس رسی کے لئے ٹوٹنا نہیں۔ یہ معلوم و معروف چیز کی نظر و استدلال سے تمثیل بیان کی گئی ہے اور شاید محسوس سے مثال بتلائی گئی ہے تاکہ سامع اس کو تصور کرے۔ کہ گویا وہ اس کو اپنی آنکھوں سے دیکھ رہا ہے۔ پس اس کا اعتقاد پختہ ہو جائے مطلب یہ ہے۔ اس نے اپنے نفس کو دین سے مضبوط باندھ دیا ہے جس کو کوئی اشتباہ کھول نہیں سکتا۔

وَاللّٰهُ سَمِیْعٌ (اور اللہ تعالیٰ سننے والے ہیں) یعنی اس کے اقرار کو۔ عَلِیْمٌ (جاننے والے ہیں) اس کے اعتقاد کو۔

تَفْسِیْرُ آیٰتِ ۲۵۷:

اَللّٰهُ وَلِیُّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا (اللہ تعالیٰ ایمان والوں کا دوست ہے) امنوا سے مراد جو ایمان لانے کا ارادہ رکھتے ہوں۔ ولی کا معنی

ناصر اور ان کے امور کا ذمہ دار۔

نورِ واحد اور ظلماتِ جمع لانے کی حکمت:

يُخْرِجُهُم مِّنَ الظُّلُمَاتِ (ان کو نکالتا ہے اندھیروں سے) یعنی کفر و ضلالت کے اندھیروں سے۔ کفریات و ضلالت بہت اقسام کی ہیں اس لئے جمع کا لفظ لایا گیا۔

إِلَى النُّورِ (روشنی کی طرف) یعنی ایمان و ہدایت کی طرف۔ نور کا لفظ واحد لایا گیا کیونکہ ایمان ایک ہی ہے۔

وَالَّذِينَ كَفَرُوا (اور کافر)

أُولَئِكَمُ الطَّاغُوتُ (ان کے دوست شیطان ہیں)

مُخَوِّ: وَالَّذِينَ كَفَرُوا مبتداء ہے اور اولیاء ہم الطاغوت خبر ہے۔

شبہات کی دلدل:

يُخْرِجُونَهُم مِّنَ النُّورِ إِلَى الظُّلُمَاتِ (وہ ان کو نور سے نکالتے ہیں ظلمات کی طرف) یہاں ظلمات کو جمع لایا گیا۔ کیونکہ طاغوت معنای جمع ہے۔

مطلب یہ ہے وہ لوگ جو کفر پر پختہ ہو گئے ان کا معاملہ اس کے خلاف ہے۔

یا دوسرا قول: اللہ تعالیٰ ایمان والوں کے ولی ہیں وہ ان کو شبہات دینیہ سے نکالتے ہیں اگر کبھی راہ ہدایت میں ان کو شبہ واقع ہو جائے تو ان کو اس شبہ کے ازالہ کی توفیق دیتے ہیں۔ یہاں تک کہ وہ شبہ سے نکل کر نور یقین میں پہنچ جاتے ہیں اور کافروں کے دوست شیاطین ہیں۔ وہ ان کو واضح دلائل کی روشنی سے جو ان کے سامنے ظاہر باہر ہیں نکال کر شکوک و شبہات کی گمراہیوں میں مبتلا کر دیتے ہیں۔

أُولَئِكَ أَصْحَابُ النَّارِ هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ (وہ آگ والے ہیں وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے)

استفہام تعجب:

پھر تعجبی انداز میں اپنے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کو نمرود اور ابراہیم علیہ السلام کا مجادلہ سنایا اور تسلی دی۔ نمرود ربوبیت کا

دعویدار تھا۔

الْمَرْتَرِ إِلَى الَّذِي حَاجَّ إِبْرَاهِيمَ فِي رَبِّهِ أَنْ آتَاهُ اللَّهُ

کیا آپ نے اس شخص کو نہیں دیکھا جس نے ابراہیم سے حجت بازی کی ان کے رب کے بارے میں اس وجہ سے کہ اللہ نے اس کو حکومت

الْمُلْكِ إِذْ قَالَ إِبْرَاهِيمُ رَبِّيَ الَّذِي يُحْيِي وَيُمِيتُ ۖ قَالَ أَنَا

دی تھی، جب ابراہیم (علیہ السلام) نے کہا میرا رب وہ ہے جو زندہ فرماتا ہے اور موت دیتا ہے، اس نے کہا میں

أَحْيِي وَأُمِيتُ ۖ قَالَ إِبْرَاهِيمُ فَإِنَّ اللَّهَ يَأْتِي بِالشَّمْسِ مِنَ

زندہ کرتا ہوں اور موت دیتا ہوں، ابراہیم (علیہ السلام) نے کہا سو بلاشبہ اللہ لاتا ہے سورج کو

الْمَشْرِقِ فَأْتِ بِهَا مِنَ الْمَغْرِبِ فَبُهِتَ الَّذِي كَفَرَ ۗ وَاللَّهُ لَا يَهْدِي

پورب سے تو اس کو لے آ کچھم سے پس حیرانی میں پڑ گیا وہ شخص جو کفر اختیار کئے ہوئے تھا اور اللہ قوم ظالمین

الْقَوْمَ الظَّالِمِينَ ﴿۲۵۸﴾

کو ہدایت نہیں دیتا۔

تفسیر آیت ۲۵۸:

الْمَرْتَرِ إِلَى الَّذِي حَاجَّ إِبْرَاهِيمَ فِي رَبِّهِ (کیا تمہیں اس شخص کا واقعہ معلوم نہیں جس نے ابراہیم علیہ السلام سے ان کے رب کے متعلق جھگڑا کیا) یعنی اپنے اس جھگڑے میں جو رب ابراہیم کی ربوبیت کے سلسلہ میں اس نے کیا۔

نَحْوُ: ربہ۔ کی ضمیر ابراہیم علیہ السلام کی طرف راجع ہے۔ یا اس کی طرف جس نے جھگڑا کیا۔ اسلئے کہ وہ دونوں کا رب ہے۔
أَنَّ آتَاهُ اللَّهُ الْمُلْكَ (کہ اللہ تعالیٰ نے اس کو حکومت عطا کی تھی) اصل اس طرح ہوا لَانِ آتَاهُ اللَّهُ۔ یعنی حکومت کے مل جانے نے اسے غرور و تکبر میں مبتلا کر دیا۔ پس وہ اسی وجہ سے جھگڑنے لگا۔

ردِ معترزہ:

یہ آیت بھی معترزہ کے خلاف اصلح کے مسئلہ میں دلیل ہے۔ وہ کہتے ہیں کافر کو اللہ حکومت نہیں دیتے۔ یہاں دینے کا ذکر کیا گیا ہے۔

(معترزہ کا قول یہ ہے کہ اصلح اللہ تعالیٰ پر واجب ہے جبکہ اہلسنت کہتے ہیں اللہ تعالیٰ پر کوئی چیز واجب نہیں جو کچھ دیتا ہے یہ اس کا فضل و احسان ہے)

دوسرا قول: وہ اس وقت جھگڑا کرنے لگا۔ جس وقت اللہ تعالیٰ نے اس کو ملک عنایت کیا۔

إِذْ قَالَ إِبْرَاهِيمُ رَبِّيَ الَّذِي يُحْيِي وَيُمِيتُ (جب ابراہیم علیہ السلام نے کہا میرا رب وہ ہے جو زندہ کرتا اور موت دیتا ہے)

تحقیق نحو و قراءت:

مُحَوَّرٌ: اذ قال یہ حَآج کی وجہ سے منصوب ہے یا ان اتاہ اللہ سے بدل ہے جبکہ جعل بمعنی وقت ہو۔

قراءت: حمزہ نے رَبِّیْ کو رَبِّیْ پڑھا ہے سکون یاء کے ساتھ۔

گویا بادشاہ نے سوال کیا۔ مَنْ رَبُّكَ۔

ابراہیم علیہ السلام نے جواب دیا میرا رب وہ ہے جو زندہ کرتا اور مارتا ہے۔

قَالَ (اس نے کہا) یعنی نمرود نے۔

أَنَا أَحْيِي وَأُمِيتُ (میں زندہ کرتا اور موت دیتا ہوں) اس کی مراد یہ تھی کہ میں قتل کو معاف کرتا اور قتل بھی کر دیتا ہوں۔ یہ

بات کہہ کر لعین جھگڑے سے رک گیا۔

تلبیس کی قاطع دلیل:

پس ابراہیم علیہ السلام نے وہ بات پیش کی۔ جس میں کمزور دماغ والوں پر تلبیس کا احتمال نہ تھا جبکہ فرمایا۔

قَالَ إِبْرَاهِيمُ فَإِنَّ اللَّهَ يَأْتِي بِالشَّمْسِ مِنَ الْمَشْرِقِ فَأْتِ بِهَا مِنَ الْمَغْرِبِ (ابراہیم علیہ السلام نے کہا۔ پس اللہ تعالیٰ

سورج کو مشرق سے چڑھاتے ہیں تو اس کو مغرب سے لے آ۔)

ازالہ وہم:

یہ ایک دلیل سے دوسری دلیل کی طرف انتقال نہیں۔ جیسا کہ بعض لوگوں کو وہم ہوا۔ کیونکہ پہلی دلیل ہی لازم ہونے والی

تھی۔ لیکن جب اس نے عناد سے زندہ کرنے کی دلیل کو ایک کے چھوڑنے اور دوسرے کے قتل کر دینے سے ٹال دیا۔ تو آپ نے

ایسے انداز سے کلام فرمایا جس سے عناد نہ کیا جاسکے۔ وہ تمام ستارہ پرست لوگ تھے۔ اور کواکب کی حرکت مغرب سے مشرق کی

طرف ان کو معلوم تھی اور سورج کی مشرقی حرکت جو ہمیں محسوس ہوتی ہے یہ زبردستی و جبری حرکت ہے جیسا کہ پن چکی۔ جس پر

چیونٹی بیٹھی ہو اور وہ دوسری طرف کو حرکت کرنے والی ہو جبکہ پانی چکی کو دوسری طرف حرکت دے رہا ہے اور چیونٹی اس کو دوسری

طرف سمجھ رہی ہے پس ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا۔ بے شک میرا رب سورج کو زبردستی اس کی اپنی حرکت کے الٹ حرکت دے رہا ہے

اگر تو رب ہے تو اس کی اصلی حرکت پر چلا۔ جو کہ آسان تر ہے۔

فَبُهِتَ الَّذِي كَفَرَ (پس کافر متحیر و بہشت زدہ ہو گیا)

وَاللَّهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظَّالِمِينَ (اللہ تعالیٰ ظالم قوم کو زبردستی سیدھے راستے کی ہدایت نہیں دیتا)

بعض نے کہا کہ نمرود نے یہ نہیں کہا۔ کہ تیرا رب سورج کو مغرب سے لا کر دکھائے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اس کو اس بات کی طرف نہ

آنے دیا۔ بلکہ اس سے پھیر دیا۔

یہ بھی کہا گیا ہے کہ وہ اپنے متعلق ربوبیت کا دعویٰ کرتا تھا اور اپنے علاوہ دوسرے کی ربوبیت کا قائل نہ تھا اور اس کے اس قول کا

مطلب انا احیی و امیت کہ میں ہی تو وہ ہوں جس کی طرف احیاء و اماتت کی نسبت کی جاتی ہے میرے سوا اور کوئی نہیں۔

أَوْ كَالَّذِي مَرَّ عَلَى قَرْيَةٍ وَهِيَ خَاوِيَةٌ عَلَى عُرُوشِهَا ۚ قَالَ

یا اس شخص کی طرح سے جو گزرا ایک بستی پر اور وہ اس حال میں تھی کہ چھتوں پر اس کی دیواریں گری پڑی تھیں، یہ شخص کہنے لگا

أَنِّي يُحْيِي هَذِهِ اللَّهُ بَعْدَ مَوْتِهَا ۚ فَأَمَاتَهُ اللَّهُ مِائَةَ عَامٍ ثُمَّ بَعَثَهُ ۖ

کہ اللہ کیونکر زندہ فرمائے گا اس بستی کو اس کی موت کے بعد، پس اللہ تعالیٰ نے اس کو سو سال تک مردہ رکھا پھر اسے اٹھا دیا،

قَالَ كَمْ لَبِثْتَ ۖ قَالَ لَبِثْتُ يَوْمًا أَوْ بَعْضَ يَوْمٍ ۖ قَالَ بَلْ لَبِثْتَ

اس سے سوال فرمایا کہ تو کتنے عرصہ تک ٹھہرا رہا۔ اس نے کہا کہ میں ایک دن یا ایک دن سے کم ٹھہرا ہوں، فرمایا بلکہ تو سو سال

مِائَةَ عَامٍ فَانْظُرْ إِلَى طَعَامِكَ وَشَرَابِكَ لَمْ يَتَسَنَّهْ ۚ وَانْظُرْ

تک ٹھہرا رہا ہے، سو تو دیکھ لے اپنے کھانے کو اور پینے کی چیز کو وہ مڑی گئی نہیں ہے اور دیکھ لے

إِلَى حِمَارِكَ وَلِنَجْعَلَكَ آيَةً لِلنَّاسِ وَانْظُرْ إِلَى الْعِظَامِ كَيْفَ

اپنے گدھے کو، اور تاکہ ہم تجھے نشانی بنا دیں لوگوں کے لئے اور دیکھ ہڈیوں کی طرف ہم ان کو کیسے

نُنْشِرُهَا ثُمَّ نَكْسُوهَا لَحْمًا ۖ فَلَمَّا تَبَيَّنَ لَهُ ۚ قَالَ أَعْلَمُ أَنَّ اللَّهَ

جوڑ دیتے ہیں پھر ان پر گوشت پہنا دیتے ہیں، سو جب اس پر یہ سب کچھ ظاہر ہو گیا تو کہنے لگا کہ میں جانتا ہوں کہ بے شک اللہ

عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ﴿۲۵۹﴾

ہر چیز پر قادر ہے۔

نکتہ: اس سے یہ بات ثابت ہوئی کہ علم کلام میں بات کرنا اور مناظرہ کرنا مباح ہے اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ الم ترا لی الذی حاج ابراہیم فی ربہ۔ کیا تمہیں معلوم نہیں وہ شخص جس نے ابراہیم علیہ السلام سے جھگڑا کیا۔ ان کے رب کے متعلق۔ حاجت باب مفاعلہ سے ہے اور وہ دو کے مابین ہوتا ہے۔ جیسے مقاتلہ۔ پس اس سے خود یہ نکل آیا کہ ابراہیم علیہ السلام نے بھی اس سے مناظرہ کیا۔ اگر یہ جائز نہ ہوتا۔ تو ابراہیم علیہ السلام اس کو بذات خود نہ کرتے۔ کیونکہ انبیاء علیہم السلام ارتکاب حرام سے معصوم ہیں۔ دوسری بات یہ ہے کہ ہمیں کفار کو ایمان باللہ اور توحید باری تعالیٰ کی طرف بلانے کا حکم دیا گیا۔ جب ہم ان کو دعوت دیں گے تو لازماً وہ ہم سے اس پر دلیل طلب کریں گے۔ اور یہ مناظرہ کے بعد ہوگی۔ (انظر شرح التاویلات)

تَفْسِيرُ آيَةِ ۲۵۹:

أَوْ كَالَّذِي مَرَّ (یا اس کی طرح جس کا گزر ہوا) مطلب یہ ہے۔

یا ایت مثل الذی۔ کیا تمہیں معلوم ہے اس کا حال جس کا گزر ہوا پس اس کو حذف کر دیا کیونکہ الم تر اس پر دلالت کے لئے کافی تھا۔ کیونکہ یہ دونوں تعجب کے کلمات ہیں۔

دوسرا قول:

یہ معنی پر محمول ہے لفظ پر نہیں۔ تقدیر عبارت اس طرح ہے۔ ایت کا لذی حاج ابراہیم او کا لذی مر۔ علامہ زنجشیری: نے متوفی ۳۸۹ھ کشاف میں کہا۔ کہ اس میں کاف زائدہ ہے اور الذی کا عطف الی الذی حاج پر ہے۔

قول حسن علیہ السلام:

حضرت حسن علیہ السلام سے مروی ہے کہ یہ گزرنے والا کافر تھا۔ اور بعث کا منکر تھا اس لئے اس کو نمرود کے ساتھ ایک ہی لڑی میں پرو کر ڈکڑا کر کیا۔

دوسری دلیل: یہ ہے کہ انی یحییٰ کلمۃ استبعاد کا استعمال کیا گیا۔ جو بعث بعد الموت کو بعید جانے کی طرف مشیر ہے۔

جمہور مفسرین علیہ السلام کی رائے:

مگر اکثر مفسرین اس طرف گئے ہیں کہ یہ حضرت عزیر علیہ السلام تھے۔ انہوں نے احیائے موتی کا معائنہ کرنے کا ارادہ فرمایا۔ تاکہ بصیرت تامہ حاصل ہو جائے جیسا کہ ابراہیم علیہ السلام نے طلب کیا اور انی یحییٰ تو زندہ کرنے کا طریقہ اور زندہ کرنے والے کی عظیم قدرت کی معرفت سے عاجزی کا اعتراف ہے۔

بیت المقدس کا اجڑنا:

عَلٰی قَرْیَةٍ (بستی پر) یہ بیت المقدس شہر تھا۔ جبکہ اس کو بخت نصر نے برباد کر دیا تھا۔ یا وہی بستی ہے جس سے وہ ہزاروں لوگ نکلے تھے۔

وَهِيَ خَاوِيَةٌ عَلَى عُرُوشِهَا (وہ گرنے والی تھی اپنی چھتوں پر) یعنی چھتوں سمیت گر چکی تھی۔

یاد دوسرا قول: چھتیں گریں پھر ان پر دیواریں بھی گر پڑیں۔ عروش ہر بلند چیز کو عرش کہتے ہیں۔

قَالَ اَنّٰی يُحْیٰی هٰذِهِ اللّٰهُ بَعْدَ مَوْتِهَا فَاَمَاتَهُ اللّٰهُ مِائَةً عَامًا ثُمَّ بَعَثَهُ (اس نے کہا کیسے زندہ کرے گا۔ اس کو اللہ تعالیٰ اس کے ویران ہونے کے بعد پس اس کو موت دی اللہ تعالیٰ نے پھر اس کو اٹھا کھڑا کیا) انی یہ کیف کے معنی میں ہے۔ ہلکہ سے مراد اہل ہلکہ اس کے رہنے والے بعث سے مراد زندہ کرنا ہے۔

قَالَ (اس نے کہا) یعنی اس کو فرشتے نے کہا۔

كَمْ لَبِثْتَ قَالَ لَبِثْتُ يَوْمًا اَوْ بَعْضَ يَوْمٍ (تو کتنا عرصہ ٹھہرا اس نے کہا میں ایک دن یا دن کا کچھ حصہ ٹھہرا) یعنی اپنے گمان کی بناء پر۔

جوازِ اجتہاد:

مَسْئَلَةٌ: اس میں دلیل ہے کہ اجتہاد جائز ہے۔

روایت میں ہے کہ ان کو موت چاشت کے وقت آئی اور سو سال بعد ان کو سورج کے غروب ہونے سے پہلے اٹھایا۔ پس انہوں نے سورج کی طرف نگاہ ڈالنے سے پہلے کہا۔ یومًا ایک دن۔ پھر وہ متوجہ ہوئے۔ تو انہوں نے ابھی سورج کو باقی پایا۔ تو کہنے لگے۔ اَوْ بَعْضُ يَوْمٍ۔ یا دن کا کچھ حصہ۔

قَالَ بَلْ لَبِثْتَ مِائَةً عَامٍ فَأَنْظُرْ إِلَى طَعَامِكَ وَشَرَابِكَ (اس نے کہا بلکہ تو سو سال ٹھہرا ہے پس تو دیکھ اپنے کھانے کو اور اپنے مشروب کو)

مشروب کی جنس:

روایت میں ہے کہ ان کا کھانا انجیر اور انگور تھے اور مشروب جوس اور دودھ تھا۔ پس انہوں نے انگور اور انجیر کو اس طرح پایا گویا ابھی تازے چنے گئے ہیں اور مشروب بھی اپنی اصلی حالت میں ہے۔

لَمْ يَتَسَنَّهْ (وہ باسی نہیں ہوا) یعنی اس کا ذائقہ نہیں بدلا۔ اس کی ہواء اصلی ہے یا ہائے سکتہ ہے؟ اور السنة سے اس کے اشتقاق کے دو طریق ہیں۔

دو طریق اشتقاق:

نمبر ۱۔ کیونکہ اس کا لام کلمہ ہاء ہے۔ تو اصل سَنَهَةٌ اور فعل سَانَهْتُ فلانًا یعنی میں نے اس سے ایک سال معاملہ کیا۔
نمبر ۲: اصل سنوۃ تھا اور فعل سانیت بنا۔ اس کا معنی ہے اس کو سالوں نے تبدیل نہیں کیا۔ اور لم يتسنن میں ہاء کو وصل میں حذف کر دیا۔ اور وقف میں ہاء قائم رکھی۔ حمزہ علی رحمہما اللہ کے ہاں۔

گدھے کی سواری کا جواز:

وَأَنْظُرْ إِلَى حِمَارِكَ (اور تم اپنے گدھے کو دیکھو) یعنی کس طرح اس کی ہڈیاں تک بکھر چکی اور کھوکھلی ہو چکی ہیں) ان کی سواری گدھا تھا۔ جس کو باندھا ہی تھا۔ کہ موت آگئی۔ اس کی ہڈیاں باقی رہ گئیں۔
دوسرا قول: تو دیکھ اس کو کہ وہ صحیح سالم ہے جیسا تم نے باندھا۔ اور یہ عظیم نشانات قدرت میں سے ہے کہ اس کو سو سال بغیر چارے اور پانی کے زندہ رکھا۔ جیسا اس کے کھانے اور مشروب کی تبدیلی سے حفاظت فرمائی۔

نشانی کا مطلب:

وَلَنَجْجَعَنَّكَ آيَةً لِلنَّاسِ (اور تا کہ تجھے لوگوں کے لئے نشانی بنادیں) یعنی نمبر ۱۔ ہم نے یہ کہا ہے مراد اس سے ان کا موت کے بعد زندہ کرنا تھا اور ان تمام چیزوں کی حفاظت کرنا جو ان کے ساتھ تھیں۔ نمبر ۲۔ یہ بھی کہا گیا۔ کہ واؤ محذوف پر عطف ہے ای لتعتبر ولنجعلك۔ تا کہ تو عبرت حاصل کر لے اور تا کہ ہم تجھے بنائیں لوگوں کے لئے نشانی۔

نمبر ۳۔ یہ بھی کہا گیا کہ وہ اپنی قوم کے پاس گدھے پر سوار تشریف لائے اور کہا کہ میں عزیر علیہ السلام ہوں۔ انہوں نے جھٹلایا۔ انہوں نے تورات کو لانے کا حکم دیا۔ پس اس کو زبانی پڑھنے لگے۔

حضرت عزیر علیہ السلام سے پہلے کسی نے تورات کو زبانی نہ پڑھا تھا۔ پس یہی ان کا نشانی ہونا ہے۔
نمبر ۴۔ یہ بھی کہا گیا کہ وہ گھر لوٹ کر گئے تو اپنی اولاد کو دیکھا۔ تو وہ بوڑھے ہو چکے اور یہ نوجوان تھے۔

ہڈیاں کس کی؟

وَأَنْظُرْ إِلَى الْعِظَامِ (اور تم ہڈیوں کو دیکھو) نمبر ۱۔ یعنی گدھے کی ہڈیاں۔ یا دوسرا قول: ان مردوں کی ہڈیاں جن کے زندہ ہونے پر تعجب کیا تھا۔

كَيْفَ نُنْشِزُهَا (کس طرح ہم ان کو زمین سے اٹھا کر جوڑتے ہیں) یعنی ان کو حرکت دیتے اور بعض کو بعض کے ساتھ جوڑنے کے لئے اٹھاتے اور بلند کرتے ہیں۔

قراءت: اہل حجاز و بصری قراء نے نُنْشِزُهَا راء کے ساتھ پڑھا یعنی زندہ کرتے ہیں۔

ثُمَّ نَكْسُوْهَا لَحْمًا (پھر ہم ان پر گوشت چڑھاتے ہیں) ہاء سے مراد ہڈیاں۔ لحمًا۔ گوشت۔ تو گوشت بمنزلہ لباس قرار دیا مجازی طور پر۔

فَلَمَّا تَبَيَّنَ لَهُ (پس جب ان کے سامنے واضح ہو گیا) اس کا فاعل مضمَر ہے۔ تقدیر عبارت یہ ہے فلما تبين له ان الله على كل شيء قدير۔ کہ جب ان کو اللہ تعالیٰ کا ہر چیز پر قدرت رکھنے والا ہونا خوب واضح ہو گیا۔

دلالت کی وجہ سے حذف:

قَالَ أَعْلَمُ أَنَّ اللَّهَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ (اس نے کہا میں نے جان لیا کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قدرت والے ہیں) پہلے ان اللہ علی کل شیء قدير۔ کو حذف کر دیا۔ کیونکہ دوسرا اس پر دلالت کر رہا تھا۔ جیسا محاورہ عرب ہے ضربتی و ضربت زیداً۔ یعنی مجھے زید نے مارا اور میں نے زید کو مارا۔ تو اول زید کو حذف کر دیا۔

دوسرا قول: یہ درست ہے کہ فلما تبين له سے مراد جو ان پر مشکل ہوا۔ یعنی احیائے موتی کا معاملہ۔ قراءت: حمزہ مبدیہ و علی مبدیہ نے کہا: أَعْلَمُ، اِعْلَمُ صیغہ امر ہے۔ مطلب یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو کہا اِعْلَمُ تو جان یا انہوں نے خود اپنے نفس کو خطاب کر کے کہا اے نفس تو سمجھ لے۔

وَإِذْ قَالَ إِبْرَاهِيمُ رَبِّ ارْنِي كَيْفَ تُحْيِي الْمَوْتَىٰ ۖ قَالَ أَوَلَمْ تُؤْمِنْ ۖ قَالَ

اور جب کہا ابراہیم نے کہ اے میرے رب آپ مجھے دکھا دیجئے مردوں کو کس طرح زندہ فرماتے ہیں، فرمایا کیا تم کو یقین نہیں ہے؟ عرض کیا

بَلَىٰ وَلَٰكِنْ لِّيَطْمَئِنَّ قَلْبِي ۖ قَالَ فَخُذْ أَرْبَعَةً مِّنَ الطَّيْرِ فَصُرْهُنَّ إِلَيْكَ

یقین ہے لیکن اس غرض سے سوال کرتا ہوں کہ میرا قلب مطمئن ہو جائے، فرمایا سو تم لے لو چار پرندے پھر ان کو اپنے سے ہلا لو

ثُمَّ اجْعَلْ عَلَىٰ كُلِّ جَبَلٍ مِّنْهُنَّ جُزْءًا ثُمَّ ادْعُهُنَّ يَأْتِينَكَ سَعْيًا ۖ وَاعْلَمْ

پھر ہر پہاڑ پر ان میں سے ایک ایک حصہ رکھ دو پھر ان کو بلاؤ وہ تمہارے پاس دوڑتے ہوئے چلے آئیں گے اور جان لو

أَنَّ اللَّهَ عَزِيزٌ حَكِيمٌ ۝۲۶

کہ بلاشبہ اللہ عزیز ہے حکیم ہے۔

تفسیر آیت ۲۶۰:

وَإِذْ قَالَ إِبْرَاهِيمُ رَبِّ ارْنِي (جب ابراہیم علیہ السلام نے کہا اے میرے رب تو مجھے دکھا)

كَيْفَ تُحْيِي الْمَوْتَىٰ (تو مردوں کو کس طرح زندہ کرتا ہے)

نَحْوُ: کیف یہ توحی کی وجہ سے موضع نصب میں ہے۔

قَالَ أَوَلَمْ تُؤْمِنْ قَالَ بَلَىٰ وَلَٰكِنْ لِّيَطْمَئِنَّ قَلْبِي (اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ کیا تو یقین نہیں رکھتا۔ ابراہیم علیہ السلام نے کہا کیوں

نہیں؟ مگر میرے دل کو اطمینان ہو جائے)

فائدہ سوال:

سوال: اللہ تعالیٰ نے ابراہیم علیہ السلام کو فرمایا اولم تؤمن۔ کیا تمہیں یقین نہیں۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ جانتے تھے کہ وہ ایمان میں تمام

لوگوں سے زیادہ مضبوط ہیں۔

جواب: یہ سوال اللہ تعالیٰ نے اس لئے فرمایا۔ تاکہ وہی جواب دیں جو انہوں نے دیا۔ اس لئے کہ اس میں سامعین کے لئے

عظیم الشان فائدہ ہے۔

علم ضروری اور استدلالی کا فرق:

نَحْوُ: بلی۔ نفی کے بعد ایجاب کے لئے آتا ہے۔ اس کا معنی ہے کیوں نہیں۔

اَمَنْتُ یعنی میں ایمان لایا۔ لیکن تاکہ میرا سکون و طمانیت بڑھ جائے۔ علم ضروری کو علم استدلال کے ساتھ ملا کر اور دلائل کا

ظاہر ہونا قلوب کے لئے زیادہ سکون کا باعث اور بصیرت میں مزید اضافہ کرنے والا ہے۔ اس لئے کہ علم استدلالی کے ساتھ تو شک کا امکان ہے۔ مگر علم ضروری کے قریب بھی شک کا گز نہیں۔

مخبر: لام محذوف سے متعلق ہے۔ تقدیر عبارت یہ ہے۔ ولكن سالت ذلك ارادة طمانينة القلب ليكن میں نے یہ سوال اطمینان قلب کے ارادے سے کیا۔

قَالَ فَخُذْ أَرْبَعَةً مِّنَ الطَّيْرِ (اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ تو چار پرندے لے) الطیر سے موز، مرغ، کوا، کبوتر مراد ہیں۔

فَصْرُ هُنَّ إِلَيْكَ (تو ان کو بلا لے) مادہ صور، صار، يصور

قراءت: حمزہ و ابو جعفر نے صِرْهُنَّ پڑھا ہے۔ جس کا معنی پارہ پارہ کرنا ہے۔

مادہ صار۔ یصیر۔ صیرا ہے۔ صُرْهُنَّ کا معنی مائل کرنا، ملانا اور جمع کرنا ہے۔

پہاڑ کتنے؟

ثُمَّ اجْعَلْ عَلَى كُلِّ جَبَلٍ مِنْهُمْ جُزْءًا (پھر ہر پہاڑ پر ان کا ایک حصہ رکھ دے) یعنی ان کے ٹکڑے کر دے اور ان کے اجزاء ان پہاڑوں پر منتشر کر دے۔ جو تیرے سامنے اور تیرے علاقے میں ہیں اور یہ چار پہاڑ تھے یا سات۔

قراءت: جُزْءاً ۱۔ دونوں ضموں اور ہمزہ کے ساتھ ابوبکر نے پڑھا ہے۔

ثُمَّ ادْعُهُنَّ (پھر ان کو بلاؤ) یعنی ان کو کہو تم میرے پاس اللہ تعالیٰ کے حکم سے آؤ۔

يَا تَيْنَكَ سَعِيًّا (وہ تیرے پاس دوڑتے آئیں گے) یہ موضع حال میں ہے یعنی ساعیات مسرعات فی طیرانہن وہ دوڑنے اور اپنی پرواز میں تیزی کرنے والے ہونگے۔ یا اپنے پاؤں پر چلنے میں جلدی کرنے والے ہونگے۔

نکتہ: ان کو اپنی طرف ملانے کا حکم اس لئے دیا تا کہ وہ ان کو پکڑ کر تامل کر سکیں اور ان کی شکلیں اور ہیئت اور اترنا۔ زندہ کرنے کے بعد ان پر ملتہمس نہ ہو۔ اور یہ وہم نہ ہو کہ وہ اور ہیں۔ روایت میں ہے کہ ان کو ذبح کا حکم ہوا اور ان کے پر نوچنے اور کاٹنے اور ان کے اجزاء کے متفرق کرنے اور ان کے پروں، خونوں اور گوشتوں کو خلط ملط کرنے کا حکم ہوا اور سروں کو اپنے پاس رکھنے کا۔ پھر حکم ہوا کہ ان کے اجزاء کو پہاڑوں پر رکھیں۔ ہر پہاڑ پر ہر پرندے کا چوتھا حصہ پھر ان کو آواز دینے کا حکم ہوا کہ تعالین باذن اللہ کہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے آؤ۔ پس ہر جزء دوسرے جز کی طرف اڑ کر جانے لگا۔ یہاں تک کہ جسم بن گئے۔ پھر وہ اپنے سروں کے ساتھ آملے۔ اس طرح کہ ہر جثہ اپنے سر کے ساتھ لگ گیا۔

وَاعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ عَزِيزٌ (اور جان لے کہ بے شک اللہ تعالیٰ زبردست ہیں) یعنی جو وہ ارادہ فرمائے۔ کوئی چیز اس کے سامنے انکار نہیں کر سکتی۔

حَکِیْم (وہ حکمت والے ہیں) ان کاموں میں جن کی وہ تدبیر کرتے ہیں۔ وہی کرتے ہیں جس میں حکمت ہوتی ہے۔

رابط آیت:

زندہ کرنے پر اپنی قدرت کے دلائل خوب واضح کر دیئے۔ تو اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ پر آمادہ کیا اور بتلایا کہ جو آدمی اس کی

مَثَلُ الَّذِينَ يُنْفِقُونَ أَمْوَالَهُمْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ كَمَثَلِ حَبَّةٍ أَنْبَتَتْ

مثال ان لوگوں کی جو اپنے مالوں کو اللہ کی راہ میں خرچ کرتے ہیں ایسی ہے جیسے ایک دانہ ہو اس نے اگائیں

سَبْعَ سَنَابِلَ فِي كُلِّ سُنبُلَةٍ مِائَةُ حَبَّةٍ ۖ وَاللَّهُ يُضْعِفُ لِمَنْ يَشَاءُ ۖ

سات بائیں، ہر بال میں ہیں سو دانے، اور اللہ چند در چند کر دیتا ہے جس کے لئے چاہے۔

وَاللَّهُ وَاسِعٌ عَلِيمٌ ﴿۲۶۱﴾

اور اللہ وسعت والا ہے علم والا ہے۔

راہ میں خرچ کرتا ہے اس کو اس خرچ کرنے میں بہت بڑا اجر ہے۔ اور وہ اس کے دینے پر قدرت رکھتا ہے پس فرمایا۔

تَفْسِيْرُ آيَةِ ۲۶۱:

مَثَلُ الَّذِينَ يُنْفِقُونَ أَمْوَالَهُمْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ (مثال ان لوگوں کی جو اپنے مال اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کرتے ہیں)

یعنی ان کے خرچ کرنے کی مثال۔ یہاں مضاف کا محذوف جاننا ضروری ہے۔

كَمَثَلِ حَبَّةٍ (ایک دانے کی مثال ہے) یا ان کی مثال غلہ بونے والے کی ہے۔

انبات کی صورت:

أَنْبَتَتْ سَبْعَ سَنَابِلَ فِي كُلِّ سُنبُلَةٍ مِائَةُ حَبَّةٍ (جو سات بالیں اگائے ہر بال میں سو دانے ہوں) اُگانے والے اللہ

تعالیٰ ہیں۔ دانہ چونکہ ظاہری سبب ہے اس کی طرف اگانے کی نسبت کردی جس طرح زمین اور پانی کی طرف کی جاتی ہے۔

اور سات بالیں اگانے کا مطلب یہ ہے کہ ایک ایسا پودہ نکلے جس سے سات پودے شاخوں کی صورت میں نکلیں۔ کہ ہر

شاخ پر ایک سٹہ ہو۔

درحقیقت یہ بال کئی گنا اضافے کی تصویر ہے گویا اس کا بڑھنا دیکھنے والے کی آنکھوں کے سامنے موجود کھڑا ہے اور یہ مثال

چٹائلی میں موجود ہے اور بسا اوقات گندم کا پودہ زرخیز زمین جو غلہ آور ہو اس مقدار تک پہنچ جاتی ہے۔

(اور آج کل تو متوسط زمینوں میں یہ پیداوار بے شمار غلہ جات میں واضح نظر آتی ہے) اس صورت میں یہ تمثیل صحیح ہے اور اگر

نہ پائی جائے تو فرض تقدیر کے طور پر بطور مثال اضافہ کو سمجھنا مقصود ہے۔

جمع کی وجہ:

یہاں سنابل کو سنبلات کی بجائے لایا گیا۔ یہ اسی طرح ہے جیسا قروء کو اقراء کی جگہ لانا یعنی یہ جمع کثیر الاستعمال ہے اس لئے

لائی گئی۔

الَّذِينَ يُنْفِقُونَ أَمْوَالَهُمْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ ثُمَّ لَا يُتَّبَعُونَ مَا أَنْفَقُوا

جو لوگ خرچ کرتے ہیں اپنے مالوں کو اللہ کی راہ میں پھر خرچ کرنے کے بعد احسان

مِنَّا وَلَا آذَىٰ ۖ لَهُمْ أَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ ۖ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ

نہیں دھرتے اور ایذا نہیں پہنچاتے ان کے لئے ثواب ہے ان کے رب کے پاس، اور نہ ان پر کوئی خوف ہے اور نہ وہ

يَحْزَنُونَ ﴿۳۱۲﴾ قَوْلٌ مَّعْرُوفٌ وَمَغْفِرَةٌ خَيْرٌ مِّنْ صَدَقَةٍ يَتَّبِعُهَا أَذَىٰ ۖ

رنجیدہ ہوں گے بھلی بات کہہ دینا اور درگزر کر دینا ایسے صدقہ سے بہتر ہے جس کے بعد تکلیف پہنچائی جائے

وَاللَّهُ غَنِيٌّ حَلِيمٌ ﴿۳۱۳﴾ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَبْطُلُوا صَدَقَاتِكُمْ بِالْمَنِّ

اور اللہ غنی ہے حلیم ہے، اے ایمان والو! مت باطل کرو اپنے صدقات کو احسان جتا کر اور تکلیف

وَالْأَذَىٰ ۖ كَالَّذِي يُنْفِقُ مَالَهُ رِئَاءَ النَّاسِ وَلَا يُؤْمِنُ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ

پہنچا کر اس شخص کی طرح سے جو اپنا مال خرچ کرتا ہے لوگوں کو دکھانے کے لئے اور ایمان نہیں لاتا اللہ پر اور یوم

الْآخِرِ ۖ فَمَثَلُهُ كَمَثَلِ صَفْوَانٍ عَلَيْهِ تُرَابٌ فَأَصَابَهُ وَابِلٌ فَتَرَكَهُ

آخرت پر، سو اس کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی چکنا پتھر ہو جس پر ذرا سی مٹی ہو پھر پہنچ گئی اس کو

صَلْدًا ۖ لَا يَقْدِرُونَ عَلَىٰ شَيْءٍ مِّمَّا كَسَبُوا ۗ وَاللَّهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْكَافِرِينَ ﴿۳۱۴﴾

زور وار بارش سو کر چھوڑا اس کو بالکل ہی صاف، یہ لوگ اپنی کمائی میں سے کسی چیز پر قادر نہ ہوں گے، اور اللہ کافر قوم کو ہدایت نہیں دیتا۔

احوال پر فیصلہ:

وَاللَّهُ يُضْعِفُ لِمَنْ يَشَاءُ (اور اللہ تعالیٰ جس کے لئے چاہے کئی گنا بڑھا دیتے ہیں) یعنی جس کے لئے اتنا بڑھانا چاہتے ہیں بڑھا دیتے ہیں۔ ہر خرچ کرنے والے کے لئے یہ اضافہ نہیں۔ کیونکہ خرچ کرنے والوں کے احوال مختلف ہیں۔

دوسرا قول: سات سو سے زیادہ جن کے لئے چاہتے ہیں بڑھا دیتے ہیں۔

قراءت: شامی رحمہ اللہ نے یُضَاعَفُ پڑھا۔ اور رحمہ اللہ نے یُضْعِفُ۔ وَاللَّهُ وَاسِعٌ (اور اللہ تعالیٰ وسعت والے ہیں) یعنی وسیع فضل و جود والے ہیں۔ عَلِيمٌ (جاننے والے ہیں) یعنی خرچ کرنے والوں کی نیت کو۔

تفسیر آیت ۲۶۲:

الَّذِينَ يُنْفِقُونَ أَمْوَالَهُمْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ ثُمَّ لَا يُتَّبَعُونَ مَا أَنْفَقُوا مِّنَّا (وہ لوگ جو اپنے مال اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کرتے

ہیں۔ پھر جو کچھ کیا اس کے بعد احسان نہیں دھرتے)۔

مَنْ وَايْذَاءُ كِي وَضَاحَت:

مَنْ يَہے کہ جس پر احسان کیا ہو اس پر زیادتی کرے اور اس کو دکھلائے کہ اس نے اس سے بھلائی کی ہے۔ اور اس کی وجہ سے اس پر حق لازم کرے۔

عرب کے لوگ کہا کرتے تھے۔ اِذَا صَنَعْتُمْ صَنِيعَةً فَاَنْسُوْهَا جب تم کوئی احسان کرو۔ تو اس کو بھلا دو۔
وَلَا اَذَى (اور نہ دکھ دینا) ایذا یہ ہے کہ احسان کے بدلے اس پر بالادستی ظاہر کرے۔ ثم کے لفظ سے یہاں انفاق اور مَنْ وَايْذَاءُ چھوڑنے میں فرق ظاہر کرنا مقصود ہے اور یہ کہ مَنْ وَايْذَاءُ کا ترک کرنا انفاق سے بہتر ہے۔
جس طرح استقامت علی الایمان کو دخول ایمان سے۔ اس ارشاد خداوندی کی روشنی میں۔ (ثم استقاموا ۱۔ فصلت۔ ۳۰) بہتر قرار دیا گیا۔

لَهُمْ اَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ (ان کا اجر ان کے رب کے ہاں ہے) یعنی ان کے انفاق کا ثواب
خوف و غم کی نفی:

وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ (ان پر نہ خوف ہوگا) یعنی اجر کے کم ہو جانے کا
وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ (اور نہ وہ غمگین ہونگے) یعنی اجر کے فوت ہو جانے پر یا
دوسرا قول: نہ خوف عذاب اور نہ حزن فوت ثواب

نکتہ: یہاں لَهُمْ اَجْرُهُمْ فرمایا۔ اور بعد والی آیات میں فَلَهُمْ اَجْرُهُمْ۔ کیونکہ یہاں موصول میں شرط کا معنی نہیں پایا جاتا جبکہ اس جگہ معنی شرط کا متضمن ہے اس لئے فاء جزائیہ لائی گئی۔

۲۶۳: قَوْلٌ مَّعْرُوفٌ (اچھی بات) یعنی اچھے انداز سے جواب

وَمَغْفِرَةٌ (اور بخشش) اور سائل کو معاف کرنا جبکہ اس سے مسئول کو ناگواری ہو۔

دوسرا قول: اللہ تعالیٰ کی طرف سے بخشش ملتی ہے اچھے جواب کی بناء پر۔

خَيْرٌ مِّنْ صَدَقَةٍ يَتْبَعُهَا اَذَى (وہ بہت بہتر ہے ایسے صدقہ سے جس کے بعد ایذا پہنچائی جائے قول اگرچہ نکرہ ہے مگر صفت کے ساتھ مخصوص ہونے کی بناء پر اس کا مبتداء بنتائج ہے۔

وَاللّٰهُ غَنِيٌّ (اور اللہ تعالیٰ غنی ہیں) اس کو کوئی ضرورت نہیں کسی ایسے خرچ کرنے والے کی جو احسان جتائے اور ایذا دے۔ (یعنی ایسے منفق سے اس کو نفرت ہے)

حَلِيمٌ (وہ بردبار ہیں) جلدی سزا نہیں دیتے۔

یہ ایسے شخص کے لئے وعید ہے۔ پھر اپنے اس ارشاد سے اس کو مزید مؤکد کر دیا: يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَبْطُلُوا صَدَقَاتِكُمْ بِالْمَنِّ وَالْأَذَى۔

۲۶۴: يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَبْطُلُوا صَدَقَتَكُمْ بِالْمَنِّ وَالْأَذَى كَالَّذِي (اے ایمان والو! مت باطل کرو اپنے صدقات کو احسان جتنا کر اور دکھ دے کر اس شخص کی طرح) كَالَّذِي كَافَ مَصْرًا مَحْذُوفٍ کی صفت کے طور پر منصوب ہے۔ تقدیر عبارت اس طرح ہے ابطالا مثل ابطال الذی۔ باطل کرنا اس کے باطل کرنے کی طرح۔

احسان جتنا کرنے کا نقصان:

يُنْفِقُ مَالَهُ رِثَاءَ النَّاسِ وَلَا يُؤْمِنُ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ (جو اپنے مال کو لوگوں کے دکھاوے کے لئے خرچ کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ اور آخرت کے دن پر ایمان نہیں رکھتا) یعنی نہ باطل کرو اپنے صدقات کا ثواب احسان جتنا کر اور دکھ دے کر اس منافق کے باطل کرنے کی طرح جو اپنا مال لوگوں کو دکھاوے کے لئے خرچ کرتا ہے اور اس انفاق سے اللہ تعالیٰ کی رضامندی کا ارادہ نہیں کرتا اور نہ ہی ثواب آخرت کا طالب ہے۔

مَنْحُورٌ: رِثَاءَ یہ مفعول لہ ہے۔

شاندار مثال:

فَمَثَلُهُ كَمَثَلِ صَفْوَانٍ عَلَيْهِ تُرَابٌ (اس کی مثال اس چٹان جیسی ہے جس پر مٹی ہو) اللہ تعالیٰ نے اس کی اور اس کے اس خرچ کی مثال جس سے نفع نہیں اٹھایا جاتا۔ ایک ملائم پتھر سے دی جس پر مٹی ہو۔

فَأَصَابَهُ وَابِلٌ (پس اس کو موسلا دھار بارش پہنچی) وابل موٹے قطرے والی بارش کو کہتے ہیں۔

فَتَرَكَهُ صَلْدًا (پس اس کو صاف کر کے چھوڑا) یعنی مٹی سے بالکل صاف وہ مٹی جو اس پر پڑی تھی۔

لَا يَقْدِرُونَ عَلَى شَيْءٍ مِّمَّا كَسَبُوا (وہ کسی چیز پر قادر نہ ہونگے۔ جو کچھ انہوں نے کمایا) یعنی وہ اس چیز کا کچھ بھی ثواب نہ پائیں گے۔ جو انہوں نے خرچ کیا۔

دوسرا قول: کاف محل نصب میں ہے حال ہونے کی وجہ سے یعنی تم اپنے صدقات کو باطل نہ کرو۔ اس حال میں کہ تم اس کو مماثل بنانے والے ہو۔ اس شخص کے جو خرچ کرتا ہے (من وایذاء کے ساتھ) آیت میں لا یقدرون کو لایا گیا۔ کالذی ینفق کے بعد۔ کیونکہ مراد انفاق سے جنس انفاق ہے۔ یا وہ فریق جو خرچ کرتا ہے۔

وَاللَّهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْكَافِرِينَ (اور اللہ تعالیٰ نہیں راہنمائی کرنے والے کافر قوم کی) یعنی جب تک وہ کفر کو اختیار کرنے والے ہیں۔

وَمَثَلُ الَّذِينَ يُنْفِقُونَ أَمْوَالَهُمُ ابْتِغَاءَ مَرْضَاتِ اللَّهِ وَتَثْبِيتًا مِّنْ

اور مثال ان لوگوں کی جو خرچ کرتے ہیں اپنے مالوں کو اللہ کی رضا جوئی کے لئے اور نفسوں کو پختہ

أَنفُسِهِمْ كَمَثَلِ جَنَّةٍ بِرَبْوَةٍ أَصَابَهَا وَابِلٌ فَآتَتْ أُكُلَهَا ضَعْفَيْنِ فَإِنِ

کرنے کے لئے ایسی مثال ہے جیسے ایک باغ ہو کسی ٹیلہ پر جس کو پہنچ جائے زور دار بارش پھر وہ دوگنا پھل لایا ہو، پس اگر

لَّمْ يُصِبْهَا وَابِلٌ فَطُلَّ ۖ وَاللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرٌ ﴿۲۶۵﴾

زور دار بارش نہ پہنچی تو ہلکی بوندا باندی بھی اسے کافی ہے۔ اور اللہ تعالیٰ تمہارے کاموں کو دیکھتا ہے۔

تفسیر آیت ۲۶۵..... مؤمن کے انفاق کی مثال:

وَمَثَلُ الَّذِينَ يُنْفِقُونَ أَمْوَالَهُمُ ابْتِغَاءَ مَرْضَاتِ اللَّهِ وَتَثْبِيتًا مِّنْ أَنفُسِهِمْ (ان لوگوں کی حالت جو اپنے مال اللہ تعالیٰ کی رضا مندی چاہنے اور اپنے نفسوں کو ثواب پہنچانے کیلئے خرچ کرتے ہیں یعنی اسلام کی تصدیق اور اپنے دلوں میں جزاء پر یقین کے لئے۔ اس لئے کہ جب مسلمان اپنا مال اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کرتا ہے تو معلوم ہوتا ہے کہ اس کی تصدیق اور ثواب پر اس کا ایمان دل کی گہرائی سے ہے اور دل کے اخلاص سے ہے۔

مِنْ ابْتِدَائِهِ غَايَتِ كَيْفَ هُوَ يَفْعَلُ لَمْ يَعْطُوفْ هُوَ ابْتِغَاءَ اور تثبیت کی خاطر۔ مطلب یہ ہے کہ ان کے خرچہ کی مثال اللہ کے ہاں پاکیزگی میں۔

كَمَثَلِ جَنَّةٍ (باغ جیسی ہے)

بِرَبْوَةٍ (ٹیلے پر) یعنی بلند جگہ پر۔ بلند جگہ کو مخصوص کرنے کی وجہ یہ ہے کہ ایسی جگہ میں درخت زیادہ پاکیزہ اور عمدہ پھل والے ہوتے ہیں۔

قراءت: عاصم و شامی رحمہما اللہ نے رَبْوَةٍ کو راء کے فتح کے ساتھ اور بقیہ قراء نے راء کے ضمہ سے پڑھا ہے۔

أَصَابَهَا وَابِلٌ فَآتَتْ أُكُلَهَا (اس کو بارش پہنچے۔ پس وہ اپنا پھل لائے)۔ اُكُل کا معنی پھل۔

قراءت: نافع، نکی اور ابو عمرو رحمہم اللہ نے اُكُلَهَا ضمہ ہمزہ کے ساتھ پڑھا۔

ضَعْفَيْنِ (دوگنا) وہ بارش کے سبب دوگنا پھل لائے۔ اس سے پہلے اتنا پھل نہ لاتا تھا۔

مثال کے دورِ خ:

فَإِن لَّمْ يُصِبْهَا وَابِلٌ فَطُلَّ (اگر اس کو موسلا دھار بارش نہ پہنچے۔ تو ہلکی بارش بھی کافی ہے)۔ طَل چھوٹے قطرات والی بارش کافی ہے کیونکہ وہاں کی زمین زرخیز ہے۔

أَيُّدُ أَحَدِكُمْ أَنْ تَكُونَ لَهُ جَنَّةٌ مِّنْ نَّحِيلٍ وَأَعْنَابٍ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا

کیا تم میں سے کسی کو یہ بات پسند ہے کہ اس کا ایک باغ ہو کھجوروں اور انگوروں کا اس کے نیچے جاری ہوں

الْأَنْهَارُ لَهُ فِيهَا مِنْ كُلِّ الثَّمَرَاتِ وَأَصَابَهُ الْكِبَرُ وَلَهُ ذُرِّيَّةٌ ضُعَفَاءُ

نہیں اس میں اس کے لئے ہر طرح کے پھل ہوں اور اس کو بڑھاپا آجائے اور اس کی ضعیف آل و اولاد ہو

فَأَصَابَهَا آعْصَارٌ فِيهِ نَارٌ فَاحْتَرَقَتْ ۚ كَذَلِكَ يُبَيِّنُ اللَّهُ لَكُمْ الْآيَاتِ

پھر پہنچ گئی اس کو سخت تیز آندھی جس میں آگ ہو، سو وہ باغ جل جائے، ایسے ہی اللہ تعالیٰ بیان فرماتا ہے تمہارے لئے آیات

لَعَلَّكُمْ تَتَفَكَّرُونَ ﴿۲۶۶﴾

تاکہ تم فکر کرو۔

۲۶۶

دوسرا قول: ان کی حالت کی مثال اللہ تعالیٰ کے ہاں اس باغ سے ہے جو اونچی جگہ پر ہو اور ان کے تھوڑے اور زیادہ نفقات کی مثال موسلا دھار بارش اور پھوار سے ہے۔ جس طرح ان میں سے ہر بارش باغ کے پھل کو کئی گنا کرتی ہے اسی طرح ان کے تھوڑے یا زیادہ خرچہ جات جن سے اللہ تعالیٰ کی رضا مندی طلب کی جائے وہ اللہ تعالیٰ کے ہاں پاکیزہ اور اپنے مرتبہ میں بلند ہے اور ان کا مال اللہ تعالیٰ کے ہاں خوب ہوگا۔

وَاللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرٌ (اور اللہ تعالیٰ جو تم عمل کرتے ہو دیکھنے والا ہے) وہ تمہارے اعمال کثیر ہوں یا قلیل ان کو دیکھتے ہیں۔ تمہاری نیت کو جانتے ہیں۔ کہ ریاء و اخلاص میں سے کیا ہے۔

تَفْسِيرُ آيَةِ ۲۶۶:

أَيُّدُ أَحَدِكُمْ (کیا چاہتا ہے تم میں سے کوئی ایک) ہمزہ انکار کے لئے ہے۔

أَنْ تَكُونَ لَهُ جَنَّةٌ (کہ اس کے پاس باغ ہو) جنت کا معنی باغ ہے۔

مِّنْ نَّحِيلٍ وَ أَعْنَابٍ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ (کھجور اور انگوروں کا جس کے نیچے نہریں بہتی ہوں) لہ میں ہضمیر باغ والے کی طرف لوٹی ہے۔

فِيهَا (اس میں) ہاء کی ضمیر جنت کی طرف لوٹی ہے یعنی باغ میں۔

ثمرات کی مراد:

مِنْ كُلِّ الثَّمَرَاتِ (ہر قسم کے پھل ہوں) مراد ثمرات سے وہ منافع ہیں۔ جو باغ سے اس کو حاصل ہوتے ہیں۔

دوسرا قول: کھجور اور انگور جب درختوں میں عمدہ اور منافع میں برتر ہیں۔ اسی لئے تمام پھلوں میں ان کا تذکرہ فرمایا اور باغ ہی انہی کا قرار دیا۔ اگرچہ وہ دوسرے درختوں پر بھی مشتمل تھا۔ گویا ان کو تمام درختوں پر غلبہ دیا۔ پھر ان کے پیچھے تمام پھلوں کا تذکرہ کیا۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَنْفِقُوا مِنْ طَيِّبَاتِ مَا كَسَبْتُمْ وَمِمَّا أَخْرَجْنَا لَكُمْ

اے ایمان والو! خرچ کرو اپنی کمائی میں سے پاکیزہ چیزوں کو، اور اس میں سے جو ہم نے نکالا تمہارے لئے

مِّنَ الْأَرْضِ ۖ وَلَا تَيَمَّمُوا الْخَبِيثَ مِنْهُ تُنْفِقُونَ وَلَسْتُمْ بِآخِذِيهِ

زمین میں سے، اور مت ارادہ کرو ردى چیز کا کہ اس میں سے خرچ کرو، اور تم خود اس کے لینے والے نہیں ہو

إِلَّا أَنْ تَغْمِضُوا فِيهِ ۖ وَاعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ غَنِيٌّ حَمِيدٌ ﴿۳۷﴾

مگر اس صورت میں کہ چشم پوشی کر جاؤ، اور جان لو کہ بلاشبہ اللہ غنی ہے اور حمید ہے۔

ریا کار کی مثال:

وَأَصَابَهُ الْكِبَرُ (اور اس کو بڑھاپا آ لے) یہ حال کے لئے ہے اور مطلب یہ ہے کہ اس کے پاس باغ ہو اور ادھر اس کو بڑھاپا آ لے۔ (گویا بڑھاپا کے رزق کا ایک ہی سہارا ہو)

وَلَهُ ذُرِّيَّةٌ ضُعَفَاءُ (اور اس کی اولاد ہو کمزور) ضعفاء سے مراد چھوٹے بچے۔ یہ بھی جملہ حالیہ ہے اور اصابہ کی ضمیر ہاء سے حال ہے۔

فَأَصَابَهَا إِعْصَارٌ (پھر اس کو ایسی آندھی پہنچے) اعصار کا معنی بگولا ہے جو زمین میں گول ستون کی شکل میں بھاگتا نظر آتا ہے۔

فِيهِ (اس میں) یعنی اس بگولے میں آگ ہو اور وہ آگ بلند ہو۔

نَارٌ (آگ) ظرف کے ساتھ اور ظرف اعصار کا وصف ہے یعنی ایسا بگولہ کہ جس میں آگ ہو۔

فَاخْتَرَقَتْ (پس وہ باغ جل جائے)

یہ اس آدمی کی مثال ہے جو اعمال ریا کاری کی خاطر کرتا ہے جب قیامت کا دن ہوگا تو وہ ان اعمال کو ضبط شدہ پائے گا۔

پس اس وقت وہ اسی طرح حسرت و افسوس کرے گا۔ جس طرح یہ باغ والا جس کا باغ تمام اقسام و انواع کے پھلوں پر مشتمل تھا اور یہ بڑھاپے کی عمر کو پہنچ گیا۔ اور اس کی اولاد کم عمر ہو۔ حالانکہ باغ پر اس کی معیشت کا دار و مدار ہو پس ادھر وہ باغ بگولے سے جل اٹھا۔

كَذَلِكَ (اس بیان کی طرح) جو ابھی ہو چکا۔

يَبَيِّنُ اللَّهُ لَكُمْ الْآيَاتِ (اللہ تعالیٰ تمہارے لئے اپنے نشانات تو حید و دین بیان کرتے ہیں)

لَعَلَّكُمْ تَتَفَكَّرُونَ (تاکہ تم سوچ و بچار کر کے اور متنبہ ہو جاؤ)

تَفْسِيرُ آيَتِ ۲۶۷:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَنْفِقُوا مِنْ طَيِّبَاتِ مَا كَسَبْتُمْ - (اے ایمان والو! تم اپنی پاکیزہ کمائی میں سے خرچ کرو) طيبات

سے مراد عمدہ کمائی۔

مال تجارت میں زکوٰۃ:

مَسْئَلَةٌ: اس میں دلیل ہے کہ اموال تجارت میں زکوٰۃ لازم ہے۔

وَمِمَّا أَخْرَجْنَا لَكُمْ مِنَ الْأَرْضِ (اور اس میں سے جو ہم تمہارے لئے زمین میں سے نکالیں) یعنی غلہ جات، پھل، معدنیات وغیرہ۔

تقدیر عبارت اس طرح ہے۔ من طيبات ما اخرجنا لكم۔ ان پاکیزہ چیزوں میں سے جو ہم نے تمہارے لئے نکالی ہیں۔ البتہ طيبات کے ذکر پر اکتفا کرتے ہوئے اس کو چھوڑ دیا۔

وَلَا تَيَمَّمُوا الْخَبِيثَ (اور قصد نہ کرو ردی مال کا) یعنی ردی مال کا قصد بھی نہ کرو۔

مِنْهُ تُنْفِقُونَ (کہ اس میں سے تم خرچ کرو) یعنی اس کو انفاق کے ساتھ خاص کرلو۔ یہ جملہ محل حال میں ہے کہ نہ قصد کرو خبیث مال کا اس حال میں کہ تم خرچ کرنے والے ہو یعنی تم خرچے کو طے کرنے والے ہو۔

وَلَسْتُمْ بِالْأَخْذِيهِ (حالانکہ تم اس کو لینے والے نہیں ہو) یعنی تمہارا اپنا حال یہ ہے کہ تم اپنے حقوق میں اس کو لینے کے لئے تیار نہیں ہو۔

غضب کا مطلب:

إِلَّا أَنْ تُغْمِضُوا فِيهِ (مگر یہ کہ تم چشم پوشی کرو اس میں) یعنی مگر یہ کہ تم اس کے لینے میں تسامح سے کام لو اور رخصت پر عمل پیرا ہو جیسے عرب کہتے ہیں۔ اغمض فلان عن بعض حقہ۔ کہ فلاں نے اپنے بعض حق سے چشم پوشی کی۔ اور بائع کو کہا جاتا ہے۔ اغمض ای لا تنقص كانك لا تبصر۔

روایت سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ وہ لوگ ردی کھجور اور سوکھی کھجوریں صدقہ کر دیا کرتے تھے۔ ان کو اس سے روک دیا گیا۔

وَأَعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ غَنِيٌّ (کہ تم یقین کرلو۔ بے شک اللہ تعالیٰ بے نیاز ہیں) یعنی تمہارے صدقات سے۔
حَمِيدٌ (تعریف والے ہیں) یعنی حمد کے حقدار یا محمود ہیں۔

الشَّيْطَانُ يَعِدُكُمُ الْفَقْرَ وَيَأْمُرُكُم بِالْفَحْشَاءِ ۗ وَاللَّهُ يَعِدُكُم

شیطان تم کو ڈراتا ہے تنگدستی سے، اور حکم دیتا ہے تمہیں فحش کاموں کا، اور اللہ وعدہ فرماتا ہے تم سے

مَغْفِرَةً مِّنْهُ وَفَضْلًا ۗ وَاللَّهُ وَاسِعٌ عَلِيمٌ ﴿۲۶۸﴾ يُؤْتِي الْحِكْمَةَ مَنْ

اپنی طرف سے مغفرت کا اور فضل کا، اور اللہ وسعت والا ہے، وہ حکمت دیتا ہے جس کو

يَشَاءُ ۗ وَمَنْ يُؤْتَ الْحِكْمَةَ فَقَدْ أُوتِيَ خَيْرًا كَثِيرًا ۗ وَمَا يَذَّكَّرُ

چاہتا ہے، اور جس کو حکمت دی گئی اسے خوب زیادہ خیر عطا کی گئی، اور وہی لوگ

إِلَّا أُولُو الْأَلْبَابِ ﴿۲۶۹﴾

نصیحت قبول کرتے ہیں جو عقل والے ہیں۔

تفسیر آیت ۲۶۸:

الشَّيْطَانُ يَعِدُكُمُ (شیطان تم سے وعدہ کرتا ہے) یعنی انفاق کے متعلق

الْفَقْرَ (تنگ دستی کا) یعنی تمہیں کہتا ہے کہ تمہارے انفاق کا انجام یہ ہے کہ تم فقیر ہو جاؤ گے۔ اَلْوَعْدُ۔

وعدہ کا لفظ خیر و شر میں استعمال ہوتا ہے۔

وَيَأْمُرُكُم بِالْفَحْشَاءِ (وہ تمہیں بے حیائی کا حکم دیتا ہے) یعنی تمہیں بے حیائی کا حکم دیتا ہے اور تمہیں بخل پر آمادہ کرتا ہے

اور صدقات سے روکتا ہے۔ اغراء کسی مامور کو حکم دینا۔ الفاحش۔ عرب بخل کو کہتے ہیں۔

وَاللَّهُ يَعِدُكُمُ (اللہ تعالیٰ تم سے وعدہ کرتے ہیں) یعنی انفاق میں۔

مَغْفِرَةً مِّنْهُ (مغفرت کا اپنی طرف سے) یعنی تمہارے گناہوں کی مغفرت کا اور گناہوں کے کفارے کا (وعدہ دیتے ہیں)

وَفَضْلًا (اور فضل کا) یعنی اس بات کا کہ وہ تم پر نایب بنادیں گے اس سے زیادہ افضل جو تم نے خرچ کیا ہے۔ یا آخرت

میں ثواب دیں گے۔

وَاللَّهُ وَاسِعٌ (اور اللہ وسعت والا ہے) وہ وسعت کرتا ہے جس پر چاہتا ہے۔

عَلِيمٌ (علم والا ہے) یعنی تمہارے افعال و نیات کو پہچانتے ہیں۔

تفسیر آیت ۲۶۹:

يُؤْتِي الْحِكْمَةَ مَنْ يَشَاءُ (وہ حکمت دیتا ہے جس کو چاہتا ہے) حکمت سے مراد علم قرآن و سنت ہے یا علم نافع جو اللہ تعالیٰ

کی رضا مندی تک پہنچانے والا ہے اور اس پر عمل کرنے تک پہنچانے والا ہے۔

وَمَا أَنْفَقْتُمْ مِنْ نَفَقَةٍ أَوْ نَذَرْتُمْ مِنْ نَذْرٍ فَإِنَّ اللَّهَ يَعْلَمُهُ ط

جو کچھ کسی قسم کا خرچ کرتے ہو یا کسی طرح کی نذر مانتے ہو سو بلاشبہ اللہ اس کو جانتا ہے

وَمَا لِلظَّالِمِينَ مِنْ أَنْصَارٍ ۲۵

اور ظلم کرنے والوں کیلئے کوئی مددگار نہیں۔

حکیم۔ اللہ تعالیٰ کے نزدیک وہ ہے جو کہ عالم عامل ہو۔

وَمَنْ يُؤْتَ الْحِكْمَةَ (جس کو حکمت ملی) اسے یعقوب نے مَنْ يُؤْتِ پڑھا ہے۔ یعنی جس کو اللہ تعالیٰ حکمت دیتا ہے۔

فائدہ تنوین:

فَقَدْ أُوتِيَ خَيْرًا كَثِيرًا (اس کو بہت سی بھلائی دی گئی) خَيْرًا کَثِيرًا میں تنوین تنکیر تعظیم کو ظاہر کرتی ہے۔ یعنی اس کو بہت سی بھلائی دی گئی۔

وَمَا يَذَّكَّرُ إِلَّا أُولُو الْأَلْبَابِ (اور نہیں نصیحت حاصل کرتے مگر عقل والے) یعنی اللہ تعالیٰ کی ان موعظ سے سلیم العقل ہی نصیحت حاصل کرتے ہیں۔ یا علماء عالمین۔ مقصد آیت کا یہ ہے کہ انفاق پر عمل کرنے کے لئے آمادہ کیا گیا ہے۔

تفسیر آیت ۲۵:

وَمَا أَنْفَقْتُمْ مِنْ نَفَقَةٍ (جو تم خرچ کرتے ہو کسی طرح کا خرچ) یعنی اللہ تعالیٰ کی راہ میں یا شیطان کی راہ میں۔

أَوْ نَذَرْتُمْ مِنْ نَذْرٍ (یا تم نذر مانتے ہو) یعنی اللہ تعالیٰ کی اطاعت کی خاطر یا معصیت کی خاطر۔

فَإِنَّ اللَّهَ يَعْلَمُهُ (پس اللہ تعالیٰ اس کو جانتے ہیں) یعنی اس پر کچھ بھی مخفی نہیں اور وہ اس پر تمہیں بدلہ دے گا۔

ظالم سے مراد کون؟

وَمَا لِلظَّالِمِينَ (اور ظالموں کا نہیں) ظالم سے مراد وہ لوگ ہیں جو صدقات سے باز رہتے ہیں۔ یا اپنے مال گناہوں کے

راستہ میں خرچ کرتے ہیں۔ یا گناہوں کی نذر مانتے ہیں۔ یا نذر مان کر پوری نہیں کرتے۔

مِنْ أَنْصَارٍ (کوئی مددگار) یعنی جو ان کو اللہ تعالیٰ کے عذاب سے چھڑا سکے۔ اور اس کے عذاب سے محفوظ کر سکے۔

اِنْ تُبْدُو الصَّدَقَاتِ فَنِعِمَّا هِيَ ؕ وَاِنْ تُخْفُوْهَا وَتُؤْتُوْهَا الْفُقَرَاءَ

اگر تم صدقات ظاہر کر کے دو تو یہ اچھی بات ہے، اور اگر تم ان کو چھپاؤ اور فقراء کو دو

فَهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ وَيُكَفِّرُ عَنْكُمْ مِّنْ سَيِّئَاتِكُمْ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُونَ خَبِيرٌ ﴿۲۷﴾

تو وہ زیادہ بہتر ہے تمہارے لئے، اور اللہ تمہارے گناہوں کا کفارہ فرما دے گا۔ اور اللہ کو تمہارے سب کاموں کی خبر ہے۔

لَيْسَ عَلَيْكَ هٰذِهِمُ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَمَا تُنْفِقُوْا

آپ کے ذمہ نہیں ہے ان کی ہدایت لیکن اللہ ہدایت دیتا ہے جس کو چاہتا ہے اور جو بھی کچھ اچھا مال

مِنْ خَيْرٍ فَلَا نَفْسُكُمْ ؕ وَمَا تُنْفِقُونَ اِلَّا ابْتِغَاءَ وَجْهِ اللّٰهِ ؕ وَمَا

تم خرچ کرتے ہو، تو وہ تمہاری جانوں کے لئے ہے، اور تم نہیں خرچ کرتے ہو مگر اللہ کی رضا کے لئے، اور جو کچھ

تُنْفِقُوْا مِنْ خَيْرٍ يُؤَفِّ إِلَيْكُمْ وَأَنْتُمْ لَا تُظْلَمُونَ ﴿۲۸﴾

بھی خرچ کرو گے اچھا مال وہ پورا پورا تمہیں دے دیا جائے گا اور تم پر ظلم نہ کیا جائے گا۔

تَفْسِيْرُ آيَتِ ۲۷:

اِنْ تُبْدُو الصَّدَقَاتِ فَنِعِمَّا هِيَ (اور اگر تم صدقات کو ظاہر کرو تو وہ بہت خوب ہے) پس اس کا اظہار بہت خوب ہے۔

نعمًا کا ماکرہ ہے لیکن نہ موصولہ اور نہ موصوفہ اور مخصوص بالمدح ہی ہے

قراءت: ابو عمر و اور مدنی نے نِعَمًا کو نون کے کسرہ اور سکون عین کے ساتھ نِعَمًا۔ مگر ورش نے نِعَمًا پڑھا ہے۔

دوسرے قراء نے نِعَمًا عین کے فتح اور میم کی تشدید کے ساتھ پڑھا۔

وَاِنْ تُخْفُوْهَا وَتُؤْتُوْهَا الْفُقَرَاءَ (اگر تم اس کو چھپاؤ اور فقراء کو دو) یعنی تم ان اموال کو اخفاء کے ساتھ مصارف تک

پہنچانے والے ہو۔

فَهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ (پس وہ بہت بہتر ہے تمہارے لئے) یعنی اخفاء تمہارے لئے بہتر ہے۔

اِرْشَادِ مَفْسَرِيْنَ ۝

مفسرین رحمہم اللہ نے فرمایا۔ مراد اس سے صدقات نفلیہ ہیں اور فرائض میں ظاہر کر کے دینا افضل ہے تاکہ اس پر الزام نہ

لگے۔ کہ یہ فرائض ادا نہیں کرتا۔ بلکہ اگر زکوٰۃ دینے والا ایسے لوگوں میں سے ہو جو خوش حال مشہور نہیں ہیں۔ تو اس کا اخفاء افضل

ہے اور نفلی صدقہ کرنے والا اگر یہ ارادہ کرے کہ لوگ اس کی اتباع کریں تو اس کا اظہار افضل ہے۔

وَيَكْفُرُ (وہ مٹاتا ہے)

اختلاف قراءت:

(نُكْفِرُ مدنی، حمزہ اور علی رحمہم اللہ اور یُكْفِرُ راء کا رفع دے کر شامی، حفص نے پڑھا اور دیگر قراء نے نُكْفِرُ۔ نون اور رفع کے ساتھ پڑھا۔

جنہوں نے جزم دی انہوں نے محل فاء اور اس کے مابعد پر عطف کیا ہے۔ کیونکہ وہ جواب شرط ہے۔ جنہوں نے رفع دیا۔ تو انہوں نے جملہ مستانفہ بنایا ہے اور یاء کی صورت میں معنی یُكْفِرُ اللہ یعنی اللہ بخش دیں گے۔

عَنْكُمْ مِنْ سَيِّئَاتِكُمْ (تم سے تمہاری برائیاں) یعنی تم سے تمہاری برائیاں۔ اور نون کی صورت میں معنی یہ ہوگا۔ ہم مٹا دیں گے تمہاری برائیاں تم سے۔

وَاللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ (اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال خواہ وہ اظہار کی صورت میں ہوں یا اخفاء کی شکل میں) خَبِيرٌ (خبر رکھنے والے ہیں) یعنی ہر چیز اس کے علم میں ہے۔

تفسیر آیت ۲۷۲..... ہدایت ذمہ نہ ہونے کا مطلب:

لَيْسَ عَلَيْكَ هُدَاهُمْ (تمہارے ذمہ ان کی ہدایت نہیں) یعنی تمہارے ذمہ لازم نہیں کہ تم ان کو انتہاء تک پہنچانے والے ہو ان چیزوں میں جن سے ان کو منع کیا گیا۔ یعنی مَن اِذْء اور انفاق مال خبیث وغیرہ۔ آپ کے ذمہ صرف ممنوعات کی ممانعت بتلا دینا ہے۔

وَلَكِنَّ اللَّهَ يَهْدِي مَنْ يَشَاءُ (لیکن اللہ تعالیٰ جس کی چاہتے ہیں راہنمائی فرماتے ہیں) دوسرا قول: آپ کے ذمہ توفیق ہدایت نہیں یا ہدایت کا پیدا کرنا نہیں۔ بے شک یہ اللہ تعالیٰ کے سپرد ہے۔

وَمَا تُنْفِقُوا مِنْ خَيْرٍ (اور جو تم مال میں سے خرچ کرو۔)

فَلَا تُفْسِدُكُمْ (پس وہ تمہارے اپنے نفسوں کے لئے ہے) یعنی اس کا فائدہ تمہارے علاوہ اور کسی کو نہ پہنچے گا پس تم ان کا احسان لوگوں پر مت جتلاؤ۔ اور نہ ہی ظلم سے ان کو ایذا دو۔

وَمَا تُنْفِقُونَ إِلَّا ابْتِغَاءَ وَجْهِ اللَّهِ (اور تم خرچ نہیں کرتے۔ مگر صرف اللہ تعالیٰ کی رضا مندی تلاش کرنے کے لئے) یعنی اللہ تعالیٰ کی رضا اور جو کچھ اس کے ہاں ہے اس کو چاہنے کے لئے تم خرچ کرو۔ تمہیں کیا ہو گیا ہے کہ تم احسان جتلاتے ہو۔

وَمَا تُنْفِقُوا مِنْ خَيْرٍ يُؤْتِ إِلَيْكُمْ (اور جو تم مال میں سے خرچ کرو گے۔ وہ تمہیں لوٹا دیا جائے گا) یعنی اس کا ثواب کئی گنا بڑھا کر۔ پس تمہارے پاس اس کے خرچ کرنے سے اعراض کرنے کا کوئی عذر نہیں۔ اور وہ مال بہترین و خوب تر انداز سے ہونا چاہیے۔

وَأَنْتُمْ لَا تَظْلَمُونَ (اور تم پر ظلم نہ کیا جائیگا) یعنی تمہارے حق میں کمی نہ کی جائے گی۔ جیسا کہ سورہ کہف آیت نمبر ۳۳ ولہم تظلم منه شیئاً۔ اور اس میں سے کوئی چیز کم نہ ہوئی تھی۔

لِلْفُقَرَاءِ الَّذِينَ أُحْصِرُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ لَا يَسْتَطِيعُونَ ضَرْبًا فِي

صدقات فقراء کے لئے ہیں جو اللہ کی راہ میں روکے ہوئے ہیں وہ زمین میں سفر نہیں

الْأَرْضِ يَحْسَبُهُمُ الْجَاهِلُ أَغْنِيَاءَ مِنَ التَّعَفُّفِ تَعْرِفُهُمْ بِسِيمَاهُمْ

کر سکتے۔ سوال سے بچنے کے سبب انجان آدمی انہیں مالدار سمجھتا ہے، تو انہیں پہچان لے گا

لَا يَسْأَلُونَ النَّاسَ إِلْحَافًا وَمَا تُنْفِقُوا مِنْ خَيْرٍ فَإِنَّ اللَّهَ بِهِ عَلِيمٌ

وہ لوگ لوگوں سے سوال نہیں کرتے، اور جو بھی کچھ تم خرچ کرو گے۔ اچھا بھلا سو اللہ اس کا جاننے والا ہے۔

تفسیر آیت ۲۷۳: لِلْفُقَرَاءِ اصحاب صفہ کی جماعت:

لِلْفُقَرَاءِ: (صدقات فقراء کیلئے ہیں) **يَحْصُرُوهُمْ**: للفقراء میں لام جارہ محذوف کے متعلق ہے ای اعمدوا للفقراء تم فقراء کا قصد کرو۔ یا مبتدائے محذوف هذه الصدقات کی یہ خبر ہے۔ مطلب یہ ہوا یہ صدقات ان فقراء کے لئے ہیں۔

الَّذِينَ أُحْصِرُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ (جو روک دیئے گئے اللہ تعالیٰ کی راہ میں) اس سے مراد وہ لوگ ہیں جن کو جہاد نے روک دیا اور یہ کہ وہ کام کاج نہیں کر سکتے۔

لَا يَسْتَطِيعُونَ (وہ طاقت نہیں رکھتے) یعنی اس میں مشغولیت کی وجہ سے
ضَرْبًا فِي الْأَرْضِ (زمین میں آجائیں سکتے) یعنی کمائی کے لئے۔

دوسرا قول: یہ اصحاب صفہ ہیں۔ یہ مہاجرین قریش میں سے چار سو آدمی تھے۔ مدینہ میں ان کے مکانات نہ تھے۔ اور نہ ان کا قبیلہ و خاندان۔ یہ مسجد کے چبوترے میں قیام پذیر تھے۔ یہ وہی چھپرے جس کے نیچے وہ رات کو قرآن مجید کی تعلیم حاصل کرتے۔ اور دن کو کھجور کی گھٹلیاں کوٹتے اور ہر سریہ میں نکلتے جن کو کسی طرف رسول اللہ ﷺ روانہ فرماتے۔ پس جن کے پاس زائد کھانا ہوتا وہ لا کر ان کو پیش کرتے۔

يَحْسَبُهُمُ الْجَاهِلُ (گمان کرتے ان کو جاہل) یعنی ان کی حالت کی وجہ سے
قراءت: شامی، یزید، حمزہ، عاصم نے یَحْسَبُ سیمین کے فتح کے ساتھ پڑھا ہے۔

باقی قراء نے یَحْسِبُ کسرہ سیمین کے ساتھ پڑھا۔

أَغْنِيَاءَ مِنَ التَّعَفُّفِ (غنی سوال سے بچنے کی وجہ سے) یعنی انکو غنی گمان کرنے والے ہیں۔ اسلئے کہ وہ سوال سے بچنے والے ہیں۔
تَعْرِفُهُمْ بِسِيمَاهُمْ (تم انکو پہچانو گے انکی نشانیوں سے) یعنی بھوک کی وجہ سے چہرے کی زردی اور حالت کی پراگندگی سے۔

اصرار سوال کی مذمت:

لَا يَسْأَلُونَ النَّاسَ إِلْحَافًا (وہ لوگوں سے لپٹ کر سوال نہیں کرتے) إلحاف کا معنی اصرار کرنا، لئے بغیر نہ چھوڑنا۔ کہا گیا ہے

الَّذِينَ يُنْفِقُونَ أَمْوَالَهُمْ بِاللَّيْلِ وَالنَّهَارِ سِرًّا وَعَلَانِيَةً فَلَهُمْ

جو لوگ خرچ کرتے ہیں اپنے مالوں کو رات میں اور دن میں پوشیدہ طور پر اور جلائیے طور پر سوال کے لئے

أَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ ﴿۲۷۴﴾

ان کا اجر ہے ان کے رب کے پاس اور ان پر کوئی خوف نہیں، اور نہ وہ رنجیدہ ہوں گے۔

الَّذِينَ يَأْكُلُونَ الرِّبَا لَا يَقُومُونَ إِلَّا كَمَا يَقُومُ الَّذِي يَتَخَبَّطُهُ

جو لوگ کھاتے ہیں سود وہ نہیں کھڑے ہوں گے مگر جیسے کہ کھڑا ہوتا ہے وہ شخص جسے شیطان لپٹ کر

الشَّيْطَانُ مِنَ الْمَسِّ ط ذَلِكَ بِأَنَّهُمْ قَالُوا إِنَّمَا الْبَيْعُ مِثْلُ الرِّبَا وَأَحَلَّ

مخبوط بنا دے، یہ اس لئے کہ انہوں نے کہا کہ بیع تو سود ہی کی طرح سے ہے حالانکہ اللہ تعالیٰ نے

اللَّهُ الْبَيْعَ وَحَرَّمَ الرِّبَا ط فَمَنْ جَاءَهُ مَوْعِظَةٌ مِنْ رَبِّهِ فَانْتَهَى

بیع کو حلال قرار دیا اور سود کو حرام قرار دیا، سو جس کے پاس آگئی نصیحت اس کے رب کی طرف سے پھر وہ باز آ گیا

فَلَهُ مَا سَلَفَ ط وَأَمْرُهُ إِلَى اللَّهِ ط وَمَنْ عَادَ فَأُولَٰئِكَ أَصْحَابُ النَّارِ

تو اس کے لئے وہ ہے جو گزر چکا، اور اس کا معاملہ اللہ کی طرف ہے، اور جو شخص پھر عود کرے سو یہ لوگ دوزخ والے ہیں،

هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ ﴿۲۷۵﴾

وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے۔

کہ اس میں سوال اور اصرار سوال دونوں کی ممانعت ہے۔ جیسا شاعر کا قول۔ علی لا یہتدی بمنارہ۔ اس میں منار اور اہتدای دونوں کی نفی ہے۔ الحاح لازم پکڑنا۔ اس وقت تک جدانہ ہونا جب تک کوئی چیز دی نہ جائے۔ حدیث میں وارد ہے بیشک اللہ تعالیٰ حیا دار حوصلہ مند سوال سے بچنے والے کو پسند کرتے ہیں اور بے حیاء تیز مزاج لپٹ جانے والے کو ناپسند کرتے ہیں۔ دوسرا قول: اس کا مطلب یہ ہے کہ یہ لوگ اگر سوال کریں تو نرمی سے سوال کرتے ہیں اور اس کے لئے اصرار نہیں کرتے۔ وَمَا تُنْفِقُوا مِنْ خَيْرٍ فَإِنَّ اللَّهَ بِهِ عَلِيمٌ (اور جو تم خرچ کرو۔ پس اللہ تعالیٰ اس کو جاننے والے ہیں) یعنی اس کو اپنے ہاں ضائع نہیں فرمائیں گے۔

تَفْسِيرُ آیت ۲۷۴..... راہِ الہی میں خرچ کے حریص:

الَّذِينَ يُنْفِقُونَ أَمْوَالَهُمْ بِاللَّيْلِ وَالنَّهَارِ سِرًّا وَعَلَانِيَةً (وہ لوگ جو اپنا مال رات دن پوشیدہ اور علانیہ خرچ کرتے ہیں)

نَحْمُ: سرا و علانیہ۔ یہ دونوں حال ہیں۔ ای مسرین و معلنین۔ مطلب یہ ہوا۔ بھلائی میں بہت زیادہ حرص کی بناء پر صدقہ عمومی اوقات میں کرتے ہیں۔ جو نہی ان کو کسی محتاج کی محتاجی معلوم ہوئی تو اس کے پورا کرنے میں جلدی کرتے ہیں۔ اور اس کو مؤخر نہیں ہونے دیتے۔ کسی وقت و حالت کا بہانہ نہیں بناتے۔

ایک قول: یہ ہے کہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے بارے میں یہ آیت اتری۔ جب انہوں نے چالیس دینار خرچ کیے۔ دس رات کو دس دن کو دس پوشیدہ اور دس علانیہ۔

ایک قول کے مطابق یہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بارے میں اتری۔ جبکہ وہ کل چار درہم کے مالک تھے۔ ان میں سے ایک درہم رات کو ایک دن کو ایک پوشیدہ اور ایک درہم علانیہ دیا۔

فَلَهُمْ أَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ (ان کی مزدوری ان کے رب کے ہاں ہے نہ ان پر خوف ہوگا اور نہ وہ غمگین ہونگے)

۲۷۵: الَّذِينَ يَأْكُلُونَ الرِّبَا (وہ لوگ جو سود کھاتے ہیں) ربوا۔ وہ اضافہ جو عوض سے خالی ہو۔ جبکہ مال کا مال سے معاوضہ دیا جائے۔

الرِّبَا۔ الصلوٰۃ اور الزکوٰۃ کی طرح واؤ کے ساتھ ان لوگوں کے نزدیک لکھا جاتا ہے جو اس کو پر کر کے پڑھتے ہیں اور الرِّبَا میں واؤ کی کتابت میں واؤ کے بعد الف بھی لکھا جاتا ہے کیونکہ یہ واؤ جمع کے مشابہ ہے۔ لَا يَقُومُونَ (وہ نہ کھڑے ہونگے) یعنی جب وہ قبور سے اٹھائے جائیں گے۔

مجنون و خبطی کی مثال:

إِلَّا كَمَا يَقُومُ الَّذِي يَتَخَبَّطُهُ الشَّيْطَانُ (مگر جس طرح کہ وہ شخص کھڑا ہوتا ہے جس کو چھو کر شیطان نے دکھ پہنچا دیا ہو) یعنی جنون زدہ کیونکہ وہ سود خور معاملے میں ٹامک ٹوئیاں مارتا ہے اس لئے اس کو سزا تقابل کے طور پر دی گئی۔ الخبط۔ زور سے مارنا۔ جیسے اندھی اونٹنی کا ٹیڑھا چلنا۔

مِنَ الْمَسِّ (چھو کر) یعنی جنون کی وجہ سے

نحوی نکات:

نَحْمُ: من المس یہ لایقومون سے متعلق ہے ای لایقومون من المس الذی بہم الا کما یقوم المصروع یعنی وہ اس چھوٹنے سے کھڑے نہ ہونگے جس کا ان پر اثر ہے مگر اس طرح جیسے مجنون کھڑا ہوتا ہے۔

پا دوسرا قول: یہ یقوم سے متعلق ہے جیسا کہ مجنون اپنے جنون سے کھڑا ہوتا ہے۔

نمبر ۱۔ مطلب یہ ہوا کہ وہ قیامت کے دن مجنوں کی طرح مخبوط الحواس کھڑے ہونگے یہ موقف حساب میں قیامت کے دن ان کی علامت ہے۔

نمبر ۲ دوسرا قول: جو قبور سے سیدھے نکل کر محشر کی طرف جائیں گے سوائے سود خوروں کے کہ وہ گرتے پڑتے چلیں گے۔ جیسے

مجنون چلتا ہے۔ کیونکہ انہوں نے سود کھایا۔ پس اللہ تعالیٰ نے اس کو ان کے پیٹوں میں بڑھا کر بوجھل کر دیا۔ جس سے وہ سیدھے اٹھ کر چلنے کی قدرت سے محروم کر دیئے گئے

ذَلِكَ (یہ) یعنی سزا۔ بِأَنَّهُمْ (اس سبب سے)
قَالُوا إِنَّمَا الْبَيْعُ مِثْلُ الرِّبَا (کہ انہوں نے کہا بے شک بیع سود کی طرح ہے)

رباء سے محبت کا حال:

سوال: اس طرح نہیں کہا کہ ربا بیع کی طرح ہے۔ باوجودیکہ گفتگوربا کے سلسلہ میں ہے بیع کے متعلق نہیں۔

جواب: یہ کلام مبالغہ کے انداز سے لایا گیا اور وہ اس طرح کہ ربا کے حلال ہونے میں ان کا اعتقاد اس حد تک پہنچ چکا۔ کہ انہوں نے ربا کو اصل اور حلال ہونے میں بطور قانونی چیز کے پیش کیا۔ حتیٰ کہ بیع سے اس کو تشبیہ دے کر پیش کیا۔

باطل قیاس کا رد:

وَاحِلَ اللَّهُ الْبَيْعَ وَحَرَّمَ الرِّبَا (حالانکہ اللہ تعالیٰ نے بیع کو حلال کیا اور ربا کو حرام کیا۔ اس میں ان کے برابر قرار دینے کی تردید کی گئی۔ کہ حلت و حرمت دو مخالف ضدیں ہیں یہ ایک دوسرے کے مماثل کیسے ہو سکتے ہیں؟
مُسْتَنْلَاةٌ: نص سے قیاس منہدم ہو جاتا ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ان کے قیاس کو باطل کرنے کے لئے بیع کا حلال کرنا اور سود کا حرام کرنا بطور دلیل ذکر کیا۔

فَمَنْ جَاءَهُ مَوْعِظَةٌ مِنْ رَبِّهِ (پس جس شخص کے پاس نصیحت اس کے رب کی طرف سے آجائے) یعنی جس کو اللہ تعالیٰ کی نصیحت اور ربا کی ممانعت والی تنبیہ پہنچ گئی۔

فَانْتَهَى (پس وہ باز آ گیا) اور ممانعت کو مان لیا اور سود چھوڑ دیا۔

فَلَهُ مَا سَلَفَ (پس اس کیلئے ہے جو وہ لے چکا) یعنی اس سے گزشتہ کا مواخذہ نہ ہوگا۔ کیونکہ اس نے نزول حرمت سے پہلے لیا۔

وَأَمْرُهُ إِلَى اللَّهِ (اور اس کا معاملہ اللہ تعالیٰ کے سپرد ہے) یعنی اللہ تعالیٰ اس کے متعلق قیامت کے دن فیصلہ فرمائیں گے تمہارا اس کے معاملہ سے اب کچھ تعلق نہیں۔ تم اس سے مت مطالبہ کرو۔

وَمَنْ عَادَ (جو سود خوری کی طرف لوٹا) یعنی سود کو حلال قرار دینے کی طرف یہ زجاج علیہ السلام کا قول ہے۔ یا ربا کی طرف لوٹا اس حال میں کہ اس کو حلال قرار دینے والا ہے۔

حرام کو حلال ماننا کفر ہے:

فَأُولَٰئِكَ أَصْحَابُ النَّارِ هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ (وہ جہنم والے ہیں اس میں ہمیشہ رہیں گے) اس لئے کہ سود کو حلال قرار دینے کی وجہ سے کافر ہو گئے کیونکہ اللہ تعالیٰ کی حرام کردہ چیز کو حلال کرنے والا کافر ہے اسی وجہ سے جہنم میں ہمیشگی کا حق دار بن گیا۔

يَمْحَقُ اللَّهُ الرِّبَا وَيُرْبِي الصَّدَقَاتِ وَاللَّهُ لَا يُحِبُّ كُلَّ كَفَّارٍ أَثِيمٍ ﴿۲۷۳﴾

اللہ مٹاتا ہے سود کو اور بڑھاتا ہے صدقات کو، اور اللہ دوست نہیں رکھتا کسی کفر کرنے والے گناہ کرنے والے کو۔

إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ وَأَقَامُوا الصَّلَاةَ وَآتَوُا

بے شک جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک کام کئے اور نماز قائم کی اور

الزَّكَاةَ لَهُمْ أَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ ۖ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ

زکوٰۃ ادا کی سوان کے لئے ان کا ثواب ہے ان کے رب کے پاس نہ وہ خوفزدہ ہوں گے اور نہ

يَحْزَنُونَ ﴿۲۷۴﴾

غمگین ہوں گے۔

مَسْئَلَةٌ: اس تفسیر سے ثابت ہوا کہ فاسق کے خلود فی النار والے مسئلے سے آیت کا کوئی تعلق نہیں وہ معتزلہ کی اپنی اختراع ہے۔

تَفْسِيرُ آیت ۲۷۶:

يَمْحَقُ اللَّهُ الرِّبَا (اللہ تعالیٰ سود کو مٹاتے ہیں) یعنی اس کی برکت کو دور کر دیتے ہیں۔ اور اس مال کو تلف کر دیتے ہیں جس میں سود شامل ہو جائے۔

وَيُرْبِي الصَّدَقَاتِ (اور صدقات کو بڑھاتے ہیں) یعنی اضافہ کرتے اور بڑھاتے ہیں اس مال میں اضافہ کرتے ہیں جس سے صدقہ نکالا جائے اور اس میں برکت دیتے ہیں۔

حدیث میں وارد ہے زکوٰۃ مال میں کمی نہیں کرتی۔ (مسلم)

وَاللَّهُ لَا يُحِبُّ كُلَّ كَفَّارٍ (اللہ تعالیٰ کسی کافر کو پسند نہیں کرتے) کفار بڑا کافر اس لئے کہ اس نے ربا کو حلال قرار دیا۔ اِثِيم (گنہگار یعنی سود کھا کر گناہ پراڑنے والا)

تَفْسِيرُ آیت ۲۷۷:

إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ وَأَقَامُوا الصَّلَاةَ وَآتَوُا الزَّكَاةَ لَهُمْ أَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ۔ (بے شک جو لوگ ایمان لائے اور نیک اعمال کیے اور نماز قائم کی اور زکوٰۃ ادا کرتے رہے۔ ان کا اجر ان کے رب کے پاس ہے اور ان پر نہ خوف ہوگا اور نہ وہ غمگین ہوں گے)۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَذَرُوا مَا بَقِيَ مِنَ الرِّبَا إِن كُنتُمْ مُؤْمِنِينَ ﴿۲۷۸﴾

اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو اور سود میں سے جو کچھ باقی رہ گیا ہے اسے چھوڑ دو، اگر تم ایمان والے ہو،

فَإِنْ لَّمْ تَفْعَلُوا فَأْذَنُوا بِحَرْبٍ مِّنَ اللَّهِ وَرَسُولِهِ ۖ وَإِنْ تُبْتُمْ فَلَكُمْ

پس اگر تم نہ کرو تو جنگ کا اعلان سن لو اللہ کی طرف سے اور اس کے رسول کی طرف سے، اور اگر تم توبہ کر لو تو تمہارے لئے

رُءُوسُ أَمْوَالِكُمْ ۖ لَا تَظْلِمُونَ وَلَا تُظْلَمُونَ ﴿۲۷۹﴾

اصل مال ہیں نہ تم ظلم کرو گے نہ تم پر ظلم کیا جائے گا۔

ایک قول: یہ ہے کہ اس سے مراد وہ لوگ ہیں جو ربا کی حرمت پر ایمان لائے۔

۲۷۸: يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَذَرُوا مَا بَقِيَ مِنَ الرِّبَا - (اے ایمان والو! اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور ربا میں سے جو باقی ہے اس کو چھوڑ دو)۔

انہوں نے لوگوں پر جو ربا کی شرط لگائی تھی وہ لے لیا۔ اور ابھی ان کے بقایا جات لوگوں کے ذمہ باقی تھے۔ پس ان کو حکم دیا گیا۔ کہ وہ اس کو چھوڑ دیں اور اس کا مطالبہ نہ کریں۔

روایت میں ہے کہ یہ بنو ثقیف کے متعلق اتری۔ ان کے بعض قبائل کا قریش کے ذمہ سود تھا۔ انہوں نے وقت آنے پر مال کے ساتھ سود کا مطالبہ کیا۔ (تو ان کو حکم دیا گیا کہ سود کو چھوڑ دیا جائے)

إِنْ كُنتُمْ مُؤْمِنِينَ (اگر تم کامل الایمان ہو) ایمان کے کمال کی دلیل حکم کو پورے طور پر مان لینا ہے۔

۲۷۹: فَإِنْ لَّمْ تَفْعَلُوا فَأْذَنُوا بِحَرْبٍ مِّنَ اللَّهِ وَرَسُولِهِ (اگر تم ایسا نہ کرو گے تو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی طرف سے جنگ کا اعلان ہے) یعنی تم آگاہ ہو جاؤ اذنوا یہ اذن بالشیء سے لیا گیا۔ جب کہ اس کو جان لے۔

قراءت: حسن بیہ کی قراءت اس معنی کی تائید کرتی ہے انہوں نے فَأَيَّقِنُوا پڑھا ہے۔

حزہ ابو بکر رحمہما اللہ نے فَأَذِنُوا بروزن آمِنُوا پڑھا ہے۔

بقیہ قراءت نے فَأَذِنُوا پڑھا ہے۔

ایک سوال:

سوال: یہاں فَأَذِنُوا بحرب من اللہ ورسولہ فرمایا۔ بحرب اللہ ورسولہ نہیں فرمایا۔

جواب: کیونکہ یہ انداز کلام زیادہ بلیغ ہے اس لئے کہ اس کا معنی پس تم تیار ہو جاؤ اس قسم کی لڑائی کے لئے جو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کے ہاں بہت بڑی ہے۔

روایت میں وارد ہے کہ جب یہ آیت اتری۔ تو ثقیف والے کہنے لگے ہم اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ سے مقابلہ کی

وَاِنْ كَانَ ذُو عُسْرَةٍ فَنَظِرَةٌ اِلٰى مَيْسَرَةٍ ۚ وَاَنْ تَصَدَّقُوا خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ

اور اگر تنگ دست ہو تو مہلت دینا ہے آسودہ ہو جانے تک ، اور یہ بات کہ تم صدقہ کر دو تمہارے لئے بہتر ہے اگر

كُنْتُمْ تَعْلَمُونَ ﴿٢٨٠﴾ وَاتَّقُوا يَوْمًا تُرْجَعُونَ فِيهِ اِلَى اللّٰهِ ثُمَّ تُوَفَّى كُلُّ

تم جانتے ہو، اور ڈرو تم اس دن سے جس میں لوٹائے جاؤ گے اللہ کی طرف، پھر ہر جان کو اس کا پورا پورا بدلہ

نَفْسٍ مَّا كَسَبَتْ وَهُمْ لَا يُظْلَمُونَ ﴿٢٨١﴾

دیا جائے گا جو کچھ اس نے کسب کیا، اور ان پر ظلم نہیں کیا جائے گا۔

تاب نہیں لاسکتے (پس سر تسلیم خم کرتے ہیں)

وَاِنْ تَبْتِغُوا اَوْ اَرْتَمْتُمْ تَوْبَةً لَّكُمْ (یعنی سود خوری سے

فَلَكُمْ رُءُوسُ اَمْوَالِكُمْ لَا تَظْلِمُونَ) (پس تمہارے لئے اصل مال ہیں نہ تم ظلم کرو۔ یعنی اپنے قرض پر اضافہ لے کر و لا

تَظْلِمُونَ) (اور نہ تم پر ظلم ہوگا)۔ یعنی اصل کو کم کر کے۔

تَفْسِيْرُ آيَةِ ۲۸۰:

وَاِنْ كَانَ ذُو عُسْرَةٍ (اگر وہ تنگ دست ہے) یعنی اگر تمہارے مقروض مفلوک الحال اور تنگ دست ہیں۔

فَنَظِرَةٌ (پس مہلت دینا ہے)۔ پس حکم یا امر مہلت دینے کا ہے۔ اول صورت کا معنی یہ ہے۔ فراخ دستی تک انتظار کا حکم

ہے۔ دوسری صورت کا معنی پس فراخ دستی تک انتظار لازم ہے۔

اِلَى مَيْسَرَةٍ (آسانی آنے تک)

قراءت: نافع نے مَيْسَرَةٍ سین کے ضمہ سے پڑھا دیگر قراء نے سین کے فتح کے ساتھ ميسره پڑھا ہے۔ یہ دونوں لغات ہیں۔

وَاَنْ تَصَدَّقُوا (اور یہ بات کہ تم صدقہ دو) عاصم نے تَصَدَّقُوا تخفیف کے ساتھ اپنے اصل اموال یا بعض اموال کو اپنے

قرض داروں میں سے زیادہ تنگ دستوں کو دے دو۔

دوسرے قراء نے تَصَدَّقُوا تشدید کے ساتھ پڑھا ہے۔ تم دوسروں کو صدقہ دو۔ تخفیف میں ایک تا حذف ہے اور تشدید میں

ادغام ہے۔

خَيْرٌ لَّكُمْ (تمہارے لئے بہتر ہے) یعنی قیامت کے دن۔ ایک قول یہ ہے کہ تصدق سے مراد مہلت دینا ہی ہے۔

اس لئے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے۔

لا یحل دین رجلی مسلم فیؤخره الا کان لہ بكل یوم صدقۃ۔ (ابن ماجہ)
کسی مسلمان کو قرض کا مؤخر کرنا درست نہیں۔ مگر یہ کہ ہر دن کے بدلے میں (اتنے مال کے) صدقہ کا ثواب ملے گا۔

اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُونَ۔ (اگر تم جانتے ہو) کہ وہ تمہارے لئے بہت بہتر ہے۔ پس تم اس پر عمل کرو گویا بے عمل کو علم کے باوجود بے علم قرار دیا۔

تفسیر آیت ۲۸۱:

وَاتَّقُوا يَوْمًا تُرْجَعُونَ فِيهِ إِلَى اللَّهِ۔ (اس دن سے ڈرو جس دن میں تم اللہ تعالیٰ کی طرف لوٹا دیے جاؤ گے)۔
قراءت: ابو عمرو نے تَرْجَعُونَ پڑھا ہے۔ رجع لازم و متعدی دونوں طرح استعمال ہوتا ہے۔

آخری آیت:

کہا گیا کہ یہ آخری آیت ہے۔ جس کو جبرائیل علیہ السلام لائے اور کہا۔ اس کو سورۃ بقرہ کی آیت نمبر ۲۸۰ کے بعد رکھ دو اس کے بعد رسول اللہ ﷺ اکیس دن بقید حیات رہے۔ یا اکیس ایام یا سات ایام یا تین ساعات:
ثُمَّ تَوَفَّى كُلُّ نَفْسٍ مَّا كَسَبَتْ (پھر پورا پورا دیا جائے گا۔ ہر نفس کو جو اس نے کمایا) یعنی کمائے ہوئے کا بدلہ۔
وَهُمْ لَا يُظْلَمُونَ (اور ان پر ظلم نہ ہوگا) یعنی ان کی نیکیاں کم کر کے اور گناہوں میں اضافہ کر کے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا تَدَايَنْتُمْ بِدِينٍ إِلَىٰ أَجَلٍ مُّسَمًّى فَاكْتُبُوهُ ۚ

اے ایمان والو! جب تم مقررہ مدت تک ادھار لینے دینے کا معاملہ کرو تو اسے لکھ لیا کرو،

وَلْيَكُتَبْ بَيْنَكُمُ كَاتِبٌ بِالْعَدْلِ ۚ وَلَا يَأْبَ كَاتِبٌ أَنْ يَكْتُبَ كَمَا عَلَّمَهُ

اور چاہئے کہ جو شخص تمہارے درمیان لکھنے والا ہو وہ انصاف کے ساتھ لکھے، اور کوئی لکھنے والا لکھنے سے انکار نہ کرے جیسا کہ اللہ نے اسے سکھایا

اللَّهُ فَلْيَكُتَبْ ۚ وَلْيُمْلِلِ الَّذِي عَلَيْهِ الْحَقُّ وَلْيَتَّقِ اللَّهَ رَبَّهُ وَلَا يَبْخَسْ

ہے، سو چاہئے کہ لکھ دیا کرے، اور جس کے اوپر حق ہے اسے چاہئے کہ لکھوادے اور اللہ سے ڈرے جو اس کا رب ہے۔ اور اس میں سے کچھ بھی کم

مِنْهُ شَيْئًا ۚ فَإِنْ كَانَ الَّذِي عَلَيْهِ الْحَقُّ سَفِيهًا أَوْ ضَعِيفًا أَوْ لَا يَسْتَطِيعُ

نہ کرے، سو اگر وہ شخص کم سمجھ ہو جس پر حق ہے یا ضعیف ہو یا ادا کرانے پر قدرت

أَنْ يُمِلَّ هُوَ فَلْيُمْلِلْ وَلِيُّهُ بِالْعَدْلِ ۚ وَأَسْتَشْهَدُ وَاشْهَيْدَينِ مِنْ

نہ رکھتا ہو تو اس کا ولی انصاف کے ساتھ لکھوادے، اور اپنے مردوں میں سے دو آدمیوں کو گواہ

رِّجَالِكُمْ ۚ فَإِنْ لَّمْ يَكُنَا رَجُلَيْنِ فَرَجُلٌ وَامْرَأَتَانِ مِمَّنْ تَرْضَوْنَ

بنا لیا کرو، پس اگر دو مرد نہ ہوں تو ایک مرد اور دو عورتیں ہوں ان گواہوں میں سے جنہیں تم

مِنَ الشُّهَدَاءِ أَنْ تَضِلَّ إْحْدُهُمَا فَتُذَكِّرَ إِحْدَاهُمَا الْآخَرَىٰ ۚ

پسند کرتے ہو تاکہ ان دو عورتوں میں سے اگر ایک بھٹک جائے تو ایک دوسری کو یاد دلا دے

وَلَا يَأْبَ الشُّهَدَاءُ إِذَا مَا دُعُوا ۚ وَلَا تَسْأَمُوا أَنْ تَكْتُبُوهُ صَغِيرًا أَوْ

اور نہ انکار کریں گواہ جب ان کو بلایا جائے، اور قرضے کے معاملہ میں لکھنے سے مت اکتاؤ چھوٹا ہو

كَبِيرًا إِلَىٰ أَجَلِهِ ۚ ذَلِكُمْ أَقْسَطُ عِنْدَ اللَّهِ وَأَقْوَمُ لِلشَّهَادَةِ وَأَدْنَىٰ

یا بڑا ہو اس کی مدت مقررہ تک، یہ اللہ کے نزدیک زیادہ انصاف کی بات ہے اور گواہی کو زیادہ درست رکھنے والی ہے اور اس سے زیادہ قریب ہے

أَلَّا تَرْتَابُوا إِلَّا أَنْ تَكُونَ تِجَارَةً حَاضِرَةً تُدِيرُونَهَا بَيْنَكُمْ

کہ تم شک میں نہ پڑو، مگر یہ کہ کوئی تجارت ہو جس میں لینا دینا دست بدست ہو جس کا تم آپس میں معاملہ کر رہے ہو

فَلَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ اَلَّا تَكْتُبُوْهَا ۚ وَاَشْهَدُوْا اِذَا تَبَايَعْتُمْ ۚ

سو تم پر اس بات کا کوئی گناہ نہیں کہ لکھا پڑھی نہ کرو، اور گواہ بنا لیا کرو جب کہ تم آپس میں خرید و فروخت کا معاملہ کرو۔

وَلَا يَضَارُّ كَاتِبٌ وَلَا شَهِيدٌ ۚ وَاِنْ تَفْعَلُوْا فَاِنَّهُ فُسُوْقٌ ۚ

اور نہ ضرر دیا جائے کاتب کو، اور نہ گواہ کو، اور اگر تم ایسا کرو تو بلاشبہ اس میں گناہ گاری ہے۔

بِكُمْ ۚ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ۚ وَیَعْلَمُ اللّٰهُ بِكُلِّ شَیْءٍ عَلِیْمٌ ۝۲۸۲

تمہارے لئے، اور اللہ سے ڈرو، اللہ تمہیں سکھاتا ہے، اور اللہ ہر چیز کا جاننے والا ہے۔

تفسیر آیت دین:

۲۸۲: يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا تَدَايَنْتُمْ بِدَيْنٍ - (اے ایمان والو! جب تم باہمی قرض کا معاملہ کرو) - یعنی جب ایک دوسرے کو قرض لو - دو - عرب کہتے ہیں - داینت الرجل - جب کسی کو قرض دیا جائے - یا لیا جائے -

إِلَىٰ أَجَلٍ مُّسَمًّى (ایک مقررہ وقت تک) مقررہ مدت تک - مثلاً کٹائی یا گہائی یا حجاج کے لوٹنے تک - نکتہ: دَيْنٌ کا لفظ واضح ذکر کیا - اِذَا تَدَايَنْتُمْ اِلَىٰ اَجَلٍ مُّسَمًّى فقط نہیں کہا تا کہ فاکتبوہ کی ضمیر اس کی طرف لوٹ سکے - اگر دَيْنٌ کا لفظ واضح نہ ہوتا تو لازم آتا تھا - کہ کہا جاتا فاکتبوا الدین اور اس طرح سے کلام میں وہ خوبصورتی نہ ہوتی - جواب ہے -

دو وجوہ:

وجہ اول: یہ انداز کلام قرض کی اقسام مؤجل اور دین حالی کو بیان کرنے میں زیادہ واضح ہے -
وجہ دوم: قرض کے تحریر کرنے کا حکم دیا گیا - کیونکہ یہ زیادہ پختہ بات ہے اور بھول چوک سے محفوظ ہے اور انکار سے دور ہے -
مطلب آیت: مطلب آیت کا یہ ہوا کہ جب تم باہمی مؤجل قرض کا معاملہ کرو تو اس کو لکھ لیا کرو -

استنباطی مسائل:

مَسْئَلَةٌ: یہ حکم استنباطی ہے - حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرمایا کرتے تھے - کہ اس سے مراد بیع سلم ہے - جب اللہ تعالیٰ نے سود کو حرام کیا تو بیع سلم کو جائز کر دیا - جو کہ کتاب اللہ میں مدت معلوم کے ساتھ ملی ہوئی ہے اور اس میں طویل ترین آیت نازل فرمائی - اس آیت میں یہ بھی دلیل ہے - کہ بیع سلم میں مدت شرط ہے -

وَلْيُكْتُبْ بَيْنَكُمْ (اور چاہیے کہ تمہارے درمیان لکھے) یعنی قرض دار اور قرض دینے والے کے درمیان -

امین کاتب کی تعریف:

كَاتِبٌ بِالْعَدْلِ (کاتب انصاف کے ساتھ) بالعدل یہ کاتب کے متعلق ہے اور اس کی صفت ہے یعنی ایسا کاتب جو

احتیاط سے لکھے۔ اور جو کچھ لکھتا ہے اس پر امین ہو جس چیز کا لکھنا ضروری ہے اس میں اضافہ اور کمی نہ کرے۔
 مَسْئَلَةٌ: اس میں اس بات کی دلیل ہے کہ کاتب سمجھ دار اور شرائط کو جاننے والا ہو۔ تاکہ اس کا لکھا ہوا شرع کے مطابق ہو۔
 مَسْئَلَةٌ: کاتب کے چناؤ کا حکم قرض دینے والے لینے والے دونوں کو ہے اور وہ ایسے آدمی سے کتابت کروائیں جس پر فریقین کو اتفاق ہو۔

وَلَا يَأْبَ كَاتِبٌ۔ (اور کاتب انکار نہ کرے) یعنی کوئی کاتب تحریر سے انکار نہ کرے۔
 أَنْ يَكْتُبَ كَمَا عَلَّمَهُ اللَّهُ (لکھنے سے جس طرح اللہ تعالیٰ نے اس کو علم دیا) یعنی جس طرح اللہ تعالیٰ نے اس کو وثیقہ نویسی کا علم دیا ہے نہ اس میں تبدیلی کرے اور نہ تغیر۔ کَمَا کالفظ ان یکتب کے متعلق ہے۔
 فَلْيُكْتُبْ (پس چاہیے کہ وہ لکھے) یعنی دستاویز لکھے اس سے عدول نہ کرے۔

مدیون کی املاء اقرار ہے:

وَلْيُمْلِلِ الَّذِي عَلَيْهِ الْحَقُّ (اور چاہئے کہ وہ شخص املاء کروائے جس کے ذمہ حق ہے) یعنی مدیون لکھوالے اسی کا اقرار حجت الزامی ہے کہ قرض اس کے ذمہ ہے اور یہ لکھوانا اپنے متعلق اقرار بن جائے گا زبان سے۔
 املاں اور املاء یہ دونوں لغات ہیں۔

وَلْيَتَّقِ اللَّهَ رَبَّهُ (اور وہ اللہ تعالیٰ سے ڈرتا رہے جو اس کا رب ہے) یعنی مدیون اللہ تعالیٰ سے ڈرے اور املاء سے انکار نہ کرے۔ کیونکہ اس طرح تو اس کے تمام حق کا انکار ہوگا۔

وَلَا يَخْسُ مِنْهُ شَيْئًا (اور اس میں سے کوئی چیز کم نہ کرے) یعنی املاء کروانے میں حق واجب سے کوئی چیز کم نہ کرے۔
 اس میں مدیون کے بعض حق کا انکار لازم آتا ہے۔

فَإِنْ كَانَ الَّذِي عَلَيْهِ الْحَقُّ سَفِيهًا (پس اگر مدیون سفیہ ہو) یعنی مجنون کیونکہ سفیہ خفت عقل کو کہا جاتا ہے۔ یا فضول خرج اور تصرف سے جاہل ہونے کی بناء پر ممنوع التصرف ہو۔

أَوْ ضَعِيفًا (یا کمزور ہو) یعنی نادان بچہ ہو۔
 أَوْ لَا يَسْتَطِيعُ أَنْ يُمْلََّ هُوَ (یا وہ املاء کرانے کی طاقت نہ رکھتا ہو) یعنی عاجزی یا جہالت یا زبان سے ناواقفیت کی بناء پر۔

فَلْيُمْلِلْ وَلِيُّهُ (پس اس کا ولی املاء کرائے) یعنی وہ شخص جو اس کا سرپرست و وکیل ترجمان ہے۔
 بِالْعَدْلِ (انصاف کے ساتھ) یعنی سچائی اور حق کے ساتھ

وَأَسْتَشْهِدُوا شَهِيدَيْنِ (اور تم دو گواہ بناؤ) تاکہ وہ قرض پر گواہی دینے والے بن جائیں۔
شروط گواہی:

مِنْ رِّجَالِكُمْ (اپنے مردوں میں سے) یعنی مسلمانوں میں سے اسلام کے ساتھ آزادی و بلوغ بھی شرط ہے۔
 مَسْئَلَةٌ: احناف کے نزدیک کفار کی گواہی کفار کے متعلق درست ہے۔

فَإِنْ لَّمْ يَكُونَا رَجُلَيْنِ فَرَجُلٌ وَامْرَأَتَانِ (پس اگر دو مرد نہ ہوں تو ایک مرد اور دو عورتیں) یعنی اگر دو گواہ مرد نہ ملیں تو پھر ایک مرد اور دو عورتیں کافی ہیں۔

حدود و قصاص کے علاوہ بقیہ معاملات میں مردوں کے ساتھ عورتوں کی گواہی مقبول ہے۔
مِمَّنْ تَرْضَوْنَ مِنَ الشُّهَدَاءِ (جن کو تم بطور گواہ پسند کرو) یعنی جن کی عدالت سے تم واقف ہو۔

مَسْتَلَّةٌ: اس میں دلیل ہے کہ ناپسندیدہ بھی شاہد بن سکتا ہے۔

أَنْ تَصِلَ أَحَدُهُمَا فَتَذَكَّرَ أَحَدُهُمَا الْأُخْرَى (اگر ایک بھول جائے تو دوسری اس کو یاد دلائے) یعنی اس بناء پر کہ اگر ان میں سے ایک بھول جائے تو دوسری اس کو یاد دلا دے۔

اختلاف قراءت:

حزہ کی قراءت میں اِنْ تَصِلْ میں ان شرطیہ ہے اور فَتَذَكَّرْ مرفوع ہے اور پورا جملہ جزاء ہے۔

تَصِلْ پر شرط کی وجہ سے جزم آنی چاہیے مگر تشدید کی وجہ سے جزم نہیں آئی۔ جیسا کہ سورۃ المائدہ میں آیت نمبر ۹۵ ومن عاد فینتقم اللہ منه، توفیتقم میں باوجود جزاء کے رفع ہے۔

مکی اور بصری قراء نے فَتَذَكَّرْ نصب کے ساتھ پڑھا۔ اور اصل اس کی الذکر سے بتلائی نہ کہ الذکر سے۔
وَلَا يَأْتِ الشُّهَدَاءُ إِذَا مَا دُعُوا (اور نہ انکار کریں گواہ جب ان کو بلایا جائے) یعنی ادائیگی شہادت کے لئے یا گواہ بنانے کے لئے تاکہ لوگوں کے حقوق ضائع نہ ہوں۔

نکات:

یہاں ان کو گواہ بننے سے پہلے ہی ان کو شہداء کہا گیا۔ کیونکہ آئندہ چل کر وہ گواہ بننے والے ہیں۔ پہلی صورت میں تو فرض ہے اور دوسری صورت میں مستحب ہے۔

وَلَا تَسْمُوا (نہ اکتاؤ) جیسا شاعر نے کہا۔

سَمْتُ تَكَالِيفُ الْحَيَاةِ وَمِنْ يَعْشُ ☆ ثَمَانِينَ حَوْلًا لَا أَبَالِكَ يَسَامُ (اکتا جانا)

محل استدلال یسنام ہے۔

مَخْمُورٌ: ان تکتبہ کی ضمیر دین کی طرف لوٹ رہی ہے یا الحق کی طرف

صَغِيرًا أَوْ كَبِيرًا (تھوڑا ہو یا زیادہ) یعنی جس حالت میں ہو خواہ تھوڑا حق ہو یا زیادہ۔

مَسْتَلَّةٌ: اس میں دلیل ہے کہ بیع سلم کپڑے میں بھی جائز ہے کیونکہ جو کیل وزن میں آسکے۔ اس کے لئے صغیر و کبیر کا لفظ نہیں لا سکتے۔ البتہ تھوڑی چیز کے لئے ذریع استعمال کرتے ہیں۔

مَخْمُورٌ: ممکن ہے کہ ضمیر کُتَّاب کی طرف لوٹے۔ مطلب یہ ہو کہ وہ تحریر کو مختصر مشتمل لکھیں۔

إِلَى أَجَلِهِ (وقت مقررہ تک) یعنی وہ وقت جس پر دونوں دائن و مدیون متفق ہوئے ہیں۔

ذٰلِكُمْ (یہ) یعنی لکھنا۔ اس کا اشارہ یہ ان تکتبہ ہے۔

اَقْسَطُ (زیادہ انصاف والی بات ہے) یہ قسط سے ہے جس کا معنی عدل ہے۔

عِنْدَ اللّٰهِ (اللہ کے ہاں یہ اقسط کا ظرف ہے) یعنی اللہ تعالیٰ کے ہاں۔

وَ اَقْوَمُ لِلشَّهَادَةِ (یہ ادائے شہادت کو بہت قائم کرنے والا ہے) یعنی اقامت شہادت میں زیادہ معاون ہے۔

نَحْوُ: اقسط اقوم یہ دونوں سیبویہ کے نزدیک تفصیل کے صیغے ہیں۔

وَ اَذْنٰی اِلَّا تَرْتَابُوْا (اور زیادہ قریب ہے کہ تم شک میں نہ پڑو) یعنی گواہ اور حاکم اور صاحب حق کے لئے شک کو زیادہ دور

کرنے والی چیز ہے۔ اس لئے کہ بسا اوقات مقدار و صفات میں شک پڑ جاتا ہے جب دستاویز کی طرف رجوع کریں گے۔ تو شک زائل ہو جائے گا۔

صرف: اَذْنٰی: کی الف اصل میں واو تھی۔ کیونکہ یہ دَنْو سے ہے۔

اِلَّا اَنْ تَكُوْنَ تِجَارَةً حَاضِرَةً (ہاں اگر دست بدست تجارت ہو)

قرأت ونحو:

عاصم نے اس طرح پڑھا۔ الا ان تكون التجارة تجارةً یا الا ان تكون المعاملة تجارةً حاضرةً نصب کے ساتھ۔ اسم کو محذوف مان کر تجارةً حاضرةً کو خبر بنایا۔

دیگر قراء نے تجارةً حاضرةً پڑھا۔ اور جمہور کا یہی قول ہے۔ اس صورت میں کان تامہ ہے۔

نقد یہ عبارت یہ ہے۔ الا ان تقع تجارةً حاضرةً۔ کہ تجارت حاضرہ پیش آئے۔

یا کان ناقصہ ہے۔ اور تجارةً حاضرةً مرفوع اس کا اسم اور تدیرونها اس کی خبر ہو۔

تُدِيرُوْنَهَا بَيْنَكُمْ۔ (تم اس کو اپنے درمیان لوٹانے والے ہو) بینکم، تدیرون کا ظرف ہے۔ اس کا معنی اپنے درمیان پھیرنا۔ فوری لین دین کرنا۔

فَلَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ اِلَّا تَكْتُبُوْهَا۔ تمہیں نہ لکھنے میں کچھ حرج نہیں۔ جبکہ تم دست بدست فوری لین دین کرو۔ اگر اس کو

نہ لکھو تو کچھ حرج نہیں۔ کیونکہ اس میں وہ وہم نہیں جو قرض میں ہوتا ہے۔

نقد میں گواہی:

وَ اَشْهَدُوْا اِذَا تَبَايَعْتُمْ۔ (اور خرید و فروخت کے وقت گواہ بنالو) خرید و فروخت نقد قیمت پر ہو یا ادھار گواہ بنالیا کرو۔

کیونکہ احتیاط اسی میں ہے۔ اور یہ گواہ بنانا اختلاف میں پڑنے سے بچانے والا ہے۔

دوسرا قول: اس سے مراد یہ ہے کہ جب یہ تجارت حاضرہ والی بیع کرو۔ تو اس میں گواہ کافی ہیں کتابت کی ضرورت نہیں۔ اور امر استحباب کے لئے ہے۔

وَإِنْ كُنْتُمْ عَلَى سَفَرٍ وَلَمْ تَجِدُوا كَاتِبًا فَرِهْنَ مَقْبُوضَةً ۖ فَإِنْ أَثِمْنَ

اور اگر تم سفر میں ہو اور حال یہ ہو کہ نہ پاؤ کسی کاتب کو تو رہن کی چیزیں قبضہ میں دے دی جائیں۔ سو اگر تم میں سے ایک دوسرے پر اطمینان

بَعْضُكُمْ بَعْضًا فليؤدِّ الَّذِي أُوتِيَ مَنَ أَمَانَتَهُ وَلْيَتَّقِ اللَّهَ رَبَّهُ ۖ وَلَا تَكْتُمُوا

کرے تو جس کو امانت دار سمجھا گیا ہے صاحب امانت کو امانت ادا کر دے اور اللہ سے ڈرے جو اس کا رب ہے اور گواہی کو

الشَّهَادَةَ ۖ وَمَنْ يَكْتُمْهَا فَإِنَّهُ آثِمٌ قَلْبُهُ ۖ وَاللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ

مت چھپاؤ، اور جو شخص گواہی کو چھپائے گا تو اس کا دل گنہگار ہے، اور اللہ ان کاموں کو جانتا ہے

عَلِيمٌ ۚ

جو تم کرتے ہو۔

دو قراءتیں اور مراد نہیں:

وَلَا يُضَارَّ كَاتِبٌ وَلَا شَهِيدٌ۔ (کاتب اور گواہ کو تکلیف نہ دی جائے) نمبر ۱۔ احتمال یہ ہے کہ یہ معروف ہو۔ حضرت عمر

رضی اللہ عنہ کی قراءت سے اس کی تائید ہوتی ہے۔ لَا يُضَارُّ۔

نمبر ۲۔ قراءت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے مطابق مجہول ہے۔ لَا يُضَارُّ معنی یہ ہے کہ کاتب اور گواہ سے جو طلب کیا جائے۔ اس کو ماننے میں وہ پس و پیش نہ کریں۔ تحریف، زیادتی، نقصان سے باز رہیں۔

نمبر ۳۔ نہی ضرر مراد ہے کہ فریقین نہ کاتب کو دکھ دیں اور نہ گواہ کو کہ اس کو جلدی پر مجبور کریں۔ لازم پکڑیں۔ یا کاتب کو آنے جانے کا خرچہ نہ دیں۔ یا گواہ کو اس کے شہر سے آنے کی مشقت اسی پر ڈالیں۔

وَأَنْ تَفْعَلُوا فَإِنَّهُ فُسُوقٌ بِكُمْ۔ (اگر تم ایسا کرو گے تو یہ تمہارے لئے گناہ ہے) یعنی اگر تم ضرر پہنچاؤ گے تو یہ ضرر

گناہ ہے۔

وَاتَّقُوا اللَّهَ۔ (اور اللہ تعالیٰ سے ڈرو) یعنی اللہ تعالیٰ کے اوامر کی مخالفت نہ کرو۔

وَيَعْلَمُكُمُ اللَّهُ۔ (اور اللہ تعالیٰ تمہیں سکھاتے ہیں) یعنی اپنے دین کے احکام

وَاللَّهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ۔ (اور اللہ تعالیٰ ہر چیز کو جاننے والے ہیں) اس کو سہو و قصور لاحق نہیں ہوتا۔

تَفْسِيرُ آيَةِ ۲۸۳:

وَإِنْ كُنْتُمْ۔ (اگر تم ہو) یعنی اے قرض خواہو۔

عَلَى سَفَرٍ۔ (سفر پر) یعنی سفر کی حالت میں

وَلَمْ تَجِدُوا كَاتِبًا۔ (اور تم نہ پاؤ کاتب)

فَرُّهْنٌ۔ (تو رہن رکھنا ہے)

قراءت۔ ابو عمرو کی نے فَرُّهْنٌ پڑھا ہے۔ اور قابل اعتماد زیادہ فَرُّهْنٌ ہے۔

دونوں رہن کی جمع ہیں۔ جیسے سَقْفٌ وَسَقْفٌ اور بَعْلٌ وَبَعْلٌ اس طرح دھان جمع ہے رہن اصل میں مصدر ہے اب تو

نام بن گیا۔ پھر اسماء کی طرح اس میں توڑ پھوڑ کی گئی۔

ارشادی حکم:

سفر میں چونکہ عموماً گواہوں کے اور کاتبوں کے نہ ملنے کا گمان غالب ہے تو بطور ارشاد و راہنمائی کے حفاظت مال کی خاطر رہن کا حکم دیا گیا تاکہ رہن کے ذریعہ امکانی حد تک اعتماد حاصل کر لیا جائے۔ اس بناء پر نہیں کہ رہن رکھنے کیلئے سفر ضروری ہے۔

مَقْبُوضَةٌ (قبضہ کیا ہوا) اس سے معلوم ہوتا ہے کہ قبضہ شرط نہیں۔ صرف ایجاب و قبول سے پورا ہو جاتا ہے۔

اظہار اعتماد:

فَإِنْ آمَنَ بَعْضُكُم بَعْضًا (اگر تمہیں ایک دوسرے پر اعتماد ہو) یعنی اگر بعض قرضداروں اور قرض خواہوں کو ایک دوسرے پر حسن ظن ہو۔ تو پھر قرض دار کو چاہیے۔ کہ وہ اپنے ذمہ لازم ہونے والی رقم کو واپس کر دے کیونکہ اس نے رہن نہ لے کر اس پر اعتماد کا اظہار کیا۔ تو یہ اعتماد پر پورا اترے۔

یہاں دَیْنٌ کو امانت کہا گیا۔ کیونکہ وہ اس کا ضامن بن گیا۔ کیونکہ اس پر اعتماد کرتے ہوئے اس نے رہن نہیں لیا۔

وَلَيَسِّرِ اللَّهُ رَبَّةً (اور اسے اللہ تعالیٰ سے ڈرنا چاہیے۔ جو اس کا رب ہے) اور اس کے حق کا انکار نہ کرے۔

وَلَا تَكْتُمُوا الشَّهَادَةَ (اور تم گواہی کو مت چھپاؤ) یہ گواہوں کو خطاب کیا گیا۔

وَمَنْ يَكْتُمْهَا فَإِنَّهُ إِثْمٌ قَلْبُهُ (جو اس کو چھپاتا ہے پس اس کا دل گنہگار ہے)

مَخْجُورٌ: قَلْبُهُ کا لفظ مرفوع ہے کیونکہ یہ آثم کا فاعل ہے تقدیر عبارت یہ ہے۔

فانہ آثم قلبہ یا قَلْبُهُ مبتداء اور آثم خبر مقدم ہے اور یہ جملہ ان کی خبر ہے۔

ایک سوال:

سوال: اثم کی نسبت قلب کی طرف ہے حالانکہ وہ سارا ہی گنہگار ہے نہ کہ صرف دل

نسبت کی تین وجوہ:

جواب: کیونکہ گواہی دل ہی میں چھپائی جاتی ہے اور اس کو منہ سے نہیں بولتا۔ جب گناہ کمانے میں دل ساتھی بنا۔ تو اس کی طرف نسبت کر دی گئی۔ کیونکہ فعل کی نسبت آلہ عمل کی طرف بلیغ تر ہے۔ جیسا تم کہو۔ هذا مما ابصرته عینی۔ یہ وہ چیز ہے جس کو میری آنکھ نے دیکھا ہے۔ او مما سمعته اذنی و مما عرفه قلبی۔ اور کان نے سنا اور دل نے پہچانا۔
۲ دوسری وجہ: یہ ہے کہ دل رئیس الاعضاء ہے اور جسم کا وہ ٹکڑا ہے کہ اگر یہ صحیح ہو تو سارا جسم صحیح رہتا ہے اور اگر یہ بگڑ جائے تو سارا جسم بگڑ جاتا ہے۔ گویا اس طرح فرمایا گیا کہ گناہ اس کے دل کی گہرائیوں میں پیوست ہو چکا ہے اور اس کے سب سے اعلیٰ مقام پر قابض ہو چکا۔

۳ تیسری وجہ: یہ ہے افعالِ قلوب، اعمالِ جوارح سے عظیم تر ہیں۔

ذرا غور تو کرو۔ کہ تمام حسنات و سینات کی جڑ ایمان و کفر ہے۔ اور یہ دونوں دل کے فعل ہیں۔ چنانچہ جب کتمان شہادت کو آثامِ قلب سے قرار دیا۔ تو گویا اس کے لئے گواہی دے دی۔ کہ یہ عظیم گناہوں سے ہے۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ اکبر الکبار یہ ہیں۔

نمبر ۱۔ اللہ تعالیٰ کے ساتھ شریک کرنا۔ جھوٹی گواہی دینا۔ گواہی چھپانا

وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُونَ۔ (اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال سے) یعنی کتمان شہادت اور اظہار شہادت سے

عَلَيْهِمْ (واقف ہیں) اس پر کوئی چیز مخفی نہیں۔

لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ۚ وَاِنْ تُبَدُّوْا مَا فِيْ اَنْفُسِكُمْ اَوْ تَخْفَوْهُ

اللہ ہی کے لئے ہے جو آسمانوں میں ہے اور جو زمین میں ہے اور اگر تم ظاہر کرو جو کچھ تمہارے نفسوں میں ہے یا اس کو پوشیدہ رکھو

يُحَاسِبُكُمْ بِهٖ ۚ اللّٰهُ ۚ فَيَغْفِرُ لِمَنْ يَّشَآءُ وَيُعَذِّبُ مَنْ يَّشَآءُ ۚ وَاللّٰهُ

اللہ اس کا محاسبہ فرمائے گا۔ پھر جس کو چاہے بخش دے اور جس کو چاہے عذاب دے، اور اللہ

عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۲۸۴﴾ اَمِّنَ الرَّسُوْلُ بِمَا اُنْزِلَ اِلَيْهِ مِنْ رَّبِّهِ وَ

ہر چیز پر قادر ہے، ایمان لایا رسول اس پر جو اس کی طرف نازل کیا گیا اس کے رب کی طرف سے، اور

الْمُؤْمِنُوْنَ ۚ كُلٌّ اَمِّنَ بِاللّٰهِ وَمَلٰٓئِكَتِهٖ وَكُتُبِهٖ وَرُسُلِهٖ ۚ لَا نُفَرِّقُ

مومنین بھی ایمان لائے، سب ایمان لائے اللہ پر اور اس کے فرشتوں پر اور اس کی کتابوں پر اور اس کے رسولوں پر، وہ کہتے ہیں کہ ہم اس کے

بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْ رُّسُلِهٖ ۚ وَقَالُوْا سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا ۚ غُفْرَانَكَ رَبَّنَا

پیغمبروں میں سے کسی میں تفریق نہیں کرتے اور انہوں نے کہا کہ ہم نے سن لیا اور مان لیا، ہم آپ کی بخشش کا سوال کرتے ہیں، اے ہمارے رب

وَ اِلَيْكَ الْمَصِيْرُ ﴿۲۸۵﴾ لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا ۚ لَهَا مَا كَسَبَتْ

اور تیری ہی طرف لوٹ کر جاتا ہے، اللہ نہیں مکلف بناتا کسی جان کو، جس کی اسے طاقت نہ ہو، ہر جان کے لئے وہی ہے جو اس نے کسب کیا،

وَعَلَيْهَا مَا كَسَبَتْ ۚ رَبَّنَا لَا تُؤَاخِذْنَا اِنْ نَّسِيْنَا اَوْ اَخْطَاْنَا ۚ رَبَّنَا

اور اس کے اوپر وبال ہے اس کا جو وہ گناہ کرے، اے ہمارے رب ہمارا مواخذہ نہ فرمانا اگر ہم بھول جائیں یا ہم سے چوک ہو جائے۔ اے ہمارے رب

وَلَا تَحْمِلْ عَلَيْنَا اِصْرًا كَمَا حَمَلْتَهُ عَلَی الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِنَا ۚ رَبَّنَا وَلَا

اور نہ رکھ ہم پر بھاری بوجھ جیسا کہ آپ نے ان لوگوں پر بھاری بوجھ رکھا جو ہم سے پہلے تھے، اے ہمارے رب

تَحْمِلْنَا مَا لَا طَاقَةَ لَنَا بِهٖ ۚ وَاعْفُ عَنَّا ۚ وَارْحَمْنَا ۚ وَ

اور ہم پر ایسا بار نہ ڈالے جس کی ہم کو طاقت نہ ہو، اور ہمیں معاف فرما دیجئے اور ہماری مغفرت فرما دیجئے اور ہم پر رحم فرمائیے،

اَنْتَ مَوْلَانَا فَانْصُرْنَا عَلٰی الْقَوْمِ الْكَافِرِيْنَ ﴿۲۸۶﴾

آپ ہمارے مولیٰ ہیں۔ سو ہماری مدد فرمائیے کافروں کے مقابلہ میں۔

تفسیر آیت ۲۸۴:

لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ (اللہ تعالیٰ ہی کا ہے جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے) یعنی اس کا پیدا کیا ہوا اور اسی کی ملک ہے۔

وَ اِنْ تُبَدُّوْا مَا فِيْ اَنْفُسِكُمْ اَوْ تَخْفَوْهُ (اگر تم ظاہر کرو جو کچھ تمہارے دلوں میں ہے یا اس کو چھپاؤ) یعنی برائی میں سے۔

مواخذہ کی حقیقت:

يُحَاسِبُكُمْ بِهٖ اللّٰهُ (وہ اللہ تعالیٰ اس کا محاسبہ کریں گے) یعنی اللہ تعالیٰ اس کا بدلہ دیں گے۔ اس میں وساوس قلبیہ اور حدیث نفس جس کو انسان چھپاتا ہے وہ داخل نہیں۔ لیکن جس کو دل میں پختہ کر لے۔ وہ قابل مواخذہ ہے۔

حاصل یہ ہے کہ عزم کفر بھی کفر ہے۔ اور گناہوں کا خیال آنا بغیر پختہ ارادہ کے معاف ہے اور گناہ کا ارادہ کر کے اگر شرمندہ ہو اور اس سے رجوع کرے اور استغفار کرے تو اس کو بخش دیا جاتا ہے اور اگر وہ کسی برائی کا پختہ ارادہ کرے اور وہ اس پر ثابت و قائم بھی ہو۔ تو گناہ ہے مگر یہ کہ وہ اس سے باز آ گیا۔ کسی رکاوٹ کی وجہ سے (یعنی مجبوراً) اپنے اختیار سے نہیں۔ تو اس پر کرنے کا گناہ تو نہ ملے گا۔ یعنی زنا کا ارادہ کرنے سے زنا کی سزا تو نہ ملے گی۔

عزم کا حکم:

اب اس کو عزم زنا کی سزا ملے گی یا نہیں۔

قول اول: سزا نہ ملے گی۔ کیونکہ آپ ﷺ نے فرمایا۔ ان اللہ عفا عن امتی ما حدثت به انفسها ما لم تعمل۔ بے شک اللہ تعالیٰ نے میری امت کو معاف کر دیا۔ جو ان کے خیال میں آئے اور اس پر عمل نہ کیا ہو (بخاری)

دوسرا قول: جمہور کہتے ہیں کہ حدیث نفس سے مراد خطر فی القلب، خیال آنا ہے۔ عزم گناہ مراد نہیں۔ اور عزم پر مواخذہ ثابت ہے۔

شیخ ابو منصور علامہ حلوانی رحمہما اللہ کا رجحان اسی طرف ہی ہے۔ اس کی دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ان الذین یحبون ان تشیع الفاحشة۔ الایۃ سورۃ النور آیت نمبر ۱۹ یہ لوگ فاحشہ خود کرنے والے نہیں۔ صرف اس کی اشاعت میں شریک ہیں۔ ان کو عذاب کی وعید سنائی گئی۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں۔ جس گناہ کا بندہ ارادہ کرتا ہے مگر عمل نہیں کرتا۔ اس کو اس پر دنیا کے غم و حزن کی صورت میں سزا دی جاتی ہے۔

شان نزول: اکثر تفاسیر میں ہے کہ جب یہ آیت اتری۔ تو صحابہ رضی اللہ عنہم گھبرا گئے اور کہنے لگے کیا ہمارا اس بات پر مواخذہ ہو گا۔ جو ہمارے دلوں میں حدیث نفس کی صورت میں پیدا ہوتی ہے تو یہ آیت اتری۔

امن الرسول سے لایکلف اللہ تا ما اکتسبت۔ پس یہ کسب سے متعلق ہے عزم سے نہیں۔ بقول بعض یہ آیت اس آیت سے منسوخ ہوگئی۔

قول محققین:

مگر محققین کا فرمان یہ ہے کہ نسخ تو احکام میں ہے اور یہ تو خبر ہے اور خبر میں نسخ نہیں۔ فَيَغْفِرُ لِمَن يَشَاءُ وَيُعَذِّبُ مَن يَشَاءُ پس وہ جس کو چاہے گا بخش دے گا اور جس کو چاہے گا سزا دے گا۔

قراءت: شامی، عاصم رحمہما اللہ نے یغفر اور یُعَذِّبُ کو ضمہ سے پڑھا ہے۔
یعنی فہو یغفر و یُعَذِّبُ مگر دیگر قراء رحمہم اللہ نے جواب شرط پر عطف کی وجہ سے جزم پڑھی ہے۔

ابو عمرو رحمہ اللہ نے ادغام سے پڑھا۔ (کذا فی الاشارة و البشارة)

صاحب کشف کا قول:

صاحب کشف نے کہا راء کو لام میں ادغام کرنے والا لاحق ہے اور غلطی پر ہے کیونکہ راء حرف مکرر ہے۔ پس وہ مضاعف کی طرح ہو گیا۔ اور مضاعف میں ادغام درست نہیں ہے۔ اس لئے ابو عمرو سے اس کی روایت کرنا دوہری غلطی ہے۔

کیونکہ ایک تو وہ خود لجن کا مرتکب ہے اور دوسرا ایسے شخص کی طرف غلط نسبت کر رہا ہے۔ جو عربیت کا اپنے زمانہ میں سب سے بڑا ماہر تھا۔ بس یہ بات عظیم جہل کی نشان دہی کرتی ہے۔

وَاللَّهُ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ (اور اللہ تعالیٰ ہر چیز پر)۔ خواہ مغفرت ہو یا عذاب و غیر ہما
قَدِيرٌ (قدرت رکھتے ہیں)۔

۲۸۵: اَمَّنَ الرَّسُولُ بِمَا اُنْزِلَ اِلَيْهِ مِنْ رَبِّهِ وَالْمُؤْمِنُونَ (ایمان لائے رسول اس پر جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان پر اتارا گیا۔ اور مؤمن ایمان لائے)۔

نحو: اگر المؤمنون کا عطف الرسول پر کیا جائے تو ضمیر کا نائب کل کی تنوین کو مانا جائے گا۔ اور ضمیر رسول اور مؤمنون دونوں کی طرف راجع ہوگی۔ یعنی کلہم۔

اَمَّنَ بِاللَّهِ وَمَلَائِكَتِهِ وَكُتُبِهِ وَرُسُلِهِ (وہ اللہ تعالیٰ پر ایمان لائے اور اس کے فرشتوں پر اور اس کی کتابوں پر اور اس کے رسولوں پر)۔

نحو و قراءت:

اس پر وقف ہے اور اگر یہ مبتداء ہو تو پھر کُلُّ مبتداء ثانی ہے۔

اور تقدیر یہ ہے کل منہم اور اَمَّنَ یہ مبتداء ثانی کی خبر بنے گی۔ اور یہ تمام جملہ خبر اول بن جائے گی۔ اور ضمیر مؤمنین کی طرف راجع ہوگی۔ اور اَمَّنَ میں ضمیر کُلُّ کی طرف واحد لائی گئی۔ گویا کُلُّ واحد منہم امن فرمایا۔ حمزہ علی رحمہما اللہ نے کِتَابِہ

پڑھا اور مراد قرآن مجید لیا۔ یا جس کتاب رسل مراد لی۔

لَا نُفَرِّقُ (ہم تفریق نہیں کرتے)

لَا نُفَرِّقُ۔ یعنی وہ کہتے ہیں ہم تفریق نہیں کرتے۔ بلکہ ہم تمام پر ایمان لاتے ہیں۔

بَيْنَ أَحَدِهِمْ رُسُلِهِ (اس کے رسولوں میں سے کسی کے درمیان) احد یہ جمع کے معنی میں ہے۔

اس وجہ سے بین اس پر داخل ہے۔ کیونکہ بین اس اسم پر داخل ہوتا ہے۔ جو ایک سے زیادہ پر دلالت کرے۔ جیسے تم کہو۔

المال بين القوم۔ اس طرح نہیں کہتے المال بین زید۔

وَقَالُوا سَمِعْنَا (انہوں نے کہا ہم نے سنا) یعنی تیرے فرمان کو قبول کیا۔

وَأَطَعْنَا (اور تیری اطاعت کی) یعنی تیرا حکم مانا۔

غُفِرَ لَكَ (تو بخش دے) یعنی تو اپنی بخشش سے ہمیں بخش دے۔

یہ فعل مضمر سے منصوب ہے ای اغفر لنا غفرانك۔

رَبَّنَا وَإِلَيْكَ الْمَصِيرُ (اے ہمارے رب اور تیری ہی طرف لوٹنا ہے) المصیر لوٹنے کی جگہ اس آیت میں بعث و جزاء کا

اقرار ہے۔

مَنْ سَأَلَ: اس آیت میں دلیل ہے کہ ایمان و استثناء باطل ہے اور کبیرہ گناہ کے باوجود ایمان باقی رہتا ہے۔

لَا يُكَلِّفُ اللَّهُ نَفْسًا (اللہ تعالیٰ کسی نفس کو تکلیف نہیں دیتے) یہ جملہ متانفہ ہے یا محکی عنہ ہے۔

تکلیف کا مطلب کفایت ہے:

إِلَّا وَسَعَهَا (مگر اس کی وسعت کے مطابق) کیونکہ تکلیف اسی کی طرف لوٹتی ہے جس پر مکلف کو قدرت ہو۔ (کذا فی

شرح التاویلات)

صاحب کشاف کہتے ہیں الوسع جو انسان کو کفایت کرے اور اس پر تنگی نہ کرے نہ اس سے تکلیف میں مبتلا ہو۔ یعنی نہیں اسکو تکلیف

دیتا۔ مگر اتنی جتنی اس میں گنجائش ہے اور اس پر آسان ہو۔ انتہائی مشقت میں مبتلا ہونے کے بغیر آسانی کے ساتھ اسکو ادا کرے۔ انسان

کی طاقت میں تھا کہ پانچ سے زیادہ نمازیں پڑھے اور مہینہ سے زیادہ روزے رکھے اور ایک سے زیادہ حج کر سکتے ہیں۔

لَهَا مَا كَسَبَتْ وَعَلَيْهَا مَا اكْتَسَبَتْ (اس کے لئے جو اس نے کمایا اور اس پر وہاں ہے جو اس نے گناہ کمایا) یعنی جو

بھلائی کمائی وہ اس کو فائدہ دے گی۔ اور اس کو نقصان دے گی۔ جو اس نے برائی کمائی۔

کسب و اکتساب کا فرق:

سوال: آیت میں خیر کو کسبت سے اور شر کو اکتسبت سے تعبیر کیا گیا۔

جواب: کیونکہ اکتسب کسی دوسرے کے لئے کمانا اور نفس شر پر اپنے آپ عمل کرنا ہے اور بھلائی کے لئے تکلف کرنا ہے۔

رَبَّنَا لَا تُؤَاخِذْنَا إِنْ نَسِينَا (اے ہمارے رب تو ہم سے مواخذہ نہ کر اگر ہم بھول جائیں) یعنی تیرے حکموں میں سے

کوئی حکم بھول کر چھوڑ دیں۔

أَوْ أَخْطَانَا (یا ہم غلطی کریں)

یہ آیت دلالت کرتی ہے کہ نسیان و خطاء پر مواخذہ جائز ہے۔

اختلاف معترکہ:

البتہ معترکہ اسکے متعلق اختلاف کرتے ہیں کیونکہ دونوں سے بچنا ممکن ہے اگر مواخذہ درست نہ ہوتا تو سوال کا کوئی مطلب نہیں۔

اصر کی مراد:

رَبَّنَا وَلَا تَحْمِلْ عَلَيْنَا اِصْرًا (اے ہمارے رب نہ لا دہم پر جو بھراؤ اُٹھانے والے کو جو بھل کر دے) یعنی جو بھلنے والے کو جو بھلا اس کی جگہ پر روک دے۔

یعنی ایسا زائد کام جو اُٹھانے والے کو جو بھلنے کی وجہ سے اس کی جگہ پر روک دے۔ یہ لفظ سخت تکلیف کیلئے بطور استعارہ استعمال کیے گئے ہیں جیسے قتل جان اور جلد میں سے نجاست کے مقام کو کاٹنا۔ (جلد سے موزہ کی جلد مراد ہے) وغیرہ اور کپڑے میں سے۔
كَمَا حَمَلْتُهُ عَلَى الدِّينِ مِنْ قَبْلِنَا (جس طرح تو نے ان لوگوں پر لا دیا جو ہم سے پہلے ہوئے) جیسے یہود۔
رَبَّنَا وَلَا تُحَمِّلْنَا مَا لَا طَاقَةَ لَنَا بِهِ (اے ہمارے رب ہم سے نہ اٹھوا وہ چیز جس کی ہم میں طاقت نہیں) یعنی وہ سزائیں جو ہم سے پہلے لوگوں پر اتریں۔

وَاعْفُ عَنَّا (تو ہم کو معاف فرما) یعنی ہماری برائیاں مٹا دے۔

وَاعْفِرْ لَنَا (اور تو ہمیں بخش دے) اور ہمارے گناہ کو چھپا دے۔ یہ تکرار نہیں۔ اول کبائر کیلئے اور دوسرا صغائر کے لئے۔
وَاحْمِنَا (تو ہم پر رحم فرما) ہمارے افلاس کے ہوتے ہوئے ہمارے میزان کو جو بھل کر کے یا اول مسخ سے اور دوم دھنسنے سے اور سوم غرق ہونے سے۔

أَنْتَ مَوْلَانَا (تو ہمارا کارساز ہے) یعنی تو ہمارا آقا ہم تیرے غلام یا تو ہمارا مددگار ہے اور ہمارے امور کا ذمہ دار ہے۔
فَانصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكَافِرِينَ (تو کافر قوم کے خلاف ہماری مدد فرما) اسلئے کہ کارساز کا حق ہے کہ اپنے غلاموں کی مدد کرے۔

آیت کی فضیلت:

- ۱ حدیث میں وارد ہے کہ جس نے امن الرسول سے الکفرین تک رات کے آخری حصہ میں پڑھا۔ تو یہ اس کیلئے کافی ہے۔
 - ۲ جس نے ان کو عشاء آخرہ کے بعد پڑھا تو قیام لیل کی طرف سے کافی ہیں۔
 - ۳ جائز ہے کہ کہا جائے قراءت سورة البقرة یا قراءت البقرہ۔
- اس لئے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ سورۃ البقرہ کی اختتامی آیات عرش کے نیچے خزانہ ہے۔ بعض نے کہا۔ اس طرح کہنا مکروہ ہے بلکہ اس طرح کہا جائے گا۔ قرأت السورة التي تذكر فيها البقرة۔ واللہ اعلم

سُوْرَةُ اِلْعَمْرٰن مَدَنِيَّةٌ وَهِيَ ثَلَاثِيَّةٌ وَعِشْرُونَ كَوْعًا

سورة آل عمران مدینہ میں نازل ہوئی اور اس میں دو سو آیات ہیں اور تیس رکوع ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے۔

الَمْ ۱ اللّٰهُ لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ الْحَيُّ الْقَيُّومُ ۝ نَزَّلَ عَلَيْكَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ

الَمْ: اللہ ایسا ہے کہ اس کے سوا کوئی معبود نہیں وہ زندہ ہے قائم رکھنے والا ہے۔ اس نے آپ پر حق کے ساتھ کتاب نازل فرمائی

مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ وَاَنْزَلَ التَّوْرَةَ وَالْاِنْجِيلَ ۝ مِنْ قَبْلُ هُدًى

ایسی کتاب جو ان کتابوں کی تصدیق کرنے والی ہے جو اس سے پہلے تھیں، اور اس سے پہلے نازل فرمایا توریت کو اور انجیل کو جو لوگوں

لِلنَّاسِ وَاَنْزَلَ الْفُرْقَانَ ۝ اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِآيٰتِ اللّٰهِ لَهُمْ عَذَابٌ شَدِيْدٌ ۝

کے لئے ہدایت ہیں اور نازل فرمایا فرقان کو۔ بے شک جن لوگوں نے اللہ کی آیات کا انکار کیا ان کے لیے سخت عذاب ہے

وَاللّٰهُ عَزِيزٌ ذُوْ اَنْتِقَامٍ ۝ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَخْفٰى عَلَيْهِ شَيْْءٌ فِى الْاَرْضِ وَلَا فِى

اور اللہ غلبہ والا ہے بدلہ لینے والا ہے۔ بے شک اللہ ایسا ہے کہ اس پر کوئی چیز پوشیدہ نہیں زمین میں اور نہ

السَّمٰوٰتِ ۝ هُوَ الَّذِىْ يُصَوِّرُكُمْ فِى الْاَرْحَامِ كَيْفَ يَشَآءُ ۝ لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْعَزِيزُ الْحَكِيْمُ ۝

آسمان میں۔ اللہ وہ ہے جو تمہاری تصویریں بناتا ہے رحموں میں جس طرح چاہے، کوئی معبود نہیں اس کے سوا۔ وہ غلبہ والا ہے، حکمت والا ہے۔

خُفُوٰ: تَفْسِيْرُ آيَةِ ۲۱:

الَمْ - اللّٰهُ لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْحَيُّ الْقَيُّومُ - نَزَّلَ عَلَيْكَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ وَاَنْزَلَ التَّوْرَةَ وَالْاِنْجِيلَ (اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں۔ وہ حی و قیوم ہے اس نے تم پر تورات و انجیل حق کے ساتھ اتاری۔ یہ اپنے سے پہلے آسمانی کتابوں کی تصدیق کرنے والی ہے اور اس نے تورات و انجیل کو اتارا)۔

انتقال حرکت کا مسئلہ:

الَمْ کی میم کو اتقائے ساکنین کی وجہ سے حرکت دی گئی۔ میری مراد ساکنین سے میم اور لفظ اللہ کی لام ہے۔ پھر میم کو ملانے کے لئے فتح دیا۔ جو کہ اخف الحركات ہے اور کسرہ نہیں دیا کیونکہ ماقبل میم مکسور اور یائے ساکن ہے تاکہ پے درپے کسرات کی آمد لازم نہ

آئے۔ میم کا فتح اسکے سکون کی وجہ سے اور ما قبل یاء کے سکون کی وجہ سے نہیں۔ اگر اس طرح ہوتا تو حہ میں بھی میم پر فتح دینا پڑتا حالانکہ یہ صحیح نہیں ہے اگر اس نے میم کو فتح دیا تو یہ فتح لفظ اللہ کے ہمزہ سے منتقل ہو کر میم کی طرف آیا ہے۔ کیونکہ وہ ہمزہ تو ہمزہ وصل ہے۔ جو درمیان کلام میں گر جاتا ہے اور اس کے ساتھ اس کی حرکت بھی گر جاتی ہے۔ اگر اس کی حرکت کا منتقل کرنا جائز ہوتا۔ تو اس کا قائم رکھنا بھی جائز ہوتا۔ حالانکہ اس کو ثابت رکھنا جائز نہیں۔

قراءت: یزید اور اعشیٰ نے میم کو ساکن قرار دے کر الف کو ہمزہ قطعی قرار دیا۔ بقیہ قراء نے وصل الف اور فتح میم کے ساتھ پڑھا۔
نحو: لفظ اللہ مبتداء اور لا الہ الا هو یہ اس کی خبر ہے۔ اور "لا" کی خبر مضمحل ہے تقدیر عبارت یہ ہے لا الہ فی الوجود الا هو۔

ہو: یہ موضع رفع میں موضع "لا" سے بدل ہے اور اس کا اسم الحی القیوم مبتدائے محذوف کی خبر ہے تقدیر عبارت یہ ہے۔
 ہو الحی، یا ہو سے بدل ہے۔ القیوم یہ فیعل کے وزن پر قائم ہے۔ مراد وہی ذات انصاف کو قائم کرنے والی اور ہر شخص کے اعمال پر نگران ہے۔

نزل اور انزل کا فرق:

۳: نَزَّلَ عَلَيْكَ الْكِتَابَ بِالْحَقِّ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ وَأَنزَلَ التَّوْرَةَ وَالْإِنْجِيلَ۔ (اس نے آپ پر حق کے ساتھ کتاب نازل فرمائی ایسی کتاب جو ان کتابوں کی تصدیق کرنے والی ہے جو اس سے پہلے تھیں اور اس سے پہلے نازل فرمایا تو ریت کو اور انجیل کو)۔ نَزَّلَ یعنی اسی نے اتارا۔ عليك الكتاب، الكتاب سے مراد قرآن مجید ہے۔ بِالْحَقِّ یہ حال ہے یعنی اس نے قرآن دین حق کا حامل اتارا مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ سے مراد ما قبل اتاری جانے والی کتب ہیں۔ وَأَنزَلَ التَّوْرَةَ وَالْإِنْجِيلَ تو رات و انجیل یہ دونوں عبرانی الفاظ ہیں۔ الوری اور انجیل سے ان کا اشتقاق محض تکلف ہے۔

اس وقت ان کا وزن تَفَعَّل اور اَفْعِل ہوگا اور ان کو عربی ماننا پڑے گا۔

سوال: قرآن مجید کے لیے نَزَّلَ اور تو رات و انجیل کے لیے أَنزَلَ لایا گیا؟

جواب: کیونکہ قرآن مجید تھوڑا تھوڑا ترا اور یہ دونوں کتابیں یکبارگی مکمل طور پر نازل ہوئیں۔

تفسیر آیت ۴:

مِنْ قَبْلُ هُدًى لِّلنَّاسِ وَأَنزَلَ الْفُرْقَانَ إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا بِآيَاتِ اللَّهِ لَهُمْ عَذَابٌ شَدِيدٌ۔ وَاللَّهُ عَزِيزٌ ذُو انتِقَامٍ۔
 (اس سے پہلے سب لوگوں کی ہدایت کیلئے اور اس نے حق و باطل میں فرق کر دینے والی کتابیں اتاریں، جن لوگوں نے اللہ تعالیٰ کی اتاری ہوئی آیات کا انکار کیا۔ ان کے لیے سخت عذاب ہے اور اللہ تعالیٰ غالب انتقام والا ہے) مِنْ قَبْلُ یعنی قرآن سے پہلے
 هُدًى لِّلنَّاسِ سے مراد قوم موسیٰ و عیسیٰ علیہ السلام ہیں۔ یا تمام لوگ مراد ہیں۔

فرقان کی مراد:

وَأَنْزَلَ الْفُرْقَانَ فَرَقَانَ سے مراد جنس کتب ہے۔ کیوں کہ تمام کتابیں حق و باطل میں فرق کرتی رہیں یا زبور مراد ہے۔ یا قرآن مجید کا تذکرہ دوبارہ اس صفت کے ذریعے اس کی عظمت شان کی خاطر کر دیا۔
إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا بِآيَاتِ اللَّهِ آيَاتِ اللہ سے کتب منزلہ مراد ہیں۔ یعنی کسی بھی آسمانی کتاب کو نہ ماننے کی وجہ سے عذاب میں ہونگے۔

ذُو انْتِقَامٍ کا معنی سخت سزا دینے والے ہیں کہ کوئی منتقم اس پر قدرت نہیں رکھتا۔

اللہ تعالیٰ ہر ایک کی حالت سے واقف ہے:

۵: إِنَّ اللَّهَ لَا يَخْفَىٰ عَلَيْهِ شَيْءٌ فِي الْأَرْضِ وَلَا فِي السَّمَاءِ (یہ حقیقت ہے کہ اللہ تعالیٰ پر آسمان و زمین کی کوئی چیز مخفی نہیں) آسمان و زمین سے مراد سارے جہانوں میں ہے جسکی تعبیر فہم انسانی کے قریب کرنے کے لیے آسمان و زمین سے کر دی۔
مطلب یہ ہوا کہ وہ کافر کے کفر اور مؤمن کے ایمان سے واقف ہے اور وہ ہر دو کو اس کا بدلہ دے گا۔

۶: هُوَ الَّذِي يُصَوِّرُكُمْ فِي الْأَرْحَامِ كَيْفَ يَشَاءُ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ (وہ ہی ہے جو ماں کے پیٹ میں تمہاری صورتیں جیسی چاہتا ہے بناتا ہے اس کے سوا کوئی معبود نہیں وہ غالب حکمت والا ہے) يُصَوِّرُكُمْ یعنی مختلف شکلیں جیسی چاہتا ہے بناتا ہے۔ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ وہ اپنی سلطنت پر غالب اور تدبیر میں حکمت والا ہے۔

وفدِ نجران کی آمد:

روایت میں وارد ہے کہ جب نجرانیوں کا وفد آیا۔ جو ساٹھ سواروں پر مشتمل تھا۔ ان کا امیر عاقب اور امیر سفر ایہم تھا اور ابو حارثہ بن علقمہ ان کا پادری اور عالم تھا۔ انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے جھگڑا کیا اگر عیسیٰ اللہ کا بیٹا نہیں تھا تو پھر ان کا باپ کون تھا؟ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کیا تم نہیں جانتے کہ بیٹا باپ کے مشابہ ہوتا ہے۔ انہوں نے کہا جی ہاں، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کیا تم نہیں جانتے کہ اللہ تعالیٰ ہمیشہ سے زندہ ہیں ان پر نہ موت آسکتی ہے نہ آئے گی۔ اور عیسیٰ علیہ السلام تو فوت ہو گئے اور ہمارا رب تعالیٰ تو بندوں کا نگران اور محافظ ہے۔ اور ان کو رزق دیتا ہے اور عیسیٰ علیہ السلام کو اس پر قدرت حاصل نہیں۔ اور اللہ تعالیٰ پر تو کائنات کی کوئی چیز مخفی نہیں۔ خواہ وہ آسمان میں ہو یا زمین میں۔ اور عیسیٰ علیہ السلام وہی جانتے ہیں جو اللہ تعالیٰ نے ان کو علم دیا۔ اور اللہ تعالیٰ نے عیسیٰ علیہ السلام کی تصویر رحم مادر میں بنائی جس طرح چاہی۔ پس انکی ماں حاملہ ہو گئیں اور ان کو جنم اور دودھ پلایا۔ اور وہ کھانا کھاتے اور بول و براز کرتے تھے اور ہمارا رب تعالیٰ ان تمام باتوں سے منزہ اور پاک ہے۔ پس یہ سن کر وہ تمام لا جواب ہو گئے ان کے متعلق ہی سورہ آل عمران کی آیت نمبر ۸۰ سے کچھ زائد آیات نازل ہوئیں۔ (رواہ ابن جریر و ابو حاتم)

هُوَ الَّذِي أَنْزَلَ عَلَيْكَ الْكِتَابَ مِنْهُ آيَاتٌ مُحْكَمَاتٌ هُنَّ أُمُّ الْكِتَابِ وَأُخَرُ

اللہ وہ ہے جس نے آپ پر کتاب نازل فرمائی۔ اس میں آیات محکمات ہیں جو ام الکتاب ہیں اور دوسری

مُتَشَبِّهَاتٌ ۖ فَأَمَّا الَّذِينَ فِي قُلُوبِهِمْ زَيْغٌ فَيَتَّبِعُونَ مَا تَشَابَهَ مِنْهُ

متشابہات ہیں۔ سو وہ لوگ جن کے دلوں میں کجی ہے وہ ان کے پیچھے پڑتے ہیں جو قرآن میں متشابہات

ابْتِغَاءَ الْفِتْنَةِ وَابْتِغَاءَ تَأْوِيلِهِ ۚ وَمَا يَعْلَمُ تَأْوِيلَهُ إِلَّا اللَّهُ ۗ وَالرَّاسِخُونَ

ہیں فتنہ تلاش کرنے کے لئے اور اس کا مطلب تلاش کرنے کے لئے، اور نہیں جانتا اس کے مطلب کو مگر اللہ اور جو لوگ علم میں راسخ ہیں

فِي الْعِلْمِ يَقُولُونَ آمَنَّا بِهِ ۚ كُلٌّ مِّنْ عِنْدِ رَبِّنَا ۚ وَمَا يَذَّكَّرُ إِلَّا

وہ کہتے ہیں کہ ہم اس پر ایمان لائے، سب ہمارے رب کی طرف سے ہے۔ اور نہیں نصیحت حاصل کرتے مگر

أُولُو الْأَلْبَابِ ۖ

عقل والے۔

۷: هُوَ الَّذِي أَنْزَلَ عَلَيْكَ الْكِتَابَ مِنْهُ آيَاتٌ مُحْكَمَاتٌ هُنَّ أُمُّ الْكِتَابِ وَأُخَرُ مُتَشَبِّهَاتٌ ۖ فَأَمَّا الَّذِينَ فِي قُلُوبِهِمْ زَيْغٌ فَيَتَّبِعُونَ مَا تَشَابَهَ مِنْهُ ابْتِغَاءَ الْفِتْنَةِ وَابْتِغَاءَ تَأْوِيلِهِ ۚ وَمَا يَعْلَمُ تَأْوِيلَهُ إِلَّا اللَّهُ ۗ وَالرَّاسِخُونَ فِي الْعِلْمِ يَقُولُونَ آمَنَّا بِهِ ۚ كُلٌّ مِّنْ عِنْدِ رَبِّنَا ۚ وَمَا يَذَّكَّرُ إِلَّا أُولُو الْأَلْبَابِ ۖ (وہی ہے جس نے آپ پر کتاب اتاری جس کی کچھ آیات محکم ہیں اور وہ کتاب کی اصل ہیں۔ اور دوسری متشابہات ہیں پس جن لوگوں کے دلوں میں میڑھ ہے وہ متشابہات کے پیچھے چلتے ہیں۔ فتنہ پیدا کرنے کی غرض سے اور (مرضی کے موافق) اس کی تاویل ڈھونڈنے کی غرض سے۔ حالانکہ اس کی اصل مراد اللہ تعالیٰ ہی جانتے ہیں اور جو لوگ علم میں مضبوط ہیں وہ کہتے ہیں سب ہمارے رب کی طرف سے ہے اور صرف صحیح عقل والے ہی اس سے نصیحت حاصل کرتے ہیں) (الکتاب سے مراد قرآن مجید ہے۔ منہ من بیان یہ ہے اور ضمیر قرآن مجید کی طرف لوٹتی ہے۔ مراد قرآن مجید ہی ہے۔ محکمات۔ جس کی عبارت محکم ہے کسی احتمال و اشتباہ سے محفوظ ہن ام الکتاب۔ وہ کتاب کی اصل ہیں کہ متشابہات کو انکی طرف پھیرا جائے گا۔ اور ان کے مطابق مراد لیجائے گی۔ اُخَرُ یعنی دوسری آیات اس کا موصوف آیات مخذوف ہے۔

متشابہات کی توضیح:

مُتَشَبِّهَاتٌ، احتمال و اشتباہ والی۔ اس کی مثال سورہ طہ کی آیت نمبر ۵ الرحمن علی العرش استوی ہے پس استواء تو جلوس یعنی بیٹھنے کے معنی میں ہوتا ہے اور قدرت و غلبہ کے معنی بھی آتے ہیں اور پہلا معنی اللہ تعالیٰ کی ذات کے متعلق محکم دلیل اور

لیس کمثلہ شیء۔ (الشوریٰ آیت نمبر ۱۱)

دوسرا قول: محکم وہ ہے جس کا حکم ہر منزلہ کتاب میں دیا گیا ہو۔ جیسا کہ سورۃ الانعام کی آیت نمبر ۱۵۱، قُلْ تَعَالَوْا اَتْلُ مَا حَرَّمَ رَبِّكُمْ عَلَيْكُمْ، الایہ۔ میں فرمایا سورۃ الاسراء آیت نمبر ۲۳ وَقَضٰی رَبُّكَ اَلَّا تَعْبُدُوْا اِلَّا اِيَّاهُ۔ اور متشابہ وہ ہے جو اس کے علاوہ آیات ہیں۔ یا متشابہ کی ایک قسم وہ ہے جس میں ایک ہی جانب کا احتمال ہو۔ دوسری قسم یا جس میں کئی طرح کا احتمال ہو یا ایک قسم متشابہ کی وہ ہے جس کی تاویل معلوم ہو سکے یا ناخ مراد ہے جس پر عمل ہوتا ہو اور منسوخ جس پر عمل نہ ہوتا ہو۔

تمام قرآن کی آیات محکم نہیں لائی گئیں بلکہ متشابہ بھی لائی گئیں کیونکہ اس میں ان لوگوں کیلئے ابتلاء اور امتحان ہے جو حق پرست اور متزلزل ہیں۔

متشابہات کے معانی معلوم کرنے کے لیے علماء کا باہمی رد و قدح اور طبائع کا اس میں تھکانا اور پھر محکم کی طرف اس کا لوٹنا اس میں بہت سے عظیم الشان فوائد حاصل ہوتے ہیں اور بہت سا علم میسر آتا ہے اور اللہ تعالیٰ کے ہاں درجات قرب حاصل ہوتے ہیں۔

نکتہ: قرآن مجید کی تمام آیات کے محکم ہونے کا مطلب فساد معنی سے پاک ہونا ہے اور اسی طرح متشابہ ہونے کا مطلب حسن و کمال میں ایک جیسا ہونا ہے اور بعض آیات کے محکم ہونے کا مطلب ان کے معانی کا واضح ہونا ہے اور متشابہ کا مطلب ان کے معانی کا مخفی ہونا ہے۔

اہل بدعت کا طرز عمل:

فَاَمَّا الَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ زَيْغٌ۔ میڑھ کا مطلب حق سے مائل ہونا ہے اور اس کا مصداق اہل بدعت ہیں۔ فَيَتَّبِعُوْنَ مَا تَشَابَهَ یعنی وہ متشابہ کا وہ معنی اختیار کرتے ہیں جس میں احتمال ہے اور اہل بدعت کے طرز عمل کے ساتھ موافقت رکھتا ہے اور محکم سے مطابقت نہیں رکھتا اور نہ ہی اہل حق کے قول سے موافقت کرنے والا ہے۔ مِنْهُ اِبْتِغَاءُ الْفِتْنَةِ وہ متشابہات کے پیچھے اس لئے لگتے ہیں تاکہ مسلمانوں میں دین کے سلسلہ میں فتنہ پیدا کریں اور ان کو گمراہ کریں۔ وَابْتِغَاءُ تَاْوِيْلِهِ وہ متشابہات کے پیچھے اس لیے پڑتے ہیں تاکہ اپنی خواہشات کے مطابق اس کی تاویل کریں۔ وَمَا يَعْلَمُ تَاْوِيْلَهُ اِلَّا اللّٰهُ حالانکہ متشابہات کی اصل مراد و منشاء کو سوائے اللہ تعالیٰ کے کوئی نہیں جانتا۔ وَالرُّسُخُوْنُ فِي الْعِلْمِ اور وہ لوگ جو علم میں پختہ کار یعنی جیسے ہوئے ہیں اور اس پر پورا قابو ہے ان کو اس پر شبہ ہوتا ہی نہیں بلکہ مضبوط دائرہوں سے اس کو پکڑنے والے ہیں۔

نحوی تحقیق:

مخبر: جمہور کے ہاں یہ جملہ مستانفہ ہے اور وقف الا للہ پر لازم ہے اسلئے متشابہ اس کو کہتے ہیں۔ جس کا علم اللہ تعالیٰ ہی کو ہے۔

جمہور کے ہاں وَالرُّسُخُوْنُ فِي الْعِلْمِ مبتداء اور يَقُولُوْنَ اٰمَنَّا بِہ یہ خبر ہے اور اس میں راسخین کے ایمان قلبی پر مدح و ثناء کی گئی ہے اور کیفیت کا سوال کرنے کے بغیر اس کی حقانیت کے اعتقاد کو سراہا گیا۔

رَبَّنَا لَا تُرِغْ قُلُوبَنَا بَعْدَ إِذْ هَدَيْتَنَا وَهَبْ لَنَا مِنْ لَدُنْكَ رَحْمَةً ۚ

اے ہمارے رب! ہمارے دلوں کو کچ نہ کر دیجئے اس کے بعد کہ آپ نے ہم کو ہدایت دی، اور ہمیں اپنے پاس سے بڑی رحمت عطا فرمائیے!

إِنَّكَ أَنْتَ الْوَهَّابُ ۝ رَبَّنَا إِنَّكَ جَامِعُ النَّاسِ لِيَوْمٍ لَا رَيْبَ فِيهِ ۚ إِنَّ

بے شک آپ بہت بڑے عطا فرمانے والے ہیں، اے ہمارے رب! بیشک آپ لوگوں کو اس دن میں جمع فرمانے والے ہیں جس میں کوئی شک نہیں۔ بیشک

اللَّهُ لَا يُخْلِفُ الْمِيعَادَ ۙ

اللہ وعدہ خلافی نہیں فرماتا۔

متشابہ کے نزول کا فائدہ:

سوال: متشابہات کے نزول کا کیا فائدہ ہے جبکہ اس کی حقیقی مراد معلوم نہیں۔

جواب: اللہ تعالیٰ کی جو اس سے مراد ہے اس کی حقانیت پر ایمان و اعتقاد کرنے کا امتحان اور انسانوں کا ان چیزوں کے معلوم کرنے سے قاصر رہنا جو اللہ تعالیٰ نے نہیں بتلائی اور مقرر کی۔

حضرت ابی ابن کعب رضی اللہ عنہ کی قراءت اس کی تائید کرتی ہے۔

قراءت: ویقول الراسخون اور حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی قراءت ان تاویلہ الا عند اللہ۔

دوسرا قول: بعض وقف نہیں کرتے۔ اس لیے وہ کہتے ہیں کہ راسخین فی العلم متشابہ کو جانتے ہیں مگر یہ قول سیاق قرآن سے موافقت نہیں کرتا۔ (بغوی)

مخبر: ویقولون یہ جملہ متنافہ ہے اور راسخین سے حال ہے۔ معنی یہ ہوگا یہ تاویل کا علم رکھنے والے کہتے ہیں ہم متشابہ پر یا مکمل کتاب پر ایمان رکھتے ہیں کل من عند ربنا ہر ایک متشابہ ہو یا محکم وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے جو کہ حکیم ہیں وہ حکمت والا جس کے کلام میں تناقض نہیں۔

وما یدکر اور نصیحت حاصل نہیں کرتے یہ اصل میں یتذکر ہے۔

إِلَّا أُولَ الْأَلْبَابِ مگر صرف عقلوں والے ہی اس میں راسخین کے عمدہ ذہن اور حسن تامل کی تعریف کی گئی ہے۔

بعض نے کہا کہ یقولون یہ راسخین سے حال ہے۔

ترغیب دُعا:

۸: رَبَّنَا لَا تُرِغْ قُلُوبَنَا بَعْدَ إِذْ هَدَيْتَنَا وَهَبْ لَنَا مِنْ لَدُنْكَ رَحْمَةً ۚ إِنَّكَ أَنْتَ الْوَهَّابُ ۚ رَبَّنَا لَا تُرِغْ قُلُوبَنَا بَعْدَ

إِذْ هَدَيْتَنَا: (اے ہمارے رب تو ہمارے دلوں کو حق سے نہ پھیر کہ ان میں میڑھا پن پیدا ہو جائے) بَعْدَ إِذْ هَدَيْتَنَا (اس کے بعد

إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا لَنْ تُغْنِيَ عَنْهُمْ أَمْوَالُهُمْ وَلَا أَوْلَادُهُمْ مِنَ اللَّهِ

بے شک جن لوگوں نے کفر کیا ان کے مال اور اولاد اللہ کے نزدیک کچھ بھی کام نہیں آئیں

شَيْئًا وَأُولَٰئِكَ هُمْ وَقُودُ النَّارِ ۝ كَذَابِ آلِ فِرْعَوْنَ ۖ وَالَّذِينَ مِنْ

کے، اور یہ لوگ وہ ہیں جو دوزخ کا ایندھن ہیں ان کا طریقہ وہی ہے جو آل فرعون کا اور ان لوگوں کا تھا جو ان سے

قَبْلِهِمْ ۖ كَذَّبُوا بِآيَاتِنَا ۖ فَآخَذَهُمُ اللَّهُ بِذُنُوبِهِمْ ۖ وَاللَّهُ شَدِيدُ

پہلے تھے، ان لوگوں نے ہماری آیات کو جھٹلایا۔ سو اللہ نے ان کو پکڑ لیا ان کے گناہوں کی وجہ سے، اور اللہ سخت

الْعَنْكَابِ ۝

عذاب والا ہے۔

کہ تو نے محکم پر عمل اور متشابہ کو تسلیم کرنے کی طرف راہنمائی فرمائی) وَهَبْ لَنَا مِنْ لَدُنْكَ رَحْمَةً (اور تو اپنی طرف سے توفیق و ثابت قدمی کی نعمت عنایت فرما) إِنَّكَ أَنْتَ الْوَهَّابُ (بیشک آپ وہاب ہیں) یعنی بہت زیادہ مہربان کرنے والے ہیں۔ یہ آیت راسخین کا مقولہ ہے اور جملہ مستانفہ ہونے کا بھی احتمال ہے یعنی تم اس طرح دعا کرو۔ اور بعد والا جملہ بھی اسی طرح ہے۔

الہ ہونا اور وعدہ خلافی متضاد ہیں:

۹ رَبَّنَا إِنَّكَ جَامِعُ النَّاسِ لِيَوْمٍ لَّا رَيْبَ فِيهِ إِنَّ اللَّهَ لَا يُخْلِفُ الْمِيعَادَ۔ رَبَّنَا إِنَّكَ جَامِعُ النَّاسِ لِيَوْمٍ (اے ہمارے رب بے شک آپ لوگوں کو جمع کرنے والے ہیں اس دن میں) یعنی لوگوں کو آپ حساب کے لیے جمع کرنے والے ہیں۔ قیامت کے دن یا قیامت کے فیصلے کے لیے۔ لَا رَيْبَ فِيهِ (جس کے واقع ہونے میں شک نہیں) إِنَّ اللَّهَ لَا يُخْلِفُ الْمِيعَادَ (بے شک اللہ تعالیٰ وعدے کی خلاف ورزی نہیں فرماتے) میعاد کے معنی وعدہ ہے مطلب یہ ہے کہ الوہیت وعدے کی خلاف ورزی کے منافی ہے جیسے کہتے ہیں۔ ان الجواد لا یخیب سائلہ حتی اپنے سائل کو نا کام نہیں کرتا، یعنی اللہ تعالیٰ نے جو وعدہ مسلمانوں اور کفار سے ثواب و عقاب کا کیا ہے اس کی خلاف ورزی نہ فرمائیں گے۔

۱۰ إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا لَنْ تُغْنِيَ عَنْهُمْ أَمْوَالُهُمْ وَلَا أَوْلَادُهُمْ مِنَ اللَّهِ شَيْئًا وَأُولَٰئِكَ هُمْ وَقُودُ النَّارِ۔ إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا (بے شک جو لوگ کافر ہوئے) رسول کا انکار کر کے لَنْ تُغْنِيَ عَنْهُمْ (ہرگز ان کو فائدہ نہیں دیں گے) یا ان سے ہرگز نہ رہیں گے۔ أَمْوَالُهُمْ وَلَا أَوْلَادُهُمْ مِنَ اللَّهِ (ان کے مال و اولاد اللہ تعالیٰ کے عذاب سے بچانے کیلئے) یا چھڑانے کے لیے شَيْئًا (کچھ بھی) فائدہ نہ دینا۔ وَأُولَٰئِكَ هُمْ وَقُودُ النَّارِ (وہ لوگ اس آگ کا ایندھن ہوں گے)۔

۱۱ كَذَابِ آلِ فِرْعَوْنَ وَالَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ كَذَّبُوا بِآيَاتِنَا فَآخَذَهُمُ اللَّهُ بِذُنُوبِهِمْ، وَاللَّهُ شَدِيدُ الْعِقَابِ۔ كَذَابِ آلِ

قُلْ لِلَّذِينَ كَفَرُوا سِتْغَلْبُونَ وَتُحْشَرُونَ إِلَىٰ جَهَنَّمَ ۖ وَيَبُسُ الْمِهَادُ ۝۱۲

آپ ان لوگوں سے فرما دیجئے جنہوں نے کفر کیا کہ عنقریب تم مغلوب ہو گے اور جمع کئے جاؤ گے دوزخ کی طرف اور وہ برا کچھونا ہے۔

قَدْ كَانَ لَكُمْ آيَةٌ فِي فِتْنَتِیْنِ الْقَتَا ۖ فِئَةُ تَقَاتِلُ فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَ أُخْرَىٰ

بلاشبہ تمہارے لئے نشانی تھی ان دو جماعتوں میں جو آپس میں مقابل ہوئیں ایک جماعت لڑ رہی تھی اللہ کی راہ میں اور دوسری جماعت

کافروں پر و انہم مثلیہم رآی العین ۖ وَاللَّهُ يُؤَيِّدُ بِنَصْرِهِ مَنْ يَشَاءُ ۖ اِنَّ

کافر تھی، وہ دیکھتی آنکھوں مسلمانوں کی جماعت کو دو گنی دیکھ رہے تھے اور اللہ تعالیٰ اپنی مدد کے ساتھ جس کو چاہے تائید فرماتا ہے۔ بلاشبہ

فِي ذٰلِكَ لَعِبْرَةٌ لِّاُولِي الْاَبْصَارِ ۝۱۳

اس میں ضرور بڑی عبرت ہے ان لوگوں کے لیے جو آنکھوں والے ہیں۔

فِرْعَوْنُ وَالَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ (انکی عادات فرعون اور جو ان سے پہلے ہوئے ان جیسی ہیں) الدّٰب کا لفظ دّٰب فی العمل سے لیا گیا۔ جبکہ اس میں کوشش کرے۔ پس انسان کی حالت و کیفیت کی جگہ اس کو لایا گیا۔

نحو و قراءت:

کاف محلاً مرفوع ہے تقدیر عبارت یہ ہے۔ ذّٰب هُوَ لَاءِ الْكُفْرَةِ فِي تَكْذِیْبِ الْحَقِّ كَدّٰبٌ مِنْ قَبْلِهِمْ مِنْ اَلِ فرعون وغیرہم کہ ان کفار کا طرز عمل حق کو جھٹلانے میں آل فرعون وغیرہ کی طرح ہے۔

یا یہ کاف محلاً منصوب ہے عامل لَنْ تَغْنَىٰ ہے۔ یعنی لَنْ تَغْنَىٰ عَنْهُمْ مِثْلُ مَا لَمْ تَغْنِ عَنْ اُولٰٓئِكَ اِنْ كُوْنُوْهُمُ کُوْنُوْا شَيْءًا مِّنْ اَشْیَءِ کِی۔ جیسے ان کو کام نہ آئی۔

قراءت: کدّٰب یہ ابو عمرو کے ہاں بلا ہمزہ پورے قرآن میں پڑھا جائے گا۔

سوال مقدر کا جواب:

كَذَّبُوْا بِالْحَقِّ (انہوں نے ہماری آیات کو جھٹلایا) یہ دابہم کی تفسیر ہے یا جو ان کا انجام ہونے والا ہے اس کی تفسیر ہے۔ اس صورت میں یہ ایک سوال مقدر کا جواب بنے گا جو ان کے حالات کے متعلق پیدا ہوتا ہے کہ انکی حالت کس طور پر ان جیسی ہے اس حال میں کہ انہوں نے جھٹلایا ہماری آیات کو، فَآخَذَهُمُ اللّٰهُ بِذُنُوْبِهِمْ پس اللہ تعالیٰ نے ان کو گناہوں کی پاداش میں پکڑ لیا) یعنی پکڑ کا سبب گناہ تھے، عرب کہتے ہیں اخذتہ بكذا یعنی میں نے اس پر اس کو سزا دی، بدلہ دیا۔ وَاللّٰهُ شَدِيْدُ الْعِقَابِ: اللہ تعالیٰ سخت بدلہ والے ہیں) یعنی اس کا بدلہ بڑا سخت ہے۔ یہ اضافت اضافت محضہ نہیں ہے۔

۱۲: قُلْ لِلَّذِينَ كَفَرُوا سِتْغَلْبُونَ وَتُحْشَرُونَ إِلَىٰ جَهَنَّمَ ۖ وَيَبُسُ الْمِهَادُ۔ (آپ کفار کو کہہ دیں)

کفار سے مراد یہاں مشرکین مکہ ہیں۔ سَتَغْلِبُوْنَ (عنقریب تم مغلوب ہو گے) یعنی بدر کے دن۔ وَتُحْشَرُوْنَ اِلٰی جَهَنَّمَ (اور تم کو جہنم کی طرف جمع کیا جائے گا) یعنی گہرے کنوئیں سے جہنم کی طرف اکٹھا کریں گے۔
قراءت: حمزہ و علی نے تُحْشَرُوْنَ کو یاء سے يُحْشَرُوْنَ پڑھا ہے۔

اس طرح ستغلبون کو سیغلبون۔ وَبَشَسَ الْمِهَادُ (اور وہ بدترین ٹھکانہ ہے) مہاد مستقر کو کہتے ہیں اور وہ جہنم ہے۔
۱۳: قَدْ كَانَ لَكُمْ اٰیَةٌ فِی فِتْنَتِیْنِ الثَّقَاتِ فِئْتَقَاتِلْ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ وَآخِرٰی كَافِرَةٍ تَرَوْنَهُمْ مِّثْلِهِمْ رَاٰی الْعِیْنَ وَاللّٰهُ یُوَدِّدُ بِنَصْرِہٖ مَنْ یَّشَآءُ اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَعِبْرَةً لِّاُولِی الْاَبْصَارِ۔ قَدْ كَانَ لَكُمْ اٰیَةٌ (تمہارے لئے بڑا نمونہ ہے) کُم سے خطاب مشرکین مکہ کو ہے۔ فِی فِتْنَتِیْنِ الثَّقَاتِ (ان دو گروہوں میں جو آپس میں ملے) یعنی بدر کے دن (معرکہ آراء ہوئے) فِئْتَقَاتِلْ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ (ایک گروہ اللہ تعالیٰ کی راہ میں لڑتا ہے) اور وہ مؤمن ہیں وَآخِرٰی كَافِرَةٍ (دوسرا گروہ) كَافِرَةٍ تَرَوْنَهُمْ مِّثْلِهِمْ (کافر ہے جو ان کو اپنے سے دو گنا دیکھتا ہے) نمبر ۱۔ یعنی مشرک مسلمانوں کو اپنی تعداد سے دو گنا یعنی دو ہزار دیکھتے ہیں۔
نمبر ۲: مسلمانوں کی تعداد سے دو گنا چھ سو چھپیس یا اٹھائیس، اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کی تعداد کفار کو دو گنی کرب کے دکھائی تاکہ کفار مرعوب ہوں۔ اور مسلمانوں کے ساتھ لڑنے میں بزدل ہو جائیں۔

قراءت: تَرَوْنَهُمْ نافع نے پڑھا۔ مطلب یہ ہوا۔ نمبر ۱۔ اے مشرکین قریش تم مسلمانوں کو اپنے کافر گروپ سے دو مثل دیکھتے تھے۔ نمبر ۲: ان مسلمانوں کی ذاتی تعداد سے دو گنا دیکھتے تھے اور یہ مفہوم سورہ انفال کی اس آیت کے مخالف نہیں وَیَقْلِلُکُمْ فِیْ اَعْیُنِہُمْ (الانفال ۴۴) (وہ تمہیں تھوڑا دکھا رہا تھا ان کفار کی آنکھوں میں) کیونکہ ابتداء میں کفار نے مسلمانوں کی تعداد کو قلیل دیکھا تھی تو جرات مند ہو کر لڑنے لگے۔ جب حملہ آور ہو گئے تو مسلمانوں کی تعداد کو زیادہ دکھایا یہاں تک کہ کفار مغلوب ہو گئے۔ گویا قلیل و تکثیر دو مختلف حالتوں میں واقع ہوئی۔ اس کی نظیر کہ مختلف حالات پر محمول کیا جائے۔ یہ آیت ہے۔ فِیَوْمَئِذٍ لَا یُسْئَلُ عَنْ ذُنُوبِہٖ اِنْسٌ وَّ لَا جَانٌّ۔ [الرحمن ۳۹] اور دوسری آیت وَقَفُّوْهُمْ اِنَّہُمْ مَّسْنُوْلُوْنَ (الصافات ۲۴) ایک آیت میں سوال کا ہونا اور دوسری میں سوال کا نہ ہونا مذکور ہے۔ اور اس سے الگ الگ حالتیں مراد ہیں)

انکی قلت و کثرت ظاہر کرنا قدرت کو زیادہ ظاہر کرنے والا ہے۔ اور نشان قدرت اس سے زیادہ واضح ہوتا ہے۔
مَحْجُوْرٌ: مثلیہم حال ہونے کی وجہ سے منصوب ہے۔ کیونکہ یہ دیکھنا آنکھوں سے تھا جیسا کہ رَاٰی الْعِیْنَ سے ظاہر ہو رہا ہے۔ رَاٰی الْعِیْنَ کا معنی کھلی آنکھوں سے جسمیں کوئی التباس نہ تھا۔ وَاللّٰهُ یُوَدِّدُ بِنَصْرِہٖ مَنْ یَّشَآءُ (اور اللہ تعالیٰ اپنی نصرت سے جسکی چاہتے ہیں مدد کرتے ہیں) جیسا کہ اہل بدر کی تعداد دشمن کی آنکھوں میں زیادہ کر کے نصرت فرمائی۔ اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ۔ (اس میں) یعنی تکثیر و قلیل میں لَعِبْرَةً لِّاُولِی الْاَبْصَارِ (نصیحت ہے بصیرت والوں کیلئے)

زَيْنَ النَّاسِ حُبُّ الشَّهَوَاتِ مِنَ النِّسَاءِ وَالْبَنِينَ وَالْقَنَاطِيرِ الْمُقَنْطَرَةِ

خوش نما بنا دی گئی ہے لوگوں کے لیے خواہشوں کی محبت یعنی عورتیں اور بیٹے اور بڑے بھاری مال

مِنَ الذَّهَبِ وَالْفِضَّةِ وَالْخَيْلِ الْمُسَوَّمَةِ وَالْأَنْعَامِ وَالْحَرْثِ ذَلِكَ مَتَاعُ

سونے کے اور چاندی کے اور نشان لگائے ہوئے گھوڑے اور مویشی اور کھیتیاں، یہ دنیا والی زندگی

الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَاللَّهُ عِنْدَهُ حُسْنُ الْمَاٰبِ ۝۱۴

اور اللہ کے پاس ہے اچھا ٹھکانہ:

کافائدہ اٹھانا ہے

۱۴: زَيْنَ النَّاسِ حُبُّ الشَّهَوَاتِ مِنَ النِّسَاءِ وَالْبَنِينَ وَالْقَنَاطِيرِ الْمُقَنْطَرَةِ مِنَ الذَّهَبِ وَالْفِضَّةِ وَالْخَيْلِ الْمُسَوَّمَةِ وَالْأَنْعَامِ وَالْحَرْثِ ذَلِكَ مَتَاعُ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَاللَّهُ عِنْدَهُ حُسْنُ الْمَاٰبِ۔ زَيْنَ النَّاسِ (لوگوں کیلئے مزین کر دیا گیا) جمہور کے نزدیک مزین کرنے والے اللہ تعالیٰ ہیں جیسا کہ اس ارشاد میں اِنَّا جَعَلْنَا مَا عَلَى الْاَرْضِ زِينَةً لِّهَا لِنَبْلُوهُمْ (الکہف۔ ۷) (بیشک ہم نے زمین کیلئے جو کچھ اس پر ہے اس کو زینت بنایا تاکہ ہم ان کو آزمائیں) مجاہد کی قراءت اس کی دلیل ہے۔ زَيْنَ النَّاسِ میں فعل معروف کے ساتھ مذکور ہے۔ حضرت حسن ؓ سے فاعل الشیطان بھی مذکور ہے۔

ذریعہ شہوات کو شہوات کہا:

حُبُّ الشَّهَوَاتِ (خواہشات کی محبت) شہوت، کسی چیز کی طرف نفس کی شدید خواہش نمبر ۱۔ وہ اعیان جو ذریعہ شہوات ہیں ان کو مبالغہ خود شہوات کہہ دیا۔ نمبر ۲۔ ان اسباب کو شہوات کہہ کر انکی حقارت و خست کی طرف اشارہ کیا کیونکہ شہوت حکماء کی نگاہ میں رذالت ہے اور اس کا پیرو کار قابل مذمت ہے اور اپنے نفس پر بہیمیت کی گواہی دینے والا ہے۔ اور مشاہدہ کرنے والا ہے۔ مِنَ النِّسَاءِ (عورتوں سے) اس میں لونڈیاں بھی داخل ہیں۔ وَالْبَنِينَ (اور بیٹوں سے) یہ ابن کی جمع ہے۔ اس مقام کے علاوہ یہ مذکور مؤنث ہر دو کیلئے استعمال ہوتا ہے۔

یہاں صرف بیٹے مراد ہیں۔ کیونکہ طبیعت میں انکی طلب زیادہ ہوتی ہے اور عموماً دفاع بھی ماں باپ کی طرف سے یہی کرتے ہیں۔

وَالْقَنَاطِيرِ الْمُقَنْطَرَةِ (اور جمع شدہ خزانے) یا مدفون خزانے۔ مِنَ الذَّهَبِ وَالْفِضَّةِ: (سونے چاندی سے)

لطیف نکتہ:

سونے کو ذہب اس لئے کہا جاتا ہے کہ یہ خرچ کرنے سے جلد زائل ہو جاتا ہے۔ اور فضہ کو فضہ کہنے کی وجہ یہ ہے۔ وہ خرچ سے متفرق و منتشر ہو جاتی ہے۔

لفض: تفریق کو کہا جاتا ہے۔ وَالْخَيْلِ الْمُسَوَّمَةِ (اور نشاندار گھوڑے)۔

قُلْ أُوْنِبْتُكُمْ بِخَيْرٍ مِّنْ ذٰلِكُمْ ۖ لِلَّذِيْنَ اتَّقَوْا عِنْدَ رَبِّهِمْ جَنَّاتٌ تَجْرٰى مِنْ

آپ فرمادیجئے کیا میں تم کو اس سے بہتر بتا دوں؟ جن لوگوں نے تقویٰ اختیار کیا ان کے لئے ان کے رب کے پاس باغ ہیں جن کے نیچے نہریں

تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا وَاَنْرَاجٌ مُّطَهَّرَةٌ وَرِضْوَانٌ مِّنَ اللّٰهِ ۚ

جاری ہیں ان میں ہمیشہ رہیں گے، اور بیویاں ہیں پاکیزہ، اور رضا مندی ہے اللہ کی طرف سے،

وَاللّٰهُ بَصِيْرٌ بِالْعِبَادِ ۝۱۵ الَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا اِنَّا اٰمَنَّا فَاغْفِرْ لَنَا

اور اللہ بندوں کو دیکھنے والا ہے۔ یہ وہ لوگ ہیں جو کہتے ہیں کہ اے ہمارے رب بلاشبہ ہم ایمان لائے لہذا بخش دے

ذُنُوْبَنَا وَقِنَا عَذَابَ النَّارِ ۝۱۶ الصّٰبِرِيْنَ وَالصّٰدِقِيْنَ وَالْقٰنِتِيْنَ

ہمارے گناہوں کو اور ہمیں دوزخ کے عذاب سے بچا دے یہ لوگ صبر کرنے والے ہیں، اور سچے ہیں، اور حکم ماننے والے ہیں،

وَالْمُنْفِقِيْنَ وَالْمُسْتَغْفِرِيْنَ بِالْاَسْحَارِ ۝۱۷

اور خریج کرنے والے ہیں، اور راتوں کے پچھلے حصوں میں مغفرت طلب کرنے والے ہیں۔

نکتہ: خیل کو خیل کہنے کی وجہ کیونکہ وہ ناز و انداز سے چلتے ہیں۔ مَؤْمَہ کا معنی نشان زدہ۔ السومہ علامت کو کہتے ہیں۔ یا چرنے والے یہ اسام الدابة و سؤمہا سے ماخوذ ہوگا۔ وَالْاَنْعَامِ (اور چوپائے) اس سے مراد وہ آٹھ قسمیں ہیں (جن کا تذکرہ سورہ انعام میں ہے) وَالْحَرْثِ (اور کھیتی) ذٰلِكَ (یہ) مراد مذکورہ اشیاء۔ مَتَاعُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا (دنیا کی زندگی کا سامان ہے) جن سے دنیا میں انسان نفع اٹھاتا ہے۔ وَاللّٰهُ عِنْدَهُ حُسْنُ الْمَاٰبِ۔ (اور اللہ تعالیٰ ہی کے ہاں اچھا ٹھکانہ ہے) مآب لوٹنے کی جگہ کو کہتے ہیں۔

۱۵: قُلْ أُوْنِبْتُكُمْ بِخَيْرٍ مِّنْ ذٰلِكُمْ لِلَّذِيْنَ اتَّقَوْا عِنْدَ رَبِّهِمْ جَنَّاتٌ تَجْرٰى مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا وَاَنْرَاجٌ مُّطَهَّرَةٌ وَرِضْوَانٌ مِّنَ اللّٰهِ وَاللّٰهُ بَصِيْرٌ بِالْعِبَادِ۔ پھر ان کو دنیا میں زہد کا حکم دیا اور فرمایا کہ میں تمہیں اس سے بہتر کی اطلاع و خبر نہ دوں۔ قُلْ أُوْنِبْتُكُمْ بِخَيْرٍ مِّنْ ذٰلِكُمْ، (آپ فرمادیں کیا میں تم کو ایسی چیز بتا دوں جو بہتر ہے ان تمام چیزوں سے) ان تمام سے بہتر جو مذکور ہوئیں۔ لِلَّذِيْنَ اتَّقَوْا عِنْدَ رَبِّهِمْ جَنَّاتٌ۔ (متقین کیلئے ان کے رب کے ہاں باغات ہیں)

نحوہ: یہ جملہ متانفہ ہے۔ اس میں اس بات کی طرف دلالت ہے کہ یہ چیز مذکورہ چیزوں سے بہت بہتر ہے۔ جَنَّتٌ مبتدا اور لِلَّذِيْنَ اتَّقَوْا اس کی خبر ہے۔ تَجْرٰى مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ (جن کے نیچے نہریں جاری ہیں) یہ جَنَّتٌ کی صفت ہے۔ اور للذین کالام خیر کا متعلق بھی بن سکتا ہے۔

وجہ تخصیص:

مستقین کو جنت کے ساتھ خاص کرنے کی وجہ یہ ہے کہ وہ جنات سے فائدہ حاصل کرنے والے ہیں۔
مَحْجُوْرٌ: جنات کو مرفوع بھی پڑھ سکتے ہیں۔ مبتداء ہو محذوف ہے۔ جنہوں نے جنات کو کسرہ سے پڑھا۔ وہ اس کا مؤید ہے۔ کیونکہ اس صورت میں خیر سے بدل ہے۔ خَلِدَيْنَ فِيْهَا وَ اَزْوَاجٌ مُّطَهَّرَةٌ وَ رِضْوَانٌ مِّنَ اللّٰهِ (وہ ان میں ہمیشہ رہنے والے ہیں ان میں پاکیزہ بیویاں ہیں اور اللہ تعالیٰ کی رضا مندی) رضوان کا معنی رضائے الہی ہے۔ وَاللّٰهُ بَصِيْرٌ بِالْعِبَادِ (اور اللہ اپنے بندوں کو دیکھنے والے ہیں) ان کے اعمال سے واقف ہیں۔ پس انہیں بدلہ عنایت فرمائیں گے۔ یا مستقین کو اللہ تعالیٰ دیکھنے والے اور ان کے احوال سے واقف ہیں۔ اسی لئے ان کے لئے باغات تیار کیے۔

۱۶: اَلَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا اِنَّا اٰمَنَّا فَاغْفِرْ لَنَا ذُنُوْبَنَا وَفِنَا عَذَابَ النَّارِ۔ الَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ: (وہ لوگ جو کہتے ہیں)
مَحْجُوْرٌ: یہ امدح فعل کی وجہ سے منصوب ہے یا محذوف مبتداء کی خبر ہونے کی بناء پر مرفوع ہے یا مستقین کی صفت ہونے کی وجہ سے مجرور ہے۔ عباد کی صفت ہونے کی وجہ سے مجرور ہے۔ رَبَّنَا اِنَّا اٰمَنَّا (اے ہمارے رب ہم ایمان لائے) تیری دعوت کو قبول کرتے ہوئے۔ فَاغْفِرْ لَنَا ذُنُوْبَنَا (تو ہمارے گناہ ہمیں بخش دے) اپنے وعدے کو پورا کرتے ہوئے۔ وَفِنَا عَذَابَ النَّارِ (اور ہمیں آگ کے عذاب سے بچا) اپنے فضل و کرم سے

صفات صالحین:

۷۱: الصّٰبِرِيْنَ وَ الصّٰدِقِيْنَ وَ الْقٰنِتِيْنَ وَ الْمُتَّقِيْنَ وَ الْمُتَّعِفِيْنَ بِاَلْسَحَارِ۔ الصّٰبِرِيْنَ (وہ صبر کرنے والے ہیں۔ طاعات پر اور مصائب پر

مَحْجُوْرٌ: یہ بھی امدح فعل کا مفعول ہونے کی وجہ سے منصوب ہے۔

وَ الصّٰدِقِيْنَ (وہ سچ بولنے والے) حق بات کہہ کر زبانی سچ اور احکام پر عمل کر کے فعلی سچ اور پختہ ارادہ پورا کر کے نیت سے سچائی اختیار کرنے والے ہیں۔ وَ الْقٰنِتِيْنَ (اور عاجزی کرنے والے ہیں) دعوت دینے والے ہوں یا اطاعت اختیار کرنے والے ہوں وَ الْمُتَّقِيْنَ (اور وہ خرچ کرنے والے ہیں) وَ الْمُتَّعِفِيْنَ بِاَلْسَحَارِ (اور سحری کے وقت استغفار کرنے والے ہیں) یعنی نماز پڑھنے والے یا مغفرت طلب کرنے والے۔

تخصیص سحر کی وجہ:

سحری کے وقت کو خاص کرنے کی وجہ یہ ہے کہ یہ قبولیت دعا کا وقت ہے اور خلوت کا وقت بھی ہے۔ حضرت لقمان علیہ السلام نے اپنے بیٹے کو فرمایا۔ اے بیٹے! مر غاتم سے زیادہ عقل مند ثابت نہ ہو کیونکہ وہ تو سحری کے وقت اذان دے اور تو سویا رہے۔

شَهِدَ اللّٰهُ اَنَّهُ لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ وَالْمَلٰٓئِكَةُ وَاُولُو الْعِلْمِ قَائِمًا بِالْقِسْطِ ۚ لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ

اللہ نے گواہی دی کہ بلاشبہ کوئی معبود نہیں اس کے سوا، اور فرشتوں نے اور اہل علم نے، وہ انصاف کے ساتھ قائم ہے۔ کوئی معبود نہیں مگر وہی،

الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ۙ اِنَّ الدِّيْنَ عِنْدَ اللّٰهِ الْاِسْلَامُ ۚ وَمَا اخْتَلَفَ الَّذِيْنَ اُوْتُوْا

وہ غالب والا ہے حکمت والا ہے، بے شک دین اللہ کے نزدیک اسلام ہی ہے اور نہیں اختلاف کیا ان لوگوں نے جن کو

الْكِتٰبَ الْاَمْرُ ۚ بَعْدَ مَا جَاءَهُمُ الْعِلْمُ بَغْيًا بَيْنَهُمْ ۚ وَمَنْ يَّكْفُرْ بِآيٰتِ اللّٰهِ

کتاب دی گئی مگر اس کے بعد کہ ان کے پاس علم آ گیا محض آپس میں ضد ضدی کی وجہ سے، اور جو شخص اللہ کی آیات

فَاِنَّ اللّٰهَ سَرِيْعُ الْحِسَابِ ۙ فَاِنْ حَاجُّوْكَ فَقُلْ اَسْلَمْتُ وَجْهِيَ لِلّٰهِ وَمَنِ

کا انکار کرے سو اللہ جلد حساب لینے والا ہے، سو اگر وہ آپ سے حجت بازی کریں تو آپ فرمادیجئے کہ میں نے اپنی ذات کو اللہ کی فرمانبرداری میں لگا دیا

اَتَّبَعْنِ ۚ وَقُلْ لِلَّذِيْنَ اُوْتُوْا الْكِتٰبَ وَالْاٰمِيْنَ ؕ اَسْلَمْتُمْ ۚ فَاِنْ اَسْلَمُوْا فَقَدْ

اور ان لوگوں نے بھی جنہوں نے میرا اتباع کیا اور جن لوگوں کو کتاب دی گئی آپ ان سے اور ان پرہوں سے کہہ دیجئے کیا تم اللہ کے فرمانبردار ہوئے؟ پس اگر وہ

اِهْتَدَوْا ۚ وَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّمَا عَلَيْكَ الْبَلٰغُ ۚ وَاللّٰهُ بَصِيْرٌ بِالْعِبَادِ ۙ ۚ

فرمانبردار ہو جائیں تو انہوں نے ہدایت پالی، اور اگر وہ روگردانی کریں تو آپ کے ذمہ بس پہنچا دینا ہے۔ اور اللہ بندوں کو دیکھنے والا ہے۔

فَاِنَّ لِلّٰهِ نَمْرًا: بار بار صفات کے درمیان واؤ کو لا کر بتلادیا کہ وہ ہر صفت میں کامل ہیں۔ نمبر ۲۔ ہر صفت تعریف میں اپنے مقام پر مستقل حیثیت رکھتی ہے۔

سب سے بڑی شہادت:

۱۸: شَهِدَ اللّٰهُ اَنَّهُ لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ، وَالْمَلٰٓئِكَةُ وَاُولُو الْعِلْمِ قَائِمًا بِالْقِسْطِ۔ لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ۔

شَهِدَ اللّٰهُ (اللہ گواہ ہے) یعنی اللہ تعالیٰ نے حکم دیا یا فرمایا اَنَّهُ (اس کا) لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ، وَالْمَلٰٓئِكَةُ (اس کے سوا کوئی معبود نہیں اور فرشتے بھی گواہی دیتے ہیں) اس وجہ سے کہ انہوں نے اس کی عظیم قدرت کو آنکھوں سے دیکھا۔ وَاُولُو الْعِلْمِ (اور علم والے) یعنی انبیاء علیہم السلام اور علماء گواہی دیتے ہیں کہ قَائِمًا بِالْقِسْطِ (وہ اعتدال کے ساتھ انتظام رکھنے والے ہیں) وہ رزق اجل ثواب و عقاب کی تقسیم میں انصاف کرنے والے ہیں اور جو اس نے اپنے بندوں کو ایک دوسرے کے معاملے میں انصاف کا حکم دے رکھا ہے اور باہمی برابری کا فرما دیا ہے۔

نحوی تحقیق:

نمبر ۱۔ اللہ کے لفظ سے حال ہے یعنی انصاف کے ساتھ تمام مخلوق کا انتظام و انصرام کرنے کی حالت میں وہ شاہد ہے عدل کے ساتھ

نمبر ۲: ہو ضمیر سے حال ہے اس کو مفرد لانا حال کے نصب کی وجہ سے جائز ہے البتہ اس کے دونوں معطوفوں کو مفرد لانا صحیح نہیں۔ اگر تم کہو جاء زید و عمرو را کہا: یہ کہنا درست نہیں کیونکہ التباس کا خطرہ نہیں البتہ اس طرح کہنا جاء نی زید و هند را کہا تو یہ درست ہے کیونکہ تمیز مذکر لائی گئی ہے اور مؤنث مذکر کے تابع ہے۔

نمبر ۳: فعل مدح محذوف ہے اس کا یہ مفعول ہے۔ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ (اس کے سوا کوئی معبود نہیں مگر وہی) کو دوبارہ تاکید مزید کے لیے لایا گیا (دلائل کے بعد توحید کی طرف مزید توجہ کے لئے لائے) الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ: (وہ زبردست حکمت والا ہے) وہ اپنی حکومت میں غالب اور صنعت میں حکیم ہے۔

نحوی تحقیق:

یہ جملہ مستانفہ ہونے کی وجہ سے مرفوع ہے یعنی هو العزيز الحكيم یہ هو کی صفت نہیں کیونکہ ضمیر نہ صفت بنتی ہے نہ موصوف۔ پس معنی یہ ہوگا کہ وہ ایسا زبردست کہ مغلوب نہیں ہو سکتا۔ اور ایسا حکیم کہ حق سے ادھر ادھر نہیں ہٹتا۔

۱۹: اِنَّ الدِّينَ عِنْدَ اللّٰهِ الْاِسْلَامُ، وَمَا اخْتَلَفَ الَّذِيْنَ اُوتُوا الْكِتٰبَ اِلَّا مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَهُمُ الْعِلْمُ بَغْيًاۙ بَيْنَهُمْ وَمَنْ يَكْفُرْ بِاللّٰهِ فَاِنَّ اللّٰهَ سَرِيعُ الْحِسَابِ۔ اِنَّ الدِّينَ عِنْدَ اللّٰهِ الْاِسْلَامُ: (بے شک دین اللہ کے ہاں اسلام ہی ہے) یہ جملہ مستانفہ ہے (یہ جمہور کی قراءت کے مطابق ہے)

قراءت: کسائی نے اَنَّ الدِّينَ پڑھا۔ اس صورت میں اِنَّ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ سے بدل ہے یعنی شهد اللہ اَنَّ الدین الایۃ۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ دین اللہ تعالیٰ کے ہاں اسلام ہے۔

آیت کی فضیلت:

بیہمی نے مجمع الزوائد جلد نمبر ۶۔ اور طبرانی نے ضعیف سند سے رسول اکرم ﷺ سے روایت کی ہے کہ جس نے اس آیت کو سوتے وقت پڑھا۔ اللہ تعالیٰ اس کے لیے ستر ہزار مخلوق پیدا کر دیتے ہیں۔ جو اس کے لیے قیامت تک استغفار کرتے رہیں گے۔ اور جس نے اس آیت کو پڑھنے کے بعد یہ کہہ لیا میں بھی وہی شہادت دیتا ہوں جو اللہ تعالیٰ نے دی ہے اور اس شہادت کو اللہ تعالیٰ کے پاس بطور امانت رکھتا ہوں۔ یہ اسلام کی شہادت اللہ تعالیٰ کے پاس میری امانت ہے تو قیامت کے دن اللہ تعالیٰ فرمائیں گے کہ میرے پاس میرے بندے کا عہد ہے اور میں سب سے زیادہ عہد کو پورا کرنے والا ہوں لہذا میرے بندے کو جنت میں داخل کر دو۔ (بغوی فی الدر جلد نمبر ۲)

وَمَا اخْتَلَفَ الَّذِيْنَ اُوتُوا الْكِتٰبَ: (نہیں اختلاف کیا ان لوگوں نے جن کو کتاب دی گئی) اُوتُوا الْكِتٰبَ سے مراد یہود و

نصاری ہیں۔ ان کا اختلاف یہ تھا کہ انہوں نے اسلام کو چھوڑ دیا یعنی توحید کو چھوڑ کر نصاریٰ نے تثلیث اور یہود نے ابنیت عزیر کا عقیدہ بنالیا۔

اصل سبب اختلاف:

إِلَّا مِنْ بَعْدِ مَا جَاءَهُمُ الْعِلْمُ (مگر ان کو علم ہو جانے کے بعد) کہ یہ اسلام ایسا حق ہے جس سے مفر نہیں بغیراً بَيْنَهُمْ (اپنے مابین عناد و حسد کی وجہ سے) یعنی

نمبر ۱: اس اختلاف کی وجہ اپنے مابین حسد کے سوا اور کچھ نہیں تھی۔ اور دنیاوی اغراض اور عہدوں کی طلب وجہ اختلاف بنی اور لوگوں کی ایک جماعت کو اپنا پیر بنانا اس کا سبب تھا۔ اسلام میں کسی قسم کا اشتباہ اس اختلاف کا بنی نہیں تھا۔

نمبر ۲: اختلاف سے مراد نبوت محمدیہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام تھی کیونکہ کچھ لوگوں نے ان میں سے آپ ﷺ کو مان لیا جبکہ دوسرے منکر ہو گئے۔

نمبر ۳: اوتوا الکتاب سے مراد خاص یعنی نصرانی ہیں اور اختلاف سے مراد پھر عیسیٰ علیہ السلام کے سلسلہ میں اختلاف کرنا ہے۔ کہ ان کو یہ معلوم تھا کہ وہ اللہ تعالیٰ کے بندے اور اس کے رسول ہیں۔ (مگر انہوں نے ان کو خدا تعالیٰ کا بیٹا قرار دیا)

وَمَنْ يَكْفُرْ بِآيَاتِ اللَّهِ (جو اللہ کی آیات کا انکار کریگا) آیات سے مراد دلائل و براہین ہیں۔ فَإِنَّ اللَّهَ سَرِيعُ الْحِسَابِ (بے شک اللہ جلد بدلہ چکانے والے ہیں)

مجادلین خاص و عام:

۲۰: فَإِنْ حَاجُّوكَ فَقُلْ أَسْلَمْتُ وَجْهِيَ لِلَّهِ وَمَنِ اتَّبَعَنِ وَقُلْ لِلَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ وَالْأُمِّيِّينَ أَسْلَمْتُمْ - فَإِنْ أَسْلَمُوا فَقَدِ اهْتَدَوْا - وَإِنْ تَوَلَّوْا فَإِنَّمَا عَلَيْكَ الْبَلْغُ، وَاللَّهُ بِصِيرِ الْعِبَادِ - فَإِنْ حَاجُّوكَ (پس اگر وہ آپ سے اس بارے میں مجادلہ کریں) کہ اللہ تعالیٰ کا دین تو اسلام ہی ہے۔ مجادلہ کرنے والوں سے مراد جمہور کے نزدیک وفد بنی نجران ہے۔ فَقُلْ أَسْلَمْتُ وَجْهِيَ لِلَّهِ (تو آپ ان سے کہہ دیں میں نے اپنے نفس اور تمام اعضاء کو اللہ وحدہ کے سپرد کر دیا ہے) اور میں نے اس کی عبادت میں کسی کو شریک قرار نہیں دیا۔ اور نہ ہی اس کے ساتھ کسی کو حاجات میں پکارتا ہوں۔ یعنی میرا دین تو دین توحید ہے اور یہی وہ مضبوط دین ہے جسکی صحت تمہارے ہاں بھی ثابت ہے۔ جیسا کہ میرے ہاں ثابت ہے میں کوئی انوکھی چیز تو نہیں لایا۔ کہ جس کی مخالفت پر تم اترے ہوئے ہو۔ اور اس کی مثل یہ آیت ہے۔

قُلْ يَٰ أَهْلَ الْكِتَابِ تَعَالَوْا إِلَىٰ كَلِمَةٍ سَوَاءٍ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ أَلَّا نَعْبُدَ إِلَّا اللَّهَ وَلَا نُشْرِكَ بِهِ شَيْئًا وَلَا يَتَّخِذَ بَعْضُنَا بَعْضًا أَرْبَابًا مِنْ دُونِ اللَّهِ فَإِنْ تَوَلَّوْا فَقُولُوا اشْهَدُوا بِأَنَّا مُسْلِمُونَ - (آل عمران ۶۴)

اس میں انکی حجت بازی کا جواب ہے کہ جس پر میں اور ایمان والے قائم ہیں وہ ایسا یقین ہے جس میں کسی قسم کا شک و شبہ نہیں۔ پھر ان کا اس کے متعلق جھگڑا بالکل بے جا ہے۔

قراءت: مدنی، شامی، حفص، اُشی، برجی رحمہم اللہ نے وجْهِيَ پڑھا ہے۔

إِنَّ الَّذِينَ يَكْفُرُونَ بِآيَاتِ اللَّهِ وَيَقْتُلُونَ النَّبِيَّ بِغَيْرِ حَقٍّ وَيَقْتُلُونَ

بے شک جو لوگ اللہ کی آیات کے ساتھ کفر کرتے ہیں اور ناحق نبیوں کو قتل کرتے رہے ہیں اور ان لوگوں کو قتل

الَّذِينَ يَأْمُرُونَ بِالْقِسْطِ مِنَ النَّاسِ فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ أَلِيمٍ ۚ (۲۱) أُولَٰئِكَ

کرتے ہیں جو انصاف کا حکم دیتے ہیں سو ان کو آپ دردناک عذاب کی خوش خبری سنا دیجئے، یہ وہ لوگ

الَّذِينَ حَبِطَتْ أَعْمَالُهُمْ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ وَمَا لَهُمْ مِنْ نَّاصِرِينَ ۚ (۲۲)

ہیں جن کے اعمال دنیا و آخرت میں ضائع ہو گئے اور ان کی کوئی مدد کرنے والا نہ ہوگا۔

وَمَنْ اتَّبَعَ (اور جو میرے پیروکار تھے انہوں نے بھی) اسلمت کی تاء پر اس کا عطف ہے یعنی میں نے اور میرے پیروکاروں نے اپنی ہستی کو اللہ تعالیٰ کے سپرد کر دیا و او فاصلہ کے لیے لائی گئی ہے اور اگر و او کو مع کے معنی میں مان لیں تو یہ مفعول معہ بن جائیگا۔ ومن تبعنی یہ دونوں حالتوں میں آتا ہے۔ سہل و یعقوب نے وصل میں ابو عمرو کی موافقت کی ہے۔ وَقُلْ لِلَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ (ان لوگوں کو جنہیں کتاب دی گئی، کہہ دیں) مراد یہود و نصاریٰ ہیں۔ وَالْأَقِمِينَ (اور ان پڑھوں کو) یعنی جن کے پاس کوئی کتاب نہیں، جیسے مشرکین عرب۔

استفہام تو بخنی:

ءَ اسْلَمْتُمْ (کیا تم بھی اسلام لاتے ہو) کوئی کے نزدیک دونوں ہمزوں کے ساتھ ہے

نمبر ۱: اسلام کے دلائل واضح ہو چکے کیا اب تم اسلام کو قبول کرتے ہو یا اس کے بعد بھی کفر پر قائم رہتے ہو۔

نمبر ۲: یہ بظاہر تو صیغہ استفہام کا ہے مگر معنی امر کا ہے کہ تم اسلام لاؤ۔ پس یہ کلام فہل انتم منتہون (سورۃ المائدہ آیت نمبر ۹۱) کی طرح بن گیا۔ اے انتھو اگویا استفہام تو بخنی ہے۔

فَإِنْ اسْلَمُوا فَقَدْ اهْتَدَوْا (پس اگر وہ اسلام لائیں تو وہ ہدایت پا گئے) یعنی انہوں نے ہدایت کو پایا اس لیے کہ وہ گمراہی سے ہدایت کی طرف نکل آئے۔ وَإِنْ تَوَلَّوْا فَإِنَّمَا عَلَيْكَ الْبَلْغُ (اور اگر وہ اسلام سے روگردانی اختیار کریں پس تمہارے ذمہ پہنچا دینا ہے) یعنی وہ تمہیں کچھ نقصان نہیں دے سکتے۔ اس لیے کہ آپ خبردار کرنے والے رسول ہیں۔ آپ کے ذمہ پیغام کو پہنچانا اور ہدایت کے راستے سے متنبہ کرنا ہے۔ وَاللَّهُ بِصِيرٍ بِالْعِبَادِ (اللہ تعالیٰ تمام بندوں کو خوب دیکھتا ہے) پس مؤمن و کافر میں سے ہر ایک کو اس کے کئے کا بدلہ دے گا۔

۲۱: إِنَّ الَّذِينَ يَكْفُرُونَ بِآيَاتِ اللَّهِ وَيَقْتُلُونَ النَّبِيَّ بِغَيْرِ حَقٍّ وَيَقْتُلُونَ الَّذِينَ يَأْمُرُونَ بِالْقِسْطِ مِنَ النَّاسِ فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ أَلِيمٍ۔ إِنَّ الَّذِينَ يَكْفُرُونَ (بے شک جو لوگ کفر کرتے ہیں) سے مراد اہل کتاب ہیں۔ جو اپنے آباء و اجداد کے فعل قتل انبیاء پر راضی تھے۔ بِآيَاتِ اللَّهِ وَيَقْتُلُونَ النَّبِيَّ (اللہ کی آیات کے ساتھ اور انبیاء کو قتل کرتے) بِغَيْرِ حَقٍّ (ناجائز) یہ يَقْتُلُونَ کا حال مؤکد ہے کیونکہ کسی بھی نبی برحق کا قتل تو بہر حال ناحق ہی ہے۔

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ اُوْتُوْا نَصِيْبًا مِّنَ الْكِتٰبِ يُدْعَوْنَ اِلَى كِتٰبِ اللّٰهِ لِيَحْكُمَ

اے مخاطب کیا تو نے ان لوگوں کو نہیں دیکھا جنہیں کتاب کا ایک حصہ دیا گیا۔ انہیں اللہ کی کتاب کی طرف بلایا جاتا ہے تاکہ ان کے درمیان

بَيْنَهُمْ ثُمَّ يَتَوَلٰى فَرِيقٌ مِّنْهُمْ وَهُمْ مُّعْرِضُوْنَ ﴿۲۳﴾ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَالُوْا لَنْ تَمْسَنَا

فیصلہ کرے پھر ان میں سے ایک فریق انہیں سے ہٹ کر رہتا ہے۔ یہ اس لئے کہ انہوں نے کہا کہ ہمارے

النَّارُ اِلَّا اَيَّامًا مَّعْدُوْدٰتٍ مُّوْعَرَّهٌمْ فِیْ دِيْنِهِمْ مَا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ ﴿۲۴﴾ فَكَيْفَ اِذَا

ہمیں آگ نہ چھوئے گی مگر چند گنے چنے دنوں میں، اور ان کو دھوکے میں ڈال دیا ان کے دین کے بارے میں اس چیز نے جس کو وہ افترا کرتے تھے،

جَمَعَهُمْ لِيَوْمٍ لَا رَيْبَ فِیْهِ فَوُفِیَتْ كُلُّ نَفْسٍ مَّا كَسَبَتْ وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ ﴿۲۵﴾

پس کیا حال ہوگا جب ہم ان کو جمع کریں گے اس دن جس میں کوئی شک نہیں، اور ہر جان کو اس عمل کا پورا پورا بدلہ دیا جائے گا جو اس نے کیا۔ اور ان پر ظلم نہ ہوگا۔

(ان کے معاملے کی شاعت بیان کر دی کہ خود بھی ناحق سمجھنے کے باوجود قتل کا ارتکاب کرتے تھے ورنہ وہ اپنے ہاں قتل کی کوئی وجہ جواز نہ رکھتے تھے)۔

قتل انبیاء و زہاد:

وَيَقْتُلُوْنَ الَّذِيْنَ يَأْمُرُوْنَ بِالْقِسْطِ (وہ ان لوگوں کو جو لوگوں کو انصاف کا حکم دیتے ہیں قتل کرتے ہیں) الْقِسْطِ کا معنی عدل ہے۔ قرأت: ہمزہ نے یقاتلون پڑھا ہے۔ مِنَ النَّاسِ (لوگوں میں سے) یعنی انبیاء علیہم السلام کے علاوہ۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا بنی اسرائیل نے ۴۳ انبیاء کو ایک ساعت میں دن کے ابتدائی حصہ میں قتل کیا۔ پھر بنی اسرائیل کے زہاد کی ایک جماعت جنگی تعداد ایک سو بارہ (۱۱۲) تھی۔ انہوں نے ان قاتلین کو امر بالمعروف کیا اور ممنوعات سے روکا اور معروف کا حکم دیا چنانچہ اسی دن کے آخر میں ان تمام کو قتل کر دیا گیا۔ (ابن جریر جلد نمبر ۲)

فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ (پس ان کو دردناک عذاب کی خوشخبری دے دو) یہ ان کی خبر ہے اور اس پر فاء اس لیے لائے کیونکہ ان کا اسم جزاء کے معنی کو متضمن ہے۔ (جس سے اس کو شرط سے مشابہت پیدا ہوگئی) گویا اس طرح کہا گیا الذین یکفرون فبشرهم معنی اس طرح ہوگا۔ جو کفر کرے گا تم ان کو خوش خبری دے دو۔ اور اس کی وجہ یہ ہے کہ ان ابتداء کے معنی کو تبدیل نہیں کرتا۔ اور وہ تحقیق کا فائدہ دیتا ہے گویا اس کا داخل ہونا اور نہ ہونا برابر ہے۔ اگر اس کی جگہ لیت اور لعل ہوتے تو فاء سے انکی خبر نہ لائی جاسکتی کیونکہ وہ جملہ خبریہ کو انشاء کی طرف منتقل کر دیتے ہیں۔ جس سے شرط کی مشابہت فوت ہو جاتی ہے۔

۲۲: اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ فِی الدُّنْيَا وَالْآٰخِرَةِ وَمَا لَهُمْ مِّنْ نَّصْرِیْنَ۔ (یہ وہی لوگ ہیں جن کے اعمال ضائع ہو گئے۔ دنیا اور آخرت میں) پس دنیا میں تو لعنت و رسوائی انکا مقدر ہے۔ اور آخرت میں عذاب ہے۔ وَمَا لَهُمْ مِّنْ نَّصْرِیْنَ (اور ان کا کوئی مددگار نہ ہوگا)۔ جو بربادی اعمال اور گرفتاری عذاب سے بچا سکے نصیرین کو آیات کے وقوف کی رعایت سے جمع لائے ورنہ واحد نکرہ نفی کے عموم کو ظاہر کرتا ہے۔

۲۳- اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ اُوْتُوْا نَصِيْبًا مِّنَ الْكِتٰبِ يُدْعَوْنَ اِلَى كِتٰبِ اللّٰهِ لِيَحْكُمَ بَيْنَهُمْ - ثُمَّ يَتَوَلٰى فَرِيقٌ مِّنْهُمْ وَهُمْ

مُعْرَضُونَ۔ (کیا نہیں دیکھے آپ نے ایسے لوگ جو دیئے گئے کتاب کا ایک حصہ وہ بلائے جاتے ہیں اللہ کی کتاب کی طرف تاکہ وہ فیصلہ کرے ان کے درمیان پھر ایک جماعت ان میں سے منہ موڑنے والی ہے)۔ الَّذِیْنَ اُوْتُوْا سے مراد احبار یہود ہیں جنہوں نے تورات کا دافر حصہ پایا تھا مِّنْ تَّبَعِیْضِ کے لیے یا بیان کیلئے ہے یُدْعَوْنَ یہ الذین سے حال واقع ہے کتاب اللہ سے مراد تورات یا قرآن مجید ہے۔

کتاب یا نبی فیصلہ کرے:

لیحکم بینہم تاکہ وہ کتاب ان کے درمیان فیصلہ کرے۔ کتاب کو حاکم سبب حکم کی وجہ سے کہا گیا۔ (گویا حکم کی نسبت اسکی طرف مجازی ہے) یا وہ نبی انکے درمیان فیصلہ کرے۔ روایت میں ہے کہ نبی اکرمؐ انکے مدرسہ میں تشریف لے گئے اور انکو اسلام کی طرف بلایا تو آپ کو نعیم بن عمرو اور حارث بن زید نے کہا تو کس دین پر ہے؟ نبی اکرمؐ نے فرمایا ملت ابراہیمؑ پر دونوں کہنے لگے ابراہیمؑ تو یہودی تھے۔ آپ ﷺ نے فرمایا اُوْتُوْرَات سے اس بات کا فیصلہ کر لیں۔ تو دونوں نے انکار کر دیا۔ (ابن جریر جلد نمبر ۲) ثُمَّ یَتَوَلَّی فَرِیْقٌ مِّنْهُمْ (پھر ایک جماعت ان میں سے منہ موڑنے والی ہے) اس جگہ ثُمَّ استبعاد کے لیے لا کر بتلایا گیا کہ (سزائے رجم سے منہ موڑنا بہت بعید ہے) مگر وہ ہمیشہ اعراض کو اپنا مذہب بنائے رہیں گے۔

تفسیر آیت ۲۲:

ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَالُوْا لَنْ تَمَسَّنَا النَّارُ اِلَّا اَيَّامًا مَّعْدُوْدٰتٍ۔ وَعَرَّهٖمْ فِیْ دِیْنِهِمْ مَا كَانُوْا یَفْتَرُوْنَ۔ یہ (اعراض) اس وجہ سے ہے کہ انہوں نے کہا ہمیں ہرگز جہنم کی آگ سوائے چند دنوں کے نہ چھوئے گی اور ان کو دھوکے میں انکی افتراء پر دازیوں نے ڈالا ہے) ذٰلِكَ کا مشار الیہ روگردانی اور اعراض ہے جس کا سبب انکا عذاب کے معاملے کو معمولی قرار دینا اور چند دنوں میں جہنم سے فراغت کا گمان ہے وہ قلیل مدت چالیس دن یا سات دن ہیں۔

مَحْمُوْمٌ: ذٰلِكَ مبتداء بانہم اس کی خبر ہے۔ وَعَرَّهٖمْ فِیْ دِیْنِهِمْ مَا كَانُوْا یَفْتَرُوْنَ یعنی ان کو ان کے افتراء علی اللہ نے دھوکے میں ڈال دیا اور وہ افتراء یہ ہے کہ ہم اللہ کے بیٹے اور اس کے محبوب ہیں وہ ہمیں ہمارے گناہوں کی وجہ سے معمولی مدت سزا دے گا۔

۲۵: فَكَيْفَ اِذَا جَمَعْنٰهُمْ لَیْوْمٍ لَا رَیْبَ فِیْهِ وَوُفِّیْتُ كُلُّ نَفْسٍ مَّا كَسَبَتْ وَهُمْ لَا یُظْلَمُوْنَ۔ (پس انکا کیا حال ہوگا جب ہم ان کو ایک یقینی دن میں جمع کریں گے۔ اور ہر شخص کو اس کے کیے کا پورا پورا بدلہ دیا جائے گا اور کسی کی حق تلفی نہ کی جائے گی) فَكَيْفَ اِذَا جَمَعْنٰهُمْ لَیْوْمٍ لَا رَیْبَ فِیْهِ۔ (اس وقت میں ان کا کیا حال ہوگا جس دن کی آمد میں کوئی شبہ نہیں) وَوُفِّیْتُ كُلُّ نَفْسٍ مَّا كَسَبَتْ جزائے اعمال مراد ہے وَهُمْ یہ جمع کی ضمیر كُلُّ کے معنی کی طرف لوٹتی ہے کیونکہ وہ کل الناس یعنی جمع کے معنی میں ہے۔ لَا یُظْلَمُوْنَ یعنی کسی انسان کی نہ نیکی میں کمی ہوگی اور نہ برائیوں میں اضافہ۔

قُلِ اللّٰهُمَّ مَلِكَ الْمُلْكِ تُؤْتِي الْمُلْكَ مَنْ تَشَاءُ وَتَنْزِعُ الْمُلْكَ مِمَّنْ تَشَاءُ ز

آپ یوں کہئے کہ اے اللہ جو ملک کا مالک ہے تو ملک دیتا ہے جس کو چاہے اور ملک چھین لیتا ہے جس سے چاہے

وَتُعِزُّ مَنْ تَشَاءُ وَتُذِلُّ مَنْ تَشَاءُ ط بِيدِكَ الْخَيْرُ ط إِنَّكَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ

اور تو عزت دیتا ہے جس کو چاہے اور ذلت دیتا ہے جس کو چاہے، تیرے ہی ہاتھ میں سب بھلائی ہے، بے شک تو ہر چیز پر

قَدِيرٌ ۝ تُولِجُ اللَّيْلَ فِي النَّهَارِ وَتُولِجُ النَّهَارَ فِي اللَّيْلِ ز وَتُخْرِجُ الْحَيَّ

قادر ہے، تو داخل کرتا ہے رات کو دن میں اور داخل کرتا ہے دن کو رات میں، اور تو نکالتا ہے

مِنَ الْمَيِّتِ وَتُخْرِجُ الْمَيِّتَ مِنَ الْحَيِّ ز وَتَرْزُقُ مَنْ تَشَاءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ ۝ ۲۷

زندہ کو مردہ سے اور نکالتا ہے مردہ کو زندہ سے اور تو جس کو چاہے بے حساب رزق دیتا ہے۔

۲۶: قُلِ اللّٰهُمَّ مَلِكَ الْمُلْكِ تُؤْتِي الْمُلْكَ مَنْ تَشَاءُ وَتَنْزِعُ الْمُلْكَ مِمَّنْ تَشَاءُ وَتُعِزُّ مَنْ تَشَاءُ وَتُذِلُّ مَنْ تَشَاءُ، بِيدِكَ الْخَيْرُ، إِنَّكَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ۔ (آپ کہہ دیں کہ اے اللہ جو تمام ملک کا مالک ہے تو جس کو چاہے بادشاہ بنادے اور جس سے چاہے بادشاہت چھین لے اور تو جس کو چاہے عزت دے اور جس کو چاہے ذلت دے۔ ساری بھلائی تیرے ہی (مبارک) ہاتھ میں ہے بے شک تو سب کچھ کر سکتا ہے)۔

اسم جلالی کی خصوصیت:

قُلِ اللّٰهُمَّ۔ اللّٰہم اصل میں یا اللہ ہے حرف نداء کو حذف کر کے میم بدلے میں لائے اور میم اور یاء دونوں نہیں لائے کیونکہ اصل و عوض جمع نہیں ہو سکتے۔ یہ اسم جلالہ کی ایک خصوصیت ہے۔

نمبر ۲: دوسری خصوصیت لام تعریف کے ساتھ حرف نداء کا آنا ہے۔

نمبر ۳: تیسری خصوصیت اس کا ہمزہ قطعی ہے۔

نمبر ۴: چوتھی خصوصیت یہ تفعیل کے ساتھ پڑھا جاتا ہے۔

نمبر ۵: پانچویں خصوصیت اس پر تاء قسمیہ آتی ہے۔ تَاللّٰہ

مَلِكُ الْمُلْكِ تو جنس ملک کا مالک ہے پس تو اس میں اس طرح تصرف کرتا ہے جس طرح بادشاہ اپنی مملوکہ چیزوں میں۔

نحو: یہ دوسرا منادی ہے یا مملک الملک

یہود کے تعجب کا جواب:

تَوْتَى الْمُلْكُ مَنْ تَشَاءُ (تو ملک میں سے جس کو جتنا تو نے اس کے لیے طے کیا ہے، دیتا ہے) وَتَنْزِعُ الْمُلْكُ مِمَّنْ تَشَاءُ (یعنی تو جس سے چاہے چھین لیتا ہے) پہلا لفظ ملک عام ہے اور دوسرا اور تیسرا کل میں سے خاص ہیں روایت میں وارد ہے کہ جب مکہ فتح ہو گیا تو اللہ تعالیٰ نے آپ کی امت سے فارس روم کی سلطنتوں کا وعدہ فرمایا اس پر یہود و منافقین نے کہا بہت بعید بات ہے۔ کہاں محمد (ﷺ) اور کہاں مملکت فارس و روم۔ وہ تو بڑے غلبہ اور لاؤ لشکر والے ہیں۔ اس پر یہ آیت اتری، (اسباب النزول للواحدی)

وَتُعْزُّ مَنْ تَشَاءُ۔ (جس کو چاہتے ہیں بادشاہی سے عزت دیتے ہیں)۔ وَتُذِلُّ مَنْ تَشَاءُ (اور جس کو چاہتے ہیں بادشاہی چھین کر ذلیل کر دیتے ہیں) بِبَيْدِكَ الْخَيْرُ۔ (تیرے ہاتھ میں خیر و شر ہے) یہاں ضدین میں سے ایک کے تذکرے پر اکتفا کیا گیا (جبکہ دوسرا، خود سمجھ آ جاتا ہے) یا دوسری تفسیر یہ ہے کہ خیر کو خصوصیت سے اس لیے ذکر کیا کہ رفتار کلام کا تقاضا یہی تھا۔ کیونکہ ایمان والوں کی طرف خیر کو بھیج کر لایا جا رہا تھا اور کفار کو یہی بات ایک آنکھ نہ بھاتی تھی۔ پس کہا تیرے ہاتھ میں بھلائیاں ہیں جو تو اپنے دوستوں کو عنایت فرمائے گا۔ باوجود اس کے کہ تیرے دشمن اس کو پسند نہیں کرتے۔ اِنَّكَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ۔ (تو ہر چیز پر کامل قدرت رکھتا ہے) جبکہ دوسروں کی تھوڑی بہت قدرت بھی تیری ہی قدرت کا مرہون منت ہے۔

لطیف تفسیر:

ایک اور تفسیر یہ ہے کہ ملک سے مراد سلطنت عافیت یا سلطنت قناعت ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جنت کے بادشاہ میری امت کے وہ لوگ ہونگے جو ایک یوم کی خوراک پر قناعت کرنے والے ہونگے یا صرف قیام لیل کا اختیار ہے۔ حضرت شبلیؒ فرماتے تھے کائنات کے بنانے والے پر استغناء اختیار کرنا کونین سے بے پروائی اختیار کرنا ملک ہے اور عزت سے معرفت کی عزت یا استغناء با سکون یا قناعت کی عزت مراد ہے۔ اور ذلت سے انکی اضداد مراد ہیں

زَيْطٌ: پھر اپنی عظیم قدرت کو دن اور رات کے تقابل سے بیان کیا۔ اور زندہ اور مردہ کو ایک دوسرے سے نکالنے کا حال بیان کیا۔ اور اس پر بطور عطف بلا حساب رزق کو لائے۔

دلائل قدرت:

۲۷: تُولِجُ اللَّيْلَ فِي النَّهَارِ وَتُولِجُ النَّهَارَ فِي اللَّيْلِ وَتُخْرِجُ الْحَيَّ مِنَ الْمَيِّتِ وَتُخْرِجُ الْمَيِّتَ مِنَ الْحَيِّ وَتَرْزُقُ مَنْ تَشَاءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ۔ (تورات کو دن اور دن کو رات میں داخل کرتا ہے اور زندہ کو مردہ اور مردہ کو زندہ سے نکالتا ہے اور جس کو تو چاہتا ہے بے حساب رزق دیتا ہے)۔ تُولِجُ ایلانج ایک چیز کو دوسری میں داخل کرنے کو کہتے ہیں اور یہاں وہ مجاز ہے مطلب یہ ہے کہ تورات کے اوقات کو کم کر کے دن میں بڑھا دیتا ہے اور دن کے اوقات گھٹا کر رات میں اضافہ کر دیتا ہے۔ وَتُخْرِجُ الْمَيِّتَ مِنَ الْحَيِّ (زندہ سے مردہ) جیسے حیوان سے نطفہ اور مرغی سے انڈہ یا مؤمن سے کافر۔ (وَتَرْزُقُ مَنْ تَشَاءُ بِغَيْرِ

لَا يَتَّخِذِ الْمُؤْمِنُونَ الْكَافِرِينَ أَوْلِيَاءَ مِنْ دُونِ الْمُؤْمِنِينَ ۚ وَمَنْ يَفْعَلْ

نہ بنائیں مؤمن کافروں کو دوست مسلمانوں کو چھوڑ کر، اور جو شخص یہ کام کرے

ذَلِكَ فَلَيْسَ مِنَ اللَّهِ فِي شَيْءٍ إِلَّا أَنْ تَتَّقُوا مِنْهُمْ تُقَاةً ۚ وَيُحَذِّرُكُمْ

گا تو اللہ سے دوستی کرنے کے کسی شمار میں نہیں، مگر اس حالت میں کہ دشمنوں سے کچھ بچاؤ کرنا ہو، اور اللہ تم کو اپنے

اللَّهُ نَفْسَهُ ۖ وَالِلّٰهِ الْمَصِيرُ ﴿۲۸﴾

سے ڈراتا ہے۔ اور اللہ ہی کی طرف لوٹ کر جانا ہے۔

حساب۔) (تو جس کو چاہتا ہے بے حساب رزق دیتا ہے) مخلوق اس رزق کی مقدار و کمیت نہیں جانتی اگرچہ وہ اللہ تعالیٰ کو تو معلوم ہے تاکہ یہ دلالت ہو کہ جو ذات ان عقول کو حیرت زدہ کرنے والے افعال کی قدرت رکھتی ہے پھر وہ اپنے بندوں میں سے جن کو چاہے بغیر حساب کے رزق دیتی ہے وہ ذات اس بات پر قادر ہے کہ عجم سے بادشاہی چھین لے اور ان کو ذلیل کر دے اور عربوں کو دے کر عزت دے دے۔

بعض کتابوں میں مذکور ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ میں اللہ شہنشاہ ہوں۔ اور بادشاہوں کی پیشانیاں اور قلوب میرے قبضہ قدرت میں ہیں اگر بندے میری اطاعت کریں تو میں ان کو لوگوں پر مہربان کر دیتا ہوں اور اگر میرے نافرمان ہو جائیں تو میں ان کو لوگوں پر عذاب بنا دیتا ہوں۔ پس تم بادشاہوں کو گالی دینا مشغلہ نہ بناؤ بلکہ میری بارگاہ میں توبہ کرو، تاکہ میں ان کو تم پر مہربان بنا دوں اور ارشاد نبویؐ کما تکنونوا یولئی علیکم (قضائی فی مسند الشہاب) کا یہی مطلب ہے۔

قراءت: الْحٰی مِنَ الْمِیّتِ وَ الْمِیّتِ مِنَ الْحٰی قرآن مجید میں مدنی و کوفی قراء کے نزدیک شد سے پڑھے جائیں گے البتہ قاری ابو بکر اس طرح نہیں پڑھتے۔

۲۸: لَا يَتَّخِذِ الْمُؤْمِنُونَ الْكَافِرِينَ أَوْلِيَاءَ مِنْ دُونِ الْمُؤْمِنِينَ ۚ وَمَنْ يَفْعَلْ ذَلِكَ فَلَيْسَ مِنَ اللَّهِ فِي شَيْءٍ إِلَّا أَنْ تَتَّقُوا مِنْهُمْ تُقَاةً ۚ وَيُحَذِّرُكُمْ اللَّهُ نَفْسَهُ، وَ إِلٰی اللّٰهِ الْمَصِيرُ۔ (مؤمن کافروں کو دوست نہ بنائیں، اہل ایمان کو چھوڑ کر جو ایسا کرے گا تو اللہ تعالیٰ سے اس کا کچھ تعلق نہیں مگر یہ کہ (کافروں کی طرف سے تم کو کچھ شر کا اندیشہ ہو تو) تم ان سے بچنا اور اللہ تعالیٰ تمہیں اپنی ذات سے ڈراتے ہیں اور اللہ تعالیٰ ہی کے پاس جانا ہے)

موالات کفار کی ممانعت:

لَا يَتَّخِذِ الْمُؤْمِنُونَ الْكَافِرِينَ أَوْلِيَاءَ مسلمانوں کو قرابت کی بناء پر کفار کے ساتھ گہری دوستی سے روکا گیا۔ یا اسلام سے قبل پائی جانے والی دوستی کی بنیاد پر ہو یا کسی بناء پر اور قرآن مجید میں یہ بات بار بار دہرائی اور حب فی اللہ اور بغض فی اللہ ایمان میں ایک عظیم دروازہ اور موڑ ہے۔ مِنْ دُونِ الْمُؤْمِنِينَ ایمان والوں کی دوستی کفار سے نہ ہونی چاہیے۔ پس کفار کو ایمان والوں پر ترجیح نہ دو۔

قُلْ اِنْ تُخَفُّوْا مَا فِیْ صُدُوْرِكُمْ اَوْ تَبْدُوْهُ یَعْلَمُهٗ اللّٰهُ ۖ وَیَعْلَمُ مَا

آپ فرما دیجئے اگر تم چھپاؤ گے جو تمہارے سینوں میں ہے یا اسے ظاہر کرو گے تو اللہ اس کو جان لے گا، اور اللہ جانتا ہے

فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ ۖ وَاللّٰهُ عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ۝۲۹ یَوْمَ تَجِدُ كُلُّ

جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے، اور اللہ ہر چیز پر قادر ہے جس دن ہر شخص

نَفْسٍ مَّا عَمِلَتْ مِنْ خَیْرٍ مُّحْضَرًا ۚ وَمَا عَمِلَتْ مِنْ سُوْءٍ ۚ تَوَدُّ لَوْ اَنَّ بَیْنَهَا

اپنے نیک عمل کو حاضر پائے گا اور ان کاموں کو بھی پا لے گا جو برے تھے، اس کی خواہش ہوگی کہ کاش اس کے

وَبَیْنَهُ اَمَدًا ۚ وَیُحَذِّرُكُمْ اللّٰهُ نَفْسَهٗ ۖ وَاللّٰهُ رَءُوْفٌ

اور اس دن کے درمیان بہت دور کی مسافت ہوتی، اور اللہ تم کو اپنے سے ڈراتا ہے اور اللہ بندوں پر

بِالْعِبَادِ ۝۳۰

مہربان ہے

وَمَنْ یَّفْعَلْ ذٰلِكَ فَلَیْسَ مِنَ اللّٰهِ فِیْ شَیْءٍ ۚ یعنی جو کفار کی موالات اختیار کرے گا اس کو اللہ تعالیٰ سے کوئی تعلق نہیں کیونکہ دوست کی دوستی اور دشمن کی دوستی ایک دوسرے کے منافی ہیں۔ اِلَّا اَنْ تَتَّقُوا مِنْهُمْ تُقٰۃً مَّگْرِبِہٖ کہ ان کی طرف سے تمہیں ایسا معاملہ پیش آئے جس سے بچنا ضروری ہو۔ یعنی کافر کو مسلمان پر غلبہ حاصل ہو۔ اور مسلمان کو اس کی طرف سے اپنے مال و جان کو خطرہ ہو اس صورت میں ان سے موالات کرنا اور دشمنی نہ رکھنا جائز ہے۔ وَیُحَذِّرُكُمْ اللّٰهُ نَفْسَهٗ (اللہ تعالیٰ بظاہر تمہیں اپنی ذات سے ڈراتے ہیں) پس کفار کی موالات اختیار کر کے اپنے آپ کو غضب الہی کا نشانہ نہ بناؤ۔ یہ سخت وعید ہے۔ وَ اِلٰی اللّٰهِ الْمَصِیْرُ (تم نے اس کی بارگاہ میں پہنچنا ہے) اور عذاب اس کے ہاں تیار ہے۔ یہ دوسری وعید ہے۔

۲۹: قُلْ اِنْ تُخَفُّوْا مَا فِیْ صُدُوْرِكُمْ اَوْ تَبْدُوْهُ یَعْلَمُهٗ اللّٰهُ وَیَعْلَمُ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ، وَاللّٰهُ عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ۔ (اے محمد ﷺ کہہ دیں اگر تم چھپاؤ جو تمہارے دلوں میں ہے یا اس کو ظاہر کرو۔ بہر حال اللہ تعالیٰ اس کو جانتے ہیں اور وہ جانتا ہے جو کچھ آسمانوں اور جو زمین میں ہے اور اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قدرت والے ہیں) قُلْ اِنْ تُخَفُّوْا مَا فِیْ صُدُوْرِكُمْ اَوْ تَبْدُوْهُ یعنی کفار کی ولایت وغیرہ اور جو اللہ تعالیٰ کو ناپسند ہیں یَعْلَمُهٗ اللّٰهُ (اللہ تعالیٰ پر مخفی نہیں) یہ انتہائی بلغ وعید ہے۔

وَعِلْمُ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ یہ جملہ مستافہ ہے یہ جواب شرط کا معطوف نہیں (یعنی وہ وہی ذات ہے جو آسمان و زمین کی ہر چیز سے واقف ہے) اس پر تمہارا باطن و ظاہر پوشیدہ نہیں۔ وَاللّٰهُ عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے پس وہ تمہاری سزا پر بھی قدرت رکھتا ہے۔

قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِیْ یُحْبِبْکُمْ اللّٰهُ وَیَغْفِرْ لَکُمْ ذُنُوْبَکُمْ ۗ وَاللّٰهُ

آپ فرما دیجئے اگر تم اللہ سے محبت رکھتے ہو تو میرا اتباع کرو اللہ تم سے محبت فرمائے گا، اور تمہارے گناہوں کو معاف فرما دے گا، اور اللہ

غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ۝۳۱ قُلْ اطِيعُوا اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ ۚ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّ اللّٰهَ لَا یُحِبُّ

غفور ہے رحیم ہے، آپ فرما دیجئے کہ اطاعت کرو اللہ کی اور رسول کی، سو اگر وہ اعراض کریں تو بلاشبہ اللہ دوست نہیں رکھتا

الْکٰفِرِیْنَ ۝۳۲

کافروں کو۔

۳۰: یَوْمَ تَجِدُ كُلُّ نَفْسٍ مَّا عَمِلَتْ مِنْ خَيْرٍ مُّحْضَرًا وَمَا عَمِلَتْ مِنْ سُوءٍ تَوَدُّ لَوْ اَنَّ بَيْنَهَا وَبَيْنَهُ اَمَدًا بَعِیْدًا اَوْ یُحْذِرُکُمُ اللّٰهُ نَفْسَهُ، وَاللّٰهُ رَءُوْفٌ بِالْعَبَادِ۔ (جس روز ہر شخص اپنی کی ہوئی نیکی کو اپنے سامنے موجود پائے گا اور جو بدی کی ہوگی اس کو بھی سامنے موجود پائے گا۔ تمنا کریگا کاش اس کے اور اس کے برے عمل کے درمیان لمبی مسافت ہوتی۔ اللہ تعالیٰ تمہیں اپنی ذات سے ڈراتے ہیں اور اللہ تعالیٰ مؤمن بندوں پر بڑا مہربان ہے)

یوم کا فائدہ:

یَوْمَ تَجِدُ تا بعیداً: **نَحْوٌ**: نمبر ۱: یوم ظرف ہے اس کا تعلق تودہ سے ہے اور بینہ کی ضمیر یوم کی طرف ہے یعنی قیامت کے دن جبکہ ہر نفس اپنے خیر و شر کو موجود پالے گا۔ وہ تمنا کرے گا کہ کاش اس کے اور اس دن کے درمیان بہت دور کا فاصلہ ہوتا۔ نمبر ۲: اس کا فعل اذکر محذوف ہے اور ما عملت پر اکیلا واقع ہے اور ما عملت ابتداء کی وجہ سے مرفوع اور تودہ اس کی خبر ہو گی یعنی جو برا کام اس نے کیا وہ اس کے متعلق چاہے گا کہ اس عمل اور اس کے درمیان مسافت بعید ہوتی۔ اور یہ ترکیب صحیح نہیں۔ ما شرطیہ تودہ کے مرفوع ہونے کی وجہ سے۔ البتہ اس میں کلام نہیں کہ جب شرط ماضی ہو تو مضارع جزاء پر رفع جائز ہے لیکن وہاں بھی جزم زیادہ مستعمل ہے۔ مبروتو اس مقام پر رفع کو شاذ قرار دیتے ہیں۔

رؤف کی رافت:

وَاللّٰهُ رَءُوْفٌ بِالْعَبَادِ نمبر ۱۔ اللہ تعالیٰ کی یہ رافت ہے کہ ان کو اپنی ذات سے ڈرایا تاکہ وہ اپنے کو اس کی ناراضگی کے مقام پر پیش نہ کریں۔

نمبر ۲۔ یہ بھی جائز ہے کہ یہ ارادہ کیا گیا ہو کہ باوجودیکہ وہ ایسی ذات ہے کہ اس سے ڈرا جائے کیونکہ وہ کامل قدرت والا ہے مگر اس کی وسعت رحمت امید کی آماجگاہ ہے جیسا دوسری جگہ فرمایا۔

ان ربك لذو مغفرة و ذو عقاب الیم فصلت آیت نمبر ۴۳ کہ تمہارا رب بے شک بخشنے والا اور دردناک عذاب والا ہے۔

۳۱: قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِیْ یُحْبِبْکُمْ اللّٰهُ (آپ فرما دیجئے کہ اگر تم اللہ تعالیٰ سے محبت کرتے ہو تو تم لوگ میرا

اتباع کرو۔ اللہ تعالیٰ تم سے محبت کرنے لگیں گے)

شأنِ نَزْوِل: یہ آیت اس وقت اتری جب یہود نے کہا ہم اللہ کے بیٹے اور اسکے محبوب ہیں۔ قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ۔ بندے کی اللہ تعالیٰ کے ساتھ محبت کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت کو دوسری چیزوں پر ترجیح دے۔

محبت کی حقیقت:

اور اللہ تعالیٰ کے بندے سے محبت کا مطلب یہ ہے کہ بندے پر راضی ہو۔ اور اس کے فعل کی تعریف فرمائے۔ حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ بعض لوگوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں گمان کیا کہ وہ اللہ تعالیٰ سے محبت کرتے ہیں پس رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارادہ فرمایا کہ ان کے اس قول کی عمل سے تصدیق مقرر کر دیں۔

اس لئے کہ جو شخص اللہ تعالیٰ کی محبت کا دعوے دار ہو اور سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت کرے وہ جھوٹا ہے اور کتاب اللہ اس کی تکذیب کر رہی ہے۔ بعض نے کہا اللہ تعالیٰ کی محبت کا مطلب اللہ تعالیٰ کی معرفت اور اس کی دائمی خشیت اور دل کا ہمیشہ اس کی ذات اور یاد میں مصروف رہنا اور ہمیشہ اس سے موانست کا اظہار کرنا ہے۔ بعض نے کہا۔ اللہ تعالیٰ کی محبت درحقیقت نبوت کی اس کے اقوال، افعال، احوال میں اتباع کا نام ہے۔ البتہ احوال مخصوصہ بالذات اس سے مستثنیٰ رہیں گے۔ ایک اور قول یہ ہے محبت کی علامت ہمیشہ سوچ و بچار، کثرت خلوت دائمی خاموشی اختیار کرنا ہے جس میں حال یہ ہو کہ جب نگاہ اٹھائے تو کچھ نہ دیکھے، جب آواز دیں تو کچھ نہ سنے اور جب دکھ پہنچے تو غم زدہ نہ ہو اور جب کوئی چیز پالے تو اترائے نہیں۔ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی سے نہ ڈرے اور نہ کسی سے امید لگائے۔

وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوبَكُمْ وَاللَّهُ غَفُورٌ رَّحِيمٌ (وہ تمہارے گناہ بخش دیگا اور اللہ بخشنے والے مہربان ہیں)

۳۲: قُلْ اطِيعُوا اللّٰهَ وَالرَّسُولَ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْكَافِرِيْنَ۔ (اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کہہ دیں تم اطاعت کرو اللہ تعالیٰ اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی۔ پس اگر تم منہ موڑ لیں یعنی اطاعت قبول کرنے سے اعراض کریں) تَوَلَّوْا میں مضارع کے صیغہ بننے کا احتمال بھی ہے یعنی اِنْ تَوَلَّوْا۔ (اگر تم منہ موڑ لو)۔ فَاِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْكَافِرِيْنَ۔ (پس اللہ ناشکروں کو پسند نہیں کرتے)۔ یعنی ان سے محبت نہیں کرتے)۔

اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰٓ اٰدَمَ وَنُوْحًا وَّ اٰلَ اِبْرٰهِيْمَ وَاٰلَ عِمْرٰنَ عَلٰی الْعٰلَمِيْنَ ۝۳۳

بے شک اللہ نے منتخب فرمایا آدم کو اور نوح کو اور آل ابراہیم کو اور آل عمران کو سارے جہانوں پر

ذُرِّيَّةً بَعْضُهَا مِنْ بَعْضٍ ۖ وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ۝۳۴ اِذْ قَالَتِ امْرَاَتُ

بعض ان میں بعض کی اولاد ہیں، اور اللہ سننے والا جاننے والا ہے، جب عرض کیا عمران کی

عِمْرٰنَ رَبِّ اِنِّیْ نَذَرْتُ لَكَ مَا فِیْ بَطْنِیْ مُحَرَّرًا فَتَقَبَّلْ مِنِّیْ ۚ اِنَّكَ اَنْتَ

بیوی نے کہ اے میرے رب بے شک میں نے آپ کے لئے نذرمان لی کہ جو بچہ میرے شکم میں ہے وہ آزاد ہوگا لہذا آپ اس کو مجھ سے قبول فرمائیے، بے شک

السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ ۝۳۵ فَلَمَّا وَضَعَتْهَا قَالَتْ رَبِّ اِنِّیْ وَضَعْتُهَا اُنْثٰی ۖ وَاللّٰهُ

آپ ہی ہیں سننے والے جاننے والے۔ پس جب اس کو جنا تو کہنے لگیں اے میرے رب بلاشبہ میں نے اس کو لڑکی کی جنا ہے، اور اللہ

اَعْلَمُ بِمَا وَضَعْتَ ۖ وَلَیْسَ الذَّكَرُ كَالْاُنْثٰی ۚ وَ اِنِّیْ سَمَّیْتُهَا

کو خوب معلوم ہے جو کچھ اس نے جنا، اور نہیں ہے بیٹا بیٹی کی طرح ہے، اور میں نے اس کا نام رکھ دیا ہے

مَرْیَمَ وَ اِنِّیْ اُعِیْذُهَا بِكَ وَذُرِّيَّتُهَا مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ ۝۳۶ فَتَقَبَّلَهَا

مریم، اور بے شک میں اس کو اور اس کی ذریت کو تیری پناہ میں دیتی ہوں شیطان مردود سے، سو اس کے رب نے قبول فرمایا

رَبُّهَا بِقَبُوْلٍ حَسَنٍ وَّ اَنْبَتَهَا نَبَاتًا حَسَنًا ۚ وَكَفَّلَهَا زَكَرِيَّا ۚ كُلَّمَا

اس بچی کو اچھی طرح کا قبول فرمانا اور اس کو بڑھایا اچھی طرح سے بڑھانا اور اس کو زکریا کی کفالت میں دے دیا۔ جب بھی

دَخَلَ عَلَيْهَا زَكَرِيَّا الْمِحْرَابَ ۖ وَجَدَ عِنْدَ هَارِزِقًا ۚ قَالَ لِمَیْمٍ اِنِّیْ

زکریا داخل ہوئے ان پر محراب میں تو پایا ان کے پاس رزق، تو انہوں نے کہا اے مریم کہاں سے ہے

لَكَ هٰذَا ۖ قَالَتْ هُوَ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ اِنَّ اللّٰهَ یَرْزُقُ مَنْ یَّشَآءُ بِغَیْرِ حِسَابٍ ۝۳۷

یہ تیرے لئے۔ انہوں نے کہا کہ وہ اللہ کے پاس سے ہے۔ بے شک اللہ رزق دیتا ہے جس کو چاہے بے حساب۔

۳۳: اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰٓ اٰدَمَ وَنُوْحًا وَّ اٰلَ اِبْرٰهِيْمَ وَاٰلَ عِمْرٰنَ عَلٰی الْعٰلَمِيْنَ (بے شک اللہ تعالیٰ نے منتخب فرمایا ہے آدم کو اور نوح علیہ السلام کو اور ابراہیم علیہ السلام کی اولاد کو اور عمران کی اولاد کو تمام جہان والوں پر) بیشک اللہ تعالیٰ نے چنا آدم علیہ السلام کو جو ابوالبشر ہیں اور نوح علیہ السلام جو شیخ المرسلین ہیں۔ اور آل ابراہیم سے مراد اسماعیل و اسحاق علیہما السلام اور ان دونوں کی اولاد ہے۔

آل عمران کی مراد:

آل عمران سے موسیٰ و ہارون علیہما السلام جو دونوں عمران بن یصہر کے بیٹے تھے اور دوسرا قول یہ بھی نقل کیا گیا کہ عیسیٰ علیہ السلام اور مریم بنت عمران بن ماثان مراد ہیں۔ ان دونوں عمرانوں کے درمیان اٹھارہ سو سال کا فاصلہ ہے۔ علی العالمین سے ان کے زمانوں کے لوگ مراد ہیں۔

۳۴: ذُرِّيَّةٌ بَعْضُهَا مِنْ بَعْضٍ وَاللَّهُ سَمِيعٌ عَلِيمٌ - (یہ ایک دوسرے کی اولاد ہیں اور اللہ تعالیٰ ہر چیز کو سننے والے ہیں) ذُرِّيَّةٌ یہ آل ابراہیم اور آل عمران سے بدل ہے۔ بعضہا من بعض - یہ مبتداء ہے اور اس کی خبر موضع نصب میں واقع ہو کر ذریت کی صفت ہے، تقدیر عبارت یہ ہے: ان الآلین ذریۃ واحده متسلسله بعضہا متشعب من بعض - یعنی دونوں آل ایک مسلسل لڑی ہیں۔ جو ایک دوسرے سے شاخ در شاخ چلنے والے ہیں۔ جیسے موسیٰ و ہارون عمران سے اور عمران یصہر سے اور وہ قاہٹ سے اور قاہٹ لاوی سے اور لاوی یعقوب سے اور یعقوب اسحاق سے اور اسی طرح عیسیٰ بن مریم بنت عمران بن ماثان اور یہ سلسلہ یہود ابن یعقوب بن اسحاق سے جاملتا ہے۔ اور آل ابراہیم میں رسول اللہ ﷺ بھی شامل ہیں۔ دوسرا قول: یہ ایک دوسرے سے دین میں متعلق ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ کی ہر بات سننے والے ہیں وہ جانتے ہیں کہ کون پنے جانے کے لائق ہے یا عمران کی زوجہ کا قول سننے والے اور اس کی نیت کو جاننے والے ہیں۔

حۃ کا تذکرہ:

۳۵: اِذْ قَالَتِ امْرَأَتُ عِمْرَانَ رَبِّ اِنِّیْ نَذَرْتُ لَكَ مَا فِیْ بَطْنِیْ مُحَرَّرًا فَتَقَبَّلْ مِنِّیْ (جبکہ عمران کی بی بی نے عرض کیا اے میرے پروردگار میں نے نذر مانی ہے آپ کے لئے اس بچہ کی جو میرے شکم میں ہے کہ وہ آزاد رکھا جاویگا سو آپ مجھ سے قبول کر لیجئے) اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ - (بے شک آپ سننے والے جاننے والے ہیں)۔

اِذْ قَالَتِ : نَحْمٌ : اِذْ عَلِیْمٌ کا ظرف ہونے کی بناء پر منصوب ہے۔ یا اذ کر محذوف کا ظرف ہے۔ امْرَأَتُ عِمْرَانَ یہ عمران بن ماثان کی بیوی ہے جو حضرت مریم کی والدہ اور عیسیٰ علیہ السلام کی نانی ہے۔ اس کا نام حۃ بنت ناقوذا ہے۔ رَبِّ اِنِّیْ نَذَرْتُ لَكَ مَا فِیْ بَطْنِیْ مُحَرَّرًا (اے میرے رب میں نے اپنے اوپر واجب کر لیا)

نَحْمٌ : یہ ما بمعنی الذی۔ ذوالحال ہے اور محرر اس کا حال ہے۔ یعنی بیت المقدس کی خدمت کیلئے اسکو آزاد چھوڑوں گی۔ جس پر مجھے کچھ بھی اختیار نہ ہوگا اور نہ ہی میں اس سے خدمت لوں گی۔ یہ نذر انکی شریعت میں درست تھی۔ یا عبادت کیلئے اسکو فارغ کر دوں گی۔ دنیا کے جھمیلوں سے اس کو سروکار نہ ہوگا۔ جیسے محاورہ میں کہتے ہیں۔ طین حُرٌّ یعنی خالص مٹی۔ فَتَقَبَّلْ مِنِّیْ۔

قراءت: ابو عمرو اور مدنی نے مِنِّیْ پڑھا ہے۔ التقبل کسی چیز کو رضامندی سے لینا۔

اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ - (بیشک آپ ہر بات کو سننے اور جاننے والے ہیں)

۳۶: فَلَمَّا وَضَعَتْهَا قَالَتْ رَبِّ اِنِّیْ وَضَعْتُهَا اُنْثٰی (پھر جب لڑکی جنی کہنے لگیں کہ اے میرے پروردگار میں نے تو وہ حمل لڑکی جنی) وَاللَّهُ اَعْلَمُ بِمَا وَضَعْتَ وَلَیْسَ الذَّكَرُ كَالْاُنْثٰی وَ اِنِّیْ سَمَّیْتُهَا مَرْیَمَ وَ اِنِّیْ اَعِیْذُهَا بِكَ وَ ذُرِّیَّتَهَا مِنْ

الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ فَلَمَّا وَضَعَتْهَا ، هَا ضَمِير مَافِي بَطْنِي يَعْنِي حَمْلُ كِي طَرَف رَاجِع هَے ، مَوْنُث حَامِلَه يَافْس يَاسْمَه كَے اَعْتَبَار سَے لَائِي گئی۔ قَالَتْ رَبِّ اِنِّیْ وَضَعْتُهَا اُنْثٰی یَے وَضَعْتُهَا كِي ضَمِير سَے حَال هَے۔ یعنی حَامِلَه يَافْس يَاسْمَه نَے لڑ كِي جَنی۔ حَنَے نَے یَے بَات بطور مَعذَرَت كہی كیونكہ لڑ كیوں كِي نَذَر كَارِوَاج نَہ تَہَا۔ اِس نَے غَمَز دَہ ہوكَر حَسْرَت وَرَنَج سَے یَے بَات كہی اللہ تَعَالٰی نَے فرمایا:

حسرت پر تسلی:

وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا وَضَعْتَ (اللہ تَعَالٰی كُو مَعْلُوم هَے جو كَچھ اِس نَے جَنَا) اِس كَلَام سَے پیدَا شَدَہ بَچِي كِي عَظْمَت ظَاہِر كَرْنَا مَقْصُود هَے یعنی اللہ تَعَالٰی كُو خُوب مَعْلُوم هَے جو بَچِي اِس نَے جَنی هَے۔ اور جو عَظِيم مَعَامَلَات اِس سَے مُتَعَلَق ہيں۔

قِرَاءَت: وَضَعْتُ شَامِي اور ابوبكر نَے اِس طَرَح پڑھَا۔ كہ اللہ تَعَالٰی جَانتَے ہيں جو ميں نَے بَچِي جَنی هَے شَايِد اِس كِي اِس ميں كُوئی حَكْمَت اور كُوئی رَاز هَے۔ اِس قِرَاءَت كَے مُطَابِق یَے سَابِقَہ قَوْل حَنَے سَے مُتَعَلَق ہوكَا اور پہلی قِرَاءَت كَے مُطَابِق اُنْثٰی پَر وَاقِف كیا جَاے گا۔ اور واللہ اَعْلَمُ یَے جَمْلَہ اَبْتَدَآئِيَّه هَے اور اللہ تَعَالٰی كِي طَرَف سَے پَيشِنگُوئی هَے۔

لَيْسَ الذَّكَرُ: (نہيں هَے وَہ مَذَكَّر) جو تَم نَے طَلَب كیا، كَمَا لَائِي (اِس عَوْرَت كِي طَرَح) جو اِس كُو دِي گئی اِن دُونوں ميں اَلْف لام عَمَد كَا هَے۔ وَ اِنِّیْ سَمَّيْتُهَا مَرْيَمَ (اور ميں نَے اِس لڑ كِي كَا نَام مَرْيَم رَکھا) اِس كَا عَطْف اِنِّیْ وَضَعْتُهَا اُنْثٰی پَر هَے۔ درميان ميں دُونوں جَمْلَے مَعْتَرَضَہ ہيں۔ حَنَے نَے اِس كَا نَام مَرْيَم رَکھا۔ كیونكہ اُنْكِ زَبَان ميں مَرْيَم عَابِدَہ كُو كَہتَے تَہے۔ یَے نَام رَکھ كَر اللہ تَعَالٰی كَے ہَاں تَقَرُّب كَا ارَادَہ كیا اور اللہ تَعَالٰی كِي بَارگاہ سَے یَے مانگا كہ وَہ اِس كِي حَفَاظَت فرما كَر اِسْم بَا مَسْمٰی بِنَادَے۔

اور اِسكے مُتَعَلَق اِس كَا گَمَان سَچَا كَر دَے۔ كیا تَم غُور نہيں كرتَے كہ اِس نَے اِس كَے فُورًا بَعْدَ اللہ تَعَالٰی كِي پَنَاه شَيْطَان سَے اِسكے لَئَے اور اِسكے لڑ كَے كَیلَے اِن اَلْفَاظ سَے طَلَب كِي اِنِّیْ اُعِيْذُهَا بِكَ وَذُرِّيَّتَهَا مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ (كہ ميں اِس كُو اور اِس كِي اولاد كُو شَيْطَان مَلْعُون سَے تيرِي پَنَاه ميں دِيتِي ہوں) حَدِيث ميں وَارَد هَے كہ جو بَچَہ پیدَا ہوتا هَے وَلا دَت كَے وَقْت شَيْطَان اِس كُو چُوك لگاتا هَے۔ جِس سَے وَہ چِخْتَا هَے۔ سَوَاے مَرْيَم اور اِسكے بیٹے كَے۔ (بخاری، مُسَلِم، اَحْمَد)

قِرَاءَت: مَدَنی نَے اِنِّیْ كُو اِنِّیْ پڑھَا هَے۔

۳: فَتَقَبَّلَهَا رَبُّهَا بِقَبُولٍ حَسَنٍ وَّ اَنْبَتَهَا نَبَاتًا حَسَنًا وَّ كَفَّلَهَا زَكَرِيَّا۔ كُلَّمَا دَخَلَ عَلَيْهَا زَكَرِيَّا الْمِحْرَابَ وَجَدَ عِنْدَهَا رِزْقًا قَالَ يَمْرُئِمُ اِنِّیْ لَكَ هَٰذَا، قَالَتْ هُوَ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ اِنَّ اللّٰهَ يَرْزُقُ مَنْ يَّشَاءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ (پس اِن كُو اِن كَے رَب نَے بوجہ اَحْسَن قَبُول فرمایا اور عَمَدَہ طُور پَر اِن كُو نَشُو و نَمَادیا اور زَكَرِيَّا كُو اِن كَا سَر پَر سَت بَنَا یا جَب كَہيں زَكَرِيَّا اِن كَے پاس عَمَدَہ مَكَان ميں تَشْرِيف لَاتَے تُو اِن كَے پاس كَچھ كَھانَے پَينَے كِي چيزيں پَاتَے تُو يوں فرمَاتَے كہ اے مَرْيَم یَے چيزيں تَمہَارَے واسطَے كہَاں سَے آئيں وَہ كَہتِيں كہ اللہ تَعَالٰی كَے پاس سَے آئيں بَے شَك اللہ تَعَالٰی جِس كُو چَاہتَے ہيں بَے اسْتَحْقَاق رِزْق عَطَا فرمَاتَے ہيں)۔ فَتَقَبَّلَهَا رَبُّهَا (اللہ تَعَالٰی نَے مَرْيَم كُو قَبُول كَر لیا) اور نَذَر كَر كِي جگہ اِس كِي نَذَر پَر رَاضِي ہوكَا۔

اعلیٰ قبولیت کا راز:

بقول حسن اچھی طرح قبول کرنا، قبول اس چیز کو کہتے ہیں۔ جس سے کسی چیز کو قبول کرتے ہیں (کشادہ روئی و مسرت) جیسے

سقوط وہ دوائی جو ناک میں ڈالی جاتی ہے قبول حسن سے مراد اللہ تعالیٰ کا وہ مخصوص معاملہ کہ مریم کو مذکر کی جگہ قبول کر لیا گیا۔ اس سے پہلے کسی عورت کو اس مقصد کیلئے قبول نہ کیا گیا تھا۔ یا دوسری تفسیر یہ ہے کہ اس کی والدہ سے ولادت کے بعد پرورش سے قبل ہی نگرانی میں لے لی گئی حالانکہ اس وقت بیت المقدس کی خدمت کے قابل نہ تھیں۔ روایت میں ہے کہ جب حنہ نے اس کو جنا تو کپڑے میں لپیٹ کر مسجد کی طرف اٹھالائیں اور احبار کی خدمت میں جو ہارون علیہ السلام کی اولاد تھے رکھ دیا۔ جبکہ وہ بیت المقدس میں تھے۔ جیسا کہ حجاب کعبہ (بنو عبد الدار) اور ان کو کہنے لگی لو یہ نذیرہ ہے مریم چونکہ ان کے امام اور قربانی کے ذمہ دار کی بیٹی تھی اس لئے سب نے ان کو لینے کی بڑھ چڑھ کر خواہش ظاہر کی کیونکہ بنو ماثان بنی اسرائیل کے سردار اور ان کے علماء تھے۔ اس پر زکریا علیہ السلام نے فرمایا کہ میں اس کا تم سے زیادہ حقدار ہوں کیونکہ میرے نکاح میں اس کی والدہ کی بہن ہے انہوں نے کہا اس کو ہم تسلیم نہیں کرتے جب تک کہ قرعہ اندازی نہ کر لیں وہ چل دیئے انکی تعداد ستائیس (۲۷) تھی۔ دریا پر پہنچ کر انہوں نے اپنے قلم ڈال دیئے۔ زکریا علیہ السلام کا قلم پانی کے اوپر بلند ہوا اور دوسروں کے قلم پانی میں بہہ گئے۔ پس اس کی کفالت زکریا علیہ السلام کے سپرد ہوئی۔ بعض نے کہا کہ قبول مصدر ہے اور اس کا مضاف محذوف ہے۔ یعنی فتقبلہا بذی قبول حسن یعنی اس کو ایسے امر سے قبول کیا جو اچھی قبولیت والا تھا۔ اور وہ اس کا خاص کرنا (خصوصیت پیدا کرنا) تھا۔ وَاَنْبَتَهَا نَبَاتًا حَسَنًا۔ اللہ تعالیٰ نے مریم کو اچھی بالیدگی سے بڑھایا۔ یہ جملہ تر بیت حسنہ سے مجاز ہے۔

ابن عطاء کہتے ہیں کہ اس کا عیسیٰ جیسا ثمرہ دینا یہی احسن نبات تھی یا ابتداء کے برخلاف یہ مصدر ہے۔ یا تقدیر عبارت یہ ہے کہ فنبت نباتاً کفلہا اس کو قبول کر لیا۔ یا اسکے سنبھالنے کی ذمہ داری لے لی۔

قراءت: کوئی نے کفلہا پڑھا یعنی کفلہا اللہ زکریا۔ یعنی اللہ تعالیٰ نے زکریا کو اس کا کفیل بنا دیا۔ اور اس کی مصلحتوں کا ضامن مقرر کر دیا۔ اس صورت میں زکریا مفعول ہے۔

زَكَرِيَّا۔ کوئی اس کو تمام قرآن میں مقصور پڑھتے ہیں۔ سوائے ابو بکر کے اور ابو بکر نے یہاں مد اور نصب سے پڑھا اور دوسروں نے مد اور رفع سے جیسا کہ ثانیہ اور ثالثہ، عبرانی زبان میں زکریا کا معنی ہمیشہ ذکر و تسبیح کرنے والا۔

محراب سے مراد:

كُلَّمَا دَخَلَ عَلَيْهَا زَكَرِيَّا الْمِحْرَابَ کہا گیا ہے کہ زکریا علیہ السلام نے مریم کیلئے مسجد میں ایک کمرہ بنوایا تھا وہ ایسا کمرہ تھا جس میں سیڑھی لگا کر چڑھا جاسکتا تھا۔

یہ بھی کہا جاتا ہے کہ محراب اصل میں بہترین اور اعلیٰ بیٹھنے کی جگہ کو کہتے ہیں گویا انہوں نے بیت المقدس کے اعلیٰ ترین مقام پر اسکے لئے کمرہ بنوایا۔ ایک قول یہ بھی ہے کہ انکی مساجد کو محاریب کہتے تھے۔ اور حضرت زکریا اکیلے مریم کے پاس جاسکتے تھے۔

وَجَدَ عِنْدَهَا رِزْقًا مَرِيْمٌ کا رزق اللہ تعالیٰ کی طرف سے جنت سے اتارا جاتا۔ مریم علیہ السلام نے ایک دن بھی پستان کو منہ میں نہیں لیا۔ زکریا علیہ السلام اسکے ہاں سردیوں کے پھل گرمیوں کے پھل سردیوں میں۔ قَالَ يَمْرُئِمُ اَنِّي لَكَ هَذَا یہ رزق تمہیں کہاں سے ملا جو کہ دنیا کے ارزاق کے مشابہ نہیں۔ یہ اپنے وقت کے علاوہ میسر ہونے والا ہے۔ قَالَتْ هُوَ مِنْ عِنْدِ

هٰنَالِكَ دَعَا زَكَرِيَّا رَبَّهُ ۖ قَالَ رَبِّ هَبْ لِيْ مِنْ لَّدُنْكَ ذُرِّيَّةً

اس موقع پر زکریا نے اپنے رب سے دعا کی، عرض کیا اے میرے رب مجھے آپ اپنے پاس سے پاکیزہ اولاد عطا

طَيِّبَةً ۖ اِنَّكَ سَمِيعُ الدُّعَا ۝۳۸ فَنَادَتْهُ الْمَلٰٓئِكَةُ وَهُوَ قَائِمٌ

فرما دیجئے بلاشبہ آپ دعا سننے والے ہیں، پس فرشتوں نے ان کو آواز دی اس حالت میں کہ وہ کھڑے ہوئے

يُّصَلِّيْ فِي الْمِحْرَابِ ۚ اَنَّ اللّٰهَ يُبَشِّرُكَ بِيَحْيٰى مُصَدِّقًا بِكَلِمَةٍ

محراب میں نماز پڑھ رہے تھے کہ بلاشبہ اللہ آپ کو یحییٰ کی خوشخبری دیتا ہے وہ اللہ کے کلمہ کی تصدیق

مِّنَ اللّٰهِ وَسَيِّدًا وَّحْصُورًا وَّنَبِيًّا مِّنَ الصّٰلِحِيْنَ ۝۳۹ قَالَ رَبِّ اِنِّیْ

کرنے والا ہوگا اور سردار ہوگا اور عورتوں سے دور رہنے والا ہوگا۔ اور نبی ہوگا صالحین میں سے، وہ کہنے لگے کہ اے میرے رب کہاں سے

يَكُوْنُ لِيْ غُلْمٌ وَّاقَدْ بَلَغَنِی الْکِبَرُ وَاَمْرًاۤیْ عَاقِرٌ ط قَالَ کَذٰلِكَ

ہو گا میرے لڑکا حالانکہ مجھے بڑھاپا پہنچ چکا ہے اور میری بیوی بانجھ ہے؟ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اسی طرح

اللّٰهُ یَفْعَلُ مَا یَشَآءُ ۝۴۰ قَالَ رَبِّ اجْعَلْ لِّیْ اٰیَةً ط قَالَ اَیُّکَ الْاَلَّا تُکَلِّمُ

اللہ کرتا ہے جو چاہے۔ وہ کہنے لگے کہ اے میرے رب میرے لئے کوئی نشانی مقرر فرما دیجئے، اللہ تعالیٰ نے فرمایا تیری نشانی یہ ہے کہ تو تین دن تک

النَّاسَ ثَلَاثَةَ اَیَّامٍ اِلَّا رَمَزًا وَّاذْکُرْ بِکَ کَثِیْرًا وَّسَبِّحْ بِالْعَشِیِّ وَاَلْبٰکَرِ ۝۴۱

لوگوں سے بات نہ کرے گا مگر صرف اشارہ سے، اور یاد کر اپنے رب کو کثرت کے ساتھ اور اللہ کی پاکی بیان کر شام اور صبح۔

اللہ مریم نے جواب دیا اس کو بعید مت سمجھو۔ بعض نے کہا کہ مریم علیہا السلام نے بچپن میں یہ کلام کیا۔ جیسا کہ عیسیٰ علیہ السلام نے پنگھوڑے میں۔ اِنَّ اللّٰهَ یَرْزُقُ مَنْ یَّشَآءُ یہ مریم کے کلام کا حصہ ہے یا کلام رب العالمین ہے، بَغِیْرِ حِسَابٍ بغیر اندازہ کے کیونکہ یہ بہت ہے یا محض بطور عطیہ ملا ہے۔ اس پر پوچھ گچھ نہ ہوگی اور استعمال پر باز پرس نہ ہوگی۔

بے وقت پھل کی تمنا:

۳۸: هٰنَالِكَ دَعَا زَكَرِيَّا رَبَّهُ قَالَ رَبِّ هَبْ لِيْ مِنْ لَّدُنْكَ ذُرِّيَّةً طَيِّبَةً اِنَّكَ سَمِيعُ الدُّعَا (اس موقع پر زکریا نے اپنے رب سے دعا کی، عرض کیا اے میرے رب مجھے آپ اپنے پاس سے پاکیزہ اولاد عطا فرما دیجئے بلاشبہ آپ دعا سننے والے ہیں۔) هٰنَالِكَ یعنی اسی جگہ جہاں وہ مریم کے پاس حجرہ میں تشریف فرما تھے یا اسی وقت جب وہ حجرہ میں تشریف فرما تھے۔ هٰنَا یہاں استعارۃً لایا گیا حیث اور ثم زمان کیلئے آتے ہیں۔

جب حضرت زکریا علیہ السلام نے مریم علیہا السلام کا مرتبہ اور انکی کرامت دیکھی تو اس بات کی طرف رغبت پیدا ہوئی کہ انکی بیوی ایشاع سے اللہ تعالیٰ ایک بیٹا عنایت فرمادے جس طرح کہ کو مریم علیہا السلام عنایت کی ہے۔ جو بارگاہ الہی میں شان والی ہے۔ اگرچہ ایشاع بوڑھی بانجھ ہو چکی ہے کیونکہ مریم علیہا السلام کی والدہ بھی عمر کے اسی اسٹیج پر تھیں۔

دوسروں نے یہ کہا جب بے وقت پھل مریم سلام اللہ علیہا کے پاس دیکھے تو بانجھ کے ہاں بیٹے کے تولد پر اغتباہ ہوا۔ دَعَا زَكَرِيَّا رَبَّهُ قَالَ رَبِّ هَبْ لِي مِنْ لَدُنْكَ ذُرِّيَّةً، ذُرِّيَّةً کاللفظ واحد جمع دونوں کے لئے آتا ہے۔ مراد اس سے لڑکا ہے۔ طَبِیْعًا مبارک، طیبہ کاللفظ تانیث کی صورت میں ذریت کے لفظ کا لحاظ کر کے لایا گیا ہے۔

إِنَّكَ سَمِيعُ الدُّعَاءِ (تو دعاؤں کو قبول کرنے والا ہے)

۳۹: فَادَّعَاهُ الْمَلٰٓئِكَةُ وَهُوَ قَائِمٌ يُصَلِّي فِي الْمِحْرَابِ أَنَّ اللّٰهَ يُبَشِّرُكَ بِيَحْيٰى مُصَدِّقًا بِكَلِمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ وَسَيِّدًا وَحَصُوْرًا وَنَبِيًّا مِّنَ الصّٰلِحِيْنَ، (کہ اللہ تعالیٰ آپ کو بشارت دیتے ہیں یحییٰ کی جن کے احوال یہ ہوں گے کہ وہ کلمۃ اللہ کی تصدیق کرنے والے ہونگے اور مقتداء ہونگے اور اپنے نفس کو بہت روکنے والے ہونگے اور نبی بھی ہوں گے اور اعلیٰ درجہ کے شائستہ ہونگے) فَادَّعَاهُ الْمَلٰٓئِكَةُ، (پس پکار کے کہا ان سے فرشتوں نے)

قول اول: جبریل علیہ السلام نے ان کو آواز دی۔ الْمَلٰٓئِكَةُ کاللفظ لایا گیا کیونکہ معنی یہ ہے کہ ان کو اسی جنس کی آواز سنائی دی۔ جیسا کہتے ہیں: فلان یرکب الخیل، فلاں گھوڑے پر سواری کرتا ہے۔ فَادَّعَاهُ اِمَالہ اور یا سے پڑھا گیا علی و حمزہ نے اسی طرح پڑھا وَهُوَ قَائِمٌ يُصَلِّي فِي الْمِحْرَابِ جبکہ وہ کھڑے حجرے میں نماز ادا کر رہے تھے۔

مَسْئَلَةٌ: اس میں دلیل ہے کہ مرادیں نمازوں کے ساتھ مانگی جاتی ہیں۔ اور نمازوں میں دعا زیادہ مقبول ہوتی ہے اور حاجات پوری ہوتی ہیں۔

ابن عطاء کا قول ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کسی بندے پر جو عمدہ حالت کھولی ہے۔ وہ اوامر الہی کی اتباع اور طاعات میں اخلاص سے میسر آئی ہے۔ اور خلوت گزینی سے ملی ہے۔ اَنَّ اللّٰهَ شَامِیْ اور حمزہ نے قال کو مضمّر مان کر اِن پڑھا ہے یا اس وجہ سے کہ ندا قول ہے۔ باقی قراء نے فتح سے پڑھایا با کو محذوف مان کر (بَانَ اللّٰهَ) یُبَشِّرُكَ قراءت حمزہ اور علی نے یُبَشِّرُكَ پڑھا تشدید اور تخفیف دونوں لغتیں ہیں۔ بِيَحْيٰى میں یحییٰ غیر منصرف ہے جبکہ اس کو عجمہ مانیں۔ تو اس میں دو سبب عجمہ اور علم پائے جاتے ہیں جیسا موسیٰ عیسیٰ (ان میں الف مقصورہ بھی دو سبب کے قائم مقام موجود ہے) اور اگر یہ عربی ہیں تو تعریف و وزن فعل جیسا کہ یعمر میں ہے۔

مصدق کلمۃ اللہ:

مُصَدِّقًا یہ یحییٰ سے حال ہے بِكَلِمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ کلمہ سے مراد عیسیٰ علیہ السلام ہیں۔ یعنی وہ عیسیٰ علیہ السلام کا مصدق ہوگا۔ اور ان پر پہلا ایمان لانے والا ہوگا۔ عیسیٰ علیہ السلام کو کلمۃ اللہ کا خطاب دیئے جانے کی وجہ ان کی کلمہ کُن سے بن باپ ولادت ہے یا اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک کلمہ کے ساتھ تصدیق کرنے والے اور اس کی طرف سے ملنے والی کتاب پر ایمان لانے والے ہونگے۔ وَسَيِّدًا وہ اپنی قوم کی سیادت و سرداری کرنے والے ہونگے اور شرافت میں ان سے فوقیت لے جانے والے ہونگے۔ حضرت یحییٰ اپنی قوم

میں سبقت لے جانے والے تھے کیونکہ انہوں نے کبھی کوئی گناہ نہ کیا تھا انکی قیادت کتنی شاندار تھی۔ حضرت جنید ؓ فرماتے ہیں کہ سید وہ ہے جس نے دونوں جہاں کے عوض خالق کو لے لیا ہو۔ وَحَصُورًا وہ شخص جو عورتوں کے قریب نہ جائے۔ قدرت کے باوجود اپنے نفس کو روکے یعنی نفس کو خواہشات سے روکنے والا ہو۔ وَنَبِيًّا مِّنَ الصَّالِحِينَ نیکوں سے پیدا ہونے والے ہونگے کیونکہ وہ انبیاء ؑ کی صلب سے تھے۔ یا من جملہ صالحین میں سے ہونگے۔

۴۰: قَالَ رَبِّ اَنْتَ يَكُوْنُ لِيْ غُلْمٌ وَّ قَدْ بَلَغَنِی الْکِبَرُ وَاْمْرَاَتِيْ عَاقِرٌ قَالَ كَذٰلِكَ اللّٰهُ یَفْعَلُ مَا یَشَآءُ ، قَالَ رَبِّ اَنْتَ یَكُوْنُ لِيْ غُلْمٌ (کہا اے میرے رب کیسے ہوگا میرے لئے لڑکا) یہ عادت کے اعتبار سے استبعاد کا اظہار ہے اور قدرت کو عظیم تر قرار دینا ہے۔ شک ظاہر کرنا نہیں۔ وَ قَدْ بَلَغَنِی الْکِبَرُ (پس تحقیق مجھے بڑھاپا پہنچ چکا) جیسا کہتے ہیں ادرکتہ السن العالیہ یعنی وہ بڑی عمر کا ہو گیا۔ اب مطلب یہ ہوا کہ مجھ میں بڑھاپے کا اثر ہو گیا اور اس نے مجھے ضعیف کر دیا۔ اس وقت انکی عمر ۹۹ سال تھی۔ اور بیوی کی عمر ۹۸ سال تھی وَ اْمْرَاَتِيْ عَاقِرٌ (اور میری بیوی بانجھ ہو گئی) یعنی بچہ جننے کے قابل نہیں رہی۔ قَالَ كَذٰلِكَ اللّٰهُ یَفْعَلُ مَا یَشَآءُ (کہا اسی طرح اللہ تعالیٰ جو چاہتے ہیں افعال عجیبہ ظاہر کرتے ہیں)۔

۴۱: قَالَ رَبِّ اجْعَلْ لِّیْ اٰیَةً قَالَ اَیْتُكَ اَلَا تُكَلِّمُ النَّاسَ ثَلَاثَةَ اَیَّامٍ اِلَّا رَمْزًا وَاذْكُرْ رَبَّكَ کَثِیْرًا وَّ سَبِّحْ بِالْعَشِیِّ وَاَلْبُكَّارِ۔ (انہوں نے عرض کیا کہ اے میرے پروردگار میرے واسطے کوئی نشانی مقرر کر دیجئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا تمہاری نشانی یہی ہے کہ تم لوگوں سے تین روز تک باتیں نہ کر سکو گے سوائے اشارہ کے اور اپنے رب کو بکثرت یاد کرنا اور تسبیح کرنا دن ڈھلے بھی اور صبح کو بھی) قَالَ رَبِّ اجْعَلْ لِّیْ اٰیَةً اَبُو عَمْرٍ وَاورمدنی نے لے پڑھا۔ اٰیۃ آیت سے مراد ایسی نشانی ہے جس سے میں حمل کو پہچان لوں اور نعمت کا استقبال شکریے سے کروں۔

انسانی گفتگو میں زبان کا اللہ کی قدرت سے رکنا:

قَالَ اَیْتُكَ اَلَا تُكَلِّمُ النَّاسَ یعنی لوگوں سے کلام پر قدرت نہ رہے گی۔ ثَلَاثَةَ اَیَّامٍ اِلَّا رَمْزًا۔ مگر ہاتھ سے اشارہ یا سر سے یا آنکھ سے یا برو سے اشارہ۔ رمز کا اصل معنی حرکت دینا ہے کہا جاتا ہے۔ ارتمز اس نے حرکت دی۔ رمز کو استثناء کرنے کی وجہ یہ ہے کہ یہ جنس کلام سے نہیں البتہ اگر ایذا کی حد تک پہنچ جائے اور اس سے وہی سمجھا جائے جو کلام سے سمجھا جاتا ہے تو اس کو کلام کہتے ہیں۔ یا یہ مستثنیٰ منقطع ہے۔ لوگوں سے گفتگو کو خاص کرنے کی وجہ یہ ہے کہ معلوم ہو جائے کہ لوگوں کے ساتھ گفتگو پر انکی زبان کو قدرت نہ ہوگی مگر ذکر اللہ میں کوئی رکاوٹ نہ ہوگی اسی لئے فرمادیا وَ اذْكُرْ رَبَّكَ کَثِیْرًا وَّ سَبِّحْ بِالْعَشِیِّ وَاَلْبُكَّارِ یعنی لوگوں کے ساتھ گفتگو سے عاجزی کے زمانہ میں تم خوب اللہ تعالیٰ کی حمد و ثناء کرو۔ یہ کھلی نشانیوں اور واضح دلائل میں سے ہے کہ ان کی زبان کو لوگوں کے ساتھ گفتگو سے روک دیا گیا۔ تاکہ اس زمانے کو وہ ذکر کیلئے خاص کر دیں۔ اور اپنی زبان کو اور کسی چیز میں مشغول نہ کریں، گویا کہ جب شکر کیلئے انہوں نے نشانی طلب کی تو ان کو بتلادیا گیا کہ انکی زبان شکر یہ کے علاوہ ہر چیز سے رک جائے گی۔ بہترین جواب وہی ہوتا ہے جو سوال سے ہی اخذ کیا جائے۔ اَلْعَشِیِّ زوال سے غروب تک کا وقت اِلَّا بُكَّارِ طلوع فجر سے چاشت تک کا وقت۔

وَإِذْ قَالَتِ الْمَلَكَةُ يَمْرُؤُا إِنَّ اللَّهَ اصْطَفٰكِ وَطَهَّرَكِ وَاصْطَفٰكِ عَلَىٰ

اور جب کہا فرشتوں نے کہ اے مریم بے شک اللہ نے تجھے منتخب فرما لیا اور پاک بنا دیا اور سب جہانوں کی

نِسَاءِ الْعَالَمِينَ ۴۲ يَمْرُؤُا قُنْتُ لِرَبِّكِ وَاسْجُدِي وَارْكَعِي مَعَ الرَّاكِعِينَ ۴۳

عورتوں کے مقابلہ میں تم کو چن لیا، اے مریم تم اپنے رب کی فرمانبرداری کرتی رہو اور سجدہ کرو اور رکوع کرو ان لوگوں کے ساتھ جو رکوع کرنے والے ہیں۔

۴۲: وَإِذْ قَالَتِ الْمَلَكَةُ يَمْرُؤُا (اور جبکہ فرشتوں نے کہا کہ اے مریم) إِنَّ اللَّهَ اصْطَفٰكِ وَطَهَّرَكِ وَاصْطَفٰكِ عَلَىٰ نِسَاءِ الْعَالَمِينَ۔ اس کا عطف اذ قالت امراة عمران پر ہے یا اذ کر محذوف کا یہ ظرف ہے۔ وَإِذْ قَالَتِ الْمَلَكَةُ يَمْرُؤُا (روایت میں کہ انہوں نے روڈ رو کہا) إِنَّ اللَّهَ اصْطَفٰكِ (بے شک اللہ تعالیٰ نے تجھے چھانٹ لیا) پہلی مرتبہ اسی وقت جب تمہاری ماں سے تمہیں قبول کر لیا اور تیری تربیت کی اور شاندار کرامات سے تجھے نوازا۔ وَطَهَّرَكِ (اور تجھے پاک رکھا) ناپاک افعال سے۔

منفرد فضیلت:

وَاصْطَفٰكِ (اور ثانیاً تجھے چنا) عَلَىٰ نِسَاءِ الْعَالَمِينَ (تمام جہان کی عورتوں پر) وہ اس طرح کہ تجھے بلا باب عیسیٰ بیٹا عنایت کر دیا اور یہ فضیلت کسی اور عورت کو حاصل نہیں۔

۴۳: يَمْرُؤُا قُنْتُ لِرَبِّكِ وَاسْجُدِي وَارْكَعِي مَعَ الرَّاكِعِينَ۔ يَمْرُؤُا قُنْتُ لِرَبِّكِ (اے مریم تو عاجزی کر اپنے رب کیلئے) یعنی ہمیشہ اطاعت گزاری اختیار کر۔ یا نماز میں طویل قیام کر۔ وَاسْجُدِي (اور تو سجدہ کر) یہ بھی کہا گیا کہ ان کو قیام و سجود کا حکم دے کر نماز ہی کا حکم دینا مقصود ہے۔ کیونکہ یہ دونوں نماز کے ارکان میں سے ہیں پھر انہیں فرمایا گیا۔

مرتبہ جماعت:

وَارْكَعِي مَعَ الرَّاكِعِينَ (پھر رکوع کرنے والوں کے ساتھ رکوع کر) یعنی تمہیں نماز پڑھنے والوں کے ساتھ نماز پڑھنی چاہیے یعنی جماعت کے ساتھ یا دوسری تفسیر یہ ہے کہ من جملہ نمازیوں کے ساتھ تو بھی اپنے کو منظم کر اور ان میں اپنے کو گن اور شمار کر۔ اور ان کے علاوہ اور لوگوں میں اپنے آپ کو شمار نہ کر۔

ذٰلِكَ مِنْ اَنْبَاءِ الْغَيْبِ نُوحِيْهِ اِلَيْكَ ۖ وَمَا كُنْتَ لَدَيْهِمْ اِذْ

یہ غیب کی خبروں میں سے ہے جو ہم آپ کی طرف وحی بھیجتے ہیں اور آپ نہیں تھے ان کے پاس جب

يُلْقُوْنَ اَقْلَامَهُمْ اَيُّهُمْ يَكْفُلُ مَرْيَمَ ۚ وَمَا كُنْتَ لَدَيْهِمْ اِذْ

کہ وہ ڈال رہے تھے اپنی قلموں کو کہ ان میں سے کون مریم کی کفالت کرے۔ اور آپ نہیں تھے ان کے پاس جس وقت

يَخْتَصِمُوْنَ ﴿۴۴﴾

کہ وہ جھگڑ رہے تھے۔

۴۴: ذٰلِكَ مِنْ اَنْبَاءِ الْغَيْبِ نُوحِيْهِ اِلَيْكَ وَمَا كُنْتَ لَدَيْهِمْ اِذْ يُلْقُوْنَ اَقْلَامَهُمْ اَيُّهُمْ يَكْفُلُ مَرْيَمَ وَمَا كُنْتَ لَدَيْهِمْ اِذْ يَخْتَصِمُوْنَ۔ ذٰلِكَ کا مشارالیه حدہ مریم اور زکریا اور یحییٰ علیہم السلام کے واقعات ہیں۔ مِنْ اَنْبَاءِ الْغَيْبِ نُوحِيْهِ اِلَيْكَ (یہ غیب کی اطلاعات ہیں جو ہم وحی کے ذریعہ آپ کے پاس بھیج رہے ہیں) جو ان غیوبات میں سے ہیں جن کو وحی کے سواء آپ نہ جانتے تھے۔

اقلام کی مراد:

وَمَا كُنْتَ لَدَيْهِمْ اِذْ يُلْقُوْنَ اَقْلَامَهُمْ (اور آپ ان کے پاس نہ تھے جب وہ اپنے قلم ڈال رہے تھے) اقسام سے اقسام یعنی تیر مراد ہیں۔ جبکہ قرعہ اندازی کیلئے انہوں نے دریا میں ڈالے یا وہ قلم تھے جن سے تورات کو لکھتے تھے۔ ان قلموں کو بطور تبرک قرعہ اندازی کیلئے استعمال کیا۔ اَيُّهُمْ يَكْفُلُ مَرْيَمَ (کہ ان میں سے کون مریم کا کفیل بنے گا) اَيُّهُمْ کا متعلق ينظرون محذوف ہے یلقون اس پر دلالت کر رہا ہے۔ گویا عبارت اس طرح تھی یلقونها ينظرون ایہم یكفل مریم یا لیعلموا محذوف ہے یا یقولون محذوف ہے وَمَا كُنْتَ لَدَيْهِمْ اِذْ يَخْتَصِمُوْنَ (اور آپ ان کے پاس نہ تھے جبکہ وہ جھگڑا کر رہے تھے) یعنی مریم کے بارے میں پرورش کے سلسلہ میں ایک دوسرے سے سبقت لے جانے کی کوشش کر رہے تھے۔

اِذْ قَالَتِ الْمَلٰٓئِكَةُ يٰمَرْيَمُ اِنَّ اللّٰهَ يُبَشِّرُكِ بِكَلِمَةٍ مِّنْهُ فَاسْمِعِيْ

جب کہا فرشتوں نے کہ اے مریم بے شک اللہ تمہیں خوشخبری دیتا ہے ایک کلمہ کی جو منجانب اللہ ہو گا اس کا نام

الْمَسِيْحُ عِيسٰی ابْنُ مَرْيَمَ وَجِيْهًا فِی الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ وَمِنْ

مسح ہو گا وہ عیسیٰ ابن مریم ہو گا۔ وہ دنیا اور آخرت میں باوجاہت ہو گا اور

الْمُقَرَّبٰیْنَ ۝۵۶ وَیُكَلِّمُ النَّاسَ فِی الْمَهْدِ وَكَهْلًا وَمِنْ الصّٰلِحِیْنَ ۝۵۷

مقربین میں سے ہو گا اور وہ لوگوں سے بات کرے گا گہوارہ میں اور بڑی عمر میں، اور وہ صالحین میں سے ہو گا۔

قَالَتْ رَبِّ اِنِّیْ یَكُوْنُ لِیْ وَلَدٌ وَلَمْ یَمْسَسْنِیْ بَشْرٌ ۖ قَالَ کَذٰلِکَ

وہ کہنے لگیں کہ اے رب میرے لڑکا کس طرح ہو گا حالانکہ مجھے کسی بشر نے ہاتھ نہیں لگایا، فرمایا اللہ اسی طرح

اَللّٰهُ یَخْلُقُ مَا یَشَآءُ ۚ اِذَا قَضٰی اَمْرًا فَاِنَّمَا یَقُوْلُ لَہٗ کُنْ فَاَیْکُوْنُ ۝۵۷

بیدا فرماتا ہے جو چاہتا ہے۔ جب وہ کسی امر کا فیصلہ فرما دے، تو فرما دیتا ہے کہ ہو جا سو وہ ہو جاتا ہے۔

۴۵: اِذْ قَالَتِ الْمَلٰٓئِكَةُ یٰمَرْيَمُ اِنَّ اللّٰهَ یُبَشِّرُكِ بِكَلِمَةٍ مِّنْهُ اِسْمُ الْمَسِيْحِ عِيسٰی ابْنُ مَرْيَمَ وَجِيْهًا فِی الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ وَمِنْ الْمُقَرَّبٰیْنَ۔ اِذْ قَالَتِ الْمَلٰٓئِكَةُ (جب فرشتوں نے کہا) یہ اِذَا اُذْکُرُ فعل کا ظرف ہے۔ یٰمَرْيَمُ اِنَّ اللّٰهَ یُبَشِّرُكِ بِكَلِمَةٍ مِّنْهُ اِسْمُ الْمَسِيْحِ عِيسٰی ابْنُ مَرْيَمَ (اے مریم بیشک اللہ تعالیٰ تجھے ایک ایسے کلمہ کی خوشخبری دے رہے ہیں جس کا نام مسیح ہو گا) کلمہ سے مراد عیسیٰ علیہ السلام ہیں منہ یہ موضع جر میں کلمہ کی صفت ہے اِسْمُہُ یہ مبتداء ہے کلمہ کیلئے ضمیر مذکر کی لائی گئی کیونکہ مراد مذکر ہے۔

مسیح ایک عظیم لقب:

الْمَسِيْحُ یہ مبتداء کی خبر ہے۔ یہ جملہ موضع جر میں کلمہ کی صفت ہے۔ مَسِيْحُ یہ عظیم الشان لقب ہے جیسا صدیق و فاروق عبرانی زبان میں اصل یہ مَسِيْحًا ہے اس کا معنی مبارک ہے جیسا کہ قول باری تعالیٰ وَجَعَلْنٰی مُبَارَکًا اَیْنَ مَا کُنْتُ (مریم ۳۱) میں ہے۔ دوسرا قول یہ ہے کہ ان کو مسیح اس لئے کہا جاتا ہے کہ یہ جس کسی بیمار دکھی کو ہاتھ لگاتے وہ صحیح ہو جاتا۔ (ان دونوں صورتوں میں مادہ مسح ہو گا یا تیسرا قول یہ ہے کہ سیاحت کرتے اور کسی جگہ مستقل قیام اختیار نہ کرتے (اس صورت میں سیاحت مادہ ہے) عیسیٰ یہ مسیح سے بطور بدل لایا گیا۔ ابْنُ مَرْيَمَ یہ مبتداء محذوف ہوئی خبر ہے۔ یہ عیسیٰ کی صفت نہیں بن سکتی۔ کیونکہ ان کا نام عیسیٰ ہی کافی ہے۔ ان کا نام عیسیٰ ابن مریم نہیں۔ ابن مریم اس لئے لائے کیونکہ وہ بغیر باپ پیدا ہوئے پس انکی نسبت ماں ہی کی طرف ہوگی۔ وَجِيْهًا (وہ باعزت و باوجاہت ہونگے) فِی الدُّنْيَا (دنیا میں) نبوت اور اطاعت کے ساتھ وَالْآخِرَةِ (اور

آخرت میں) بلند درجات اور شفاعت کے ساتھ۔ وَمِنْ الْمُقَرَّبِينَ (وہ مقربین میں سے ہونگے) ان کو اللہ تعالیٰ آسمان کی طرف اٹھائیں گے۔

مَنْحُوْرٌ : وَجِہًا یہ کلمہ سے حال ہے۔ کیونکہ کلمہ نکرہ موصوفہ ہے اس طرح مقربین بھی ثابتاً کے متعلق ہو کر حال دوم ہے۔ اور ویکلم الناس بھی مکلفاً کے معنی میں حال ثالث ہے اور فی المہد یہ یکلم کی ضمیر سے حال ہے۔ ای ثابتاً فی المہد۔ اور ومن الصالحین بھی ثابتاً سے متعلق ہو کر حال ہے۔

کلام مہد و سہولت:

۴۶: وَيُكَلِّمُ النَّاسَ فِي الْمَهْدِ وَكَهْلًا وَمِنَ الصَّالِحِينَ، وَيُكَلِّمُ النَّاسَ (وہ لوگوں سے پنکھوڑے میں کلام کرے گا اور کہولت میں) الْمَهْدِ، پنکھوڑا جو بچے کو لٹانے کے لئے استعمال ہوتا ہے۔ یہ مہد ہے مگر بطور اسم استعمال ہوتا ہے۔ وَكَهْلًا اس کا عطف مہد پر ہے یعنی یکلم الناس طفلاً و کھلاً یعنی وہ ان دونوں حالتوں میں یکساں کلام کرے گا۔ جیسا انبیاء علیہم السلام کرتے ہیں طفولیت و کہولت کے کلام میں فرق نہ ہوگا کہولت وہ زمانہ ہے جس میں عقل پختہ ہوتی اور نبوت ملتی ہے۔ وَمِنَ الصَّالِحِينَ (اور شائستہ لوگوں میں سے ہوگا) یہ بھی حال ہے تقدیر عبارت یہ ہے جس کی اللہ تعالیٰ خوشخبری دیتے ہیں وہ ان صفات کے ساتھ موصوف ہوگا۔

۴۷: قَالَتْ رَبِّ اَنْتَ اَنْتَ يَكُوْنُ لِيْ وَلَدٌ وَلَمْ يَمْسَسْنِيْ بَشَرٌ قَالَ كَذٰلِكَ اللّٰهُ يَخْلُقُ مَا يَشَآءُ اِذَا قَضٰى اَمْرًا فَاَنْتَ اَقُوْلُ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ (کہا اے میرے رب کیسے ہوگا میرے لیے بچہ حالانکہ مجھے کسی انسان نے نہیں چھوا۔ کہا اسی طرح اللہ تعالیٰ جو چاہتے ہیں پیدا کرتے ہیں۔ جب وہ کسی کام کا ارادہ فرماتے ہیں تو اس کو کہتے ہیں ہو جا پس وہ ہو جاتا ہے) یعنی جب وہ کسی چیز کو بنانا چاہتا ہے تو بغیر تاخیر کے بنا ڈالتا ہے۔ لیکن اس کی تعبیر لفظ کُن سے فرما کر اشیاء کے بنانے میں سرعت و تیزی کی خبر دی گئی ہے۔

وَيُعَلِّمُهُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَالتَّوْرَةَ وَالْإِنْجِيلَ ۚ وَرَسُولًا إِلَىٰ

اور اللہ سکھا دے گا اس کو کتاب اور حکمت اور توراۃ اور انجیل، اور بنا دے گا اس کو رسول بنی

بَنِي إِسْرَآءِيلَ ۚ أَنِّي قَدْ جِئْتُكُمْ بِآيَةٍ مِّن رَّبِّكُمْ ۚ أَنِّي أَخْلُقُ

اسرائیل کی طرف، بنی اسرائیل سے ان کا یہ خطاب ہوگا کہ بلاشبہ میں تمہارے پاس آیا ہوں تمہارے رب کی طرف سے نشانی لے کر، کہ بلاشبہ میں بناتا ہوں

لَكُمْ مِّنَ الطَّيْنِ كَهَيْئَةِ الطَّيْرِ فَأَنْفُخُ فِيهِ فَيَكُونُ طَيْرًا بِإِذْنِ اللَّهِ ۚ

تمہارے سامنے مٹی سے پرندہ کی طرح ایک چیز پھر اس میں پھونک دیتا ہوں تو وہ پرندہ ہو جاتی ہے اللہ کے حکم سے،

وَأُبْرِئُ الْآكِمَةَ وَالْأَبْرَصَ وَأُحْيِي الْمَوْتَىٰ بِإِذْنِ اللَّهِ ۚ وَأَنْبِئُكُمْ

اور اچھا کرتا ہوں مادر زاد اندھے کو اور برص والے کو، اور زندہ کرتا ہوں مردوں کو اللہ کے حکم سے، اور میں تمہیں خبر دیتا ہوں

بِمَا تَأْكُلُونَ وَمَا تَدْخِرُونَ فِي بُيُوتِكُمْ ۚ إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَةً لَّكُمْ

اس چیز کی جو تم کھاتے ہو اور ذخیرہ رکھتے ہو اپنے گھروں میں، بلاشبہ اس میں تمہارے لئے نشانی ہے

إِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِينَ ۚ ۝۴۹ وَمُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيَّ مِنَ التَّوْرَةِ وَلِأَحِلَّ

اگر تم ایمان قبول کرنے والے ہو، اور سچا بتاتا ہوں اپنے سے پہلی کتاب کو جو تورات ہے اور تاکہ میں حلال کروں

لَكُمْ بَعْضَ الَّذِي حُرِّمَ عَلَيْكُمْ وَجِئْتُكُمْ بِآيَةٍ مِّن رَّبِّكُمْ ۚ فَاتَّقُوا

تمہارے لئے بعض وہ چیزیں جو تم پر حرام کی گئیں، اور میں لایا ہوں تمہارے پاس نشانی تمہارے رب کی طرف سے، لہذا تم اللہ

اللَّهِ وَاطِيعُونَ ۝۵۰ إِنَّ اللَّهَ رَبِّي وَرَبُّكُمْ فَاعْبُدُوهُ ۚ هَٰذَا صِرَاطٌ مُّسْتَقِيمٌ ۝۵۱

سے ڈرو اور میری اطاعت کرو، بے شک اللہ میرا رب ہے اور تمہارا رب ہے سو اس کی عبادت کرو یہ سیدھا راستہ ہے۔

۴۸، ۴۹: وَيُعَلِّمُهُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَالتَّوْرَةَ وَالْإِنْجِيلَ وَرَسُولًا إِلَىٰ بَنِي إِسْرَآءِيلَ أَنِّي قَدْ جِئْتُكُمْ بِآيَةٍ مِّن رَّبِّكُمْ، أَنِّي أَخْلُقُ لَكُمْ مِّنَ الطَّيْنِ كَهَيْئَةِ الطَّيْرِ فَأَنْفُخُ فِيهِ فَيَكُونُ طَيْرًا بِإِذْنِ اللَّهِ وَأُبْرِئُ الْآكِمَةَ وَالْأَبْرَصَ وَأُحْيِي الْمَوْتَىٰ بِإِذْنِ اللَّهِ وَأَنْبِئُكُمْ بِمَا تَأْكُلُونَ وَمَا تَدْخِرُونَ فِي بُيُوتِكُمْ إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَةً لَّكُمْ إِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِينَ۔ (اور وہ اس کو کتاب و حکمت اور تورات و انجیل کی تعلیم دے گا اور وہ بنی اسرائیل کی طرف رسول ہوگا۔ بیشک میں تمہارے پاس تمہارے رب کی ایک نشانی لایا ہوں۔ میں تمہارے سامنے مٹی کی ایک مورت بناؤں گا پرندہ کی شکل جیسی پس اس

مورت میں میں پھونک مارونگا پس وہ پرندہ بن جائیگی اللہ تعالیٰ کی اجازت سے اور نابینا اور کوڑھی کو تندرست کرونگا اور مردوں کو اللہ تعالیٰ کے حکم سے زندہ کرونگا اور تمہیں جو کچھ کھاتے ہو اور جو کچھ گھروں میں جمع رکھتے ہو بتاؤں گا۔ بیشک اس میں تمہارے لیے نشانی ہے اگر تم مؤمن ہو۔

قراءت ونحوی تحقیق:

قراءت: یُعَلِّمُهُ مَدَنی وعاصم نے اسی طرح پڑھا وجیہا پر عطف کی وجہ سے یہ موضع حال میں ہے۔ باقی قراء نے نون کے ساتھ پڑھا اور اس کو ابتدائی کلام قرار دیا۔ الکتاب سے مراد کتابت ہے آپ اپنے زمانہ میں سب سے زیادہ خوبصورت خط والے تھے اور دوسرا قول یہ کہ اللہ تعالیٰ کی کتابیں مراد ہیں۔ اَلْحِكْمَةُ حلال و حرام کی وضاحت یا کتاب سے مراد ہاتھ سے لکھنا اور حکمت سے مراد زبان سے اس کی وضاحت کرنا،

التوراة و الانجیل - وَرَسُولًا نَّخْرِجُ: یہ فعل محذوف کا مفعول ہے یا یہ موضع حال میں ہے وَرَسُولًا پر عطف ہے۔ اِلٰی بَنِي إِسْرَآءِ یٰلَ اَیُّیْ - بَا اس سے قبل محذوف ہے۔ نَبِیْ - قَدْ جِئْتُكُمْ بِآیَةٍ مِّنْ رَبِّكُمْ - آیت سے مراد ایسی دلالت جو میرے دعویٰ نبوت میں سچائی پر دلالت کرے۔

اَیُّیْ اَخْلُقُ نَّخْرِجُ: نمبر ۱۔ یہ اَیُّیْ قَدْ جِئْتُكُمْ سے بدل ہونے کی بناء پر منصوب ہے یا نمبر ۲۔ بِآیَةٍ کا بدل ہونے کی وجہ سے مجرور ہے یا نمبر ۳۔ یہ ہی مبتداء محذوف کی وجہ سے مرفوع ہے۔ قراءت: نافع نے جملہ متانفہ قرار دے کر اَیُّیْ پڑھا ہے۔

معجزات عیسوی:

مِّنَ الطَّيْنِ كَهَيْئَةِ الطَّيْرِ میں تمہارے لئے پرندے جیسی شکل کا اندازہ کرونگا فَانْفُخُ فِیْهِ اس میں ہ کی ضمیر کاف کی طرف جارہی ہے۔ یعنی اس پرندے کی مماثل شکل میں فِیْکُونُ طِیْرًا پس وہ تمام پرندوں کی طرح پرندہ بن جائیگا۔ قراءت: مدنی نے طِیْرًا کو طائر ا پڑھا ہے۔

بِاِذْنِ اللّٰهِ اللہ تعالیٰ کے حکم سے بعض نے کہا کہ انہوں نے سوائے چمگادڑ کے اور کوئی پرندہ نہ بنایا۔ وَابْرِیْءُ الْاُكْحَمَةِ - اکمہ پیدائشی نابینا وَالْاَبْرَصَ وَ اُحْیِ الْمَوْتٰی بِاِذْنِ اللّٰهِ - بِاِذْنِ اللّٰهِ کے لفظ کو بارے دیگر لا کر الوہیت کے وہم کو دور کر دیا۔ روایت میں آیا ہے کہ انہوں نے سام بن نوح علیہ السلام کو لوگوں کے سامنے زندہ کیا۔ اس پر لوگوں نے کہا یہ کھلا جادو ہے پس تم کوئی نشانی دکھاؤ تو آپ نے فرمایا اے فلاں! تو نے فلاں چیز کھائی ہے اور اے فلاں تیرے لئے فلاں چیز چھپا کر رکھی گئی ہے جیسا اس آیت میں ہے وَابْنُکُمْ بِمَا تَاْكُلُوْنَ وَ مَا تَدْخِرُوْنَ فِیْ بُیُوْتِکُمْ - مَا دُوْنُوْکُمْ جَلَدِ الَّذِیْ کے معنی میں ہے یا مَا مَصْدَرِ یہ ہے اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ - ذٰلِكَ کا اشارہ سابق اشیاء ہیں لَا یَۡلَیْہُ لَکُمْ اِنْ کُنْتُمْ مُّؤْمِنِیْنَ۔

۵۰: وَمُصَدِّقًا لِّمَا بَیْنَ یَدَیْ مِنَ التَّوْرٰتِ وَلَا حِلَّ لَکُمْ بَعْضَ الَّذِیْ حَرَّمَ عَلَیْکُمْ وَجِئْتُکُمْ بِآیَةٍ مِّنْ رَبِّکُمْ فَاتَّقُوا اللّٰهَ

فَلَمَّا أَحَسَّ عِيسَى مِنْهُمُ الْكُفْرَ قَالَ مَنْ أَنْصَارِي إِلَى اللَّهِ ۖ قَالَ

پھر جب عیسیٰ نے ان کی طرف سے انکار دیکھا تو کہنے لگے کہ کون ہیں جو میرے مددگار ہو جائیں اللہ کی طرف، حواریوں نے

الْحَوَارِيُّونَ نَحْنُ أَنْصَارُ اللَّهِ ۖ أَمِنَّا بِاللَّهِ ۚ وَاشْهَدْ بِأَنَّا مُسْلِمُونَ ﴿٥٢﴾

کہا ہم اللہ کے مددگار ہیں، ہم اللہ پر ایمان لائے اور آپ گواہ ہو جائے کہ ہم فرمانبردار ہیں،

رَبَّنَا آمَنَّا بِمَا أَنْزَلْتَ وَاتَّبَعْنَا الرَّسُولَ فَاكْتُبْنَا مَعَ الشَّاهِدِينَ ﴿٥٣﴾

اے ہمارے رب ہم اس پر ایمان لائے جو آپ نے نازل فرمایا اور ہم نے رسول کا اتباع کیا آپ ہمیں ان لوگوں کے ساتھ لکھ دیجئے جو تصدیق کرنے والے ہیں۔

وَاطِيعُونَ۔ اور میں تمہارے پاس ایسی حالت میں آیا ہوں کہ اپنے سے پہلی کتاب تورات کی تصدیق کرتا ہوں۔ اور میں اس لئے آیا ہوں کہ بعض چیزیں جو تمہارے لئے حرام کر دی گئی تھیں ان کو حلال کروں۔ اور میں تمہارے پاس ایک بڑی نشانی لے کر آیا ہوں۔ پس تم اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور میری بات مانو۔ وَمُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيَّ مِنَ التَّوْرَةِ یعنی میں تمہارے پاس ایک نشانی لایا ہوں اور تمہارے پاس مصدق بن کر آیا ہوں۔

بعض حلال کردہ اشیاء:

وَلَا حِلَّ لَكُمْ بَعْضَ الَّذِي هُرِّمَ عَلَيْكُمْ يَهْدِيهِ رَبُّكُمُ الْيَقِينُ۔ یعنی تمہارے پاس ایک نشانہ
لے کر آیا ہوں اور اس لئے آیا ہوں تاکہ میں تمہارے لئے حلال کردوں جو اللہ تعالیٰ نے شریعت موسوی میں حرام قرار دی ہیں۔
مثلاً چربیاں اونٹ کا گوشت مچھلی اور ہر ناخن والا جانور۔ ان میں سے بعض کو عیسیٰ علیہ السلام نے حلال کر دیا۔ وَجِئْتُكُمْ بِآيَةٍ مِنْ
رَبِّكُمْ یہ دوبارہ تاکید کیلئے لائے۔ فَاتَّقُوا اللَّهَ تَمِّمِيرِي تَكْذِيبٍ وَمَخَالَفَتٍ فِي خَدَائِهِ ذُرُو۔ وَأَطِيعُوا أَوْامِرَهُمْ حُكْمًا
اطاعت کرو۔

۵۱: اِنَّ اللّٰهَ رَبِّىْ وَرَبُّكُمْ (بیشک اللہ تعالیٰ میرا اور تمہارا رب ہے) یہ اقرار عبودیت ہے اور اپنے سے ربوبیت کی نفی ہے
برخلاف اس کے جو نصاریٰ گمان کرتے ہیں۔

فَاعْبُدُوهُ تم اس ہی کی عبادت کرو نہ کہ میری لهذا صِرَاطٌ مُسْتَقِيمٌ۔ (یہ سیدھا راستہ ہے) جو چلنے والے کو جنت کی قائم رہنے والی نعمتوں تک پہنچا دے گا۔

تکذیب کے وقت معاونت کی اپیل:

۵۲: فَلَمَّا أَحَسَّ عِيسَىٰ مِنْهُمُ الْكُفْرَ قَالَ مَنْ أَنْصَارِي إِلَى اللَّهِ۔ قَالَ الْحَوَارِيُّونَ نَحْنُ أَنْصَارُ اللَّهِ آمَنَّا بِاللَّهِ
وَأَشْهَدُ بَأَنَّا مُسْلِمُونَ۔ (جب عیسیٰ علیہ السلام نے بنی اسرائیل کی طرف سے تکذیب اور کفریہ کلمات سنے تو کہا کون میری مدد کرنے

الفصل الثاني
٥٥٥

وَمَكْرُؤًا وَّمَكْرًا لِلَّهِ ط وَاللَّهُ خَيْرُ الْمَكْرِينَ ۝٥٤ إِذْ قَالَ اللَّهُ لِيَعْقُوبَ

اور ان لوگوں نے مکر کیا اور اللہ تعالیٰ نے تدبیر فرمائی اور اللہ سب سے بہتر تدبیر فرمانے والا ہے۔ جب فرمایا اللہ تعالیٰ نے کہ اے عیسیٰ

إِنِّي مُتَوَفِّيكَ وَرَافِعُكَ إِلَىٰ وَمُطَهِّرُكَ مِنَ الَّذِينَ كَفَرُوا وَجَاعِلُ

میں تمہیں وفات دینے والا ہوں اور تمہیں اپنی طرف اٹھانے والا ہوں اور تمہیں ان لوگوں سے پاک کرنے والا ہوں جنہوں نے کفر کیا، اور جن

الَّذِينَ اتَّبَعُوكَ فَوْقَ الَّذِينَ كَفَرُوا إِلَى يَوْمِ الْقِيَمَةِ ۚ ثُمَّ إِلَىٰ مَرْجِعِكُمْ

لوگوں نے تمہارا اتباع کیا ان کو غالب رکھوں گا قیامت کے دن تک ان لوگوں پر جنہوں نے کفر اختیار کر لیا۔ پھر میری طرف تم سب کو لوٹنا ہو گا۔

فَاحْكُم بَيْنَكُمْ فِي مَا كُنْتُمْ فِيهِ تَخْتَلِفُونَ ﴿٥٥﴾

پھر فیصلے کروں گا تمہارے درمیان اس چیز کے بارے میں جس میں تم اختلاف رکھتے تھے۔

والا ہے۔ اللہ کی راہ میں حواریین نے کہا ہم اللہ تعالیٰ کے مددگار ہیں۔ ہم اللہ تعالیٰ پر ایمان لائے تو گواہ ہو جا کہ ہم مسلمان ہیں۔) فَلَمَّا أَحَسَّ عِيسَىٰ مِنْهُمُ الْكُفْرَ عَلَّمَ لَهُمْ لَآئِحَةً خَاسِرَةٍ وَأَنزَلَ الْغَمَامَ كَالْهَنَاءِ الْمَذْجِ فِي الزَّجَرِ فَأَنزَلَ الْحَبَّ السَّادِقَ فَأَنزَلَ الْأَمْطَارَ فَأَنزَلَ الْخُبْرَ السَّوْدَ فَجَنَّا السُّيُوفَ فَجَاءَ بِمُؤْتَمَرٍ مِّمَّنْ يَأْتِ الْغَزَا فُسِّحَ لِلَّذِينَ أُطْعِمُوا مِنْهُ يَوْمَ يَعْتَبِرُونَ (کہ کسی محسوس چیز کا علم ہوتا ہے۔

قَالَ مَنْ أَنْصَارِي؟ قراءت: مدنی نے انصاری پڑھا ہے یہ انصار بروزن اصحاب۔ ناصر کی جمع ہے یا نصیر بروزن شریف جمع اشرف ہے۔ اِلَى اللّٰهِ یہ محذوف فعل کے متعلق ہے یا انصاری کی یا سے حال ہے۔ یعنی مَنْ أَنْصَارِي ذَاهِبًا اِلَى اللّٰهِ یا ملتجئًا اِلَيْهِ۔ قَالَ الْحَوَارِيُّونَ جمع حواری پسندیدہ اور منتخب آدمی نَحْنُ أَنْصَارُ اللّٰهِ (ہم اللہ تعالیٰ کے دین کے مددگار ہیں)۔ اَمَّا بِاللّٰهِ وَاشْهَدْ بَاَنَّا مُسْلِمُونَ۔ (اے عیسیٰ تو گواہ ہو جا کہ ہم فرمانبردار ہیں)۔ انہوں نے اپنے ایمان کیلئے آپ کو گواہ بنایا تاکہ ان کے ایمان کی تاکید ہو جائے۔ کیونکہ انبیاء علیہم السلام اپنی قوموں کے حق میں یا خلاف اور اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں گواہی دیں گے۔ اس میں دلیل ہے کہ ایمان اور اسلام ایک چیز ہے۔

۵۳: رَبَّنَا اٰمَنَّا بِمَا اَنْزَلْتَ وَاتَّبَعْنَا الرَّسُوْلَ فَاكْتُبْنَا مَعَ الشَّٰهِدِيْنَ۔ (اے ہمارے رب ہم ایمان لائے اس پر جو آپ نے اتارا اور ہم نے رسول کی اتباع کی پس تو ہمیں گواہوں کے ساتھ لکھ لے) رَبَّنَا اٰمَنَّا بِمَا اَنْزَلْتَ وَاتَّبَعْنَا الرَّسُوْلَ۔ الرَّسُوْلَ سے عیسیٰ علیہ السلام مراد ہیں۔ فَاكْتُبْنَا مَعَ الشَّٰهِدِيْنَ۔ الشَّٰهِدِيْنَ سے انبیاء علیہم السلام مراد ہیں۔ کیونکہ وہ اپنی امتوں کی گواہی دیں گے۔ یا ان لوگوں کے ساتھ جو اے اللہ تیری وحدانیت کی گواہی دینے والے ہیں۔ یا امت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کیونکہ وہ لوگوں پر گواہ ہونگے۔

۵۴: وَمَكْرُؤًا وَّمَكْرَ اللَّهِ وَاللَّهُ خَيْرُ الْمَكْرِينَ - (انہوں نے خفیہ تدبیر کی اور اللہ تعالیٰ نے بھی خفیہ تدبیر کی اور اللہ تعالیٰ سب سے بہتر تدبیر کرنے والے ہیں)

مکر کا معنی اور اس کی اضافت کا حکم:

وَمَكْرُؤًا: یعنی کفار بنی اسرائیل جن سے عیسیٰ علیہ السلام نے کفر محسوس کیا جبکہ انہوں نے آپ کے قتل و صلیب کی خفیہ تدبیر کی۔ وَمَكْرَ اللّٰہِ اللّٰہ تعالیٰ نے انکی تدبیر کا اس طرح بدلہ دیا کہ عیسیٰ علیہ السلام کو آسمان کی طرف اٹھالیا۔ اور جس نے دھوکا سے قتل کا ارادہ کیا تھا۔ اس پر شبیہ ڈال دی یہاں تک کہ وہ قتل کر دیا گیا۔

مَنْتَنَلَّہ: مکر کے لفظ کی اضافت اللہ تعالیٰ کی طرف جائز نہیں مگر صرف جزائے مکر کے مفہوم میں کیونکہ یہ لفظ لوگوں کے ہاں مذمت کیلئے استعمال ہوتا ہے۔ یہی حکم خداع، استہزاء کے الفاظ کا ہے۔ (کذا فی شرح التاویلات)

وَاللّٰہُ خَیْرُ الْمَکْرِیْنَ (اللہ تعالیٰ سب بدلہ دینے والوں سے زیادہ طاقتور اور سزا دینے پر زیادہ قدرت رکھتے ہیں۔) اس طرح کہ سزایافتہ کو پتہ بھی نہیں چلتا اور سزا مل جاتی ہے۔

متوفیک کی تفسیر:

۵۵: اِذْ قَالَ اللّٰہُ یَعِیْسٰی اِنِّیْ مُتَوَفِّیْکَ وَرَافِعُکَ اِلَیَّ وَمُطَهِّرُکَ مِنَ الذِّیْنِ کَفَرُوْا وَجَاعِلُ الذِّیْنِ اَتَّبَعُوْکَ فَوْقَ الذِّیْنِ کَفَرُوْا اِلَیْ یَوْمِ الْقِیَمَةِ ثُمَّ اِلَیَّ مَرْجِعُکُمْ فَاَحْکُمْ بَیْنَکُمْ فِیْمَا کُنْتُمْ فِیْہِ تَخْتَلِفُوْنَ۔ (جب اللہ تعالیٰ نے فرمایا اے عیسیٰ بیشک میں تیری اجل مقررہ پوری کر نیوالا ہوں) مطلب یہ ہے کہ میں تجھے کفار کے قتل سے بچانے والا اور طبعی موت دونگا کفار کے ہاتھوں قتل نہ ہونے دونگا۔ وَرَافِعُکَ اِلَیَّ (اور تمہیں اپنے آسمان کی طرف جو ملائکہ کا مستقر ہے بلانے والا ہوں) وَمُطَهِّرُکَ مِنَ الذِّیْنِ کَفَرُوْا (اور تجھے کفار کے بُرے پڑوس سے پاک کرنے والا اور انکی صحبت کی خباثت سے محفوظ کرنے والا ہوں)

دوسری تفسیر۔ میں تمہیں زمین سے اپنے قبضہ میں لینے والا ہوں۔ یہ تو فیت مالی علی فلان سے ماخوذ ہے جب کہ اس سے پورا پورا لے لے۔ یا تمہارے آسمان سے اترنے کے بعد موت دینے والا ہوں اور اب تمہیں اٹھانے والا ہوں۔

یہاں سے یہ ثابت ہوا کہ واو ترتیب کا معنی ہر جگہ نہیں دیتی۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا عیسیٰ میری امت پر بطور خلیفہ اتریں گے صلیب کو توڑ دیں گے اور خنازیر کو قتل کر ڈالیں گے اور چالیس سال زندہ رہیں گے اور نکاح کریں گے اور انکی اولاد ہوگی پھر وفات پائیں گے اور وہ امت کس طرح ہلاک ہو سکتی ہے۔ جس کے شروع میں میں ہوں اور آخر میں عیسیٰ ہے اور مہدی جو میرے اہل بیت سے ہوگا وہ اس کے درمیان میں ہوگا (روایت کے الفاظ میں نکارت ہے فتدبر)۔ (ابن جریر ج ۳) (الدر المنثور ج ۲)

یا نیند طاری کر کے تجھے حالت نوم میں آسمان کی طرف اٹھانے والا ہوں۔ تاکہ کسی قسم کا خوف تجھے پیش نہ آئے اور جب تو بیدار ہوگا تو آسمان میں امن سے پہنچ چکا ہوگا۔ اور قرب پا چکا ہوگا۔

فَاَمَّا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فَاَعَذِّبْهُمْ عَذَابًا شَدِيْدًا فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ

سو جن لوگوں نے کفر اختیار کیا پس میں ان کو سخت عذاب دوں گا دنیا میں اور آخرت میں

وَمَا لَهُمْ مِّنْ نَّصِيْرِيْنَ ۝۵۶ وَاَمَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ فَيُوَفِّيْهِمْ

اور ان کے لئے کوئی مددگار نہ ہو گا اور جو لوگ ایمان لائے اور نیک عمل کئے تو اللہ ان کو پورے پورے

اُجُوْرَهُمْ ۚ وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ الظّٰلِمِيْنَ ۝۵۷ ذٰلِكَ نَتْلُوْهُ عَلَيْكَ مِنَ الْاٰیٰتِ

اجر عطا فرمادے گا۔ اور اللہ ظالموں کو دوست نہیں رکھتا۔ یہ آیات اور ذکر حکیم ہم آپ کو پڑھ

وَالذِّكْرِ الْحَكِيْمِ ۝۵۸

کر سنا تے ہیں۔

پیروکار کی مراد مسلمان:

وَجَاعِلُ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْكَ (اور جو لوگ تمہارا کہنا ماننے والے ہیں ان کو غالب رکھنے والا ہوں) اور تیرے پیروکاروں کو یعنی مسلمانوں کو کیونکہ اصل اسلام میں وہ ان کے سچے پیروکار ہیں۔ خواہ شرائع مختلف ہیں۔ وہ لوگ مراد نہیں جنہوں نے انکی تکذیب کی اور ان پر جھوٹ بولا خواہ وہ یہود و نصاریٰ میں سے کیوں نہ ہوں۔

فَوْقَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا (ان لوگوں پر جنہوں نے تمہارا انکار کیا) اِلٰی يَوْمِ الْقِيَمَةِ (قیامت کے دن تک) وہ حجت سے ان پر غالب رہیں گے اور اکثر حالات میں غالب رہیں گے اور تلوار سے غالب رہیں گے۔ ثُمَّ اِلٰی مَوْجِعِكُمْ (پھر تم نے آخرت میں میرے ہاں لوٹ کر آنا ہے) فَاَحْكُمْ بَيْنَكُمْ فَيَمَّا كُنْتُمْ فِيْهِ تَخْتَلِفُوْنَ (پس میں تمہارے مابین ان باتوں میں فیصلہ کروں گا جن میں تم اختلاف کرتے رہے)

۵۶، ۵۷: فَاَمَّا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فَاَعَذِّبْهُمْ عَذَابًا شَدِيْدًا فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ وَمَا لَهُمْ مِّنْ نَّصِيْرِيْنَ - وَاَمَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ فَيُوَفِّيْهِمْ اُجُوْرَهُمْ وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ الظّٰلِمِيْنَ۔ (پھر وہ لوگ جو کفر اختیار کریں گے پس میں ان کو سخت عذاب دوں گا دنیا و آخرت میں اور ان کا کوئی مددگار نہ ہوگا۔ اور پھر وہ لوگ جو ایمان لائے اور اعمال صالحہ کرتے رہے۔ پس وہ ان کو ان کا پورا پورا اجر دے گا اور اللہ تعالیٰ کو ظالم لوگ پسند نہیں)

قراءت: فَيُوَفِّيْهِمْ حَفْص نے پڑھا ہے

۵۸: ذٰلِكَ نَتْلُوْهُ عَلَيْكَ مِنَ الْاٰیٰتِ وَالذِّكْرِ الْحَكِيْمِ۔ (یہ ہم تم کو پڑھ کر سنا تے ہیں جو کہ منجملہ دلائل کے ہے اور منجملہ حکمت آمیز مضامین کے ہے) یہ جو واقعات عیسیٰ علیہ السلام وغیرہ گزرے۔ نَتْلُوْهُ عَلَيْكَ مِنَ الْاٰیٰتِ

اِنَّ مَثَلَ عِیْسٰی عِنْدَ اللّٰهِ كَمَثَلِ اٰدَمَ ۖ خَلَقَهُ مِنْ تُرَابٍ ثُمَّ قَالَ لَهُ

بلاشبہ اللہ کے نزدیک عیسیٰ کی مثال ایسی ہے جیسے آدم کی مثال، پیدا فرمایا ان کو مٹی سے پھر ان سے فرما دیا

کُنْ فَاَیْکُوْنُ ۝۵۹ اَلْحَقُّ مِنْ رَّبِّکَ فَلَا تَکُنْ مِنَ الْمُمْتَرِیْنَ ۝۶۰ فَمَنْ

ہو جا پس ان کی پیدائش ہو گئی، یہ حق ہے آپ کے رب کی طرف سے سو آپ شک کرنے والوں میں سے نہ ہو جائیں، سو جو

حَاجَّکَ فِیْهِ مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَکَ مِنَ الْعِلْمِ فَقُلْ تَعَالَوْا نَدْعُ اَبْنَاءَنَا

شخص ان کے بارے میں آپ سے جھگڑا کرے۔ اس کے بعد کہ آپ کے پاس علم آ گیا ہے تو آپ فرما دیجئے کہ آ جاؤ ہم بلا لیں اپنے بیٹوں کو

وَاَبْنَاءَکُمْ وَنِسَاءَنَا وَنِسَاءَکُمْ وَاَنْفُسَنَا وَاَنْفُسَکُمْ ۖ ثُمَّ نَبْتَهِلْ

اور تم بلا لو اپنے بیٹوں کو اور ہم بلا لیں اپنی عورتوں کو اور تم بلا لو اپنی عورتوں کو اور ہم حاضر کر دیں اپنی جانوں کو اور تم بھی حاضر ہو جاؤ اپنی جانوں کو لے کر پھر ہم سب مل کر خوب سچے دل سے

فَنَجْعَلَ لَعْنَتَ اللّٰهِ عَلَی الْکٰذِبِیْنَ ۝۶۱ اِنَّ هٰذَا لَهُوَ الْقَصْصُ الْحَقُّ ۚ وَمَا

اللہ سے دعا کریں اور لعنت بھیج دیں جھوٹوں پر، بلاشبہ یہ سچی بات ہے، اور کوئی

مِنْ اِلٰہٍ اِلَّا اللّٰهُ ۚ وَاِنَّ اللّٰهَ لَهُوَ الْعَزِیْزُ الْحَكِیْمُ ۝۶۲ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّ

معبود نہیں اللہ کے سوا، اور بے شک اللہ زبردست ہے اور حکمت والا ہے۔ پھر اگر وہ روگردانی کریں تو اس میں کوئی شک نہیں

اللّٰهُ عَلِیْمٌ بِالْمُفْسِدِیْنَ ۝۶۳

کہ اللہ تعالیٰ فساد کرنے والوں کو خوب جانتے والا ہے۔

نَحْوُ: یہ مبتداء ہے اور نَقْلُوْهُ عَلَیْکَ اسکی خبر ہے۔ دوسری خبر من الایات ہے یا مبتداء محذوف کی خبر ہے۔ وَالَّذِیْ نَحْنُ
الْحٰکِمِیْنَ۔ (حکمت والا ذکر) اس سے مراد قرآن مجید ہے حکیم بمعنی محکم و مضبوط یا پر حکمت

عجیب کی عجیب تر سے تشبیہ:

۵۹: اِنَّ مَثَلَ عِیْسٰی عِنْدَ اللّٰهِ كَمَثَلِ اٰدَمَ ۖ خَلَقَهُ مِنْ تُرَابٍ ثُمَّ قَالَ لَهُ کُنْ فَاَیْکُوْنُ۔ (بیشک عیسیٰ علیہ السلام کی مثال اللہ تعالیٰ کے ہاں آدم جیسی ہے اس کو مٹی سے پیدا کیا پھر فرمایا ہو جا پس ہو گیا) یہ آیت اس وقت اتری جب بنی نجران کے وفد نے کہا کیا تم نے بغیر باپ کے بیٹا دیکھا ہے تو فرمایا اِنَّ مَثَلَ عِیْسٰی عِنْدَ اللّٰهِ كَمَثَلِ اٰدَمَ کہ عیسیٰ علیہ السلام کا معاملہ اور عجیب حالت آدم علیہ السلام جیسی ہے۔ خَلَقَهُ مِنْ تُرَابٍ مٹی سے انکا جسم بنایا یہ جملہ آدم علیہ السلام سے مشابہت والی حالت کی تفسیر ہے۔ اور اعراب کے لحاظ سے اسکا ماقبل سے تعلق نہیں یعنی خلق آدم من تراب وہاں نہ انکا کوئی باپ تھا اور نہ ماں۔ پس اسی طرح عیسیٰ علیہ السلام کا حال ہے۔ بلکہ بغیر ماں و باپ کے پیدا ہونا زیادہ تعجب انگیز ہے۔ صرف ماں سے بغیر باپ کے پیدائش سے۔ اور یہ عادت کے زیادہ خلاف

ہے۔ پس عجیب کو عجیب تر سے تشبیہ دینا مخالف کی دلیل کو خوب قطع کرنے والا اور شبہ کو زیادہ مٹانے والا ہے جبکہ وہ اس سے عجیب تر دیکھے جس کو اس نے عجیب خیال کیا۔

عیسائیوں کے ساتھ دلچسپ مکالمہ:

بعض علماء کا بیان ہے کہ جو رومیوں کے ہاں قید ہو گئے تھے۔ کہ ہم نے رومی عیسائیوں سے کہا تم عیسیٰ کی کیوں پوجا کرتے ہو؟ انہوں نے کہا، اس لئے کہ انکا کوئی باپ نہیں۔ تو علماء نے کہا پھر تو آدم اسکے زیادہ حقدار ہیں کیونکہ ان کے ماں، باپ دونوں ہی نہیں۔ رومیوں نے کہا کہ عیسیٰ مردوں کو زندہ کرتے تھے۔ اس کے جواب میں ہم نے کہا حزقیل اسکے زیادہ حقدار ہیں۔ کیونکہ عیسیٰ علیہ السلام نے تو چار آدمی زندہ کیے اور حزقیل علیہ السلام نے آٹھ ہزار زندہ کیے۔ پھر انہوں نے کہا وہ نابیناؤں کو بینا کرتے اور کوڑھی کو درست کرتے تھے۔ ہم (علماء) نے کہا پھر جیس اس کے زیادہ حقدار ہیں کیونکہ ان کو پکا ڈالا اور جلا ڈالا گیا پھر وہ صحیح سالم کھڑے ہو گئے۔

قَالَ لَهُ كُنْ يَعْنِي انْشَأْنًا دِيَا۔ فَيَكُونُ يَعْنِي وَهْ بَنَ كُنْ۔ یہ ماضی کو مضارع سے تعبیر کیا۔ ثُمَّ كَالْفَرْخِ خَبَرَ خَبْرًا مَرْتَبًا كَرْنًا كِلَيْهِ لَائًا۔ مخبر عنہ کی ترتیب کیلئے نہیں۔ یعنی واقعہ کی تاخیر مدت مراد نہیں ہے۔

ایک نحوی تحقیق:

۶۰: اَلْحَقُّ مِنْ رَبِّكَ فَلَا تَكُنْ مِنَ الْمُمْتَرِينَ (یہی حق تمہارے رب کی طرف سے ہے پس نہ ہو تو شک کرنے والوں میں سے)

مَحْذُوف: یہ مبتدائے محذوف ہو کی خبر ہے فَلَا تَكُنْ (پس اے سامع تو نہ ہو) مِنَ الْمُمْتَرِينَ (شک کرنے والوں میں سے) یہ احتمال بھی ہے کہ خطاب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو ہو۔ اس صورت میں یہ ثابت پر مزید ابھارنے کیلئے فرمایا گیا کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم تو شک سے معصوم تھے۔

۶۱: فَمَنْ حَا جَلَكَ فِيهِ مِنْ بَعْدِ مَا جَاءَكَ مِنَ الْعِلْمِ فَقُلْ تَعَالَوْا نَدْعُ أَبْنَاءَنَا وَابْنَاتَنَا كُفَّ وَنِسَاءَنَا كُفَّ وَأَنْفُسَنَا وَأَنْفُسَكُمْ ثُمَّ نَبْتَهِلْ فَنَجْعَلْ لَعْنَتَ اللَّهِ عَلَى الْكَاذِبِينَ۔ (جو آپ سے جھگڑے اس علم کے آجانے کے بعد تو کہہ دیں آؤ) یعنی ان نصاریٰ میں سے جو آپ کے ساتھ جھگڑا کرے۔ فِيهِ عِيسَى عَلَيْهِ السَّلَامُ کے متعلق مِنْ بَعْدِ مَا جَاءَكَ مِنَ الْعِلْمِ یعنی ایسے دلائل جو علم کو لازم کرنے والے ہیں۔ یہاں مَا الَّذِي کے معنی میں ہے۔ فَقُلْ تَعَالَوْا تَوَانُ كُفَّ دِیَا! مراد ارادہ اور عزم کے ساتھ آنا ہے جیسا کہ محاورہ میں کہتے ہیں۔ تَعَالِ تَفَكَّرْ فِي هَذِهِ الْمَسْئَلَةِ یعنی اس مسئلہ پر غور کر لے۔

دعوتِ مباہلہ:

نَدْعُ أَبْنَاءَنَا وَابْنَاتَنَا كُفَّ وَنِسَاءَنَا كُفَّ وَأَنْفُسَنَا وَأَنْفُسَكُمْ (ہم اپنے بیٹوں کو بلاتے ہیں تم اپنے بیٹوں کو بلا لو، ہم اپنی عورتوں کو اور تم اپنی عورتوں کو اور ہم خود آتے ہیں تم بذات خود آؤ) یعنی ہم میں سے ہر ایک اپنے اپنے بیٹوں، عورتوں

اور اپنی ذات کو مباہلہ کیلئے بلا لے۔ ثُمَّ يَبْتِهَلُ (پھر یہ کہہ کر مباہلہ کریں) بِهَلَّةُ اللّٰهِ عَلَى الْكَاذِبِ مِنَّا وَ مِنْكُمْ اللّٰهُ تَعَالٰی کی لعنت ہو ہم تم میں سے جھوٹے پر۔ الْبُهْلَةُ - یہ بآ کے ضمہ اور فتح دونوں کے ساتھ آتا ہے اس کا معنی لعنت ہے۔ بھلہ اللہ کا معنی اللہ تعالیٰ نے اس پر لعنت کی اور اس کو رحمت سے دور کر دیا۔ یہ تو ابتہال کا اصل معنی ہے۔ پھر یہ خوب گڑ گڑا کر دعا کیلئے استعمال ہونے لگا۔ خواہ اس میں لعنت تلعن نہ ہو۔ روایت میں ہے کہ جب ان کو مباہلہ کی دعوت دی گئی تو انہوں نے کہا ہم غور و فکر کر لیں۔ چنانچہ عاقب جو صاحب رائے تھا اس نے کہا اے عیسائیو! تم قسم بخدا جان چکے کہ محمد ﷺ نبی مرسل ہیں اور جب کسی قوم نے کسی پیغمبر سے مباہلہ کیا تو انکا بڑا بچا اور نہ چھوٹا۔ اگر تم نے مباہلہ کیا تو تم ضرور ہلاک ہو جاؤ گے۔ پس اگر تم اپنے دین کی محبت میں انکار کرتے ہو تو ان سے معاہدہ صلح کر کے اپنے علاقے کی طرف لوٹ چلو۔ پس وہ رسول ﷺ کی خدمت میں۔ اس حالت میں آئے کہ آپ نے حسین کو گود میں اٹھایا ہوا تھا اور حسن کا ہاتھ پکڑنے والے تھے فاطمہ آپ کے پیچھے چلنے والیں تھیں جبکہ علی ان کے پیچھے تھے۔ اور آپ کہہ رہے تھے۔ جب میں دعا کروں تو تم آمین کہنا۔ اس پر نجران کے پادری نے کہا اے وفد نجران! میں اپنے سامنے ایسے چہرے دیکھ رہا ہوں کہ اگر وہ اللہ تعالیٰ سے یہ سوال کریں کہ پہاڑ اپنی جگہ سے ہٹ جائے تو انکی دعا سے پہاڑ اپنی جگہ سے زائل ہو جائے گا۔ پس تم ان سے مباہلہ نہ کرو۔ ورنہ تم ہلاک ہو جاؤ گے۔ اور سطح زمین پر کوئی ایک عیسائی بھی باقی نہ رہے گا۔ اس پر عیسائیوں نے کہا اے ابوالقاسم! ہم نے رائے قائم کی ہے کہ مباہلہ نہ کریں نبی اکرم ﷺ نے دو ہزار حُلے ہر سال ادا کرنے پر ان سے صلح کر لی۔ پھر آپ ﷺ نے فرمایا مجھے اس ذات کی قسم جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے۔ اہل نجران پر ہلاکت لٹک رہی تھی۔ اگر وہ مباہلہ کرتے تو مسخ ہو کر بندر و سور بن جاتے۔ (ابو نعیم بالرواة المتر و کین و المتہمین بالكذب)

اہم سوالات کے جوابات:

سوال: مباہلہ تو آپ اور آپ کے جھلانے والوں کے درمیان تھا پھر ابناء و نساء کو کیوں شامل کیا۔
جواب: ابناء و نساء کو اس لئے ملایا تا کہ آپکی اپنے دعویٰ کے متعلق سچائی اور پختگی خوب واضح ہو جائے۔ کہ آپ نے اپنے جگر پارے اور اعزہ کو بھی پیش کرنے سے دریغ نہ کیا اور فقط اپنے آپ کو ہی پیش نہیں کیا۔ کیونکہ آپ کو اپنے مخالف کے بمعہ اعزہ و اقارب ہلاک ہونے کا یقین تھا۔ اگر مباہلہ پیش آتا۔

سوال: اعزہ میں سے ابناء و نساء کو خاص کیوں کیا؟

جواب: کیونکہ وہ اہل میں سب سے زیادہ پیارے اور دلوں میں محبوب ہوتے ہیں۔

سوال: انفس سے نساء اور ابناء کو پہلے کیوں لائے؟

جواب: ان کے مرتبہ و مقام پر متنبہ کرنے کیلئے

اس میں آپ کی نبوت کی سچائی کی واضح دلیل ہے کیونکہ مخالف و موافق کسی سے بھی یہ مروی نہیں کہ انہوں نے اس کو قبول کیا ہو۔

فَنَجْعَلُ لَّعْنَتَ اللّٰهِ عَلَى الْكَذِبِيْنَ (پھر ہم اپنے اور تم میں سے جو عیسیٰ کے معاملہ میں جھوٹے ہوں ان پر لعنت بھیجیں)

قُلْ يَا اَهْلَ الْكِتَابِ تَعَالَوْا اِلٰى كَلِمَةٍ سَوَاءٍ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ اَلَّا نَعْبُدَ

آپ فرما دیجئے کہ اے اہل کتاب آ جاؤ ایسی بات کی طرف جو ہمارے اور تمہارے درمیان برابر ہے۔ کہ ہم عبادت نہ کریں

اِلَّا اللّٰهَ وَلَا نُشْرِكَ بِهِ شَيْئًا وَلَا يَتَّخِذَ بَعْضُنَا بَعْضًا اَرْبَابًا مِّنْ دُونِ

مگر اللہ کی، اور اس کے ساتھ کسی بھی چیز کو شریک نہ ٹھہرائیں اور اللہ کو چھوڑ کر ہم آپس میں کوئی کسی دوسرے کو رب

اللّٰهِ فَإِنْ تَوَلَّوْا فَقُولُوا اشْهَدُوا بِأَنَّا مُسْلِمُونَ ﴿۶۴﴾

نہ بنائے، سو اگر وہ روگردانی کریں تو کہہ دو کہ تم گواہ رہو کہ ہم فرمانبردار ہیں۔

خُحُو: نَبْتَهْلُ اور نَجْعَلُ یہ دونوں جملے نَدْعُ پر معطوف ہیں۔

۶۲: اِنَّ هٰذَا لَهٗوَ الْقَصَصُ الْحَقُّ وَمَا مِنْ اِلٰهٍ اِلَّا اللّٰهُ وَاِنَّ اللّٰهَ لَهٗوَ الْعَزِيزُ الْحَكِيْمُ۔ اِنَّ هٰذَا (بیشک یہ واقعہ عیسیٰ علیہ السلام جو آپ کو بیان کیا گیا۔ لَهٗوَ الْقَصَصُ الْحَقُّ) (البتہ سچا واقعہ ہے)

خُحُو: هُوَ، اِنَّ کے اسم و خبر کے درمیان ضمیر فصل ہے۔ یا ہو مبتداء اور القصص الحق خبر ہے اور جملہ ان کی خبر ہے۔ ضمیر فصل پر لام کا داخلہ درست ہے کیونکہ یہ لام خبر پر جب داخل ہو سکتی ہے تو ضمیر فاصل پر بدرجہ اولیٰ جائز ہے۔ کیونکہ وہ ضمیر مبتداء سے خبر کی بنسبت قریب تر ہے اور اصل قاعدہ تو یہ ہے کہ یہ لام مبتداء پر داخل ہو۔

وَمَا مِنْ اِلٰهٍ اِلَّا اللّٰهُ (اور کوئی معبود نہیں سوائے اللہ کے)

خُحُو: مِنْ یہاں اِلٰہ پر داخل ہونے کے باوجود کلام میں استغراق کا اسی طرح فائدہ دے رہا ہے جیسا کہ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ میں الہ بنی با فتح ہے۔ یہاں مقصود تثلیث کے سلسلہ میں نصاریٰ کی تردید ہے۔ وَاِنَّ اللّٰهَ لَهٗوَ الْعَزِيزُ (بیشک اللہ تعالیٰ البتہ زبردست ہے انتقام میں) اور الْحَكِيْمُ (حکمت والا ہے) تدبیر احکام میں۔

۶۳: فَإِنْ تَوَلَّوْا۔ (پس اگر وہ اعراض کریں اور قبول نہ کریں) فَإِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌ بِالْمُفْسِدِيْنَ۔ (پس اللہ تعالیٰ فسادی لوگوں کو خوب جاننے والا ہے) اس میں ان کو اس عذاب سے ڈرایا گیا جو اس آیت میں مذکور ہے۔ زِدْنَهُمْ عَذَابًا فَوْقَ الْعَذَابِ بِمَا كَانُوْا يُفْسِدُوْنَ (النحل ۸۸)

۶۴: قُلْ يَا اَهْلَ الْكِتَابِ تَعَالَوْا اِلٰى كَلِمَةٍ سَوَاءٍ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ اَلَّا نَعْبُدَ اِلَّا اللّٰهَ وَلَا نُشْرِكَ بِهِ شَيْئًا وَلَا يَتَّخِذَ بَعْضُنَا بَعْضًا اَرْبَابًا مِّنْ دُونِ اللّٰهِ فَإِنْ تَوَلَّوْا فَقُولُوا اشْهَدُوْا بِأَنَّا مُسْلِمُونَ۔ (کہہ دیں اے اہل کتاب) اہل کتاب سے تورات و انجیل والے ہر دوسرا ہیں یا صرف وفد نجران یا یہود مدینہ۔ تَعَالَوْا اِلٰى كَلِمَةٍ سَوَاءٍ سَوَاء مصدر بمعنی اسم فاعل ہے یعنی برابری والا یعنی ایک بات کی طرف آؤ جو ہمارے تمہارے درمیان برابری والی ہے۔

ارباب کا معنی:

بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ (ہمارے اور تمہارے درمیان) جس میں قرآن مجید اور تورات و انجیل مختلف نہیں ہیں۔ کلمہ کی تفسیر اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان اَلَا نَعْبُدُ اِلَّا اللّٰهَ وَلَا نُشْرِكَ بِهِ شَيْئًا وَلَا يَتَّخِذَ بَعْضُنَا بَعْضًا اَرْبَابًا مِنْ دُونِ اللّٰهِ (کہ سوائے اللہ تعالیٰ کے ہم کسی کی عبادت نہ کریں اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرائیں اور ہم میں سے کوئی کسی دوسرے کو رب نہ قرار دے اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر)۔ یعنی اس بات کی طرف آؤ۔ تاکہ ہم عزیر ابن اللہ اور مسیح ابن اللہ نہ کہیں کیونکہ ان میں سے ہر ایک ہمارے جیسا انسان ہے اور ہم اپنے پادریوں کی ان چیزوں میں اتباع نہ کریں جو انہوں نے اپنی طرف سے تحریم و تحلیل کے سلسلہ میں بنا رکھی ہیں اور ان میں شرع کا لحاظ نہیں رکھا گیا۔ حضرت عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے عرض کیا، یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہم انکی عبادت تو نہیں کرتے تھے۔ آپ نے فرمایا تم بتلاؤ کہ وہ تمہارے لئے چیزوں کو حلال و حرام کرتے ہیں اور تم انکی بات اختیار کرتے ہو۔ آپ نے فرمایا یہی تورب بنانا ہے۔ (ترمذی)

فَاِنْ تَوَلَّوْا (اگر وہ توحید سے منہ موڑ لیں) فَقُولُوا اَشْهَدُوْا اَنَا مُسْلِمُوْنَ (تو تم انہیں کہہ دو تم گواہ رہو کہ ہم تو فرماں بردار ہیں) یعنی میں نے تم پر حجت تمام کر دی پس اب تم پر واجب ہو گیا کہ تم یہ اعتراف کرو اور مان لو کہ ہم تمہارے سواء فرمان برداری اختیار کرنے والے ہیں۔

یہ اسی طرح ہے جیسا کہ جدال و مصارعت میں غالب مغلوب کو کہتا ہے۔ اعترف بانی انا الغالب تو مان لے کہ میں غالب ہوں اور تو غلبہ میرے سپرد کر دے۔

يَا اَهْلَ الْكِتَابِ لِمَ تُحَاجُّوْنَ فِيْ اِبْرٰهِيْمَ وَمَا اُنْزِلَتْ التَّوْرَةُ

اے اہل کتاب تم کیوں حجت کرتے ہو ابراہیم کے بارے میں، حالانکہ نہیں اتاری گئی توریت

وَالْاِنْجِيلُ اِلَّا مِنْۢ بَعْدِهِ ؕ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ۝۶۵

اور انجیل مگر ان کے بعد، کیا تم عقل نہیں رکھتے ہو، اے لوگو! تم ایسے لوگ ہو

حَاجَّجْتُمْ فَيَمَّا لَكُمْ بِهِ عِلْمٌ فَلِمَ تُحَاجُّوْنَ فَيَمَّا لَيْسَ لَكُمْ

جنہوں نے اس چیز میں جھگڑا کیا جس کا تمہیں کچھ علم تھا۔ پھر تم کیوں حجت کرتے ہو اس بات میں جس کا تمہیں

بِهِ عِلْمٌ ؕ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ وَاَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ۝۶۶ مَا كَانَ اِبْرٰهِيْمُ

علم نہیں ہے اور اللہ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے۔ نہیں تھے ابراہیم

يَهُودِيًّا وَلَا نَصْرَانِيًّا وَلٰكِنْ كَانَ حَنِيفًا مُّسْلِمًا ؕ وَمَا كَانَ

یہودی اور نصرانی، لیکن وہ حق کو اختیار کرنے والے فرمانبردار تھے۔ اور مشرکین

مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ۝۶۷ اِنَّ اَوْلٰى النَّاسِ بِاِبْرٰهِيْمَ لَلَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُ

میں سے نہ تھے، بلاشبہ انسانوں میں ابراہیم کے ساتھ سب سے زیادہ قریب تر وہ لوگ ہیں جنہوں نے ان کا اتباع کیا

وَهٰذَا النَّبِيُّ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَاللّٰهُ وَلِىُّ الْمُؤْمِنِيْنَ ۝۶۸

اور یہ نبی ہیں اور وہ لوگ ہیں جو ایمان لائے اور اللہ سب مومنین کا ولی ہے۔

روِ نصاریٰ کا دیگر انداز:

۶۵: يَا اَهْلَ الْكِتَابِ لِمَ تُحَاجُّوْنَ فِيْ اِبْرٰهِيْمَ وَمَا اُنْزِلَتْ التَّوْرَةُ وَالْاِنْجِيلُ اِلَّا مِنْۢ بَعْدِهِ ؕ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ۔ (اے اہل

کتاب تم ابراہیم علیہ السلام کے متعلق کیوں جھگڑتے ہو حالانکہ تورات و انجیل تو ان کے بعد اتریں) دراصل یہود و نصاریٰ میں سے ہر

ایک نے دعویٰ کیا کہ ابراہیم علیہ السلام ان میں سے تھے۔ اور انہوں نے رسول اکرم ﷺ اور مومنین سے اس سلسلہ میں مجادلہ کیا۔ اس

پر ان کو کہا گیا۔ کہ یہودیت کا وجود تو نزول تورات کے بعد ہوا جبکہ نصرانیت انجیل کے آنے کے بعد پیدا ہوئی۔ اور موسیٰ و ابراہیم

علیہما السلام کے مابین ایک ہزار سال کا فاصلہ ہے اور عیسیٰ علیہ السلام اور ابراہیم علیہ السلام کے درمیان دو ہزار سال کا فاصلہ ہے۔ پھر ابراہیم

علیہ السلام اس دین پر کس طرح ہو سکتے ہیں جو ان کے سینکڑوں سال بعد بنا ہو۔ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ۔ (کیا تم عقل نہیں رکھتے) کہ اس قسم کا

ناممکن قول اپنی زبانوں پر لاتے ہو۔

۶۶: هَآأَنُتُمْ هَؤُلَآءِ حَآجَجْتُمْ فِیْمَا لَکُمْ بِهِ عِلْمٌ فَلِمَ تُحَآجُّوْنَ فِیْمَا لَیْسَ لَکُمْ بِهِ عِلْمٌ ۚ وَاللّٰهُ یَعْلَمُ وَآَنُتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ۔ (دیکھو ایسی بات میں تو تم نے جھگڑا کیا ہی تھا جس کا تمہیں کچھ علم بھی تھا۔ (اس چیز میں جس کا تمہیں علم ہے) یعنی تورات و انجیل میں ان کو ذکر کر دیا گیا۔ پھر کیوں جھگڑتے ہو اس بات میں جس کا تمہیں علم نہیں اور اللہ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے)

نحوی تحقیق:

هَآأَنُتُمْ هَؤُلَآءِ (خبردار تم وہ لوگ ہو) **نَحْوُ** : ہا یہاں تنبیہ کیلئے ہے۔ اَنُتُمْ مبتداء اور هَؤُلَآءِ اسکی خبر ہے۔ حَآجَجْتُمْ : یہ جملہ متانفہ ہے جسکی بناء پہلے جملے پر ہے کہ تم ایسے احمق لوگ ہو۔ تمہاری حماقت اور قلت عقل اس انداز کی ہے کہ تم مسلمانوں سے مجادلے پر اترے ہوئے ہو۔ فِیْمَا لَکُمْ بِهِ عِلْمٌ (اس چیز میں جس کا تمہیں علم ہے) یعنی تورات و انجیل میں ان کو ذکر کر دیا گیا۔ فَلِمَ تُحَآجُّوْنَ فِیْمَا لَیْسَ لَکُمْ بِهِ عِلْمٌ (ان چیزوں کے بارے میں کیوں جھگڑتے ہو جن کا تمہیں علم نہیں) اور نہ ہی انکا تذکرہ تمہاری کتاب میں موجود ہے جیسے دین ابراہیم علیہ السلام

نَحْوُ : یہ بھی کہا گیا کہ هَؤُلَآءِ۔ الَّذِیْنَ کے معنی میں ہے۔ اور حَآجَجْتُمْ یہ اسکا صلہ ہے قراءت البوعمر و اور مدنی نے هَآأَنُتُمْ کو پورے قرآن میں مد کے ساتھ بغیر ہمزہ کے پڑھا ہے۔ وَاللّٰهُ یَعْلَمُ وَآَنُتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ۔ (اللہ تعالیٰ کو معلوم ہے وہ بات جس میں تم حجت بازی کر رہے اور تم اس سے ناواقف ہو) اگلی آیات میں ان کے دین سے براءت کا اس طرح اظہار کیا گیا۔

۶۷: مَا کَانَ اِبْرٰہِیْمُ یَہُوْدِیًّا وَّ لَا نَصْرَانِیًّا وَلَکِنْ کَانَ حَنِیْفًا مُّسْلِمًا۔ وَمَا کَانَ مِنَ الْمُشْرِکِیْنَ۔ (کہ ابراہیم نہ یہودی تھے اور نہ نصرانی بلکہ حنیف مسلم تھے اور مشرکین میں سے بھی نہ تھے) گویا یہاں مشرکین سے یہود و نصاریٰ مراد ہیں۔ کیونکہ وہ عزیر و مسیح کو الوہیت میں شریک کرتے تھے۔ یا معنی یہ ہے کہ وہ مشرکین میں سے نہ تھے جیسا کہ یہود و نصاریٰ میں سے نہ تھے۔

ابراہیم علیہ السلام کے قریب ترین:

۶۸: اِنَّ اَوَّلٰی النَّاسِ بِاِبْرٰہِیْمَ لَلَّذِیْنَ اتَّبَعُوْهُ وَهٰذَا النَّبِیُّ وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَاللّٰهُ وَلِیُّ الْمُؤْمِنِیْنَ۔ (لوگوں میں ابراہیم سے قریب تر اور ان کے ساتھ خاص البتہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے انکی ان کے زمانہ یا بعد میں اتباع کی اور یہ پیغمبر اور وہ لوگ جو ایمان لائے اللہ تعالیٰ ایمان والوں کا کارساز و مددگار ہے)۔ اَوَّلٰی یہ الولیٰ سے ہے۔ جس کا معنی قرب ہے۔ لَلَّذِیْنَ اتَّبَعُوْهُ (البتہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے انکی ان کے زمانہ یا بعد میں اتباع کی)۔

وَهٰذَا النَّبِیُّ (اور یہ پیغمبر) خاص طور پر۔ آپ کا خاص طور پر تذکرہ فضیلت میں خاص ہونے کی وجہ سے ہے۔ مَرَادُ مُحَمَّدٍ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم۔ وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا (اور وہ لوگ جو ایمان لائے) یعنی انکی امت میں سے۔ وَاللّٰهُ وَلِیُّ الْمُؤْمِنِیْنَ (اللہ تعالیٰ ایمان والوں کا کارساز و مددگار ہے)۔

وَدَّتْ طَآئِفَةٌ مِّنْ اَهْلِ الْكِتَابِ لَوْ يُضِلُّوْكُمْ ۖ وَمَا يُضِلُّوْنَ

اہل کتاب کی ایک جماعت نے اس بات کی خواہش کی کہ کسی طرح تمہیں گمراہ کر دیں۔ اور وہ گمراہ نہیں کرتے

اِلَّا اَنْفُسَهُمْ وَمَا يَشْعُرُوْنَ ۝۶۹ يٰۤاَهْلَ الْكِتَابِ لِمَ تَكْفُرُوْنَ بِآيٰتِ

مگر اپنے ہی نفسوں کو اور وہ نہیں سمجھتے، اے اہل کتاب تم کیوں کفر کرتے ہو اللہ کی

اللّٰهِ وَاَنْتُمْ تَشْهَدُوْنَ ۝۷۰ يٰۤاَهْلَ الْكِتَابِ لِمَ تَلْبِسُوْنَ الْحَقَّ بِالْبَاطِلِ

آیات کے ساتھ، حالانکہ تم اقرار کرتے ہو، اے اہل کتاب تم حق کو باطل کے ساتھ کیوں مخلوط کرتے ہو

وَتَكْتُمُوْنَ الْحَقَّ وَاَنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ۝۷۱

اور حق کو چھپاتے ہو حالانکہ تم جانتے ہو۔

یہود کے طرز عمل کی مذمت:

۶۹: وَدَّتْ طَآئِفَةٌ مِّنْ اَهْلِ الْكِتَابِ لَوْ يُضِلُّوْكُمْ۔ وَمَا يُضِلُّوْنَ اِلَّا اَنْفُسَهُمْ وَمَا يَشْعُرُوْنَ۔ (اہل کتاب کا ایک گروہ چاہتا ہے کہ کاش وہ تمہیں گمراہ کر دیں حالانکہ وہ اپنے آپ کو گمراہ کرنے والے ہیں اور ان کو اس کا شعور بھی نہیں) طائفہ سے مراد یہود ہیں انہوں نے عمار، حذیفہ معاذ رضی اللہ عنہم کو یہودیت کی طرف بلایا۔ وَمَا يُضِلُّوْنَ اِلَّا اَنْفُسَهُمْ وَمَا يَشْعُرُوْنَ۔ (حالانکہ وہ اپنے آپ کو گمراہ کرنے والے ہیں) یعنی انکی گمراہی کا وبال ان پر پڑے گا۔ کیونکہ ان کے اضلال اور ضلال کی وجہ سے عذاب دوگنا کر دیا جائے گا۔ وَمَا يَشْعُرُوْنَ (اور ان کو اس کا شعور بھی نہیں)۔

منکرین نبوت کو خطاب:

۷۰: يٰۤاَهْلَ الْكِتَابِ لِمَ تَكْفُرُوْنَ بِآيٰتِ اللّٰهِ وَاَنْتُمْ تَشْهَدُوْنَ۔ (اے اہل کتاب تم اللہ کی آیات کا کیوں انکار کرتے ہو اور تم گواہی دیتے ہو) آیات سے مراد تورات وانجیل ہیں۔ اور ان کے ساتھ کفر سے مراد یہ ہے کہ وہ ان کتابوں کی ان باتوں کو نہیں مانتے تھے۔ جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کے صحیح ہونے پر دلالت کرنے والی تھیں۔ وَاَنْتُمْ تَشْهَدُوْنَ۔ (حالانکہ تم گواہی دیتے ہو) یعنی یہ اعتراف کرتے ہو کہ وہ اللہ تعالیٰ کی آیات ہیں۔ یا تم قرآن کا انکار کرتے ہو۔ اور نبوت کے دلائل کا انکار کرتے ہو حالانکہ تم اس بات کی گواہی دیتے ہو کہ آپکی تعریف دونوں کتابوں میں موجود ہے۔ یا اللہ تعالیٰ کی تمام آیات کا انکار کرتے ہو حالانکہ تم جانتے ہو کہ وہ برحق ہیں۔

وَقَالَتْ طَآئِفَةٌ مِّنْ اَهْلِ الْكِتَابِ اٰمِنُوْا بِالَّذِیْ اُنْزِلَ عَلٰی الَّذِیْنَ

اور کہا اہل کتاب کے ایک گروہ نے کہ ایمان لاؤ اس پر جو نازل کیا گیا مسلمانوں

اٰمِنُوْا وَجْهَ النَّهَارِ وَاكْفُرُوْا اٰخِرَهُ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ ﴿۷۶﴾ وَلَا تَوْمِنُوْا

پر دن کے شروع حصہ میں، اور منکر ہو جاؤ دن کے آخر حصہ میں امید ہے کہ یہ لوگ واپس لوٹ آئیں۔ اور اقرار مت کرنا

اِلَّا لِمَنْ تَبِعَ دِیْنَکُمْ ۚ قُلْ اِنَّ الْهُدٰی هُدٰی اللّٰهِ اَنْ یُّوْتٰی اَحَدٌ

مگر ایسے شخص کے سامنے جو تمہارے دین کا تابع ہو۔ آپ فرمادیجئے کہ بلاشبہ ہدایت وہی ہے جو اللہ کی ہدایت ہے۔ یہ باتیں تم اس لئے کرتے ہو کہ کسی

مِثْلَ مَا اُوْتِیْتُمْ اَوْ یَحَاجُّوْکُمْ عِنْدَ رَبِّکُمْ ۚ قُلْ اِنَّ الْفَضْلَ

دوسرے کو ایسی چیز مل رہی ہے جو تمہیں دی گئی یا اس لئے کہ وہ تم پر دلیل میں غالب ہو جائیں گے تمہارے رب کے پاس۔ آپ فرمادیجئے کہ بلاشبہ فضل

بِیْدِ اللّٰهِ ۚ یُوْتِیْهِ مَن یَّشَآءُ ۚ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِیْمٌ ﴿۷۷﴾ یَخْتَصُّ بِرَحْمَتِہٖ

اللہ کے ہاتھ میں ہے وہ اسے عطا فرماتا ہے جسے چاہے اور اللہ واسع ہے خوب جاننے والا ہے۔ وہ مخصوص فرماتا ہے اپنی رحمت کے ساتھ

مَنْ یَّشَآءُ ۚ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِیْمِ ﴿۷۸﴾

جس کو چاہے، اور اللہ بڑے فضل والا ہے۔

تفسیر آیت ۷۶:

یَاۡہِلَ الْكِتٰبِ لِمَ تَلْبِسُوْنَ الْحَقَّ بِالْبَاطِلِ وَتَكْتُمُوْنَ الْحَقَّ وَاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ۔ (اے اہل کتاب تم کیوں حق کو باطل سے ملا تے ہو) عیسیٰ و موسیٰ علیہ السلام پر ایمان کو محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے انکار کے ساتھ ملا تے ہو۔ وَتَكْتُمُوْنَ الْحَقَّ (اور تم حق کو چھپاتے ہو) یعنی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی تعریف وَاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ۔ (حالانکہ تم جانتے ہو) کہ وہ سچے ہیں۔

یہود و یا نہ خیال:

۷۶: وَقَالَتْ طَآئِفَةٌ مِّنْ اَهْلِ الْكِتَابِ اٰمِنُوْا بِالَّذِیْ اُنْزِلَ عَلٰی الَّذِیْنَ اٰمِنُوْا وَجْهَ النَّهَارِ وَاكْفُرُوْا اٰخِرَهُ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ۔ (اہل کتاب کے ایک گروہ نے کہا) اپنے درمیان۔ اٰمِنُوْا بِالَّذِیْ اُنْزِلَ عَلٰی الَّذِیْنَ اٰمِنُوْا (تم اس پر ایمان لاؤ۔ جو ان لوگوں پر اتارا جائے) یعنی قرآن وَجْهَ النَّهَارِ (دن کی ابتداء میں) یعنی شروع دن میں جو قرآن مسلمانوں پر اترے اس پر ایمان ظاہر کرو۔ وَاكْفُرُوْا اٰخِرَهُ (اور دن کے آخر میں اسکا انکار کر دو) لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ۔ (شاید کہ مسلمان لوٹ جائیں) یعنی

مسلمان یہ کہنے لگیں کہ یہ اہل کتاب اور اہل علم ہو کر اس کو چھوڑ رہے ہیں ان کو اس میں خرابی معلوم ہوئی ہوگی۔ پس اس طرح کرنے سے یہ بھی اسلام سے لوٹ آئیں۔

یہود کا جھوٹا زعم کہ تورات جیسی کتاب کسی کو نہیں مل سکتی:

۷۳: وَلَا تُؤْمِنُوا إِلَّا لِمَنْ تَبَعَ دِينَكُمْ قُلْ إِنَّ الْهُدَىٰ هُدَىٰ اللَّهِ أَنْ يُؤْتَىٰ أَحَدٌ مِّثْلَ مَا أُوتِيتُمْ أَوْ يُحَاجُّوْكُمْ عِنْدَ رَبِّكُمْ قُلْ إِنَّ الْفَضْلَ بِيَدِ اللَّهِ يُؤْتِيهِ مَنْ يَشَاءُ وَاللَّهُ وَاسِعٌ عَلِيمٌ۔ (اور نہ تم اعتماد کرو مگر اسی کا جو تمہارے دین کی اتباع کرے۔ کہہ دیں بیشک حقیقی ہدایت اللہ تعالیٰ کی ہدایت ہے ایسی باتیں اس لیے کرتے ہو کہ کسی اور کو بھی ایسی چیز مل رہی ہے جیسی تم کو ملی تھی)

وَلَا تُؤْمِنُوا إِلَّا لِمَنْ تَبَعَ دِينَكُمْ

مَنْحُوْر: وَلَا تُؤْمِنُوا إِلَّا لِمَنْ تَبَعَ دِينَكُمْ سے ہے۔ اور ان کے درمیان جملہ معترضہ ہے اب معنی یہ ہوگا اپنے ایمان کو اپنے اہل دین کے سواء اور کسی پر ظاہر نہ کرنا۔ اس طرح کہ کسی کو تم جیسی کتاب مل سکتی ہے۔ مقصد انکا یہ تھا کہ اپنی اس بات کو خفیہ رکھو کہ مسلمانوں کو بھی تم جیسی کتاب مل گئی ہے اور یہ راز فقط انہی کے سامنے افشا کرو جو تمہارے خاص گروہ کے لوگ ہوں۔ مسلمانوں کو مت بتا دینا کہیں وہ اسلام پر زیادہ پختہ نہ ہو جائیں۔ اور نہ ہی یہ راز مشرکین کے سامنے ظاہر کرنا تاکہ مسلمان ان کو اسلام کی طرف دعوت نہ دیے لگیں۔ اَوْ يُحَاجُّوْكُمْ عِنْدَ رَبِّكُمْ (یا وہ حجت میں تم پر غالب آجاویں تمہارے رب کی نزدیکی)۔

دوسرا معنی:

مَنْحُوْر: أَنْ يُؤْتَىٰ پر عطف ہے اور اَوْ يُحَاجُّوْكُمْ کی ضمیر اَحَدٌ کی طرف لوٹ رہی ہے۔ اَحَدٌ اگرچہ واحد ہے مگر معنی جمع ہے کیونکہ دائرۃ نفی میں واقع ہے۔ مطلب یہ ہوا کہ اپنے لوگوں کے سواء دوسروں پر اعتماد نہ کرنا کہ مسلمان تم پر حجت حق میں غالب آجائیں گے۔ اور جملہ معترضہ کا معنی یہ ہے کہ اِنَّ الْهُدَىٰ هُدَىٰ اللَّهِ کہ بیشک اللہ تعالیٰ کی ہدایت ہی حقیقی ہدایت ہے جو چاہے اس ہدایت کو اختیار کر کے اس پر ایمان لے آئے یا اسلام پر ثابت قدم رہے۔ اور یہ اسی طرح ہوا۔ (مقصد یہ تھا کہ تم ہدایت پر نہیں ہو صرف حسد تمہیں اس مکاری پر آمادہ کر رہا ہے۔) مگر تمہاری یہ مکاری اور حیلہ بازی اور مسلمانوں کی تصدیق سے رکنا اور مشرکین کو روکنا فائدہ نہ دے گا۔ یہ اس طرح ہے جیسا کہ دوسری آیت میں فرمایا۔ قُلْ إِنَّ الْفَضْلَ بِيَدِ اللَّهِ يُؤْتِيهِ مَنْ يَشَاءُ (کہہ دیں کہ بیشک فضل اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے۔ وہ جس کو چاہتا ہے اپنا فضل عنایت کرتا ہے) فضل سے مراد ہدایت و توفیق ہے۔

تفسیر معنی و مطلب:

يَا اِلَّا لِمَنْ تَبَعَ دِينَكُمْ پر کلام تام ہو گیا۔ اب مطلب یہ ہوا کہ تم یہ ظاہری ایمان جو شروع دن میں لاتے ہو مت لاؤ مگر ان لوگوں کے سامنے جو پہلے تمہارے دین کے پیروکار تھے پھر انہوں نے اسلام قبول کر لیا۔ کیونکہ ان کے اسلام سے پھر جانے کی دوسروں کی

وَمِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ مَنْ اِنْ تَامَنَّهُ بِقِنْطَارٍ يُؤَدِّهِ اِلَيْكَ ۚ وَمِنْهُمْ

اور اہل کتاب میں بعض ایسے ہیں کہ ان کے پاس اگر بہت زیادہ مال امانت رکھ دو گے تو وہ تمہاری طرف ادا کر دیں گے اور ان میں

مَنْ اِنْ تَامَنَّهُ بِدَيْنَارٍ لَا يُؤَدِّهِ اِلَيْكَ اِلَّا مَا دُمْتَ عَلَيْهِ قَائِمًا ۚ

ایسے ہیں کہ اگر تم ان کے پاس ایک دینار امانت رکھ دو گے تو تمہاری طرف ادا نہیں کریں گے مگر یہ کہ تم برابر سر پر کھڑے رہو

ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَالُوْا لَيْسَ عَلَيْنَا فِي الْاُمَمِيْنَ سَبِيْلٌ ۚ وَيَقُوْلُوْنَ عَلَى اللّٰهِ

یہ اس لئے کہ انہوں نے کہا کہ ان پر ہمارے بارے میں ہم پر کوئی مواخذہ نہیں ہے اور وہ اللہ پر

الْكُذْبَ وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ ۝۷۵ بَلٰى مَنْ اَوْفٰى بِعَهْدِهِ وَاتَّقٰى فَاِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُتَّقِيْنَ ۝۷۶

جھوٹ بولتے ہیں حالانکہ وہ جانتے ہیں، ہاں جس نے اپنے عہد کو پورا کیا اور تقویٰ اختیار کیا تو بلاشبہ اللہ تعالیٰ متقیوں کو دوست رکھتا ہے۔

نسبت زیادہ امید ہے۔ اور اَنْ یُّؤْتٰی کا معنی لَنْ یُّؤْتٰی اَحَدٌ مِّثْلَ مَا اُوْتِیْتُمْ تم اس لئے جلتے ہو کہ دوسروں کو اسی جیسی کتاب دی گئی جیسی تمہیں دی گئی۔ تم نے یہی بات کہی اور اسی خاطر تدبیر کرتے ہو اور کوئی غرض نہیں۔ بس حسد و بغض ہے، جو تمہارے اندر ہے۔ اس بناء پر کہ کسی کو اس جیسی کتاب اور علم میسر ہو جو تمہیں ملا ہے۔ اور اسی بات نے تمہیں اس بات کے کہنے پر آمادہ کیا۔ جو تم نے کہی ابن کثیر کی قراءت مدّ اور استفہام کے ساتھ اس پر دلالت کرتی ہے۔ یعنی الا ان یوتی احدٌ مثل ما اوتیتم من الکتاب تحسد و نہم۔ کیا اب کسی کو اس جیسی کتاب دی گئی جیسی کتاب تمہیں ملی۔ کہ تم ان پر حسد کرتے ہو۔ (یعنی اس جیسی کتاب کسی کو کب مل سکتی ہے) اس صورت میں اَوْ یُحَا جُّوْکُمْ کا معنی یہ ہوگا کہ تم نے ساری تدبیر اسی خاطر کی ہے کہ کسی کو تم جیسی کتاب دے دی گئی۔ یا ابھی تک تمہارے انکار کی وجہ سے تمہارے رب کے ہاں انکی حجت بازی تمہارے ساتھ متعلق نہیں ہوئی۔ وَاللّٰهُ وَّاسِعٌ (اللہ تعالیٰ وسیع رحمت والے ہیں) عَلَیْہِمْ۔ (مصلحتوں کو جاننے والے ہیں)

شاہی اعلان:

۷۴: یَخْتَصُّ بِرَحْمَتِهِ مَنْ یَّشَآءُ ۚ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِیْمِ۔ (وہ اپنی رحمت کے ساتھ جس کو چاہتے ہیں خاص کرتے ہیں) رحمت سے مراد یہاں نبوت یا اسلام ہے۔ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِیْمِ۔ (اور اللہ تعالیٰ بہت بڑے فضل والے ہیں)۔

یہود میں امین اور خائن طبقہ:

۷۵: وَمِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ مَنْ اِنْ تَامَنَّهُ بِقِنْطَارٍ يُؤَدِّهِ اِلَيْكَ ۚ وَمِنْهُمْ مَنْ اِنْ تَامَنَّهُ بِدَيْنَارٍ لَا يُؤَدِّهِ اِلَيْكَ اِلَّا مَا دُمْتَ عَلَيْهِ قَائِمًا ۚ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَالُوْا لَيْسَ عَلَيْنَا فِي الْاُمَمِيْنَ سَبِيْلٌ ۚ وَيَقُوْلُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكُذْبَ وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ۔ (اہل کتاب میں بعض ایسے لوگ ہیں کہ اگر آپ ان کے پاس ایک خزانہ امانت رکھیں وہ اس کو تمہیں ادا کر دیں) وہ عبد اللہ بن سلام ہیں کہ

انہوں نے قریش کے ایک آدمی سے بارہ سواوقیہ سونا لیا۔ انہوں نے واپس ادا کر دیا۔ وَمِنْهُمْ مَنْ اِنْ تَاَمَنَهُ بِدِيْنَارٍ لَا يُؤَدِّهِ اِلَيْكَ (ان میں بعض وہ ہیں کہ اگر تم ان کو ایک دینار بطور امانت دو تو بھی تمہیں ادا نہ کریں) اس کا مصداق فحاص بن عازوراء تھا کہ جس کے پاس ایک قریشی نے ایک دینار بطور امانت رکھا تو اس نے انکار کر دیا۔ اور کھاپی گیا۔ اور یہ بھی کہا گیا کہ یہود میں غلبہ خیانت کی وجہ سے امین قلیل اور نصاریٰ میں غلبہ امانت کی وجہ سے خائن قلیل ہیں۔ اِلَّا مَا دُمْتَ عَلَيْهِ فَاِمْسًا (مگر اتنی مدت کہ تم اس پر ہیشگی کرو) یا صاحب حق اسکے سر پر مسلط رہے۔ اور اس کو لازم پکڑ لے۔

قراءت: یُوَدِّہ اور لَا یُوَدِّہ۔ ہا کے کسرہ کو اشباع کے ساتھ کی، شامی، نافع، علی اور حفص نے پڑھا ہے۔ جبکہ ابو عمرو کی ایک روایت میں اختلاس اور دوسروں نے سکون ہاء سے پڑھا ہے۔ ذَلِکَ کا مشاڑ الیہ ترک اداء ہے۔ جس پر لَا یُوَدِّہ دلالت کر رہا ہے۔ بِاَنَّهُمْ یَہِ اس لئے کہ وہ کہتے ہیں۔ قَالُوْا لَیْسَ عَلَیْنَا فِی الْاُمِّیْنَ سَبِیْلٌ یعنی انہوں نے ادائیگی حقوق اس وجہ سے ترک کی ہے کہ وہ کہتے ہیں۔ لَیْسَ عَلَیْنَا فِی الْاُمِّیْنَ سَبِیْلٌ (کہ ان پڑھوں کا مال کھانے میں ہمیں کچھ گناہ نہیں) مقصد ان کا یہ تھا کہ جو اہل کتاب نہیں ہم ان کا مال کھائیں۔ ان کو نقصان پہنچائیں ہمیں کچھ گناہ نہیں ہوتا کیونکہ وہ ہمارے دین پر نہیں وہ اپنے مخالفین پر ظلم کو حلال قرار دیتے اور کہا کرتے تھے۔ ہماری کتاب میں اس کو حرام قرار دیا گیا۔ (بقول کسے۔ رام، رام جینا پرایا مال اپنا یہ ان کا مذہب تھا) یہ بھی کہا گیا کہ بعض یہود نے کسی قریشی سے سودا کیا۔ جب وہ قریشی مسلمان ہو گئے تو انہوں نے مال کا تقاضہ کیا تو یہود نے کہا تمہارا ہمارے ذمہ کوئی حق نہیں اس لئے کہ تم نے اپنا دین چھوڑ دیا اور کہنے لگے کہ یہ ہماری کتاب کا مسئلہ ہے۔ وَیَقُوْلُوْنَ عَلٰی اللّٰهِ الْکَذِبَ (وہ اللہ تعالیٰ پر جھوٹ باندھتے ہیں) یہ دعویٰ کر کے کہ یہ بات ان کی کتاب میں موجود ہے۔ وَهُمْ یَعْلَمُوْنَ (حالانکہ وہ جانتے ہیں) کہ وہ جھوٹے ہیں۔

دعویٰ بے گناہی کی تردید:

۶: بَلٰی مَنْ اَوْفٰی بِعَہْدِہٖ وَاتَّقٰی فَاِنَّ اللّٰہَ یُحِبُّ الْمُتَّقِیْنَ۔ بَلٰی (کیوں نہیں) ان پڑھوں کا مال کھانے میں بے گناہی کے دعویٰ کی تردید ہے۔ کہ ان پر ضرور گناہ ہوگا۔ مَنْ اَوْفٰی بِعَہْدِہٖ وَاتَّقٰی جو شخص اپنے عہد کو پورا کرے اور اللہ سے ڈرے یہ جملہ مستانفہ ہے یہ اس جملہ کیلئے دوبارہ لایا گیا۔ جس کے قائم مقام بَلٰی ہے۔ بِعَہْدِہٖ کی ضمیر اللہ تعالیٰ کی طرف لوٹی ہے۔ یعنی ہر وہ شخص جس نے اللہ تعالیٰ کے وعدہ کو پورا کیا اور اس سے ڈرا اِنَّ اللّٰہَ یُحِبُّ الْمُتَّقِیْنَ۔ بلاشبہ اللہ تعالیٰ کو متقی لوگ پسند ہیں۔ نکتہ: یہاں ضمیر ہم کی بجائے الْمُتَّقِیْنَ۔ اسم ظاہر کو لائے پھر ضمیر کا مرجع خاص مَنْ تھا۔ اسکی بجائے متقین کو عام کر دیا۔ تاکہ اس میں ایمان اور دیگر تمام صالحات داخل ہو جائیں اور کفر وغیرہ اور دیگر برے اعمال جن سے بچنا ضروری ہے۔ ان سے پرہیز کو بھی تقویٰ میں شامل کر دیا۔

تاریکین خیانت اللہ کو پسند ہیں:

دوسرا قول یہ ہے کہ عبد اللہ بن سلامؓ اور انہی جیسے اہل کتاب میں سے ایمان لانے والے اس سے مراد ہیں۔ ایک قول یہ ہے کہ ضمیر مَنْ اَوْفٰی کی طرف لوٹانی جائز ہے۔ مطلب یہ ہوا کہ ہر وہ شخص جس نے اس معاہدہ کو پورا کیا جو اللہ تعالیٰ سے کر رکھا تھا۔

اِنَّ الَّذِيْنَ يَشْتَرُوْنَ بِعَهْدِ اللّٰهِ وَاِيْمَانِهِمْ ثَمَنًا قَلِيْلًا اُولٰٓئِكَ لَا خَلٰقَ

بے شک اللہ کے عہد اور اپنی قسموں کے مقابلہ میں جو لوگ حقیر معاوضہ لیتے ہیں یہ وہ لوگ ہیں جن کے لئے آخرت میں

لَهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ وَلَا يُكَلِّمُهُمُ اللّٰهُ وَلَا يَنْظُرُ اِلَيْهِمْ يَوْمَ الْقِيَمَةِ وَلَا

کوئی حصہ نہیں اور نہ ان سے اللہ تعالیٰ کلام فرمائے گا اور نہ قیامت کے دن ان کی طرف نظر فرمائے گا اور نہ ان کو پاک

يُزَكِّيهِمْ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۝۷۱ وَاِنَّ مِنْهُمْ لَفَرِيقًا يَّسْتَلُوْنَ السِّنْتَهِمْ بِالْكِتٰبِ

فرمائے گا اور ان کے لئے عذاب ہے دردناک۔ اور بلاشبہ ان میں ایک گروہ ایسا ہے جو اپنی زبانوں

لِتَحْسِبُوْهُ مِنْ الْكِتٰبِ وَمَا هُوَ مِنَ الْكِتٰبِ وَيَقُوْلُوْنَ هُوَ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ

کو موز کر کتاب بیان کرتا ہے۔ تاکہ تم اس کو کتاب سے سمجھو حالانکہ وہ کتاب سے نہیں ہے، اور وہ

وَمَا هُوَ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ وَيَقُوْلُوْنَ عَلٰی اللّٰهِ الْكُذِبَ وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ ۝۷۲

کہتے ہیں کہ وہ اللہ کے پاس سے ہے حالانکہ وہ اللہ کے پاس سے نہیں ہے، اور وہ اللہ پر جھوٹ بولتے ہیں حالانکہ وہ جانتے ہیں۔

اور ترک خیانت و غدر میں اللہ تعالیٰ سے ڈرتا رہا اللہ تعالیٰ اس کو پسند کرتے ہیں۔

۷۱: اِنَّ الَّذِيْنَ يَشْتَرُوْنَ بِعَهْدِ اللّٰهِ وَاِيْمَانِهِمْ ثَمَنًا قَلِيْلًا اُولٰٓئِكَ لَا خَلٰقَ لَهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ، وَلَا يُكَلِّمُهُمُ اللّٰهُ وَلَا يَنْظُرُ اِلَيْهِمْ يَوْمَ الْقِيَمَةِ وَلَا يُزَكِّيهِمْ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ۔

شأن نزول: یہ ان لوگوں کے بارے میں اتری جنہوں نے تورات کی تحریف کی۔ اور جن یہود نے آپ کی صفات تورات میں بدل ڈالیں۔ اور اس پر رشوت وصول کی۔

اِنَّ الَّذِيْنَ يَشْتَرُوْنَ (بیشک وہ لوگ جو تبدیل کرتے ہیں) بِعَهْدِ اللّٰهِ (اللہ کے اقرار کو) جو انہوں نے اللہ تعالیٰ سے رسول مصدق پر ایمان لانے کے سلسلہ میں کر رکھا ہے۔ وَاِيْمَانِهِمْ (اور اپنی قسموں کو) اور اس پر ایمان لانے کے سلسلہ میں جو حلف دے رکھا ہے۔ کہ قسم بخدا ہم اس پر ضرور ایمان لائیں گے اور انکی نصرت کریں گے۔ ثَمَنًا قَلِيْلًا (تھوڑی قیمت) یعنی دنیا کا سامان، سرداری، رشوت وغیرہ اور اسی طرح کی دیگر چیزیں۔

خجور: بِعَهْدِ اللّٰهِ سے یہ بات مزید پختہ ہو جاتی ہے کہ بِعَهْدِہ کی ضمیر کا مرجع اللہ تعالیٰ کی ذات ہے۔

اُولٰٓئِكَ لَا خَلٰقَ لَهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ ان لوگوں کا آخرت میں کوئی حصہ نہیں۔ وَلَا يُكَلِّمُهُمُ اللّٰهُ (اللہ تعالیٰ ان سے کلام نہیں کریں گے) جس سے انکو خوشی ہو۔ وَلَا يَنْظُرُ اِلَيْهِمْ يَوْمَ الْقِيَمَةِ (اور نہ انکی طرف قیامت کے دن توجہ فرمائیں گے) نظر سے مراد نظر رحمت ہے۔ وَلَا يُزَكِّيهِمْ۔ (اور نہ انکی تعریف فرمائیں گے) وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ۔ (ان کیلئے دردناک عذاب ہے)۔

١٠٠

کتاب دے) اس آیت میں عبادت عیسیٰ کا جو دعویٰ انہوں نے کیا تھا اسکی تکذیب ہے۔ دوسرا قول یہ ہے کہ ایک شخص نے کہا یا رسول اللہ! ہم آپ کو اسی طرح سلام کرتے ہیں جیسا کہ ایک دوسرے کو سلام کرتے ہیں۔ کیا آپ کو سجدہ نہ کیا کریں؟ آپ نے فرمایا اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کے لئے سجدہ مناسب نہیں۔ لیکن اپنے پیغمبر کا احترام کرو اور ان کے اہل کا حق پہچانو!

(واحدی فی اسباب النزول)

وَالْحُكْمَ (اور حکمت) اور مراد اس سے سنت یا معاملات کے فیصلے۔ وَالنَّبُوَّةَ ثُمَّ يَقُولُ اور نبوت دے پھر وہ کہنے لگے۔ يَقُولُ کا عطف یُوْتِيْهِ پر ہے۔ لِلنَّاسِ كُونُوا عِبَادًا لِّيْ مِنْ دُونِ اللّٰهِ وَلٰكِنْ كُونُوا رَبَّيْنَ (لوگوں کو کہ اللہ کو چھوڑ کر میرے بندے ہو جاؤ بلکہ وہ کہتا ہے تم ربانین بن جاؤ)۔

ربانی کون ہیں؟

الربانی یہ رب سے اسم منسوب ہے۔ الف نون اس میں زائد لگا ہے۔ ربانی اس شخص کو کہتے ہیں جو اللہ تعالیٰ کی اور اس کے دین کی اطاعت کو مضبوطی سے تھامنے والا ہو۔ جب حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی وفات ہوئی تو محمد بن حنفیہ نے کہا مات رَبَّانِيْ هذه الامة اس امت کا ربانی مر گیا۔ حضرت حسن کہتے ہیں کہ ربانین علماء وفقہائے امت کو کہتے ہیں۔ دوسرا قول یہ ہے۔ علمائے معلمین مراد ہیں۔ ایک اور قول یہ ہے کہ ربانی عالم باعمل کو کہتے ہیں۔ بِمَا كُنْتُمْ تَعْلَمُونَ الْكِتَابَ۔ قراءت: کوئی دشامی نے اسی طرح پڑھا۔ دیگر قراء نے تخفیف سے پڑھا۔ تَعْلَمُونَ کا معنی دوسروں کو پڑھانے والے ہو۔ علم والے ہو تو عمل والے بنو:

(وَبِمَا كُنْتُمْ تَدْرُسُونَ) اور اس سبب سے کہ تم پڑھتے ہو مطلب یہ ہے اس وجہ سے کہ تم علم والے ہو اور اس وجہ سے کہ علم خود پڑھنے والے ہو یہ ربانیت یعنی اللہ تعالیٰ کی اطاعت پر قائم رہنے کی قوت۔ تعلیم و تعلیم ہی کی وجہ سے تھی۔ اور اس انسان کی بد نصیبی کیلئے اتنی بات کافی ہے کہ اس نے اپنے آپ کو مشقت میں ڈالا اور اپنی روح کو تکلیف دی تاکہ اپنے اندر علم کو جمع کر لے پھر اس علم کو ذریعہ عمل نہیں بنایا۔ اسکی مثال تو ایسی ہے جیسے کسی نے پر رونق خوبصورت درخت لگایا مگر اسکے پھل سے فائدہ نہ اٹھایا۔ دوسرا معنی یہ بھی کیا گیا کہ تدرسونہ علی الناس۔ تم وہ لوگوں کو پڑھاتے ہو۔ جیسا کہ اس آیت میں ہے۔ لِتَقْرَأَهُ عَلَى النَّاسِ (الاسراء آیت: ۱۰) پس تدرسون کا معنی پڑھانا ہے۔ جیسا ابن جریر کی قراءت میں ہے۔ ۸۰: وَلَا يَأْمُرُكُمْ أَنْ تَتَّخِذُوا الْمَلَائِكَةَ وَالنَّبِيِّنَ أَرْبَابًا أَيَأْمُرُكُمْ بِالْكُفْرِ بَعْدَ إِذْ أَنْتُمْ مُسْلِمُونَ۔

مَا كَانَ كُفْرِيٍّ فِي تَأْكِيدِ كَلِمَاتِهِ:

مَنْحَوْرٍ: وَلَا يَأْمُرُكُمْ (اور نہ یہ بات بتلاویگا کہ تم) یہ نصب کے ساتھ ثم يقول پر عطف ہے اور اسکی وجہ یہ ہے کہ لا کو ماکان لبشر کی نفی میں تاکید پیدا کرنے کیلئے لا یأمرکم پر بڑھا دیا ہے۔ اب مطلب یہ ہے کہ کسی ایسے انسان کو مناسب نہیں جس کو اللہ تعالیٰ نبوت پر فائز کرے اور عبادت میں اللہ تعالیٰ ہی کو پکارنے اور شرکاء کو ترک کرنے کی توفیق دیدیں۔ تو پھر وہ لوگوں کو

وَإِذْ أَخَذَ اللَّهُ مِيثَاقَ النَّبِيِّينَ لَمَا آتَيْتُكُمْ مِنْ كِتَابٍ وَحِكْمَةٍ

اور جب اللہ نے نبیوں سے عہد لیا کہ میں جو کچھ بھی تم کو کتاب اور حکمت عطا کروں

ثُمَّ جَاءَكُمْ رَسُولٌ مُصَدِّقٌ لِمَا مَعَكُمْ لَتُؤْمِنُنَّ بِهِ وَلَتَنْصُرُنَّهُ ۖ قَالَ

پھر آجائے تمہارے پاس رسول جو تصدیق کرنے والا ہو اس چیز کی جو تمہارے پاس ہے تو تم ضرور اس پر ایمان لاؤ گے اور ضرور ضرور اس کی مدد کرو گے۔ فرمایا

أَقْرُرُكُمْ وَأَخَذْتُكُمْ عَلَىٰ ذَلِكُمْ ۚ أَصِرُّ ۖ قَالُوا أَقْرَرْنَا ۖ قَالَ فَاشْهَدُوا

کیا تم نے اقرار کر لیا اور تم نے اس پر میرا مضبوط عہد قبول کر لیا؟ انہوں نے کہا ہاں ہم نے اقرار کر لیا، فرمایا سو تم گواہ رہو

وَأَنَا مَعَكُمْ مِنَ الشَّاهِدِينَ ۚ ۝۸۱ فَمَنْ تَوَلَّىٰ بَعْدَ ذَلِكَ فَأُولَٰئِكَ هُمُ

اور میں تمہارے ساتھ گواہوں میں سے ہوں، پھر جو شخص اس کے بعد روگردانی کرے گا سو یہی لوگ

الْفٰسِقُوْنَ ۝۸۲

نافرمان ہیں۔

حکم دینے لگے کہ وہ اسکے بندے اور عابد بن جائیں اور وہ یہ حکم دینے لگے کہ اَنْ تَتَّخِذُوا الْمَلٰٓئِكَةَ وَالنَّبِيِّنَ اَرْبَابًا (کہ تم ملائکہ اور انبیاء کو رب بنالو) یہ اسی طرح ہے جیسا محاورہ میں کہتے ہیں۔ ما کان لزیّد ان اکرمہ ثم یهیننی ولا یتخف بی۔ زید کو مناسب نہیں کہ میں اسکا اکرام کروں اسکے باوجود پھر وہ میری توہین و تخفیف کرے۔ یعنی اکرام کے ہوتے ہوئے توہین و تخفیف روا نہیں۔

قراءت رفع کا معنی:

اگر رفع والی قراءت ہو وَلَا یَاْمُرُکُمْ جیسا کہ حجازی، ابو عمرو علی نے پڑھا ہے تو اس صورت میں یہ ابتدائی کلام ہے اور اَیَاْمُرُکُمْ بِالْکُفْرِ (کیا وہ تم کو کفر کی بات بتاویگا) کی ہمزہ استفہام انکاری کیلئے ہوگی اور لَا یَاْمُرُکُمْ اور اَیَاْمُرُکُمْ کی ضمائر فاعلیہ بشر کی طرف لوٹیں گی یا اللہ تعالیٰ کی طرف لوٹیں گی۔

مطلب یہ ہوا کہ تعجب ہے کہ وہ تم کو کفر کا حکم دے۔ ایسا نہیں ہو سکتا۔ بَعْدَ اِذْ اَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ۔ (اسکے بعد کہ تم مسلمان ہو) یہ آیت کا حصہ دلالت کر رہا ہے کہ مخاطبین مسلمان تھے اور وہ وہی لوگ تھے جنہوں نے سجدہ کرنے کی اجازت طلب کی۔

تذکرہ ميثاق النبیین اور دو تفسیریں:

۸۱: وَإِذْ أَخَذَ اللَّهُ مِيثَاقَ النَّبِيِّينَ لَمَا آتَيْتُكُمْ مِنْ كِتَابٍ وَحِكْمَةٍ ثُمَّ جَاءَكُمْ رَسُولٌ مُّصَدِّقٌ لِمَا مَعَكُمْ لَتُؤْمِنُنَّ بِهِ

وَلَتَنْصُرُنَّهُ قَالَ ءَاَقْرَرْتُمْ وَاَخَذْتُمْ عَلٰی ذٰلِكُمْ اِصْرٰی قَالُوْٓا۟ اَقْرَرْنَا قَالَ فَاشْهَدُوْٓا اَنَا مَعَكُمْ مِنَ الشَّٰهِدِيْنَ۔
(جب اللہ تعالیٰ نے انبیاء علیہم السلام سے پختہ وعدہ لیا کہ جو کچھ میں تم کو کتاب اور علم دوں) یہ آیت انبیاء علیہم السلام سے میثاق لینے کے سلسلہ میں اپنے ظاہر پر ہے۔

پہلی تفسیر: اولاد کا لفظ میثاق کے بعد محذوف ہے کہ اولاد انبیاء یعنی بنی اسرائیل مراد ہیں اس صورت میں لَمَّا اَتَيْتُكُمْ مِّنْ كِتٰبٍ وَّحِكْمَةٍ میں لام تمہید قسم کیلئے ہے۔ کیونکہ میثاق لینے کا معنی ہی قسم لینا ہے اور لَتَوْتُمُنَّ کی لام جواب قسم کے لئے ہے۔ مآثرطیہ اور لَتَوْتُمُنَّ شرط و قسم دونوں کا جواب ٹھہرا۔ اس صورت میں معنی یہ ہوگا کہ اللہ تعالیٰ نے انبیاء علیہم السلام سے قسم لے لی تھی کہ اگر میں تم کو کتاب عطا کروں پھر اس کتاب کی تصدیق کرنے والا رسول تمہارے ہوتے ہوئے آجائے تو تم اسکی تصدیق کرنا۔

نمبر ۲۔ ما موصولہ ہو اور من کتاب اسکا صلہ اور لَتَوْتُمُنَّ بہ آخر تک خبر ہے۔ اب مطلب یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے انبیاء علیہم السلام سے عہد لیا تھا کہ جو کتاب میں نے تمہیں دی ہے اس پر تم ضرور ایمان لانا۔ ثُمَّ جَاءَ ءَکُمْ اسکا عطف صلہ پر ہے اور اسکی ضمیر ما محذوف کی طرف لوثی ہے۔ اور تقدیر عبارت اس طرح ہے ثُمَّ جَاءَ کُمْ بہ (پھر لایا تمہارے پاس وہ کتاب) رَسُوْلٌ مُّصَدِّقٌ لِّمَآ مَعَكُمْ ایک ایسا رسول جو تصدیق کرنے والا ہے۔ اس کتاب کی جو تمہارے پاس ہے (لَتَوْتُمُنَّ بہ) (تو تم اس رسول پر ضرور ایمان لانا) اور وَلَتَنْصُرُنَّهُ (اور تم ضرور اس رسول کی امداد کرنا) رسول سے مراد محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ لَمَّا اَتَيْتُكُمْ حمزہ کی قراءت میں لَمَّا کی لام جارہ مکسورہ ہے۔ اور مَا الَّذٰی کے معنی میں ہے۔ یا مَا مصدر یہ ہے مطلب یہ ہوا اس لئے کہ میں نے تمہیں کتاب و حکمت دی پھر اس رسول کے آنے کی وجہ سے جو تصدیق کرنے والا ہے۔ اس کتاب کی جو تمہارے پاس ہے۔

دوسری تفسیر: لام تعلیلیہ یعنی اللہ تعالیٰ نے ان سے پختہ عہد لیا کہ تم رسول پر ضرور ایمان لانا اور اسکی ضرورت دکرنا اس لئے کہ میں نے تمہیں حکمت دی ہے اور وہ رسول جس پر ایمان لانے اور اسکی مدد کرنے کا حکم دیا گیا۔ اور وہ رسول جن پر ایمان کیلئے میں تمہیں حکم دے رہا ہوں۔ وہ تمہارے موافق ہیں مخالف نہیں۔

قراءت: اَتَيْتُكُمْ کو مدنی نے اَتَيْنَاکُمْ پڑھا ہے۔ قَالَ (اللہ تعالیٰ نے فرمایا) ءَاَقْرَرْتُمْ وَاَخَذْتُمْ عَلٰی ذٰلِكُمْ اِصْرٰی (کیا تم نے عہد قبول کر لیا اور اس اقرار پر میرا ذمہ لیا) عہد کو اصر کہا کیونکہ یہ ان چیزوں میں سے ہے جن کو پختہ اور مضبوط کیا جاتا ہے۔ قَالُوْٓا۟ اَقْرَرْنَا قَالَ فَاشْهَدُوْٓا (انہوں نے کہا ہم نے اقرار کیا۔ فرمایا تم ایک دوسرے پر اقرار میں گواہ ہو جاؤ)۔

تاکید برائے احتیاط مزید:

وَاَنَا مَعَكُمْ مِنَ الشَّٰهِدِيْنَ۔ اور میں بھی تمہارے ساتھ گواہ ہوں درحقیقت یہ تاکید کیلئے فرمایا تاکہ عہد کی خلاف ورزی سے وہ اور زیادہ محتاط رہیں جبکہ وہ یہ مانیں کہ یہ جان کر کہ اس پر تو ہم میں سے ہر ایک دوسرے پر گواہ ہے۔ اور خود ذات باری تعالیٰ بھی گواہ ہے۔ اور ایک قول یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ملائکہ کو فرمایا کہ تم گواہ ہو جاؤ۔

۸۲: فَمَنْ تَوَلٰی بَعْدَ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ۔ (جو اس تاکید اور پختہ عہد کے بعد اس سے منہ موڑے گا) اور قبول کر لینے کے بعد اس عہد کو توڑ دے اور آنے والے پیغمبر پر ایمان سے اعراض کرے۔ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ۔ (وہ وہی فاسق ہیں)

اَفْغَيِّرْ دِيْنَ اللّٰهِ يَبْغُوْنَ وَلَءِ اَسْلَمَ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ

کیا اللہ کے دین کے علاوہ کوئی دین تلاش کرتے ہیں حالانکہ وہ سب اس کے فرمانبردار ہیں جو آسمانوں میں ہیں اور زمین میں ہیں

طَوْعًا وَّكَرْهًا وَّالِيْهِ يُرْجَعُوْنَ ﴿۸۳﴾ قُلْ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَمَا اُنْزِلَ عَلَيْنَا

خوشی سے اور مجبوری سے۔ اور اسی کی طرف سب واپس ہوں گے۔ آپ فرمادیجئے کہ ہم ایمان لائے اللہ پر اور جو کچھ نازل کیا گیا ہم پر

وَمَا اُنْزِلَ عَلٰى اِبْرٰهِيْمَ وَاِسْمٰعِيْلَ وَاِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ وَالْاَسْبَاطِ

اور اس پر جو نازل کیا گیا ابراہیم پر اور اسمعیل پر اور اسحاق پر اور یعقوب پر اور ان کی اولاد پر

وَمَا اُوْتِيَ مُوسٰى وَعِيسٰى وَالنَّبِيُّوْنَ مِنْ رَبِّهِمْۙ لَا نَفْرِقُ بَيْنَ اَحَدٍ

اور اس پر جو عطا کیا گیا موسیٰ کو اور عیسیٰ کو اور تمام نبیوں کو ان کے رب کی طرف سے، ہم ان میں سے کسی کے درمیان بھی تفریق نہیں

مِنْهُمْۙ وَنَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ ﴿۸۴﴾ وَمَنْ يَّبْتَغِ غَيْرَ الْاِسْلَامِ دِيْنًا فَلَنْ

کرتے اور ہم اس کے لئے فرمانبردار ہیں اور جو کوئی شخص اسلام کے علاوہ کسی دین کو طلب کرے گا تو ہرگز

يُقْبَلَ مِنْهُ ۚ وَهُوَ فِي الْاٰخِرَةِ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ﴿۸۵﴾

اس سے قبول نہ کیا جائے گا اور وہ آخرت میں تباہ کاروں میں سے ہوگا۔

یعنی سرکش کفار ہیں۔

دین اسلام کے ہوتے اور دین کی طلب نہیں ہو سکتی:

۸۳: اَفْغَيِّرْ دِيْنَ اللّٰهِ يَبْغُوْنَ وَلَءِ اَسْلَمَ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ طَوْعًا وَّكَرْهًا وَّالِيْهِ يُرْجَعُوْنَ۔ یہاں ہمزہ استفہام انکاری کا قاعاطفہ پر داخل ہوا۔ جملہ کا عطف جملہ پر ہے۔ مطلب یہ ہوا۔ وہ وہی فاسق ہیں تبھی تو اللہ تعالیٰ کے دین کے علاوہ اور دین کے متلاشی ہیں۔ پھر ہمزہ کو درمیان میں قاعاطفہ پر داخل کر دیا۔ تقدیر عبارت یہ ہے فَا وَلِيْكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ۔ اَفْغَيِّرْ دِيْنَ اللّٰهِ يَبْغُوْنَ (کیا یہ اللہ کے دین کے سوا کسی اور دین کے طالب ہیں)

دوسری تفسیر: یہ کہ محذوف پر عطف ہو اور عبارت اس طرح ہو اَيْتُولُوْنَ فَغَيِّرْ دِيْنَ اللّٰهِ يَبْغُوْنَ (کیا وہ منہ موڑتے اور اللہ تعالیٰ کے دین کے سوا اور (دین کے) متلاشی ہیں) غیر دین اللہ مفعول ہے۔ اس کو اپنے فعل سے مقدم کیا کیونکہ وہ زیادہ اہم ہے۔ اس طرح کہ ہمزہ میں جو انکار ہے وہ معبود باطل کی طرف متوجہ ہونے والا ہے۔ (گویا یہ اشارہ کر دیا کہ دین اللہ کے ساتھ دوسرے دین کی طلب نہیں ہو سکتی) وَلَءِ اَسْلَمَ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ (حالانکہ اسی ہی کے فرماں بردار ہیں جو آسمانوں میں ہیں) یعنی فرشتے

وَالْاَرْضِ (اور زمین میں) یعنی جن و انس طُوْعًا (مان کر) یعنی دلائل و انصاف کو سامنے رکھتے ہوئے۔ وَتَكْرُهًا (مجبوری سے) تلوار کے ذریعہ یا عذاب کو آنکھوں سے دیکھ کر جیسے طور لڑکا کر۔ فرعون اور آل کا غرقاب ہوتے دیکھ کر یا موت کو جھانک کر۔ جیسا فرمایا فَلَمَّا رَاَوْا بَأْسَنَا جَبَّ اَنْهٰوْنَ نے ہماری پکڑ کو دیکھا تو کہنے لگے ہم تو اللہ تعالیٰ وحدہ لا شریک کو مانتے ہیں۔

نحو و قراءت:

نَحْو: حال ہونے کی بناء پر طُوْعًا اور تَكْرُهًا منصوب ہے۔ ای طائعين و مکرهين۔ وَاللّٰہِ یُرْجِعُوْنَ (اسی کی بارگاہ میں ان کو لوٹایا جائے گا) پس وہ تمہارے اعمال کا بدلہ دیں گے۔

قراءت: یُبْعَثُوْنَ اور یُرْجِعُوْنَ دونوں میں حفص کے نزدیک یا پڑھیں گے۔ مگر ابو عمرو نے یُرْجِعُوْنَ کو تُرْجِعُوْنَ کیونکہ باغی ہی منہ موڑنے والے ہیں۔ اور لوٹنے والے تو تمام لوگ ہیں۔ باقی تمام قراء نے دونوں میں تا پڑھی ہے اور جمیم پر فتح پڑھا ہے۔۔۔
۸۴: قُلْ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَمَا اُنْزِلَ عَلَيْنَا وَمَا اُنْزِلَ عَلٰی اِبْرٰہِیْمَ وَاِسْمٰعِیْلَ وَاِسْحٰقَ وَیَعْقُوْبَ وَالْاَسْبَاطِ وَمَا اُوْتِیَ مُوسٰی وَعِیْسٰی وَالنَّبِیُّوْنَ مِنْ رَبِّہُمْ لَا نَفْرِقُ بَیْنَ اَحَدٍ مِنْہُمْ وَنَحْنُ لَہُمْ مُسْلِمُوْنَ۔ (کہہ ہم اللہ تعالیٰ پر ایمان لائے اور جو ہم پر اتارا گیا) اس میں رسول اللہ ﷺ کو حکم دیا گیا کہ وہ اپنی طرف سے اور ایمان والوں کی طرف سے اللہ تعالیٰ پر ایمان لانے کی خبر دیں۔ اسی لئے قُلْ صیغہ واحد کا اور اَمَنَّا میں جمع کا صیغہ اور ضمیر لائی گئی۔ یا اپنی طرف سے اس انداز سے بات کریں جیسے بادشاہ بات کرتے ہیں۔ یہ انداز اپنے پیغمبر کی قدر و منزلت کو بڑھانے کیلئے اختیار کیا گیا۔

لطیف نکتہ:

اُنْزِلَ یہاں حرف علی جو استعلاء اور بلندی کو ظاہر کرتا ہے اس کے ساتھ متعدی کیا گیا۔ اور سورہ بقرہ میں حرف الی جو انتہاء کیلئے آتا ہے۔ اس سے متعدی کیا گیا تا کہ دونوں معانی پائے جائیں وحی اترتی تو بلندیوں سے ہے۔ اور رسول تک ختم ہوتی ہے۔ کبھی ایک معنی ثابت کیا جبکہ دوسری مرتبہ دوسرا معنی۔

ایک محل نظر قول:

صاحب لباب نے کہا کہ سورہ بقرہ میں ”قولوا“ سے خطاب امت کو کیا گیا اور وہ خطاب الی کے لفظ سے درست ہو سکتا ہے۔ کیونکہ کتابیں انبیاء ﷺ اور انکی امتوں تک پہنچتی ہیں۔ اور یہاں قُلْ سے آنحضرت ﷺ کو خطاب ہے نہ کہ امت کو پس آپ کے مناسب علی کا لفظ تھا کیونکہ کتاب پیغمبر ﷺ پر اتری ہے امت کی اس میں شرکت نہیں۔ مگر انکی یہ بات محل نظر ہے کیونکہ ارشاد الہی ہے۔ اٰمِنُوْا بِالَّذِیْ اُنْزِلَ عَلٰی الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا (آل عمران ۷۲) یہاں اُنْزِلَ کو علی کے ساتھ ایمان والوں کیلئے ذکر کیا گیا۔ وَمَا اُنْزِلَ عَلٰیہِیْنَا وَمَا اُنْزِلَ عَلٰی اِبْرٰہِیْمَ وَاِسْمٰعِیْلَ وَاِسْحٰقَ وَیَعْقُوْبَ وَالْاَسْبَاطِ (اور جو اتارا گیا ابراہیم، اسماعیل، اسحاق، یعقوب اور ان کی اولاد کی طرف) الاسباط سے اولاد یعقوب علیہ السلام میں جو پیغمبر ہوئے وہ مراد ہیں۔ وَمَا اُوْتِیَ مُوسٰی وَعِیْسٰی وَالنَّبِیُّوْنَ (اور جو موسیٰ و عیسیٰ اور دیگر انبیاء ﷺ دئے گئے) سورہ بقرہ میں وَمَا اُوْتِیَ کو دوبارہ لایا گیا مگر یہاں لما

كَيْفَ يَهْدِي اللّٰهُ قَوْمًا كَفَرُوا۟ بَعْدَ اِيْمَانِهِمْ وَشَهِدُوْا اَنَّ الرّٰسُوْلَ

اللہ کیونکر ہدایت دے اس قوم کو جنہوں نے اپنے ایمان کے بعد کفر اختیار کر لیا۔ حالانکہ وہ گواہی دے چکے تھے کہ بلاشبہ رسول

حَقٌّ وَّجَاءَهُمُ الْبَيِّنَاتُ ۚ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۸۶﴾ اُوْلٰٓئِكَ

حق ہے اور ان کے پاس واضح دلائل بھی آ گئے، اور اللہ ظالموں کو ہدایت نہیں دیتا۔ یہ وہ لوگ ہیں

جَزَاؤُهُمْ اَنْ عَلَيْهِمْ لَعْنَةُ اللّٰهِ وَالْمَلٰٓئِكَةِ وَالنَّاسِ اَجْمَعِيْنَ ﴿۸۷﴾

جن کی سزا یہ ہے کہ ان پر لعنت ہے اللہ کی اور فرشتوں کی اور لوگوں کی سب کی،

خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۚ لَا يُخَفَّفُ عَنْهُمْ الْعَذَابُ وَاَلَا هُمْ يُنْظَرُوْنَ ﴿۸۸﴾ اِلَّا

وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے۔ ان سے عذاب ہلکا نہ کیا جائے گا۔ اور نہ ان کو مہلت دی جائے گی، سوائے

الَّذِيْنَ تَابُوْا مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ وَاَصْلَحُوْا ۚ فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ

ان لوگوں کے جنہوں نے اس کے بعد توبہ کر لی اور اصلاح کر لی تو بے شک اللہ غفور ہے

رَحِيْمٌ ﴿۸۹﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بَعْدَ اِيْمَانِهِمْ ثُمَّ اِزْدَادُوْا كُفْرًا لَّنَّ

رحیم ہے۔ بیشک جن لوگوں نے ایمان کے بعد کفر اختیار کیا پھر کفر میں بڑھتے رہے ہرگز

تُقْبَلَ تَوْبَتُهُمْ ۚ وَاُوْلٰٓئِكَ هُمُ الصّٰلُوْنَ ﴿۹۰﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا

ان کی توبہ قبول نہ ہوگی اور یہ لوگ بکے گمراہ ہیں بیشک جن لوگوں نے کفر اختیار کیا

وَمَا تُوْا وَهُمْ كُفَّارٌ فَلَنْ يُقْبَلَ مِنْۢ أَحَدِهِمْ مِّلٌۢ مِّنَ الْاَرْضِ

اور وہ اس حال میں مر گئے کہ وہ کافر تھے تو ان میں سے کسی سے زمین بھر کر بھی سوا قبول

ذَهَبًا وَّلَوْ اَفْتَدٰى بِهٖ ۚ وَاُوْلٰٓئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ وَمَا لَهُمْ

نہ کیا جائے گا۔ اگرچہ وہ اپنی جان کے بدلہ میں دینا چاہے، یہ وہ لوگ ہیں جن کے لئے دردناک عذاب ہے اور ان کے لئے

مِّنْ تَّصْرِیْنٍ ﴿۹۱﴾

کوئی مددگار نہ ہوگا۔

۸۹

اتیتکم میں ایفاء کا تذکرہ آچکا تھا۔ اسلئے ایک مرتبہ ہی ذکر کیا۔ مِنْ رَبِّهِمْ (اپنے رب کے ہاں سے) لَا نَفَرَقُ بَيْنَ أَحَدٍ مِنْهُمْ (ہم ان میں سے کسی کے مابین ایمان کے سلسلہ میں تفریق نہیں کرتے) جس طرح یہود و نصاریٰ نے کر رکھی ہے۔ وَنَحْنُ لَهُ مُسْلِمُونَ (اور ہم اس کو یکتا ماننے والے ہیں) اور اپنے نفوس کو خالص کرنے والے ہیں کہ اسکی عبادت میں کسی کو شریک نہیں ٹھہراتے۔

مرتدین کا حکم:

۸۵: وَمَنْ يَتَّبِعْ غَيْرَ الْإِسْلَامِ دِينًا فَلَنْ يُقْبَلَ مِنْهُ۔ وَهُوَ فِي الْآخِرَةِ مِنَ الْخَسِرِينَ۔ (جو اسلام کے علاوہ کوئی دوسرا دین تلاش کرے) دین اسلام سے مراد توحید اور اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری یا دین محمدی علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام۔ دیناً یہ یَتَّبِعْ سے تمیز ہے۔ فَلَنْ يُقْبَلَ مِنْهُ وَهُوَ فِي الْآخِرَةِ مِنَ الْخَسِرِينَ۔ (پس وہ ہرگز اس سے قبول نہ کی جائے گی اور وہ آخرت میں نقصان اٹھانے والوں میں سے ہوگا) یعنی ان لوگوں میں سے ہوگا۔ یہ ان لوگوں کے متعلق اتری جو مکہ میں اسلام لائے پھر اسلام سے ارتداد اختیار کر کے اہل مکہ سے جا ملے۔

بے ڈھنگے ہدایت سے محروم رہتے ہیں:

۸۶: كَيْفَ يَهْدِي اللَّهُ قَوْمًا كَفَرُوا بَعْدَ إِيمَانِهِمْ وَشَهِدُوا أَنَّ الرُّسُولَ حَقٌّ وَجَاءَهُمُ الْبَيِّنَاتُ وَاللَّهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظَّالِمِينَ۔ (اللہ تعالیٰ ایسے لوگوں کو کیسے ہدایت کریں گے جو کافر ہو گئے بعد اپنے ایمان لانے کے اور بعد اپنے اس اقرار کے کہ رسول سچے ہیں اور بعد اس کے کہ ان کو واضح دلائل پہنچ چکے تھے اور اللہ تعالیٰ ایسے بے ڈھنگے لوگوں کو ہدایت نہیں کرتے) وَشَهِدُوا میں واو حال کیلئے ہے اور قَدْ مضموم و محذوف ہے۔ اے کفروا وَقَدْ شَهِدُوا انہوں نے کفر کیا حالانکہ وہ گواہی دے چکے کہ رسول برحق ہیں۔ الرسول سے مراد محمد ﷺ ہیں۔ یا واو عاطفہ ہے اور ایمان مصدر ہونے کے باوجود اپنے اندر فعل کا معنی رکھتا ہے کیونکہ اسکا معنی یہ ہے اس کے بعد کہ وہ ایمان لا چکے۔ وَجَاءَهُمُ الْبَيِّنَاتُ بینات سے مراد روشن دلائل جیسے قرآن اور تمام معجزات۔ وَاللَّهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظَّالِمِينَ۔ اللہ تعالیٰ کافروں کو کفر پر رہتے ہوئے جنت کی راہ پر نہ لے جائیگا۔ یا ان کو جنت کا راستہ نہ دکھائے گا۔ اگر انکی موت کفر پر واقع ہوئی۔

۸۷: أُولَٰئِكَ جَزَاءُ ۖ هُمْ أَنَّ عَلَيْهِمْ لَعْنَةُ اللَّهِ وَالْمَلَائِكَةِ وَالنَّاسِ أَجْمَعِينَ۔ (ایسے لوگوں کی سزا یہ ہے کہ ان پر اللہ تعالیٰ کی بھی لعنت ہوتی ہے اور فرشتوں کی بھی اور آدمیوں کی بھی سب کی)

نحوی تحقیق:

مَحْجُومٌ: أُولَٰئِكَ یہ مبتدائے اول ہے جزاء ۖ ہم مبتدائے ثانی۔ اسکی خبر ان علیہم لعنة الله ہے اور یہ دونوں مل کر أُولَٰئِكَ کی خبر بن گئی۔

دوسری ترکیب: جَزَاؤُهُمْ يَهْوٰلِہٖ اَشْتَمَالٌ ہے یہ دونوں مل کر مبتداء باقی خبر۔ علیہم کی ہم ضمیر سے خال دین۔ حال ہے۔ فیہا ہا سے مراد لعنت ہے۔

توبہ کا فائدہ:

۸۸، ۸۹: خَلِدِیْنَ فِیْہَا لَا یُخَفَّفُ عَنْہُمْ الْعَذَابُ وَلَا ہُمْ یُنْظَرُوْنَ۔ اِلَّا الَّذِیْنَ تَابُوْا مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِکَ وَاصْلَحُوْا فَاِنَّ اللّٰہَ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ۔ (ان سے عذاب کو نہ ہلکا کیا جائے گا اور نہ مہلت دی جائے گی مگر وہ لوگ جنہوں نے توبہ کی اس کفر کے بعد) ذٰلِکَ کا مشار الیہ کفر و ارتداد ہے۔ وَاصْلَحُوْا (اور اصلاح نفس کر لی) یعنی جو بگاڑ پیدا کیا تھا اسکی ایمان کے بعد درستگی کر لی۔ یا بھلائی میں داخل ہو گئے (یعنی ایمان قبول کر لیا) فَاِنَّ اللّٰہَ غَفُوْرٌ (پس اللہ تعالیٰ بخشنے والے ہیں) ان کے کفر کو رَحِیْمٌ (ان پر رحم کرنے والے ہیں) یہ آیت یہود کے متعلق اتری۔

۹۰: اِنَّ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا بَعْدَ اِیْمَانِہُمْ ثُمَّ اِزْدَادُوْا کُفْرًا لَّنْ تُقْبَلَ تَوْبَتُہُمْ وَاُولٰٓئِکَ ہُمُ الصّٰلِحُوْنَ۔ (بلاشبہ جنہوں نے انکار کیا) عیسیٰ علیہ السلام اور انجیل کا۔ بَعْدَ اِیْمَانِہُمْ اس کے بعد کہ ان کو موسیٰ علیہ السلام اور تورات پر ایمان تھا۔

کفر پر اصرار کرنے والے کی بوقت موت توبہ قابل قبول نہیں:

ثُمَّ اِزْدَادُوْا کُفْرًا (پھر کفر میں مزید ترقی کر گئے) حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور قرآن کا انکار کر کے۔ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا انکار کر دیا۔ اس کے بعد کہ آپ کی بعثت سے قبل آپ پر ایمان رکھتے تھے۔ پھر کفر پر اصرار کر کے اس میں ترقی کی اور ہر وقت ان پر طعن و تشنیع کر کے کفر میں اضافہ کیا۔

نمبر ۲۔ یا ان لوگوں کے متعلق اتری جو مرتد ہو کر مکہ چلے گئے اور پھر اپنے کفر میں اس طرح کہہ کر مزید اضافہ کیا۔ کہ تم نے ان کو جلا وطن کر دیا ہے۔ ہم حوادث زمانہ کے ان پر گھومنے کے منتظر ہیں۔ لَنْ تُقْبَلَ تَوْبَتُہُمْ (انکی توبہ ہرگز قبول نہ کی جائیگی) یعنی پکڑ کے وقت اگر وہ ایمان لائیں گے تو توبہ قابل قبول نہ ہوگی کیونکہ وہ موت کے وقت رجوع کریں گے حالانکہ اللہ تعالیٰ نے فرما دیا فَلَمْ یَكْ یَنْفَعُہُمْ اِیْمَانُہُمْ لَمَّا رَاَوْا بَاسًا (غافر ۸۵) انکا ایمان لانا جب وہ ہماری پکڑ دیکھ لیں ہرگز نفع بخش نہ ہوگا۔ وَاُولٰٓئِکَ ہُمُ الصّٰلِحُوْنَ۔ (اور ایسے لوگ یکے گمراہ ہیں)

کفر پر موت قبولیت فدیہ سے مانع ہے:

۹۱: اِنَّ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا وَمَاتُوْا وَہُمْ کُفَّارٌ فَلَنْ یُّقْبَلَ مِنْۢ أَحَدٍ ہُمْ قُلُوبُ الْاَرْضِ ذَہَبًا وَّلَکِنْ اُفْتَدٰی بِہٖ اُولٰٓئِکَ لَہُمْ عَذَابٌ اَلِیْمٌ وَّمَالُہُمْ مِّنْ نّٰصِرِیْنَ۔ (بیشک جن لوگوں نے کفر کیا اور کفر کی حالت میں انکی موت واقع ہوئی پس ہرگز ان میں سے کسی سے بھی زمین بھرسونا قبول نہ کیا جائیگا) فَلَنْ یُّقْبَلَ کی فَا اس بات کو ظاہر کر رہی ہے کہ یہ کلام شرط و جزاء والا ہے۔ اور

قبولیت فدیہ کے ممنوع ہونے کا سبب کفر پر موت کا آنا ہے اور شروع کلام میں فاکو چھوڑ دیا۔ یہ ظاہر کرنے کیلئے کہ یہ کلام مبتداء و خبر ہے اور شرط و جزاء ہونے کی اس میں کوئی دلیل نہیں ہے۔

ذہبا یہ تمیز ہے۔ وَلَوْ افْتَدٰی بِہ (خواہ وہ فدیہ میں دے ڈالے) یعنی ہرگز ان میں سے کسی ایک سے فدیہ قبول نہ کیا جائیگا۔ اگرچہ وہ زمین بھر سونا دے ڈالے۔ رسول علیہ السلام نے فرمایا قیامت کے دن کافر کو کہا جائیگا اگر زمین بھر کر سونا دے دیا جائے۔ کیا تو عذاب سے بچنے کیلئے اس کو قربان کر دے گا؟ تو وہ کہے گا ہاں تو اسے کہا جائیگا تم سے تو اس سے آسان تر سوال کیا گیا تھا۔ یہ بھی کہا گیا کہ وَاَوْ تَاكِيْدُنْفٰی كَيْلَیْہٖ۔ اُولٰٓئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ (انہی لوگوں کیلئے دردناک عذاب ہوگا) وَمَا لَهُمْ مِّنْ نَّصِيْرٍ۔ (اور انکا کوئی مددگار نہ ہوگا) جو ان سے عذاب کو دفع کرے۔

لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتَّى تُنْفِقُوا مِمَّا تُحِبُّونَ ۚ وَمَا تُنْفِقُوا مِنْ شَيْءٍ فَإِنَّ اللَّهَ بِهِ

ہرگز نہ پاؤ گے تم بھلائی کو یہاں تک کہ خرچ کرو اس چیز میں سے جس سے تم محبت کرتے ہو، اور جو بھی کوئی چیز خرچ کرو گے تو اللہ تعالیٰ اس کو

عَلِيمٌ ﴿۹۲﴾ كُلُّ الطَّعَامِ كَانَ حِلًّا لِّبَنِي إِسْرَءِيلَ إِلَّا مَا حَرَّمَ إِسْرَءِيلُ عَلَى

جاننے والا ہے۔ سب کھانے حلال تھے بنی اسرائیل کے لئے سوائے اس کے جو اسرائیل نے اپنے اوپر حرام

نَفْسِهِ مِنْ قَبْلِ أَنْ تُنْزَلَ التَّوْرَةُ ۚ قُلْ فَأَتُوا بِالتَّوْرَةِ فَاتْلَوْهَا

کر لئے تھے۔ اس سے پہلے کہ تورات نازل ہو۔ آپ فرما دیجئے کہ تم تورات لے آؤ پھر اس کو پڑھو

إِنْ كُنْتُمْ صَادِقِينَ ﴿۹۳﴾ فَمِنْ أَفْتَرَى عَلَى اللَّهِ الْكَذِبَ مِنْ بَعْدِ

اگر تم سچے ہو، پھر اس کے بعد جس شخص نے اللہ پر جھوٹا بہتان

ذَلِكَ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الظَّالِمُونَ ﴿۹۴﴾ قُلْ صَدَقَ اللَّهُ ۚ فَاتَّبِعُوا مِلَّةَ إِبْرَاهِيمَ

باندھا سو وہی لوگ ہیں بڑے بے انصاف آپ فرما دیجئے کہ اللہ نے سچ فرمایا لہذا تم ملت ابراہیم کا اتباع کرو

حَنِيفًا ۚ وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِينَ ﴿۹۵﴾

جو باطل کو چھوڑ کر حق کو اختیار کرنے والے تھے۔ اور مشرکین میں نہ تھے۔

محبوب ترین چیز کا صدقہ:

۹۲: لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتَّى تُنْفِقُوا مِمَّا تُحِبُّونَ۔ وَمَا تُنْفِقُوا مِنْ شَيْءٍ فَإِنَّ اللَّهَ بِهِ عَلِيمٌ۔ (تم ہرگز کمال نیکی نہیں پاسکو گے) یعنی تم حقیقی نیکی ہرگز نہ حاصل کر سکو گے یا تم ہرگز نیک نہ بن سکو گے۔ یا تم ہرگز اللہ تعالیٰ کے ثواب کو نہ پاسکو گے۔ حَتَّى تُنْفِقُوا مِمَّا تُحِبُّونَ۔ (یہاں تک کہ تم خرچ کرو اس چیز کو جس کو تم پسند کرتے ہو) یعنی تم اپنے اموال میں سے کچھ اموال جن کو تم پسند کرتے اور ترجیح دیتے ہو خرچ کرو۔

حضرت حسن رضی اللہ عنہ سے منقول ہے ہر وہ شخص جس نے اپنی پسندیدہ چیز کو اللہ تعالیٰ کی رضا مندی کے لئے صدقہ کیا خواہ وہ ایک کھجور ہی کیوں نہ ہو۔ وہ اس آیت میں داخل ہے۔ گویا نفلی و فرضی ہر دو قسم کے انفاق اس میں شامل ہیں۔ واسطی کہتے ہیں۔ برّ تک اسی وقت پہنچا جاسکتا ہے جبکہ کچھ محبوب اشیاء اسکی راہ میں خرچ کی جائیں اور کونین سے یکسوئی اختیار کی جائے۔ ابو بکر وراق رضی اللہ عنہ نے فرمایا تم میرے احسان کو اس وقت نہیں پاسکتے جب تک تم اپنے بھائیوں سے احسان مندی نہ کرو۔ اور حال یہ ہے کہ مطلوب تک اس وقت تک پہنچ نہیں سکتے ہو۔ جب تک کہ محبوب چیز کو اپنے سے نہ نکالو گے۔

حضرت عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ کے بارے میں آتا ہے کہ وہ چینی کے گو خرید کر خیرات کرتے تھے۔ ان سے کسی نے کہا آپ اسکی قیمت کیوں صرف نہیں کرتے؟ تو فرمایا کیونکہ چینی مجھے پسند ہے اس لئے میں نے پسندیدہ چیز راہ خدا میں دینا پسند کی۔ وَمَا تُنْفِقُوا مِنْ شَيْءٍ فَإِنَّ اللَّهَ بِهِ عَلِيمٌ۔ (جو چیز تم خرچ کرو اللہ تعالیٰ اس کو جاننے والے ہیں) یعنی وہ ہر چیز کو جاننے والا ہے جس کو تم خرچ کر رہے پس وہ اسکا بدلہ اسکے مطابق دے گا۔

نَحْمُ: پہلا من تبعیضہ ہے۔ حضرت عبداللہ کی قراءت اسکی تصدیق کرتی ہے حتیٰ تَنْفِقُوا بَعْضَ مَا تُحِبُّونَ۔ دوسرا من تبعیضہ کیلئے ہے جس چیز میں سے انفاق ہو خواہ وہ پاکیزہ چیز ہو کہ جو تمہیں پسند ہو یا خبیث چیز ہو کہ جس کو تم ناپسند کرتے ہو۔ **شأن نزول:** جب یہود نے یہ اعتراض کیا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم ملت ابراہیم کے دعوے دار ہیں حالانکہ اونٹ کا گوشت استعمال کرتے ہیں۔ جبکہ ملت ابراہیم میں اونٹ کا گوشت اور لبن دونوں حرام تھے۔ اس پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ ملت ابراہیمی میں حلال تھا اس لئے ہم اس کو حلال سمجھتے ہیں۔ اس پر یہود نے کہا کہ یہ نوح علیہ السلام اور ابراہیم علیہ السلام سے لیکر آج تک حرام چلا آ رہا ہے۔ تو یہ آیات انکی تکذیب میں اتاری گئیں۔

۹۳: كُلُّ الطَّعَامِ كَانَ حَلَالًا لِّبَنِي إِسْرَآءَ إِلَّا مَا حَرَّمَ إِسْرَآءُ يُلْ عَلَى نَفْسِهِ مِنْ قَبْلِ أَنْ تُنْزَلَ التَّوْرَةُ قُلْ فَاتُوا بِالْتَّوْرَةِ فَاتْلَوْهَا إِنَّ كُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ۔

یہود کے اعتراض کا جواب:

كُلُّ الطَّعَامِ (تمام کھانے) یہاں طعام بمعنی مطعم یعنی غذا کے معنی میں ہے۔ جن میں نزاع چل رہا تھا۔ بعض تو ان میں سے وہ تھیں جو پہلے سے حرام چلی آرہی ہیں مثلاً مردار، خون۔ كَانَ حَلَالًا لِّبَنِي إِسْرَآءَ (بنی اسرائیل کیلئے حلال تھے) حَلَالًا مصدر ہے اور صفت کے معنی میں استعمال ہو رہا ہے۔ یعنی حلال جیسے عرب کہتے ہیں حل الشیء حَلًّا مصدر ہونے کی وجہ سے اس میں تذکیر و تانیث، واحد، جمع کا فرق نہیں جیسے ارشاد الہی ہے۔ لَا هُنَّ حِلٌّ لَّهُمْ (المستحذہ: ۱۰) وہ عورتیں ان مردوں کے لیے حلال نہیں۔ إِلَّا مَا حَرَّمَ إِسْرَآءُ يُلْ (مگر جو حرام کی اسرائیل یعنی یعقوب علیہ السلام نے) عَلَى نَفْسِهِ مِنْ قَبْلِ أَنْ تُنْزَلَ التَّوْرَةُ (اپنے اوپر اس سے پہلے کہ تورات نازل ہو)۔

قراءت: مکی و بصری قراء نے تَنْزَلَ کو تَنْزَلَ پڑھا ہے۔ مراد اس سے اونٹ کا گوشت اور دودھ ہے یہ دونوں چیزیں حضرت یعقوب علیہ السلام کو بہت محبوب تھیں۔ مطلب یہ ہوا کہ تمام کھانے بنی اسرائیل کیلئے تورات اترنے سے پہلے تک حلال رہے۔ سوائے ان کھانوں کے جنکو حضرت یعقوب علیہ السلام نے اپنے اوپر حرام کر لیا تھا۔ پھر جب تورات نازل ہوئی تو بنی اسرائیل پر اونٹ کا گوشت و دودھ حرام کر دیا گیا۔ اسلئے کہ ان کو حضرت یعقوب علیہ السلام نے اپنے اوپر حرام کر لیا تھا۔ قُلْ فَاتُوا بِالْتَّوْرَةِ فَاتْلَوْهَا إِنَّ كُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ۔ (کہہ دیں اے محمد! تم تورات لاؤ اور اس کو پڑھو اگر تم سچے ہو) اس آیت میں حکم دیا گیا کہ آپ ان سے انکی کتاب کے ذریعہ گفتگو کر کے ان کو لا جواب کریں۔ وہ کتاب خود بول دیگی کہ ان چیزوں کی تحریم ان پر وقتی طور پر انکی بغاوت و سرکشی کی وجہ سے نافذ کی گئی تھی۔ قدیم تحریم نہ تھی۔ جس کے وہ مدعی ہیں۔ (اس چیلنج کے بعد) وہ تورات کو لانے کی جرأت نہ کر سکے پس لا جواب ہو گئے۔ اس میں اس بات کی واضح دلیل ہے۔ کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم سچے پیغمبر ہیں۔ اور جس نسخ کا وہ انکار کرتے ہیں۔ وہ بھی جائز و درست ہے۔

اِنَّ اَوَّلَ بَيْتٍ وُضِعَ لِلنَّاسِ لَلَّذِيْ بِبَكَّةَ مُبْرَكًا وَهُدًى لِّلْعٰلَمِيْنَ ۝۹۶

بے شک سب سے پہلا گھر جو لوگوں کے لئے مقرر کیا گیا وہ ہے جو مکہ میں ہے۔ جو برکت والا ہے اور لوگوں کے لئے ہدایت ہے

فِيْهِ اٰيَةٌ بَيِّنَةٌ مَّقَامُ اِبْرٰهِيْمَ ؕ وَمَنْ دَخَلَهُ كَانَ اٰمِنًا ۝ وَبِاللّٰهِ

اس میں کھلی ہوئی نشانیاں ہیں، مقام ابراہیم ہے، اور جو اس میں داخل ہو گا امن والا ہو گا اور اللہ کے لئے

عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ اِلَيْهِ سَبِيْلًا ۝ وَمَنْ كَفَرَ فَاِنَّ اللّٰهَ

لوگوں کے ذمہ ہے اس گھر کا حج کرنا جسے طاقت ہو اس گھر تک راہ طے کر کے جانے کی، اور جو شخص منکر ہو سو اللہ

غَنِىٌّ عَنِ الْعٰلَمِيْنَ ۝۹۷

بے نیاز ہے سارے جہانوں سے۔

حق ناشناس ظالم ہے:

۹۴: فَمَنْ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ الْكُذِبَ مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ۔ (پس جو شخص اللہ تعالیٰ پر افتراء باندھے) اس طرح گمان کر کے کہ یہ چیزیں ملت نوح و ابراہیم میں حرام تھیں۔ مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ (اس قطعی حجت کے پیش کر دینے کے بعد) فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ۔ (وہ ہی ظالم ہیں) یعنی بیجا جھگڑا کرنے والے ہیں نہ وہ خود حق شناس ہیں اور نہ ہی دلائل کی طرف متوجہ ہونے والے ہیں۔

کذب یہود پر تعریض:

۹۵: قُلْ صَدَقَ اللّٰهُ فَاتَّبِعُوْا مِلَّةَ اِبْرٰهِيْمَ حَنِیْفًا وَّمَا كَانَ مِنَ الْمُسْرِیِّیْنَ۔ (کہہ دیں اللہ تعالیٰ نے سچ فرمایا) اپنی اطلاعات میں کہ اللہ تعالیٰ نے ان چیزوں کو حرام نہیں کیا۔ اس آیت میں ان کے کذب پر تعریض کی گئی ہے یعنی یہ بات ثابت ہو گئی کہ اللہ تعالیٰ نے جو چیز اتاری ہے وہ اسکے اتارنے میں سچے ہیں۔ اور تم جھوٹے ہو۔ فَاتَّبِعُوْا مِلَّةَ اِبْرٰهِيْمَ (تم ملت ابراہیم کی اتباع کرو) ملت ابراہیم سے مراد ملت اسلام ہے جس پر محمد ﷺ اور ان کے پیروکار کاربند ہیں۔ تاکہ تم اس یہودیت کو خیر باد کہہ دو جس نے تمہیں باندھ کر یہاں تک مجبور کر دیا کہ تم اپنی اغراض کی خاطر کتاب اللہ کی تحریف کرنے لگے۔ اور جن چیزوں کو اللہ تعالیٰ نے ابراہیم علیہ السلام اور ان کے متبعین کیلئے حلال کیا تھا۔ ان کو حرام کرنے پر اتر آئے۔

حَنِیْفًا (وہ سب سے یکسو ہونے والے تھے)۔ یہ ابراہیم سے حال ہے یعنی باطل دینوں سے دین حق کی طرف جھکنے والے وَمَا كَانَ مِنَ الْمُسْرِیِّیْنَ۔ (وہ مشرکین میں سے نہ تھے) شٰہِدَانِیْ نُّزُوْلُ: یہود نے کہا ہمارا قبلہ تمہارے قبلہ سے پہلے کا قبلہ ہے تو یہ آیت اتری۔

پہلی عبادت گاہ کعبہ ہے:

۹۶: اِنَّ اَوَّلَ بَيْتٍ وُضِعَ لِلنَّاسِ لَلَّذِيْ بِبَكَّةَ مُبْرَكًا وَهُدًى لِّلْعٰلَمِيْنَ۔ سب سے پہلا مکان جو لوگوں کے لئے قائم کیا

گیا (یعنی عبادت کے لئے) بنانے والی ذات اللہ تعالیٰ کی ہے۔ لوگوں کے لئے اللہ تعالیٰ کے وضع کرنے کا مطلب بطور عبادت گاہ کے لوگوں کیلئے مقرر کرنا ہے۔ گویا اس طرح فرمایا لوگوں کے لئے پہلی عبادت گاہ کعبہ ہے۔ حدیث میں ہے کہ مسجد حرام بیت المقدس سے چالیس سال قبل بنائی گئی۔

دوسرا یہ کہا گیا ہے کہ سب سے پہلے ابراہیم علیہ السلام نے اس کو بنایا۔ تیسرا قول یہ ہے کہ پہلا گھر جس کا طوفان کے بعد حج کیا گیا وہ بیت اللہ ہے۔ چوتھا قول یہ ہے پہلا گھر (جسکی جگہ) پانی میں آسمان وزمین کی پیدائش کے وقت ظاہر ہوا۔ پانچواں قول یہ ہے۔ یہ پہلا گھر ہے جس کو آدم علیہ السلام نے سطح زمین پر بنایا۔

حَجُّوْهُ: وَضَعَ لِلنَّاسِ یہ موضع جر میں بیت کی صفت ہے اور لِلَّذِي بِبَكَّةَ خبر ہے۔ اِی لِلْبَيْتِ الَّذِي بِبَكَّةَ۔ مکہ کا نام بکۃ ہے:

لِلَّذِي بِبَكَّةَ (جو کہ مکہ میں ہے) بکہ یہ مکہ مکرمہ کا نام ہے۔ مکہ اور بکہ دو لغتیں ہیں۔ دوسرا قول: مکہ شہر کا نام ہے اور بکہ مسجد کی جگہ کو کہتے ہیں۔

ایک اور قول یہ ہے کہ یہ بکہ سے مشتق ہے جواز دحام کو کہتے ہیں۔ کیونکہ مکہ میں لوگوں کا ہجوم ہوتا ہے۔ یہ بھی کہا گیا کہ بکہ کا معنی توڑنا ہے کیونکہ یہ جابروں کی گردنوں کو توڑ دیتا ہے جو جابر بھی اس کا قصد کر کے آتا ہے۔ مُبْرَكًا بہت (برکت والا) اس لئے کہ حج و عمرہ کرنے والوں کو ثواب ملتا ہے اور گناہ معاف ہوتے ہیں۔ وَ هُدًى لِّلْعٰلَمِیْنَ (اور جہان والوں کیلئے ہدایت ہے) کیونکہ وہ انکا قبلہ اور عبادت گاہ ہے۔

حَجُّوْهُ: مُبْرَكًا یہ وَضَعَ کی ضمیر سے حال ہے۔

کعبہ خود نشانات میں سے بڑا نشان ہے:

۹۷: فِيْہِ اٰیٰتٌ بَیِّنٰتٌ مَّقَامُ اِبْرٰہِیْمَ وَمَنْ دَخَلْہٗ كَانَ اٰمِنًا وَلِلّٰہِ عَلٰی النَّاسِ حِجُّ الْبَیْتِ مَنْ اَسْتَطَاعَ اِلَیْہِ سَبِيْلًا وَمَنْ كَفَرَ فَاِنَّ اللّٰہَ غَنِیٌّ عَنِ الْعٰلَمِیْنَ۔ (اس میں واضح نشانات ہیں) جو کسی پر مشتبہ نہیں مَقَامُ اِبْرٰہِیْمَ مقام ابراہیم یہ آیات بینات سے عطف بیان ہے۔ یعنی کعبہ میں کثرت سے واضح نشانیاں یعنی مقام ابراہیم ہے۔ جمع کا عطف بیان واحد آسکتا ہے۔ کیونکہ نمبر ۱۔ وہ اکیلا ہی کئی واضح نشانات کے قائم مقام ہے۔ کیونکہ اس کی شان ظاہر ہے اور قدرت الہی پر اسکی دلالت انتہائی قوی ہے۔ اور نبوت ابراہیم علیہ السلام پر مضبوط دلالت ہے کہ ان کے قدم کا اثر اس سخت پتھر پر ظاہر ہوا۔

نمبر ۲۔ وہ پتھر کئی نشانات پر مشتمل ہے کیونکہ ان کے قدم مبارک کا اثر سخت چٹان پر ایک نشانی اور پاؤں کا ٹخنوں تک دھنسا دوسری نشانی ہے۔

نمبر ۳۔ بعض پتھروں کا نرم ہونا اور دوسروں کا نہ ہونا۔ نمبر ۴۔ ابراہیم علیہ السلام کی نشانی کے طور پر اسکا باقی رہنا جبکہ دیگر انبیاء علیہم السلام کے نشانات موجود نہیں۔ وَمَنْ دَخَلْہٗ كَانَ اٰمِنًا (جو اس میں داخل ہوا وہ امن میں ہو گیا) یہ آیات بینات سے عطف بیان ہے۔ اور

اگرچہ یہ جملہ ابتدائیہ یا شرطیہ ہے معنوی لحاظ سے کیونکہ یہ حرم میں داخل ہونے والے کے مامون ہونے پر دلالت کرتا ہے۔ گویا اس طرح کہا گیا کہ اس میں واضح نشانیاں یعنی مقام ابراہیم اور داخل ہونے والے کا مامون ہونا۔ یہ تثنیہ ہی معنی کے اعتبار سے جمع ہے۔ اور یہ بھی درست ہے کہ ان دونوں نشانات کا ذکر کر دیا جائے اور بقیہ نشانات کا تذکرہ سمیٹ دیا جائے کیونکہ ان دونوں میں ان نشانات پر کافی دلالت پائی جاتی ہے گویا اس طرح کہا گیا کہ اس میں واضح آیات مقام ابراہیم اور اس میں داخل ہونے والے کا مامون و محفوظ ہونا اور ان دونوں کے علاوہ اور بہت سی نشانیاں ہیں جیسے۔ پرندے اسکے اوپر نہیں اڑتے وغیرہ ذلک گویا ان دونوں نشانیوں میں سارے تذکرہ کو اس طرح لپیٹ دیا گیا جیسا رسول ﷺ کے اس ارشاد میں حَبَّ اِلٰیّیْ مِنْ دُنْیَا كَمْ ثَلَاثُ الطَّيْبِ وَالنِّسَاءِ وَ قُرَّةِ عَیْنِیْ فِی الصَّلٰوۃِ اس ارشاد مبارک میں تیسری چیز کو چھوڑ دیا گیا اور اسکی بجائے جملہ ابتدائیہ کے طور پر قُرَّةِ عَیْنِیْ فِی الصَّلٰوۃِ فرما دیا جو دنیا سے متعلق نہیں گویا آپ نے تیسری چیز کا تذکرہ اس بات پر متنبہ کرنے کیلئے چھوڑ دیا کہ میرے مرتبے کا تقاضہ نہیں کہ میں دنیا کی کسی چیز کا ذکر کروں۔ اس لئے دین کی ایک چیز کو ذکر کر دیا۔

نشان قدم مبارک:

پتھر پر قدم کے اس نشان کے بارے میں کہا گیا کہ جب بیت اللہ کی دیوار بلند ہوگئی اور ابراہیم علیہ السلام کیلئے پتھر اٹھانے ممکن نہ رہے تو آپ اس پتھر پر کھڑے ہو گئے اس میں آپ کے قدم گڑ گئے۔

دوسرا قول یہ بھی ہے کہ آپ شام سے واپس لوٹے۔ تاکہ مکہ میں بیٹے سے ملاقات کریں۔ حضرت اسماعیل علیہ السلام کی بیوی نے کہا آپ اتریں آپ سر مبارک دھولیں۔ آپ سواری سے نہ اترے۔ تو وہ یہ پتھر اٹھالائیں اور انکے دائیں طرف اس پتھر کو رکھ دیا۔ حضرت ابراہیم نے اپنا قدم اس پتھر پر رکھا یہاں تک کہ اپنے سر کی دائیں جانب دھولی۔ پھر وہ اس پتھر کو بائیں جانب لے گئیں یہاں تک کہ انہوں نے سر کی بائیں جانب بھی سواری کی حالت میں دھولی۔ پس آپ کے قدمین کا اثر اس پتھر پر باقی رہ گیا۔

حرم امن کی مراد:

اور حرم میں داخل ہونے والے کیلئے امن کا میسر آنا ابراہیم علیہ السلام کی اس دعا سے تھارَب اجْعَلْ هَذَا الْبَلَدَ اٰمِنًا (ابراہیم-۳۵) اے میرے رب اس شہر کو امن والا بنادے۔ عرب جاہلیت میں جب کوئی آدمی جرم کر کے حرم میں پناہ گزیں ہو جاتا۔ تو اس کو تلاش نہ کیا جاتا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ کہ اگر میں خطاب کے قاتل کو اسکے اندر پانے میں کامیاب ہو جاؤں تو میں اس کو وہاں سے نکلنے تک ہاتھ تک نہ لگاؤں گا۔

مَنْ سَبَّكَ: جس آدمی پر حِل میں قصاص لازم ہو یا ارتداد کے باعث یا زنا کی وجہ سے قتل کے قابل ہوا۔ پھر وہ حرم میں گھس گیا۔ تو اس کو وہاں قتل نہ کیا جائے گا۔ مگر اس کو ٹھکانہ لینے اور کھانا پانی لینے کی اجازت نہ دی جائیگی۔ اور نہ خرید و فروخت کی اجازت دی جائیگی۔ تا آنکہ نکلنے پر مجبور ہو جائے۔

دوسری تفسیر یہ ہے کہ امن سے مراد مامون من النار ہے۔ رسول مقبول ﷺ نے فرمایا جو حرمین میں سے کسی میں فوت ہوا قیامت کے دن اس کو آگ سے مامون اٹھایا جائے گا۔ رسول علیہ السلام نے فرمایا۔ حجون اور بقیع کو انکی اطراف سے پکڑ کر جنت میں

پھیلا دیا جائے گا۔ یہ دونوں مدینہ و مکہ کے قبرستان ہیں۔ رسول ﷺ کا ارشاد ہے جس نے مکہ کی گرمی پردن کا تھوڑا سا حصہ صبر کیا اس سے جہنم دو سو سال کے فاصلے پر دور ہو جاتی ہے۔

وَلِلّٰهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ (لوگوں پر اللہ تعالیٰ کا فرض حج لازم ہوا)

قراءت: ابوبکر کے علاوہ دیگر کوئی قراء نے حِجُّ الْبَيْتِ بطور نام کے پڑھا ہے اور حج البیت۔ فتح کی صورت میں یہ مصدر ہے۔ دوسرا قول یہ ہے کہ حج مصدر میں یہ دونوں لغتیں ہیں۔ مَن یہ موضع جر میں بدل البعض ہے۔ اسْتَطَاعَ إِلَيْهِ سَبِيلًا (اسکی طرف راستہ کی طاقت رکھتا ہو) نبی اکرم ﷺ نے اسکی تفسیر زاد و راہ سے کی ہے۔ اور إِلَيْهِ کی ضمیر کا مرجع البیت یا حج ہے اور ہر وہ چیز جو کسی چیز کی طرف جانے کا ذریعہ ہو وہ سبیل ہے۔ جب اللہ تعالیٰ کا ارشاد نازل ہوا۔

ملت مسلمہ کا اقرار:

وَلِلّٰهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ تو رسول اللہ ﷺ نے تمام اہل ادیان کو جمع کیا۔ اور فرمایا اللہ تعالیٰ نے تم پر حج کو فرض کیا پس تم حج کرو۔ پس آپ پر ایک ملت والوں نے یقین کیا اور وہ مسلمان تھے۔ اور پانچ ملتوں والوں نے انکار کر دیا۔ اور کہنے لگے۔ ہم اس پر ایمان نہ لائیں گے۔ اور اسکی طرف رخ کر کے نہ نماز پڑھیں گے اور نہ ہی اس کا حج کریں گے اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ وَمَنْ كَفَرَ فَإِنَّ اللَّهَ غَنِيٌّ عَنِ الْعَالَمِينَ۔ (جس نے انکار کیا پس بیشک اللہ تعالیٰ جہان والوں سے مستغنی ہیں) اور انکی اطاعت سے بھی بے نیاز ہیں۔

لطیف نکتہ:

اس آیت میں کئی تاکیدات ہیں۔ مثلاً لام، علی، مطلب یہ ہوا کہ یہ اللہ تعالیٰ کا لازم حق ہے۔ جو لوگوں کی گردنوں پر پڑا ہوا ہے۔ نیز اس میں ابدال ہے، مراد دو مرتبہ تکرار سے لایا گیا۔ کیونکہ ابہام کے بعد وضاحت اور اجمال کے بعد تفصیل کرنا۔ دو الگ صورتوں میں اس حکم کو لانے اور ذکر کرنے کی طرح ہے۔

تارک حج پر اللہ غضبناک ہے:

اور اسی قسم میں سے یہ حصہ ارشاد الہی کا ہے کہ وَمَنْ كَفَرَ فرمایا۔ مَنْ لَمْ يَحِجْ نہیں فرمایا۔ تارک حج پر سختی کرتے ہوئے اس کو کافروں کا عمل قرار دیا۔ اور اس میں سے ایک جہان والوں سے بے نیازی کا ذکر فرمانا ہے۔ اور یہ ناراضگی اور غصے کی دلیل ہے۔ مطلب یہ ہے کہ تارک حج سے اللہ غضبناک ہے۔ عَنِ الْعَالَمِينَ۔ میں لفظ اللہ کو دوبارہ لائے ضمیر ذکر نہیں کی۔ تاکہ تارک حج کی طرف اللہ تعالیٰ کا استغناء بصورت تعمیم مدلل طور پر ظاہر ہو جائے اور اللہ تعالیٰ کا انتہائی غضب معلوم ہو جائے۔

قُلْ يَا اَهْلَ الْكِتَابِ لِمَ تَكْفُرُوْنَ بِآيَاتِ اللّٰهِ ۖ وَاللّٰهُ شَهِيدٌ عَلَىٰ مَا

اے اہل کتاب تم کیوں کفر کرتے ہو اللہ کی آیات کے ساتھ حالانکہ اللہ کو تمہارے سب کاموں کی

تَعْمَلُوْنَ ۙ ۙ قُلْ يَا اَهْلَ الْكِتَابِ لِمَ تَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيلِ اللّٰهِ مَنْ اٰمَنَ

اطلاع ہے، آپ فرما دیجئے کہ اے اہل کتاب تم کیوں روکتے ہو اللہ کی راہ سے اس شخص کو جو ایمان لائے

تَبْغُوْنَهَا عِوَجًا وَّ اَنْتُمْ شُهَدَآءُ ۚ وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ۙ ۙ

تم اس میں کجی تلاش کرتے ہو حالانکہ تم خود گواہ ہو، اور اللہ ان کاموں سے غافل نہیں ہے جو تم کرتے ہو،

۹۸: قُلْ يَا اَهْلَ الْكِتَابِ لِمَ تَكْفُرُوْنَ بِآيَاتِ اللّٰهِ وَاللّٰهُ شَهِيدٌ عَلَىٰ مَا تَعْمَلُوْنَ۔ (اے اہل کتاب تم کیوں اللہ تعالیٰ کی آیات کا انکار کرتے ہو حالانکہ اللہ تعالیٰ گواہ ہیں تمہارے اعمال پر) واللہ میں واو حالیہ ہے۔ مطلب یہ ہے تم ان آیات اللہ کا کیوں انکار کرتے ہو جو حضرت محمد ﷺ کی صداقت پر دلالت کرنے والی ہیں۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال سے واقف ہیں پس وہ ان پر تمہیں سزا دیں گے۔

اللہ کی راہ سے روکنے پر وعید:

۹۹: قُلْ يَا اَهْلَ الْكِتَابِ لِمَ تَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيلِ اللّٰهِ مَنْ اٰمَنَ تَبْغُوْنَهَا عِوَجًا وَّ اَنْتُمْ شُهَدَآءُ وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ۔ (اے اہل کتاب تم کیوں روکتے ہو) الصد۔ منع کرنا۔ عَنْ سَبِيلِ اللّٰهِ مَنْ اٰمَنَ (اللہ تعالیٰ کی راہ سے ان لوگوں کو جو ایمان لائے) یعنی تم دین حق سے کیوں روکتے ہو۔ اس سے یہ بات معلوم ہوئی کہ اللہ تعالیٰ کا وہ راستہ جس پر چلنے کا حکم دیا گیا وہ اسلام ہے۔ جو آدمی اسلام میں داخل ہونا چاہتا وہ پوری کوشش کر کے اس سے روکتے۔ تَبْغُوْنَهَا (تم اس میں تلاش کرتے ہو) ای تطلبون لہا تم اللہ کے راستہ کے کج ہونے کے طلب گار ہو۔

عِوَجًا: یہ محل نصب میں حال ہے۔

عِوَجًا (ٹیڑھ) یہ بمعنی اعوجاجا ہے۔ ٹیڑھا ہونا وہ میانہ روی اور استقامت سے ہٹ رہے تھے کہ رسول اللہ ﷺ کی صفات کو بگاڑ کر بیان کرتے وغیرہ۔ اَنْتُمْ شُهَدَآءُ (تم گواہ ہو کہ) وہ اللہ تعالیٰ کا ایسا راستہ ہے جس سے کوئی انتہائی گمراہ شخص روک سکتا ہے۔ وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ۔ (اللہ تعالیٰ تمہارے کاموں سے بے خبر نہیں) جیسے اسکی راہ سے لوگوں کو روکنا اس میں سخت وعید ہے۔ اگلی آیت میں ایمان والوں کو ایسے لوگوں کی اتباع سے منع کر دیا۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِن تَطِيعُوا فَرِيقًا مِنَ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ

اے ایمان والو! اگر تم کہنا مانو گے ایک جماعت کا ان لوگوں میں سے جن کو کتاب دی گئی

يُرُدُّوكُمْ بَعْدَ إِيمَانِكُمْ كَفِرِينَ ﴿۱۰﴾ وَكَيْفَ تَكْفُرُونَ وَأَنْتُمْ تُتْلَىٰ

تو وہ تمہارے ایمان کے بعد تمہیں واپس کافر بنا دیں گے، اور تم کفر کیسے اختیار کر سکتے ہو حالانکہ تم پر اللہ کی آیات کی

عَلَيْكُمْ آيَاتُ اللَّهِ وَفِيكُمْ رَسُولُهُ ۚ وَمَنْ يَعْتَصِمْ بِاللَّهِ فَقَدْ

تلاوت کی جاتی ہے اور تمہارے اندر اس کا رسول موجود ہے اور جو شخص اللہ کو مضبوط پکڑ لے سو اس کو

هُدًى إِلَى صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ ﴿۱۱﴾ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ حَقَّ

سیدھے راست کی طرف ہدایت دی گئی، اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو۔ جیسا کہ اس سے ڈرنے

تَقَاتِهِ وَلَا تَمُوتُنَّ إِلَّا وَأَنْتُمْ مُسْلِمُونَ ﴿۱۲﴾ وَاعْتَصِمُوا بِحَبْلِ اللَّهِ

کا حق ہے اور ہرگز مت مرنا مگر اس حالت میں کہ تم مسلمان ہو، اور تم سب مل کر اللہ کی ری کو

جَمِيعًا وَلَا تَفَرَّقُوا ۚ وَادْكُرُوا نِعْمَتَ اللَّهِ عَلَيْكُمْ إِذْ كُنْتُمْ أَعْدَاءً

مضبوطی سے پکڑ لو، اور آپس میں متفرق نہ ہو، اور یاد کرو اللہ کی نعمت کو جو تمہارے اوپر ہے جبکہ تم دشمن تھے۔

فَالْفَ بَيْنَ قُلُوبِكُمْ فَاصْبِرْ بِنِعْمَتِهِ إِخْوَانًا ۚ وَكُنْتُمْ عَلَىٰ شَفَا

سو اللہ نے تمہارے دلوں میں الفت پیدا فرما دی لہذا تم اس کی نعمت کی وجہ سے بھائی بھائی ہو گئے اور تم دوزخ کے گڑھے کے

حُفْرَةٍ مِّنَ النَّارِ فَأَنْقَذَكُمْ مِّنْهَا ۚ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللَّهُ لَكُمْ آيَاتِهِ

کنارے پر تھے سو اللہ نے تم کو اس سے بچا دیا۔ اللہ ایسے ہی بیان فرماتا ہے تمہارے لئے اپنی آیات

لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُونَ ﴿۱۳﴾

تاکہ تم ہدایت پر رہو۔

۱۰۰: يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِن تَطِيعُوا فَرِيقًا مِّنَ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ يُرُدُّوكُمْ بَعْدَ إِيمَانِكُمْ كَفِرِينَ۔ (اے ایمان والو! اگر تم اہل کتاب کی ایک جماعت کی پیروی کرو گے تو وہ تمہیں تمہارے ایمان کے بعد کفر کی طرف پھیر دیں گے)

شاس بن قیس یہودی کی شرارت:

کہا جاتا ہے کہ شاس بن قیس یہودی کا گزراوس و خزرج کی ایک جماعت کے پاس سے ہوا جہاں بیٹھ کر وہ باتوں میں مصروف تھے۔ اس کو مسلمانوں کی باہمی الفت و محبت ایک آنکھ نہ بھائی۔ اس نے ایک یہودی نوجوان کو کہا کہ وہ ان کے مابین جا کر جنگ بعاث کا تذکرہ کرے شاید کہ یہ لڑ پڑیں یہ جنگ بعاث ایسا دن تھا جس میں اوس و خزرج کے بہت سے لوگ قتل ہوئے تھے۔ نتیجہ اوس کو فتح ملی تھی۔ اس یہودی نے جا کر ان کے مابین اس کا تذکرہ کیا۔ اس پر ان کے مابین تنازع پیدا ہوا۔ اور اسلحہ سلاح نعرہ ہائے جاہلیت بلند کرنے لگے۔ نبی اکرم ﷺ کو اس بات کی اطلاع ملی تو آپ مہاجرین و انصار کی ایک جماعت کو ساتھ لے کر ان کی طرف تشریف لائے اور فرمایا کیا تم جاہلیت کی آوازیں دے رہے ہو حالانکہ ابھی تو میں تمہارے درمیان موجود ہوں۔ اسکے بعد کہ اللہ تعالیٰ نے تمہیں اسلام سے عزت دی اور تمہارے مابین الفت پیدا فرمادی۔ پس اس وقت لوگوں کو معلوم ہوا کہ یہ شیطانی چوک ہے۔ چنانچہ ہتھیار پھینک کر ایک دوسرے کے گلے لگ کر رونے لگے۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

استفہام تعجبی ہے:

۱۰۱: وَكَيْفَ تَكْفُرُونَ وَأَنْتُمْ تُتْلَىٰ عَلَيْكُمْ آيَاتُ اللَّهِ وَفِيكُمْ رَسُولُهُ وَمَنْ يَعْتَصِمْ بِاللَّهِ فَقَدْ هُدِيَ إِلَىٰ صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ۔ وَكَيْفَ تَكْفُرُونَ (اور تم کفر کیسے کر سکتے ہو) کَيْفَ میں استفہام انکار و تعجب کیلئے ہے۔ یعنی تعجب ہے کہ کہاں سے کفر تمہاری طرف چل کر آیا حالانکہ وَأَنْتُمْ تُتْلَىٰ عَلَيْكُمْ آيَاتُ اللَّهِ (اور تم پر اللہ تعالیٰ کی آیات پڑھی جاتی ہیں) تم پر اللہ تعالیٰ کی آیات یعنی قرآن مجید حضرت محمد ﷺ کی زبان سے تازہ بہ تازہ پڑھا جاتا ہے۔ وَفِيكُمْ رَسُولُهُ (اور تمہارے درمیان اس کا رسول ﷺ موجود ہے) جو تمہیں منع کرتا اور وعظ و نصیحت کرتا اور تمہارے شبہات کو مٹاتا ہے۔ وَمَنْ يَعْتَصِمْ بِاللَّهِ (اور جو شخص اللہ کو مضبوط پکڑتا ہے) جو اللہ تعالیٰ کے دین کو یا اسکی کتاب کو مضبوطی سے تھامنے والا ہو یا اس میں اس بات پر آمادہ کیا گیا کہ وہ کفار کے شرور و فریب کو دور کرنے کیلئے رسول اللہ ﷺ کی طرف رجوع کریں۔ فَقَدْ هُدِيَ إِلَىٰ صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ۔ (تو اس کو ضرور ہدایت میسر آگئی سیدھے راستہ کی طرف) یعنی دین حق کی طرف اسکی راہنمائی کر دی گئی۔ یا جو شخص اللہ تعالیٰ کو اپنا ماویٰ و ملجا قرار دے جبکہ شبہات پیش آئیں تو اللہ تعالیٰ اس کو شبہات سے محفوظ فرماتے ہیں۔

حق تقویٰ کامل اطاعت ہے:

۱۰۲: يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ حَقَّ تَقَاتِهِ وَلَا تَمُوتُنَّ إِلَّا وَأَنْتُمْ مُسْلِمُونَ۔ (اے ایمان والو! اللہ تعالیٰ سے ڈرا کرو جیسا کہ اس سے ڈرنے کا ہے اور سوائے اسلام کے اور کسی حالت پر جان مت دینا) حَقَّ تَقَاتِهِ کا مطلب جو تقویٰ لازم ہے اور جو کچھ اس سے لازم ہوتا ہے اور وہ واجبات کو اختیار کرنا اور محرمات سے پرہیز کرنا ہے۔ حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ تقویٰ اطاعت کرنے اور نافرمانی نہ کرنے اور شکر بجالانے اور ناشکری سے گریز کرنے اور اللہ تعالیٰ کو یاد کرنے اور نہ بھلانے کو کہتے ہیں۔ یا یہ کہ اللہ تعالیٰ کے معاملے میں اس کو کسی ملامت کرنے والے کی ملامت رکاوٹ نہ بنے اور وہ انصاف کرے خواہ اپنے نفس

اور اولاد و والد کے خلاف کیوں نہ ہو۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ جو بندہ اللہ تعالیٰ سے صحیح طور پر ڈرتا ہے۔ اسکی زبان حکمت کا خزانہ ہوگی۔
صرف: التَّقَاةِ اتَّقَى سے ہے جس طرح تَوَدَّة۔ اتَاد سے ہے۔

وَلَا تَمُوتُنَّ اِلَّا وَاَنْتُمْ مُسْلِمُوْنَ۔ جب تمہیں موت کا ادراک ہو جائے تو تمہاری حالت اسلام کے سواء دوسری ہرگز نہ ہونی چاہیے۔

اعتصام بحبل اللہ کا حکم:

۱۰۳: وَاعْتَصِمُوا بِحَبْلِ اللَّهِ جَمِيعًا وَلَا تَفَرَّقُوا وَاذْكُرُوا نِعْمَتَ اللَّهِ عَلَيْكُمْ اِذْ كُنْتُمْ اَعْدَاءً فَلَّافَ بَيْنَ قُلُوبِكُمْ فَاصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِهِ اِخْوَانًا وَكُنْتُمْ عَلَى شَفَا حُفْرَةٍ مِّنَ النَّارِ فَاَنْقَذَكُمْ مِنْهَا كَذَلِكَ يُبَيِّنُ اللَّهُ لَكُمْ اٰيَاتِهِ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ۔ (اور اللہ تعالیٰ کی رسی کو مضبوطی سے تھام لو) یعنی قرآن کو مضبوطی سے تھام لو۔ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے۔ قرآن اللہ تعالیٰ کی مضبوط رسی ہے۔ اسکے عجائبات کی انتہاء نہیں۔ اور بار بار لوٹانے سے پرانا نہیں ہوتا۔ جس نے قرآن کی بات کی اس نے سچ کہا اور جس نے اس پر عمل کیا وہ رشد و ہدایت پا گیا۔ اور جس نے اس کو مضبوطی سے تھام لیا اس نے صراط مستقیم کی طرف ہدایت پالی۔ وَلَا تَفَرَّقُوا (اور باہم نا اتفاقی مت کرو)

اجماع امت کو مضبوطی سے پکڑو:

نَحْوُ: وَلَا تَفَرَّقُوا یہ وَاعْتَصِمُوا کی ضمیر مخاطب سے حال ہے۔ کہا گیا ہے کہ اس کا مطلب اجماع امت کو مضبوطی سے پکڑو۔ اسکی دلیل وَلَا تَفَرَّقُوا ہے یعنی ایسا فعل نہ کرو جس سے تفرقہ پیدا ہو۔ اور اس سے اجماع امت زائل ہو جائے۔ دوسری تفسیر یہ بھی ہے کہ اپنے درمیان اختلاف میں پڑ کر حق سے علیحدگی مت اختیار کرو۔ جیسے یہود و نصاریٰ نے اختلاف کیا۔ تیسری تفسیر یہ ہے کہ جس طرح تم زمانہ جاہلیت میں متفرق تھے ایک دوسرے سے لڑائی کرتے تھے۔ اس طرح مت کرو۔

وَاذْكُرُوا نِعْمَتَ اللَّهِ عَلَيْكُمْ اِذْ كُنْتُمْ اَعْدَاءً فَلَّافَ بَيْنَ قُلُوبِكُمْ فَاصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِهِ اِخْوَانًا (اور اللہ تعالیٰ کا اپنے اوپر احسان یاد کرو۔ جب کہ تم دشمن تھے پس اس نے تمہارے دلوں میں الفت ڈال دی پس تم اسکی مہربانی سے بھائی بھائی بن گئے) زمانہ جاہلیت میں ان کے مابین دشمنی اور لڑائیاں تھیں۔ پس اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں میں اسلام کے ذریعہ الفت ڈال دی اور ان کے قلوب میں محبت پیدا کر دی پس وہ آپس میں محبت کرنے لگے اور بھائی بھائی بن گئے۔

گرنے والے گڑھے کا کنارہ جہنم:

وَكُنْتُمْ عَلَى شَفَا حُفْرَةٍ مِّنَ النَّارِ (اور تم آگ کے گڑھے کے کنارے پر تھے) یعنی تم کنارے پر پہنچے ہوئے تھے۔ اور تم اس میں جا گرتے کیونکہ کفر پر تھے۔ فَاَنْقَذَكُمْ مِنْهَا (پس اس نے تمہیں اس سے نجات دی) اسلام نصیب کر کے۔ اس میں فرقہ معزلہ کی تردید ہے۔ کیونکہ ان کے ہاں وہ خود اپنے آپ کو نکالنے والے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نکالنے والے نہیں۔ ہا کی ضمیر حفرة، نار یا شفاء کی طرف راجع ہے۔ اور حفرة کی طرف اضافت کی وجہ سے مؤنث لائے۔ شَفَا حُفْرَةٍ گڑھے کا کنارہ۔ اس کا لام کلمہ

وَلْتَكُنْ مِنْكُمْ أُمَّةٌ يَدْعُونَ إِلَى الْخَيْرِ وَيَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَيَنْهَوْنَ

اور تم میں سے ایک ایسا گروہ ہونا ضروری ہے جو دعوت دیتے ہوں خیر کی طرف، اور حکم کرتے ہوں اچھے کاموں کا اور منع کرتے ہوں

عَنِ الْمُنْكَرِ ۚ وَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ ﴿۱۰۴﴾ وَلَا تَكُونُوا كَالَّذِينَ

برے کاموں سے، اور یہ لوگ پورے پورے کامیاب ہیں، اور مت ہو جاؤ ان لوگوں کی طرح

تَفَرَّقُوا وَاخْتَلَفُوا مِنْ بَعْدِ مَا جَاءَهُمُ الْبَيِّنَاتُ ۚ وَأُولَٰئِكَ لَهُمْ

جو آپس میں متفرق ہو گئے اور اس کے بعد کہ ان کے پاس واضح احکام پہنچے آپس میں اختلاف کر لیا، اور یہ لوگ ہیں جن کے لئے

عَذَابٌ عَظِيمٌ ﴿۱۰۵﴾ يَوْمَ تَبْيَضُّ وُجُوهٌ وَتَسْوَدُّ وُجُوهٌ ۚ فَأَمَّا

بڑا عذاب ہے، جس دن چہرے سفید ہوں گے اور چہرے سیاہ ہوں گے، سو جن

الَّذِينَ اسْوَدَّتْ وُجُوهُهُمْ أَكْفَرْتُمْ بَعْدَ إِيمَانِكُمْ فَذُوقُوا

لوگوں کے چہرے سیاہ ہوں گے ان سے کہا جائے گا کیا تم نے کفر اختیار کیا اپنے ایمان کے بعد، سو کچھ لو

الْعَذَابَ بِمَا كُنْتُمْ تَكْفُرُونَ ﴿۱۰۶﴾ وَأَمَّا الَّذِينَ ابْيَضَّتْ وُجُوهُهُمْ فَفِي

عذاب اس وجہ سے کہ تم کفر کرتے تھے، اور جن کے چہرے سفید ہوں گے سو وہ

رَحْمَةِ اللَّهِ ۚ هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ ﴿۱۰۷﴾ تِلْكَ آيَاتُ اللَّهِ نَتْلُوهَا عَلَيْكَ

اللہ کی رحمت میں ہوں گے وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے۔ یہ اللہ کی آیات ہیں ہم آپ پر ان کی تلاوت کرتے ہیں

بِالْحَقِّ ۚ وَمَا اللَّهُ يُرِيدُ ظُلْمًا لِّلْعَالَمِينَ ﴿۱۰۸﴾ وَلِلَّهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ

حق کے ساتھ، اور اللہ جہانوں کے ساتھ ظلم کا ارادہ نہیں فرماتا، اور اللہ ہی کے لئے ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے

وَمَا فِي الْأَرْضِ ۚ وَ إِلَى اللَّهِ تُرْجَعُ الْأُمُورُ ﴿۱۰۹﴾

اور جو کچھ زمین میں ہے اور اللہ کی طرف تمام امور لوٹائے جائیں گے۔

واؤ ہے اسی لئے اس کی تشبیہ شفوآن آتی ہے۔ گَٰذِلِكَ (اسی طرح) ایسے شاندار بیان سے یَسِّينُ اللّٰهُ لَكُمْ الْيُسْرَ (اللہ تعالیٰ اپنی آیات کو تمہارے لئے کھول کر بیان کرتے ہیں) یعنی قرآن جس میں امر و نہی، وعدہ و وعید ہے۔ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُونَ۔ (تاکہ تم راہ پاؤ) یعنی تاکہ تم ہدایت کے امیدوار بنو۔ یا تاکہ تم اسکے ذریعہ درست راستہ اور جس سے ثواب حاصل ہوتا ہے۔ وہ راہ پاؤ۔

امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی اہمیت:

۱۰۴: وَلَتَكُنْ مِنْكُمْ اُمَّةٌ يَدْعُوْنَ اِلَى الْخَيْرِ وَيَأْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ - وَاولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ -
(اور چاہئے کہ تم میں سے ایک جماعت ہو جو بھلائی کی طرف دعوت دینے والی ہو) المعروف سے مراد جس کو شرع اور صحیح عقل درست قرار دے۔ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ (اور برائی سے روکنے والی ہو) الْمُنْكَرِ جس کو شریعت اور صحیح عقل برا سمجھیں یا معروف وہ جو کتاب و سنت کے موافق اور منکر وہ ہے جو کتاب و سنت کے مخالف یا معروف اطاعت کو کہتے ہیں جبکہ منکر معاصی کو کہتے ہیں۔ خیر کی طرف دعوت تمام افعال تکلیفیہ اور ممنوعات میں عام ہے۔ اور جو اس پر عطف کیا گیا وہ خاص ہے۔

مِنْكُمْ میں مِّنْ تبعیض کے لئے ہے۔ کیونکہ امر بالمعروف و نہی عن المنکر فرض کفایہ ہے۔ اور یہ اسی کے لئے مناسب ہے جو معروف و منکر کی خبر رکھتا ہو۔ اور اس کو یہ معلوم ہو کہ اسکے قائم کرنے کیلئے ترتیب کیا ہوگی۔ وہ آسان سے شروع کرے اگر فائدہ نہ ہو تو پھر اس سے مشکل کی طرف ترقی کرے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: فاصْلِحُوا بَيْنَهُمَا کہ ان کے مابین درستی کرو پھر فرمایا: فَقَاتِلُوا (الحجرات: ۹) پھر اس سے لڑو۔

نمبر ۲۔ دوسری تفسیر مِّنْ بیان یہ ہے تم ایسی امت بن جاؤ جو حکم کرنے والی ہو بھلائی کا جیسا کہ اس ارشاد الہی میں ہے: کُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَامُرُونَ بِالْمَعْرُوْفِ کہ تم بہترین امت ہو جو لوگوں کیلئے نکالی گئی ہو تم حکم کرتے ہو معروف کا۔
وَاولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ (وہ وہی لوگ کامیاب ہیں) یعنی کامل فلاح کے ساتھ خاص ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس نے امر بالمعروف کیا اور برائی سے روکا وہ اللہ تعالیٰ کی زمین میں اس کا خلیفہ ہے اور اسکے رسول کا خلیفہ اور اس کی کتاب کا خلیفہ ہے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ افضل الجہاد الامر بالمعروف والنہی عن المنکر افضل ترین جہاد امر بالمعروف اور نہی عن المنکر ہے۔

تفرقہ تو یہود و نصاریٰ کی خصلت ہے:

۱۰۵: وَلَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ تَفَرَّقُوْا وَاخْتَلَفُوْا مِنْۢ بَعْدِ مَا جَاۤءَ هُمْ بِالْبَيِّنٰتِ وَاولٰٓئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ - (تم ان لوگوں کی طرح نہ بنو جنہوں نے (عداوت سے) تفرقہ ڈالا) وَاخْتَلَفُوْا (اور اختلاف پیدا کیا) دین میں وہ یہود و نصاریٰ ہیں۔ انہوں نے اختلاف کیا اور ایک دوسرے کو کافر قرار دیا۔ مِنْۢ بَعْدِ مَا جَاۤءَ هُمْ بِالْبَيِّنٰتِ (اسکے بعد کہ ان کے پاس واضح دلائل آچکے) جو کہ کلمہ حق پر سب کے اتفاق لازم کرنے والے تھے۔ وَاولٰٓئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ (ان لوگوں کیلئے بڑا عذاب ہے)
۱۰۶: يَوْمَ تَبْيَضُّ وُجُوْهُ وَتَسْوَدُّ وُجُوْهُ فَاَمَّا الَّذِيْنَ اَسْوَدَّتْ وُجُوْهُهُمْ اَكْفَرْتُمْ بَعْدَ اِيْمَانِكُمْ فَذُوقُوا الْعَذَابَ بِمَا كُنْتُمْ تَكْفُرُوْنَ - يَوْمَ تَبْيَضُّ وُجُوْهُ جِسْمِ رُزْءٍ بَعْضُ چہرے سفید ہو جائیں گے۔ يَوْمَ كُوْا ذُكُوْرًا مَّحْذُوْفًا كَا ظَرْفٍ ہونے کی وجہ سے منصوب پڑھا جائے گا۔ یا عظیم یا لہم کی وجہ سے اور وجوہ سے مراد وجوہ المؤمنین ایمان والوں کے چہرے مراد ہیں۔ وَتَسْوَدُّ وُجُوْهُ (اور کافروں کے چہرے سیاہ ہونگے) بیاض نور کے باعث ہوگا جبکہ سیاہی ظلمت کی وجہ سے۔ فَاَمَّا الَّذِيْنَ

اَسْوَدَّتْ وُجُوهُهُمْ (پھر وہ لوگ جن کے چہرے سیاہ ہوئے) پس ان کو کہا جائے گا۔ اَكْفَرْتُمْ (کیا تم نے کفر کیا) یہاں قول اور فاکو حذف کر دیا کیونکہ وہ معلوم ہے اور حمزہ تونیخ کیلئے اور انکی اس حالت پر تعجب کا اظہار کیا گیا ہے۔

ایمان کے بعد کفر کرنے والے مرتد منافق و اہل کتاب:

بَعْدَ اِيْمَانِكُمْ اپنے ایمان کے بعد۔ یعنی ایمان سے مراد میثاق کے دن والا اقرار ہے۔ پس مراد اس سے تمام کفار ہونگے۔ یہ حضرت ابی بنی اسلم کا قول ہے اور ظاہر قول بھی یہی ہے۔

دوسرا قول: مرتد یا منافق مراد ہیں۔ پھر مطلب یہ ہوگا۔ کیا تم نے باطن میں انکار کیا بظاہر اسلام کا اقرار کر لینے کے بعد۔ تیسرا قول: اہل کتاب مراد ہیں ایمان کے بعد ان کے کفر کا مطلب یہ ہے کہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ کی آمد سے قبل آپ کا اعتراف کیا مگر آمد کے بعد انکار کر دیا۔ فَذُوقُوا الْعَذَابَ بِمَا كُنْتُمْ تَكْفُرُونَ۔ (پس تم اپنے کفر کے باعث عذاب چکھو) ۱۰۷: وَاَمَّا الَّذِينَ ابْصَرَتْ وُجُوهُهُمْ فَفِي رَحْمَةِ اللَّهِ هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ۔ (اور پھر وہ لوگ جن کے چہرے سفید ہوئے وہ اللہ تعالیٰ کی رحمت میں ہونگے) رحمت سے یہاں مراد نعمت اور ہمیشہ کا ثواب ہے۔ هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ (وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے) یہ جملہ مستانفہ لائے۔ کہ نہ وہ جنت سے کوچ کریں گے اور نہ ہی ان پر موت واقع ہوگی۔

۱۰۸: تِلْكَ اٰيَاتُ اللَّهِ نَتْلُوهَا عَلَيْكَ بِالْحَقِّ وَمَا اللَّهُ يُرِيدُ ظُلْمًا لِّلْعٰلَمِيْنَ۔ (یہ اللہ تعالیٰ کی آیات ہیں) جو وعدہ و وعید وغیرہ کے سلسلہ میں وارد ہوئی ہیں۔ نَتْلُوهَا عَلَيْكَ بِالْحَقِّ (ہم ان کو تم پر پڑھ رہے ہیں اس حال میں کہ وہ حق سے ملی ہوئی ہیں) اور عدل کے ساتھ یعنی محسن کا بدلہ اور مجرم کو سزا۔

اللہ جل شانہ بلا جرم گرفتار نہیں کرتے:

وَمَا اللَّهُ يُرِيدُ ظُلْمًا لِّلْعٰلَمِيْنَ (اور اللہ تعالیٰ جہان والوں کے ساتھ ظلم کرنے کا ارادہ بھی نہیں فرماتے) یعنی وہ اپنے بندوں پر ظلم نہیں چاہتے کہ کسی کو بغیر جرم کے گرفتار کر لیں یا مجرم کو جرم سے زیادہ سزادیں یا نیکی کرنے والے کا ثواب کم کر دیں۔

۱۰۹: وَلِلَّهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ وَالْیٰ اِلٰهَ تَرْجِعُ الْاُمُوْرَ۔ (اور اللہ تعالیٰ ہی کیلئے ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے اور اللہ تعالیٰ کی طرف تمام امور لوٹائے جائیں گے) پس وہ محسن کو اسکے احسان اور مجرم کو اسکی برائی پر سزا دیگا۔ قراءت: شامی اور حمزہ اور علی نے تَرْجِعُ۔ تا کے فتح اور جیم کے کسرہ سے پڑھا ہے۔

اہم تنبیہ:

گناہ سے زمانہ ماضی میں ابہام کے طور پر کسی شے کے وجود کی تعبیر کی جاتی ہے۔ اس میں عدم سابق اور انقطاع مستقبل کی کوئی دلیل نہیں۔ مطلب یہ ہے گناہ کا زمانہ ماضی کے لیے آنا کسی چیز کے ثبوت پر تو دلالت کرتا ہے مگر اس سے یہ معلوم نہیں ہوتا کہ ثبوت ماضی منقطع ہو گیا یا آئندہ منقطع ہو جائیگا۔ یہ تعین تو خارجی قرائن کی محتاج ہے۔ اس لئے جب انقطاع کا قرینہ نہ ہوگا تو استمرار ہی ثابت ہوگا۔

كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَتَنْهَوْنَ

تم سب امتوں سے بہتر امت ہو جو نکالی گئی لوگوں کے لئے بھلائی کا حکم کرتے ہو اور برائی

عَنِ الْمُنْكَرِ وَتُؤْمِنُونَ بِاللّٰهِ ۚ وَلَوْ اَمَّنْ اَهْلُ الْكِتٰبِ لَكَانَ خَيْرًا

سے روکتے ہو اور اللہ پر ایمان لاتے ہو، اور اگر اہل کتاب ایمان لے آتے تو ان کے لئے

لَهُمْ ۚ مِنْهُمْ الْمُؤْمِنُونَ وَاَكْثَرُهُمُ الْفٰسِقُونَ ﴿۱۱۰﴾

بہتر ہوتا، ان میں سے بعض مومن ہیں اور اکثر ان میں سے فرمانبرداری سے باہر ہیں۔

بہترین امت کا لقب:

۱۱۰: كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَتُؤْمِنُونَ بِاللّٰهِ وَلَوْ اَمَّنْ اَهْلُ الْكِتٰبِ لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ مِنْهُمْ الْمُؤْمِنُونَ وَاَكْثَرُهُمُ الْفٰسِقُونَ۔ (کہ تم بہترین امت ہو) (اور تمہیں اور ہو گے) گویا اس آیت میں کُنْتُمْ کہہ کر یہ کہا گیا تم بہترین امت پائے گئے یا تم اللہ تعالیٰ کے علم میں بہترین امت تھے۔ یا لوح محفوظ میں بہترین امت تھے۔ یا تم بہترین امت ہو ان امتوں میں جو تم سے قبل ہو گزریں اس لئے کہ تم خیر امت کی صفت سے موصوف ہو۔ اُخْرِجَتْ تم ظاہر کی گئی ہو۔ لِلنَّاسِ (لوگوں کیلئے) لام اُخْرِجَتْ کے متعلق ہے تَأْمُرُونَ (تم حکم دیتے ہو) یہ جملہ متانفہ ہے۔ یہ جملہ لا کر خیر امت ہونا مزید واضح کیا جیسا تم کہو۔ زید کریم بطعم الناس ویکسوہم دراصل زید کی سخاوت کو اطعام اور الباس سے خوب واضح کیا۔ بِالْمَعْرُوفِ بھلائی کا۔ بھلائی سے ایمان اور اطاعت رسول ﷺ مراد ہے۔ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ (اور تم برائی سے روکتے ہو) منکر سے یہاں کفر مراد ہے اور ہر ممنوع بھی اسکے تحت داخل ہے۔ وَتُؤْمِنُونَ بِاللّٰهِ (تم اللہ تعالیٰ پر ایمان لاتے ہو) اور اس پر ایمان میں مداومت اختیار کرنے والے ہو۔ (تو گویا پہلے ایمان کا ویسے تذکرہ فرمایا اور یہاں ایمان پر مداومت کے لحاظ سے ذکر فرمایا) یا داؤد ترتیب کا تقاضہ نہیں کرتی اس لئے امر بالمعروف کے بعد ایمان کے ذکر میں حرج ہی کیا ہے۔ (بلکہ اس میں نکتہ یہ ہے کہ امر بالمعروف دکھاوے کیلئے نہیں کرتے بلکہ دل کی ترجمانی کرتے ہوئے کرتے ہیں)۔

اہل کتاب کا ریاست کو ترجیح دینا قابل افسوس ہے:

وَلَوْ اَمَّنْ اَهْلُ الْكِتٰبِ (اگر اہل کتاب) حضرت محمد ﷺ پر ایمان لے آتے (لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ) (تو ان کیلئے بہتر ہوتا) تو ان کے لئے ایمان بہت بہتر ہوتا اس سے جس میں وہ مبتلا ہیں کیونکہ انہوں نے اپنے دین کو دین اسلام پر ریاست کی محبت میں ترجیح دی اور تاکہ عوام ان کے پیروں میں۔ اگر وہ ایمان لے آتے تو ان کو وہ سرداری بھی مل جاتی اور اتباع بھی میسر آ جاتی دنیا سے نفع اندوزی بھی ہو جاتی جس کی خاطر انہوں نے دین باطل کو ترجیح دی۔ بلکہ ایمان پر جس کامیابی کا وعدہ کیا گیا اور دو مرتبہ اجر دینا بتلایا گیا وہ بھی ان کو حاصل ہو جاتا۔

لَنْ يَضُرُّكُمْ اِلَّا اَذًى ۚ وَاِنْ يُقَاتِلُوْكُمْ يُؤْلُوْكُمْ اِلَّا دُبَارًا فَتَمُوتُمْ

تم کو ہرگز ضرر نہ پہنچا سکیں گے مگر ذرا سی تکلیف، اور اگر تم سے جنگ کریں گے وہ تو پشت پھیر کر بھاگ جائیں گے پھر

لَا يُنْصِرُوْنَ ۝۱۱۱ ضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الذِّلَّةُ اَيْنَ مَا ثَقِفُوا اِلَّا بِحَبْلٍ

ان کی مدد نہ کی جائے گی، جمادی گئی ان پر ذلت جہاں کہیں بھی پائے جائیں، مگر ایسے سبب سے

مِّنَ اللّٰهِ وَحَبْلٍ مِّنَ النَّاسِ وِبَاءٌ وَبِغَضَبٍ مِّنَ اللّٰهِ وَضُرِبَتْ

جو اللہ کی طرف سے ہو اور ایسے سبب سے جو لوگوں کی طرف سے ہو، اور وہ لوٹ گئے اللہ کے غصہ کو لے کر، اور جمادی گئی

عَلَيْهِمُ الْمَسْكَنَةُ ۚ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ كَانُوْا يَكْفُرُوْنَ بِآيَاتِ اللّٰهِ وَ

ان پر مسکنت، یہ اس لئے کہ وہ کفر کرتے تھے اللہ کی آیتوں کے ساتھ

يَقْتُلُوْنَ الْاَنْبِيَاءَ بِغَيْرِ حَقٍّ ۚ ذٰلِكَ بِمَا عَصَوْا وَّكَانُوْا يَعْتَدُوْنَ ۝۱۱۲

اور وہ نبیوں کو ناحق قتل کرتے تھے، یہ اس لئے کہ انہوں نے نافرمانی کی اور وہ حد سے آگے بڑھ جاتے تھے۔

مِنْهُمْ الْمُؤْمِنُوْنَ (ان میں کچھ مؤمن ہیں) جیسے عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھی۔ وَاَكْثَرُهُمُ الْفٰسِقُوْنَ (اور اکثریت انکی فاسق ہے) یعنی کفر میں ضدی اور سرکش۔

کفار کی معمولی ایذا میں تور ہیں گی:

۱۱۱: لَنْ يَضُرُّكُمْ اِلَّا اَذًى ۚ وَاِنْ يُقَاتِلُوْكُمْ يُؤْلُوْكُمْ اِلَّا دُبَارًا فَتَمُوتُمْ لَا يُنْصِرُوْنَ۔ (وہ ہرگز تمہیں نقصان نہ پہنچا سکیں گے۔

مگر معمولی) یعنی تھوڑی تکلیف جو زبانی طور پر دین میں طعن کرنے کی حد تک ہو۔ یا اسی طرح کی دوسری تکلیف دھمکی وغیرہ۔ وَاِنْ يُقَاتِلُوْكُمْ يُؤْلُوْكُمْ اِلَّا دُبَارًا (اگر وہ تم سے لڑ پڑیں تو پیٹھ پھیر کر بھاگ نکلیں) یعنی شکست کھا کر۔ وہ تمہیں قتل و قید کا نقصان نہ پہنچا سکیں گے۔ ثُمَّ لَا يُنْصِرُوْنَ (پھر انکی مدد نہ کی جائیگی) پھر ان کو کسی طرف سے مدد نہ ملے گی اور نہ تم سے بچا سکیں گے۔ اس میں ان لوگوں کیلئے جو ایمان قبول کرنے والے ہیں تسلی دی۔ کیونکہ ان کو یہود ڈانٹ ڈپٹ کرتے تھے۔

نَحْوُ: یہ جملہ ابتدائیہ ہے اس کا عطف جملہ شرطیہ پر ہے۔ یُوْلُوْكُمْ پر عطف نہیں اگر اس پر عطف ہوتا تو عبارت اس طرح ہوتی ثُمَّ لَا يُنْصِرُوْا۔

نکتہ: یہ جملہ متانفہ لائے تاکہ اعلان کر دیا جائے کہ اللہ تعالیٰ ان کی کسی صورت میں مدد نہ کریں گے خواہ وہ لڑیں یا نہ لڑیں تقدیر کلام اس طرح ہے: اُخْبِرْ كَمْ اَنَّهُمْ اِنْ يُقَاتِلُوْكُمْ يَنْهٰزُموْا ثُمَّ اُخْبِرْ كَمْ اَنَّهُمْ لَا يُنْصِرُوْنَ۔ میں تمہیں بتلا رہا ہوں کہ اگر

وہ تم سے لڑائی کرینگے تو شکست کھا جائیں گے پھر میں تمہیں خبر دیتا ہوں کہ انکی مدد نہ کی جائیگی۔

ثُمَّ رَتَبَهُ فِي تَرَاخِي كَيْلَيْهِ اسْتِعْمَالُ هُوَا هِيَ كَيْونَكَ اِنْ پُر سَوَائِي كَا مَسْلُطُ هُونَا اِنْ كَيْ پِيْطُ پِيْطِر كَر بَهَا كُنْ سِي كَبِيْسُ بَرْ هُ كَر هِي۔

۱۱۲: ضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الدِّلَّةُ اِنَّ مَا تُقْفُوْا اِلَّا بِحَبْلِ مِّنَ اللّٰهِ وَحَبْلِ مِّنَ النَّاسِ وَبَآءُ وَبِغَضَبٍ مِّنَ اللّٰهِ وَضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الْمَسْكَنَةُ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ كَانُوْا يَكْفُرُوْنَ بِآيَاتِ اللّٰهِ وَيَقْتُلُوْنَ الْاَنْبِيَاءَ بِغَيْرِ حَقٍّ ذٰلِكَ بِمَا عَصَوْا وَّكَانُوْا يَعْتَدُوْنَ۔ ضُرِبَتْ (لازم کردی گئی) عَلَيْهِمُ الدِّلَّةُ (یہود پر ذلت) اِنَّ مَا تُقْفُوْا (جہاں وہ پائے جائیں) اِلَّا بِحَبْلِ مِّنَ اللّٰهِ (مگر اللہ تعالیٰ کی ذمہ داری سے) بِحَبْلِ مِّنَ اللّٰهِ مَحَلِّ نَصَبٍ میں واقع ہے حال ہونے کی وجہ سے اور بامحذوف سے متعلق ہے۔

تقدیر کلام یہ ہے۔ الا معتصمین او متمسکین بحبل من اللہ مگر یہ کہ اللہ تعالیٰ کی رستی کو مضبوطی سے تھامنے والے ہوں۔ وَحَبْلِ مِّنَ النَّاسِ (اور لوگوں کی ذمہ داری سے) الحبل سے مراد عہد و ذمہ ہے۔ مطلب یہ ہوا کہ ہر حال میں ذلت ان پر چمٹنے والی ہے۔ مگر وہ حالت جبکہ وہ اللہ تعالیٰ کی ذمہ داری اور لوگوں کی ذمہ داری کو تھامنے والے ہوں یعنی ان کو صرف اس طریقے سے عزت مل سکتی ہے اور وہ انکا جزیہ قبول کر کے ذمہ داری میں آنا ہے۔ وَبَآءُ وَبِغَضَبٍ مِّنَ اللّٰهِ (انہوں نے اللہ تعالیٰ کی ناراضگی کو اپنے لیے لازم کر لیا) وَضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الْمَسْكَنَةُ (ان پر مسکینی مسلط کردی گئی) یہ فقر انکی اس بات پر سزا کے طور پر ہے۔ جو انہوں نے کہی۔ اِنَّ اللّٰهَ فَقِيْرٌ وَنَحْنُ اَغْنِيَاءُ (آل عمران۔ ۱۸۱) کہ (نعوذ باللہ) اللہ تعالیٰ فقیر اور ہم غنی ہیں۔ یا فقر کا خطرہ خواہ مالی وسعت سے موجود ہو۔ (جیسے موجودہ دور میں ساری دنیا کا مال اپنے پیٹ میں بھر لینا چاہتے ہیں۔) ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ كَانُوْا يَكْفُرُوْنَ بِآيَاتِ اللّٰهِ وَيَقْتُلُوْنَ الْاَنْبِيَاءَ بِغَيْرِ حَقٍّ (یہ اس لئے کہ وہ کفر کرتے رہے اللہ تعالیٰ کی آیات کے ساتھ اور انبیاء علیہم السلام کو ناحق قتل کرتے رہے) ذٰلِكَ كَا مِثَارٍ اِلَيْهِ ضَرْبُ ذِلَّتٍ وَ مَسْكَنَتٍ اور بَوَاءُ غَضَبٍ ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کی آیات کے ساتھ کفر اور انبیاء علیہم السلام کے ناحق قتل کی وجہ سے ہوا۔ پھر فرمایا ذٰلِكَ بِمَا عَصَوْا وَّكَانُوْا يَعْتَدُوْنَ (یہ اس وجہ سے کہ انہوں نے نافرمانی کی اور اس میں وہ حد سے گزر گئے) یعنی یہ کفر وغیرہ والا فعل اس لئے ہوا کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی اور اس میں اللہ تعالیٰ کی مقررہ حدود پھاند گئے۔

لَيْسُوا سَوَاءً ۖ مِنْ اَهْلِ الْكِتَابِ اُمَّةٌ قَائِمَةٌ يَتْلُونَ آيَاتِ اللّٰهِ

یہ لوگ سب برابر نہیں ہیں اہل کتاب میں سے ایک جماعت ایسی ہے جو حق پر قائم ہے رات کے اوقات میں

اِنَّآ الْيْلَ وَهُمْ يَسْجُدُوْنَ ۝۱۳ يَوْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَ

اللہ کی آیات کی تلاوت کرتے ہیں اور سجدہ کرتے ہیں، یہ لوگ ایمان لاتے ہیں اللہ پر اور آخرت کے دن پر اور

يَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَيُسَارِعُوْنَ فِي الْخَيْرَاتِ ۖ

امر بالمعروف کرتے ہیں اور منکر سے روکتے ہیں۔ اور نیک کاموں میں دوڑتے ہیں

وَاُولٰٓئِكَ مِنَ الصّٰلِحِيْنَ ۝۱۴ وَمَا يَفْعَلُوْا مِنْ خَيْرٍ فَلَنْ يُكْفَرُوْهُ ۖ

اور یہ لوگ صالحین میں سے ہیں، اور یہ لوگ جو بھی کچھ خیر کا کام کریں گے تو اس کی ناقدری نہ کی جائے گی

وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ بِالْمُتَّقِيْنَ ۝۱۵

اور اللہ متقیوں کو جاننے والا ہے۔

اہل کتاب کی عدل والی جماعت:

۱۱۳: لَيْسُوا سَوَاءً ۖ مِنْ اَهْلِ الْكِتَابِ اُمَّةٌ قَائِمَةٌ يَتْلُونَ آيَاتِ اللّٰهِ اِنَّآ الْيْلَ وَهُمْ يَسْجُدُوْنَ۔ (تمام اہل کتاب برابر نہیں) مِنْ اَهْلِ الْكِتَابِ (اہل کتاب میں)

نہجہ: یہ جملہ متانفہ ہے یہ لیسوا سَوَاءً کا بیان ہے جیسا کہ نامرون بالمعروف - کنتم خیرامۃ کا بیان ہے۔ اُمَّةٌ قَائِمَةٌ (ایک جماعت وہ بھی ہے جو قائم ہے) ایک مضبوط عادل جماعت ہے یہ قائمہ کا لفظ اقامت العود فقام سے ہے کہ میں نے لکڑی کو سیدھا کیا پس وہ سیدھی ہوگئی۔ اس سے مراد وہی لوگ ہیں جو ان میں سے اسلام لائے۔ يَتْلُوْنَ آيَاتِ اللّٰهِ (وہ اللہ تعالیٰ کی آیات کی تلاوت کرنے والے ہیں۔ آیات اللہ سے مراد قرآن مجید ہے۔ اِنَّآ الْيْلَ (رات کے اوقات میں) اِنَّآ جمع ہے اس کی واحد اُنّٰی جیسے معنی یا اُنّو جیسے قنوّ یا اُنّٰی جیسے نَحٰی۔ وَهُمْ يَسْجُدُوْنَ (اس حال میں کہ وہ سجدہ کرنے والے ہیں) یسجدون سے مراد نماز پڑھتے ہیں۔ بعض نے کہا اس سے مراد نماز عشاء ہے کیونکہ اہل کتاب اس کو نہ پڑھتے تھے۔ بعض نے کہا تہجد کی نماز کو تلاوت قرآن سے تعبیر کیا گیا جو ساعات لیل میں ہوتی ہے۔

مزید اعلیٰ خصائل کا تذکرہ:

۱۱۴: يَوْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَيَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَيُسَارِعُوْنَ فِي الْخَيْرَاتِ وَاُولٰٓئِكَ

مِنَ الصَّٰلِحِيْنَ۔ (وہ اللہ تعالیٰ پر ایمان لاتے ہیں اور آخرت کے دن پر اور امر بالمعروف کرنے والے ہیں) یعنی ایمان اور ابواب بڑے کے ساتھ معروف کا حکم دینے والے ہیں۔ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ (اور وہ برائیوں سے روکنے والے ہیں) منکر سے یہاں کفر اور شریعت کی دیگر ممنوعات مراد ہیں۔ وَيُسَارِعُونَ فِي الْخَيْرَاتِ (وہ بھلائیوں میں جلدی کر رہے ہیں) یعنی ان کے فوت ہونے کے خطرہ سے ان کو جلد ادا کرنے والے ہیں۔

يَتْلُونَ اَوْرِيُوْمُنُوْنَ محل رفع میں اُمَّة کی صفات ہیں۔ تقدیر عبارت یہ ہے امة قائمة، تالون، مؤمنون۔

مخصوص صفات کی وجہ:

ان مسلمانوں کی صفات ان خصوصیات سے فرمائی۔ جو یہود میں نہ تھیں جیسے تلاوت آیات اور رات کو سجدہ ریزی اور اللہ تعالیٰ پر ایمان لانا یہود کے ایمان باللہ میں کمزوری یہ تھی کہ وہ عزیر علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ کا بیٹا مان کر شریک ٹھہراتے تھے۔ اسی طرح رسولوں اور کتابوں اور یوم آخرت کا ذکر کیا۔ کیونکہ یہود بعض کتابوں اور رسولوں کو نہیں مانتے تھے۔ اسی طرح آخرت کے ایمان کا ذکر کیا۔ کیونکہ یہود آخرت کی تعبیر اور انداز سے کرتے تھے۔ اور آپ کی تعریف بھی غلط انداز سے کرتے تھے۔ اسی طرح امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا ذکر کیا کیونکہ یہود اس میں بھی مداخلت برتنے والے تھے۔ اور مؤمنوں کی مسارعت الی الخیرات کو ذکر کیا کیونکہ یہود بھلائی کے کاموں میں سستی برتنے والے اور رغبت نہ رکھنے والے تھے۔

مسارعت فی الخیرات کا مطلب بھلائی میں شدید رغبت اور لگن ہے کیونکہ جو کسی چیز میں رغبت رکھتا ہو وہ اس کی ادائیگی میں جلدی کرتا ہے۔ وَأُولَٰئِكَ (وہ) جو کہ ان صفات سے موصوف ہیں۔ مِنَ الصَّٰلِحِيْنَ (نیکوں میں سے ہیں) یعنی مسلمانوں میں سے ہیں۔ یا ان نیکوں میں سے ہیں جن کے احوال اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں درست ہیں اور پسندیدہ ہیں۔

خیر کے بدلے سے کبھی محرومی نہیں:

۱۱۵: وَمَا يَفْعَلُوا مِنْ خَيْرٍ فَلَنْ يُكْفَرُوهُ وَاللَّهُ عَلِيمٌ بِالْمُتَّقِينَ۔ (جو بھی وہ بھلائی کریں اس کی ناکداری نہ کی جائے گی) نحو، قراءت: يَفْعَلُوا اور يُكْفَرُوا دونوں میں یا پڑھی کوئی نے سوائے ابوبکر کے ابو عمرو نے یا اور تا میں اختیار دیا۔ باقی تمام قراء نے تا سے پڑھا ہے۔ يُكْفَرُوهُ یہ دو مفعولوں کی طرف متعدی ہوتا ہے۔ اور اگر شکر اور کفر ایک دوسرے کے مقابل آجائیں تو پھر ایک مفعول کی طرف متعدی ہوتے ہیں۔ مثلاً کہیں گے شکر النعمة و کفر ہا کیونکہ اس صورت میں یہ محرومی کے معنی کو متضمن ہوتا ہے۔ گویا یوں کہا گیا لن تحرموه یعنی تم اس کے بدلے سے ہرگز محروم نہ کیے جاؤ گے۔ وَاللَّهُ عَلِيمٌ بِالْمُتَّقِينَ (اللہ تعالیٰ کو تقویٰ والے خوب معلوم ہیں) اس ارشاد میں متقین کو بہت بڑے ثواب کی بشارت ہے۔

إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا لَنْ تُغْنِيَ عَنْهُمْ أَمْوَالُهُمْ وَلَا أَوْلَادُهُمْ مِنَ

بلاشبہ جن لوگوں نے کفر کیا ہرگز ان کے کام نہ آئیں گے ان کے مال اور ان کی اولاد اللہ کے مقابلہ میں

اللَّهِ شَيْئًا ۚ وَأُولَٰئِكَ أَصْحَابُ النَّارِ ۖ هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ ﴿۱۱۶﴾ مَثَلُ مَا

کچھ بھی اور یہ لوگ دوزخ والے ہیں اس میں ہمیشہ رہیں گے اس کی مثال جو کچھ

يُنْفِقُونَ فِي هَذِهِ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا كَمَثَلِ رِيحٍ فِيهَا صِرٌّ أَصَابَتْ حَرْثَ

وہ اس دنیاوی زندگی میں خرچ کرتے ہیں ایسی ہے جیسے ایک ہوا ہو جس میں سخت سردی ہو جو ایسے لوگوں کی کھیتی کو پہنچ

قَوْمٍ ظَلَمُوا أَنْفُسَهُمْ فَأَهْلَكَتْهُ ۖ وَمَا ظَلَمَهُمُ اللَّهُ وَلَكِنْ أَنْفُسُهُمْ يَظْلِمُونَ ﴿۱۱۷﴾

گئی جنہوں نے اپنی جانوں پر ظلم کیا تھا پھر اس کو برباد کر دیا۔ اور اللہ نے ان پر ظلم نہیں کیا۔ لیکن وہ اپنی جانوں پر ظلم کرتے ہیں۔

کفار کو مال و اولاد کچھ کام نہ آئیں گے:

۱۱۶: إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا لَنْ تُغْنِيَ عَنْهُمْ أَمْوَالُهُمْ وَلَا أَوْلَادُهُمْ مِنَ اللَّهِ شَيْئًا ۚ وَأُولَٰئِكَ أَصْحَابُ النَّارِ ۖ هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ۔ (بیشک جو لوگ کافر ہوئے ہرگز ان کو ان کے مال اور ان کی اولادیں اللہ تعالیٰ کے عذاب سے بچانے کیلئے ذرہ بھر کام نہ دیں گے) وَأُولَٰئِكَ أَصْحَابُ النَّارِ ۖ هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ (وہ جہنمی ہیں اس میں ہمیشہ رہیں گے)

دنوی زندگی میں کفار کے خرچ کرنے کی مثال:

۱۱۷: مَثَلُ مَا يُنْفِقُونَ فِي هَذِهِ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا كَمَثَلِ رِيحٍ فِيهَا صِرٌّ أَصَابَتْ حَرْثَ قَوْمٍ ظَلَمُوا أَنْفُسَهُمْ فَأَهْلَكَتْهُ ۖ وَمَا ظَلَمَهُمُ اللَّهُ وَلَكِنْ أَنْفُسُهُمْ يَظْلِمُونَ۔ (اس دنیا کی زندگی میں ان کے خرچ کی مثال) یعنی جو وہ مفاخر، مکارم تعریف کروانے، لوگوں میں اچھا تذکرہ قائم کرنے کیلئے خرچ کرتے ہیں یا وہ مال جو کفر کے باوجود تقرب الی اللہ کیلئے خرچ کرتے ہیں۔ كَمَثَلِ رِيحٍ (ہوا کی طرح ہے) یعنی ضائع کردہ مال۔ ہوا سے ہلاک شدہ کھیتی کی طرح ہے۔ یا ان کے مال کے ہلاک کرنے کی مثال ہوا کے ہلاک کرنے کی طرح ہے۔ فِيهَا صِرٌّ (جس میں سخت سردی ہو) یہ تفسیر حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے مروی ہے۔

نَجْوٰی: صِرٌّ مبتداء ہے اور خبر ہے موضع جر میں جملہ ریح کی صفت ہے۔ جیسے أَصَابَتْ حَرْثَ قَوْمٍ ظَلَمُوا أَنْفُسَهُمْ (جیسے ہوا اپنے قوم کی کھیتی کو جس نے اپنے نفسوں پر ظلم کیا ہو) کفر اختیار کر کے۔ فَأَهْلَكَتْهُ (پس وہ ہوا اس کھیتی کو تباہ کر دے) ان کے کفر کی سزا کے طور پر وَمَا ظَلَمَهُمُ اللَّهُ (حالانکہ اللہ تعالیٰ نے ان پر ظلم نہیں کیا) ان کی کھیتی کو تباہ کر کے وَلَكِنْ أَنْفُسُهُمْ يَظْلِمُونَ (لیکن وہ اپنے نفسوں پر ظلم کرنے والے ہیں) ایسے کاموں کا ارتکاب کر کے جو سزا کے سزاوار ٹھہرانے والے ہیں۔ یا اس میں ضمیر کا مرجع منفقین یعنی خرچ کرنے والے ہیں۔ اب مطلب یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے ان پر ان کے خرچہ جات کو قبول نہ کر کے ظلم نہیں کیا بلکہ انہوں نے اپنے نفسوں پر ظلم کیا اس طرح کہ قبولیت پر یقین و اعتماد کر کے خرچ نہیں کیا۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَتَّخِذُوا بِطَانَةً مِّن دُونِكُمْ لَا يَأْلُونَكُمْ

اے ایمان والو! اپنے سوا کسی کو اپنا راز دار مت بناؤ وہ لوگ تمہارے بگاڑ میں ذرا بھی کوتاہی

خَبَالًا ۚ وَذُؤَا مَاعِنْتُمْ ۚ قَدْ بَدَتِ الْبَغْضَاءُ مِنْ أَفْوَاهِهِمْ ۚ وَمَا

نہیں کرتے، ان کو وہ چیز پسند ہے جس سے تمہیں تکلیف ہو بغض ظاہر ہو چکا ہے ان کے مونہوں سے اور جو کچھ

تُخْفِي صُدُورُهُمْ أَكْبَرُ ۚ قَدْ بَيَّنَّا لَكُمُ الْآيَاتِ إِن كُنتُمْ تَعْقِلُونَ ﴿۱۱۸﴾

ان کے سینے چھپاتے ہیں وہ اس سے بڑھ کر تحقیق ہم نے بیان کر دیں تمہارے لئے آیات اگر تم عقل رکھتے ہو۔

منافق کی دوستی سے ممانعت:

۱۱۸: يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَتَّخِذُوا بِطَانَةً مِّن دُونِكُمْ لَا يَأْلُونَكُمْ خَبَالًا ۚ وَذُؤَا مَاعِنْتُمْ ۚ قَدْ بَدَتِ الْبَغْضَاءُ مِنْ أَفْوَاهِهِمْ ۚ وَمَا تُخْفِي صُدُورُهُمْ أَكْبَرُ ۚ قَدْ بَيَّنَّا لَكُمُ الْآيَاتِ إِن كُنتُمْ تَعْقِلُونَ۔

مُشَانِ نَزْوِلٍ: مسلمانوں کو منافقین کی مخلصانہ دوستی سے منع فرمانے کیلئے نازل ہوئی۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَتَّخِذُوا بِطَانَةً (اے ایمان والو! تم ان کو اپنا راز دار نہ بناؤ) بِطَانَةُ الرَّجُلِ سے مراد آدمی کے خصوصی راز دار، قابل اعتماد۔ ان کو بِطَانَةُ الْقَوْبِ سے تشبیہ دی۔ جیسا کہا جاتا ہے۔ فلان شعاری، فلاں میرا بہت قریبی ہے۔

حدیث نبوی ﷺ میں ہے الانصار شعار والناس دثار (بخاری ۴۳۳۰، مسلم ۱۰۶۱) کہ لوگ میرے لئے بمنزلہ اوڑھنے کے ہیں اور انصار بمنزلہ شعار کے ہیں۔ مِّن دُونِكُمْ (اپنوں کو چھوڑ کر) یعنی اپنے ہم جنس مسلمانوں کو چھوڑ کر۔

نَحْمُ: یہ بٹانہ کی صفت ہے تقدیر کلام یہ ہے کہ بٹانہ کائنات میں دُونِکُمْ مجاوزۃ لکم یعنی ایسی رازداری جو دوسروں سے ہوئے والی ہو اپنوں سے تجاوز کر کے۔

لَا يَأْلُونَكُمْ خَبَالًا (وہ تمہارے بگاڑ میں کمی نہ کریں گے)

نَحْمُ: یہ موضع نصب میں بٹانہ کی صفت ہے یعنی تمہارے دین کے بگاڑنے میں وہ کمی نہ کریں گے۔ کہا جاتا ہے۔ الا فی الامر یا لو وہ معاملے کی پرواہ کیوں نہیں کرتا جبکہ وہ معاملے میں کوتاہی کرے۔

الخبال:

لغت میں فساد کو کہتے ہیں۔ تمیز کی وجہ سے خبالاً منصوب ہے یا فی حذف ہونے کی وجہ سے منصوب ہے ای فی خبالکم۔ وَذُؤَا مَاعِنْتُمْ (وہ اس چیز کو پسند کرتے ہیں جس سے تم مشقت میں پڑو) یعنی جو تمہیں دکھ میں مبتلا کرے۔ مَا مصدر یہ ہے۔ العنت، لغت میں شدید ضرر اور مشقت کو کہتے ہیں یعنی وہ تمنا کرتے ہیں کہ وہ تمہیں تمہارے دین میں نقصان پہنچائیں اور ضرر بھی

هَآنْتُمْ اَوَّلَآءِ تُحِبُّوْنَهُمْ وَلَا يُحِبُّوْنَكُمْ وَتُوْمِنُوْنَ بِالْكِتٰبِ كُلِّهٖؕ وَاِذَا الْقُوٰكُمُ

تم لوگ ایسے ہو کہ ان سے محبت کرتے ہو اور وہ تم سے محبت نہیں کرتے اور تم پوری کتاب پر ایمان لاتے ہو اور جب تم سے ملتے ہیں

قَالُوْا اٰمَنَّا بِهٖؕ وَاِذَا خَلَوْا عَصَوْا عَلَیْكُمْ اِلَّا نَامِلًا مِّنَ الْغِیْظِؕ

کہتے ہیں ہم مسلمان ہیں اور وہ جب آپس میں تنہائیوں میں جاتے ہیں تو مارے غصہ کی جلن کے اپنی انگلیوں کو دانتوں سے کائے لیتے ہیں،

قُلْ مُوتُوْا بِغِیْظِكُمْؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلِیْمٌ بِذٰتِ الصُّدُوْرِؕ اِنَّ

آپ فرما دیجئے کہ مر جاؤ اپنی جلن میں، بے شک اللہ جانتے والا ہے۔ ان سب چیزوں کو جو سینوں میں ہیں، اگر

تَمْسَسْكُمْ حَسَنَةٌ تَسُوْهُمۡ وَاِنْ تُصِیْبْكُمْ سَیِّئَةٌ یَّفْرَحُوْا بِهَاؕ وَاِنْ

تم کو کوئی اچھی حالت پہنچ جائے تو ان کو بری لگتی ہے اور اگر تمہیں کوئی بری حالت پہنچ جائے تو اس سے خوش ہوتے ہیں، اور اگر

تَصْبِرُوْا وَتَتَّقُوْا لَا یَضُرَّكُمْ كِیْدُهُمْ شَیْئًاؕ اِنَّ اللّٰهَ بِمَا یَعْمَلُوْنَ

تم صبر کرو اور تقوی اختیار کرو تو ان کی مکاری تمہیں کچھ بھی ضرر نہ پہنچائے گی۔ بلاشبہ اللہ تعالیٰ ان کے اعمال کا

مُحِیْطٌ ۱۶

احاطہ فرمائے ہوئے ہے۔

انتہائی سخت قسم کا۔

نَحْمُ: یہ جملہ متانفہ ہے اس لئے کہ اس میں ان کو رازدار بنانے کی ممانعت کی علت ذکر کی گئی۔ یہ اس کی طرح ہے۔

منافقین کے بغض کی شدت:

قَدْ بَدَتِ الْبَغْضَآءُ مِنْ اَفْوَآهِہُمْ (کہ بغض تو ان کے مونہوں سے ظاہر ہو چکا ہے) کیونکہ وہ اس کو روکنے کا اب اختیار نہیں رکھتے۔ باوجود اپنے نفسوں پر کنٹرول کرنے کے۔ کہ ان کے منہ سے ایسی باتیں نکل جاتی ہیں۔ جس سے انکا بغض مسلمانوں کے خلاف ظاہر ہو جاتا ہے۔ وَمَا تُخْفِیْ صُدُوْرُهُمْ (اور جو ان کے سینے چھپانے والے ہیں) یعنی مسلمانوں کے خلاف بغض۔ اَکْبَرُ (وہ بہت بڑا ہے) اس سے جو ان سے ظاہر ہوا۔ قَدْ بَيَّنَّا لَكُمُ الْاٰیٰتِ (تحقیق ہم نے تمہارے لیے آیات کو کھول کر بیان کیا) جو دین میں اخلاص کو لازم کرنے والی ہیں اور اللہ تعالیٰ کے اولیاء سے موالات اور اسکے دشمنوں سے دشمنی کو ظاہر کرنے والی ہیں۔ اِنْ کُنْتُمْ تَعْقِلُوْنَ (اگر تم عقل رکھتے ہو)

۲۵۳۱

تو بیخ مومنین:

۱۱۹: هَآئِنتُمْ اُولَآءِ تُحِبُّوْنَهُمْ وَلَا يُحِبُّوْنَكُمْ وَتُؤْمِنُوْنَ بِالْكِتٰبِ كُلِّهِ وَإِذَا لَقُوْكُمْ قَالُوْا اٰمَنَّا وَاِذَا خَلَوْا عَضُّوْا عَلٰیكُمْ الْاَنَامِلَ مِنَ الْغِيْظِ قُلْ مُوتُوْا بِغِيْظِكُمْ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌ بِذٰتِ الصُّدُوْرِ۔ (دیکھو تم تو وہ ہو کہ)

منافقین سے موالات کی غلطی:

نحو: ہا حرف تنبیہ ہے۔ انتم مبتداء اور اولاء خبر یعنی تم منافقین اہل کتاب کی موالات میں غلطی کھانے والے ہو۔ تُحِبُّوْنَهُمْ وَلَا يُحِبُّوْنَكُمْ (تم ان سے محبت کرتے ہو اور وہ تم سے محبت نہیں کرتے) اس میں منافقین کے ساتھ موالات کی غلطی ظاہر کی گئی کہ تم اپنی محبت اہل بغض کیلئے صرف کرتے ہو یا اولاء موصول ہے اور اس کا صلہ تُحِبُّوْنَهُمْ ہے اور تُوْمِنُوْنَ بِالْكِتٰبِ كُلِّهِ (اور تم تمام کتابوں پر ایمان رکھتے ہو) کُلِّهِ جملہ حالیہ ہے۔ اور اس پر عامل: لَا يُحِبُّوْنَكُمْ ہے تقدیر کلام اس طرح ہے لَا يُحِبُّوْنَكُمْ وَالْحَالِ اَنْكُمْ تُوْمِنُوْنَ بِكِتَابِهِمْ كُلِّهِ وَهُمْ مَعَ ذٰلِكَ يَبْغِضُوْنَكُمْ فَمَا بِالْكُمْ تُحِبُّوْنَهُمْ وَهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِشَيْءٍ مِّنْ كِتَابِكُمْ۔ یعنی وہ تم سے محبت نہیں رکھتے اور حال یہ ہے کہ تم انکی ساری کتاب پر ایمان رکھتے ہو۔ وہ اسکے باوجود تم سے بغض رکھتے ہیں۔ پھر تمہیں کیا ہوا کہ تم ان سے محبت کرتے ہو حالانکہ وہ تمہاری کتاب میں سے کسی چیز پر ایمان نہیں رکھتے اس میں سخت تو بیخ ہے کہ جتنے تم لوگ حق پر مضبوط ہو اس سے زیادہ وہ باطل پر سخت ہیں۔

یہ بھی کہا گیا ہے کہ الکتاب کا الف لام جنسی ہے۔ اس صورت میں معنی یہ ہوگا تم ہی سب کتابوں پر ایمان رکھتے ہو۔ پہلی صورت میں الف لام عہدی ہے۔ وَإِذَا لَقُوْكُمْ قَالُوْا اٰمَنَّا (جب وہ تم سے ملتے ہیں تو زبان سے کہتے ہیں ہم ایمان لائے) یعنی کلمہ توحید کا اظہار کرتے ہیں۔ وَإِذَا خَلَوْا (جب وہ تم سے جدا ہوتے ہیں) یا ایک دوسرے کے ساتھ خلوت میں جاتے ہیں۔ عَضُّوْا عَلٰیكُمْ الْاَنَامِلَ مِنَ الْغِيْظِ (وہ غصہ سے تم پر انگلیاں کاٹتے ہیں) غصہ اور ندامت والے آدمی کیلئے عض انامل، بنان، ابہام سے تعبیر کرتے ہیں۔ یعنی تمہاری سلطنت دیکھ کر شدت غضب سے انگلیاں چباتے ہیں۔

کلمہ بددعا:

قُلْ مُوتُوْا بِغِيْظِكُمْ (کہہ دو! اے کافرو تم اپنے غصہ میں مر جاؤ) یہ ان کے خلاف بددعا ہے کہ اللہ کرے انکا غصہ اتنا بڑھے کہ وہ ہلاک ہو جائیں۔ مراد زیادتی غیظ سے یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اسلام اور اہل اسلام کو مزید قوت دے جس سے انکا غصہ بڑھے۔ اور اس میں ان کی کتنی ہی ذلت و رسوائی ہے۔

اللہ جل شانہ منافقین کے تمام افعال و اقوال سے واقف ہے:

اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌ بِذٰتِ الصُّدُوْرِ (بے شک اللہ تعالیٰ سینوں کی باتوں کو جانتے ہیں) وہ جانتے ہیں جو منافقین اپنے دلوں میں بغض و عداوت چھپائے ہوئے ہیں اور جو افعال وہ ایک دوسرے کو ملتے وقت کرتے ہیں وہ ان کے منجملہ اقوال میں داخل ہے۔ یعنی اللہ نے فرمایا ان کو اس غصے کی اطلاع دو جسکی بناء پر وہ علیحدگی میں افسوس سے اپنی انگلیاں کاٹتے ہیں۔ اور انہیں کہیں کہ اللہ

تعالیٰ تو اس سے بھی مطلع ہیں جو چھپائی جانے والی چیزوں میں بہت ہی مخفی ہے اور وہ دل کے اسرار و رموز ہیں۔ پس مت گمان کرو کہ تمہاری کوئی مخفی چیز اس پر پوشیدہ رہ سکتی یا کہنے سے خارج ہے۔ یعنی اے محمد ﷺ ان سے کہہ دیں اور میری اس اطلاع پر جو ان کے رازداروں کے سلسلہ میں دی ہے۔ تعجب نہ کریں کیونکہ میں تو اس سے بھی مخفی ترین کو جانتا ہوں اور وہ ان کے دلوں کے راز ہیں۔

۱۲۰: اِنْ تَمَسَّسْكُمْ حَسَنَةٌ تَسُوءُكُمْ وَاِنْ تُصِبْكُمْ سَيِّئَةٌ يَّفْرَحُوا بِهَا۔ وَاِنْ تَصْبِرُوا وَتَتَّقُوا لَا يَضُرُّكُمْ كَيْدُ هُمْ شَيْئًا اِنَّ اللَّهَ بِمَا يَعْمَلُونَ مُحِيطٌ۔ (اگر تمہیں کوئی بھلائی ملے) حسنہ سے مراد خوشحالی، سرسبزی اور غنیمت و نصرت تَسُوءُكُمْ (وہ ان کو بری لگتی ہے) یعنی اس کا ملنا ان کو غم زدہ کر دیتا ہے وَاِنْ تُصِبْكُمْ سَيِّئَةٌ (اگر تمہیں کوئی تکلیف پہنچتی ہے) یعنی بدحالی، تنگ دستی، دشمن کا غلبہ، آیت میں اِس کے الفاظ کو الاصابہ کی جگہ بطور استعارہ استعمال کیا گیا ہے۔ گویا کہ دونوں کا معنی ایک ہی ہے کیا تم اس ارشاد الہی کی طرف نظر نہیں کرتے اِنْ تُصِبْكَ حَسَنَةٌ تَسُوءُكُمْ وَاِنْ تُصِبْكَ مَصِيبَةٌ (التوبہ: ۵۰) يَّفْرَحُوا بِهَا۔ (وہ اس پر خوش ہوتے ہیں) وہ اس کے پہنچنے پر خوشیاں مناتے ہیں۔

دشمن کی مکاریوں پر صبر و تقویٰ کا دامن تھام لو:

وَاِنْ تَصْبِرُوا (اور اگر تم صبر کرو) اگر تم انکی عداوت پر صبر کرو وَتَتَّقُوا (اور تقویٰ کے ساتھ رہو) اور انکی موالات سے

بچتے رہو۔

دوسری تفسیر: یا تم حکم الہی کی تعمیل میں حاصل ہونے والی مشقتوں پر صبر کرو اور اللہ تعالیٰ کے ممنوع کردہ اعمال سے پرہیز کرو۔ لَا يَضُرُّكُمْ كَيْدُ هُمْ شَيْئًا (انکی مکاری تمہارا کچھ نقصان نہ کر سکے گی) اس حال میں کہ تم اللہ تعالیٰ کی پناہ میں ہو۔

مَسْئَلَةٌ: یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے مسلمان کو تعلیم و ارشاد ہے کہ دشمن کی مکاریوں پر صبر و تقویٰ کے ذریعہ اللہ تعالیٰ سے مدد طلب کرے۔

قول حکماء: ہے کہ اگر تم اپنے حاسدین کو زلانا چاہتے ہو تو اپنے آپ میں فضیلت کا اضافہ کر لو۔

قراءت: کلی، بصری، نافع نے لَا يَضُرُّكُمْ پڑھا ہے یہ اس صورت میں ضار یضیر بمعنی ضررہ ہوگا۔ یہ واضح ہے ان کے علاوہ قراء کی قراءت میں اشکال ہے۔ کیونکہ وہ جواب شرط بنتا ہے۔ جواب شرط مجزوم ہونا چاہیے۔ پس مناسب تو تھا کہ راء پر فتح پڑھا جاتا جیسا کہ مفضل نے عاصم سے نقل کیا ہے۔ البتہ راء پر ضمہ ضاد کے ضمہ کی اتباع میں دیا گیا۔ جیسا کہ مُدُّ یا یاہذا۔ اِنَّ اللَّهَ بِمَا يَعْمَلُونَ (یقیناً اللہ تعالیٰ ان کے اعمال کا)۔

قراءت: یعملون یہ تاء کے ساتھ سہل نے پڑھا ہے یعنی یقیناً اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال جو صبر و تقویٰ کی قسم سے ہیں۔ مُحِيطٌ (احاطہ کرنے والے ہیں) پس تمہارے ساتھ وہ سلوک فرمائیں گے۔ جس کے تم اہل ہو۔ باقی قراء نے یا کے ساتھ پڑھا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ وہ جاننے والا ہے جو کچھ وہ عمل کرتے ہیں تمہاری دشمنی کے سلسلہ میں پس وہ ان کو اس پر سزا دے گا۔

وَإِذْ غَدَوْتَ مِنْ أَهْلِكَ تُبَوِّئُ الْمُؤْمِنِينَ مَقَاعِدَ لِلْقِتَالِ ۖ وَاللَّهُ

اور جب آپ اپنے گھر سے صبح کے وقت نکلے مسلمانوں کو قتال کرنے کے لئے مقامات بتا رہے تھے، اور اللہ

سَمِيعٌ عَلِيمٌ ﴿۱۲۱﴾ إِذْ هَمَّتْ طَّائِفَتٌ مِنْكُمْ أَنْ تَفْشَلَا ۖ وَاللَّهُ وَلِيُّهُمَا ۖ

سننے والا جاننے والا ہے۔ جب ارادہ کیا دو جماعتوں نے تم میں سے کہ بزدل ہو جائیں، اور اللہ ان کا ولی تھا

وَعَلَى اللَّهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُونَ ﴿۱۲۲﴾

اور اللہ پر بھروسہ کریں مومن بندے۔

۱۲۱: وَإِذْ غَدَوْتَ مِنْ أَهْلِكَ تُبَوِّئُ الْمُؤْمِنِينَ مَقَاعِدَ لِلْقِتَالِ وَاللَّهُ سَمِيعٌ عَلِيمٌ۔ (اور جب تم صبح کے وقت اپنے گھر سے چلے) اے محمد ﷺ تم یاد کرو اس وقت کو جب تم مدینہ میں اپنے اہل سے صبح کے وقت نکلے۔ یہاں مراد آپ کا حجرہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے احد کی طرف روانہ ہونا ہے۔ تُبَوِّئُ الْمُؤْمِنِينَ (تم مومنوں کو ٹھہرا رہے تھے) یہ حال ہے۔ مَقَاعِدَ لِلْقِتَالِ لڑائی کے مواقع پر، موطن یعنی میمنہ، میسرہ، قلب، جناحین، ساقہ پر ایمان والوں کو ٹھیک بیٹھا رہے تھے۔ لِلْقِتَالِ یہ تُبَوِّئُ سے متعلق ہے۔ اِی تُبَوِّئُ لِلْقِتَالِ۔ وَاللَّهُ سَمِيعٌ۔ (اللہ تعالیٰ تمہارے اقوال کو خوب سننے والا) اور عَلِيمٌ تمہاری نیت اور دل کے اسرار کو جاننے والا ہے۔

غزوہ احد کو روانگی بدھ کے روز:

روایت میں وارد ہے کہ مشرکین احد میں بدھ کو آٹھہرے رسول اللہ ﷺ نے اپنے صحابہ رضی اللہ عنہم سے مشورہ کیا اور مشورہ کیلئے عبد اللہ بن ابی کو بھی بلایا۔ اس سے مشورہ طلب کیا تو اس نے کہا آپ مدینہ میں قیام فرمائیں۔ ہم جب بھی دشمن کی طرف نکل کر گئے ہیں۔ تو ہمیں نقصان اٹھانا پڑا اور جب دشمن ہم پر داخل ہوا تو اس نے شکست کھائی ہے۔ اس پر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا۔ میں نے خواب میں اپنے گرد مذبح گائے دیکھی ہے۔ پس میں نے اس کی تاویل بھلائی سے کی ہے۔ اور میں نے اپنی تلوار کی دھار میں دندانے دیکھے۔ اس کی تعبیر میں نے شکست سے کی ہے۔ اور میں نے یہ بھی دیکھا کہ میں نے اپنا ہاتھ ایک محفوظ زرہ میں داخل کر دیا۔ اس زرہ کی تعبیر میں نے مدینہ سے کی ہے۔ لیکن کچھ لوگ آپ کے سامنے شہادت کا شوق ظاہر کرتے رہے یہاں تک کہ آپ نے اپنا خود پہن لیا۔ پھر وہ شرمسار ہو کر کہنے لگے۔ آپ کو اختیار ہے یا رسول ﷺ تو فرمایا رسول اللہ ﷺ نے کسی پیغمبر کیلئے مناسب نہیں کہ اپنی خود زیب تن کر لے پھر لڑائی سے قبل اس کو اتار دے۔ چنانچہ آپ ﷺ نماز جمعہ کے بعد روانہ ہوئے۔ اور بنتے کی صبح احد کی گھاٹی میں پہنچے جبکہ پندرہ شوال ۳ھ تھی۔

بنو حارثہ و بنو سلمہ کے ساتھ اللہ کی ولایت:

۱۲۲: اِذْهَمَّتْ طَّائِفَتٌ مِّنْكُمْ اَنْ تَفْشَلَا وَاللّٰهُ وَلِيُّهُمَا وَعَلٰى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُونَ۔ اِذْهَمَّتْ (جب ارادہ کیا) یہ اذغذوت سے بدل ہے۔ یا علیم کے معنی نے اس میں عمل کیا ہے۔ طَّائِفَتٌ مِّنْكُمْ (دو گروہوں نے تم میں سے) اس سے مراد انصار کے دو قبیلے بنو سلمہ جو خزرج کی شاخ تھی اور بنو حارثہ جو اوس کی شاخ تھی مراد ہیں۔ آپ ﷺ احد کی طرف ایک ہزار لڑنے والوں کے ساتھ مدینہ سے روانہ ہوئے تھے۔ جبکہ مشرکین مکہ کی نفری تین ہزار افراد پر مشتمل تھی۔ اور آپ ﷺ نے ان سے جے رہنے کی صورت میں فتح کا وعدہ فرمایا۔ راستہ میں عبداللہ بن ابی لشکر کا تیسرا حصہ اپنے ساتھ لیکر واپس لوٹ گیا اور یہ کہا ہم اپنی جانوں اور اولادوں کو کیوں کٹوائیں؟ بنو حارثہ و بنو سلمہ نے بھی اسکے پیچھے جانے کا ارادہ کیا مگر اللہ تعالیٰ نے ان کو اس بات سے محفوظ کر لیا۔ پس وہ آپ ﷺ کے ساتھ رہے۔ اَنْ تَفْشَلَا (یہ کہ ہمت ہار دیں) وہ جبن و ضعف کی وجہ سے بزدلی اختیار کریں۔ الفشل نامردی اور بزدلی کو کہتے ہیں۔ وَاللّٰهُ وَلِيُّهُمَا (اور اللہ تعالیٰ ان کا محب و ناصر تھا) یا ان کے معاملے کا مالک تھا۔ پھر وہ کیوں بزدلی کرنے والے ہیں اور اللہ تعالیٰ پر کیوں کر بھروسہ نہیں کرتے؟ وَعَلٰى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُونَ (اور اللہ تعالیٰ ہی پر ایمان والوں کو بھروسہ کرنا چاہیے)۔ یعنی ان کا معاملہ یہ ہے کہ وہ اسی ہی پر بھروسہ کریں اور اپنے تمام معاملات کو اسی ہی کے سپرد کریں۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں اللہ تعالیٰ کی قسم! ہمیں یہ بات اچھی نہیں لگتی کہ ہم نے ارادہ نہ کیا ہوتا جو ہم نے کیا۔ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے ہمیں اطلاع دی ہے کہ وہ ہمارا ولی و کار ساز ہے۔

وَلَقَدْ نَصَرَكُمُ اللَّهُ بِبَدْرِ وَانْتُمْ اَذِلَّةٌ ۚ فَاتَّقُوا اللَّهَ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ ﴿۱۲۳﴾

اور بلاشبہ اللہ نے بدر میں تمہاری مدد فرمائی، حالانکہ تم کمزور حالت میں تھے پس اللہ سے ڈرو تاکہ تم شکر گزار ہو۔

اِذْ تَقُولُ لِلْمُؤْمِنِيْنَ اَلَنْ يَّكْفِيَكُمْ اَنْ يُّمِدَّكُمْ رَبُّكُمْ بِثَلَاثَةِ اَلْفٍ

جب آپ مؤمنین سے فرما رہے تھے کیا تمہیں یہ کافی نہ ہو گا کہ تمہارا رب تین ہزار فرشتوں کے ذریعہ تمہاری

مِّنَ الْمَلٰٓئِكَةِ مُنْزِلِيْنَ ﴿۱۲۴﴾ بَلٰٓءٌ اِنْ تَصْبِرُوْا وَتَتَّقُوا وَيَاۤتُوْكُمْ مِّنْ

مدد فرما دے جو اتارے گئے ہوں۔ ہاں اگر تم صبر کرو اور تقویٰ اختیار کرو اور دشمن تم پر فوراً

فَوْرٍ هُمْ هٰذَا يُمِدُّكُمْ رَبُّكُمْ بِخَمْسَةِ اَلْفٍ مِّنَ الْمَلٰٓئِكَةِ مُسَوِّمِيْنَ ﴿۱۲۵﴾

آہنچے تو اللہ تمہاری مدد فرمائے گا پانچ ہزار فرشتوں کے ذریعہ، جن پر نشان لگے ہوئے ہوں گے،

وَمَا جَعَلَهُ اللَّهُ اِلَّا بُشْرٰى لَّكُمْ وَلِتَطْمَیْنَنَّ قُلُوْبُكُمْ بِهِ ۖ وَمَا النَّصْرُ اِلَّا مِّنْ

اور اللہ نے یہ مدد صرف اس لئے کی کہ تمہارے لئے بشارت ہو۔ اور تمہارے دل اس سے مطمئن ہوں۔ اور مدد نہیں ہے مگر صرف

عِنْدَ اللَّهِ الْعَزِيْزِ الْحَكِيْمِ ﴿۱۲۶﴾ لِيَقْطَعَ طَرَفًا مِّنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا اَوْ يَكْبِتَهُمْ

اللہ کی طرف سے جو زبردست ہے حکمت والا ہے۔ تاکہ کافروں میں سے ایک گروہ کو ہلاک کر دے یا ان کو ذلیل کر دے

فَيَنْقَلِبُوْا خَاۡبِيْنَ ﴿۱۲۷﴾

تو وہ واپس ہو جائیں محروم ہو کر۔

نہایت ۱۲۳: وَلَقَدْ نَصَرَكُمُ اللَّهُ بِبَدْرِ وَانْتُمْ اَذِلَّةٌ فَاتَّقُوا اللَّهَ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ۔ اس میں بدر کا واقعہ یاد دلایا جو موجب توکل تھا۔ اس لیے کہ اس میں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو فتح عنایت فرمائی جب کہ وہ کمزور بھی تھے اور تعداد میں بھی کم تھے۔ بدر کی یاد دہانی:

وَلَقَدْ نَصَرَكُمُ اللَّهُ بِبَدْرِ (البتہ تحقیق تمہاری اللہ بدر میں مدد فرما چکا) بدر۔ یہ مکہ و مدینہ کے درمیان ایک کنواں ہے۔ جس کو بدر نامی آدمی نے کھدوایا تھا۔ یا احد کے بعد بدر کا ذکر کیا تاکہ صبر و شکر جمع ہو جائیں۔

قلت کی کیفیت:

وَانْتُمْ اَذِلَّةٌ (اور تم تعداد میں کم تھے) مسلمانوں کی تعداد تین سو تیرہ (۳۱۳) سے تین سو انیس (۳۱۹) کے درمیان تھی جبکہ

دشمن ایک ہزار جنگجوؤں پر مشتمل تھا۔ اور سامان کی کمزوری کا حال یہ تھا کہ پانی بردار اونٹوں پر باری باری سوار ہوتے تھے۔ جنگی تعداد کل ستر تھی اور ایک گھوڑا تھا۔ حالانکہ دشمنوں کے پاس سو گھوڑے۔ اسلحہ اور شان و شوکت تھی۔

نکتہ: اللہ تعالیٰ نے اَذَلَّةٌ بَرُوزِنَ اَفْعَلَةٌ جمع قلت ذکر کیا تاکہ سوار یوں اور ہتھیاروں کی کمی کے اظہار کے ساتھ مسلمانوں کی قلت تعداد کا بھی اظہار ہو۔ فَاتَّقُوا اللَّهَ (تم اللہ سے ڈرو) تم اپنے رسول ﷺ کے ساتھ ثابت قدمی میں اللہ تعالیٰ سے ڈرو۔ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ (تاکہ تم شکر ادا کرو) اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے تم کو فتح عنایت فرمائی ہے۔ شکر یہ کا طریق ثابت قدم رہ کر اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو۔ اس میں بتلا دیا کہ بندہ کو اللہ تعالیٰ کی نعمت کی طرف رغبت شکر یہ کی غرض سے ہونی چاہیے۔

دوسرا بدل:

۱۲۴: اِذْ تَقُولُ لِلْمُؤْمِنِينَ اَلَنْ يَكْفِيَكُمْ اَنْ يُمِدَّكُمْ رَبُّكُمْ بِثَلَاثَةِ اَلْفٍ مِّنَ الْمَلَائِكَةِ مُنْزَلِينَ۔ (جب تم ایمان والوں کو کہہ رہے تھے)

خجور: یہ نصرکم کا ظرف ہے۔ اس طور پر کہ بدر کے دن ان کو فرمایا، مطلب یہ ہوا کہ اس نے تمہاری مدد کی جبکہ تم یہ کہہ رہے تھے۔ یا اذ غدوت سے دوسرا بدل ہے۔ اس طور پر کہ احد کے دن ان کو فرمایا۔ اَلَنْ يَكْفِيَكُمْ اَنْ يُمِدَّكُمْ رَبُّكُمْ بِثَلَاثَةِ اَلْفٍ مِّنَ الْمَلَائِكَةِ مُنْزَلِينَ (کیا کافی نہیں کہ تمہاری امداد کرے اللہ تعالیٰ تین ہزار فرشتوں کو اتار کر)

استفہام انکاری:

قراءت: شامی نے مُنْزَلِينَ پڑھا۔ ابو حیوہ نے مُنْزَلِينَ پڑھا اور مراد منزلیں النصرۃ بتلائی۔ مطلب آیت کا یہ ہے اَلَنْ يَكْفِيَكُمْ استفہام انکاری ہے کیا تمہیں تین ہزار فرشتوں کی امداد کافی نہیں، یعنی کافی ہے۔ نکتہ: اَلَنْ نفی تاکید کا لا کر اشارہ کر دیا کہ مسلمان اپنی کمزوری اور قلت تعداد اور دشمن کی کثرت و قوت کو دیکھ کر فتح سے گویا ناامید تھے۔ (ایسی حالت میں اللہ تعالیٰ کی مدد آئی)

۱۲۵: بَلَىٰ اِنْ تَصْبِرُوْا وَتَتَّقُوا وَيَاْتُوْكُمْ مِّنْ فَوْرِهِمْ هٰذَا يُمِدْكُمْ رَبُّكُمْ بِخُمْسَةِ اَلْفٍ مِّنَ الْمَلَائِكَةِ مُسَوِّمِينَ۔

فوری و کافی مدد:

بلی (کیوں نہیں) نفی تاکید بَلَىٰ کے بعد بلی کو ایجاب کے لیے لائے کہ اتنے فرشتوں سے امداد تمہارے لیے کافی ہے پس کفایت کو لازم کر دیا۔ پھر فرمایا اِنْ تَصْبِرُوْا (اگر تم صبر کرو) اِنْ تَصْبِرُوْا (اور تقویٰ اختیار کرو) اور رسول اللہ ﷺ کی مخالفت سے بچو۔ وَيَاْتُوْكُمْ (اور وہ لوگ تم پر آئیں) اور تمہارے پر مشرکین مِّنْ فَوْرِهِمْ هٰذَا (اسی دم) آپریں۔ یہ فور کا لفظ فار القدر سے لیا گیا جبکہ وہ جوش مارے تیزی کیلئے بطور استعارہ استعمال کیا گیا۔ پھر اس سے اس حالت کی تعبیر کی جاتی ہے جس میں دیر نہ ہو۔ اور کسی دوسری طرف توجہ نہ کی جائے۔ کہا جاتا ہے کہ خرج من فوره وہ فوراً نکل گیا۔ جیسا کہ تم اس طرح کہتے ہو۔ خرج من ساعته ولم يلبث کہ وہ اسی گھڑی بلا روکے نکل گیا۔ کرنی ﷺ کے قول میں یہی معنی ہے۔ الا امر

المطلق على الفور لا على التراخي۔ کہ امر مطلق کی تعمیل اسی گھڑی لازم ہے تاخیر کرنا جائز نہیں۔ اب مطلب آیت کا یہ ہے کہ اگر وہ تمہاری اسی گھڑی میں آگئے۔ **هَذَا يُمَدِّدُكُمْ رَبُّكُمْ بِخُمْسَةِ اَلْفٍ مِّنَ الْمَلٰٓئِكَةِ** (تمہارا رب پانچ ہزار فرشتوں سے تمہاری یہ امداد فرمائے گا) یعنی ان کی آمد کی صورت میں فرشتوں کی آمد ان کے آنے سے متاخر نہ ہوگی حاصل یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ تمہاری جلد جلد مدد کرے گا۔ اور تمہیں فتح میسر فرمائے گا اگر تم صبر و تقویٰ پر قائم رہو گے۔

نشان وار گھوڑے:

مُسَوِّمِينَ (نشاندار)

قراءت: **مُسَوِّمِينَ** واؤ کے کسرہ کے ساتھ کی ابو عمرو، عاصم، سہل نے معلمین انفسہم اپنے نفوس کو ظاہر کرنے والے یا اپنے گھوڑوں کو ایسی علامت سے ظاہر کرنے والے ہونگے جس سے وہ لڑائی میں پہچانے جائیں گے۔ السومة علامت کو کہا جاتا ہے۔ ضحاک کا قول ہے کہ وہ سفید اون کا نشان اپنے گھوڑوں کی پیشانیوں اور دموں پر لگانے والے ہونگے۔

دوسرے قراء نے واؤ کے فتح کے ساتھ پڑھا ہے۔ نشان زدہ ہونگے۔ کبھی کا قول یہ ہے وہ زرد رنگ کے عمامے پہنے ہونگے ان کے پلے اپنے کندھوں پر لٹکانے والے ہونگے۔ حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کا عمامہ بدر کے دن زرد رنگ کا تھا۔ فرشتے بھی زرد عماموں میں نازل ہوئے۔ قتادہ کا قول یہ ہے کہ تین ہزار پھر پانچ ہزار فرشتے اترے۔

فرشتوں کی مدد صرف بشارت فتح ہے:

۱۲۶: **وَمَا جَعَلَهُ اللّٰهُ اِلَّا بُشْرٰی لَّكُمْ وَلَتَطْمَئِنَّ قُلُوْبُكُمْ بِهٖ وَمَا النَّصْرُ اِلَّا مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ الْعَزِیْزِ الْحَكِیْمِ۔** (اور اللہ تعالیٰ نے اس امداد کو بنایا) اور اللہ تعالیٰ نے اس امداد کو خوشخبری بنایا۔ ہ کی ضمیر اس امداد کی طرف راجع ہے۔ جو ان یمدکم سے ثابت ہوئی۔ **اِلَّا بُشْرٰی لَّكُمْ** (خوشخبری تمہارے لئے) یعنی اللہ تعالیٰ نے تم کو فرشتوں سے مدد صرف اس لئے دی تاکہ تمہیں فتح کی بشارت ہو۔ **وَلَتَطْمَئِنَّ قُلُوْبُكُمْ بِهٖ** (تاکہ تمہارے دل اس سے مطمئن ہوں) جس طرح سیکنہ بنی اسرائیل کے لئے بشارت نصرت تھی اور دلوں کے اطمینان کا باعث تھی۔ **وَمَا النَّصْرُ اِلَّا مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ** (اور درحقیقت فتح اللہ تعالیٰ ہی کی طرف سے ہوتی ہے) نہ لڑنے والوں کی طرف سے اور نہ ملائکہ کی طرف سے۔ لیکن یہ وہ چیز ہے۔ جس سے مدد کی امید اور رحمت کی طمع مضبوط تر ہوتی ہے۔ **الْعَزِیْزِ** (زبردست) وہ ذات جس کے فیصلوں میں اس پر کوئی غالب نہیں آسکتا۔ **الْحَكِیْمِ** (حکمت والا) جو کہ اپنے اولیاء کو مدد دیتا ہے اور دشمن کے ساتھ جہاد سے انکی آزمائش کرتا ہے۔

قتل کفار کی بشارت:

۱۲۷: **لَيَقْطَعَنَّ طَرَفًا مِّنَ الَّذِیْنَ كَفَرُوْۤا اَوْ يَكْبِتْهُمْ فَيَنْقَلِبُوْۤا خٰٓئِبِیْنَ** (تاکہ کافروں کی ایک جماعت کو ہلاک کر دے) قتل و قید کے ذریعے چنانچہ بدر میں ستر کافر قتل ہوئے اور ستر سردار قید ہوئے۔ **لَيَقْطَعَنَّ** کی لام۔ نمبر ۱۔ **لَقَدْ نَصَرَكُمُ اللّٰهُ** سے متعلق ہے یا نمبر ۲۔ **وَمَا النَّصْرُ اِلَّا مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ** سے متعلق ہے یا نمبر ۳۔ **يُمَدِّدُكُمْ رَبُّكُمْ** سے متعلق ہے۔

اَوْ يَكْبِتْهُمْ یا انکو رسوا کرے اور شکست سے غصہ دلا کر لوٹائے۔ **الکبت**۔ دراصل شدید بزدلی جو دل میں رچ جائے اور اسکی

لَيْسَ لَكَ مِنَ الْأَمْرِ شَيْءٌ أَوْ يَتُوبَ عَلَيْهِمْ أَوْ يُعَذِّبَهُمْ فَإِنَّهُمْ ظَالِمُونَ ﴿١٢٨﴾

آپ کو کچھ بھی اختیار نہیں ہے، اللہ چاہے تو ان کو توبہ کی توفیق دے یا ان کو عذاب دے کیونکہ وہ ظلم کرنے والے ہیں،

وَلِلَّهِ مَا فِي السَّمُوتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ ۖ يَغْفِرُ لِمَن يَشَاءُ وَيُعَذِّبُ

اور اللہ ہی کے لئے ہے جو کچھ آسمانوں میں اور جو کچھ زمین میں ہے۔ وہ مغفرت فرماتا ہے جس کی چاہے اور عذاب دیتا ہے

مَن يَشَاءُ ۖ وَاللَّهُ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ﴿١٢٩﴾

جس کو چاہے۔ اور اللہ غفور ہے رحیم ہے۔

وجہ سے آدمی منہ کے بل گر جائے۔ فَيَنْقَلِبُوا خَائِبِينَ پس وہ اپنے شہروں کو اس حالت میں لوٹیں کہ اپنے مقصد میں ناکام ہوں۔

تمام اختیارات کا مالک صرف اللہ تعالیٰ ہی ہے:

۱۲۸: لَيْسَ لَكَ مِنَ الْأَمْرِ شَيْءٌ أَوْ يَتُوبَ عَلَيْهِمْ أَوْ يُعَذِّبَهُمْ فَإِنَّهُمْ ظَالِمُونَ۔ (آپ کو اس امر کا کوئی اختیار نہیں)

نَحْوُ: لَيْسَ کا اسم شئیء ہے اور لَكَ اسکی خبر ہے اور مِنَ الْأَمْرِ یہ شئیء کا حال ہے کیونکہ وہ صفت ہے جس کو پہلے لایا گیا ہے۔

أَوْ يَتُوبَ عَلَيْهِمْ (یا ان کی توبہ قبول کرے) نَحْوُ: اس کا عطف لِيَقْطَعَ طَرَفًا مِنَ الَّذِينَ كَفَرُوا أَوْ يَكْتَسِبُهُمْ پر ہے۔

اور لَيْسَ لَكَ جملہ معترضہ ہے۔ جو معطوف علیہ اور معطوف کے درمیان حائل ہو گیا ہے۔ مطلب آیت کا یہ ہے اللہ تعالیٰ ان کے

معاملے کا مالک ہے خواہ ان کو ہلاک کر دے یا شکست سے دوچار کرے یا انکی توبہ قبول کر لے کہ وہ اسلام لے آئیں۔ أَوْ يُعَذِّبَهُمْ

(یا ان کو عذاب دے) اگر وہ کفر پر مصر رہیں اور آپ کو ان کے معاملے کا کچھ اختیار نہیں۔ آپ تو مبعوث بندے ہیں تاکہ ان کو

ڈرامیں اور ان سے جہاد کریں۔

نَحْوُ: فراء نحوی کے ہاں آو۔ حَتَّى کے معنی میں ہے۔ اور ابن عیسیٰ کے نزدیک اِلَا ان کے معنی میں ہے۔ جیسا تم کہو:

لَا زِمْنَكَ أَوْ تَعْطِينِي حَقِّي۔ اب مطلب آیت کا یہ ہوگا۔ آپ کو ان کے معاملے میں کچھ اختیار نہیں مگر یہ کہ اللہ تعالیٰ انکی توبہ

قبول کر لے پس آپ انکی حالت پر خوش ہوں۔ یا پھر ان کو سزا دے تاکہ ان سے پلڑا چھوٹ جائے۔ ایک قول یہ بھی ہے کہ

آپ ﷺ نے ان کے متعلق بددعا کا ارادہ فرمایا تو اللہ تعالیٰ نے آپ کو اس سے روک دیا۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ جانتے تھے کہ ان میں

کچھ ایسے لوگ بھی ہیں جو ایمان لائیں گے۔

فَإِنَّهُمْ ظَالِمُونَ (پس بے شک وہ ظالم ہیں) یعنی مستحق سزا ہیں۔

اللہ تعالیٰ کی مغفرت عامہ:

۱۲۹: وَلِلَّهِ مَا فِي السَّمُوتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ ۖ يَغْفِرُ لِمَن يَشَاءُ وَيُعَذِّبُ مَن يَشَاءُ ۖ وَاللَّهُ غَفُورٌ رَّحِيمٌ۔ (اور اللہ تعالیٰ

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَأْكُلُوا الرِّبَا أَضْعَافًا مُّضَاعَفَةً وَاتَّقُوا

اے ایمان والو! مت کھاؤ سود چند در چند بڑھا کر اور اللہ سے

اللَّهُ لَعَلَّكُمْ تَفْلِحُونَ ﴿٣٠﴾ وَاتَّقُوا النَّارَ الَّتِي أُعِدَّتْ لِلْكَافِرِينَ ﴿٣١﴾

ڈرو تاکہ تم کامیاب ہو جاؤ۔ اور ڈرو اس آگ سے جو تیار کی گئی ہے کافروں کے لئے۔

وَاطِيعُوا اللَّهَ وَالرَّسُولَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُونَ ﴿٣٢﴾ وَسَارِعُوا إِلَىٰ مَغْفِرَةٍ

اور اطاعت کرو اللہ کی اور اس کے رسول کی تاکہ تم پر رحم کیا جائے اور جلدی آگے بڑھو مغفرت کی طرف

مِّن رَّبِّكُمْ وَجَنَّةٍ عَرْضُهَا السَّمُوتُ وَالْأَرْضُ ۚ أُعِدَّتْ لِلْمُتَّقِينَ ﴿٣٣﴾

جو تمہارے رب کی طرف سے ہے۔ اور جنت کی طرف جس کا عرض ایسا ہے جیسے تمام آسمان اور زمین، وہ تیار کی گئی ہے متقیوں کے لئے

ہی کیلئے ہے جو کچھ آسمانوں میں اور جو کچھ زمین میں ہے (یعنی اختیار اللہ تعالیٰ ہی کے پاس ہے نہ کہ آپ کے کیونکہ آسمان و زمین اس کی ملکیت ہے۔ يَغْفِرُ لِمَن يَشَاءُ (وہ جس کو چاہیں بخش دیں) یعنی ایمان والوں کو۔ وَيُعَذِّبُ مَن يَشَاءُ (اور عذاب دیں جس کو چاہیں) یعنی کفار کو۔ وَاللَّهُ غَفُورٌ رَّحِيمٌ (اور اللہ تعالیٰ بخشن ہمارا رحمت کرنے والے ہیں)

سود کی مذمت:

۱۳۰: يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَأْكُلُوا الرِّبَا أَضْعَافًا مُّضَاعَفَةً وَاتَّقُوا اللَّهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ (اے ایمان والو! نہ کھاؤ سود دونا دو گنا) قراءت: مُّضَاعَفَةً عین کی تشدید سے مکی و شامی نے پڑھا ہے۔ اس آیت میں ربا سے ممانعت کی گئی ہے اور دونا، دو گنا سود لینے کی جو رسم ان میں پائی جاتی تھی۔ اسکی مذمت کی انکا حال یہ تھا کہ جب قرض اپنے وقت کو پہنچ جاتا تو قرض خواہ کہتا یا تو میرا حق واپس کر یا پھر سود دے اور مدت میں اضافہ کروالے۔ وَاتَّقُوا اللَّهَ (تم اسکے کھانے میں) اللہ تعالیٰ سے ڈرو۔ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ (تاکہ تم کامیاب ہو جاؤ)

سب سے زیادہ خوف والی آیت:

۱۳۱: وَاتَّقُوا النَّارَ الَّتِي أُعِدَّتْ لِلْكَافِرِينَ (اور تم بچو اس آگ سے جو کافروں کیلئے تیار کی گئی)

ارشاد امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ! قرآن مجید میں سب سے زیادہ خوف دلانے والی آیت یہ ہے۔ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے ایمان والوں کو خلاف ورزی احکام کی صورت میں اس آگ سے ڈرایا ہے جو کافروں کیلئے تیار کی گئی ہے۔ اور اس کے بعد اپنی رحمت کی امید واری کو خدا اور رسول کی اطاعت سے وابستہ کیا اس طرح کہ واطيعُوا اللَّهَ وَالرَّسُولَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُونَ (کہ اللہ تعالیٰ اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کرو تاکہ تم پر رحم کیا جائے)۔

الَّذِينَ يُنْفِقُونَ فِي السَّرَّاءِ وَالضَّرَّاءِ وَالْكُظُمِينَ الْغِيْظِ وَالْعَافِينَ

جو خرچ کرتے ہیں خوشی میں اور تکلیف میں، اور جو ضبط کرنے والے ہیں غصہ کو، اور جو لوگوں کو

عَنِ النَّاسِ ۝ وَاللَّهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِينَ ۝ وَالَّذِينَ إِذَا فَعَلُوا فَاحِشَةً

معاف کرنے والے ہیں، اور اللہ محبت فرماتا ہے اچھے کام کرنے والوں سے، اور وہ لوگ جنہوں نے جب کوئی بُرا کام کیا

أَوْ ظَلَمُوا أَنْفُسَهُمْ ذَكَرُوا اللَّهَ فَاسْتَغْفَرُوا لِذُنُوبِهِمْ ۖ وَمَنْ يَغْفِرِ

یا اپنی جانوں پر ظلم کیا تو اللہ کو یاد کیا اور اپنے گناہوں کی مغفرت چاہی اور گناہوں کو گون

الذُّنُوبَ إِلَّا اللَّهُ ۖ وَلَمْ يُصِرُّوْا عَلَى مَا فَعَلُوا وَهُمْ يَعْلَمُونَ ۝

بخشے گا سوائے اللہ کے اور انہوں نے اپنے کئے پر اصرار نہیں کیا۔ اور وہ جانتے ہیں،

اللہ کی رضا میں وقار و بلندی ہے:

۱۳۲: وَأَطِيعُوا اللَّهَ وَالرَّسُولَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُونَ۔ (تم اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت کرو تا کہ تم پر رحم کیا جائے) مَسْكَلَةٌ: اس آیت میں مرحۃ فرقہ کی اس بات کی تردید ہے کہ ایمان کے ساتھ کوئی گناہ نقصان دہ نہیں اور آگ سے بالکل اہل ایمان کو سزا نہ دی جائے گی۔

ہم اہلسنت کے نزدیک کفار کے علاوہ گناہگار ایمان والوں کو جہنم میں داخل کیا جائے گا۔ لیکن بالآخر ان کو جنت میں داخل کر دیا جائے گا۔

مفسرین رضی اللہ عنہم کا ارشاد:

لعل اور عسی اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایسے مواقع پر تحقیق کیلئے آتا ہے یعنی بیم آمیز امید کیلئے ہے عارف کامل سے یہ بات مخفی نہیں کہ تقویٰ کا راستہ کتنا باریک و دقیق ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کی رضا کو پالینا کتنا مشکل ہے۔ اور اس کی رحمت و ثواب تک پہنچنے میں کتنا وقار اور بلندی ہے۔

مسارعت مغفرت و جنت:

۱۳۳-۱۳۴: وَسَارِعُوا إِلَىٰ مَغْفِرَةٍ مِّن رَّبِّكُمْ وَجَنَّةٍ عَرْضُهَا السَّمُوتُ وَالْأَرْضُ أُعِدَّتْ لِلْمُتَّقِينَ۔ الَّذِينَ يُنْفِقُونَ فِي السَّرَّاءِ وَالضَّرَّاءِ وَالْكُظُمِينَ الْغِيْظِ وَالْعَافِينَ عَنِ النَّاسِ وَاللَّهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِينَ۔ (اور تم تیزی سے بڑھو اپنے رب کی مغفرت اور جنت کی طرف) مدنی اور شامی نے واؤ کے بغیر سَارِعُوا پڑھا ہے اور جملہ مستانفہ قرار دیا۔ دیگر قراء

نے واؤ کو قائم رکھ کر ماقبل پر عطف کیا ہے۔ المسارعة الى المغفرة والجنة کا مطلب ایسے اعمال کی طرف متوجہ ہونا جو ان دونوں تک لے جانے والے ہوں۔ پھر ان اعمال میں کئی اقوال ہیں۔ نمبر ۱۔ پانچوں نمازیں نمبر ۲۔ تکبیر اولیٰ۔ نمبر ۳۔ اطاعت۔ نمبر ۴۔ اخلاص۔ نمبر ۵۔ توبہ نمبر ۶۔ جمعہ۔ نمبر ۷۔ جماعات۔ عَرْضُهَا السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ (اس کا عرض آسمانوں اور زمین کے برابر ہے) جیسا کہ دوسری آیت میں فرمایا عَرْضُهَا كَعَرْضِ السَّمَاءِ وَالْاَرْضِ (الحدید: ۲۱) اصل مقصود اس کی وسعت و پھیلاؤ کو بیان کرنا ہے۔ اس لئے لوگوں کے علم میں جو سب سے بڑی وسیع چیز ہے۔ اسکے ساتھ تشبیہ دی۔ اور عرض کو خصوصاً ذکر کیا کیونکہ وہ طول سے عادتاً چھوٹا ہوتا ہے تاکہ مبالغہ ہو جائے۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرمایا کرتے تھے۔ اگر ساتوں آسمان اور ساتوں زمینیں ایک دوسرے کے ساتھ جوڑ دیئے جائیں تو جنت کا عرض بنے گا۔

روایات جنت کی عمدہ تطبیق:

اور یہ جو روایات میں وارد ہے کہ جنت ساتویں آسمان میں ہے۔ یا چوتھے آسمان میں ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ جنت اس جہت میں واقع ہے یہ مطلب نہیں کہ وہ چوتھے یا ساتویں آسمان میں ہے۔ جیسا کہ کہا جائے، فی الدار بستان جبکہ وہ اس سے بڑا ہو کیونکہ اس کا مقصد باغ کے دروازہ کا مکان کی طرف ہونا مراد ہے۔

أَعَدَّتْ (تیار کی گئی) یہ جنت کی صفت ہونے کی بناء پر موضع جر میں واقع ہے۔ یعنی وسیع تیار شدہ جنت، لِلْمُتَّقِينَ (وہ متقین کیلئے) ان دونوں آیات سے معلوم ہوا کہ جنت و دوزخ دونوں مخلوق ہیں۔ المتقی سے مراد: نمبر ۱: اشْرَک سے بچنے والا ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا وَجَنَّةٍ عَرْضُهَا كَعَرْضِ السَّمَاءِ وَالْاَرْضِ أَعَدَّتْ لِلَّذِينَ آمَنُوا بِاللَّهِ وَرُسُلِهِ۔ (الحدید: ۲۱) اور جنت جس کا عرض آسمان و زمین کے عرض کی طرح ہے وہ ان لوگوں کیلئے بنائی گئی جو اللہ تعالیٰ اور اسکے رسولوں پر ایمان لائے۔ نمبر ۲۔ دوسرا قول گناہوں سے بچنے والا متقی ہے۔ پس اگر دوسرا قول مراد ہو تو پھر بغیر عقوبت جنت میں جانا مراد ہوگا۔ اور اگر اول مراد لی جائے تو وہ بھی انجام کار ہوگی۔ الَّذِينَ يُنْفِقُونَ فِي السَّرَّاءِ وَالضَّرَّاءِ (جو خرچ کرتے ہیں فراغت میں اور تنگی میں)۔

قرأت ونحو:

اگر وَالَّذِينَ إِذَا فَعَلُوا فَاحِشَةً پَر عطف ڈال کر الَّذِينَ يُنْفِقُونَ فِي السَّرَّاءِ وَالضَّرَّاءِ کو مبتداء قرار دیا جائے اور اُولَٰئِكَ کو خبر بنایا جائے۔ تو یہاں وقف ہوگا۔ اور سَرَّاءِ، ضَرَّاءِ میں خرچ سے مراد تنگدستی و خوشحالی میں خرچ کرنا ہوگا۔ نمبر ۲۔ اگر۔ الَّذِينَ يُنْفِقُونَ کو متقین کی صفت قرار دیا جائے اور وَالَّذِينَ إِذَا فَعَلُوا کا عطف اس پر ڈالا جائے۔ پھر وقف نہ ہوگا اور مطلب آیت کا یہ بنے گا وہ جنت متقین اور تائبین کے لئے تیار کی گئی ہے۔

ایک سوال کا جواب:

سوال: آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ جنت تو متقین اور تائبین کیلئے بنائی گئی ہے اصرار کرنے والوں کیلئے نہیں۔

جواب: یہ درست ہے کہ ان دونوں قسم کے لوگوں کیلئے تیار کی گئی ہو پھر محض فضل و عفو الہی سے دوسرے بھی داخل ہو جائیں۔ جیسا کہ کہا جاتا ہے اُعِدَّتْ هَذِهِ الْمَانِدَةُ لِلَامِيرِ کہ یہ دسترخوان امیر کیلئے تیار کیا گیا ہے۔ پھر بعض اوقات اسکے پیروکار بھی اس کو کھا لیتے ہیں۔ کیا اس ارشاد خداوندی کی طرف توجہ نہیں کرتے۔ وَاتَّقُوا النَّارَ الَّتِي اُعِدَّتْ لِلْكَافِرِينَ۔ (آل عمران۔ ۱۳۱) کہ تم اس آگ سے بچو جو کافروں کیلئے تیار کی گئی ہے۔ پھر بالاتفاق ثابت ہے کہ کافروں کے علاوہ عصاة مؤمن بھی اس میں داخل ہونگے۔

نکتہ: یہاں اللہ تعالیٰ نے انفاق کا تذکرہ پہلے فرمایا۔ کیونکہ نفس پر یہ انتہائی گراں چیز ہے۔ اور اسکے اخلاص کی نشاندہی کرنے والا ہے۔ اور اس زمانہ میں دشمن سے جہاد کے سلسلہ میں عظیم ترین اعمال میں سے تھا۔ اور مسلمان فقراء کی ہمدردی کے پیش نظر بھی اس کی شدید حاجت تھی۔ ایک قول یہ بھی ہے کہ اس سے ہر قسم کے حالات میں انفاق مراد ہے۔ کیونکہ ایسا انفاق تنگدستی و خوشحالی ہر دو مواقع کو شامل ہوگا۔

غصہ مینے والے کا مرتبہ:

وَالْكٰظِمِيْنَ الْغَيْظَ (اور غصے کو پی جانے والے) یعنی پورا کرنے کی بجائے غصے کو روکنے والے ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ کظم القربة۔ جبکہ وہ مشک کو بھر لے اور اسکے منہ کو مضبوطی سے باندھ دے۔ اور اسی سے کظم الغیظ بنا ہے۔ غصے کو صبر کی وجہ سے تھام لے اور اس کا اثر بالکل ظاہر نہ ہو۔ الغیظ دل کی حرارت کا غصہ سے بڑھکنا۔ نبی اکرم ﷺ سے مروی ہے۔ جس نے اپنے غصے کو روک لیا ایسی حالت میں کہ وہ اس کو پورا کرنے کی طاقت رکھتا تھا۔ اللہ تعالیٰ اسکے دل کو امن و ایمان سے بھر دیتے ہیں۔

(رواہ ابوداؤد و الترمذی و ابن ماجہ)

معافی کی فضیلت:

وَالْعَافِيْنَ عَنِ النَّاسِ (اور وہ لوگوں کو معاف کرنے والے ہیں) یعنی جب ان کے ساتھ کوئی زیادتی کرتا ہے تو وہ اس سے مواخذہ نہیں کرتے۔ روایت میں آیا ہے جس کو بیہوشی نے نقل کیا کہ قیامت کے دن ایک منادی آواز دے گا۔ وہ لوگ کہاں ہیں جن کا اجر اللہ تعالیٰ کے ذمہ ہے۔ پس معاف کرنے والوں کے سواء اور کوئی نہ اٹھے گا۔ (بیہوشی فی الشعب) ابن عیینہ کہتے ہیں کہ میں نے رشید کیلئے روایت بیان کرنی شروع کی۔ اس کو دیکھا کہ وہ ایک آدمی پر غضبناک ہے۔ پس اس سے علیحدگی اختیار کر لی۔ وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ (اور اللہ تعالیٰ کو احسان کرنے والے پسند ہیں)

نحو: الْمُحْسِنِيْنَ میں الف لام جنسی ہے۔ ان مذکورہ بالا اور تمام محسنین کو شامل ہے۔ یا الف لام عہد کا ہے۔ اس سے انہی مذکورہ بالا کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔ حضرت سفیان ثوری رحمہ اللہ نے فرمایا۔ برائی کرنے والے سے بھلائی کرنا احسان ہے۔ اور بھلائی کا بدلہ بھلائی سے دینا تو تجارت ہے۔

تائب پر شیطان کا نالہ:

۱۳۵: وَالَّذِينَ إِذَا فَعَلُوا فَاحِشَةً أَوْ ظَلَمُوا أَنْفُسَهُمْ ذَكَرُوا اللَّهَ فَاسْتَغْفَرُوا لِذُنُوبِهِمْ، (اور وہ لوگ جب کوئی برا کام کر بیٹھتے ہیں یا اپنے نفوس پر زیادتی کر بیٹھتے ہیں وہ اللہ تعالیٰ کو یاد کر لیتے ہیں۔ پس وہ اپنے گناہوں کی معافی طلب کرتے ہیں) یعنی گناہ کی برائی پر شرمندہ ہو کر توبہ کر لیتے ہیں۔ وَالَّذِينَ إِذَا فَعَلُوا فَاحِشَةً (اور وہ لوگ جب کوئی برا کام کر گزرتے ہیں) **مَنْحُورٌ**: فعلہ کا وزن قباحت کو زائد از زائد کھانے کیلئے آتا ہے۔ اور وَالَّذِينَ یہ مبتداء اور اولئک خبر ہے۔

أَوْ ظَلَمُوا أَنْفُسَهُمْ (یا وہ اپنے نفوس پر زیادتی کر بیٹھتے ہیں) قول نمبر ۱۔ الفاحشہ سے مراد کبیرہ گناہ اور ظلم نفس سے مراد صغیرہ۔ قول نمبر ۲۔ فاحشہ سے زناء اور ظلم نفس بوس و کنار، لمس وغیرہ۔ ذَكَرُوا اللَّهَ (وہ اللہ تعالیٰ کو یاد کر لیتے ہیں) یعنی زبان سے یا ان کے دل ان کو توبہ پر آمادہ کرتے ہیں۔

فَاسْتَغْفَرُوا لِذُنُوبِهِمْ (پس وہ اپنے گناہوں کی معافی طلب کرتے ہیں) یعنی گناہ کی برائی پر شرمندہ ہو کر توبہ کر لیتے ہیں۔

مفسرین فرماتے ہیں کہ جب یہ آیت اتری تو شیطان رونے لگا وَمَنْ يَغْفِرُ الذُّنُوبَ إِلَّا اللَّهُ اور اللہ تعالیٰ کے سوا اور کون گناہوں کو بخشتے گا۔

مَنْحُورٌ: مَنْ مبتداء، يَغْفِرُ الذُّنُوبَ إِلَّا اللَّهُ اس کی خبر ہے۔ یغفر کی ضمیر من کی طرف راجع ہے اور إِلَّا اللَّهُ یغفر کی ضمیر سے بدل ہے۔ تقدیر کلام یہ ہے وَلَا أَحَدٌ يَغْفِرُ الذُّنُوبَ إِلَّا اللَّهُ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی ایسا نہیں جو گناہوں کو بخش دے۔ یہ معطوف اور معطوف علیہ کے درمیان جملہ معترضہ ہے اس میں بندوں کو توبہ کی طرف متوجہ کیا گیا اور ترغیب دلائی گئی اور ناامیدی و مایوسی کی ممانعت کی گئی اور توبہ کرنے والے کیلئے وسعت رحمت اور قرب مغفرت کو بیان کیا اور بتلایا کہ خواہ گناہ کتنا ہی بڑا کیوں نہ ہو اللہ تعالیٰ کی معافی اس سے عظیم تر اور اس کا کرم عظیم تر ہے۔

عدم اصرار کا فائدہ:

وَلَمْ يُصِرُّوا عَلَى مَا فَعَلُوا (وہ اپنے قبیح افعال پر قائم نہیں رہے) الاصرار قائم ہونے کو کہتے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس بندے نے استغفار کیا اس نے اصرار نہیں کیا خواہ وہ گناہ کی طرف ستر مرتبہ لوٹ کر گیا ابوداؤد، الترمذی۔ دوسری روایت میں ہے استغفار کرنے سے کبیرہ کبیرہ نہیں رہتا اور اصرار کی موجودگی میں صغیرہ صغیرہ نہیں رہتا۔ (بلکہ کبیرہ بن جاتا ہے) مسند فردوس للدیلمی وَهُمْ يَعْلَمُونَ (اس حال میں کہ وہ جانتے ہیں)

مَنْحُورٌ: نمبر ۱۔ یہ وَلَمْ يُصِرُّوا کی ضمیر سے حال ہے مطلب یہ ہوا کہ انہوں نے یہ جانتے ہوئے کہ غلطی ہے اس پر اصرار نہیں کیا۔

نمبر ۲۔ یہ مستقل جملہ ہے اور يعلمون کا مفعول محذوف ہے مطلب اس طرح ہے۔ وہ جانتے ہیں کہ ان کے گناہوں کو سوائے اللہ تعالیٰ کے اور کوئی نہ بخشتے گا۔

اُولٰٓئِكَ جَزَاؤُهُمْ مَّغْفِرَةٌ مِّن رَّبِّهِمْ وَجَنَّتٌ تَجْرٰى مِنْ تَحْتِهَا

یہ وہ لوگ ہیں جن کا بدلہ مغفرت ہے ان کے رب کی طرف سے اور باغ ہیں جن کے نیچے جاری ہیں

الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا وَنِعْمَ اَجْرُ الْعٰمِلِيْنَ ۝۱۳۶ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِكُمْ

نہریں ان میں ہمیشہ رہیں گے اور اچھا بدلہ ہے عمل کرنے والوں کا تم سے پہلے بہت سے طریقے گزر چکے

سُنُّنٌ فٰسِرُوْا فِی الْاَرْضِ فَاَنْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عٰقِبَةُ الْمُكَذِّبِيْنَ ۝۱۳۷

ہیں لہذا تم چلو زمین میں پھر دیکھو کیا انجام ہوا جھٹلانے والوں کا۔

هٰذَا بَيٰٓاٰنٌ لِّلنَّاسِ وَهُدٰى وَمَوْعِظَةٌ لِّلْمُتَّقِيْنَ ۝۱۳۸

یہ بیان ہے لوگوں کے لئے اور ہدایت ہے اور نصیحت ہے متقیوں کے لئے۔

بخشش کے مستحقین:

۱۳۶: اُولٰٓئِكَ جَزَاؤُهُمْ مَّغْفِرَةٌ مِّن رَّبِّهِمْ وَجَنَّتٌ تَجْرٰى مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا وَنِعْمَ اَجْرُ الْعٰمِلِيْنَ۔ (جنکی مذکورہ بالا صفات ہیں)۔ جَزَاؤُهُمْ مَّغْفِرَةٌ مِّن رَّبِّهِمْ (انکا بدلہ ان کے رب کی طرف سے مغفرت ہے) انکی توبہ کے سبب وَجَنَّتٌ (اور باغات) اس کی رحمت کے باعث۔ تَجْرٰى مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا وَنِعْمَ اَجْرُ الْعٰمِلِيْنَ (جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں وہ ان میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے اور کام کرنے والوں کا بدلہ بہت خوب ہے)

نَحْوُ: نعم کا مخصوص بالمدح محذوف ہے اور وہ ذلک ہے یعنی مغفرت اور جنت۔

نشانِ نَزْوٰل: نمبر ۱۔ یہ آیت ایک کھجور فروش کے متعلق اتری جس کے پاس ایک عورت کھجور لینے کیلئے آئی اس نے کہا میرے گھر میں اس سے زیادہ عمدہ کھجوریں ہیں۔ اس کو اپنے گھر میں اس بہانے سے داخل کیا اور پھر اپنے جسم سے اس کو چمٹایا اور بوسہ دیا مگر پھر شرمندہ ہوا۔

نمبر ۲۔ ایک انصاری کو ایک ثقفی نے اپنے گھر والوں کا نگرہا بنایا۔ (اور نبی اکرم ﷺ نے ان کے مابین بھائی چارہ کروایا تھا) جب وہ ثقفی جہاد میں چلا گیا۔ وہ انصاری اسکے گھر آیا اور اس کی بیوی کو دیکھا تو اس کو بوسہ دیا۔ پھر اس پر شرمسار ہوا۔ اور جنگل کی طرف بھاگ گیا۔ اللہ تعالیٰ نے اس کی توبہ کو قبول فرمایا۔

سنن کی مراد وقائع:

۱۳۷: قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِكُمْ سُنَنٌ فٰسِرُوْا فِی الْاَرْضِ فَاَنْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عٰقِبَةُ الْمُكَذِّبِيْنَ۔ قَدْ خَلَتْ (تحقیق

وَلَا تَهِنُوا وَلَا تَحْزَنُوا وَأَنْتُمُ الْأَعْلَوْنَ إِنْ كُنْتُمْ مُؤْمِنِينَ ﴿۱۳۹﴾

اور ہمت نہ ہارو اور غمگین نہ ہو اور تم ہی بلند ہو گے اگر تم مومن ہو۔

إِنْ يَمْسَسْكُمْ قَرْحٌ فَقَدْ مَسَّ الْقَوْمَ قَرْحٌ مِّثْلُهُ ۖ وَتِلْكَ الْأَيَّامُ

اگر تم کو زخم پہنچ گیا تو تمہاری مقابل قوم کو اس جیسا زخم پہنچ چکا ہے۔ اور یہ دن ہیں

نُذًاءِ وَلِهَآبِیْنَ النَّاسِ ۚ وَلِیَعْلَمَ اللّٰهُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَیَتَّخِذَ مِنْكُمْ

جنہیں ہم باری باری بدلتے رہتے ہیں لوگوں کے درمیان، اور تاکہ اللہ جان لے ان لوگوں کو جو ایمان لائے، اور بنا لے تم میں سے

شُهَدَآءَ ۚ وَاللّٰهُ لَا یُحِبُّ الظَّالِمِیْنَ ﴿۱۴۰﴾ وَلِیُمَحِّصَ اللّٰهُ الَّذِیْنَ

شہادت پانے والے، اور اللہ پسند نہیں فرماتا ظالموں کو۔ اور تاکہ پاک صاف کرے ایمان

اٰمَنُوْا وَیُمَحِّقَ الْکٰفِرِیْنَ ﴿۱۴۱﴾ اَمْ حَسِبْتُمْ اَنْ تَدْخُلُوْا الْجَنَّةَ وَلَمَّا

والوں کو، اور مٹا دے کافروں کو، کیا تم نے یہ خیال کیا کہ جنت میں داخل ہو جاؤ گے اور ابھی

یَعْلَمَ اللّٰهُ الَّذِیْنَ جٰهَدُوْا مِنْكُمْ وَیَعْلَمَ الصّٰبِرِیْنَ ﴿۱۴۲﴾ وَلَقَدْ كُنْتُمْ

معلوم نہیں کیا اللہ نے ان لوگوں کو جو جہاد کرنے والے ہیں تم میں سے، اور تاکہ وہ جان لے ثابت قدم رہنے والوں کو، اور اس میں شک نہیں کہ تم لوگ

تَمَتُّوْنَ الْمَوْتَ مِنْ قَبْلِ اَنْ تَلْقَوْهُ ۚ فَقَدْ رَآیْتُمُوْهُ وَاَنْتُمْ تَنْظُرُوْنَ ﴿۱۴۳﴾

موت کے سامنے آنے سے پہلے اس کی آرزو کرتے تھے، سو اب تم نے موت کو دیکھ لیا اس حال میں کہ وہ آنکھوں کے سامنے ہے۔

گزرے) مِنْ قَبْلِکُمْ سُنَّ تَم سے پہلے بہت طریقے۔ اس سے مراد جھٹلانے والی امتوں میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے پیش آنے والے وقائع ہیں۔ فَسِیْرُوْا فِی الْاَرْضِ فَانظُرُوْا کَیْفَ کَانَ عَاقِبَةُ الْمُکَذِّبِیْنَ (پس زمین پر چل پھر کر دیکھ لو کہ جھٹلانے والوں کا کیا انجام ہوا) پھر ان سے عبرت حاصل کرو۔

۱۳۸: هٰذَا بَیَانٌ لِّلنَّاسِ وَهُدًی وَمَوْعِظَةٌ لِّلْمُتَّقِیْنَ۔ هٰذَا یَہ۔ یعنی قرآن یا مَاتَقَدَّمَ ذِکْرُہُ کا مفہوم مشاٰر الیہ ہے۔ بَیَانٌ لِّلنَّاسِ وَهُدًی (لوگوں کیلئے بیان وضاحت اور ہدایت ہے یعنی راہنمائی ہے) وَمَوْعِظَةٌ (اور نصیحت ہے) یعنی ترغیب و ترہیب ہے۔ لِّلْمُتَّقِیْنَ (بچنے والوں کیلئے) جو شرک سے بچتے ہیں۔

تکالیفِ احد پر تسلی:

۱۳۹: وَلَا تَهِنُوا وَلَا تَحْزَنُوا وَأَنْتُمُ الْأَعْلَوْنَ إِنْ كُنْتُمْ مُؤْمِنِينَ۔ وَلَا تَهِنُوا (تم سستی نہ کرو) جہاد سے اس بناء پر کہ تم کو

شکست سے دوچار ہونا پڑا۔ وَلَا تَحْزَنُوا (اور نہ غم کرو) اس غنیمت پر جو تم سے فوت ہو گئی یا اپنے میں سے شہید ہونے والوں پر یا آنے والے زخموں پر۔ اس میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے اپنے رسول ﷺ اور ایمان والوں کیلئے تسلی ہے۔ ان تکالیف پر جو غزوہ احد کے موقع پر پیش آئیں اور ان کے دلوں کو تقویت دی جا رہی ہے۔

علو کی تفسیر:

وَأَنْتُمْ الْأَعْلَوْنَ (حالانکہ تم ان سے اعلیٰ اور اغلب ہو) کیونکہ تم نے بدر میں ان کے زیادہ آدمی قتل کیے انکی نسبت جتنے احد میں تمہارے قتل ہوئے۔

دوسری تفسیر: اور تم ہی بلند رہو گے مدد و کامیابی کے ساتھ جو آخر میں تمہیں میسر آئی۔ وہ ان کے لئے بلندی اور غلبے کی بشارت تھی۔ جیسا الصفات کی۔ آیت نمبر ۱۸۳ میں فرمایا وَإِنَّ جُنْدَنَا لَهُمُ الْغَالِبُونَ کہ ہمارا لشکر ہی غلبہ پانے والا ہے۔

نمبر ۳۔ تم شان کے اعتبار سے بلند ہو کیونکہ تمہارا قتال اللہ تعالیٰ کی رضا مندی کیلئے اور اس کی بات بلند کرنے کیلئے ہے اور انکی لڑائی شیطان کیلئے اور کفر کی بات کو اونچا کرنے کیلئے تھی۔

نمبر ۴۔ تم شان کے لحاظ سے بلند ہو کیونکہ تمہارے مقتول جنت میں اور ان کے مقتولین جہنم میں۔ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِينَ اگر تم مؤمن ہو۔

تفسیر اول: یہ لَا تَهِنُوا کی نہی سے متعلق ہے مت سستی کرو اگر تمہارا ایمان صحیح ہے۔ مطلب یہ ہے کہ ایمان کی صحت تو قوت قلب کو لازم کرتی اور اللہ تعالیٰ کے وعدوں پر یقین کو مضبوط کرتی ہے اور دشمنوں کی کچھ بھی پرواہ نہ کرنے پر برا بیخفتہ کرتی ہے۔

تفسیر دوم: یہ اعلون سے متعلق ہے۔ مطلب یہ ہوا کہ تم بلند ہو اگر تم تصدیق کرنے والے ہو ان باتوں پر جن کا اس نے تم سے وعدہ کر رکھا ہے۔ اور جس غلبے کی وہ بشارت دیتے ہیں۔

تسلی مؤمنین:

۱۴۰: اِنْ يَّمْسَسْكُمْ قَرْحٌ فَقَدْ مَسَّ الْقَوْمَ قَرْحٌ مِّثْلُهُ وَتِلْكَ الْآيَاتُ نُدَٰوِلَهَا بَيْنَ النَّاسِ وَلِيَعْلَمَ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا وَيَتَّخِذَ مِنْكُمْ شُهَدَآءَ وَاللَّهُ لَا يُحِبُّ الظَّالِمِينَ۔ اِنْ يَّمْسَسْكُمْ قَرْحٌ (اگر تم کو زخم لگا)

قراءت: قَرْح تمام مقامات پر پڑھا جائے گا۔ حفص کے علاوہ دیگر تمام کو فی قراء کے ہاں۔ قَرْح حفص اور دیگر تمام قراء نے پڑھا۔ یہ دو لغتیں ہیں جیسا کہ ضعف اور ضعف۔

بعض نے کہا۔ قَرْح ہو تو معنی زخم اور قَرْح ہو تو معنی زخم کی ٹیس۔ فَقَدْ مَسَّ الْقَوْمَ قَرْحٌ مِّثْلُهُ (پس تحقیق قوم کو اسی طرح کا زخم پہنچا) یعنی اگر انہوں نے تمہارے کچھ آدمی قتل کیے تو تم اس سے پہلے بدر کے دن ان کے زیادہ آدمی قتل کر چکے۔ پھر بھی اس بات نے ان کے دلوں کو کمزور نہ کیا اور تمہارے ساتھ دوبارہ لڑائی کرنے سے نہ روکا۔ پس تمہیں تو بدرجہ اولیٰ کمزوری نہ دکھانی چاہیے۔ وَتِلْكَ الْآيَاتُ نُدَٰوِلَهَا بَيْنَ النَّاسِ (یہ آیات فتح ہم لوگوں کے درمیان باری باری گھماتے رہتے ہیں)

نَحْوِ: وَتِلْكَ الْاَيَّامُ مَبْتَدَا نَدَاوِلْهَا اس کی خبر ہے۔

نَدَاوِلْهَا کا معنی پھیرنا ہے۔ بین الناس یعنی نعمتیں اور سزائیں کبھی ایک قوم کو اور کبھی دوسری قوم کو۔ جیسا شاعر (نمر بن تولب) کے اس شعر میں ہے۔

فِيَوْمًا عَلَيْنَا وَيَوْمًا لَنَا ☆ وَيَوْمًا نِسَاءُ وَيَوْمًا نُسَرُّ

ایک دن ہمارے خلاف اور ایک دن ہمارے حق میں۔ اور ایک دن تکلیف دیئے جاتے ہیں جبکہ دوسرے دن خوش کیے جاتے ہیں۔

تبادلہ کی حکمت اول:

وَلِيَعْلَمَ اللَّهُ الَّذِينَ اٰمَنُوْا (تاکہ اللہ تعالیٰ ظاہر کر دے ایمان والوں کو) یعنی یہ تبادلہ کئی قسم کی حکمتوں کے ماتحت کرتے ہیں۔ اور اس لئے بھی کہ جو مؤمن صبر اور ثبات ایمان کی وجہ سے لوگوں کے نزدیک ممتاز ہو چکے ہوں ان کو ہم جان لیں جس طرح کہ انکا وجود سے قبل جاننا ہے۔ وَيَتَّخِذَ مِنْكُمْ شُهَدَاءَ (اور تاکہ کچھ لوگوں کو شہادت سے بہرہ ور کر دے) مراد اس سے احد کے طالبین شہادت تھے یا تم میں سے ایسے شہداء کا انتخاب کر لے جو قیامت کے دن امتوں پر گواہی کے لائق ہوں۔ جیسا کہ سورۃ البقرہ ۱۴۳ میں فرمایا۔

وَلَتَكُوْنُوْا شُهَدَاءَ عَلٰی النَّاسِ (البقرہ ۱۴۳) وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ الظَّالِمِيْنَ اور اللہ تعالیٰ کو ظالم لوگ پسند نہیں۔ یہ جملہ معترضہ ہے جو تعلیل والے جملے کے درمیان لایا گیا۔

تفسیر آیت کی یہ ہے۔ اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو پسند نہیں کرتے جو ان لوگوں میں سے نہیں جو ایمان پر ثابت قدمی اختیار کرنے والے ہیں اور اس کی راہ میں جہاد کرنے والے ہیں۔ اور منافقین و کفار ہی ایسے ہو سکتے ہیں۔

تبادلہ کی حکمت دوم:

۱۴۱: وَلِيْمَحِصَ اللَّهُ الَّذِينَ اٰمَنُوْا وَيَمْحَقَ الْكٰفِرِيْنَ۔ (تاکہ اللہ تعالیٰ اہل ایمان کو گناہوں سے پاک کر دے) التَّمْحِيصُ تطہیر و تصفیہ کو کہتے ہیں۔ وَيَمْحَقَ الْكٰفِرِيْنَ (اور کافروں کو مٹا دیں) اور ان کو ہلاک کر دیں یعنی اگر کفار کو مسلمانوں پر غلبہ ہوتا ہے تو وہ مسلمانوں کے امتیاز کرنے اور شہید بنانے اور گناہوں سے ان کو پاک کرنے کیلئے ہوتا ہے اور مسلمانوں کو کفار پر غلبہ کافروں کو گھٹانے اور انکا نام و نشان مٹانے کے لئے ہوتا ہے۔

جنت میں داخلہ بلا جہاد و مجاہدہ نہیں:

۱۴۲: اَمْ حَسِبْتُمْ اَنْ تَدْخُلُوْا الْجَنَّةَ وَلَمَّا يَعْلَمِ اللّٰهُ الَّذِينَ جَاهَدُوْا مِنْكُمْ وَيَعْلَمَ الصّٰبِرِيْنَ۔ (کیا تم نے گمان کر لیا کہ تم جنت میں داخل ہو جاؤ گے) یہ استفہام انکاری ہے اور آم منقطعہ ہے۔ یعنی مت ایسا خیال کرو۔ وَلَمَّا يَعْلَمِ اللّٰهُ الَّذِينَ جَاهَدُوْا

مِنْكُمْ حالانکہ اللہ تعالیٰ نے تمہارے مجاہدوں کا ابھی تک امتیاز نہیں کیا (یعنی ابھی تک تم نے جہاد نہیں کیا کہ تمہارا مجاہد ہونا معلوم ہوتا کیونکہ علم کا تعلق تو معلوم سے ہے۔ تو نفی علم کو نفی متعلق علم کی جگہ لایا گیا ہے۔ کیونکہ علم کی نفی سے متعلق علم کی نفی خود ہو جائے گی جیسا کہ کہا جائے ما علم اللہ فی فلان خیراً یعنی اس میں کوئی خیر ہے ہی نہیں جو معلوم ہو اور یہاں لَمَّا لَم کے معنی میں ہے البتہ اس میں کچھ توقع کا پہلو پایا جاتا ہے۔ پس گزشتہ میں جہاد کی نفی کر رہا ہے۔ اور مستقبل میں اسکے ہونے کی توقع ظاہر کر رہا ہے۔ وَيَعْلَمُ الصَّابِرِينَ (اور معلوم کرے صبر کرنے والوں کو)

نَحْوِ: يَعْلَمُ اللّٰهُ اَنْ مَضْمَرہ کی وجہ سے منصوب ہے۔ اور واو جمع کیلئے ہے جیسا کہتے ہیں لَا تَاْكُلُ السَّمَكُ وَ تَشْرَبُ اللَّبَنَ۔ یعنی دودھ اور مچھلی ساتھ ملا کر مت کھاؤ۔ يٰ يَعْلَمُ پر جزم ہو يَعْلَمُ اللّٰهُ پر عطف کی وجہ سے۔ میم کو حرکت اتقائے ساکنین کی وجہ سے دی گئی ہے اور فتح کا انتخاب معطوف علیہ پر فتح کی وجہ سے ہے۔

تمنائے موت پر توبیخ:

۱۴۳: وَلَقَدْ كُنْتُمْ تَمَنَّوْنَ الْمَوْتَ مِنْ قَبْلِ اَنْ تَلْقَوْهُ فَقَدْ رَاَيْتُمُوْهُ وَاَنْتُمْ تَنْظُرُوْنَ۔ (البتہ تم موت کی تمنا کیا کرتے تھے اس کو دیکھنے سے پہلے۔ اس میں ان لوگوں کو مخاطب کیا جو بدر میں حاضر نہ ہو سکے تھے اور ان کے دل میں تڑپ تھی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کسی معرکہ میں حاضر ہوں تاکہ شہادت کی سعادت پاسکیں اور یہی وہ لوگ تھے جنہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے اصرار کیا کہ ان کو لیکر مشرکین کی طرف نکلیں۔ حالانکہ آپ کی رائے مدینہ منورہ میں ٹھہرنے کی تھی۔ مطلب یہ ہوا کہ تم موت کی تمنا اسکے مشاہدے سے پہلے کرتے تھے اور اس کی شدت کو پہچاننے سے پہلے تمنا کرتے تھے۔ فَقَدْ رَاَيْتُمُوْهُ وَاَنْتُمْ تَنْظُرُوْنَ (پس تم نے اس کو آنکھوں سے دیکھ لیا) یعنی تم نے کھلی آنکھوں سے دیکھا اس حال میں کہ تمہارے سامنے تمہارے بھائی بند مارے گئے۔ اور تم نے خود قتل کو جھانک لیا۔

در اصل موت کی تمنا پر ان کو توبیخ کی گئی ہے اور اس بات پر کہ تم اپنے اصرار سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نکلنے کا باعث بنے پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے پیچھے ہٹ گئے۔ انہوں نے شہادت کی تمنا کی تاکہ شہداء والی عظمت پالیں۔ اسی میں اس قسم کا قصد ہرگز نہ تھا کہ کفار کو غلبہ حاصل ہو جائے اس کی مثال اس طرح ہے جیسا کہ کوئی عیسائی ڈاکٹر سے دوائی لے اس کا مقصد تو حصول شفاء ہے اور اسکے دل میں یہ خیال بھی نہیں گزرتا کہ اس میں دشمن کو نفع پہنچایا جا رہا ہے۔ اور اسکے فن کو رائج کیا جا رہا ہے۔

وَمَا مُحَمَّدٌ إِلَّا رَسُولٌ ۖ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ ۖ أَفَأَيْنَ مَاتَ

اور محمد صرف رسول ہیں، ان سے پہلے رسول گزر چکے ہیں، تو کیا ان کو موت آجائے

أَوْ قُتِلَ انْقَلَبْتُمْ عَلَىٰ أَعْقَابِكُمْ ۖ وَمَنْ يَنْقَلِبْ عَلَىٰ عَقْبَيْهِ فَلَنْ

یا مقتول ہو جائیں تو تم الٹے پاؤں پلٹ جاؤ گے! اور جو شخص الٹے پاؤں پھر جائے تو وہ اللہ کو کچھ

يَضُرَّ اللَّهَ شَيْئًا ۖ وَسَيَجْزِي اللَّهُ الشَّاكِرِينَ ۝۱۴۴ وَمَا كَانَ لِنَفْسٍ

بھی نقصان نہ دے گا۔ اور اللہ عنقریب شکر گزاروں کو ثواب دے گا۔ اور کسی جان کو موت

أَنْ تَمُوتَ إِلَّا بِإِذْنِ اللَّهِ ۖ كِتَابًا مُّوجَّلًا ۖ وَمَنْ يُرِدْ ثَوَابَ الدُّنْيَا

نہیں آ سکتی مگر اللہ کے حکم سے اس طرح پر کہ اس کا وقت مقرر کیا ہوا ہے، اور جو شخص دنیا کے بدلے کا ارادہ کرے گا

نُؤْتِيهِ مِنْهَا ۖ وَمَنْ يُرِدْ ثَوَابَ الْآخِرَةِ نُؤْتِيهِ مِنْهَا ۖ وَسَنَجْزِي

ہم اس میں سے اس کو دے دیں گے اور جو شخص آخرت کے ثواب کا ارادہ کرے گا ہم اس میں سے اسے دے دیں گے، اور عنقریب ہم شکر گزاروں

الشَّاكِرِينَ ۝۱۴۵

کو جزا دیں گے۔

۱۴۴: وَمَا مُحَمَّدٌ إِلَّا رَسُولٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ أَفَأَيْنَ مَاتَ أَوْ قُتِلَ انْقَلَبْتُمْ عَلَىٰ أَعْقَابِكُمْ۔ وَمَنْ يَنْقَلِبْ عَلَىٰ عَقْبَيْهِ فَلَنْ يَضُرَّ اللَّهَ شَيْئًا وَسَيَجْزِي اللَّهُ الشَّاكِرِينَ۔

شانِ نزول: جب ابنِ قمیہ نے رسول اللہ ﷺ کو پتھر مارا تو آپ کا سامنے والا انچلا دانت ٹوٹ گیا۔ وہ آپ کے قتل کے درپے تھا۔ حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ نے آپ کی طرف سے دفاع کیا۔ وہ لشکر کے علم بردار تھے۔ چنانچہ اس نے حضرت مصعب رضی اللہ عنہ کو شہید کر دیا۔ اس کا خیال تھا کہ وہ رسول اللہ ﷺ ہیں۔ چنانچہ اس نے کہنا شروع کر دیا میں نے محمد ﷺ کو قتل کر دیا اور ایک شخص نے پکار کر کہا محمد (ﷺ) قتل ہو گئے (نعوذ باللہ) بعض نے کہا وہ شیطان تھا۔ لوگوں میں آپ کے قتل کی خبر جنگل کی آگ کی طرح پھیل گئی۔ پس وہ پیچھے ہٹے اور رسول اللہ ﷺ آوازیں دے رہے تھے۔ اے عباد اللہ! اے اللہ کے بندو! میری طرف آؤ۔ یہاں تک کہ آپ کے پاس ایک گروہ جمع ہو گیا۔ آپ نے ان کو بھاگنے پر ملامت کی۔ وہ کہنے لگے۔ یا رسول اللہ! ہم آپ پر اپنے ماؤں باپوں کو قربان کرتے ہیں ہمیں آپ کے قتل کی خبر پہنچی جس سے ہم پیٹھ پھیر کر چل دیئے اس پر یہ آیات نازل ہوئیں۔ وَمَا مُحَمَّدٌ إِلَّا رَسُولٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ مُحَمَّدٌ (ﷺ) اللہ کے رسول ہی ہیں۔ تحقیق ان سے پہلے اللہ کے

رسول گزرے) خلت کا معنی مضت یعنی گزرے ہیں۔ پس وہ بھی انکی طرح گزر جائیں گے۔ جس طرح ان کے پیروان کے گزرنے کے بعد ان کے دین کو مضبوطی سے تھامنے والے تھے۔ اسی طرح تم پر لازم ہے کہ تم ان کے دین کو ان کے گزرنے کے بعد لازم پکڑو۔ کیونکہ بعثت انبیاء ﷺ کا مقصود پیغام رسالت کو پہنچانا اور حجت کو تمام کرنا ہے۔ قوم میں ان کے وجود کا ہمیشہ رہنا نہیں۔

خبر شہادتِ رسول (ﷺ) کے تاثرات کا ازالہ:

اَفَاٰیْنُ مَاتَ اَوْ قُتِلَ اَنْقَلَبْتُمْ عَلٰی اَعْقَابِكُمْ (پس اگر آپ کا انتقال ہو جائے یا آپ شہید ہو جائیں کیا تم لوگ الٹے پھر جاؤ گے) فاجملہ شرطیہ سے معلق ہے۔ اس جملہ کے ذریعہ جو اس سے پہلے ہے۔ اس طرح کہ فَا سَبِيْهٍ اور هَمْزَةُ اسْتِفْہَامِ انکار کیلئے ہے۔

مطلب یہ ہے کہ سابقہ انبیاء ﷺ وفات پا گئے مگر ان کا دین تو نہیں مرا۔ پس اس طرح محمد ﷺ بھی ایک رسول ہیں اگر وہ قتل یا طبعی موت سے وفات پا جائیں گے تو ان کا دین نہیں مریگا بلکہ باقی رہے گا پس تمہیں لوٹ کر ارتداد اختیار نہ کرنا چاہیے۔ انقلاب علی العقبین یہ ارتداد سے مجاز ہے۔ یا شکست و ہزیمت سے مجاز ہے۔ وَمَنْ يَنْقَلِبْ عَلٰی عَقْبَيْهِ فَلَنْ يَضُرَّ اللّٰهَ شَيْئًا (جو ایڑیوں کے بل پلٹ جائے گا وہ اللہ تعالیٰ کو ہرگز نقصان نہیں پہنچا سکتا) بلاشبہ اپنے آپ کو نقصان پہنچائے گا۔ وَسَيَجْزِي اللّٰهُ الشّٰكِرِيْنَ (عنقریب اللہ تعالیٰ شکر گزاروں کو بدلہ دیں گے) یعنی وہ لوگ جو جنگ سے پیچھے نہیں ہٹے۔ ان کو شا کرین اسی لئے قرار دیا کیونکہ انہوں نے نعمت اسلام کا اپنے فعل سے شکر یہ ادا کیا۔

ہر ایک کی موت مشیت سے ہے:

۱۴۵: وَمَا كَانَ لِنَفْسٍ اَنْ تَمُوْتَ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ كِتٰبًا مُّوَجَّلًا وَمَنْ يُّرِدْ ثَوَابَ الدُّنْيَا نُؤْتِهِ مِنْهَا وَمَنْ يُّرِدْ ثَوَابَ الْاٰخِرَةِ نُؤْتِهِ مِنْهَا وَسَيَجْزِي الشّٰكِرِيْنَ۔ وَمَا كَانَ (جائز نہیں) لِنَفْسٍ اَنْ تَمُوْتَ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ (کسی نفس کے لئے کہ اس کو موت آئے مگر اللہ تعالیٰ کے اذن سے) اذن سے مراد علم ہے۔ یا ملک الموت کو اسکے قبض روح کی اجازت دینا مراد ہے۔ مطلب یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ کی مشیت کے بغیر کسی کی موت کا آنا ناممکن ہے۔

اس میں جہاد پر آمادہ کیا گیا اور دشمن کا سامنا کرنے پر برا بیختہ کیا گیا اور بتلادیا کہ ڈرنا فائدہ مند نہیں۔ اور کوئی شخص اپنی مدت زندگی پوری کرنے کے بغیر نہیں مر سکتا۔ خواہ وہ کتنے ہلاک کن مقامات اور معرکوں میں گھس جائے۔ كِتٰبًا مُّوَجَّلًا (میعاد معین لکھی رہتی ہے) كِتٰبًا فعل محذوف کا مصدر مَوَّكَد ہے۔ کیونکہ معنی یہ ہے کہ كتب الموت کتاباً۔ اللہ تعالیٰ نے موت کو لکھ دیا ہے لکھنا۔ مَوْجَل کا معنی موقت ہے کہ لکھے ہوئے سے آگے پیچھے نہیں۔ وَمَنْ يُّرِدْ جَوَارِدَہ کر لے اپنے جہاد سے ثَوَابَ الدُّنْيَا ثواب دنیا یعنی مال غنیمت کا۔ اس میں ان لوگوں پر تعریض کی گئی جن کو احد کے دن غنیمت نے مشغول کر دیا۔

نُؤْتِهِ مِنْهَا (ہم اس سے اس کو دیتے ہیں) یعنی اس کا ثواب دیتے ہیں۔ وَمَنْ يُّرِدْ ثَوَابَ الْاٰخِرَةِ اور جَوَارِدَہ ثَوَابِہ کے ثواب کا ارادہ کرتا ہے یعنی اعلائے کلمۃ اللہ اور آخرت کے درجات کیلئے جہاد کرتا ہے۔ نُؤْتِهِ مِنْهَا وَسَيَجْزِي الشّٰكِرِيْنَ

وَكَأَيِّن مِّن نَّبِيٍّ قُتِلَ مَعَهُ رِبِّيُّونَ كَثِيرٌ ۖ فَمَا وَهَنُوا لِمَا

اور بہت سے نبی گزرے ہیں جن کے ساتھ مل کر بہت سے اللہ والوں نے جنگ کی،

أَصَابَهُمْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَمَا ضَعُفُوا وَمَا اسْتَكَانُوا ۗ وَاللَّهُ يُحِبُّ

ان کو اللہ کی راہ میں پہنچیں ان کی وجہ سے نہ ہمت ہارے نہ کمزور پڑے۔ اور نہ عاجز ہوئے، اور اللہ صبر کرنے والوں سے

الصَّابِرِينَ ۚ ۝۱۴۸ وَمَا كَانَ قَوْلُهُمْ إِلَّا أَن قَالُوا رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا

محبت فرماتا ہے، اور ان کا قول اس کے سوا کچھ نہیں تھا کہ انہوں نے یوں کہا کہ اے ہمارے رب بخش دے

ذُنُوبَنَا وَإِسْرَافَنَا فِي أَمْرِنَا وَثَبِّتْ أَقْدَامَنَا وَانصُرْنَا عَلَى

ہمارے گناہوں کو، اور ہمارے کاموں میں حد سے آگے بڑھ جانے کو، اور ہمارے قدموں کو ثابت رکھ، اور کافر قوم کے مقابلہ میں

الْقَوْمِ الْكَافِرِينَ ۝۱۴۹ فَآتَاهُمُ اللَّهُ ثَوَابَ الدُّنْيَا وَحُسْنَ ثَوَابِ

ہماری مدد فرما سو اللہ نے ان کو دنیا کا بدلہ دے دیا اور آخرت کا عمدہ

الْآخِرَةِ ۗ وَاللَّهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِينَ ۝۱۵۰

بدلہ دیا اور اللہ پسند فرماتا ہے اچھے کام کرنے والوں کو۔

(ہم اس کو اسی سے دیتے ہیں اور عنقریب شکر گزاروں کو ہم بدلہ دیں گے) یعنی ہم عنقریب ان کو جزائے مبہم سے بدلہ دیں گے جنہوں نے اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا شکریہ ادا کیا اور جہاد سے ان کو کسی چیز نے مشغول نہ کیا۔ (جزاء کو مبہم لا کر بتلادیا کہ جزاء غیر معروف ہے جو عقل انسان میں نہیں آسکتی)۔

جہاد میں دشمن کے سامنے عجز و ذلت ظاہر نہ ہونے دو اور نہ ہی سستی کرو:

۱۴۶: وَكَأَيِّن مِّن نَّبِيٍّ قُتِلَ مَعَهُ رِبِّيُّونَ كَثِيرٌ ۖ فَمَا وَهَنُوا لِمَا أَصَابَهُمْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَمَا ضَعُفُوا وَمَا اسْتَكَانُوا ۗ وَاللَّهُ يُحِبُّ الصَّابِرِينَ (بہت سے پیغمبروں کے ساتھ مل کر کفار سے جنگ کی) كَأَيِّن کا اصل آتی ہے کاف تشبیہ کا اس پر داخل ہوا تو اس میں کم کے معنی پیدا ہو گئے جو کثرت کیلئے آتا ہے۔

قراءت: مکی کی قراءت میں کائن بوزن کاع ہر جگہ پڑھیں گے۔ قَاتِل کو قَاتِل مکی، بصری و نافع نے پڑھا ہے۔

مَحْمُود: مَعَهُ یہ قتل کی ضمیر سے حال ہے۔ اِی قَتَلَ کائنَا مَعَهُ۔ یعنی اس نے قتال کیا اس حال میں کہ وہ ان کے ساتھ ملنے والا تھا۔

رَبِّيُونَ۔ رب والے۔ حسن نے را کے ضمہ سے اور بعض نے فتح سے پڑھا ہے۔ قاعدہ کے مطابق فتح ہے کیونکہ یہ رب سے اسم منسوب ہے۔ اور ضمہ اور کسرہ اسم منسوب میں تبدیلیوں کی بناء پر ہے۔

فَمَا وَهَنُوا (وہ ست نہ ہوئے) اپنے پیغمبروں کے قتل کے وقت لَمَّا أَصَابَهُمْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَمَا ضَعُفُوا۔ (ان تکالیف پر جو ان کو اللہ تعالیٰ کی راہ میں پیش آئیں اور نہ وہ ان کے بعد جہاد سے پست ہمت ہوئے)۔ وَمَا اسْتَكَانُوا (اور نہ وہ دشمن کے سامنے ذلیل و عاجز ہوئے)۔ اس آیت میں ان لوگوں پر تعریض کی جو قتل رسول ﷺ کی افواہ پر پست ہمت ہو بیٹھے اور بعض نے ارادہ کیا کہ عبد اللہ بن ابی کے ذریعہ ابوسفیان سے امان طلب کریں۔ وَاللَّهُ يُحِبُّ الصَّابِرِينَ (اور اللہ تعالیٰ کو صبر والے لوگ پسند ہیں) جو کفار سے جہاد کرنے پر جبرے رہنے والے ہیں۔

میدان جنگ میں دُعا مستقل ہتھیار ہے:

۱۴۷: وَمَا كَانَ قَوْلُهُمْ إِلَّا أَنْ قَالُوا رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا ذُنُوبَنَا وَإِسْرَافَنَا فِي أَمْرِنَا وَثَبِّتْ أَقْدَامَنَا وَانصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكَافِرِينَ۔ (اور انکی بات یہی تھی کہ اے ہمارے رب تو ہمارے گناہوں کو بخش دے) یعنی انہوں نے یہی بات کہی۔

ربانین ہونے کے باوجود انہوں نے اپنے نفوس کی طرف گناہوں کی اضافت کی تاکہ نفس کی بڑائی مٹ جائے۔ وَإِسْرَافَنَا فِي أَمْرِنَا (اور ہمارا اپنے معاملے میں حد سے تجاوز کرنا) اسراف حد عبودیت سے تجاوز کو کہتے ہیں۔ وَثَبِّتْ أَقْدَامَنَا تو ہمارے قدموں کو (لڑائی میں) مضبوط کر دے۔ وَانصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكَافِرِينَ۔ (اور ہماری کافر قوم کے خلاف مدد فرما) غلبہ عنایت کر کے۔

نکتہ: گناہوں سے استغفار کے ساتھ دعا کو میدان جنگ میں ثابت قدمی اور دشمنوں پر فتح سے مقدم کیا۔ کیونکہ استغفار کے ساتھ یہ طریق دعا قبولیت دعا کے لئے زیادہ مناسب ہے اس لئے کہ اس میں عجز و نیاز خوب ہے۔

طالبین آخرت محسنین ہیں:

۱۴۸: فَاتْلُهمُ اللَّهُ ثَوَابَ الدُّنْيَا وَحُسْنَ ثَوَابِ الْآخِرَةِ۔ وَاللَّهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِينَ۔ (پس اللہ تعالیٰ نے ان کو دنیا کا ثواب دیا) یعنی نصرت و کامیابی اور غنیمت میسر کر دی۔ وَحُسْنَ ثَوَابِ الْآخِرَةِ (اور ثواب آخرت کا حسن) یعنی مغفرت و جنت دے دی۔ آخرت کے بدلے کو حسن سے تعبیر کر کے بتلادیا کہ وہ اللہ تعالیٰ کے ہاں افضل و مقدم اور واجب القصد ہے۔ وَاللَّهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِينَ (اور اللہ تعالیٰ نیکی کرنے والوں کو پسند کرتے ہیں) یعنی وہ محسن ہیں اور اللہ تعالیٰ ان کو پسند کرتے ہیں۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِن تَطِيعُوا الَّذِينَ كَفَرُوا يَرُدُّكُمْ عَلَىٰ

اے ایمان والو! اگر تم ان لوگوں کا کہا مانو گے جنہوں نے کفر اختیار کیا تو وہ تم کو الٹے پاؤں

أَعْقَابِكُمْ فَتَنْقَلِبُوا خِسِرِينَ ﴿١٤٩﴾ بَلِ اللَّهُ مَوْلَاكُمْ وَهُوَ خَيْرُ

پھیر دیں گے جس کی وجہ سے تم ناکام ہو جاؤ گے، بلکہ اللہ تمہارا مولیٰ ہے اور وہ سب مدد کرنے

النَّصِيرِينَ ﴿١٥٠﴾ سَنُلْقِي فِي قُلُوبِ الَّذِينَ كَفَرُوا الرُّعْبَ بِمَا أَشْرَكُوا

والوں سے بہتر ہے۔ ہم عنقریب کافروں کے دلوں میں رعب ڈال دیں گے۔ اس وجہ سے کہ انہوں نے ایسی چیز کو اللہ کا

بِاللَّهِ مَا لَمْ يَنْزِلْ بِهِ سُلْطَانٌ وَمَا لَهُمُ النَّارُ وَبِئْسَ مَثْوَى الظَّالِمِينَ ﴿١٥١﴾

شریک بنایا جس کی اللہ نے کوئی دلیل نازل نہیں فرمائی، اور ان کا ٹھکانہ دوزخ ہے، اور وہ ظلم کرنے والوں کا برا ٹھکانہ ہے۔

کفار کی عدم موافقت تمام مسلمانوں پر لازم ہے:

۱۴۹: يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِن تَطِيعُوا الَّذِينَ كَفَرُوا يَرُدُّكُمْ عَلَىٰ أَعْقَابِكُمْ فَتَنْقَلِبُوا خِسِرِينَ۔ (اے ایمان والو! اگر تم کافروں کی اطاعت کرو تو وہ تمہیں ایڑیوں کے بل لوٹا دیں گے) یعنی وہ تمہیں شرک کی طرف لوٹانا چاہتے ہیں۔ فَتَنْقَلِبُوا خِسِرِينَ (تم لوٹ کر گھائے میں پڑ جاؤ گے)

کہا گیا ہے یہ تمام کفار کے سلسلہ میں عام ہے۔ مؤمنوں پر لازم ہے کہ وہ ان سے پہلو تہی اختیار کریں۔ اور کسی چیز میں انکی اطاعت نہ کریں تاکہ وہ ان کو اپنی موافقت کی طرف نہ کھینچ لیں۔ سدی کہتے ہیں کہ اگر تم ابوسفیان اور ان کے ساتھیوں کے سامنے عاجزی کرو گے اور ان سے امن کے طالب ہو گے تو وہ تمہیں اپنے دین کی طرف لوٹا دیں گے۔ حضرت علیؑ فرماتے ہیں یہ آیت ان منافقین کے متعلق اتری جنہوں نے شکست کے موقع پر ایمان والوں کو کہا تم اپنے بھائیوں کی طرف لوٹ جاؤ اور ان کے دین میں داخل ہو جاؤ۔

۱۵۰: بَلِ اللَّهُ مَوْلَاكُمْ وَهُوَ خَيْرُ النَّصِيرِينَ۔ (بلکہ اللہ تعالیٰ تمہارا مددگار ہے) پس غیروں کی نصرت سے بے نیازی اختیار کرو۔ وَهُوَ خَيْرُ النَّصِيرِينَ (اور وہ سب سے بہتر مددگار ہے)

القائے رعب سے مکہ والے قوت کے باوجود بھاگ گئے:

۱۵۱: سَنُلْقِي فِي قُلُوبِ الَّذِينَ كَفَرُوا الرُّعْبَ بِمَا أَشْرَكُوا بِاللَّهِ مَا لَمْ يَنْزِلْ بِهِ سُلْطَانٌ وَمَا لَهُمُ النَّارُ وَبِئْسَ

مَثْوَى الظَّالِمِينَ۔ سَنُلْقِي فِي قُلُوبِ الَّذِينَ كَفَرُوا الرُّعْبَ (ہم عنقریب کفار کے دلوں میں رعب ڈال دیں گے)
قراءت: الرُّعْبُ کوشامی اور علی نے الرُّعْبُ پڑھا ہے اور یہ دونوں لغتیں ہیں۔

کہا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مشرکین مکہ کے دل میں احد کے دن رعب ڈال دیا وہ باوجود قوت و غلبہ کے بلاوجہ مکہ کی طرف لوٹ گئے۔ بِمَا أَشْرَكُوا بِاللَّهِ (اس سبب سے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ شریک ٹھہرانے والے ہیں) یعنی ان کے دلوں میں رعب ڈالے جانے کا باعث انکا اللہ تعالیٰ کے ساتھ شریک ٹھہرانا ہے۔ مَا لَمْ يَنْزِلْ بِهِ سُلْطَانًا (جسکی اللہ تعالیٰ نے کوئی دلیل نہیں اتاری) یعنی آلہہ کو اللہ تعالیٰ کے ساتھ شریک ٹھہرانے کی کوئی دلیل نہیں اتاری۔ اس کا یہ معنی نہیں کہ انکی معبودیت کی کوئی دلیل ہے مگر اللہ تعالیٰ نے نہیں اتاری۔ بلکہ مقصد یہ ہے کہ نہ کوئی دلیل ہے اور نہ وہ اتاری گئی جیسا کہ شاعر کے اس قول میں۔

وَلَا تَرَى الضَّبَّ يَنْجَحِرُ أَي لَيْسَ بِهَا ضَبٌّ فَيَنْجَحِرُ وَلَمْ يَعْنِ أَنَّ بِهَا ضَبًّا وَلَا يَنْجَحِرُ

اس کا معنی یہ ہے کہ وہاں گوہ نہیں کہ بل بنائے یہ مطلب نہیں کہ گوہ تو ہے مگر بل نہیں بناتی۔

وَمَا لَهُمُ النَّارُ وَبُئْسَ مَثْوَى الظَّالِمِينَ (انکا ٹھکانہ آگ ہے اور ظالموں کا ٹھکانہ بہت برا ہے) (ضمیر کی بجائے ظالمین کو صراحتہ لاکر اس پر سخت ناراضگی اور درشتی کو ظاہر کر دیا اور دوزخی ہونے کی علت بھی واضح ہو گئی)

وَلَقَدْ صَدَقَكُمُ اللَّهُ وَعْدَهُ إِذْ تَحُسُّونَهُم بِأِذْنِهِ ۚ حَتَّىٰ إِذَا

اور بے شک اللہ تعالیٰ نے اپنا وعدہ سچا کر دکھایا جو اس نے تم سے کیا تھا جس وقت تم دشمنوں کو بحکم خداوندی قتل کر رہے تھے۔ یہاں تک

فَإِثْلَمْتُمْ وَتَنَازَعْتُمْ فِي الْأَمْرِ وَعَصَيْتُمْ مِّنْ بَعْدِ مَا أَرَاكُمْ

کہ جب تم بزدل ہو گئے اور حکم کے بارے میں تم نے آپس میں اختلاف کیا اور تم نے اس کے بعد نافرمانی کی جبکہ تمہیں اللہ نے وہ چیز دکھادی جسے تم محبوب

مَا تُحِبُّونَ ۚ مِّنْكُمْ مَّنْ يُرِيدُ الدُّنْيَا وَمِنْكُمْ مَّنْ يُرِيدُ الْآخِرَةَ ۚ

رکھتے تھے، تم میں سے بعض دنیا چاہتے تھے اور بعض آخرت کے طلب گار تھے۔

ثُمَّ صَرَفَكُمْ عَنْهُمْ لِيَبْتَلِيَكُمْ ۚ وَلَقَدْ عَفَا عَنْكُمْ ۚ وَاللَّهُ ذُو فَضْلٍ

پھر اللہ نے تم کو دشمنوں کی طرف سے پھیر دیا تاکہ تم کو آزمائے۔ اور البتہ تحقیق اللہ نے تم کو معاف فرما دیا اور اللہ مومنین پر

عَلَى الْمُؤْمِنِينَ ۚ إِذْ تَصْعَدُونَ وَلَا تَلُونَ عَلَىٰ أَحَدٍ ۚ وَالرَّسُولُ

بڑے فضل والا ہے۔ جب تم دور چلے جا رہے تھے اور کسی کو سڑ کر نہیں دیکھ رہے تھے اور رسول

يَدْعُوكُمْ فِي أَخْرَابِكُمْ فَأَتَابَكُمْ غَمًّا بِغَمٍ لَّكِي لَا تَحْزَنُوا عَلَىٰ

تم کو پکار رہے تھے۔ تمہارے پیچھے سے، پس اللہ نے تمہیں غم کی پاداش میں غم دیدیا تاکہ تم غمگین نہ ہو اس چیز پر

مَافَاتِكُمْ وَلَا مَا أَصَابَكُمْ ۚ وَاللَّهُ خَبِيرٌ بِمَا تَعْمَلُونَ ﴿١٥٣﴾

جو تم سے جاتی رہے اور نہ اس مصیبت پر جو تم کو پہنچ جائے اور اللہ تمہارے سب کاموں سے باخبر ہے۔

وَلَقَدْ صَدَقَكُمُ اللَّهُ وَعْدَهُ إِذْ تَحُسُّونَهُم بِأِذْنِهِ حَتَّىٰ إِذَا فَثِلْتُمْ وَتَنَازَعْتُمْ فِي الْأَمْرِ وَعَصَيْتُمْ مِّنْ بَعْدِ مَا أَرَاكُمْ
مَا تُحِبُّونَ ۚ مِّنْكُمْ مَّنْ يُرِيدُ الدُّنْيَا وَمِنْكُمْ مَّنْ يُرِيدُ الْآخِرَةَ ۚ ثُمَّ صَرَفَكُمْ عَنْهُمْ لِيَبْتَلِيَكُمْ ۚ وَلَقَدْ عَفَا عَنْكُمْ ۚ وَاللَّهُ
ذُو فَضْلٍ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ۔

شأن نزول: جب رسول اللہ ﷺ احد سے مدینہ منورہ اپنے صحابہ کے ساتھ لوٹے تو بعض اصحاب نے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے تو ہم سے
وعدہ فتح و نصرت کیا تھا پھر یہ تکلیف کہاں سے آگئی۔ تو یہ آیت اتری۔

۱۵۲: وَلَقَدْ صَدَقَكُمُ اللَّهُ وَعْدَهُ (اور اللہ تعالیٰ نے اپنا وعدہ تم سے پورا کر دیا) إِذْ تَحُسُّونَهُم (جب کہ تم ان کافروں کو بے
دریغ قتل کر رہے تھے) ابن عیسیٰ کہتے ہیں کہ حَسَّہ کا معنی قتل کر کے حس کو باطل کرنا۔ بِأِذْنِهِ اللہ تعالیٰ کے حکم و فیصلہ اور علم سے۔

حَتَّىٰ إِذَا فُشِلْتُمْ (یہاں تک کہ جب تم بزدل ہو گئے) وَتَنَازَعْتُمْ فِي الْأُمْرِ اور تم (قیام و عدم قیام میں) جھگڑنے اور اختلاف کرنے لگے وَعَصَيْتُمْ (اور تم نے اپنے پیغمبر کے حکم کی خلاف ورزی کی) مرکز کو چھوڑ کر اور غنیمت میں مشغول ہو کر۔ مِّنْ بَعْدِ مَا أَرْكَبْتُمْ مَا تُحِبُّونَ (اسکے بعد کہ اس نے تمہیں دکھا دیا وہ جو تم پسند کرتے تھے) یعنی کامیابی اور کفار پر غلبہ۔

خُجُومٌ: إِذَا کا متعلق محذوف ہے۔ تقدیر عبارت یہ ہے حَتَّىٰ إِذَا فُشِلْتُمْ یہاں تک کہ تم بزدل ہو گئے۔ تو اس نے اپنی مدد تم سے روک لی اور یہ مطلب بھی درست ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنا وعدہ تم سے بزدلی کے وقت تک پورا کر دیا۔ مِنْكُمْ مَّنْ يُرِيدُ الدُّنْيَا (تم میں سے کچھ دنیا کے طلبگار تھے) الدنیا سے مراد مال غنیمت ہے مراد اس سے وہ لوگ ہیں جنہوں نے مرکز کو طلب غنیمت میں چھوڑا۔

واقعة اُحد اور روایات:

روایات میں وارد ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اُحد کو اپنے لشکر کی پشت کی طرف کیا؟؟؟ اور رخ مدینہ منورہ کی طرف اور تیر اندازوں کو پہاڑ کے پاس کھڑا کیا اور ان کو حکم دیا کہ وہ اپنی جگہ میں مضبوطی سے جمے رہیں اور اس سے مت ادھر ادھر نہیں خواہ لڑائی مسلمانوں کے حق میں رہے یا خلاف۔ جب مشرکین آئے تو تیر اندازوں نے ان کے گھوڑوں کو تیروں پر رکھ لیا اور دوسرے ان کو تلواروں سے مارنے لگے۔ یہاں تک کہ کافر شکست کھا گئے اور مسلمان ان کے پیچھے ان کو قتل کرنے لگے۔ یہاں تک کہ جب (بعض) مسلمانوں (مراد تیر انداز ہیں) نے بزدلی دکھائی اور آپس میں جھگڑا کیا کہ مشرکین تو شکست کھا چکے ہمارا یہاں کھڑا ہونا کس کام کا۔ مسلمانوں کے لشکر میں جاملو اور اپنے ساتھیوں کے ساتھ غنیمت جمع کرنے میں شریک ہو جاؤ۔ دوسروں نے کہا رسول اللہ ﷺ کے حکم کی خلاف ورزی نہ کرو۔ ان میں سے کچھ اس جگہ ثابت قدم رہے۔ جن میں امیر دستہ عبد اللہ بن جبیر اور ان کے دس سے کم ساتھی تھے۔ اور اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد میں وہی مراد ہیں وَمِنْكُمْ مَّنْ يُرِيدُ الْآخِرَةَ (کہ تم میں سے کچھ محض آخرت کے طالب تھے) مراد عبد اللہ بن جبیر رضی اللہ عنہ اور ان کے شہداء ساتھ (مشرکین نے مڑ کر تیر اندازوں پر حملہ کر کے عبد اللہ بن جبیر اور ان کے ساتھیوں کو قتل کر دیا اور مسلمانوں پر پل پڑے یہاں تک کہ ان کو شکست دے کر ان میں سے کافی تعداد کو قتل کر دیا۔ اور اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد کا یہی مطلب ہے ثُمَّ صَرَفَكُمْ عَنْهُمْ (پھر تمہیں ان سے پھیر دیا) یعنی تم سے اپنی مدد روک لی جس سے وہ تم پر غالب آ گئے۔ لِيَبْتَلِيَكُمْ (تا کہ وہ تمہاری آزمائش کرے) اور تمہارے مصائب پر صبر کا امتحان لے اور مصائب میں تمہاری ثابت قدمی دیکھے ابتلائے الہی کی حقیقت یہ ہے کہ تم سے آزمانے والے کا سا معاملہ کرے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ اس عمل پر بدلہ دیتے ہیں جو بندہ کرتا ہے نہ اس کا جو کہ وہ بندے کے متعلق جانتے ہیں۔ وَلَقَدْ عَفَا عَنْكُمْ (تحقیق وہ تمہیں معاف فرما چکا) جبکہ تم سے جلد بازی میں حکم رسول اللہ ﷺ کی خلاف ورزی ہو گئی اور تم نے اس پر جو ندامت و شرمندگی کا اظہار کیا۔

مسلمان کیلئے ابتلاء و نصرت دونوں رحمت ہیں:

وَاللَّهُ ذُو فَضْلٍ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ اللہ تعالیٰ ایمان والوں پر فضل کرنے والے ہیں ان کو معاف کر کے اور انکی توبہ قبول

کر کے یا وہ ان پر تمام حالات میں فضل فرمانے والے ہیں خواہ ان پر مصیبت اور تکلیف ڈالی جائے یا نہ ڈالی جائے کیونکہ ایمان والوں کے حق میں ابتلاء رحمت ہے جس طرح کہ نصرت رحمت ہے۔

۱۵۳: اِذْ تُصْعِدُوْنَ وَلَا تَلُوْنَ عَلٰی اَحَدٍ وَّ الرَّسُوْلُ يَدْعُوْكُمْ فِیْ اٰخِرٰكُمْ فَاْتَا بِكُمْ عَمَّاۤ اِبْعَمَ لَكُمْ لِکَيْلًا تَحْزَنُوْا عَلٰی مَا فَاتَكُمْ وَلَا مَا اَصَابَكُمْ وَاللّٰهُ خَبِيْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ۔ اِذْ تُصْعِدُوْنَ جب تم ہموار زمین پر چلنے میں تیزی کر رہے تھے۔ (الاصعاد چٹیل زمین میں جانا دور نکل جانا)

مخبر: منصوب ہے صرف کم یا البتلیکم یا اذ کروا محذوف کے ساتھ وَلَا تَلُوْنَ عَلٰی اَحَدٍ (اور تم کسی کی طرف گردن موڑ کر نہ دیکھتے تھے) اور نہ متوجہ ہوتے تھے دشمن کے خوف اور انتہائی شکست کی تعبیر ہے۔ وَّ الرَّسُوْلُ يَدْعُوْكُمْ (اور رسول اللہ ﷺ تمہیں آوازیں دے کر فرما رہے تھے) اِلَیَّ عِبَادَ اللّٰهِ۔ انا رسول اللہ! من یکرّ فله الجنة۔ اللہ کے بند و میری طرف آؤ میں اللہ کا رسول ہوں۔ جو شخص دشمن پر حملہ آور ہوگا اسکے لئے جنت ہے۔

مخبر: یہ جملہ حال واقع ہے۔ فِیْ اٰخِرٰكُمْ (تمہارے لشکر کے پچھلے حصہ میں) اور تمہارے علاوہ دوسری جماعت میں اور وہ پیچھے والی تھی جیسا کہا جاتا ہے جنت فی آخر الناس و اٰخِرُهُمْ میں پچھلے لوگوں میں آیا۔ جیسا کہ کہتے ہیں جنت فی اولہم و اولاہم یعنی ان کے پہلے حصہ اور پہلی جماعت میں آیا۔

غم بالائے غم دیا:

فَاْتَا بِكُمْ (پس اللہ تعالیٰ نے تم کو بدلہ دیا) اس کا عطف صرف صرف کم پر ہے یعنی اللہ تعالیٰ نے تم کو بدلہ دیا۔ عَمَّا (غم کا) جبکہ تمہیں ان سے پھیر دیا اور تمہیں آزمایا۔ بِعَمٍّ (بسبب اس غم کے) جو تم نے رسول اللہ ﷺ کو ان کے حکم کی نافرمانی کر کے دیا۔ یا غم بالائے غم، دو گنا غم، مسلسل و پیہم غم، رسول اللہ ﷺ کی شہادت کی افواہ، قتل، زخم، مشرکین کی فتح، غنیمت و مدد کے ہاتھ سے نکل جانے کا غم۔ لِّکَيْلًا تَحْزَنُوْا عَلٰی مَا فَاتَكُمْ (تاکہ تم غم نہ کرو اس پر جو تم سے فوت ہو گیا) (فتح و مال غنیمت وغیرہ) تاکہ تم غم پینے کے عادی بن جاؤ اور بعد میں کسی فوت ہو جانے والے منافع پر غم نہ کرو۔ وَلَا مَا اَصَابَكُمْ اور نہ اس پر جو تمہیں تکلیف و نقصان پہنچا۔ وَاللّٰهُ خَبِيْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ (اللہ تعالیٰ کو تمہارے اعمال معلوم ہیں) اس پر تمہارا کوئی عمل مخفی نہیں۔

درحقیقت اس میں اطاعت کی ترغیب اور معصیت سے ڈرایا گیا ہے۔

ثُمَّ أَنْزَلَ عَلَيْكُمْ مِنْ بَعْدِ الْغَمِّ أَمْنَةً نُعَاسًا يَغْشَى طَآئِفَةً مِنْكُمْ وَطَآئِفَةٌ

اللہ نے غم کے بعد تم پر امن کو نازل فرما دیا جو اونگھ کی صورت میں تھی جو تم میں سے ایک جماعت پر چھائی ہوئی تھی، اور ایک جماعت

قَدْ أَهَمَّتْهُمْ أَنْفُسُهُمْ يَظُنُّونَ بِاللّٰهِ غَيْرَ الْحَقِّ ظَنَّ الْجَاهِلِيَّةِ ۖ يَقُولُونَ

ایسی تھی جن کو اپنی ہی جانوں کی فکر پڑی ہوئی تھی یہ لوگ اللہ کے بارے میں حق کے خلاف جاہلیت والا خیال کر رہے تھے۔ یوں کہہ رہے تھے

هَلْ لَّنَا مِنَ الْأَمْرِ مِنْ شَيْءٍ ۗ قُلْ إِنَّ الْأَمْرَ كُلَّهُ لِلّٰهِ ۖ يُخَفُّونَ فِي أَنْفُسِهِمْ

کیا ہمارے ہاتھ میں بھی کچھ اختیار ہے۔ آپ فرمادیتے کہ بلاشبہ سب اختیار اللہ ہی کو ہے، یہ لوگ اپنے نفسوں میں ایسی بات چھپا رہے

مَّا لَا يَبْدُوْنَ لَكَ ۖ يَقُولُونَ لَوْ كَانَ لَنَا مِنَ الْأَمْرِ شَيْءٌ ۖ مَا قَتَلْنَا هُنَا ۖ

ہیں جسے آپ کے سامنے ظاہر نہیں کرتے تھے، یہ لوگ کہہ رہے تھے کہ اگر ہمارا کچھ بھی اختیار چلتا تو ہم یہاں قتل نہ کئے جاتے،

قُلْ لَوْ كُنْتُمْ فِي بُيُوتِكُمْ لَبَرَزَ الَّذِينَ كُتِبَ عَلَيْهِمُ الْقَتْلُ إِلَى مَضَاجِعِهِمْ ۚ

آپ فرمادیتے اگر تم اپنے گھروں میں ہوتے تب بھی بلاشبہ وہ لوگ جن کے بارے میں قتل ہونا مقدر ہو چکا تھا اپنی ان جگہوں کے لئے نکل کھڑے ہوتے جہاں جہاں وہ

وَلِيَبْتَلِيَ اللّٰهُ مَا فِي صُدُورِكُمْ وَلِيُمَحَّصَ مَا فِي قُلُوبِكُمْ ۗ وَاللّٰهُ عَلِيمٌ

قتل ہو کر گرے اور تاکہ اللہ آزمائے جو تمہارے سینوں میں ہے اور تاکہ اس کو صاف کرے جو تمہارے دلوں میں ہے۔ اور اللہ سینوں کی

بِذَاتِ الصُّدُورِ ۝۱۵۴ إِنَّ الَّذِينَ تَوَلَّوْا مِنْكُمْ يَوْمَ الْتَقَى الْجَمْعَانِ ۚ إِنَّمَا

باتوں کو جاننے والا ہے۔ بے شک تم میں سے جو لوگ اس دن پشت پھیر کر چلے گئے جس دن دونوں جماعتیں آپس میں مقابل ہوئی تھیں بات یہی ہے

اسْتَزَلَّهُمُ الشَّيْطٰنُ بِبَعْضِ مَا كَسَبُوا ۚ وَلَقَدْ عَفَا اللّٰهُ عَنْهُمْ ۗ إِنَّ اللّٰهَ

کہ ان کو شیطان نے لغزش دے دی بعض ایسے اعمال کے سبب جو انہوں نے کئے اور البتہ تحقیق اللہ نے ان کو معاف فرما دیا بے شک اللہ

غَفُورٌ حَلِيمٌ ۝۱۵۵

بخشنے والا ہے علم والا ہے۔

مومنوں پر اونگھ کا نزول:

۱۵۴: ثُمَّ أَنْزَلَ عَلَيْكُمْ مِنْ بَعْدِ الْغَمِّ أَمْنَةً نُعَاسًا يَغْشَى طَآئِفَةً مِنْكُمْ وَطَآئِفَةٌ قَدْ أَهَمَّتْهُمْ أَنْفُسُهُمْ يَظُنُّونَ بِاللّٰهِ

غَيْرَ الْحَقِّ ظَنَّ الْجَاهِلِيَّةُ يَقُولُونَ هَلْ لَنَا مِنَ الْأَمْرِ مِنْ شَيْءٍ قُلْ إِنَّ الْأَمْرَ كُلَّهُ لِلَّهِ يُخْفُونَ فِي أَنْفُسِهِمْ مَا لَا يُبْدُونَ لَكَ يَقُولُونَ لَوْ كَانَتْ لَنَا مِنَ الْأَمْرِ شَيْءٌ مَا قُتِلْنَا ههنا قُلْ لَوْ كُنْتُمْ فِي بُيُوتِكُمْ لَبَرَزَ الَّذِينَ كُتِبَ عَلَيْهِمُ الْقَتْلُ إِلَى مَضَاجِعِهِمْ وَلِيَبْتَلِيَ اللَّهُ مَا فِي صُدُورِكُمْ وَلِيُمَحَّصَ مَا فِي قُلُوبِكُمْ وَاللَّهُ عَلِيمٌ بِذَاتِ الصُّدُورِ۔ (پھر اللہ تعالیٰ نے ایمان والوں پر غم کے بعد چین اتارا اور ان سے اس خوف کو دور کیا جو ان پر طاری تھا یہاں تک کہ ان کو اونگھ آگئی اور نیند کا ان پر غلبہ ہوا)

حضرت ابو طلحہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میدان میں ہمیں اونگھ نے ڈھانپ لیا۔ ہمارے ہاتھوں سے تلواریں گر گر جاتی تھیں پھر ان کو تھامتے تھے۔ امنہ کا معنی امن۔

حَجْوٌ : نَعَا سًا یہ امنہ سے بدل ہے یا مفعول ہے اور امنہ اس سے حال ہے جو نکرہ ہونے کی وجہ سے پہلے لایا گیا جیسا رایت رَاكِبًا رَجُلًا یا امنہ مفعول لہ یا مخاطبین سے حال ہے جس کا معنی ذوی امنہ یا یہ امن کی جمع ہے جس طرح بَارًا وَ بَرَرَةً۔

يَغْشَى (جو گروہ پر چھا گئی) یعنی اونگھ یعنی الأمنہ

قراءت: حمزہ اور علی نے تغشی تا کے ساتھ امالہ سے پڑھا۔

مُؤْمِنٌ وَمُنَافِقٌ کے طرزِ عمل میں فرق:

طَائِفَةٌ مِّنْكُمْ تم میں سے ایک جماعت کو اور یہ گروہ اہل صدق و یقین کا تھا۔ وَطَائِفَةٌ (اور ایک گروہ) یہ منافقین کا گروہ تھا۔ قَدْ أَهْمَتْهُمْ أَنْفُسُهُمْ (جن کے نفوس ان کو اہم تر معلوم ہوئے) یعنی جن کو سوائے اپنی جانوں اور ان کے چھٹکارے کے اور کوئی مقصود نہ تھا۔ ان کا مقصد نہ تو دین تھا اور نہ رسول اللہ ﷺ کی ذات گرامی اور نہ مسلمان جن پر اللہ تعالیٰ کی رضا مندیاں تھیں۔ يَظُنُّونَ بِاللَّهِ غَيْرَ الْحَقِّ (وہ اللہ تعالیٰ کے متعلق غلط گمان رکھتے تھے) يَظُنُّونَ مصدر کے حکم میں ہے۔ یعنی وہ اللہ تعالیٰ کے متعلق سچے گمان کے علاوہ اور گمان کرتے تھے حالانکہ ان کو سچا گمان کرنا چاہیے تھا وہ غلط گمان یہ تھا کہ اللہ تعالیٰ حضرت محمد ﷺ کی مدد نہ کرے گا۔ ظَنَّ الْجَاهِلِيَّةُ (جاہلیت والا گمان) مراد اس سے اہل جاہلیت کا گمان یا وہ گمان جو ملت جاہلیت کے ساتھ خاص ہے مقصد یہ ہے کہ ایسا گمان مشرک جاہل ہی رکھ سکتے ہیں۔ يَقُولُونَ هَلْ لَنَا مِنَ الْأَمْرِ مِنْ شَيْءٍ (وہ کہتے ہیں کیا ہمارے اختیار میں کچھ ہے) اے مسلمانو! کیا ہمیں بھی اللہ تعالیٰ کے امر یعنی نصرت، اور دشمن پر غلبہ سے کچھ حصہ کبھی ملے گا۔ قُلْ إِنَّ الْأَمْرَ (کہہ دیجئے بیشک امر) یعنی مدد و غلبہ كُلُّهُ لِلَّهِ (تمام اللہ تعالیٰ کیلئے ہے) اور اسکے مؤمن اولیاء کیلئے جیسا کہ اس آیت وَإِنَّ جُنَدَنَا لَهُمُ الْغَالِبُونَ اور بے شک ہمارا لشکر ہی غلبہ پانے والا ہے۔ (الصافات ۱۷۳)

حَجْوٌ : کَلَّةٌ یہ امر کی تاکید ہے اور لِلَّهِ یہ ان کی خبر ہے کَلَّةٌ مبتداء اور لِلَّهِ خبر اور جملہ ان کی خبر ہے۔

قراءت: بصری قراء نے کَلَّةٌ پڑھا جبکہ بقیہ نے کَلَّةٌ پڑھا ہے۔

يُخْفُونَ فِي أَنْفُسِهِمْ مَا لَا يُبْدُونَ لَكَ (وہ اپنے دلوں میں وہ بات چھپاتے ہیں جو آپ کے سامنے ظاہر نہیں کرتے)

یعنی تلوار کے ڈرے۔ یَقُولُوْنَ (وہ کہتے ہیں) اپنے دلوں میں یا ایک دوسرے کو آپ کی اس بات کا انکار کرتے ہوئے اِنَّ الْاَمْرَ كُلَّهُ لِلّٰہ (کہ حکم تو سارا اللہ تعالیٰ کا ہے)۔

دلی روگ کا چا پلوسی سے اظہار:

لَوْ كَانَ لَنَا مِنَ الْاَمْرِ شَيْءٌ مَا قُتِلْنَا ههنا (اگر ہمارے اختیار میں کچھ ہوتا تو ہم یہاں قتل نہ ہوتے) یعنی اگر امر و اختیار جیسا کہ محمد ﷺ کہتے سارا اللہ تعالیٰ اور اسکے اولیاء کیلئے ہوتا تو پھر ہم غالب آتے اور کبھی مغلوب نہ ہوتے اور اس معرکہ میں جو مسلمان قتل ہوئے۔ وہ قتل نہ ہوتے۔ قد اہمتہم انفسہم یہ طائفہ کی صفت ہے اور یظنون یہ دوسری صفت ہے یا حال یا خبر ہے تقدیر عبارت یہ ہوگی۔

نَحْمُ: قَدْ اَہَمَّتْہُمْ اَنفُسُہُمْ ظانین اور یقولون یہ یظنون سے بدل ہے۔ اور یخفون یہ یقولون سے حال ہے۔ قُلْ اِنَّ الْاَمْرَ كُلَّهُ لِلّٰہ یہ حال اور ذوالحال کے درمیان جملہ معترضہ ہے اور یقولون یہ یخفون سے بدل ہے یا جملہ مستانفہ ہے۔ بہر حال فیصلہ تقدیر نافذ العمل ہے:

قُلْ لَّوْ کُنْتُمْ فِیْ یُؤْتِکُمْ (آپ کہہ دیں اگر تم اپنے گھروں میں ہوتے) یعنی وہ لوگ کہ جن کا اس معرکہ میں قتل ہونا اللہ تعالیٰ کے علم میں تھا اور لوح محفوظ میں درج تھا اس کا پایا جانا ضروری تھا خواہ تم اپنے گھروں میں بیٹھ رہتے لَبَرَزَ الَّذِیْنَ کُتِبَ عَلَیْہِہُمُ الْقَتْلُ اِلٰی مَضٰجِیْعِہُمْ (ضرور نکلتے تم میں سے وہ لوگ اپنی اجل کی قتل گاہوں کی طرف جن کا قتل ہونا مقدر ہو چکا تھا) تاکہ جو طے ہو چکا تھا وہ پورا ہو۔ مطلب یہ ہے اللہ تعالیٰ نے لوح محفوظ میں ان مسلمانوں کا قتل ہونا لکھ دیا تھا جو قتل ہوئے اور اسکے ساتھ یہ بھی لکھ دیا کہ وہ غالب ہونگے اس لئے کہ یہ بات اللہ تعالیٰ کے علم میں تھی۔ انجام کار غلبہ مسلمانوں کا ہوگا۔ اور دین اسلام تمام ادیان پر غالب آئے گا۔ اور بعض اوقات کی تکالیف انکا امتحان و پڑتال ہے۔ وَلَیْسَتِلٰی اللّٰہُ مَا فِیْ صُدُوْرِکُمْ وَلَیْمَحْصَ مَا فِیْ قُلُوْبِکُمْ (اور تاکہ اللہ تعالیٰ جانچ کرے اس اخلاص کی جو تم مسلمانوں کے دلوں میں ہے اور تمہارے دلوں کے خیالات و وساوس کو چھانٹ دے) اسلئے یہ کیا یا یہ بہت سے مصالح اور ابتلاء و پڑتال کیلئے کیا۔ وَاللّٰہُ عَلِیْمٌ بِذٰاتِ الصُّدُوْرِ (اور اللہ تعالیٰ کو سینوں کی خفیہ باتیں معلوم ہیں)

تذکرہ لغزش اور لطف و قرب میں اضافہ:

۱۵۵: اِنَّ الَّذِیْنَ تَوَلَّوْا مِنْکُمْ یَوْمَ التَّقٰی الْجَمْعِیْنِ اِنَّمَا اسْتَرٰ لَہُمْ الشَّیْطٰنُ بَعْضَ مَا کَسَبُوْا وَلَقَدْ عَفَا اللّٰہُ عَنْہُمْ اِنَّ اللّٰہَ غَفُوْرٌ حَلِیْمٌ۔ (جو لوگ شکست کھا کر مڑے)۔ یَوْمَ التَّقٰی الْجَمْعِیْنِ (جس دن دو جماعتیں آپس میں لڑیں) یعنی احد میں لڑائی کیلئے گروہ حضرت محمد ﷺ اور گروہ ابوسفیان جمع ہوئے۔

اِنَّمَا اسْتَرٰ لَہُمْ الشَّیْطٰنُ (بے شک شیطان نے ان کو لغزش کی طرف بلایا) اور اس پر آمادہ کیا۔ بَعْضَ مَا کَسَبُوْا (ان بعض گناہوں کی وجہ سے جو انہوں نے کئے) اس مرکز کو چھوڑ کر جس پر رسول اللہ ﷺ نے ان کو قائم رہنے کا حکم دیا تھا۔ اس لغزش کی

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَكُونُوا كَالَّذِينَ كَفَرُوا وَقَالُوا لِإِخْوَانِهِمْ إِذَا

اے ایمان والو! ان لوگوں کی طرح مت ہو جاؤ جنہوں نے کفر کیا اور اپنے بھائیوں سے کہا جب

ضَرَبُوا فِي الْأَرْضِ أَوْ كَانُوا غَزًى لَوْ كَانُوا عِنْدَنَا مَا تَوَأَمُوا وَفُتِلُوا

وہ زمین میں سفر کرنے لگیں یا غازی بن جائیں کہ اگر یہ لوگ ہمارے پاس ہوتے تو نہ مرتے اور نہ مارے جاتے

لِيَجْعَلَ اللَّهُ ذَلِكَ حَسْرَةً فِي قُلُوبِهِمْ ۖ وَاللَّهُ يُحْيِي وَيُمِيتُ ۖ

تاکہ اللہ اس بات کو ان کے دلوں میں حسرت بنا دے اور اللہ زندہ فرماتا ہے اور موت دیتا ہے

وَاللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرٌ ۝ ۱۵۶ وَلَئِنْ قُتِلْتُمْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ أَوْ مِتُّم

اور اللہ تمہارے سب کاموں کو دیکھنے والا ہے اور البتہ اگر تم قتل کر دیے جاؤ یا اللہ کی راہ میں مر جاؤ

لَمَغْفِرَةٍ مِّنَ اللَّهِ وَرَحْمَةٍ خَيْرٌ مِّمَّا يَجْمَعُونَ ۝ ۱۵۷ وَلَئِنْ مِتُّم أَوْ قُتِلْتُمْ

تو بلاشبہ اللہ کی طرف سے مغفرت اور رحمت بہتر ہے اس چیز سے جسے وہ لوگ جمع کرتے ہیں اور اگر تم مر گئے یا قتل ہو گئے تو

لَا إِلَى اللَّهِ تَحْشَرُونَ ۝ ۱۵۸

ضرور اللہ کی طرف جمع کئے جاؤ گے۔

نسبت شیطان کی طرف کر کے لطف و قرب میں اضافہ کر دیا۔ اور اس کی وجہ مَّا كَسَبُوا (اپنا عمل) قرار دے کر نصیحت و تادیب کر دی۔

احد کے دن حضرت محمد ﷺ کے اصحاب تیرہ کے سواء سب منتشر ہو گئے۔ ثابت قدم رہنے والوں کے نام یہ ہیں۔ ابو بکر، علی، طلحہ، عبدالرحمان بن عوف سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہم اور باقی انصار میں سے تھے۔ (دیگر مفسرین نے اور نام بھی ذکر کیے ہیں) وَلَقَدْ عَفَا اللَّهُ عَنْهُمْ (البتہ تحقیق اللہ تعالیٰ ان کو معاف فرما چکا) اور ان سے درگزر فرمایا۔ إِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ (بیشک اللہ گناہوں کو بخشتے والے) حَلِيمٌ (صاحب حلم ہیں) کہ سزا میں جلدی نہیں کرتے۔

حسرتناک قول کی ممانعت:

۱۵۶: يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَكُونُوا كَالَّذِينَ كَفَرُوا وَقَالُوا لِإِخْوَانِهِمْ إِذَا ضَرَبُوا فِي الْأَرْضِ أَوْ كَانُوا غَزًى لَوْ كَانُوا عِنْدَنَا مَا تَوَأَمُوا وَفُتِلُوا وَمَا قُتِلُوا لِيَجْعَلَ اللَّهُ ذَلِكَ حَسْرَةً فِي قُلُوبِهِمْ وَاللَّهُ يُحْيِي وَيُمِيتُ وَاللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرٌ۔ (اے ایمان والو! تم کافروں کی طرح نہ بنو) جیسا عبد اللہ بن ابی اور اسکے ساتھیوں نے کہا۔ وَقَالُوا لِإِخْوَانِهِمْ (وہ

اپنے بھائیوں کو کہنے لگے) یعنی اپنے نسبی بھائیوں کے حق میں کہنے لگے یا نفاق میں جو ان کے ہم پیالہ ہیں۔ اِذَا ضَرَبُوا فِي الْأَرْضِ (جب وہ زمین میں سفر کرتے ہیں) یعنی تجارت وغیرہ کیلئے سفر پر جاتے ہیں۔ اَوْ كَانُوا غُرًى (یا وہ غزوہ میں جاتے ہیں) غُرًى جمع غار جیسا کہ عاف کی جمع عُفًى آتی ہے۔ یعنی وہ کسی غزوہ میں قتل ہو جاتے ہیں یا سفر کے دوران ان کو موت آ جاتی ہے۔ لَوْ كَانُوا عِنْدَنَا مَا تَوَأَوْا وَمَا قَتَلُوا لِيَجْعَلَ اللَّهُ ذَلِكَ حَسْرَةً فِي قُلُوبِهِمْ (اگر یہ ہمارے ہاں رہتے تو نہ مرتے اور نہ قتل ہوتے تاکہ کر دے اللہ تعالیٰ اس بات کو حسرت کا باعث ان کے دلوں میں)۔

لام کا تعلق لا تکنونوا یا قالوا سے:

تفسیر اول لام کا تعلق لا تکنونوا سے ہے۔ تقدیر عبارت یہ ہے لا تکنونوا كَهَوْلًا فِي النُّطْقِ بِذَلِكَ الْقَوْلِ وَ اعْتِقَادِهِ لِيَجْعَلَ اللَّهُ ذَلِكَ حَسْرَةً فِي قُلُوبِهِمْ خَاصَةً وَ يَصُونَ مِنْهَا قُلُوبَكُمْ۔ تم یہ بات کہنے اور اس پر اعتقاد رکھنے میں ان لوگوں کی طرح نہ بنو تاکہ یہ بات اللہ تعالیٰ ان کے دلوں میں خاص طور پر حسرت کا باعث بنادے اور تمہارے دلوں کو محفوظ کر لے۔

دوسری تفسیر: لام کا تعلق قالوا سے ہے۔ تقدیر عبارت یہ ہے کہ قالوا ذَلِكَ وَ اعْتَقَدُوهُ لِيَكُونَ ذَلِكَ حَسْرَةً فِي قُلُوبِهِمْ یعنی انہوں نے یہ کہا اور دلوں میں اس کا اعتقاد کیا۔ تاکہ نتیجہ یہ بات ان کے دلوں میں حسرت کا باعث ہو۔ الحسرة کسی پسندیدہ چیز کے فوت ہونے پر شرمندگی کو کہتے ہیں۔ وَاللَّهُ يُحْيِي وَيُمِيتُ (اللہ تعالیٰ ہی زندگی اور موت دیتا ہے) اس میں انکی اس بات کا رد کیا گیا کہ جنگ وقت مقررہ کو کاٹ دیتی ہے۔ مطلب یہ ہوا کہ اختیار تمام اللہ تعالیٰ کے قبضہ اختیار میں ہے۔ کبھی وہ مسافر و مقاتل کو زندہ رکھتا ہے اور بیٹھنے والے مقیم کو موت دے دیتا ہے۔ وَاللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرٌ۔ (اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال کو دیکھتے ہیں) پس وہ تمہارے اعمال پر تمہیں بدلہ دیں گے۔

قراءت: علی، حمزہ، بکی قراء نے يَعْمَلُونَ پڑھا ہے۔ مراد وہ کافر جو کرتے ہیں ان کو دیکھتے ہیں۔

یہ مغفرت و رحمت لاکھوں زندگیوں سے بہتر ہے:

۱۵: وَلَئِنْ قُتِلْتُمْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ أَوْ مُتْتُمْ لِمَغْفِرَةٍ مِّنَ اللَّهِ وَرَحْمَةٍ مِّمَّا يَجْمَعُونَ۔ (اگر تم اللہ تعالیٰ کی راہ میں قتل کیے جاؤ یا مرجاؤ)۔

قراءت: کوئی قراء نافع، حمزہ، کسائی نے مُتْتُمْ مِتَّ بِابٍ سَمْعٍ سے ہر جگہ پڑھا۔ مگر عاصم نے اس طرح نہیں پڑھا، حفص نے اس سورت کے علاوہ دیگر مقامات پر کسرہ سے پڑھا ہے گویا انہوں نے اس کو قتلتم کے ساتھ ملا دیا ہے۔ باقی تمام قراء نے میم کے ضمہ مُتْتُمْ باب نصر سے تمام قرآن مجید میں پڑھا ہے اس کی نظیر مات یموت اور مات یمات ہے۔ لِمَغْفِرَةٍ مِّنَ اللَّهِ وَرَحْمَةٍ خَيْرٌ مِّمَّا يَجْمَعُونَ (البتہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے بخشش اور رحمت بہت بہتر ہے اس چیز سے جو وہ جمع کرتے ہیں) مآ یہاں الذی کے معنی میں ہے اور ضمیر محذوف ہے۔ حفص نے يَجْمَعُونَ پڑھا نافع، ابن کثیر اور ابو عمرو عاصم و حمزہ کسائی نے تَجْمَعُونَ پڑھا ہے۔

فَبِمَا رَحْمَةٍ مِّنَ اللَّهِ لِنْتَ لَهُمْ وَلَوْ كُنْتَ فَظًّا غَلِيظَ الْقَلْبِ لَانْفَضُّوا

سو اللہ کی رحمت کے سبب آپ ان کے لئے نرم ہو گئے اور اگر آپ سخت مزاج اور سخت دل والے ہوتے تو یہ لوگ آپ کے پاس سے

مِنْ حَوْلِكَ فَاعْفُ عَنْهُمْ وَاسْتَغْفِرْ لَهُمْ وَشَاوِرْهُمْ فِي الْأَمْرِ فَإِذَا

منتشر ہو جاتے، سو آپ ان کو معاف فرما دیجئے اور ان کے لئے استغفار کیجئے اور کاموں میں ان سے مشورہ لیجئے پھر جب

عَزَمْتَ فَتَوَكَّلْ عَلَى اللَّهِ إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُتَوَكِّلِينَ ﴿۱۵۹﴾

آپ پختہ عزم کر لیں تو اللہ پر توکل کیجئے، بے شک توکل کرنے والے اللہ کو محبوب ہیں۔

جس کو مقصود ملا اس کو زاد کی ضرورت نہیں:

۱۵۸: وَلَئِنْ مِتُّمْ أَوْ قُتِلْتُمْ لَا إِلَى اللَّهِ تُحْشَرُونَ۔ (اگر تم مر جاؤ یا قتل کر دیے جاؤ تو ضرور اللہ تعالیٰ کی طرف تمہارا حشر ہوگا) یعنی وسیع رحمت، عظیم ثواب دینے والی ذات کی طرف تمہیں اکٹھا کیا جائے گا۔

لطیف نکتہ:

یہاں اسم باری تعالیٰ لایا گیا اور اس سے قبل آنے والے حرف پر لام تاکید کا داخل کر کے ایک عجیب شان کلام میں پیدا کر دی جو دلیل سے بے نیاز ہے۔ یعنی خواہ موت کسی طریق سے ہو اللہ ہی کی طرف تمہارا حشر ضرور ہونا ہے۔ کسی دوسرے کے پاس جانا نہ ہوگا۔ اس لئے تاجحدامکان اس کا قرب حاصل کر لو تا کہ کل قید فراق سے چھوٹ کر اس محبوب کی بارگاہ میں پہنچ جاؤ۔

جس طرح لمغفرۃ او پروالی آیت میں قسم کے جواب کے طور پر واقع ہے۔ اور جواب شرط کی جگہ استعمال ہو رہا ہے اسی طرح لا الہ الا اللہ تحشرون۔ جواب شرط کے قائم مقام ہے اس کی وضاحت اس طرح ہے کہ اولاً کفار کے اس گمان کا جواب دیا کہ جو شخص سفر کرے یا غزوہ میں ہمارے بھائیوں میں سے شریک ہو اگر وہ مدینہ میں رہائش پذیر رہتا تو اس کو موت نہ آتی اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو اس قسم کے گمان سے منع کیا کیونکہ یہ چیز جہاد میں شرکت سے رکاوٹ ہے۔ پھر فرمایا اگر ہلاکت بالموت اسی طرح واقع ہو جائے یا تم اللہ تعالیٰ کی راہ میں مارے جاؤ تو اس سے ایسی مغفرت و رحمت میسر ہوگی جو اس دنیا سے لاکھ درجہ بہتر ہے جو تم جمع کر رہے ہو۔ کیونکہ دنیا تو آخرت کیلئے زادِ راہ لینے کی جگہ ہے۔ جب بندہ نے مقصود پایا تو زاد کی بھی ضرورت نہ رہی۔

رحمت و شفقت دونوں جمع کر دیں:

۱۵۹: فَبِمَا رَحْمَةٍ مِّنَ اللَّهِ لِنْتَ لَهُمْ وَلَوْ كُنْتَ فَظًّا غَلِيظَ الْقَلْبِ لَانْفَضُّوا مِنْ حَوْلِكَ فَاعْفُ عَنْهُمْ وَاسْتَغْفِرْ لَهُمْ وَشَاوِرْهُمْ فِي الْأَمْرِ فَإِذَا عَزَمْتَ فَتَوَكَّلْ عَلَى اللَّهِ إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُتَوَكِّلِينَ۔ (اللہ تعالیٰ کی عظیم الشان رحمت کی وجہ سے تم مومنوں پر نرم دل ہوئے)۔ مآ تاکید کیلئے لایا گیا ہے۔ یہ زائدہ ہے اور اس بات پر دلالت کر رہا ہے کہ مومنوں پر آپ کی

نرمی اللہ تعالیٰ کی رحمت ہی سے ہے۔ اور رحمت کا یہاں مطلب آپ کے جوش پر کنٹرول اور نرمی کی توفیق دینا اور ان کے ساتھ مہربانی والا معاملہ کرنا ہے۔ وَلَوْ كُنْتَ فَظًا غَلِيظَ الْقَلْبِ (اگر تم خشک سخت دل ہوتے) لَا نَفِضُوا مِنْ حَوْلِكَ (تو وہ منتشر ہو جاتے آپ کے گرد سے) اور ایک بھی باقی نہ رہتا فَاعْفُ عَنْهُمْ (آپ ان کو معاف کر دیں) جو انکی طرف سے آپ کے حق میں احد کے دن ہوا۔ وَاسْتَغْفِرْ لَهُمْ (اور ان کے لئے استغفار کریں) اور جو اللہ تعالیٰ کے حق کے ساتھ خاص ہے۔ اسکے لئے اللہ تعالیٰ سے استغفار کریں تاکہ تکمیل شفقت ہو جائے۔

اہمیت مشورہ:

وَشَاوِرْهُمْ فِي الْأَمْرِ (اور لڑائی وغیرہ معاملات جن میں وحی نازل نہ ہوئی ہو۔ ان سے مشورہ لیں) تاکہ ان کے دل خوش ہو جائیں اور نفوس کو راحت میسر ہو۔ اور انکی قدر و عظمت بڑھ جائے اور امت کیلئے مشورہ کا ایک دستور مقرر ہو۔ حدیث میں ارشاد فرمایا گیا: مَا تَشَاوَرُوا قَطُّ إِلَّا هُدُوا لَا رُشْدَ أَمْرِهِمْ جن لوگوں نے مشورہ کیا انہوں نے اپنے معاملہ میں صحیح راہ پالی۔

(تفسیر طبری)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ میں نے اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ مشورہ کرنے والے لوگ کہیں نہیں دیکھے۔ علامہ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں اصل میں یہ روایت اس طرح ہے کہ میں نے کسی کو اتنا مشورہ کر نیوالا نہ دیکھا جتنا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے صحابہ کرام سے کرتے تھے۔

شاوَرَت فلاناً کا مطلب یہ ہے کہ میں نے اپنی اور اسکے پاس جو رائے تھی وہ ظاہر کر دی شَرَت الدابة میں نے جانور کو دوڑا یا شَرَت العسل میں نے شہد کو چھتے سے حاصل کیا۔

جواز اجتہاد:

مَنْ سَأَلَ: اس آیت میں اجتہاد کا جواز ثابت ہوتا اور قیاس کی حجیت معلوم ہوتی ہے۔ فَإِذَا عَزَمْتَ (جب تم پختہ ارادہ کر لو) یعنی مشورے کے بعد قطعی رائے قائم کر لو۔ فَتَوَكَّلْ عَلَى اللَّهِ (تو اللہ تعالیٰ پر توکل کیجئے) اس سے زیادہ واضح بات پر عمل کرنے میں جو طے ہو جائے نہ کہ مشورہ پر۔ إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُتَوَكِّلِينَ (بے شک اللہ تعالیٰ اس کی ذات پر توکل کرنے والوں کو پسند فرماتے ہیں۔ التَّوَكَّلْ اللہ تعالیٰ کی ذات پر اعتماد کرنا اور معاملے کو اسی کے سپرد کرنا۔ حضرت ذوالنون مصری رحمہ اللہ فرماتے تھے۔ توکل ارباب سے علیحدگی اور اسباب سے قطع تعلقی کو کہا جاتا ہے۔

اِنْ يَنْصُرْكُمُ اللّٰهُ فَلَا غَالِبَ لَكُمْ ؕ وَاِنْ يَخْذُلْكُمْ فَمَنْ ذَا الَّذِي يَنْصُرُكُمْ

اگر اللہ تمہاری مدد فرمائے تو تم پر کوئی غالب آنے والا نہیں۔ اور اگر وہ تمہیں بغیر مدد کے چھوڑ دے تو وہ کون ہے جو اس کے بعد تمہاری

مِنْ بَعْدِهِ ؕ وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُونَ ﴿۶۰﴾ وَمَا كَانَ لِنَبِيٍّ اَنْ يَّغْلُ

مدد کرے گا۔ اور اللہ ہی پر بھروسہ کریں مومن بندے۔ اور نبی کی یہ شان نہیں کہ وہ خیانت کرے،

وَمَنْ يَّغْلُلْ يَأْتِ بِمَا غَلَّ يَوْمَ الْقِيَمَةِ ثُمَّ تُوَفَّى كُلُّ نَفْسٍ مَّا كَسَبَتْ وَهُمْ

اور جو شخص خیانت کرے گا وہ اس خیانت کی ہوئی چیز کو قیامت کے دن لے کر آئے گا، پھر ہر شخص کو اس کے کئے کا بدلہ دیا جائے گا

لَا يُظْلَمُونَ ﴿۶۱﴾

اور ان پر ظلم نہ ہوگا۔

خبردار! اللہ پر توکل مت توڑو:

۶۰: اِنْ يَنْصُرْكُمُ اللّٰهُ فَلَا غَالِبَ لَكُمْ ؕ وَاِنْ يَخْذُلْكُمْ فَمَنْ ذَا الَّذِي يَنْصُرُكُمْ مِنْ بَعْدِهِ وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُونَ۔ (اگر اللہ تعالیٰ تمہاری مدد کرے) جیسا کہ بدر کے دن اس نے تمہاری مدد کی۔ فَلَا غَالِبَ لَكُمْ (تو پھر تم پر کوئی غلبہ نہیں پاسکتا) اور اللہ تعالیٰ کی مدد اسی کو ملتی ہے جو اپنی قوت و طاقت سے براءت کا اظہار کرے اور اپنے رب کی قدرت کو مضبوطی سے تھام لے۔ وَاِنْ يَخْذُلْكُمْ (اور اگر وہ تمہیں بغیر مدد چھوڑ دے) جیسا کہ احد کے دن چھوڑا فَمَنْ ذَا الَّذِي يَنْصُرُكُمْ مِنْ بَعْدِهِ (تو پھر کون تمہاری مدد کر سکتا ہے۔ اسکے چھوڑ دینے کے بعد) خذلان مد ترک کرنا یا یہ اس محاورہ سے لیا گیا۔ لیس لك من يحسن اليك من بعد فلان اس کا مقصد یہ ہے کہ جب تم اس سے تجاوز کرو گے تو پھر اور کوئی تم پر احسان نہ کرے گا۔ اس ارشاد الہی میں دراصل تنبیہ ہے کہ اختیار سارے اللہ تعالیٰ کے پاس ہیں اس پر توکل لازم ہے۔ وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُونَ۔ (اور اللہ تعالیٰ ہی کی ذات پر مومن کو توکل کرنا چاہیے) چاہیے کہ مومن اپنے رب کو توکل و تفویض کے ساتھ خاص کریں اس لیے کہ وہ جانتے ہیں کہ اسکے سوا انکا کوئی مددگار نہیں۔ اور تقاضہ ایمان بھی یہی ہے۔

مقام نبوت غلول (خیانت) کے منافی:

۶۱: وَمَا كَانَ لِنَبِيٍّ اَنْ يَّغْلُ وَمَنْ يَّغْلُلْ يَأْتِ بِمَا غَلَّ يَوْمَ الْقِيَمَةِ ثُمَّ تُوَفَّى كُلُّ نَفْسٍ مَّا كَسَبَتْ وَهُمْ لَا يُظْلَمُونَ۔ (مال غنیمت میں خیانت کرنا پیغمبر ﷺ سے بعید ہے) يَّغْلُلْ خیانت کرنے کے معنی میں ہے۔

قراءت: ابو عمرو، مکی، عاصم نے يَّغْلُلْ پڑھا اور دیگر قراء نے يُّغْلِلْ پڑھا ہے

کہا جاتا ہے: غلّ شيئا من المعنم غلولا وَاغْلُ اغلالا۔ جب مال غنیمت میں سے کوئی چیز خفیہ لی جائے۔ اغلّہ

اَفَمِنْ اَتَّبَعَ رِضْوَانَ اللّٰهِ كَمَنْ بَاٰ بِسَخَطِ مِّنَ اللّٰهِ وَمَا وُهِ

کیا جو شخص اللہ کی رضا کا تابع ہو وہ ایسے شخص کی طرح ہو سکتا ہے جو اللہ کے غضب کا مستحق ہو اور اس کا ٹھکانہ

جَهَنَّمُ ۖ وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ ﴿۱۶۲﴾ هُمْ دَرَجَتٌ عِنْدَ اللّٰهِ ۖ وَاللّٰهُ بَصِيْرٌ

دوزخ ہے اور وہ بُرا ٹھکانہ ہے۔ یہ لوگ اللہ تعالیٰ کے نزدیک درجات میں مختلف ہوں گے اور اللہ تعالیٰ ان کاموں کو دیکھتا ہے

بِمَا يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۶۳﴾

جو وہ کرتے ہیں۔

بولتے ہیں جب کسی کی نسبت خیانت کی طرف کی جائے۔ مطلب یہ ہے کہ آپ کے مناسب نہیں یعنی مقام نبوت غلول کے منافی ہے۔ جنہوں نے اسے مجہول پڑھا تو اس کا بھی یہی مطلب بنتا ہے کیونکہ اس صورت میں معنی یہ ہے کہ آپ کے بارے میں یہ صحیح نہیں کہ خیانت کی طرف منسوب کئے جائیں اور خیانت کی طرف خائن کی ہی نسبت ہوتی ہے۔

بعض روایات کا تذکرہ:

روایات میں ہے کہ ایک سرخ چادر بدر کے دن مال غنیمت میں سے گم پائی گئی تو بعض منافقین نے کہا شاید رسول اللہ ﷺ نے اس کو لے لیا تو یہ آیت اتری وَمَنْ يَغْلُلْ يَأْتِ بِمَا غَلَّ يَوْمَ الْقِيَامَةِ (جو شخص خیانت کرے گا وہ قیامت کے دن اس مال کے ساتھ آئے گا) یعنی وہ چیز بعینہ اپنی پشت پر اٹھا کر لائے گا جیسا کہ حدیث میں آیا۔ اویات بما احتمل من وبالہ واثمہ کہ اس کا وبال و گناہ لیکر آخرت میں آئے گا ثُمَّ تُوَفَّى كُلُّ نَفْسٍ مَّا كَسَبَتْ (پھر ہر نفس کو جو اس نے کمایا پورا پورا دیا جائے گا) یعنی اس کا بدلہ پورا پورا دیا جائے گا۔ اس طرح نہیں فرمایا ثم یوفی ما کسب تا کہ من یغلل کے مطابق ہو جاتا بلکہ عموم کے الفاظ سے ذکر کیا تا کہ ہر کاسب خواہ غاصب ہو یا اور وہ اس میں شامل ہو جائے۔ اور من یغلل کے ساتھ معنوی طور پر متصل ہو جائے اور یہ انداز کلام زیادہ بلیغ ہے کیونکہ جب خیانت کرنے والے کو علم ہوگا کہ ہر کاسب خیر و شر کو پورا بدلہ دیا جائیگا تو وہ جان لے گا کہ اتنے بڑے گناہ کے ساتھ وہ پھر کیسے بچ سکتا ہے۔ وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ (ان پر ظلم نہ کیا جائے گا) ہر ایک کا بدلہ اسکے کسب کے مطابق ہوگا۔

مؤمن و کافر برابر نہیں:

۱۶۲: اَفَمِنْ اَتَّبَعَ رِضْوَانَ اللّٰهِ كَمَنْ بَاٰ بِسَخَطِ مِّنَ اللّٰهِ وَمَا وُهِ جَهَنَّمُ ۖ وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ۔ (بھلا وہ شخص جس نے اللہ تعالیٰ کی رضا مندی کی اتباع کی) من اتباع سے مراد مہاجرین و انصار ہیں۔ كَمَنْ بَاٰ بِسَخَطِ مِّنَ اللّٰهِ (اس شخص کی طرح ہو سکتا ہے جو اللہ تعالیٰ کی ناراضگی کے ساتھ لوٹا) مَنْ بَاٰ سے مراد منافقین اور کفار ہیں۔ وَمَا وُهِ جَهَنَّمُ وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ (اور اس کا ٹھکانہ جہنم ہے اور جہنم بہت برا ٹھکانہ ہے)

لَقَدْ مَنَّ اللَّهُ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ إِذْ بَعَثَ فِيهِمْ رَسُولًا مِّنْ أَنفُسِهِمْ يَتْلُوا عَلَيْهِمْ

درحقیقت اللہ تعالیٰ نے مومنین پر احسان فرمایا جبکہ ان میں انہیں میں سے ایک رسول بھیجا جو ان کو اللہ کی آیتیں پڑھ

آيَتِهِ وَيُزَكِّيهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَإِنْ كَانُوا مِن قَبْلُ لَفِي

کر سناتا ہے اور ان کا تزکیہ کرتا ہے اور ان کو کتاب اور حکمت سکھاتا ہے اور اس میں شک نہیں کہ یہ لوگ اس سے پہلے

ضَلَلٍ مُّبِينٍ ﴿١٦٤﴾

کھلی ہوئی گمراہی میں تھے۔

ثواب وعذاب میں تفاوت ہے:

۱۶۳: هُمْ دَرَجَاتٍ عِنْدَ اللَّهِ وَاللَّهُ بِصِيرٍ بِمَا يَعْمَلُونَ۔ (ان کے درجات ہیں اللہ تعالیٰ کے ہاں) ان میں تفاوت و فرق ہے جیسا درجات میں ہوتا ہے۔ یا وہ درجات والے ہیں مطلب یہ ہے کہ ثواب پانے والوں اور سزا پانے والوں کے درجات میں فرق ہے یا ثواب وعذاب میں تفاوت و فرق ہے۔ وَاللَّهُ بِصِيرٍ بِمَا يَعْمَلُونَ (اللہ تعالیٰ جو کچھ وہ عمل کرتے ہیں ان کو دیکھنے والے ہیں) ان کے اعمال و درجات سے واقف ہے پس انہی اعمال کے حساب سے بدلہ دے گا۔

تصدیق کے لئے آسانی کر دی:

۱۶۴: لَقَدْ مَنَّ اللَّهُ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ إِذْ بَعَثَ فِيهِمْ رَسُولًا مِّنْ أَنفُسِهِمْ يَتْلُوا عَلَيْهِمْ آيَتِهِ وَيُزَكِّيهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَإِنْ كَانُوا مِن قَبْلُ لَفِي ضَلَالٍ مُّبِينٍ۔ (تحقیق اللہ تعالیٰ نے ایمان والوں پر احسان فرمایا) یعنی ان مومنوں پر جو آپ کی قوم میں سے آپ پر ایمان لائے ان میں سے ایمان والوں کو خاص کرنے کی وجہ یہ ہے۔ کہ آپ کی بعثت سے فائدہ ان کو پہنچا۔ إِذْ بَعَثَ فِيهِمْ رَسُولًا مِّنْ أَنفُسِهِمْ (جب کہ ان میں ایک رسول انہی میں سے مبعوث فرمایا) یعنی انکی جنس میں سے جو انکی طرح عربی ہیں یا اولاد اسماعیل میں سے پیغمبر بھیج کر جیسا کہ وہ اولاد اسماعیل میں سے ہیں اور اس میں احسان یہ ہے کہ جب وہ ان میں سے ہیں تو زبان ایک ہوئی۔ پس جو چیزیں ان پر لازم ہیں ان کا جاننا آسان ہو جائے گا اور وہ سچائی و امانت کے سلسلہ میں آپ کی ذات سے بخوبی واقف تھے یہ بات ان کو تصدیق کے سلسلہ میں نزدیک تر کر دے گی اور ان کے لئے ان میں سے ہونا باعث شرف بن جائے گا۔

ایک قراءت میں مِّنْ أَنفُسِهِمْ یعنی من اشرفہم ان میں سب سے زیادہ شرف والے ہیں۔

يَتْلُوا عَلَيْهِمْ آيَتِهِ (وہ اللہ تعالیٰ کی آیات ان پر پڑھتا ہے) یعنی قرآن پڑھ کر سناتا ہے اس کے بعد کہ وہ جاہل لوگ تھے ان کے کانوں میں وحی کی کوئی بات نہ پڑی تھی۔ وَيُزَكِّيهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ (کتاب و حکمت سے مراد قرآن و سنت ہے) وَإِنْ كَانُوا مِن قَبْلُ (بیشک وہ اس سے پہلے) یعنی بعثت رسول ﷺ سے پہلے لَفِي ضَلَالٍ مُّبِينٍ (کھلی گمراہی میں تھے)

أَوَلَمَّا أَصَابَكُمْ مَصِيبَةٌ قَدْ أَصَبْتُمْ مِثْلَيْهَا قُلْتُمْ أَنَّى هَذَا قُلْ

اور جس وقت تم کو ایسی مصیبت پہنچی جس کی دوسری مصیبت تم پہنچا چکے ہو تو کیا تم یوں کہتے ہو کہ یہ کہاں سے ہے آپ فرما دیجئے

هُوَ مِنْ عِنْدِ أَنْفُسِكُمْ إِنَّ اللَّهَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ﴿۱۶۵﴾ وَمَا أَصَابَكُمْ

یہ تمہاری ہی طرف سے ہے بے شک اللہ ہر چیز پر قادر ہے اور جو تکلیف تمہیں پہنچی

يَوْمَ اتَّقَى الْجَمْعُ فِي أَذْنِ اللَّهِ وَلِيَعْلَمَ الْمُؤْمِنِينَ ﴿۱۶۶﴾ وَلِيَعْلَمَ

جس دن دونوں جماعتیں ایک دوسرے کے مقابلے میں آئی تھیں سو یہ اللہ کے حکم سے تھا اور تاکہ اللہ تعالیٰ جان لے مؤمنین کو اور جان لے

الَّذِينَ نَافَقُوا ۖ وَقِيلَ لَهُمْ تَعَالَوْا قَاتِلُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ أَوْ ادْفَعُوا

ان کو جنہوں نے نفاق اختیار کیا۔ اور ان سے کہا گیا کہ آؤ۔ جنگ کرو اللہ کی راہ میں یا دفاع کرو،

قَالُوا لَوْ نَعْلَمُ قِتَالًا لَا اتَّبَعْنَاكُمْ ۖ هُمْ لِلْكَفَرِ يَوْمَئِذٍ أَقْرَبُ مِنْهُمْ

وہ کہنے لگے کہ اگر ہم جنگ کرنا جانتے تو ضرور تمہارے ساتھ ہو لیتے، وہ لوگ اس دن بہ نسبت ایمان کے کفر سے زیادہ قریب

لِلْإِيمَانِ ۚ يَقُولُونَ بِأَفْوَاهِهِمْ مَا لَيْسَ فِي قُلُوبِهِمْ ۖ وَاللَّهُ أَعْلَمُ بِمَا

ہیں۔ وہ اپنے منہوں سے وہ بات کہتے ہیں جو ان کے دلوں میں نہیں ہے اور اللہ خوب جاننے والا ہے اس بات کو جسے

يَكْتُمُونَ ﴿۱۶۷﴾ الَّذِينَ قَالُوا لِإِخْوَانِهِمْ وَقَعَدُوا لَوْ أَطَاعُونَا مَا قُتِلُوا قُلْ

وہ چھپاتے ہیں، جنہوں نے اپنے بھائیوں سے کہا اور خود بیٹھ رہے کہ اگر ہماری بات مانتے تو نہ مارے جاتے۔ آپ فرما دیجئے

فَادْرَأَوْا عَنْ أَنْفُسِكُمُ الْمَوْتَ إِنْ كُنْتُمْ صَادِقِينَ ﴿۱۶۸﴾

تم اپنی جانوں سے موت کو دفع کرو اگر تم سچے ہو۔

اندھے پن اور جہالت میں مبتلا تھے۔ مبین کھلی جس میں کوئی اشتباہ نہ تھا۔

نَجْمٌ: ان مخففہ من المثقلہ ہے۔ اسکے بعد لام کا آنا۔ ان نافیہ سے اس کو الگ کرتا ہے۔ تقدیر عبارت یہ ہے وان

الشان والحديث كانوا من قبل في ضلال مبين۔ بیشک معاملہ و بات یہ ہے کہ وہ اس سے پہلے کھلی گمراہی میں تھے۔

۱۶۵: أَوَلَمَّا أَصَابَكُمْ مَصِيبَةٌ قَدْ أَصَبْتُمْ مِثْلَيْهَا قُلْتُمْ أَنَّى هَذَا قُلْ هُوَ مِنْ عِنْدِ أَنْفُسِكُمْ إِنَّ اللَّهَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ

قَدِيرٌ۔ (کیا جب تمہیں کوئی مصیبت پہنچی) اس مصیبت سے مراد احد میں ستر صحابہ کا شہید ہونا ہے۔ قَدْ أَصَبْتُمْ مِثْلَيْهَا (تم اس

سے دو گنا پہنچا چکے) بدر کے دن ستر کفار قتل اور ستر قید ہوئے۔

نحو: یہ جملہ موضع رفع میں مصیبت کی صفت ہے۔

قُلْتُمْ اَنّٰی هٰذَا: (تم نے کہا یہ کہاں سے ہے) قُلْ هُوَ مِنْ عِنْدِ اَنْفُسِكُمْ (تم کہہ دو! کہ یہ مصیبت خود تمہاری طرف سے ہے) کیونکہ مدینہ سے نکل کر لڑنا تم نے پسند کیا۔ یا اس لئے کہ تم نے مرکز کو چھوڑ دیا۔

تین نحوی تراکیب:

نحو: لَمَّا۔ قُلْتُمْ کی وجہ سے منصوب ہے اور اَصَابَتْكُمْ محل جر میں ہے کیونکہ لَمَّا کی اضافت اس کی طرف ہے تقدیر عبارت یہ ہے: اَقْلَمْتُمْ حِیْنَ اَصَابَتْكُمْ کیا اس وقت تم نے کہا جب پہنچی تمہیں تکلیف۔

اَنّٰی هٰذَا یہ مقولہ ہونے کی وجہ سے منصوب ہے۔ اُتقریری ہے اور تَوْنِخ کیلئے ہے اور اس جملہ کا عطف واؤ کے ذریعہ ولقد صدقکم اللہ وعدہ پر ہے جو کہ احد میں وارد ہوا۔ یا پھر اس کا عطف محذوف پر ہے۔ جس کی تقدیر عبارت یہ ہے اَفْعَلْتُمْ کَذَا وَقُلْتُمْ حِیْنًا کَذَا۔ کیا تم نے ایسا کیا اور اس وقت یہ کہا: اِنَّ اللّٰهَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ۔ (بیشک اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قدرت رکھتے ہیں) مدد کی قدرت اور مدد روک لینے کی طاقت بھی ہے۔

غزوہ احد قضاء کا فیصلہ ہے:

۱۶۶: وَمَا اَصَابَكُمْ یَوْمَ التَّقِی الْجَمْعِیْنِ فِیْ اِذْنِ اللّٰهِ وَلِیَعْلَمَ الْمُؤْمِنِیْنَ اور وہ جو تمہیں پہنچا۔ یہ مَا۔ الذی کا معنی دیتا ہے۔ وَلِیَعْلَمَ الْمُؤْمِنِیْنَ: (اور تاکہ جان لے اللہ مؤمنین کو)

نحو: مَا مَبْتَدِء فِیْ اِذْنِ اللّٰهِ یہ خبر جو کائن سے متعلق ہے۔ یَوْمَ التَّقِی الْجَمْعِیْنِ۔ (جس دن دو گروہ آپس میں لڑے) تمہارا گروہ اور مشرکین کی جماعت مقام احد میں فِیْ اِذْنِ اللّٰهِ (وہ اللہ تعالیٰ کے اذن سے ہوا) اذن سے مراد علم و قضاء ہے۔

۱۶۷: وَلِیَعْلَمَ الَّذِیْنَ نَافَقُوْا وَقِیْلَ لَهُمْ تَعَالَوْا قَاتِلُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ اَوْ اِذْ فَعُوْا قَالُوْا لَوْ نَعْلَمُ قِتَالًا لَا تَبْعُنْكُمْ هُمْ لِلْکُفْرِ یَوْمَیْذٍ اَقْرَبُ مِنْهُمْ لِلْاِیْمَانِ یَقُوْلُوْنَ بِاَفْوَاهِهِمْ مَا لَیْسَ فِیْ قُلُوْبِهِمْ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا یَكْتُمُوْنَ۔ (تاکہ اللہ تعالیٰ جان لے ان لوگوں کو جو منافق ہیں) یعنی یہ اس لئے ہوا کہ مؤمن و منافق کا امتیاز ہو۔ تاکہ ان کا ایمان اور نفاق معلوم ہو جائے۔ وَقِیْلَ لَهُمْ (اور ان کو کہا گیا) یعنی منافقین کو کہا گیا تَعَالَوْا قَاتِلُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ (آؤ اللہ تعالیٰ کی راہ میں جہاد کرو) جس طرح مؤمن آخرت کیلئے جہاد کرتے ہیں۔ اَوْ اِذْ فَعُوْا (یا دفاع کرو) یعنی یا کم از کم اپنے اموال، جانیں اور اہل و عیال سے مدافعت تو کرو۔ اگر تم آخرت کیلئے نہیں لڑتے ہو۔ یہ تفسیر بھی کی گئی کہ مجاہدین کی جماعت میں اضافہ کر کے دشمن سے دفاع کرو خواہ لڑائی نہ بھی کرو۔ کیونکہ کثرت تعداد دشمن کو مرعوب کر دیتی ہے۔

نحو: قِیْلَ لَهُمْ یہ کلام ابتدائی ہے۔

یہ جنگ نہیں ہلاکت ہے:

قَالُوْا لَوْ نَعْلَمُ قِتَالًا لَا تَبْعُنْكُمْ (اگر ہم اس ٹکڑے کو لڑائی جانتے تو ضرور تمہارا ساتھ دیتے) یعنی اگر ہم جانتے کہ اس کو

لڑائی کہنا صحیح ہے تو ضرور تمہارے ساتھ چلتے۔ (مگر یہ تو خودکشی ہے) مقصد یہ ہے کہ وہ یہ کہنا چاہ رہے تھے کہ جس کام میں تم پڑے ہو وہ غلطی ہے اور اسکے علاوہ کچھ نہیں اس کو جنگ نہیں کہا جاسکتا بلکہ اپنے آپ کو ہلاکت میں مبتلا کرنا ہے۔ هُمْ لِلْكَفْرِ يَوْمَئِذٍ اَقْرَبُ مِنْهُمْ لِلْاِيْمَانِ (وہ منافق جتنے ایمان کے قریب تھے اس دن اتنے وہ کفر سے زیادہ قریب تھے) یعنی اس سے وہ اپنے ایمان کو ظاہر کر رہے ہیں ادھر جو علامات ان سے ظاہر ہوئی ہیں وہ کفر کا اعلان کر رہی ہیں۔ جب منافقین نے مسلمانوں کے لشکر سے علیحدگی اختیار کر لی اور جو منہ میں آیا بک دیا تو اس طرح وہ اس ایمان سے بھی دور ہو گئے جو بقول ان کے ایمان تھا۔ اور کفر سے قریب تر ہو گئے۔ یا نسبت اہل ایمان کے کافروں سے انکی مدد زیادہ قریب ہے کیونکہ مسلمانوں سے انکا علیحدگی اختیار کرنا اور مسلمانوں کی تعداد کو کم کرنا یہ اہل شرک کی کھلی تقویت ہے۔

قول و فعل میں تضاد:

يَقُولُونَ بِاَفْوَاهِهِمْ مَا لَيْسَ فِي قُلُوبِهِمْ (اپنے منہ سے ایسی بات کہتے ہیں جو ان کے دلوں میں نہیں) یعنی منہ سے اسلام کو ظاہر کرتے اور دلوں میں کفر چھپائے ہوئے ہیں۔ اس آیت میں افواہ کی قید تاکید کیلئے ہے کیونکہ قول تو پہلے بھی منہ سے ہی ہوتا ہے۔ اور مجاز کی نفی کر دی۔ کہ انکا قول باطن سے واقعہ جدا ہے۔ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا يَكْتُمُونَ (اللہ تعالیٰ اچھی طرح جانتے ہیں جو کچھ وہ چھپاتے ہیں) یعنی منافقت۔

ابن ابی کا مقولہ:

۱۶۸: اَلَّذِيْنَ قَالُوْا لَا خُوَا۟نِيْهِمْ وَقَعَدُوْا لَوْ اَطَاعُوْنَا مَا قَتَلُوْا قُلْ فَاذْرَعُوْا عَنْ اَنْفُسِكُمُ الْمَوْتَ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ۔ (وہ جنہوں نے کہا) مراد عبد اللہ بن ابی اور اس کا گروہ ہے۔ لَا خُوَا۟نِيْهِمْ (اپنے نہی بھائیوں کے متعلق) مراد احد کے دن قبل انصار میں قتل ہو جانے والے وَقَعَدُوْا (اور وہ بیٹھ رہے) یعنی یہ کہا اور خود قتال سے بیٹھ رہے۔ لَوْ اَطَاعُوْنَا مَا قَتَلُوْا (اگر وہ ہماری بات مانتے تو یہ قتل نہ ہوتے) یعنی اگر ہمارے بھائی رسول اللہ ﷺ کا ساتھ چھوڑ کر لوٹنے میں ہماری بات مان لیتے اور گھر میں بیٹھ رہتے تو وہ اسی طرح قتل سے بچ جاتے جیسے ہم۔

تین تراکیب نحویہ:

نَحْوُ: ۱۔ اَلَّذِيْنَ قَالُوْا یہ ہم مبتداء محذوف کی خبر ہے۔ یا یکتُمون کی واؤ سے بدل ہونے کی بناء پر مرفوع ہے۔ ۲۔ اَعْنٰی کا مفعول ہونے کی وجہ سے اَلَّذِيْنَ نَافَقُوْا کا بدل ہونے کی بناء پر منصوب ہے نمبر ۳۔ اَفْوَاهِهِمْ کی ضمیر سے بدل یا قلوبہم کی ضمیر سے بدل کی بناء پر مجرور ہے۔

اپنے کو موت سے بچا کر دکھاؤ:

قُلْ فَاذْرَعُوْا عَنْ اَنْفُسِكُمُ الْمَوْتَ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ۔ (کہہ دیں اپنے نفسوں سے موت کو دور کرو اگر تم سچے ہو) کہ تقدیر سے بچنا فائدہ دے سکتا ہے تو موت سے اپنے آپ کو بچالو۔

وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِينَ قُتِلُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ أَمْوَاتًا ۚ بَلْ أَحْيَاءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ

اور ہرگز گمان نہ کرو ان لوگوں کے بارے میں جو اللہ کی راہ میں قتل کئے گئے کہ وہ مردہ ہیں، بلکہ وہ زندہ ہیں اپنے رب کے پاس

يُرْزَقُونَ ﴿۱۶۹﴾ فَرِحِينَ بِمَا آتَاهُمُ اللَّهُ مِنْ فَضْلِهِ ۚ وَيَسْتَبْشِرُونَ

رزق پاتے ہیں، وہ خوش ہیں اس سے جو اللہ نے انہیں اپنے فضل سے عطا فرمایا، اور وہ خوش ہو رہے ہیں

بِالَّذِينَ لَمْ يَلْحَقُوا بِهِمْ مِنْ خَلْفِهِمْ ۚ أَلَّا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ

ان لوگوں کی وجہ سے جو ان کے پاس نہیں پہنچے۔ ان کے پیچھے رہ گئے کہ کوئی خوف نہیں ان پر اور نہ وہ

يَحْزَنُونَ ﴿۱۷۰﴾ يَسْتَبْشِرُونَ بِنِعْمَةِ اللَّهِ وَفَضْلٍ ۚ وَأَنَّ اللَّهَ لَا

رنجیدہ ہوں گے۔ وہ خوش ہو رہے ہیں بوجہ نعمت اور فضل خداوندی کے اور اس بات سے خوش ہیں کہ بلاشبہ

يُضِيعُ أَجْرَ الْمُؤْمِنِينَ ﴿۱۷۱﴾

اللہ ضائع نہیں فرماتا مؤمنین کے اجر کو۔

دوسری تفسیر یہ ہے اگر تم اس بارے میں سچے ہو کہ قتل سے بچنے کیلئے تمہارے پاس راستہ موجود ہے اور وہ لڑائی سے بچ کر گھر میں بیٹھنا ہے۔ تو پھر موت کو دور کرنے کی راہ بھی ڈھونڈو۔ بعض روایات میں آیا ہے کہ جس دن منافقین نے یہ افواہ اڑائی۔ اس دن ان میں سے ستر آدمی مر گئے۔

شہداء کا پہلا انعام (بدلہ):

۱۶۹: وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِينَ قُتِلُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ أَمْوَاتًا ۚ بَلْ أَحْيَاءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُونَ۔ (ہرگز نہ گمان کرو ان لوگوں کو جو اللہ کی راہ میں مارے جائیں مردہ بلکہ وہ زندہ ہیں)

شَّانُ بُرُؤُنْ: اُحد کے مقتولین کے بارے میں یہ آیات اتریں۔

قراءت: لَا تَحْسَبَنَّ سَیْنِ کے فتح سے شامی، حمزہ، علی و عاصم نے پڑھا۔ دوسرے قراء نے لَا تَحْسَبَنَّ کسرۃ سَیْنِ سے پڑھا ہے۔ قُتِلُوا کو شامی نے قُتِلُوا پڑھا ہے۔

شہدائے اُحد کا تذکرہ:

لَا تَحْسَبَنَّ کا خطاب خاص رسول اللہ ﷺ کو یا ہر مسلمان کو ہے۔ بَلْ أَحْيَاءٌ یعنی بل ہم احیاء بلکہ وہ زندہ ہیں۔ عِنْدَ رَبِّهِمْ اسکے ہاں مقرب ہیں۔ اور مرتبہ والے ہیں۔ يُرْزَقُونَ (ان کو رزق دیا جاتا ہے) جس طرح تمام زندہ کھاتے پیتے ہیں۔ یہ

أَحْيَاءُ کی تاکید ہے اور اللہ تعالیٰ کے رزق سے میسر شدہ نعمتیں جو ان کو حاصل ہیں ان کا تذکرہ ہے۔

کیفیت حیات:

۱۷۰: فَرِحِينَ بِمَا آتَاهُمُ اللَّهُ مِنْ فَضْلِهِ وَيَسْتَبْشِرُونَ بِالَّذِينَ لَمْ يَلْحَقُوا بِهِمْ مِنْ خَلْفِهِمْ أَلَّا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ۔ فَرِحِينَ (وہ خوش ہونے والے ہیں) یہ یزقون کی ضمیر سے حال ہے۔ بِمَا آتَاهُمُ اللَّهُ مِنْ فَضْلِهِ (جو اللہ تعالیٰ نے ان کو اپنے فضل سے عطا فرمایا ہے) کہ وہ زندہ ہیں اور مقربین میں ہیں اور جنت کی نعمتیں اور رزق جلد ان کو مل رہا ہے۔ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا جب تمہارے بھائی احد میں شہید ہو گئے۔ تو اللہ تعالیٰ نے انکی ارواح کو سفید پرندوں کے قالب میں ڈال دیا۔ وہ جنت کی نہروں میں چکر لگاتے اور اسکے پھلوں سے مستفید ہوتے ہیں۔ پھر عرش کے سایہ میں لٹکے ہوئے ذہبی قنادیل میں جا بیٹھتے ہیں۔ (ابوداؤد: ۳۵۲۰) دوسرا قول یہ ہے کہ یہ رزق جنت میں قیامت کے دن ان کو ملے گا مگر یہ قول ضعیف ہے کیونکہ پھر تخصیص کا کوئی فائدہ نہیں رہتا۔

ترغیب الی الشہادۃ:

وَيَسْتَبْشِرُونَ بِالَّذِينَ (وہ خوشخبری کے طالب ہیں اپنے ان مجاہد بھائیوں کے متعلق جو) لَمْ يَلْحَقُوا بِهِمْ (ان کو ابھی تک نہیں ملے) یعنی شہید نہیں ہوئے کہ وہ ان سے جا ملتے مِّنْ خَلْفِهِمْ (اپنے پیچھے)۔ مراد اس سے وہ لوگ ہیں جو ان کے بعد باقی رہ گئے اور یہ ان سے آگے بڑھ گئے۔ یا مرتبہ میں ان سے پیچھے رہنے والے۔ أَلَّا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ (کہ ان کو نہ کوئی خوف ہوگا) اور نہ رنج۔

نَحْوُ: یہ الذین سے بدل ہے۔ مطلب یہ ہوا یہ مسرور ہیں اس بات پر جو ان کے سامنے واضح ہوئی ان لوگوں کے متعلق جن کو وہ اپنے پیچھے چھوڑ آئے کہ وہ قیامت کے دن امن کے ساتھ اٹھائے جائیں گے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو یہ بشارت دی۔ پس وہ اس سے خوش ہونے والے ہیں۔

در حقیقت پیچھے لوگوں کے متعلق ان کو بشارت دے کر بعد والے لوگوں کو جہاد پر آمادہ کیا اور شہداء کے مراتب کو حاصل کرنے کی ترغیب دلائی وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ (اور نہ وہ غمگین ہونگے)

بشارات فضل و انعام:

۱۷۱: وَيَسْتَبْشِرُونَ بِنِعْمَةِ اللَّهِ وَفَضْلٍ وَأَنَّ اللَّهَ لَا يُضِيعُ أَجْرَ الْمُؤْمِنِينَ۔ (وہ بشارت پائیں گے اللہ تعالیٰ کی نعمت اور فضل کی) یعنی جو اللہ تعالیٰ نے ان پر انعامات کر رکھے ہیں۔ اس پر وہ خوش و خرم ہیں اور جو مزید اکرام سے ان کو نوازا رکھا ہے اس پر مسرور ہیں وَأَنَّ اللَّهَ لَا يُضِيعُ أَجْرَ الْمُؤْمِنِينَ (بیشک اللہ تعالیٰ ایمان والوں کے اجر کو ضائع نہیں کرتے) بلکہ وہ زیادہ عنایت فرماتے ہیں۔

قراءت: علی بن ابی طالب نے کسرہ سے اَن پڑھا اور اس کو جملہ استینافیہ اعتراضیہ قرار دیا۔

۴

الَّذِينَ اسْتَجَابُوا لِلَّهِ وَالرَّسُولِ مِنْ بَعْدِ مَا أَصَابَهُمُ الْقَرْحُ ۚ لِلَّذِينَ

جن لوگوں نے اللہ اور رسول کے حکم کو مان لیا اس کے بعد کہ ان کو زخم پہنچ چکا تھا ان میں سے جنہوں نے

أَحْسَنُوا مِنْهُمْ وَاتَّقُوا ۚ أَجْرٌ عَظِيمٌ ۝ (۱۷۲) الَّذِينَ قَالَ لَهُمُ النَّاسُ إِنَّ

نیکی کے کام کئے اور تقویٰ اختیار کیا ان کے لئے بہت بڑا ثواب ہے۔ یہ ایسے ہیں کہ جب ان سے لوگوں نے کہا کہ بلاشبہ

النَّاسَ قَدْ جَمَعُوا لَكُمْ فَاخْشَوْهُمْ فَزَادَهُمْ إِيمَانًا ۚ وَقَالُوا حَسْبُنَا اللَّهُ

لوگوں نے تمہارے لئے سامان جمع کیا ہے لہذا تم ان سے ڈرو تو ان کی اس بات نے ان کا اور زیادہ ایمان بڑھا دیا۔ اور کہنے لگے کہ ہم کو اللہ کافی ہے

وَنِعْمَ الْوَكِيلُ ۝ (۱۷۳) فَانْقَلَبُوا بِنِعْمَةِ رَبِّهِمْ إِلَىٰ دِيَارِهِمْ ۚ وَفَضَّلَ اللَّهُ لَمْ يَمَسَّهُمْ

اور وہ اچھا کارساز ہے۔ سو وہ اللہ کی نعمت اور اس کا فضل لے کر واپس ہوئے ان کو کچھ بھی تکلیف نہیں

سُوءٌ ۚ وَاتَّبَعُوا رِضْوَانَ اللَّهِ ۚ وَاللَّهُ ذُو فَضْلٍ عَظِيمٍ ۝ (۱۷۴) إِنَّمَا ذَلِكُمُ

پہنچی اور وہ اللہ کی رضامندی کے تابع رہے، اور اللہ بڑے فضل والا ہے یہ جو بات

الشَّيْطَانُ يُخَوِّفُ أَوْلِيَآءَهُ ۚ فَلَا تَخَافُوهُمْ وَخَافُوا اللَّهَ ۚ إِن كُنْتُمْ مُؤْمِنِينَ ۝ (۱۷۵)

شیطان آتی صرف اس وجہ سے کہ شیطان اپنے دوستوں سے ڈراتا ہے سو تم ان سے نہ ڈرو اور مجھ سے ڈرو اگر تم ایمان والے ہو۔

غزوہ حمراء الاسد کا تذکرہ:

۱۷۲: الَّذِينَ اسْتَجَابُوا لِلَّهِ وَالرَّسُولِ مِنْ بَعْدِ مَا أَصَابَهُمُ الْقَرْحُ لِلَّذِينَ أَحْسَنُوا مِنْهُمْ وَاتَّقُوا ۚ أَجْرٌ عَظِيمٌ۔ (وہ

جنہوں نے اللہ اور رسول کی دعوت جہاد کو لبیک کہا)

خُجُوعُ: الَّذِينَ اسْتَجَابُوا مُبْتَدَأُ اور لِلَّذِينَ أَحْسَنُوا۔ اس کی خبر ہے یا جملہ مؤمنین کی صفت ہے یا اَمَدَحُ فعل محذوف کا

مفعول ہے۔ مِنْ بَعْدِ مَا أَصَابَهُمُ الْقَرْحُ اسکے بعد کہ ان کو زخم پہنچے۔ القرع زخم، روایات میں ہے کہ ابوسفیان اور اسکے ساتھی

جب احد سے واپس لوٹ گئے تو مقام الروحاء میں پہنچ کر شرمندہ ہوئے کہ ہم بلا وجہ کوچ کر آئے۔ واپسی کا ارادہ کیا۔ رسول اللہ

صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ اطلاع ملی تو آپ نے کفار پر رعب قائم کرنے کیلئے اور مسلمانوں کی قوت کا مظاہرہ کرنے کیلئے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو

ابوسفیان کا پیچھا کرنے کیلئے نکلنے پر برا بھیجتے کیا۔ چنانچہ اتوار کے دن ستر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ساتھ آپ مدینہ سے روانہ ہوئے

یہاں تک کہ حمراء الاسد کے مقام تک پہنچے۔ یہ مدینہ منورہ سے آٹھ میل کے فاصلہ پر واقع ہے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم زخمی حالت میں

تھے۔ اللہ تعالیٰ نے مشرکین کے دلوں میں رعب ڈال دیا۔ چنانچہ کفار سر پر پاؤں رکھ کر بھاگ گئے۔ یہ آیت اس سلسلہ میں اتری

لِّلَّذِيْنَ اَحْسَنُوْا مِنْهُمْ وَاتَّقَوْا اَجْرٌ عَظِيْمٌ۔ (ان لوگوں کیلئے جنہوں نے ان میں سے نیکی کی اور تقویٰ اختیار کیا۔ آخرت میں بہت بڑا بدلہ ہے)

خَمْرٌ: مِنْهُمْ میں من تبیین کیلئے ہے۔ جیسا اس ارشاد میں: وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ مِنْهُمْ مَّغْفِرَةً وَّ اَجْرًا عَظِيْمًا۔ (الف: ۲۹) مِنْ کے بیان یہ ہونے کی دلیل یہ ہے کہ جنہوں نے اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ ﷺ کی بات پر لبیک کہی۔ وہ تمام نیکی و تقویٰ اختیار کرنے والے تھے نہ کہ بعض۔

غزوة السويق کا تذکرہ اور صحابہ رضی اللہ عنہم کی جاٹاری:

۱۷۳: اَلَّذِيْنَ قَالَ لَهُمُ النَّاسُ اِنَّ النَّاسَ قَدْ جَمَعُوْا لَكُمْ فَاخْشَوْهُمْ فَزَادَهُمْ اِيْمَانًا وَّ قَالُوْا حَسْبُنَا اللّٰهُ وَنَعْمَ الْوَكِيْلُ۔ (وہ جنہیں لوگوں نے کہا) یہ الذین استجابوا سے بدل ہے۔ جبکہ انکا شان نزول ایک ساتھ مانا جائے۔ اِنَّ النَّاسَ قَدْ جَمَعُوْا لَكُمْ (بیشک لوگ تمہارے لئے جمع ہوئے ہیں) روایات میں ہے کہ ابوسفیان نے احد سے واپسی پر کہا اے محمد (ﷺ) ہمارا تمہارا مقابلہ آئندہ سال بدر میں ہوگا۔ آپ ﷺ نے فرمایا ان شاء اللہ جب اگلے سال ابوسفیان اہل مکہ کے ساتھ نکلا تو اللہ تعالیٰ نے اسکے دل میں رعب ڈال دیا۔ اس نے واپس لوٹنا مناسب خیال کیا چنانچہ اسی دوران نعیم بن مسعود اشجعی مل گیا جو عمرہ سے واپس لوٹ رہا تھا۔ اس نے کہا اے نعیم میں نے محمد ﷺ سے مقام بدر میں ملنے کا وعدہ کر رکھا تھا میرا ارادہ بن رہا ہے کہ میں اس سے بچوں۔ پس تم مدینہ جا کر ان کو روکو۔ اور اس پر دس اونٹ تمہیں دیے جائیں گے۔ نعیم وہاں سے ہٹ کر مدینہ اس وقت پہنچا جب مسلمان بدر جانے کی تیاری میں مصروف تھے۔ اس نے کہا تم نکل کر جانا چاہتے ہو جبکہ وہاں لوگوں کا بڑا مجمع تمہارے لئے اکٹھا ہے اللہ کی قسم تم میں سے کوئی بچ کر نہ آئے گا۔ آپ ﷺ نے فرمایا میں ضرور بضرور نکل کر جاؤں گا۔ خواہ میرے ساتھ کوئی بھی نکل کر نہ جائے۔ آپ ستر مجاہدین کے دستہ کے ساتھ نکلے اور انکی زبانوں پر تھا: حَسْبُنَا اللّٰهُ وَنَعْمَ الْوَكِيْلُ۔ (اللہ تعالیٰ ہمیں کافی ہے اور وہ اچھا کارساز ہے) بدر میں پہنچ کر آٹھ راتیں قیام کیا۔ وہاں تجارتی قافلہ پایا جن کے ساتھ خرید و فروخت کی اور اللہ تعالیٰ نے نفع عنایت فرمایا پھر مدینہ منورہ کی طرف سلامتی و غنیمت کے ساتھ لوٹے۔ اہل مکہ نے اپنے اس لشکر کو جیش السويق کا لقب دیا اور کہا تم تو ستوکھانے نکلے تھے۔

الناس جو پہلی مرتبہ واقع ہوا اس سے مراد نعیم ہے جمع بول کر واحد مراد لی گئی۔ یا اس کے ساتھ اور لوگ بھی تھے جو افواہ پھیلانے میں اسکے شریک حال تھے۔ اس لیے جمع لائے۔ دوسرا، الناس اس سے مراد ابوسفیان اور اسکے ساتھی ہیں۔ فَاخْشَوْهُمْ (تم ان سے ڈرو)۔ فَزَادَهُمْ (پس اس بات نے بڑھا دیا) وہ بات اِنَّ النَّاسَ قَدْ جَمَعُوْا لَكُمْ فَاخْشَوْهُمْ تھی۔

یا نعیم نے پڑھا دیا اِيْمَانًا یعنی انکی بصیرت کو بڑھا دیا۔ اور یقین زیادہ کر دیا۔ وَّ قَالُوْا حَسْبُنَا اللّٰهُ (اور انہوں نے کہا اے اللہ تو ہمارے لئے کافی ہے) یعنی جو ہمارے لئے کافی ہے وہ اللہ ہی ہے کہتے ہیں احسبه الشیء جب اسکے لئے کافی ہو

جائے۔ یہ محسب کے معنی میں ہے جیسا کہتے ہیں ہذا رجل حسبك اب حسبك اور جل نکرہ کی صفت بنایا گیا ہے۔ اور اس کی اضافت ضمیر کی طرف غیر حقیقی ہے کیونکہ یہ اسم فاعل کے معنی میں ہے۔ وَنِعْمَ الْوَكِيلُ (اور وہ خوب کارساز ہے) وکیل بمعنی موکول الیہ ہے۔

بدر سے سلامت واپسی:

۱۷۴: فَأَنْقَلَبُوا بِنِعْمَةٍ مِّنَ اللَّهِ وَفَضْلٍ لَّمْ يَمَسَّ لَهُمْ سُوءٌ وَآتَبَعُوا رِضْوَانَ اللَّهِ وَاللَّهُ ذُو فَضْلٍ عَظِيمٍ۔ (پس وہ اللہ تعالیٰ کے انعام کے ساتھ لوٹے) یعنی سلامتی اور دشمن پر رعب کے ساتھ لوٹے وَفَضْلٍ (اور فضل کے ساتھ)۔ فضل سے مراد تجارت ہے ان کو دو گنا نفع ہوا۔ لَمْ يَمَسَّ لَهُمْ سُوءٌ (ان کو کوئی تکلیف دشمن کی مکاریوں سے نہ پہنچی)۔

نَحْوُ: یہ انقلبوا کی ضمیر سے حال ہے اور اسی طرح بنعمۃ بھی ہے۔ تقدیر عبارت یہ ہے فرجعوا امن بدر منعمین بریثین من سوء۔ وَآتَبَعُوا رِضْوَانَ اللَّهِ (انہوں نے اللہ تعالیٰ کی رضامندی کی اتباع کی)۔ جرأت کے ساتھ اور افواہوں کے باوجود دشمن کے سامنے نکل کر۔ اس کا انقلبوا پر عطف ہے۔ وَاللَّهُ ذُو فَضْلٍ عَظِيمٍ (اور اللہ تعالیٰ بڑے فضل والے ہیں) کہ اپنے فضل سے توفیق ان کے شامل حال کر دی۔

منافقین شیطان کے دوست ہیں:

۱۷۵: إِنَّمَا ذَلِكُمُ الشَّيْطَانُ يُخَوِّفُ أَوْلِيَاءَهُ فَلَا تَخَافُوهُمْ وَخَافُوا إِن كُنتُمْ مُّؤْمِنِينَ۔ (بیشک یہ شیطان ہے) نَحْوُ: ذَلِكُمُ مبتداء اور الشَّيْطَانُ اس کی خبر ہے۔ الشَّيْطَانُ سے مراد نعیم ہے۔ يُخَوِّفُ أَوْلِيَاءَهُ (وہ اپنے دوستوں کو ڈرا رہا ہے) مراد منافقین ہیں۔ یہ جملہ مستانفہ ہے اور افواہ کا بیان ہے۔ یا الشَّيْطَانُ اسم اشارہ کی صفت ہے۔ اور يُخَوِّفُ اس کی خبر ہے۔ فَلَا تَخَافُوهُمْ (تم ان سے مت ڈرو) یعنی اسکے دوستوں سے وَخَافُوا إِن كُنتُمْ مُّؤْمِنِينَ (اور مجھ ہی سے ڈرو اگر تم مؤمن ہو) کیونکہ ایمان کا تقاضہ یہ ہے کہ خوف الہی کو ہر خوف پر ترجیح دے۔

قراءت: بہل و یعقوب نے وصل و وقف دونوں میں وَخَافُوا نِیْ پڑھا ابو عمرو نے صرف وصل میں اس طرح پڑھا۔

وَلَا يَحْزُنُكَ الَّذِينَ يُسَارِعُونَ فِي الْكُفْرِ إِنَّهُمْ لَن يَضُرُّوا اللَّهَ شَيْئًا

اور آپ کو وہ لوگ رنجیدہ نہ کریں جو تیزی کے ساتھ کفر میں جا پڑتے ہیں بے شک وہ لوگ اللہ کو کچھ بھی ضرر نہ دے سکیں گے۔

يُرِيدُ اللَّهُ أَلَّا يَجْعَلَ لَهُمْ حِطًّا فِي الْآخِرَةِ وَلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيمٌ ﴿٧٦﴾ إِنَّ

اللہ چاہتا ہے کہ ان کو آخرت میں کچھ حصہ نہ دے اور ان کے لئے بڑا عذاب ہے، بے شک

الَّذِينَ اشْتَرُوا الْكُفْرَ بِالْإِيمَانِ لَن يَضُرُّوا اللَّهَ شَيْئًا وَلَهُمْ عَذَابٌ

جن لوگوں نے کفر کو ایمان کے بدلہ خریدا لیا وہ ہرگز اللہ کو کچھ بھی ضرر نہ پہنچا سکیں گے اور ان کے لئے دردناک

أَلِيمٌ ﴿٧٧﴾ وَلَا يَحْسِبَنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا أَنَّمَا نُمَلِّ لَهُمْ خَيْرٌ لِّأَنفُسِهِمْ إِنَّمَا

عذاب ہے۔ اور ہرگز گمان نہ کریں وہ لوگ جنہوں نے کفر کیا کہ ہم جو ان کو مہلت دے رہے ہیں وہ ان کی جانوں کے لئے بہتر ہے، بات یہی ہے

نُمَلِّ لَهُمْ لِيَزِدَ إِدْوَالَهُمْ وَلَهُمْ عَذَابٌ مُّهِينٌ ﴿٧٨﴾

کہ ہم انہیں مہلت دے رہے ہیں تاکہ وہ گناہوں میں اور زیادہ ترقی کر لیں اور ان کے لئے عذاب ہے ذلیل کرنے والا۔

نقصان کے بیان کا ایک بلیغ انداز:

۱۷۶: وَلَا يَحْزُنُكَ الَّذِينَ يُسَارِعُونَ فِي الْكُفْرِ إِنَّهُمْ لَن يَضُرُّوا اللَّهَ شَيْئًا يُرِيدُ اللَّهُ أَلَّا يَجْعَلَ لَهُمْ حِطًّا فِي الْآخِرَةِ وَلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيمٌ۔ (اور آپ کو غمزدہ نہ کریں)

قرأت: نافع نے تمام قرآن میں یَحْزُنُكَ پڑھا ہے سوائے سورہ انبیاء کی آیت: لَا يَحْزُنُهُمُ الْفَزَعُ الْأَكْبَرُ (انبیاء: ۱۰۳) الَّذِيْنَ يُسَارِعُوْنَ فِي الْكُفْرِ (وہ لوگ جو کفر میں تیزی سے گھسنے والے ہیں) یعنی وہ آپ کو غم میں نہ ڈالیں اس خطرے کے پیش نظر کہ وہ نقصان پہنچائیں گے کیا تم اس ارشاد الہی کی طرف نظر نہیں کرتے إِنَّهُمْ لَن يَضُرُّوا اللَّهَ شَيْئًا (یہ لوگ اللہ تعالیٰ کو ذرہ برابر بھی ضرر نہیں پہنچا سکتے) کہ وہ اللہ تعالیٰ کو یعنی اولیاء اللہ کو نقصان نہیں پہنچا سکتے۔ مطلب یہ ہوا کہ کفر میں جلد گھس جانے کی وجہ سے تمہیں وہ کچھ نقصان نہیں پہنچا سکیں گے خود انہی کو نقصان ہوگا دوسروں کو اس کا وبال نہ پہنچے گا۔ پھر اگلی آیت میں واضح کر دیا کہ ان کا وبال کس طرح ان کی طرف واپس لوٹے گا۔ يُرِيدُ اللَّهُ أَلَّا يَجْعَلَ لَهُمْ حِطًّا فِي الْآخِرَةِ (اللہ تعالیٰ ان کے لئے آخرت کے ثواب میں کوئی حصہ مقرر کرنا نہیں چاہتے) یعنی ثواب کا حصہ۔ وَلَهُمْ (اور ان کے لئے) ثواب کے بدلے عَذَابٌ عَظِيمٌ (بہت بڑا عذاب ہے) اور زیادہ بلیغ انداز ہے اس بات کو بیان کرنے کیلئے کہ یہ چیز انسان کے نفس کو نقصان پہنچانے والی ہے۔

ارادہ کفر پر ثواب سے محرومی:

یہ آیت ارادہ کفر و معاصی پر دلالت کرتی ہے کیونکہ اس کا ارادہ یہ ہے کہ ان کو آخرت میں ثواب نہ ملے اور یہ ان کے کفر و معاصی کے ارادہ کے بغیر ممکن نہیں۔

۱۷۷: اِنَّ الَّذِيْنَ اشْتَرَوْا الْكُفْرَ بِالْاِيْمَانِ لَنْ يَضُرُّوا اللّٰهَ شَيْئًا وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ۔ (بلاشبہ جن لوگوں نے کفر کو ایمان کے بدلہ میں خرید کیا) اشترؤا کا یہاں معنی بدلہ میں لینا ہے۔ لَنْ يَضُرُّوا اللّٰهَ شَيْئًا (وہ ہرگز اللہ تعالیٰ کو ذرہ بھر نقصان نہیں پہنچا سکتے)

نَحْوُ: شَيْئًا مصدر کی وجہ سے منصوب ہے یعنی شَيْئًا مِنَ الضَّرَرِ پہلی آیت ان لوگوں کے حق میں ہے جو پیچھے رہنے والوں میں سے منافق تھے یا اسلام سے مرتد ہو گئے اور دوسری آیت تمام کفار کے متعلق یا اس کا عکس بھی ہو سکتا ہے۔ کہ پہلی کفار کے متعلق اور دوسری منافقین کے متعلق ہو۔ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ (اور ان کے لئے دردناک عذاب ہے)

۱۷۸: وَلَا يَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا اَنَّمَا نُمِلُّ لَهُمْ خَيْرٌ لَّا نَفْسِيْهِمْ، اِنَّمَا نُمِلُّ لَهُمْ لِيَزِدَّا دُوْرًا اِثْمًا۔ وَلَهُمْ عَذَابٌ مُّهِينٌ۔ وَلَا يَحْسَبَنَّ (اور ہرگز نہ گمان کریں)

اختلاف ونحو:

قراءت: یہ لَا يَحْسَبَنَّ اور اسکے بعد والے تین میں بامضموم اور یحسبن یا کے ساتھ پڑھا کی اور ابو عمرو نے اور تمام مقامات پر حمزہ نے تا سے پڑھا۔ اور مدنی اور شامی نے تمام مقامات پر یا کے ساتھ سوائے آل عمران کی آیت ۱۸۸ میں فَلَا يَحْسَبَنَّہُمْ یہ تا کے ساتھ ہے۔ باقی قراء نے پہلے دوبا کے ساتھ اور آخری دو تا کے ساتھ پڑھے ہیں۔

الَّذِيْنَ كَفَرُوْا کافر۔ جنہوں نے یا سے پڑھا انہوں نے اس کو مرفوع قرار دیا ای لَا يَحْسَبَنَّ الْكَافِرُوْنَ اَنْ اٰتٰیہِمْ خَيْرٌ خبر کے ساتھ یحسبن کے دو مفعولوں کے قائم مقام ہے۔ تقدیر عبارت یہ ہے وَلَا يَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا اَمَلًا خَيْرًا لَا نَفْسِيْہُمْ۔ کافر ہرگز گمان نہ کریں کہ ہمارا ان کو مہلت دینا ان کے لئے بہتر ہے اِنَّمَا کَمَا مصدر یہ ہے۔ اصول خط کے مطابق اس کو الگ۔ اَنْ۔ مَا لکھا جانا چاہیے تھا لیکن مصحف عثمانی میں متصل لکھا گیا اسی لئے اس کی اتباع میں متصل لکھا جاتا ہے۔

جنہوں نے تا سے پڑھا لَا يَحْسَبَنَّہُمْ نے الَّذِيْنَ كَفَرُوْا کو منصوب قرار دیا۔ ای لَا يَحْسَبَنَّ الْكَافِرِيْنَ اور اِنَّمَا نُمِلُّ یہ کافرین سے بدل ہے۔ تقدیر عبارت یہ ہے وَلَا يَحْسَبَنَّ اِنَّمَا نُمِلُّ لِلْكَافِرِيْنَ خَيْرٌ لَّهُمْ اور اَنْ مَعَ مَا کے ساتھ دو مفعولوں کے قائم مقام ہے۔ الاملاء کا معنی امہال اور عمر کا طویل کر دینا ہے۔

جملہ مستانفہ ما قبل کی علت ہے:

اِنَّمَا نُمِلُّ لَهُمْ لِيَزِدَّا دُوْرًا اِثْمًا (بیشک ہمارا حکم دینا اس لئے ہے۔ تاکہ وہ گناہ میں بڑھ جائیں) یہ ما اس بات کا حقدار ہے کہ متصل لکھا جائے۔ کیونکہ یہ ما کافہ ہے۔ نہ کہ اول اور یہ جملہ مستانفہ پہلے جملے کی علت ہے۔ گویا اس طرح کہا گیا۔ مَا بِالْهَمِّ لَا يَحْسَبُوْنَ الْاَمَلًا خَيْرًا لَّهُمْ ان کو کیا ہو گیا کہ وہ مہلت کو بہتر خیال نہیں کرتے؟ تو اس کا جواب دیا بیشک ہم ان کو مہلت اس

مَا كَانَ اللَّهُ لِيَذَرَ الْمُؤْمِنِينَ عَلَىٰ مَا أَنْتُمْ عَلَيْهِ حَتَّىٰ يَمِيزَ الْخَبِيثَ

اللہ مومنین کو اس حالت پر چھوڑنا نہیں چاہتا جس پر تم اب ہو جب تک کہ ناپاک کو پاک سے

مِنَ الطَّيِّبِ ۖ وَمَا كَانَ اللَّهُ لِيُطْلِعَكُمْ عَلَى الْغَيْبِ وَلَكِنَّ اللَّهَ يَجْتَبِي

جدا نہ فرما دے۔ اور اللہ تم کو امور غیب پر مطلع نہیں فرماتا لیکن اللہ منتخب فرما لیتا ہے

مِنْ رُسُلِهِ مَن يَشَاءُ ۖ فَأَمِنُوا بِاللَّهِ وَرُسُلِهِ ۚ وَإِنْ تَوَمَّنُوا وَتَتَّقُوا فَلَكُمْ

اپنے رسولوں میں سے جس کو چاہے، سو ایمان لاؤ اللہ پر اور اس کے رسولوں پر، اور اگر تم ایمان پر قائم رہے اور تم نے تقویٰ اختیار کیا تو تمہارے لئے

أَجْرٌ عَظِيمٌ ﴿١٧٩﴾

ثواب عظیم ہے۔

لئے دے رہے ہیں تاکہ گناہوں میں وہ ترقی کر لیں۔ وَلَهُمْ عَذَابٌ مُّهِينٌ۔ (اور ان کے لئے ذلت والا عذاب ہے) ۱۷۹: مَا كَانَ اللَّهُ لِيَذَرَ الْمُؤْمِنِينَ عَلَىٰ مَا أَنْتُمْ عَلَيْهِ حَتَّىٰ يَمِيزَ الْخَبِيثَ مِنَ الطَّيِّبِ وَمَا كَانَ اللَّهُ لِيُطْلِعَكُمْ عَلَى الْغَيْبِ وَلَكِنَّ اللَّهَ يَجْتَبِي مِنْ رُسُلِهِ مَن يَشَاءُ ۖ فَأَمِنُوا بِاللَّهِ وَرُسُلِهِ ۚ وَإِنْ تَوَمَّنُوا وَتَتَّقُوا فَلَكُمْ أَجْرٌ عَظِيمٌ۔ لِيَذَرَ کی لام تاکید نفی کیلئے ہے۔ اللہ تعالیٰ ہرگز مومنوں کو اس حالت پر جس میں تم اس وقت ہو کہ مخلص و منافق ملے جلے رہیں چھوڑنے والے نہیں ہیں۔ حَتَّىٰ يَمِيزَ الْخَبِيثَ مِنَ الطَّيِّبِ (یہاں تک کہ ناپاک پاک سے جدا کر دے) یعنی یہاں تک کہ منافق مخلص سے الگ ہو جائے۔

نحو و قراءت:

يَمِيزَ حمزہ اور علی نے پڑھا۔ انتم کا خطاب تصدیق کرنے والے مخلص و منافق ہر دو کو ہے۔ گویا تقدیر عبارت یہ ہے۔ مَا كَانَ اللَّهُ لِيَذَرَ الْمُؤْمِنِينَ عَلَىٰ مَا أَنْتُمْ عَلَيْهِ حَتَّىٰ يَمِيزَ الْخَبِيثَ مِنَ الطَّيِّبِ وَمَا كَانَ اللَّهُ لِيُطْلِعَكُمْ عَلَى الْغَيْبِ وَلَكِنَّ اللَّهَ يَجْتَبِي مِنْ رُسُلِهِ مَن يَشَاءُ ۖ فَأَمِنُوا بِاللَّهِ وَرُسُلِهِ ۚ وَإِنْ تَوَمَّنُوا وَتَتَّقُوا فَلَكُمْ أَجْرٌ عَظِيمٌ۔ یعنی اللہ تعالیٰ تم میں سے مخلصین کو اس حالت پر چھوڑنے والے نہیں کہ جس میں تم اب ہو کہ ملے جلے رہتے ہو۔ یہاں تک کہ وہ منافقین کو تم سے اپنے پیغمبر ﷺ پر وحی اتار کر یا ایسے واقعات رونما کر کے جس سے مخلص و غیر مخلص جدا ہو جائیں۔ (وحی کی مثال یحذر المنافقون ان تنزل عليهم سورة اور واقعات کی مثال غزوة احد ہے) وَمَا كَانَ اللَّهُ لِيُطْلِعَكُمْ عَلَى الْغَيْبِ (اور اللہ تم کو امور غیب پر مطلع نہیں فرماتا) یعنی اللہ تعالیٰ تم میں سے کسی ایک کو غیب کا علم دینے والے نہیں پس تمہیں رسولوں کی خبروں سے وہم میں مبتلا نہ ہونا چاہیے جو خبریں وہ بعض لوگوں کے اخلاص اور دوسروں کے نفاق کے متعلق دیتے ہیں۔ وہ دلوں کی ان باتوں کی اطلاع اللہ تعالیٰ کے اطلاع دینے سے دیتے ہیں پس وہ دلوں کا کفر و ایمان اس طریق سے بتلاتے ہیں۔

وَلَا يَحْسَبَنَّ الَّذِينَ يَبْخُلُونَ بِمَا آتَاهُمُ اللَّهُ مِنْ فَضْلِهِ هُوَ

اور ہرگز خیال نہ کریں وہ لوگ جو بخل کرتے ہیں اس چیز میں جو اللہ نے انہیں اپنے فضل سے دی ہے کہ یہ بخل کرنا

خَيْرًا لَهُمْ ۖ بَلْ هُوَ شَرٌّ لَّهُمْ ۖ سَيُطَوَّقُونَ مَا بَخِلُوا بِهِ يَوْمَ

ان کے لئے بہتر ہے۔ بلکہ وہ ان کے لئے بُرا ہے، جس چیز کے ساتھ انہوں نے بخل کیا عنقریب قیامت کے دن ان کو اس کا طوق

الْقِيَمَةِ ۖ وَاللَّهُ مِيرَاثُ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ ۖ وَاللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ

پہنایا جائے گا۔ اور اللہ کے لئے آسمانوں کی اور زمین کی میراث ہے اور اللہ ان کاموں کی خبر رکھتا ہے جو

خَيْرٌ ۚ

تم کرتے ہو۔

رسولوں کو کسی کے دل کے نفاق و اخلاص کی خبر وحی سے ہوتی ہے:

وَلَكِنَّ اللَّهَ يَجْتَبِي مِنْ رُسُلِهِ مَنْ يَشَاءُ (لیکن اللہ تعالیٰ اپنے رسولوں میں جس کو چاہتے ہیں چنتے ہیں) یعنی لیکن اللہ تعالیٰ رسول بھیج کر انکی طرف وحی کر کے خبر دیتے ہیں کہ غیب میں یہ بات اس طرح ہے اور فلاں کے دل میں نفاق اور فلاں کے دل میں اخلاص ہے پس وہ اس خبر کو اللہ تعالیٰ کے خبر دینے سے جان لیتا ہے نہ کہ اپنے ذرائع سے۔

تر وید فرقہ باطنیہ:

اس آیت میں باطنی فرقہ کے خلاف دلیل ہے کیونکہ وہ اپنے امام کے بارے میں علم غیب ثابت کرتے ہیں اگرچہ اپنے امام کے بارے میں نبوت کو تو ثابت نہیں کیا مگر نص صریح کی مخالفت کی کہ غیر رسول کیلئے غیب کی باتوں کی اطلاع ثابت کردی اور اگر وہ اپنے امام کیلئے نبوت کے قائل ہوں تو پھر دوسری نص و خاتم النبیین (الاحزاب - ۴۰) کے مخالف ٹھہرتے ہیں۔ (مگر افسوس کہ فرقہ اثنا عشریہ اور اسماعیلیہ اور بہت سے قبر پرست اہل بدعت نے ائمہ مطہراں اور اپنے پیروں تک کیلئے علم غیب کو ثابت کیا ہے۔ اعاذنا اللہ منها مترجم) فَاٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرُسُلِهِ پس تم اللہ تعالیٰ اور اس کے رسولوں پر اخلاص کے ساتھ ایمان لاؤ۔ وَاِنْ تُوْمِنُوْا وَتَتَّقُوْا (اگر تم ایمان لاؤ اور تقویٰ اختیار کرو) یعنی نفاق سے بچو فَلَکُمْ اَجْرٌ عَظِيْمٌ۔ (تو تمہارے لیے بہت بڑا اجر ہے) قیامت کے دن۔

منکرین زکوٰۃ کا انجام:

۱۸۰. وَلَا يَحْسَبَنَّ الَّذِينَ يَبْخُلُونَ بِمَا آتَاهُمُ اللَّهُ مِنْ فَضْلِهِ هُوَ خَيْرًا لَّهُمْ ۖ بَلْ هُوَ شَرٌّ لَّهُمْ سَيُطَوَّقُونَ مَا بَخِلُوا بِهِ يَوْمَ الْقِيَمَةِ ۖ وَاللَّهُ مِيرَاثُ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ ۖ وَاللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ خَبِيرٌ۔

شأن نزول: یہ آیت ان لوگوں کے بارے میں اتری جو زکوٰۃ سے انکار کرنے والے تھے۔

(ہرگز نہ گمان کریں جو لوگ بخل کرتے ہیں اس پر جو اللہ تعالیٰ نے ان کو دے رکھا ہے اپنے فضل سے کہ یہ بخل کرنا ان کے حق میں اچھا ہے۔

مَحْمُودٌ: جنہوں نے تاء کے ساتھ پڑھا۔ انہوں نے مضاف محذوف مانا یعنی لا تحسبن بخل الباخلین تم بخل کرنے والوں کے بخل کو ہرگز گمان نہ کرو۔ ہو یہ ضمیر فصل ہے اور خیراً لہم یہ مفعول دوم ہے اور جنہوں نے یا سے پڑھا انہوں نے یحسبن کی ضمیر کا مرجع رسول اللہ ﷺ کو قرار دیا یا احد کی طرف لوٹائی۔

اور جنہوں نے فاعل الذین یبخلون قرار دیا ان کے نزدیک تقدیر عبارت یہ ہے وَلَا يَحْسَبَنَّ الَّذِينَ يَبْخُلُونَ بِخَلْمٍ هُوَ خَيْرٌ لَّهُمْ۔ ہو ضمیر فصل ہے اور خیراً لہم مفعول دوم ہے۔ بل ہو (بلکہ وہ) یعنی بخل۔ شَرُّ لَّهُمْ (ان کے لئے برا ہے) کیونکہ ان کے اموال ان سے چھن جائیں گے اور وبال بخل ان پر باقی رہ جائے گا۔ سَيُطَوَّقُونَ مَا بَخِلُوا بِهِ يَوْمَ الْقِيَمَةِ (عنقریب ان کو اس چیز کے جس پر بخل کیا طوق پہنائے جائیں گے)۔ یہ بل ہو شر لہم کی تفسیر ہے کہ عنقریب ان کا وہی مال جس میں اللہ تعالیٰ کا حق ادا نہیں کیا طوق بنا کر ان کی گردنوں میں ڈالا جائے گا۔ جیسا کہ حدیث شریف میں آیا۔ من منع زکوٰۃ ماله يصير حية ذكراً اقرع له نابان فيطوق في عنقه فينهشه ويدفعه الى النار (بخاری، نسائی، احمد) جس نے اپنے مال کو زکوٰۃ سے روک لیا اس کا مال نر گنجا سانپ بن جائے گا جن کی دوداڑھیں ہونگی وہ طوق بنا کر اس کی گردن میں لٹکا دیا جائے گا۔ وہ اس کو ڈنگ مارے گا اور آگ کی طرف دھکیلے گا۔

وَلِلَّهِ مِيرَاثُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ آسمانوں وزمین کی وراثت اللہ تعالیٰ ہی کیلئے ہے اور اسی کی ملکیت ہے جو کچھ ان کے مابین ہے جس کے لوگ آپس میں وارث بنتے ہیں۔ خواہ وہ مال ہو یا اور کچھ پھر اس کی ملک پر بخل کیوں کرتے ہیں اور اس مال کو اللہ تعالیٰ کی راہ میں صرف نہیں کرتے؟ میراث اصل میں مَوٰرِث ہے واؤ کو یا سے بدل دیا ماقبل کسرہ کی وجہ سے۔ وَاللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ خَبِيرٌ (اور اللہ تعالیٰ جو تم عمل کرتے ہو اس سے خبردار ہے)۔

قراءت: ابو عمرو کی نے تعملون کو یعملون پڑھا ہے۔ قال التفات کے طریقہ پر پڑھی گئی ہے اور وعید کے لحاظ سے یہ زیادہ بلند انداز ہے اور یا یہ اپنے ظاہر پر ہے۔

وقف لازم

لَقَدْ سَمِعَ اللَّهُ قَوْلَ الَّذِينَ قَالُوا إِنَّ اللَّهَ فَقِيرٌ وَنَحْنُ أَغْنِيَاءُ ۖ

بلاشبہ اللہ نے سن لی ان کی بات جنہوں نے کہا ہے کہ بے شک اللہ فقیر ہے اور ہم مالدار ہیں،

سَنَكْتُبُ مَا قَالُوا وَقَتْلَهُمُ الْأَنْبِيَاءَ بِغَيْرِ حَقٍّ ۖ وَنَقُولُ

مختریب ہم ان کی بات کو لکھ لیں گے اور جو انہوں نے نبیوں کے ناحق خون کئے ہیں اس کو بھی لکھ لیں گے اور ہم کہیں گے

ذُوقُوا عَذَابَ الْحَرِيقِ ﴿۱۸۱﴾ ذٰلِكَ بِمَا قَدَّمْتُمْ أَيْدِيكُمْ وَأَنَّ اللَّهَ

کہ چکھ لو جتنے کا عذاب، یہ ان اعمال کی وجہ سے ہے جو تمہارے ہاتھوں نے آگے بھیجے، اور بلاشبہ اللہ

لَيْسَ بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِيدِ ﴿۱۸۲﴾ الَّذِينَ قَالُوا إِنَّ اللَّهَ عٰهَدَ اِلَيْنَا اَلَّا

بندوں پر ظلم فرماتے والا نہیں ہے، جنہوں نے کہا کہ بیشک اللہ نے ہم سے یہ فرمایا ہے کہ ہم

نُؤْمِنُ بِرُسُوْلِ حَتّٰی يٰۤاَتِيَنَا بِقُرْبٰنٍ تَاْكُلُهُ النَّارُ ۖ قُلْ قَدْ جَاءَكُمْ

کسی رسول پر ایمان نہ لائیں جب تک کہ وہ ہمارے پاس ایسی قربانی کی چیز نہ لائے جسے آگ کھا جائے آپ فرمادیجئے مجھ سے پہلے بہت سے

رُسُلٌ مِّنْ قَبْلِيْ بِالْبَيِّنٰتِ وَبِالذِّیْ قُلْتُمْ فَلِمَ قَتَلْتُمُوهُمْ اِنْ

رسول کھلی کھلی نشانیاں لے کر آئے اور جو تم کہہ رہے ہو وہ بھی لائے پھر تم نے ان کو کیوں قتل کیا اگر

كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۱۸۳﴾ فَاِنْ كَذَّبُوْكَ فَقَدْ كَذَّبَ رُسُلٌ مِّنْ قَبْلِكَ جَاۤءُوْ

تم سچے ہو؟ سو اگر وہ آپ کو جھٹلائیں تو آپ سے پہلے رسول جھٹلائے جا چکے ہیں وہ کھلی کھلی نشانیاں لائے

بِالْبَيِّنٰتِ وَالزُّبُرِ وَ الْكِتٰبِ الْمُنِيْرِ ﴿۱۸۴﴾

اور صحیفے لائے اور روشن کتاب لائے۔

یہود کا بدترین جارحانہ مقولہ:

۱۸۱: لَقَدْ سَمِعَ اللَّهُ قَوْلَ الَّذِينَ قَالُوا إِنَّ اللَّهَ فَقِيرٌ وَنَحْنُ أَغْنِيَاءُ سَنَكْتُبُ مَا قَالُوا وَقَتْلَهُمُ الْأَنْبِيَاءَ بِغَيْرِ حَقٍّ وَنَقُولُ ذُوقُوا عَذَابَ الْحَرِيقِ۔ (بیشک اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کی بات سن لی جنہوں نے کہا بیشک اللہ تعالیٰ فقیر اور ہم غنی ہیں) یہ بات یہود نے کہی جبکہ یہ ارشادِ ربانی ان کے کان میں پڑا۔ مَنْ ذَا الَّذِي يقرض الله قرضاً حسناً (البقرہ: ۲۴۵) کہ کون اللہ تعالیٰ کو قرض حسنہ دیتا ہے۔ یہود کہنے لگے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا خدا ہم سے قرض مانگتا ہے پس پھر تو ہم غنی اور وہ فقیر ہے۔

قَدْ سَمِعَ کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ سے انکی یہ بات مخفی نہیں اور اللہ تعالیٰ نے اسکے لئے پوری سزا تیار کر رکھی ہے۔ سَنَكْتُبُ مَا قَالُوا (عنقریب انکی بات ہم لکھ لیں گے) یعنی کرانا کا تبیین کو ان کے اس قول کے متعلق حکم دیں گے کہ وہ صحائف اعمال میں درج کر لیں یا ہم اس کو محفوظ کر لیں کیونکہ مخلوق کی طرف سے کتابت تحفظ کیلئے ہوتی ہے تو مجازاً سنکتب کہہ دیا گیا۔ ما مصدر یہ یا بمعنی الذی ہے۔ وَقَتْلَهُمُ الْاَنْبِيَاءَ بِغَيْرِ حَقٍّ (اور انکا انبیاء کو قتل ناحق کرنا) اس کا ما پر عطف ہے۔ انبیاء علیہم السلام کے قتل کو اس کا قرینہ قرار دیا۔ یہ بتلانے کیلئے کہ یہ دونوں گناہ بڑائی میں ہم پلہ ہیں۔ اور جو شخص قتل انبیاء کی جرأت کر سکتا ہے۔ اس سے اس قسم کی باتیں بعید نہیں وَتَقُولُ اور ہم ان کو کہیں گے قیامت کے دن۔ ذُوقُوا عَذَابَ الْحَرِيقِ (تم جلنے کا عذاب چکھو) یعنی آگ کا عذاب جیسا تم نے مسلمانوں کو تکالیف پہنچائیں۔ ضحاک کہتے ہیں۔ جہنم کے فرشتے ان کو یہ بات کہیں گے اللہ تعالیٰ کی طرف اس کی نسبت اس لئے کی گئی کہ یہ اسکے حکم سے ہے۔

قراءت: حمزہ نے قَتْلَهُمْ لام کے ضمہ اور سنکتب کو سَيَكْتُبُ پڑھا ہے۔

ید کی اضافت آلہ عمل کی وجہ سے:

۱۸۲: ذٰلِكَ بِمَا قَدَّمْتُمْ اَيْدِيَكُمْ وَاَنَّ اللّٰهَ لَيْسَ بِظَلّٰمٍ لِّلْعَبِيدِ۔ (یہ ان اعمال کے سبب ہے جو تمہارے ہاتھوں نے آگے بھیجے) ذٰلِكَ اِس سے انکی وہ سزا جو ذکر ہو چکی اس کی طرف اشارہ فرمایا۔ بِمَا قَدَّمْتُمْ اَيْدِيَكُمْ عذاب ان اعمال کفریہ اور معاصی کے بدلے میں ہے جو تم نے آگے بھیجے ہیں۔ اور ید کی طرف اضافت اعمال کی اس لئے کہ اکثر اعمال ہاتھوں سے انجام پاتے ہیں اور تغلب کے طور پر تمام اعمال کو واقع شمار کر کے ید کی طرف نسبت کر دی اور اس لئے بھی کہ کسی چیز کے حکم دینے والے کو فاعل کہا جاتا ہے پس ہاتھوں کا تذکرہ پختہ ثبوت کیلئے ہے یعنی اس نے یہ کام بذات خود کیا کسی نے کرنے کا اس کو نہیں کہا۔ وَاَنَّ اللّٰهَ لَيْسَ بِظَلّٰمٍ لِّلْعَبِيدِ۔ (اور بیشک اللہ تعالیٰ بندوں پر بالکل ظلم کر نیوالے نہیں) بلا جرم کے ان کو سزا نہیں دیتے۔

۱۸۳: الَّذِيْنَ قَالُوْۤا اِنَّ اللّٰهَ عٰهَدَ اِلَيْنَا اَلَا نُوْمِنُ لِرَسُوْلٍ حَتّٰى يٰۤاتِيَنَا بِقُرْۢبٰنٍ تَاْكُلُهٗ النَّارُ قُلْ قَدْ جَاۤءَكُمْ رُسُلٌ مِّنْ قَبْلِيْ بِالْبَيِّنٰتِ وَبِالذِّیْقٰتِ فَلِمَ قَتَلْتُمُوْهُمْ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ۔ الَّذِيْنَ قَالُوْۤا (وہ لوگ جنہوں نے کہا)

نَحْنُ: یہ پہلے الَّذِيْنَ قَالُوْۤا سے بدل ہو کر مجبور ہے اور اعنی فعل سے منصوب بھی ہو سکتا ہے اور ہم کو مضمومان کر مرفوع ہوگا۔

یہود کا باطل دعویٰ:

اِنَّ اللّٰهَ عٰهَدَ اِلَيْنَا (اللہ تعالیٰ نے تورات میں ہمیں حکم دیا) اور وصیت کی۔ اَلَا نُوْمِنُ کہ ہم ایمان نہ لائیں لِرَسُوْلٍ حَتّٰى يٰۤاتِيَنَا بِقُرْۢبٰنٍ تَاْكُلُهٗ النَّارُ (کسی رسول پر یہاں تک کہ وہ پیش کرے ایسی قربانی جس کو آگ کھائے) یعنی وہ قربانی پیش کرے اور آسمان سے آگ اتر کر اس کو جلا ڈالے۔ پس اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم اگر تم یہ معجزہ پیش کر دو تو ہم آپ کی تصدیق کر دیں گے۔

یہود کا یہ دعویٰ باطل اور اللہ تعالیٰ پر افتراء ہے کیونکہ آگ کا قربانی کو جلا ڈالنا اس پیغمبر کا معجزہ اور اس پر ایمان کا سبب ہے جس کو یہ معجزہ دیا گیا ہو۔ پس اس لحاظ سے اس قسم کی قربانی اور دیگر معجزات برابر ہو گئے۔

ہر دو معجزات کے باوجود تم نے انبیاء (علیہم السلام) کو کیوں قتل کیا؟

قُلْ قَدْ جَاءَكُمْ رَسُولٌ مِّنْ قَبْلِي بِالْبَيِّنَاتِ (کہہ دیں تحقیق تمہارے پاس مجھ سے پہلے رسول معجزات لیکر آئے) جو قربانی کے علاوہ تھے وَبِالَّذِي قُلْتُمْ (اور وہ بھی لائے جو تم نے کہا) یعنی تمہارے اسلاف کے پاس جن کا اپنے کو تم پیروکار کہتے ہو۔ وہ معجزات بھی لائے اور ان کے افعال کو وہ پسند بھی کرتے تھے۔ فَلِمَ قَتَلْتُمُوهُمْ (تم نے ان کو کیوں قتل کیا) اگر اس پیغمبر پر ایمان سے تمہارے سامنے یہی رکاوٹ ہے۔ تو تم ان پر ایمان کیوں نہ لائے۔ ان کو کیوں قتل کیا۔ اِنْ كُنْتُمْ صَادِقِينَ (اگر تم سچے ہو) اپنی اس بات میں اور ایمان اسی لئے مؤخر کر رہے ہو۔

تسلية رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم :

۱۸۴: فَإِنْ كَذَّبُوكَ فَقَدْ كَذَّبَ رَسُولٌ مِّنْ قَبْلِكَ جَاءُوكَ بِالْبَيِّنَاتِ وَالزُّبُرِ وَالْكِتَابِ الْمُنِيرِ۔ (پس اگر یہ آپ کو جھٹلا دیں پس جھٹلائے گئے بہت رسول آپ سے پہلے) اگر یہ یہود آپ کو جھٹلا دیں تو آپ رنجیدہ نہ ہوں۔ تم سے پہلے بھی بہت سے پیغمبروں کی تکذیب کی گئی۔ جَاءُوكَ بِالْبَيِّنَاتِ (جو کھلے ہوئے معجزات لائے تھے) وَالزُّبُرِ (کتابیں) یہ زبور کی جمع ہے اور یہ الزُّبُر سے نکلا جس کا معنی لکھنا ہے۔

قراءت: شامی نے وَبِالزُّبُرِ پڑھا۔ وَالْكِتَابِ الْمُنِيرِ (اور روشن کتابیں) اول قول یہ ہے کہ اصل کے لحاظ سے دونوں ایک ہیں۔ صرف اوصاف میں اختلاف کی وجہ سے الگ ذکر کیا۔

زبور: ایسی کتاب جس میں زجر والے احکام ہوں۔ اور کتاب منیر ایسی کتاب جو مکمل راہنمائی کا کام دے۔

كُلُّ نَفْسٍ ذَاۓِقَةُ الْمَوْتِ وَاِنَّمَا تُوقَفُوْنَ اُجُوْرَكُمْ يَوْمَ الْقِيَمَةِ ۚ فَمَنْ

ہر جان موت کا ذائقہ چکھنے والی ہے اور بات یہی ہے کہ تم کو قیامت کے دن پورا پورا بدلہ دیا جائے گا۔

زُحْرِحَ عَنِ النَّارِ وَاُدْخِلَ الْجَنَّةَ فَقَدْ فَازَ وَمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا اِلَّا

سو جو شخص بچا دیا گیا آگ سے اور داخل کر دیا گیا جنت میں سو وہ کامیاب ہو گیا۔ اور دنیا والی زندگی دھوکہ

مَتَاعُ الْغُرُوْرِ ﴿۱۸۵﴾ لَتَبْلُوْنَ فِيْٓ اَمْوَالِكُمْ وَاَنْفُسِكُمْ ۚ وَلَتَسْمَعُنَّ مِنَ

کے سامان کے سوا کچھ بھی نہیں۔ تم لوگ ضرور ضرور آزمائے جاؤ گے اپنی جانوں اور مالوں کے بارے میں، اور جن لوگوں کو تم سے پہلے کتاب

الَّذِيْنَ اَوْتُوْا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكُمْ وَمِنَ الَّذِيْنَ اَشْرَكُوْا اَذٰى كَثِيْرًا ۚ وَاِنْ

دی گئی اور جن لوگوں نے شرک کیا ان کی طرف سے ضرور بالضرور بہت سی باتیں دل آزاری کی سنو گے، اور اگر

تَصْبِرُوْا وَتَتَّقُوْا فَاِنَّ ذٰلِكَ مِنْ عَزْمِ الْاُمُوْرِ ﴿۱۸۶﴾

تم صبر کرو اور تقویٰ اختیار کرو تو بلاشبہ یہ بہت کے کاموں میں سے ہے۔

تکذیب پر غم نہ کریں، مطلق کامیابی کی جگہ آخرت ہے:

۱۸۵: كُلُّ نَفْسٍ ذَاۓِقَةُ الْمَوْتِ وَاِنَّمَا تُوقَفُوْنَ اُجُوْرَكُمْ يَوْمَ الْقِيَمَةِ ۚ فَمَنْ زُحْرِحَ عَنِ النَّارِ وَاُدْخِلَ الْجَنَّةَ فَقَدْ فَازَ وَمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا اِلَّا مَتَاعُ الْغُرُوْرِ۔ (ہر جی نے موت کا ذائقہ چکھنا ہے)

نَحْوِ: كُلُّ نَفْسٍ مُّبْتَدِءٌ هُوَ اَوْ ذَاۓِقَةُ الْمَوْتِ۔ اس کی خبر ہے۔ نکرہ کو عموم کی بناء پر مبتداء بنایا جاسکتا ہے۔

مطلب یہ ہے کہ انکی تکذیب آپ کو غمزدہ نہ کرے۔ کیونکہ تمام مخلوق نے میرے پاس لوٹ کر آنا ہے۔ میں ان کو انکی تکذیب اور تمہیں تمہارے صبر کا بدلہ دوں گا۔ اور آیت کے اگلے حصے میں اسی کا ذکر کیا۔ وَاِنَّمَا تُوقَفُوْنَ اُجُوْرَكُمْ يَوْمَ الْقِيَمَةِ (اور تمہیں تمہارے اعمال کا کامل ثواب دیا جائے گا) باقی دنیا دارالجزاء نہیں۔ فَمَنْ زُحْرِحَ (جو دور کر دیا گیا) الزحزحة دور کرنے کو کہتے ہیں۔ عَنِ النَّارِ وَاُدْخِلَ الْجَنَّةَ فَقَدْ فَازَ (آگ سے اور جنت میں داخل کر دیا گیا پس اس نے بھلائی کو پالیا) یہ بھی کہا گیا کہ اس کو مطلق کامیابی میسر آگئی۔ الفوز پسندیدہ چیز کا ملنا اور ناپسند سے دور ہونا۔ وَمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا اِلَّا مَتَاعُ الْغُرُوْرِ (اور دنیوی زندگی تو فقط دھوکے کا سودا ہے) دنیا کو ایسے سودے سے تشبیہ دی جس کو فروخت کرنے والا خریدار کو فریب دینے کیلئے پیش کرتا ہے۔ تاکہ دھوکہ میں مبتلا ہو کر وہ اس کو خرید لے۔ ظاہر میں وہ کام کی چیز ہے اور حقیقت میں وہ کچھ نہیں پھر اس کی خرابی اور نقص ظاہر ہو جائے۔

شیطان اصل میں دھوکہ میں پھانسنے والا ہے۔ حضرت سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں یہ حکم اس کیلئے ہے جس نے دنیا کو آخرت کے مقابلہ میں ترجیح دی۔ باقی جس نے دنیا کے ذریعہ آخرت کو طلب کیا۔ وہ اس کے لئے مقصود تک پہنچانے والا سامان ہے۔ حضرت حسن رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں دنیا نباتات کی سبزی اور لڑکیوں کی گڑیوں کی طرح ہے جس کا کچھ حاصل نہیں۔

شدائد سہنے کے عادی بنو:

۱۸۶: لَتَبْلُوَنَّ فِيْ أَمْوَالِكُمْ وَأَنْفُسِكُمْ وَلَتَسْمَعَنَّ مِنَ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ مِنْ قَبْلِكُمْ وَمِنَ الَّذِينَ أَشْرَكُوا أَذًى كَثِيْرًا وَإِنْ تَصْبِرُوا وَتَتَّقُوا فَإِنَّ ذَلِكَ مِنْ عَزْمِ الْأُمُورِ۔ لَتَبْلُوَنَّ (ضرورت اللہ کی قسم تمہاری آزمائش ہوگی) فِيْ أَمْوَالِكُمْ (تمہارے اموال میں) ان کو اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کا حکم دے کر اور اس پر آفات کے ذریعہ وَأَنْفُسِكُمْ (اور تمہارے نفسوں میں) قتل قید، زخم اور نفوس پر قسم قسم کے جو مصائب و مواقع خوف آتے رہتے ہیں۔

نفس جو آنکھوں سے نظر آئے:

آیت اس بات کی دلیل ہے کہ نفس آنکھوں سے نظر آئیے والا جسم ہے نہ وہ جس میں باطن کا معنی پایا جائے۔ جیسا کہ بعض اہل کلام اور فلاسفہ نے کہا (کذابی شرح التادیات) وَلَتَسْمَعَنَّ مِنَ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ مِنْ قَبْلِكُمْ (اور ضرورت سنو گے ان لوگوں سے جن کو تم سے پہلے کتاب دی گئی) أُوتُوا الْكِتَابَ سے مراد یہود و نصاریٰ ہیں۔ وَمِنَ الَّذِينَ أَشْرَكُوا أَذًى كَثِيْرًا (اور مشرکوں سے بہت سی دکھ کی باتیں) جیسا کہ دین میں طعن و تشنیع، ایمان قبول کرنے سے لوگوں کو رکاوٹ ڈالنا۔ اہل ایمان کو غلط قرار دینا وغیرہ۔ وَإِنْ تَصْبِرُوا (اگر تم صبر کرو گے) انکی ایذا پر اور وَتَتَّقُوا (اور تقویٰ اختیار کرو گے) اللہ کے خوف سے۔ فَإِنَّ ذَلِكَ پس یہ صبر و تقویٰ مِنْ عَزْمِ الْأُمُورِ (عزیمت کے کاموں میں سے ہیں) یعنی یہ ایسے معاملات میں سے ہیں جن پر عزم و پختگی لازم ہے۔ ایمان والوں کو اس سے مخاطب کیا گیا۔ تاکہ وہ اپنے نفس کو ان شدائد کے سہنے کا عادی بنائیں جو عنقریب پیش آئیں گے۔ اور ان پر صبر کریں۔ جب ایسے مواقع پیش آئیں تو پہلے سے وہ نفس کو عادی بنانے والے ہوں تاکہ ان کو ایسی حالت نہ سامنے آئے جو اس آدمی کو آتی ہے جس پر اچانک مصیبت اترے اور اس کا دل اس سے نفرت کرے

وَإِذَا أَخَذَ اللَّهُ مِيثَاقَ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ لَتُبَيِّنُنَّهُ لِلنَّاسِ

اور جب اللہ نے ان لوگوں سے مضبوط عہد لیا جن کو کتاب دی گئی کہ تم ضرور ضرور کتاب کو لوگوں کے سامنے بیان کرنا

وَلَا تَكْتُمُونَهُ فَنَبَذُوهُ وَرَاءَ ظُهُورِهِمْ وَاشْتَرَوْا بِهِ ثَمَنًا

اور اس کو نہ چھپانا، سو انہوں نے اس کو اپنی پشتوں کے پیچھے ڈال دیا اور انہوں نے اس کے ذریعہ تھوڑی سی

قَلِيلًا فَبُئْسَ مَا يَشْتَرُونَ ﴿١٨٧﴾ لَا تَحْسَبَنَّ الَّذِينَ يَفْرَحُونَ بِمَا آتَوْا

قیمت خرید لی، سو بری ہے وہ چیز جو وہ خریدتے ہیں۔ آپ ہرگز خیال نہ کریں کہ جو لوگ اپنے کئے پر خوش ہوتے ہیں

وَيُحِبُّونَ أَنْ يُحْمَدُوا بِمَا لَمْ يَفْعَلُوا فَلَا تَحْسَبَنَّهُمْ بِمَفَازَةٍ مِنَ

اور اس بات کو پسند کرتے ہیں کہ جو کام انہوں نے نہیں کئے ان پر ان کی تعریف کی جائے ان کے بارے میں آپ ہرگز یہ خیال نہ کریں کہ وہ عذاب سے

الْعَذَابِ وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ﴿١٨٨﴾ وَلِلَّهِ مُلْكُ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ

جھوٹ گئے۔ اور ان کے لئے دردناک عذاب ہے۔ اور اللہ ہی کے لئے ہے ملک آسمانوں اور زمین کا

وَاللَّهُ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ﴿١٨٩﴾

اور اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔

کتمان حق، حق فروشی کی ممانعت:

۱۸۷: وَإِذَا أَخَذَ اللَّهُ مِيثَاقَ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ لَتُبَيِّنُنَّهُ لِلنَّاسِ وَلَا تَكْتُمُونَهُ فَنَبَذُوهُ وَرَاءَ ظُهُورِهِمْ وَاشْتَرَوْا بِهِ

ثَمَنًا قَلِيلًا فَبُئْسَ مَا يَشْتَرُونَ۔ (جب اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں سے پختہ وعدہ لیا جن کو کتاب دی گئی) یعنی اس وقت کو یاد

کرو۔ جب اللہ تعالیٰ نے اہل کتاب سے وعدہ لیا۔ لَتُبَيِّنُنَّهُ لِلنَّاسِ وَلَا تَكْتُمُونَهُ (اس کو ضرور لوگوں کے سامنے بیان کرنا اور ہر

گز نہ چھپانا لوگوں سے) وَلَا تَكْتُمُونَهُ تَا کے ساتھ ان کے خطاب کی حکایت کے طور پر فرمایا جیسا اس ارشاد میں: وَقَضَيْنَا

إِلَىٰ بَنِي إِسْرَءِيلَ فِي الْكِتَابِ لَتُفْسِدُنَّ [الاسراء: ۴۰] میں لَتُفْسِدُنَّ تَا کے ساتھ ہے۔

قرأت: مکی نے یا کے ساتھ پڑھا اور ابو عمرو اور ابو بکر نے انکی موافقت کی۔ کیونکہ وہ غیب کا صیغہ ہے اور ضمیر کتاب کی طرف

راجع ہے اور اس سے تاکید کی کہ کتاب کو بیان کرنا واجب اور اسکے کتمان سے بچنا لازم ہے۔ فَنَبَذُوهُ وَرَاءَ ظُهُورِهِمْ (پس

انہوں نے اس ميثاق اور اس تاکید کو پیٹھ پیچھے پھینک دیا) یعنی اس کی رعایت نہ کی اور نہ ہی اس کی طرف التفات کی۔ النبذ، وراء

الظهر یہ پھینکنے اور تیاری کو چھوڑنے کی ایک مثال ہے۔

علمائے کرام کی ذمہ داری:

اس میں دلیل ہے کہ علماء کے ذمہ ضروری ہے کہ لوگوں کے سامنے وہ حق کو کھول کر بیان کریں، جس کو وہ جانتے ہیں۔ اور اس میں سے کوئی چیز نہ چھپائیں کسی فاسد غرض کی خاطر مثلاً ظالموں کیلئے آسانی پیدا کرنے اور ان کو خوش کرنے یا ان سے کوئی نفع اٹھانے یا کسی ایذا کے دور کرنے کیلئے یا علم پر بخل کرتے ہوئے حدیث نبوی علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام۔ جس نے لوگوں سے علم چھپایا اللہ تعالیٰ اس کو آگ کی لگام پہنائیں گے۔ (ابوداؤد۔ ترمذی)

وَاشْتَرَوْا بِهِ ثَمَنًا قَلِيلًا (اور اسکے بدلے انہوں نے حقیر معاوضہ لیا) یعنی معمولی سامان دنیا۔ فَبَشِّرْ مَا يَشْتَرُونَ (پس بری ہے وہ چیز جو معاوضہ میں وہ لے رہے ہیں)

یہود مدلسین اور ریاکاروں کو تنبیہ:

۱۸۸: لَا تَحْسَبَنَّ الَّذِينَ يَفْرَحُونَ بِمَا آتَوْا وَيُحِبُّونَ أَنْ يُحْمَدُوا بِمَا لَمْ يَفْعَلُوا فَلَا تَحْسَبَنَّهُمْ بِمَفَازَةٍ مِنَ الْعَذَابِ وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ۔ (ہرگز نہ خیال کریں آپ ان لوگوں کا جو اتراتے ہیں)

نَحْوُ: لَا تَحْسَبَنَّ میں خطاب رسول اللہ ﷺ کو ہے۔ ایک مفعول الَّذِينَ يَفْرَحُونَ کا جملہ ہے۔ اور دوسرا مفعول بِمَفَازَةٍ ہے۔ اور فلا تحسبنہم فائزین۔

بِمَا آتَوْا (اس پر جو انہوں نے کیا) یہ حضرت ابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی قراءت ہے اور جاء اور اتی بمعنی فعل آیا ہے۔ جیسا کہ اس آیت میں مذکور ہے۔ اِنَّهٗ كَانَ وَعْدُهُ مَاتِيًا (مریم ۶۲)۔ لَقَدْ جِئْتَ شَيْئًا فَرِيًّا (مریم ۲۷)۔ نَحْنُ بِبَيِّنَةٍ کی قراءت میں بما آتَوْا یعنی اعطا ہے۔ وَيُحِبُّونَ أَنْ يُحْمَدُوا بِمَا لَمْ يَفْعَلُوا فَلَا تَحْسَبَنَّهُمْ بِمَفَازَةٍ مِنَ الْعَذَابِ (اور وہ پسند کرتے ہیں کہ انکی تعریف ان کاموں پر بھی کی جائے جو انہوں نے نہیں کئے پس ہرگز ان کو عذاب سے بچنے والے مت خیال کرو) مفازة کا معنی نجات پانے والے ہے۔ وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ۔ (ان کے لئے دردناک عذاب ہے) یہاں الیم بمعنی مولم ہے۔ روایت میں آیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے یہود سے کسی ایسی چیز کے بارے میں دریافت فرمایا جو تورات میں مذکور تھی۔ انہوں نے حق کو چھپا کر آپ کو غلط خبر دی۔ اور ظاہر یہ کیا کہ انہوں نے سچ بولا ہے۔ اور آپ سے تعریف کے طالب ہوئے۔ اور اپنی تدلیس پر بڑے خوش ہوئے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول اللہ ﷺ کو اس کی اطلاع دی۔ اور ان کے لئے وعید اتار کر آپ کو تسلی دی۔ مطلب یہ ہوا تم ہرگز یہود کو عذاب سے چھوٹنے والا مت خیال کرو۔ انکی اس تدلیس پر جو آپ سے انہوں نے کی اور پھر تعریف کے طالب ہوئے اس پر جو انہوں نے نہیں کیا تھا یعنی آپ کے سوال کا درست جواب دینا۔

دوسرا قول یہ بھی ہے کہ وہ منافقین تھے جو اس پر خوش تھے کہ انکو مسلمانوں کے سامنے صرف اظہار ایمان ہی کفایت کرنے والا ہے اور اس سے انکی اغراض بھی پوری ہوتی ہیں۔ اور اس سے وہ اپنے ایمان کی تعریف کروانا چاہتے ہیں جو حقیقت میں ان میں مفقود ہے۔ مَسْتَكِلَّةً: اس میں ایسے لوگوں کیلئے وعید ہے جو کوئی نیکی کر کے پھر اتراتے پھرتے ہیں اور انکی غرض یہ ہوتی ہے کہ لوگ انکی ایسے

اِنَّ فِيْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاخْتِلَافِ اللَّيْلِ وَالنَّهَارِ لَاٰيٰتٍ

بلاشبہ آسمانوں اور زمین کے پیدا کرنے میں اور یکے بعد دیگرے رات دن کے آنے جانے میں عقل والوں کے لئے

لَاوِلٰی الْاَلْبَابِ ۱۹۰ الَّذِیْنَ یَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ قِیَامًا وَقُعُوْدًا وَعَلٰی

نشانیوں میں، جو اللہ کو یاد کرتے ہیں کھڑے ہوئے بیٹھے ہوئے اور لیٹے

جُنُوْبِهِمْ وَیَتَفَكَّرُوْنَ فِیْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ رَبَّنَا مَا

ہوئے۔ اور فکر کرتے ہیں آسمان اور زمین کے پیدا کرنے میں۔ اے ہمارے رب

خَلَقْتَ هٰذَا بَاطِلًا ۚ سُبْحٰنَكَ فَقِنَا عَذَابَ النَّارِ ۱۹۱ رَبَّنَا اِنَّكَ مَنْ

آپ نے اس کو عبث پیدا نہیں فرمایا، ہم آپ کی پاکی بیان کرتے ہیں۔ سو آپ ہمیں دوزخ کے عذاب سے بچا دیجئے، اے ہمارے رب اس میں شک نہیں کہ

تَدْخِلُ النَّارَ فَقَدْ اَخْزٰیَّتْهُ ۚ وَمَا لِلظَّالِمِیْنَ مِنْ اَنْصَارٍ ۱۹۲ رَبَّنَا اِنَّا

جسے آپ دوزخ میں داخل فرما دیں تو واقعی آپ نے اس کو رسوا کر دیا، اور ظالموں کے لئے کوئی مددگار نہیں۔ اے ہمارے رب بلاشبہ ہم نے

سَمِعْنَا مُنَادِیًا یَّادِیْ لِلْاِیْمَانِ اَنْ اٰمِنُوْا بِرَبِّكُمْ فَاٰمَنَّا ۚ رَبَّنَا

ایک پکارنے والے کو سنا کہ وہ ایمان کے لئے پکار رہا ہے کہ تم ایمان لاؤ اپنے رب پر، سو ہم ایمان لے آئے۔ اے ہمارے رب

فَاغْفِرْ لَنَا ذُنُوْبَنَا وَكْفِّرْ عَنَّا سِیِّاٰتِنَا وَتَوَفَّنَا مَعَ الْاَبْرَارِ ۱۹۳

سو آپ مغفرت فرما دیجئے ہمارے گناہوں کی، اور کفارہ کر دیجئے ہمارے گناہوں کا اور ہمیں نیک بندوں کے ساتھ موت دیجئے۔

افعال سے تعریف کریں جو انہوں نے نہیں کیے۔

ملکیت عامہ سے یہود کی مذمت:

۱۸۹: وَلِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاللّٰهُ عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ۔ (آسمان وزمین اللہ تعالیٰ ہی کی ملک ہیں) وہ ان

کے معاملات کا اختیار رکھتا ہے۔ اس میں ان لوگوں کی مذمت فرمائی۔ جَوَٰنَ اللّٰهِ فَقِیْرٌ (آل عمران: ۸) کا نعرہ مارنے والے تھے۔

وَاللّٰهُ عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ۔ (اور اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قدرت رکھتے ہیں) وہ ان کو عذاب دینے کی بھی قدرت رکھتے ہیں۔

دلائل عقلیہ سے قدرت و عظمت باری کا اثبات:

۱۹۰: اِنَّ فِیْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاخْتِلَافِ اللَّیْلِ وَالنَّهَارِ لَاٰیٰتٍ لِّاَوَّلِی الْاَلْبَابِ۔ (بیشک آسمان وزمین کی

پیدائش اور دن رات کے آنے جانے میں البتہ نشانیاں ہیں) کیونکہ خالق کی ہستی میں کمال علمی، ہمہ گیر قدرت اور ارادہ و حکمت کے ثبوت کی کھلی دلیلیں موجود ہیں۔ لَآ اُولٰی الْاَلْبَابِ (ان لوگوں کیلئے جن کو دانش و فہم حاصل ہے) اور انکی عقل خواہشات سے اس طرح خالی ہو جس طرح مغز چھلکے سے۔ پس اس کی رائے یہ ہے کہ جواہر میں پیدا شدہ عرض جواہر کے حدوث کی علامت ہے۔ کیونکہ کوئی جو ہر عرض حادث سے جدا نہیں ہو سکتا اور جو کسی حال میں حادث سے خالی نہ ہو وہ حادث ہے پھر اس کا حدوث کسی محدث کے وجود کی دلیل ہے۔ اور وہ ذات قدیم ہے۔ ورنہ یہ سلسلہ غیر متناہی محدثوں کی طرف منتقل ہو جائے گا۔ جو کہ باطل ہے پس وجود قدیم ثابت ہو گیا۔

اسی طرح اس کی حسن صنعت اسکے علم کی دلیل ہے۔ اور صنعت کی پختگی اس کی حکمت کی دلیل ہے۔ اور اس کا باقی رہنا اس کی قدرت کی دلیل ہے۔ رسول مقبول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس آدمی پر افسوس ہے کہ جس نے اس آیت کو پڑھا اور اس کی تلاوت میں غور و فکر نہ کیا (السیوطی والدرائمور) بنی اسرائیل کی حکایات میں ہے کہ بنی اسرائیل میں جب کوئی شخص اللہ تعالیٰ کی تیس سال عبادت کرتا تو اس پر بادل سایہ کرتا۔ ایک نوجوان نے تیس سال عبادت کی مگر اس پر بادل نے سایہ نہ کیا۔ اس کی والدہ نے کہا اس زمانہ میں شاید تم سے کوئی لغزش صادر ہوئی ہو۔ اس نے کہا مجھے تو یاد نہیں۔ اس نے کہا شاید تم نے کبھی آسمان کو دیکھ کر عبرت نہ حاصل کی ہو۔ اس نے کہا شاید یہی ہو۔ پس وہ انعام تمہیں اسی سے ملے گا۔

۱۹۱: اَلَّذِيْنَ يَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ قِيَامًا وَّ قُعُوْدًا وَّ عَلٰی جُنُوْبِهِمْ وَيَتَفَكَّرُوْنَ فِيْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَاَلْاَرْضِ رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ هٰذَا بَاطِلًا سُبْحٰنَكَ فَقِنَا عَذَابَ النَّارِ۔

نَحْمَدُكَ: اَلَّذِيْنَ (جو لوگ) یہ مجرور مانیں تو اُولٰی کی صفت ہے یا اعنی کو مضمر مانیں تو منصوب ہے۔ ہم کو مبتداء محذوف مانیں تو خبر مرفوع ہے۔ يَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ (اللہ تعالیٰ کو یاد کرتے ہیں) یعنی نماز پڑھتے ہیں۔ قِيَامًا (کھڑے ہونے کی حالت میں) جبکہ ان کو قیام پر قدرت ہو۔ وَّ قُعُوْدًا (بیٹھنے کی حالت میں) وَّ عَلٰی جُنُوْبِهِمْ (اپنے پہلوؤں پر) یعنی جب قیام و قعود سے عاجز ہوتے ہیں۔

نَحْمَدُكَ: قِيَامًا وَّ قُعُوْدًا۔ يَذْكُرُوْنَ کی ضمیر فاعلی سے حال ہیں اور عَلٰی جُنُوْبِهِمْ بھی حال ہے۔

دوسری تفسیر: ان حالات کا ذکر کر کے اسی حالت میں اللہ تعالیٰ کو یاد کرنا بیان فرمایا کیونکہ ان حالات سے انسان کم ہی خالی ہوتا ہے۔ حدیث شریف میں وارد ہے کہ جو کوئی جنت کے باغات میں چرنا اور کھانا پینا چاہتا ہے وہ کثرت سے اللہ کو یاد کرے۔

مخلوق میں غور و فکر عبادت ہے:

وَيَتَفَكَّرُوْنَ فِيْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَاَلْاَرْضِ (وہ آسمان و زمین کی پیدائش میں غور و فکر کرتے ہیں) اور جس چیز پر ان بڑے اجسام کی ایجاد اور انکی شاندار صنعت و دلالت کرتی ہے اور وہ اشیاء جن کے بعض عجائب کے ادراک سے انسانی فہم عاجز و در ماندہ ہیں جیسے صانع کی عظیم شان سلطنت اور اس کی بڑائی۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے کہ ایک شخص بستر پر لیٹا ہوا تھا۔ اوپر کو منہ تھا اچانک اس کی نگاہ آسمان اور ستاروں پر پڑی۔ تو

کہنے لگا میں گواہی دیتا ہوں کہ تیرا ایک مالک اور خالق ہے۔ اے اللہ مجھے بخش دے اللہ تعالیٰ نے اس کی طرف نظر رحمت فرمائی اور اس کو بخش دیا۔ (رواہ الثعلبی وابن حبان) آپ ﷺ نے فرمایا۔ سوچ و بچار جیسی کوئی عبادت نہیں (رواہ البیہقی فی شعب الایمان) ایک قول یہ بھی نقل کیا گیا۔ سوچ و بچار غفلت کو ختم کرتی ہے اور دل میں خشیت پیدا کرتی ہے اور غم کی طرح کوئی چیز دل کو جلا نہیں دیتی اور تفکر کی طرح کوئی چیز دل کو روشن نہیں کرتی۔ رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ هَذَا بَاطِلًا (اے ہمارے رب تو نے اس کو بیکار پیدا نہیں فرمایا) یہ حال کے محل میں ہے۔ یعنی یہ کہتے ہوئے وہ سوچ و بچار میں مصروف ہوتے ہیں۔ مطلب یہ ہوا کہ آپ نے اس کو بیکار مخلوق نہیں بنایا جس میں کوئی حکمت نہ ہو۔ بلکہ اس کو کسی عظیم الشان حکمت کے تحت پیدا فرمایا۔ ایک حکمت ان میں سے یہ ہے کہ تو نے اس کو مکلفین کی رہائش گاہ بنایا۔ اور اس میں ان کے تجھے پہچاننے کیلئے بہت سے دلائل موجود ہیں۔ اور ہذا کا اشارہ خلق کی طرف ہے اور وہ اس طرح کہ مراد اس سے مخلوق ہو۔ یا اس کا مشاڑ الیہ السموات والارض ہیں۔ کیونکہ وہ بھی مخلوق کے مفہوم میں داخل ہیں۔ گویا اس طرح کہا گیا۔ مَا خَلَقْتَ هَذَا بَاطِلًا

سُبْحٰنَكَ (اے اللہ تو سبحان ہے) باطل مخلوق کے اوصاف سے تو پاک ہے۔

سُبْحٰنَكَ یہ جملہ معترضہ ہے۔ فَقِنَا عَذَابَ النَّارِ (اے اللہ تو ہمیں آگ کے عذاب سے بچا) اس میں فاکو اس لئے لایا گیا کیونکہ اس میں جزاء کا معنی پایا جاتا ہے۔ تقدیر عبارت یہ ہے۔ اِذَا نَزَّهْنٰكَ فَقِنَا جَبَّہُمْ نے آپ کو سبحان مان لیا تو تو ہمیں آگ کے عذاب سے بچا۔

حقیقی رسوائی ہمیشہ دوزخ میں رہنا ہے:

۱۹۲: رَبَّنَا اِنَّكَ مَنْ تَدْخِلُ النَّارَ فَقَدْ اَخْرَيْتَهُ وَمَا لِلظَّالِمِيْنَ مِنْ اَنْصَارٍ۔ (اے ہمارے رب بیشک تو نے جس کو آگ میں داخل کر دیا پس اس کو رسوا کر دیا) اس کی تذلیل کر دی یا اس کو ہلاک کر دیا یا اس کو رسوا کر دیا۔ غلط استدلال: اس آیت میں: يَوْمَ لَا يُخْزِي اللّٰهُ النَّبِيَّ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهُ (التحریم۔ ۸) کو ملا کر استدلال کیا۔ کہ جو آگ میں داخل ہو وہ مؤمن نہیں ہو سکتا کیونکہ آگ میں داخل ہونے والا اس میں ہمیشہ رہے گا۔

جواب: جابر رضی اللہ عنہ نے کہا مؤمن کو رسوا کرنے کا مطلب اس کو ادب سکھانا ہے۔ اور رسوائی تو اس سے بڑھ کر ہے۔

دونوں آیات کے ظاہر تضاد کا ازالہ: يَوْمَ لَا يُخْزِي اللّٰهُ النَّبِيَّ: الاية میں کامل ایمان والوں کا تذکرہ ہے اور معہ اس کا قرینہ ہے۔ اور اس آیت میں مَنْ تَدْخِلُ النَّارَ عام ہے اور حضرت انس کے بقول اس سے ہمیشہ دوزخ میں رہنے والا مراد ہے۔ وَمَا لِلظَّالِمِيْنَ مِنْ اَنْصَارٍ (اور ظالموں کا کوئی مددگار نہ ہوگا) لِلظَّالِمِيْنَ سے مراد آگ میں داخل ہونے والے، کفار مراد ہیں انصار سے مراد معاون و سفارشی جو انکی سفارش کر سکیں جیسا کہ ایمان والوں کیلئے ہونگے۔

بڑے منادی کی نداء:

۱۹۳: رَبَّنَا اِنَّا سَمِعْنَا مُنَادِيًا يُنَادِي لِلْاِيْمَانِ اَنْ اٰمِنُوْا بِرَبِّكُمْ فَاٰمَنَّا رَبَّنَا فَاغْفِرْ لَنَا ذُنُوْبَنَا وَكَفِّرْ عَنَّا سَيِّئَاتِنَا وَتَوَقَّفْنَا مَعَ الْاُبْرَارِ۔ (اے ہمارے رب ہم نے ایک منادی کو سنا جو ایمان کی نداء دے رہا تھا)

مجاورہ ہے: سمعت رجلاً يقول كذا اس میں فعل کو رجل پر ڈالا اور جو چیز سنی اس کو حذف کر دیا کیونکہ تم نے اس چیز سے اس کا وصف بیان کیا جو وہ سنتا ہے۔ اس لئے سنی ہوئی چیز کے ذکر کی ضرورت نہ رہی۔ اگر فعل سے اس کی صفت نہ کی جاتی تو اس طرح کہتے: سمعت كلام فلان۔ المنادی سے مراد یہاں رسول اللہ ﷺ یا قرآن مجید ہے۔ يُنَادِي لِلْاِيْمَانِ: وہ ایمان کی نداء دے رہا تھا۔ یعنی لام اجلیہ ہے وہ ایمان باللہ کیلئے منادی دے رہا تھا اس میں منادی کی شان کو خوب بڑھا کر ذکر کیا۔ گویا اس طرح کہا کوئی منادی اس سے زیادہ بڑا نہیں جو اللہ تعالیٰ پر ایمان کی دعوت دے رہا ہو۔ اَنْ اٰمِنُوْا بِرَبِّكُمْ اَنْ مصدر یہ اور بآ مقدر یا اَنْ تفسیر یہ منادی ایمان آمنوا کے لفظ سے تھی۔ اَنْ اٰمِنُوْا بِرَبِّكُمْ فَاٰمَنَّا (تم ایمان لاؤ اپنے رب پر پس ہم ایمان لے آئے) شیخ ماتریدی کا قول:

شیخ ابو منصور ماتریدی رحمہ اللہ فرماتے تھے کہ ایمان میں استثناء کے باطل ہونے کی اس میں دلیل ہے۔ (یعنی اس طرح کہنا غلط ہے کہ میں ان شاء اللہ مؤمن ہوں بلکہ اس طرح کہنا چاہیے کہ میں یقیناً مؤمن ہوں۔ رَبَّنَا فَاغْفِرْ لَنَا ذُنُوْبَنَا (اے ہمارے رب تو پھر ہمارے گناہوں کو بخش دے) ہمارے کبائر کو بخش دے۔ (فاغفر کی فاسیہ ہے پہلا کلام بعد والے کلام کا سبب ہے۔

وَكَفِّرْ عَنَّا سَيِّئَاتِنَا (اور ہمارے صغیرہ گناہوں کو ہم سے مٹا دے) وَتَوَقَّفْنَا مَعَ الْاُبْرَارِ۔ (ہمیں نیکوں کے ساتھ وفات دے) یعنی انکی دوستی کے ساتھ خاص فرما اور ان میں ہمارا شمار فرما۔ الْاُبْرَارِ جمع برّ یا بار کی ہے۔ اس سے مراد سنت کو مضبوطی سے تھامنے والے لوگ۔ اسی طرح کی جمع رب، ارباب اور صاحب اصحاب ہے۔

رَبَّنَا وَاتِّنَا مَا وَعَدْتَنَا عَلَىٰ رُسُلِكَ وَلَا تُخْزِنَا يَوْمَ الْقِيَمَةِ ۚ إِنَّكَ لَا تُخْلِفُ

اے ہمارے رب اور ہمیں عطا فرمائیے جو آپ نے اپنے رسولوں کی معرفت وعدہ فرمایا اور قیامت کے دن ہمیں رسوا نہ کیجئے، بلاشبہ آپ وعدہ خلافی

الْمِيعَادِ ۙ ۱۹۴ ۝ فَاسْتَجَابَ لَهُمْ رَبُّهُمْ أَنِّي لَا أُضِيعُ عَمَلَ عَامِلٍ مِّنْكُمْ

نہیں فرماتے۔ پس اللہ پاک نے ان کی دعا قبول فرمائی کہ میں ضائع نہ کروں گا تم میں سے کسی عمل کرنے والے کے عمل کو

مِّنْ دَّكْرٍ أَوْ أَنتِ بَعْضُكُم مِّنْ بَعْضٍ ۚ فَالَّذِينَ هَاجَرُوا وَأُخْرِجُوا مِّنْ

مرد ہو یا عورت تم آپس میں ایک دوسرے سے ہو سو جن لوگوں نے ہجرت کی اور اپنے گھروں سے نکالے

دِيَارِهِمْ وَأُوذُوا فِي سَبِيلِي وَقُتِلُوا أَوْ قُتِلُوا لَا كُفْرَنَ عَنْهُمْ سَيِّئَاتِهِمْ

گئے اور میری راہ میں ان کو ایذا دی گئی اور انہوں نے جنگ کی اور قتل کئے گئے سو میں ضرور ضرور ان کے گناہوں کا کفارہ کر دوں گا۔

وَلَا دُخْلَنَّهُمْ جَنَّتٍ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ ۚ ثَوَابًا مِّنْ عِنْدِ اللَّهِ ۚ

اور ان کو ایسے باغوں میں داخل کروں گا جن کے نیچے نہریں جاری ہوں گی۔ یہ بدلہ ملے گا اللہ کے پاس سے

وَاللَّهُ عِنْدَهُ حُسْنُ الثَّوَابِ ۝ ۱۹۵

اور اللہ کے پاس اچھا بدلہ ہے۔

وعدہ والوں میں شمولیت کی دُعا:

۱۹۴: رَبَّنَا وَاتِّنَا مَا وَعَدْتَنَا عَلَىٰ رُسُلِكَ وَلَا تُخْزِنَا يَوْمَ الْقِيَمَةِ إِنَّكَ لَا تُخْلِفُ الْمِيعَادَ (اے ہمارے رب دے

ہمیں جو آپ نے وعدہ فرمایا اپنے پیغمبروں کی زبانی) یعنی رسولوں کی تصدیق کے بدلہ میں جو وعدہ کیا یا پیغمبروں پر جو وعدہ تو نے

نازل کیا تھا یا اپنے پیغمبروں کی زبانی کئے ہوئے وعدے۔

مَنْحُومٌ: علی یہ وعدتنا سے متعلق ہے۔ جس چیز کا وعدہ کیا گیا ہے وہ ثواب ہے یا دشمنوں پر نصرت۔ انہوں نے اللہ تعالیٰ

سے وعدے کی تکمیل طلب کی حالانکہ اللہ تعالیٰ تو اپنے وعدے کی خلاف ورزی نہیں فرماتے۔ کیونکہ اس دعا کا مطلب یہ ہے۔ اے

اللہ ہم آپ سے اس بات کی توفیق طلب کرتے ہیں کہ جو اسباب اس وعدہ کی تکمیل کرنے والے ہیں ہمارے حق میں انکی حفاظت

فرما۔ یا یہ مطلب ہے کہ ہمیں ان لوگوں میں سے کر دے کہ جن کے حق میں تیرا وعدہ ہے۔ کیونکہ وعدہ میں اس بات کو ظاہر نہیں کیا

گیا کہ یہ کن کے لئے ہے۔ یا مراد یہ ہے ہمیں اس راستہ پر ثابت قدمی عنایت فرما جو ہمیں تیرے وعدے تک پہنچا دے اور اس کی

تائید آیت کا اگلا حصہ وَلَا تُخْزِنَا يَوْمَ الْقِيَمَةِ کر رہا ہے۔ وَلَا تُخْزِنَا يَوْمَ الْقِيَمَةِ (اور تو ہمیں قیامت میں رسوا نہ فرما) اس میں

مزید خشوع و خضوع کو ذکر کیا۔ اِنَّكَ لَا تُخْلِفُ الْمِيْعَادَ (بلاشبہ آپ وعدے کی خلاف ورزی نہیں فرماتے) یہ میعاد مصدر میسی ہے وعدے کے معنی میں آیا ہے۔

۱۹۵: فَاسْتَجَابَ لَهُمْ رَبُّهُمْ اَنِّي لَا اُضِيعُ عَمَلَ عَامِلٍ مِّنْكُمْ مِّمَّنْ ذُكِّرَ اَوْ اُنْثِيَ بَعْضُكُم مِّنْ بَعْضٍ فَالَّذِيْنَ هَاجَرُوْا وَاٰخِرِ جُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ وَاُوْذُوْا فِيْ سَبِيْلِيْ وَقَتْلُوْا وُقَاتِلُوْا لَا كُفْرًا عَنْهُمْ سِيَآئِهِمْ وَلَا دُخْلَنَّهُمْ جَنَّتِ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا اِلَّا نَهْرٌ ثَوَابًا مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ وَاللّٰهُ عِنْدَهُ حُسْنُ الثَّوَابِ۔ فَاسْتَجَابَ لَهُمْ رَبُّهُمْ (پس ان کے رب نے انکی دعا قبول فرمائی) یہاں استجاب اجاب کے معنی میں ہے۔

اِنِّي یہاں با اس سے قبل محذوف ہے۔ بایں طور لَا اُضِيعُ عَمَلَ عَامِلٍ مِّنْكُمْ (کہ میں تم میں سے کسی عمل کرنے والے کا کوئی عمل ضائع نہیں کروں گا)

مِنْكُمْ: منکم یہ عامل کی صفت ہے۔ مِّنْ ذُكِّرَ اَوْ اُنْثِيَ یہ عامل کا بیان ہے۔ خواہ وہ کرنیوالا مرد ہو یا عورت۔

کاملین کے ساتھ شرکت کا وعدہ:

بَعْضُكُم مِّنْ بَعْضٍ (تم ایک دوسرے سے ہو) مرد عورتوں میں سے اور عورتیں مردوں میں سے تم سب اولاد آدم ہو یا تم دین و نصرت میں ایک دوسرے کی معاونت کرنے والے ہو۔ یہ جملہ معترضہ ہے۔ اس سے عورتوں کی مردوں کے ساتھ ان وعدہ ہائے ربانی میں شرکت بتلائی جو اس نے اپنے کامل فرمانبردار بندوں سے کر رکھے ہیں۔ حضرت جعفر صادق ؑ سے مروی ہے۔ کہ جس شخص کو کوئی معاملہ پیش آئے اور وہ پانچ مرتبہ ربنا اتنا ما وعدتنا پڑھتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اس کو خوف سے نجات دیتے ہیں اور اس کا مقصود پورا فرما دیتے ہیں۔ فَالَّذِيْنَ هَاجَرُوْا (پس وہ لوگ جنہوں نے ہجرت کی)

الَّذِيْنَ هَاجَرُوْا مبتداء ہے لَا كُفْرًا عَنْهُمْ یہ خبر ہے۔ فَالَّذِيْنَ سے عاملین کے عمل کی تفصیل ذکر فرمائی۔ اس سے عامل کی بڑائی ظاہر ہوتی ہے گویا اس طرح فرمایا جنہوں نے یہ شاندار، اعلیٰ اعمال انجام دیئے جیسے ہجرت عن الوطن وہ اپنے دین میں اس طرح کامیاب ہیں کہ وہ بارگاہ الہی میں مامون ہونگے۔ ہجرت خواہ آخر زمانہ میں واقع ہو وہ اسی طرح ہے جو ابتداء اسلام میں تھی۔ وَاٰخِرِ جُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ (وہ اپنے گھروں سے نکالے گئے) جہاں وہ پیدا ہوئے اور پرورش پائی۔ وَاُوْذُوْا فِيْ سَبِيْلِيْ (اور ان کو میری راہ میں تکلیف دی گئی) خواہ وہ تکلیف ضرب و شتم کی قسم سے تھی یا ضیاع اموال کی صورت میں تھی۔ سبیلی سے مراد اللہ تعالیٰ کے دین کی خاطر ہے۔ وَقَتْلُوْا وُقَاتِلُوْا (انہوں نے کفار سے لڑائیاں کیں اور شہید کر دیئے گئے) قراءت: مکی و شامی نے قَاتِلُوْا پڑھا ہے۔ اور حمزہ علی نے وَقَتْلُوْا وُقَاتِلُوْا تقدیم و تاخیر سے پڑھا ہے۔

مَنْتَلَلَه: اس آیت میں دلیل ہے کہ واو ترتیب کو لازم نہیں کرتی لَا كُفْرًا عَنْهُمْ سِيَآئِهِمْ وَلَا دُخْلَنَّهُمْ جَنَّتِ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا اِلَّا نَهْرٌ (میں ضروران سے انکی غلطیاں مٹا دوں گا اور ضروران کو ایسے باغات میں داخل کروں گا جن کے نیچے نہریں چل رہی ہیں) یہ قسم محذوف کا جواب ہے۔ ثَوَابًا یہ محذوف فعل کا مفعول مطلق بطور تاکید لایا گیا ہے۔ یعنی اثابة یا تشویباً۔ من عند اللہ۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے بطور ثواب، یعنی تشویباً من عند اللہ ہے کیونکہ: لَا كُفْرًا عَنْهُمْ سِيَآئِهِمْ وَلَا دُخْلَنَّهُمْ۔

لَا يَغُرَّنَّكَ تَقَلُّبُ الَّذِينَ كَفَرُوا فِي الْبِلَادِ ۖ مَتَاعٌ قَلِيلٌ ۖ ثُمَّ

ہرگز دھوکہ میں نہ ڈالے آپ کو کافروں کا شہروں میں آنا جانا یہ تھوڑا سا نفع ہے۔ پھر

مَا لَهُمْ جَهَنَّمُ ۖ وَبِئْسَ الْمِهَادُ ۖ لَكِنَّ الَّذِينَ اتَّقَوْا رَبَّهُمْ لَهُمْ

ان کا ٹھکانا جہنم ہے اور وہ بُرا بچھونا ہے۔ لیکن وہ لوگ جو اپنے رب سے ڈرتے رہے ان کے لئے

جَنَّتْ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا نَزِلًا مِّنْ عِنْدِ اللَّهِ ۖ وَمَا

باغ ہیں جن کے نیچے نہریں جاری ہوں گی وہ ان میں ہمیشہ رہیں گے۔ یہ مہمانی ہو گی اللہ کی طرف سے۔ اور جو

عِنْدَ اللَّهِ خَيْرٌ لِّلْأَبْرَارِ ۖ

اللہ کے پاس ہے بہتر ہے نیک بندوں کے لئے۔

الثالثة

لا تيسبهم کے معنی میں ہے وَاللَّهُ عِنْدَهُ حُسْنُ الثَّوَابِ۔ اللہ تعالیٰ ہی کے ہاں اچھا بدلہ ہے یعنی ذات باری تعالیٰ ہی یہ بدلہ دے سکتی ہے اور کسی کے بس کی بات نہیں۔

مَثَانِ نُّزُولٍ: مسلمانوں کی ایک جماعت نے کہا کہ کفار تو مزے لے رہے ہیں اور ہم بھوک سے نڈھال ہیں اس پر یہ آیات اتریں۔ استقامت علی الحق کا لطیف انداز:

۱۹۶: لَا يَغُرَّنَّكَ تَقَلُّبُ الَّذِينَ كَفَرُوا فِي الْبِلَادِ۔ (اے مخاطب تمہیں کفار کا شہروں میں آنا جانا دھوکہ میں مبتلا نہ کرے) اس میں ہر ایک کو خطاب کیا گیا یا نبی اکرم ﷺ کو خطاب کر کے مراد دوسرے لئے گئے یا قوم کے سربراہ کو خطاب کیا جاتا ہے۔ اور اس کو مخاطب کرنا تمام کو خطاب کے قائم مقام ہوتا ہے۔ گویا اس طرح فرمایا لَا يَغُرَّنَّكُمْ تَقَلُّبُ الَّذِينَ كَفَرُوا فِي الْبِلَادِ۔

نمبر ۲۔ آپ ﷺ تو انکی حالت کی وجہ سے دھوکہ میں مبتلا ہونے والے نہ تھے۔ اس سے آپ کو اس بات پر ثابت قدم رکھنے اور لازم کرنے کیلئے یہ انداز اختیار کیا گیا۔ جیسا کہ اس آیت میں ہے: فَلَا تَكُونَنَّ ظَهِيرًا لِّلْكَافِرِينَ (القصص: ۸۶) وَلَا تَكُونَنَّ مِنَ الْمُشْرِكِينَ (الانعام: ۱۳) یہ تو نبی میں اس کی دو نظیریں ہیں۔ امر میں اس کی نظیر اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيمَ (الفاتحہ: ۵) يٰۤاَيُّهَا الَّذِينَ اٰمَنُوا اٰمِنُوا (النساء: ۱۳۶) ہے۔

فانی بہر حال قلیل ہے:

۱۹۷: مَتَاعٌ قَلِيلٌ ثُمَّ مَا لَهُمْ جَهَنَّمُ وَبِئْسَ الْمِهَادُ۔ مَتَاعٌ قَلِيلٌ (تھوڑا سا نفع حاصل کرنا ہے)

مَحْجُوْرٌ: یہ مبتدائے محذوف تَقَلُّبُهُمْ فِي الْبِلَادِ کی خبر ہے۔ قلیل کہنے کی وجہ۔ نمبر ۱: آخرت باقیہ کی نعمتوں کو ضائع کر دیا اور فانی

وَإِنَّ مِنْ أَهْلِ الْكِتَابِ لَمَنْ يُؤْمِنُ بِاللَّهِ وَمَا أُنْزِلَ إِلَيْكُمْ وَمَا أُنْزِلَ

اور بلاشبہ بعض اہل کتاب ایسے ہیں جو ایمان لاتے ہیں اللہ پر اور اس پر جو نازل کیا گیا تمہاری طرف اور جو نازل کیا گیا

إِلَيْهِمْ خَشِعِينَ لِلَّهِ لَا يَشْتَرُونَ بِآيَاتِ اللَّهِ ثَمَنًا قَلِيلًا أُولَٰئِكَ لَهُمْ

ان کی طرف جو عاجزی کرنے والے ہیں اللہ کے لئے وہ نہیں خریدتے اللہ کی آیات کے بدلہ تھوڑی سی قیمت، یہ وہ لوگ ہیں جن کے لئے

أَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ إِنَّ اللَّهَ سَرِيعُ الْحِسَابِ ﴿١٩٨﴾

ان کا اجر ہے ان کے رب کے پاس، بے شک اللہ جلد حساب لینے والا ہے۔

دنیا کی چند لذات لے لیں۔ نمبر ۲۔ اللہ تعالیٰ نے ایمان والوں کیلئے جو ثواب تیار کر رکھا ہے۔ اس کے مقابلہ میں یہ قلیل ہے۔ نمبر ۳۔ دنیا کے ختم ہونے کی وجہ سے یہ ذاتی طور پر حقیر ہے ہرزائل ہونے والی چیز قلیل کہلاتی ہے۔ ثُمَّ مَا لَهُمْ جَهَنَّمَ وَبِئْسَ الْمِهَادُ (پھر ان کا ٹھکانہ جہنم ہے اور وہ بدترین ٹھکانہ ہے) گویا انہوں نے اپنے لئے بہت بری چیز تیار کی ہے۔ متقین کو خلود والی نعمتیں ملیں گی:

۱۹۸: لَكِنَّ الَّذِينَ اتَّقَوْا رَبَّهُمْ لَهُمْ جَنَّاتٌ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا نُزُلًا مِّنْ عِنْدِ اللَّهِ وَمَا عِنْدَ اللَّهِ خَيْرٌ لِّلْأَبْرَارِ۔

(لیکن وہ لوگ جنہوں نے اپنے رب کا تقویٰ اختیار کیا) یعنی شرک سے بچ گئے۔ لَهُمْ جَنَّاتٌ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا نُزُلًا (ان کے لئے باغات ہیں جن کے نیچے نہریں چل رہی ہیں اور وہ ان باغات میں ہمیشہ رہنے والے ہیں بطور مہمان) النَّزْلُ وَالنُّزْلُ کا معنی مہمان کو پیش کیا جانے والا کھانا۔

تین تراکیب:

نزل یہ حال ہے۔ جنت سے۔ اس میں عامل لَهُمْ کلام ہے۔

نمبر ۲۔ یہ مصدر مؤكد ہے۔ گویا اس طرح کہا گیا۔ رزقًا یعنی جعل ذلک رزقًا۔

نمبر ۳۔ عطاء۔ جعل ذلک عطاءً

مِّنْ عِنْدِ اللَّهِ (اللہ کے ہاں) یہ نزلاً کی صفت ہے۔ وَمَا عِنْدَ اللَّهِ (اور جو اللہ تعالیٰ کے ہاں ہے) بے شمار اور دائمی خیرٌ لِلْأَبْرَارِ (وہ ابرار کیلئے بہت بہتر ہے) اس کی بہ نسبت جس کیلئے کفار و فجار سرمارتے پھر رہے ہیں کیونکہ وہ قلیل و زائل ہے۔

اہل نحو کے ہاں لیکن استدراک کیلئے آتا ہے۔ مطلب یہ ہوا کہ اگرچہ وہ نفع اٹھارہے ہیں لیکن ان کے نفع اٹھانے میں بقاء نہیں۔ یہ بقاء متقین کیلئے ہوگی۔ یہ تشدید کے ساتھ لیکن بھی استعمال ہوتا ہے۔

۱۹۹: وَإِنَّ مِنْ أَهْلِ الْكِتَابِ لَمَنْ يُؤْمِنُ بِاللَّهِ وَمَا أُنْزِلَ إِلَيْكُمْ وَمَا أُنْزِلَ إِلَيْهِمْ خَشِعِينَ لِلَّهِ لَا يَشْتَرُونَ بِآيَاتِ اللَّهِ

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اصْبِرُوا وَصَابِرُوا وَرَابِطُوا وَاتَّقُوا اللَّهَ لَعَلَّكُمْ

اے ایمان والو صبر کرو اور مقابلہ میں جم کر رہو اور نیک کاموں میں لگے رہو اور اللہ سے ڈرو تاکہ تم

تُفْلِحُونَ ﴿۲۰۰﴾

کامیاب ہو جاؤ۔

ثَمَنًا قَلِيلًا أُولَٰئِكَ لَهُمْ أَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ إِنَّ اللَّهَ سَرِيعُ الْحِسَابِ۔
 نشانِ نَزْوَل: نمبر ۱۔ یہ آیات حضرت عبداللہ بن سلام اور ان کے رفقاء رضی اللہ عنہم کے متعلق نازل ہوئیں۔ یہ وہ لوگ تھے جنہوں نے اہل کتاب میں سے اسلام قبول کیا۔
 نمبر ۲۔ اہل نجران میں چالیس آدمی جو اسلام لائے۔
 نمبر ۳۔ اور اہل حبشہ میں سے ۳۲ بتیس آدمی اور آٹھ روم سے آئے وہ عیسیٰ علیہ السلام کے دین پر تھے وہ اسلام لے آئے۔ وَإِنَّ مِنْ أَهْلِ الْكِتَابِ لَمَنْ يُؤْمِنُ بِاللَّهِ (بیشک اہل کتاب میں کچھ لوگ ایسے ہیں جو اللہ تعالیٰ پر ایمان لاتے ہیں)
 نحوی تحقیق:

نمبر ۱: اِنَّ کے اسم پر لام ابتداء داخل ہے کیونکہ ظرف کی وجہ سے فاصلہ ہو گیا۔ وَمَا أُنْزِلَ إِلَيْكُمْ اور جو اتارا گیا تمہاری طرف یعنی قرآن مجید۔ وَمَا أُنْزِلَ إِلَيْهِمْ (اور وہ جو اتارا گیا انکی طرف) یعنی تورات وانجیل۔ خَشِعِينَ لِلَّهِ (اس حال میں کہ وہ اللہ تعالیٰ سے ڈرنے والے ہیں)

نمبر ۲: یہ یؤمن کے فاعل سے حال ہے کیونکہ من یؤمن لفظاً اگرچہ مفرد ہے مگر معنای جمع ہے۔ لَا يَشْتَرُونَ بِآيَاتِ اللَّهِ ثَمَنًا قَلِيلًا (وہ اللہ تعالیٰ کی آیات کے بدلے تھوڑی قیمت لینے والے نہیں ہیں) جیسا کہ غیر مسلم احبار اور ان کے دیگر بڑے کرتے تھے۔

نمبر ۳: یہ حال کے بعد حال ہے۔ یعنی اس حال میں کہ وہ خریدنے والے نہیں ہیں۔ أُولَٰئِكَ لَهُمْ أَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ (ایسے لوگوں کیلئے ان کا اجر ان کے رب کے ہاں ہے) مراد اس سے وہ مخصوص اجر ہے۔ جو ان کو ملے گا۔ اور وہی اجر ہے جس کا وعدہ اس ارشاد ربانی میں فرمایا گیا ہے اُولَٰئِكَ يُؤْتَوْنَ أَجْرَهُمْ مَرْتِينَ کہ ان لوگوں کو اجر دو مرتبہ ملے گا۔ إِنَّ اللَّهَ سَرِيعُ الْحِسَابِ (بیشک اللہ تعالیٰ جلد حساب لینے والے ہیں) کیونکہ اس کا علم ہر چیز پر حاوی ہے۔

صبر و تقویٰ کا میابی کا راز ہے:

۲۰۰: يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اصْبِرُوا وَصَابِرُوا وَرَابِطُوا وَاتَّقُوا اللَّهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ۔ (اے ایمان والو! تم صبر کرو) دین کے سلسلہ میں اور اس کی خاطر آنے والی تکالیف پر حضرت جنید رضی اللہ عنہ نے فرمایا۔ صبر۔ نفس کو ناپسند چیز پر روکنا اور گھبراہٹ کا اظہار

نہ کرنا۔ وَصَابِرُوْا (اور دشمن کے مقابلہ میں جہاد کے شہداء پر صبر کرو) یعنی لڑائی کی تکالیف برداشت کرنے میں ان پر غالب آ جاؤ۔ اور صبر و ثبات میں ان سے پیچھے نہ رہو۔ وَرَٰبِطُوْا (اور مقابلہ کیلئے تیار رہو) یعنی سرحدات پر پہرے کے ساتھ قائم رہو۔ اور گھوڑے باندھو۔ غزوہ کیلئے ہر وقت تیار اور دشمن کی گھات میں رہو۔ وَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ (اور اللہ تعالیٰ سے ڈرو تاکہ تم کامیاب ہو جاؤ) الفلاح ناپسند چیز سے چھٹکارا پالینے کے بعد پسندیدہ چیز کے ساتھ باقی رہنا۔ لعل کا استعمال اس لئے کیا کیونکہ نتائج تو معلوم نہیں۔ کہیں اعمال کرنے سے پہلے فقط امیدوں پر بھروسہ کر کے نہ بیٹھ جائیں۔

دوسری تفسیر یہ ہے کہ تم میری محبت میں صبر کرو اور میری نعمتوں میں دوسروں سے بڑھ کر صبر کرو۔ اور میری اطاعت میں اپنے آپ کو باندھ کر رکھو۔ تاکہ تمہیں میری قربت میسر ہو۔

فضیلتِ سورت:

نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا تم الزہرا وین کو پڑھا کرو۔ یعنی البقرہ اور آل عمران۔ یہ قیامت کے دن اس طرح آئیں گی جیسے سائبان ہوتے ہیں یا بادل ہوتے ہیں۔ یا پرندوں کے جھنڈ ہوتے ہیں۔ اور پڑھنے والے کی سفارش کریں گی۔ (رواہ مسلم)

واللہ اعلم بالصواب والیہ المرجع والمآب بحمد اللہ۔

تمت ترجمہ سورۃ آل عمران یوم الجمعہ ۱۲ صفر ۱۴۲۳ھ، ۲۶ اپریل ۲۰۰۲ء

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ بَعْدَ قَدْرَتِكَ اِلٰی یَوْمِ الدِّیْنِ

سُورَةُ النِّسَاءِ مَدَنِيٌّ وَهِيَ فِي ثَمَانِ سَبْعِينَ آيَةً وَأَرْبَعٌ وَعِشْرُونَ حُرُوفًا

سورۃ نساء مدینہ میں نازل ہوئی اس میں ایک سو ستتر آیتیں اور چوبیس رکوع ہیں

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے۔

يَا أَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوا رَبَّ الَّذِي خَلَقَكُمْ مِنْ نَفْسٍ وَاحِدَةٍ وَخَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَبَثَّ مِنْهُمَا رِجَالًا كَثِيرًا وَنِسَاءً ۚ وَاتَّقُوا اللَّهَ الَّذِي

اے لوگو! اپنے رب سے ڈرو جس نے تمہیں ایک جان سے پیدا فرمایا، اور اس جان سے

مِنْهَا زَوْجَهَا وَبَثَّ مِنْهُمَا رِجَالًا كَثِيرًا وَنِسَاءً ۚ وَاتَّقُوا اللَّهَ الَّذِي

اس کا جوڑا پیدا فرمایا اور ان دونوں سے بہت سارے مرد اور عورتیں پھیلا دیئے، اور اللہ سے ڈرو جس کے واسطے سے

تَسَاءَلُونَ بِهِ وَالْأَرْحَامَ ۚ إِنَّ اللَّهَ كَانَ عَلَيْكُمْ رَقِيبًا ۝۱ وَآتُوا الْيَتَامَىٰ

آپس میں سوال کرتے ہو، اور قرابت داریوں سے بھی ڈرو، بے شک اللہ تم پر نگہبان ہے اور یتیموں کو

أَمْوَالَهُمْ وَلَا تَتَّبِعُوا الْخَيْثَ بِالطَّيِّبِ ۚ وَلَا تَأْكُلُوا أَمْوَالَهُمْ إِلَىٰ

ان کے مال اور مت بدلو خبیث مال کو اچھے مال سے، اور مت کھاؤ ان کے مالوں کو اپنے مالوں

أَمْوَالِكُمْ ۚ إِنَّهُ كَانَ حُوبًا كَبِيرًا ۝۲

میں ملا کر، بے شک ایسا کرنا بڑا گناہ ہے۔

تَفْسِيرُ آيَةِ ۱:

يَا أَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوا رَبَّ الَّذِي خَلَقَكُمْ مِنْ نَفْسٍ وَاحِدَةٍ وَخَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَبَثَّ مِنْهُمَا رِجَالًا كَثِيرًا وَنِسَاءً ۚ (اے لوگو! تم اپنے رب سے ڈرو۔ جس نے تم کو پیدا کیا ایک جان سے اور اسی سے پیدا کیا اس کے جوڑے کو اور آدم و حوا سے پھیلا یا بہت سارے مردوں اور عورتوں کو) يَا أَيُّهَا النَّاسُ (اے اولاد آدم علیہ السلام)۔

صورتِ تخلیق:

اتَّقُوا رَبَّ الَّذِي خَلَقَكُمْ مِنْ نَفْسٍ وَاحِدَةٍ (آغاز تخلیق کے زمانہ میں ایک اصل یعنی تمہارے باپ حضرت آدم سے بنایا)۔

وَوَخَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا يَهْمُ بِهٖ مَحْذُوفٌ بِهٖ عَطْفٌ هُوَ۔ گویا اس طرح فرمایا۔ من نفس واحدة انشأها وخلق منها زوجها۔ مطلب یہ ہے ایک ذات سے تمہیں نکالا جس کی صورت یہ تھی۔ کہ اس نفس کو مٹی سے بنایا اور ان کی پسلیوں میں سے کسی پسلی سے (مادہ لے کر) ان کی بیوی حواء کو بنا دیا۔ وَبَنَتْ مِنْهُمَا (اور ان دونوں یعنی آدم و حواء سے پھیلایا)۔ رَجَالًا كَثِيرًا وَنِسَاءً (بہت سے مردوں اور بہت سی عورتوں کو)۔ یعنی جنس انسانی کی دونوں انواع یعنی مرد و عورت کو۔ نفس انسانی کی ایسی صفت بیان کی جو انسانوں کی خلقت کی وضاحت و تفصیل کر رہی ہے۔

یا خَلَقَكُمْ سے متعلق ہے اور يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ کا خطاب ان لوگوں سے ہے۔ جو رسول اللہ ﷺ کی بعثت کے وقت تھے۔ مطلب یہ ہوا کہ تمہیں نفس آدم ﷺ سے پیدا کیا۔ اور اسی نفس سے تمہاری ماں حواء کو پیدا کیا اور ان دونوں سے بہت سے مرد اور بہت سی عورتیں تمہارے علاوہ ہلاک ہو جانے والی امتوں کی پیدا فرمائیں اور یہ حصر کے لئے ہے۔

ایک سوال کا جواب:

سوال: نظم کا انداز تو اس بات کا متقاضی ہے کہ تقویٰ کا حکم دینے کے بعد ایسی چیز لائی جاتی جو تقویٰ کی طرف دعوت دینے والی ہو۔ پھر کس طرح ان کا ایک جان سے پیدا کرنا۔ تقویٰ کی طرف ترغیب دینے والا بنتا ہے۔

جواب: تخلیق آدم و اولادہ، عظیم قدرت پر دلالت کرتا ہے اور جس کو اس جیسی قدرت ہو۔ تو وہ ہر چیز پر قادر ہے۔ کفار و فجار کو سزا دینا بھی اس کے مقدورات میں سے ہے۔ پس اس میں غور و فکر اس بات کا داعی ہے۔ کہ ایسے قادر مطلق سے ڈرا جائے۔ اور اس کے عقاب کا خطرہ محسوس کیا جائے۔

کامل نعمت کا شکریہ:

اور ایک بات یہ بھی ہے کہ یہ ایک عظیم الشان کامل نعمت ہے۔ پس انسانوں پر لازم ہے کہ اس نعمت کی ناشکری سے گریز کریں۔

رسول اللہ ﷺ نے اس آیت کے نازل ہونے کے وقت فرمایا۔ عورت کو مرد سے پیدا کیا گیا۔ پس اس کا مقصد مرد میں بے اور مرد کو مٹی سے پیدا کیا پس اس کا فکر مٹی میں ہے (البیہقی)

وَاتَّقُوا اللَّهَ الَّذِي تَسَاءَلُونَ بِهِ (اور تم اللہ تعالیٰ سے ڈرو جس کا واسطہ دے کر تم ایک دوسرے سے سوال کرتے ہو)۔ صَرْف: تساءل لون اصل میں تساءل لون تھا۔ تا کو سین کر کے سین میں ادغام کر دیا۔ کیونکہ تا کے قریب حرف ہمس سین ہے۔ قراءت: یہ تساءل لون۔ تخفیف کے ساتھ ہے عند الکوفی۔ تائانیہ کو اجتماع تاءین ثقیل ہونے کی وجہ سے حذف کر دیا۔ مطلب یہ ہوا کہ تم ایک دوسرے کو اللہ تعالیٰ اور رحم کا واسطہ دے کر سوال کرتے ہو۔ پس اس طرح کہتے ہیں باللہ و بالرحم افعل کذا اور مقصد اس سے شفقت حاصل کرنا ہوتا ہے۔

نحوی تحقیق:

وَالْأَرْحَامَ (اور رحموں کا) **نَحْوًا**: یہ لفظ اللہ پر معطوف ہونے کی وجہ سے منصوب ہے۔ یعنی قطع رحمی سے ڈرو۔ یا جار مجرور کے مقام پر ہے جیسا کہتے ہیں مردت بزدو عمروا۔ یا ضمیر پر عطف کرتے ہوئے مجرور ہے۔ حمزہ کے نزدیک مگر یہ قول ضعیف ہے۔ کیونکہ ضمیر متصل وہ اسم متصل کی طرح ہے۔

اور جار مجرور ایک شئی کی طرح ہے۔ تو یہ بعض کلمہ پر عطف کے مشابہ ہوا۔
إِنَّ اللَّهَ كَانَ عَلَيْكُمْ رَقِيبًا (بیشک اللہ تم پر نگہبان ہے) یا تمہیں جاننے والے ہیں۔

تفسیر آیت ۲:

وَاتُوا الْيَتَامَىٰ أَمْوَالَهُمْ (اور یتیموں کو ان کے اموال دو) یتامی سے مراد وہ لوگ ہیں جن کے والد فوت ہو جائیں اور وہ اکیلے رہ جائیں۔

یتیم کا معنی:

الْيَتِيمُ۔ افراد کو کہتے ہیں۔ اسی سے کہتے ہیں الدُّرَّةُ الْيَتِيمَةُ۔ یکتا موتی۔ ایک قول یہ ہے کہ یتیم انسانوں میں وہ ہے جس کا باپ مر جائے اور بہائم میں یتیم وہ ہے جس کی ماں مر جائے۔ اس نام کا تقاضہ تو یہی ہے کہ ہر چھوٹے بڑے پر بولا جائے کیونکہ باپ سے منفرد ہونے کا معنی پایا جاتا ہے۔ مگر استعمال میں بلوغ سے قبل تک ہی بولا جاتا ہے جب وہ کسی کفیل و نگران سے مستغنی ہو جاتے ہیں۔ تو یہ نام ختم ہو جاتا ہے۔ نبی ﷺ کا ارشاد ہے: لَا يَتِمُّ بَعْدَ الْحَلْمِ۔ (ابوداؤد)
شریعت کے حکم کے طور پر نہ کہ لغت کے لحاظ سے۔ یعنی جب وہ بالغ ہو گیا تو اس پر بچوں کے احکام جاری نہ ہونگے۔

آیت کا مطلب:

اب آیت کا مطلب یہ ہے۔ اور تم یتیموں کو ان کے اموال بالغ ہونے کے بعد دو۔ یہاں ان کو یتامی، یتیمی کے زمانہ کے قریب ہونے کی وجہ سے فرمایا گیا جو بچپن تھا۔ (اب تو وہ بالغ ہو چکے) اس میں اشارہ فرمایا کہ اگر ان سے سمجھ بوجھ پائی جائے تو ان کے اموال ان کے حوالے کرنے میں حد بلوغ سے تاخیر نہ کی جائے۔ اور یتیمی اور بچپن کا نام زائل ہونے سے پہلے ہی ان کو وہ اموال سپرد کر دیئے جائیں۔

خبث کی مراد:

وَلَا تَبَدَّلُوا الْخَبِيثَ بِالطَّيِّبِ (نہ تبدیل کرو خبیث کو بد لے طیب کے) نمبر ۱۔ حرام مال کو لینے کے طلبگار نہ بنو (یعنی یتامی کا مال) حلال مال کے بدلے میں جو کہ تمہارا اپنا مال ہے۔ نمبر ۲۔ خبیث بات کو بد لے میں نہ لو اور وہ یتیموں کا مال بلا نگرانی چھوڑنا ہے۔ پاکیزہ بات کے بدلے میں اور وہ اس کی حفاظت کرنا ہے اور اس سے بچنا۔

وَإِنْ خِفْتُمْ أَلَّا تُقْسِطُوا فِي الْيَتَامَىٰ فَانكِحُوا مَا طَابَ لَكُمْ مِّنَ

اور اگر تم کو ڈر ہو کہ یتیموں کے بارے میں انصاف نہ کر سکو گے تو ان عورتوں سے نکاح کر لو جو عورتیں تم کو

النِّسَاءِ مَشْنَىٰ وَثُلَّةٌ وَرُبْعٌ ۚ فَإِنْ خِفْتُمْ أَلَّا تَعْدِلُوا فَوَاحِدَةٌ أَوْ مَا

پسند ہوں دو دو، تین تین، چار چار۔ سو اگر تم کو ڈر ہو کہ انصاف نہ کر سکو گے تو ایک ہی عورت سے نکاح کر لو، یا ان

مَلَكَتْ أَيْمَانُكُمْ ۚ ذَٰلِكَ أَدْنَىٰ أَلَّا تَعُولُوا ۝۳

لوٹدیوں پر بس کرو جو تمہاری ملکیت ہوں۔ یہ اس سے قریب تر ہے کہ تم زیادتی نہ کرو،

نحو و صرف:

یہاں باب تفعل بمعنی استفعال ہے اور یہ آتا رہتا ہے۔ اس کی نظیر تعجل بمعنی استعجال۔ وَلَا تَأْكُلُوا أَمْوَالَهُمْ إِلَىٰ أَمْوَالِكُمْ (اور ان کے مال نہ کھاؤ اپنے مالوں کے ساتھ ملا کر) نَحْمُ: الیٰ کا متعلق محذوف ہے۔ اور یہ حال کے موقع پر ہے۔ یعنی اموالکم کی طرف مضاف ہے۔ مطلب یہ ہوا۔ ان کے اموال کو اپنے مالوں کے ساتھ اس طرح نہ ملاؤ۔ کہ تمہارے اور ان کے اموال میں تفریق نہ رہے۔ اس چیز کی پرواہ نہ کرتے ہوئے جو تمہارے حق میں حلال نہیں اور برابری کرنے لگو اس میں اور حلال میں۔ اِنَّهٗ كَانَ حُبًّا كَبِيْرًا۔ بیشک (وہ بہت بڑا گناہ ہے) ؕ سے مراد اس کا کھانا اور حوبا کبیرا کا معنی بڑا گناہ ہے۔

تَفْسِيْرُ آيَةِ ۳:

وَإِنْ خِفْتُمْ أَلَّا تُقْسِطُوا فِي الْيَتَامَىٰ (اگر تمہیں خدشہ ہو کہ تم انصاف نہ کر سکو گے یتیموں کے معاملہ میں) اقسط۔ باب افعال بمعنی عدل کرنا۔ لا تقسطوا کا معنی عدل نہ کرنا۔ الیتامیٰ کا لفظ مذکر و مؤنث دونوں کیلئے بولا جاتا ہے۔ جمع یتیمہ و یتیم ہے۔ باقی ایتام جمع یتیم ہے فقط۔ فَاِنْكِحُوا مَا طَابَ لَكُمْ مِّنَ النِّسَاءِ (پھر تم نکاح کرو دوسری عورتوں میں سے جو تم پسند کرو) طاب کا معنی حلال:

طاب کا معنی حلال ہونا ہے۔ یعنی جو تمہارے لئے حلال ہوں۔ کیونکہ ان میں بعض عورتیں وہ ہیں جو حرام ہیں۔ ان کا تذکرہ آیت تحریم میں ہے۔ مَا كَا اسْتِعْمَالِ ذِي عَقْلِ كِي صَفَاتِ كِيْلَے آتا ہے۔ گویا یہاں اس طرح کہا گیا۔ الطيبات من النساء۔ پس تم نکاح کرو عورتوں میں سے پاکیزہ عورتوں سے۔ کیونکہ عقلاء میں طبقہ اناث بمنزلہ غیر عقلاء کے شمار ہوتا ہے۔ اور ارشاد الہی او ماملکت ایمانکم میں ماسی معنی میں ہے۔ دوسرا قول یہ ہے کہ وہ زنا میں حرج نہ سمجھتے تھے۔ ولایت یتامیٰ میں حرج سمجھتے تھے۔ پس انہیں کہا گیا۔ اگر تمہیں یتیم بچیوں کے متعلق ظلم و زیادتی کا خطرہ ہو اور زنا کا خدشہ ہو تو جو عورتیں تمہارے لئے حلال ہیں

ان سے نکاح کرو اور محرمات کے گرد مت گھومو۔

تیسرا قول: وہ لوگ یتامی کے اموال میں نگرانی سے تنگی محسوس کرتے۔ اور بہت عورتیں رکھنے میں حرج محسوس نہ کرتے۔ اس کے باوجود کہ ان کے مابین کثرت کی وجہ سے زیادتیاں ہو جاتیں۔ تو ان کو مخاطب کر کے اس طرح فرما دیا جب تم اس میں دشواری محسوس کرتے ہو تو اس میں بھی حرج سمجھو اور اس سے بچو۔ اور کہہ دیا گیا۔ **وَإِنْ خِفْتُمْ أَلَّا تُقْسِطُوا** کہ اگر تمہیں خطرہ ہو کہ یتیم بچیوں کے نکاح کے سلسلہ میں تم انصاف نہ کر سکو گے۔ تو بالغات سے نکاح کرو۔ یہ طاب طابت اثر سے ہے۔ اپنی میعاد کو پھل پہنچ گیا۔ گویا بالغ عورتیں (مگر اس معنی سے لکم بے فائدہ ٹھہرتا ہے۔ فتدبر) **مَثْنَى وَثُلَاثَ وَرُبَاعَ** (دو دو عورتوں سے تین تین عورتوں سے اور چار چار عورتوں سے) **مِنْ خَوْفٍ**: یہ نکرہ ہیں۔ غیر منصرف ہیں کیونکہ عدل و وصف ان میں پائے جاتے ہیں۔ سیویہ نے اسی طرح کہا۔ یہ النساء سے محل نصب میں حال ہے۔ یا ما طاب سے حال ہے۔ تقدیر عبارت یہ ہے۔ فانکحوا الطبیات لکم جو اس عدد تک پہنچنے والی ہیں۔ دو۔ دو اور تین تین اور چار چار۔

ایک سوال نکاح میں اعداد کے تکرار کی حکمت:

سوال: نکاح کرنے والے کیلئے مطلقاً جمع میں دو یا تین یا چار کو جمع کرنا درست ہے تو پھر مثنیٰ و ثلاث و رباع میں تکرار کا کیا مطلب ہے۔

جواب: خطاب تمام لوگوں کو فرمایا گیا۔ پس تکرار ضروری ہو گیا تا کہ ہر نکاح کرنے والا اس گنتی کو پورا کر سکے جو وہ اپنے لئے پسند کرتا ہے۔ جس کو مطلقاً ذکر کیا گیا ہے۔ جیسا کہ تم ایک جماعت کو کہو۔ یہ مال تم تقسیم کرلو۔ دو دو تین تین چار چار اور وہ درہم ایک ہزار ہوں۔ اگر تم یہ اعداد ایک مرتبہ ذکر کرتے تو پھر اس کا کوئی مطلب نہ بنتا اور او کو لا کر بتلا دیا کہ مختلف گروہوں کو مختلف کا جمع کرنا جائز ہے کہ کوئی (دو سے کوئی تین سے اور کوئی چار سے نکاح کر سکتا ہے) اگر او لایا جاتا تو اختلاف عدد کا جواز ختم ہو جاتا۔

فَإِنْ خِفْتُمْ أَلَّا تَعْدِلُوا (اگر تمہیں اندیشہ ہو کہ تم عدل نہ کر سکو گے) اس اعداد میں تو **فَوَاحِدَةً** (تو ایک کو لازم کرلو) یا چناؤ کرلو۔ **أَوْ مَا مَلَكَتْ أَيْمَانُكُمْ** (جن کے مالک تمہارے لونڈی غلام ہوں) مساوات حقوق جو آزاد عورتوں کے مابین لازم ہے وہ باندیوں کے لئے لازم نہیں نہ ان کی کوئی تعداد مقرر ہے۔ **ذَلِكَ** اس کا اشارہ ایک کے چناؤ اور لونڈیاں رکھنے میں ہے۔ **أَذْنَى** **أَلَّا تَعْدِلُوا** (اس امر مذکور میں زیادتی نہ ہونے کی توقع قریب تر ہے) یعنی یہ فعل اس سے قریب تر ہے کہ تم ایک طرف مائل نہ ہو جاؤ اور نہ ظلم کرو۔ عرب کہتے ہیں۔ **عال المیزان** عولا کہ جب وہ مائل ہو جائے اور کہتے ہیں **عال الحاکم** فی حکمہ۔ جبکہ ظلم کرے۔

ایک تفسیر عجیب:

امام شافعی رحمہ اللہ سے منقول ہے کہ انہوں نے **الَا تَعْدِلُوا** کی تفسیر میں فرمایا کہ تم زیادہ عیال والے نہ ہو۔ ان کی اس تفسیر پر یہ اعتراض کیا گیا کہ کثرت عیال کا معنی اس وقت ہوتا ہے جب اعال یعیل باب افعال سے ہو۔

اس کا جواب یہ دیا گیا کہ مجرد میں **عال الرجل عیالہ** یعولہم۔ اس نے عیال کی پرورش کی۔ کہا جاتا ہے اور

وَاتُوا النِّسَاءَ صَدُقَاتِهِنَّ نِحْلَةً ۚ فَإِنْ طِبْنَ لَكُمْ عَنْ شَيْءٍ مِّنْهُ

اور تم عورتوں کو ان کے مہر خوش دلی کے ساتھ ادا کر دو، سو اگر وہ تمہارے لئے اس میں سے نفس کی خوشی سے

نَفْسًا فَكُلُوْهُ هَنِيْءًا مَّرِيَّتًا ۝۴

کچھ چھوڑ دیں تو اس سے مبارک طور پر خوشگوار کی ساتھ کھا لو۔

مان یمون بھی اسی معنی میں آتا ہے جبکہ عیال پر خرچ کیا جائے۔ کیونکہ جس کے عیال زیادہ ہونگے وہ ان پر لازماً خرچ کرے گا۔ اور اس سلسلہ میں اس پر تقویٰ اور کسب حلال کی حدود کا لحاظ مشکل ہو جائے گا۔ اور اسی جیسا کلام علم کے ان ماہرین سے درست رخ پر محمول کیا جائے گا۔ اور یہ بدگمانی نہ کی جائے گی کہ انہوں نے تعیلو کو تعولوا بنا دیا ہے۔ یوں محسوس ہوتا ہے کہ انہوں نے اس آیت کی تفسیر میں کنایات کا راستہ اختیار کیا۔

تَفْسِيْرُ آيَتِ ۴:

وَاتُوا النِّسَاءَ صَدُقَاتِهِنَّ نِحْلَةً (اور عورتوں کو ان کے مہر خوشی سے دے دو) نحلہ کا لفظ نحلہ کذا سے ماخوذ ہے جبکہ وہ اس کو دے اور رہے کرے اپنے دل کی گہرائی سے نحلۃ و نحلہ دونوں استعمال ہوتے ہیں۔ منصوب مصدر ہونے کی وجہ سے ہے۔ کیونکہ یہاں لفظ نحلہ اور ایتاء، اعطاء کے معنی میں ہیں۔ گویا کلام اس طرح ہے:

حسن ادائیگی مہر:

وانحلوا النساء صدقاتهن نحلۃ۔ یعنی ان کو ان کے مہر خوش دلی سے دے دو یا مخاطب سے حال ہے۔ ان کے مہر انکو دو کہ تم دلوں کی خوشی محسوس کرنے والے ہو مہر دے کر یا الصدقات سے حال ہے یعنی وہ مہر ادا کیے ہوئے ہوں نفسوں کی خوش دلی سے۔ ایک قول یہ ہے کہ یہ مہر عطیہ ہے اللہ تعالیٰ کی طرف سے اور عنایت ہے ان عورتوں پر ایک اور قول یہ ہے کہ نحلۃ بمعنی ملت کے ہے۔ جیسا کہ کہتے ہیں فلان ینتحل کذا ای یدین بہ۔ مطلب یہ ہوا ان کے مہر ان کو دیا نہ دے دو۔ اس صورت میں یہ مفعول لہ بنے گا۔ اور اتوا کا خطاب خاوندوں کو ہے۔ یہ بھی کہا گیا کہ ورثاء کو ہے کیونکہ اس زمانہ میں وہ بیٹیوں کا مہر وصول کرتے تھے۔

طیب نفس لازم:

فَإِنْ طِبْنَ لَكُمْ عَنْ شَيْءٍ مِّنْهُ (اگر وہ عورتیں خوش دلی کے ساتھ تم کو مہر کا کچھ حصہ دیں) یہ لکم کا خطاب ازواج کو ہے۔ عَنْ شَيْءٍ مِّنْهُ۔ یعنی مہر میں سے۔ صدق اور صدقات ہم معنی ہیں۔ نفساً یہ مفرد لائے کیونکہ مقصد بیان جنس ہے۔ اور واحد جنسیت پر دلالت کرتا ہے۔ مطلب یہ ہوا، اگر وہ مہر میں سے کچھ عطاء کریں اور ان کے نفوس اسے خوش دلی سے چھوڑ دیں نہ بے دلی سے کہ جس کے لئے تمہاری بداخلاقی ان کو مجبور کرے اور بدتہذیبی ہبہ کی طرف مجبور کرے۔

مَنْبِتْلَه: اس آیت میں راستہ کی تنگی کی طرف اشارہ کر دیا اور احتیاط کو لازم قرار دیا۔ اس لئے کہ شرط کی بنیاد طیب نفس پر رکھی چنانچہ فرمایا: ان طبن لكم عن شيء منه نفسا۔ یہ نہیں فرمایا فان وهبن لكم۔ اس بات کو بتلانے کے لئے کہ مہر کے کسی حصہ سے علیحدگی میں طیب نفس کا ہونا بہر حال ضروری ہے۔ فَكُلُوْهُ (پس تم اس کو کھاؤ) اس میں ہضمیر شئی کی طرف لوٹتی ہے۔ هَنِئًا (مزے سے) یعنی جس میں گناہ نہ ہو۔

اباحت میں مبالغہ:

مَرِيئًا۔ (خوشگواہی سے) جس میں کوئی بیماری نہ ہو۔ آنحضرت ﷺ نے اس کی اسی طرح تفسیر فرمائی۔ یاد دنیا میں مزیدار کہ بلا مطالبہ ہو۔ مَرِيئًا فِي الْعَقْبَى۔ آخرت میں خوشگوار کہ اس پر احسان نہ جتلائے۔ یہ دونوں کھانے کی صفات ہیں۔ هَنُو الطَّعَامِ و مَرُو کہتے ہیں۔ جب کھانا ایسا خوش گوار ہو کہ اس میں کوئی گدلا پن نہ ہو۔ یہ دراصل مصدر کی صفتیں ہیں۔ یعنی اگلا هَنِئًا مَرِيئًا یعنی ایسا کھانا جو رچتا پچتا ہو۔ یا ضمیر سے حال ہے۔ تم اس کو اس حال میں کھاؤ کہ وہ مزیدار و خوشگوار ہو۔ یہ درحقیقت اباحت میں مبالغہ ظاہر کرنے کے لئے ہے۔ اور یہ بتلانے کے لئے کہ اس کے دینے کے بعد پیچھا بھی نہ کیا جائے۔

قراءت: هَنِئًا مَرِيئًا۔ یزید کے نزدیک بلا ہمزہ ہے۔ اسی طرح وقف کے وقت حمزہ کے نزدیک بھی اسی طرح پڑھیں گے۔ بقیہ تمام قراء نے ہمزہ سے پڑھا ہے۔

ایک لطیف نکتہ: حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جب کوئی بیمار ہو تو اسے چاہئے کہ اپنی بیوی سے مہر کے تین درہم لے کر پھر اس سے شہد خرید لے اور بارش کے پانی سے اس شہد کو ملا کر مریض کو پلائے تو اللہ تعالیٰ اس کو خوشگواہی، شفا و برکت عنایت فرمادیں گے۔

وَلَا تُؤْتُوا السُّفَهَاءَ أَمْوَالَكُمُ الَّتِي جَعَلَ اللَّهُ لَكُمْ قِيَمًا وَارْزُقُوهُمْ

اور بیوقوفوں کو اپنے مال مت دو جن کو اللہ نے تمہارے لئے زندگی گزارنے کا ذریعہ بنایا ہے اور ان مالوں سے ان کو کھانے پینے کے لئے

فِيهَا وَاكْسُوهُمْ وَقُولُوا لَهُمْ قَوْلًا مَعْرُوفًا ۝ وَابْتَئُوا لِيَتْمَىٰ

دے دو اور ان کو کپڑے پہنا دو، اور ان سے بھلی بات کہہ دو، اور آزما لو تم یتیموں کو

حَتَّىٰ إِذَا بَلَغُوا النِّكَاحَ ۚ فَإِنْ أَنْسَمَ مِنْهُمْ رُشْدًا فَادْفَعُوا إِلَيْهِمْ

یہاں تک کہ وہ نکاح کے قابل ہو جائیں، سو اگر تم ان کی طرف سے سمجھداری محسوس کرو تو ان کے مال

أَمْوَالَهُمْ ۚ وَلَا تَأْكُلُوهَا إِسْرَافًا وَبِدَارًا أَنْ يَكْبَرُوا ۚ وَمَنْ

ان کو دے دو، اور مت کھا جاؤ ان کے مالوں کو فضول خرچی کرتے ہوئے اور ان کے بڑے ہو جانے سے پہلے جلدی کرتے ہوئے، اور تم میں سے جو

كَانَ غَنِيًّا فَلْيَسْتَعْفِفْ ۚ وَمَنْ كَانَ فَقِيرًا فَلْيَأْكُلْ بِالْمَعْرُوفِ ۚ

شخص صاحب مال ہو وہ پرہیز کرے، اور جو شخص تنگدست ہو سو وہ مناسب طریقہ پر کھا لے۔

فَإِذَا دَفَعْتُمْ إِلَيْهِمْ أَمْوَالَهُمْ فَأَشْهَدُوا عَلَيْهِمْ ۚ وَكَفَىٰ بِاللَّهِ

سو جب تم دے دو ان کو ان کے مال تو اس پر گواہ بنا لو، اور اللہ کافی ہے

حَسِيبًا ۝

حساب لینے والا۔

تفسیر آیت ۵:

وَلَا تُؤْتُوا السُّفَهَاءَ أَمْوَالَكُمُ (نہ دو اپنے اموال بیوقوفوں کو) سفہاء سے مراد وہ فضول خرچ ہیں۔ جو اپنے اموال کو نامناسب مقام پر لگانے والے ہیں۔ اور ان کو اسکی درستی اور بڑھانے اور اس میں تصرف کرنے کی قدرت نہیں ہے۔ اس میں اولیاء کو خطاب ہے اور کم عقلوں کے اموال کی نسبت اولیاء کی طرف اموالکم کہہ کر کی گئی ہے۔ کیونکہ وہ اس مال کو تھامنے والے اور قریب والے ہیں۔

اموال کی حفاظت کرو:

الَّتِي جَعَلَ اللَّهُ لَكُمْ قِيَمًا (جن کو اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے مایہ زندگانی بنایا ہے) یعنی تمہارے بدنوں کا قوام اور

تمہارے اہل واولاد کیلئے ذریعہ معاش بنایا ہے۔

قیماً بمعنی قیاماً ہے۔ نافع و شامی کے نزدیک جیسا کہ عوداً بمعنی عیاداً ہے اور اصل قیام قوام ہے۔ ماقبل کسرہ کی وجہ سے واؤ کو یا کر دیا۔ سلف پیغمبر کا مقولہ ہے۔ المال سلاح المؤمن۔ مال مؤمن کا ہتھیار ہے۔ اگر میں مال چھوڑ جاؤں کہ جس پر اللہ تعالیٰ مجھ سے حساب لے۔ یہ اس سے بہتر ہے کہ میں لوگوں کا محتاج بنوں۔ حضرت سفیان پیغمبر اپنے سامان کو پلٹ رہے تھے اور فرما رہے تھے۔ اے مال اگر تو نہ ہو تو بنو عباس مجھے رومال کی طرح بنا لیتے کہ جیسا اس سے جو چیز چاہتے ہیں پونچھتے ہیں۔ وَارْزُقُوهُمْ فِيْهَا (اس سے ان کو کھلاؤ) یعنی اس کو ان کے رزق کی جگہ بناؤ۔ کہ اس سے تجارت کرو۔ اور نفع اٹھاؤ تاکہ خرچہ نفع میں سے نکلتا رہے اصل مال سے نہ ہو۔ کہ خرچہ میں نہ سارا کھالیا جائے۔

معروف و منکر کا فرق:

وَ اٰكْسُوْهُمْ وَقُوْلُوْا لَهُمْ قَوْلًا مَّعْرُوْفًا (اور ان کو پہناؤ اور ان کو طریقے کی بات کہو) ابن جریج پیغمبر کہتے ہیں۔ قول معروف سے مراد اچھا وعدہ۔ اس طرح کہ تم سمجھ بوجھ پا لو تو تمہارا مال تمہارے سپرد کر دیں گے۔ ہر ایسی بات یا عمل جس کے عقلی یا شرعی حسن کی وجہ سے نفس کو سکون پہنچے وہ معروف ہے۔ اور جس کی قباحت کی وجہ سے نفس اس کو اوپر اقرار دے وہ منکر ہے۔

تفسیر آیت ۶:

وَ اٰبْتَلُوْا اٰلَتُمۡی (تم قیموں کو آزمائو) ان کی عقلوں کا امتحان لو۔ ان کے احوال کی جانچ کرو۔ اور بلوغ سے پہلے تصرف کے ذریعہ پہچان کا اندازہ کر لو۔ اگر ہوشیار ہو گئے تو حالت ان کی ظاہر ہو جائے گی۔

عقل مجاز تجارت ہے:

مَسْتَبَلَّةٌ: اس آیت میں اس بات کی دلیل ہے کہ عقل بچے کو تجارت کی اجازت ہے۔ حَتّٰی اِذَا بَلَغُوا النِّكَاحَ (یہاں تک کہ وہ نکاح کو پہنچ جائیں) یعنی بالغ ہو جائیں۔ کیونکہ بلوغت کی عمر ہی میں نکاح کی صلاحیت پیدا ہوتی ہے۔ اور تو والد کا سلسلہ بھی اسی عمر میں قائم ہوتا ہے۔ فَاِنْ اٰنَسْتُمْ مِنْهُمْ رُشْدًا (اگر بلوغت کے بعد ان سے لین دین میں ہوشیاری دیکھو) معاملات میں درستی نظر آئے اور تصرفات میں درستگی ہو۔ فَاذْفَعُوْا اِلَيْهِمْ اَمْوَالَهُمْ (تو ان کو ان کے مال سپرد کر دو) حد بلوغ سے تاخیر کی چنداں ضرورت نہیں۔

خَجُوْا: فَاذْفَعُوْا اِلَيْهِمْ اَمْوَالَهُمْ یہ ابتلاء کی غایت ہے۔ اذا بلغوا ظرف ہے لیکن اس میں شرط کا معنی ہے اور ظرف کا تعلق فاذفعوا سے ہے۔ حَتّٰی اِبْتَدَآیَہ ہے اور حَتّٰی کا ماقبل مابعد کے لئے سبب ہے۔ یہ حتیٰ جارہ نہیں کیونکہ اذا میں ظرف کا معنی ہے اور حتیٰ جارہ ظرف پر داخل نہیں ہوتا۔ اذا بلغوا شرط اول ہے اور اس کا جواب فان اٰنستم منہم ہے۔

آیت کا مطلب:

مطلب یہ ہوا کہ یتیموں کی جانچ کر لو بلوغ کے وقت اور مالوں کی سپردگی کے مستحق ہونے کے وقت اس شرط سے کہ ان میں رشد محسوس ہو۔ رشد انکرہ ذکر کیا گیا۔ اس سے معلوم ہوا کہ رشد سے مراد مخصوص رشد ہے اور وہ مال میں تصرف و تجارت کی ہے۔ یا تنوین تقلیل کا فائدہ دیتی ہے۔ یعنی معمولی رشد آجائے کامل رشد آنے تک انتظار نہ کیا جائے گا۔ یہ آیت امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کی دلیل ہے۔ کہ جب بچہ بالغ ہو جائے تو اس کا مال اسے دے دینا چاہیے۔ اور بلوغ کی انتہائی عمر پچیس سال کی ہے۔

حد اعتدال سے تجاوز نہ کرو:

وَلَا تَاْكُلُوْهَا اِسْرَافًا وَّ بَدَارًا اَنْ يَّكْبُرُوْا (اور نہ یتیم کا مال کھاؤ حد اعتدال سے زیادہ اور جلدی جلدی اس اندیشہ سے کہ وہ بڑے ہو جائیں گے) یعنی تم یتیموں کا مال نہ کھاؤ اس حال میں کہ تم حد اعتدال سے تجاوز کرنے والے اور ان کے بڑے ہونے کے خطرہ سے جلدی کرنے والے ہو۔

نحو: اسرافاً و بداراً یہ دونوں حال ہیں اور ان یکبروا بتاویل مصدر بداراً کا مفعول ہے اور دونوں مصادر کا مفعول بھی بن سکتا ہے۔ مطلب یہ ہے تمہارے فضول خرچی کرنے کے لئے اور ان کے بڑے ہونے سے جلدی کے لئے تم ان کے مال کو زیادہ خرچ کرنے والے ہو اور تم کہنے والے ہو کہ ہم اپنے پسند کے مقام پر اس کو خرچ کر لیں اس سے پہلے کہ یتیم بڑے ہوں اور وہ اس مال کو ہمارے ہاتھوں سے چھین لیں۔

وَمَنْ كَانَ غَنِيًّا فَلْيَسْتَعْفِفْ وَمَنْ كَانَ فَقِيْرًا فَلْيَاْكُلْ بِالْمَعْرُوْفِ (جو مالدار ہو وہ یتیم کے مال سے بچتا رہے اور جو محتاج ہو وہ دستور کے مطابق کھا سکتا ہے)

آیت میں وصی کو دو قسموں میں بانٹ دیا۔ نمبرا۔ مالدار۔ نمبر ۲۔ فقیر۔ غنی کو حکم دیا کہ وہ اس کے استعمال سے اپنے آپ کو محفوظ رکھے۔ اور یتیم کا مال نہ کھائے۔ اور استعفف کا لفظ عفو سے زیادہ بلغ ہے۔ گویا کہ وہ کثرت عفو کا طالب ہے۔ رہا فقیر وہ احتیاطی اندازہ کی خوراک کھائے۔ ابراہیم نخعی کہتے ہیں۔ اس سے مراد جو اس کی بھوک کا ازالہ کر دے اور ستر کو چھپا دے۔ فَاِذَا دَفَعْتُمْ اِلَيْهِمْ اَمْوَالَهُمْ فَاَشْهَدُوْا عَلَيْهِمْ (جب تم ان کے مال ان کو سپرد کرنے لگو تو گواہ بنالو) کیونکہ وہ مال تم ان کے سپرد کر رہے ہو اور وہ اس کو لے رہے ہیں۔ اس سے کل انکار کا دعویٰ ختم ہو جائے گا۔ انکار اور جھگڑے کی صورت میں قسم کی طرف متوجہ نہ ہونا پڑے گا۔ وَكَفٰی بِاللّٰهِ حَسِیْبًا (اللہ تعالیٰ ہی حساب لینے والا کافی ہے) پس تمہیں باہمی سچ بولنا ضروری ہے اور ایک دوسرے پر جھوٹ مت باندھو۔ یا یہ فلیا کل بالمعروف کی طرف راجع ہے۔ کہ وصی اسراف نہ کرے۔ اللہ تعالیٰ خود اس کا محاسبہ فرمائیں گے۔ اور اس کو بدلہ دیں گے۔

نحو: باللہ میں بازائد ہے اور یہ کفٰی کا فاعل ہے۔ اور کفٰی کا لفظ متعدی الی المفعولین ہوتا ہے اس کی دلیل اس آیت میں ہے فَسَيَكْفِيْكَهُمُ اللّٰهُ۔ البقرہ۔ ۱۳۷۔ كُفٰیہم دو مفعول ہیں۔

لِلرِّجَالِ نَصِيبٌ مِّمَّا تَرَكَ الْوَالِدَانِ وَالْأَقْرَبُونَ وَلِلنِّسَاءِ نَصِيبٌ

مردوں کے لئے اس مال میں سے حصہ ہے جو ان کے ماں باپ نے اور رشتہ داروں نے چھوڑا، اور عورتوں کے لئے مال میں سے حصہ ہے

مِّمَّا تَرَكَ الْوَالِدَانِ وَالْأَقْرَبُونَ مِمَّا قَلَّ مِنْهُ أَوْ كَثُرَ نَصِيبًا

جو ان کے ماں باپ اور رشتہ داروں نے چھوڑا وہ مال تھوڑا ہو یا زیادہ یہ حصہ

مَّفْرُوضًا ⑤

مقرر کیا ہوا ہے۔

تفسیر آیت ۷:

لِلرِّجَالِ نَصِيبٌ مِّمَّا تَرَكَ الْوَالِدَانِ وَالْأَقْرَبُونَ وَلِلنِّسَاءِ نَصِيبٌ مِّمَّا تَرَكَ الْوَالِدَانِ وَالْأَقْرَبُونَ (مردوں کا حصہ ہے اس میں جو ان کے والدین اور اقرباء چھوڑ جائیں اور عورتوں کا حصہ ہے اس مال میں جو ان کے والدین اور اقرباء چھوڑ جائیں)۔

اقربون سے مراد ذوی القربیٰ میں وراثت کے حصہ والے مراد ہیں۔ دوسرے نہیں۔ مِمَّا قَلَّ مِنْهُ أَوْ كَثُرَ (خواہ مال تھوڑا ہو یا زیادہ) یہ مما ترک کا بدل ہے۔ اور اس پر عامل کو بھی دوبارہ لایا گیا ہے۔ اور منه کی ضمیر مما ترک کی طرف راجع ہے۔ نَصِيبًا مَّفْرُوضًا (طے شدہ حصہ) : یعنی کی وجہ سے نصیباً منصوب ہے۔ مفروضاً کا معنی طے شدہ ہے۔ اس کو الگ کرنا ضروری ہے۔

واقعہ امّ گمہ :

شأن نزول : روایات میں ہے کہ اوس بن ثابت نے وفات پائی اور اپنے پیچھے بیوی امّ کحّہ اور تین بیٹیاں وارث چھوڑیں۔ (ابن حبان نے دو بیٹیاں اور ایک بیٹا ذکر کیا) اوس کے چچا زاد بھائی خالد اور عرفجہ نے ساری جائیداد پر قبضہ کر لیا۔ اہل جاہلیت عورتوں کو وراثت کا حصہ دار قرار نہ دیتے تھے۔ اسی طرح بچوں کو بھی اور کہتے تھے وارث وہ ہوگا جو تیروں سے دفاع کر سکے گا اور غنیمت جمع کر سکے گا۔ امّ گمہ رضی اللہ عنہا نے دربار نبوت میں حاضر ہو کر واقعہ عرض کیا۔ تو آپ ﷺ نے فرمایا تو واپس جا میں انتظار کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کیا فیصلہ فرماتے ہیں۔ پس یہ آیت اتری۔ تو آپ نے خالد و عرفجہ کو پیغام دیا کہ مال میں سے کچھ بھی الگ نہ کرنا۔ اللہ تعالیٰ نے عورتوں کا حصہ مقرر کر دیا۔ اور جب تک وضاحت نہ کی گئی اس وقت تک وضاحت نہ فرمائی۔ پھر یہ آیت اتری یوصیکم اللہ۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے امّ گمہ کو آٹھواں حصہ دیا اور بنات کو دو ثلث اور باقی دونوں چچا زاد بھائیوں کو (مگر ابن حبان کی روایت کے مطابق آٹھواں بیوی اور بقیہ بیٹے اور دو بیٹیوں کو)۔

وَإِذَا حَضَرَ الْقِسْمَةَ أُولُو الْقُرْبَىٰ وَالْيَتَامَىٰ وَالْمَسْكِينُ فَأَرْزُقُوهُمْ

اور جب تقسیم کرنے کے موقع پر رشتہ دار اور یتیم اور مسکین حاضر ہو جائیں

مِّنْهُ وَقُولُوا لَهُمْ قَوْلًا مَّعْرُوفًا ۝۸ وَلِيَخْشَ الَّذِينَ

تو اس مال میں سے ان کو بھی کچھ دے دو، اور ان سے اچھے طریقہ پر بات کرو، اور چاہیے کہ وہ لوگ ڈریں جو

لَوْتَرَكُوا مِنْ خَلْفِهِمْ ذُرِّيَّةً ضِعْفًا خَافُوا عَلَيْهِمْ فَلْيَتَّقُوا

اگر اپنے پیچھے ضعیف بچوں کو چھوڑ جاتے تو ان پر خوف ہوتا سو یہ لوگ اللہ سے

اللَّهِ وَلْيَقُولُوا قَوْلًا سَدِيدًا ۝۹ إِنَّ الَّذِينَ يَأْكُلُونَ أَمْوَالَ الْيَتَامَىٰ

ڈریں اور ٹھیک بات کریں، بیشک جو لوگ ظلم کے طریقے پر یتیموں کا مال کھاتے

ظُلْمًا إِنَّمَا يَأْكُلُونَ فِي بُطُونِهِمْ نَارًا ۖ وَسَيَصْلُونَ سَعِيرًا ۝۱۰

ہیں بات یہی ہے کہ وہ اپنے پیٹوں میں آگ بھرتے ہیں، اور عنقریب دہکتی ہوئی آگ میں داخل ہوں گے۔

تَفْسِيرُ آیت ۸:

وَإِذَا حَضَرَ الْقِسْمَةَ (جب تقسیم میراث کے وقت آ موجود ہوں) أُولُو الْقُرْبَىٰ (قرباندار) جو غیر وارث ہیں۔ وَالْيَتَامَىٰ وَالْمَسْكِينُ (یتیم و مساکین) اجنبی۔ فَأَرْزُقُوهُمْ (پس ان کو بطور خیرات دے دو) مِّنْهُ (اس میں سے) جو قربانداروں اور اقارب نے چھوڑا ہے۔ یہ امر استحباب کے لئے ہے۔ یہ حکم باقی ہے۔ منسوخ نہیں ہوا۔ دوسرا قول یہ ہے کہ ابتداء میں یہ لازم تھا پھر آیت میراث سے منسوخ ہوا۔

دستور کی بات:

وَقُولُوا لَهُمْ قَوْلًا مَّعْرُوفًا (اور ان کو تم دستور کی بات کہو) یعنی مناسب انداز سے معذرت اور مناسب وعدہ کرو۔ دوسرا قول یہ ہے کہ قول معروف یہ ہے خذوا بآرک اللہ لکم یہ لے لو اللہ تعالیٰ تمہیں برکت دے۔ اور یہ جو کچھ دیا گیا ہے یہ بالکل تھوڑا ہے۔ اور ہم نے دے کر احسان نہیں کیا۔

تَفْسِيرُ آیت ۹:

وَلِيَخْشَ الَّذِينَ لَو تَرَكُوا مِنْ خَلْفِهِمْ ذُرِّيَّةً ضِعْفًا خَافُوا عَلَيْهِمْ فَلْيَتَّقُوا اللَّهَ وَلْيَقُولُوا قَوْلًا سَدِيدًا (اور ڈریں وہ لوگ اگر وہ چھوڑ جائیں اپنے پیچھے چھوٹے بچے جن کے بارے میں ڈر ہو) تباہ ہو جانے کا) پس ان کو اللہ تعالیٰ سے ڈرنا

چاہیے اور اور کہیں ٹھیک بات) مراد اس سے وصی ہیں۔

اوصیاء کو نصیحت:

ان کو حکم دیا گیا کہ وہ اللہ تعالیٰ سے ڈریں اور ان یتیموں کے متعلق خوف کریں اسی طرح کا جیسا وہ اپنی اولاد کے متعلق رکھتے ہیں کہ اگر ان کو چھوٹی عمر میں چھوڑ جائیں۔ وہ اپنے نفوس میں اس حسرت کا اندازہ کریں اور اس کا تصور کریں تاکہ خلاف شفقت و مہربانی کسی بات کی جسارت نہ کریں۔

نَحْوُ: لَوْ مَا سَمِيتَ الدِّينَ كَاصِلٍ هِيَ۔ یعنی وَلِيْخَشِ الدِّينَ صَفْتَهُمْ وَحَالَهُمْ اَنَّهُمْ لَوْ شَارَفُوا اَنْ يَتْرَكَوا خَلْفَهُمْ ذَرِيَّةً ضَعُفًا وَ ذَلِكْ عِنْدَ احْتِضَارِهِمْ خَافُوا عَلَيْهِمُ الضِّيَاعَ بَعْدَهُمْ لِلذَّهَابِ كَافْلَهُمْ اَوْ لَوْ كَا جَوَابِ خَافُوا هِيَ۔ قولِ سدید کا مطلب اوصیاء کی طرف سے یہ ہے۔ کہ وہ ان یتیموں سے اسی حسن و خوبی سے بات کریں جیسا کہ وہ اپنی اولاد سے کرتے ہیں۔ یا بنی اور یا ولدی کے القاب سے آواز دیں۔

آیت ۱۰: اِنَّ الَّذِيْنَ يَأْكُلُوْنَ اَمْوَالَ الْيَتٰمٰی ظُلْمًا (بیشک جو یتیموں کا مال ظلماً کھاتے ہیں) نمبر ۱۔ ظلماً مصدر ہے موضع حال میں واقع ہے۔ نمبر ۲۔ اس حال میں کہ وہ ظلم کرنے والے ہیں۔ اِنَّمَا يَأْكُلُوْنَ فِيْ بُطُوْنِهِمْ نَارًا (بیشک وہ اپنے پیٹوں میں آگ کھاتے ہیں)

آگ کھانے کا مطلب:

یعنی وہ ایسا مال کھا رہے ہیں جو قبر سے دوزخ میں کھینچ کر لے جائے گا۔ پس گویا وہ آگ ہے۔ روایات میں ہے کہ یتیموں کا مال کھانے والا قیامت کے دن اس طرح اٹھے گا کہ دھواں اس کی قبر سے، اور اس کے منہ، ناک اور دونوں کانوں سے بھی اٹھ رہا ہو گا اس سے لوگ پہچان جائیں گے کہ یہ دنیا میں یتیم کا مال کھاتا رہا ہے۔ وَ سَيُصْلَوْنَ سَعِيْرًا (وہ عنقریب بھڑکتی آگ میں داخل ہونگے)۔

قرأت: شامی اور ابوبکر نے سَيُصْلَوْنَ پڑھا ہے۔ یعنی عنقریب وہ داخل ہونگے۔ سعیر آگ کو کہتے ہیں جس کا وصف مبہم کر دیا۔

يُوصِيكُمُ اللَّهُ فِي أَوْلَادِكُمْ لِلَّذِ كَرِمِثْلُ حَظِّ الْأُنثَيَيْنِ ۚ فَإِنْ كُنَّ

اللہ تم کو تمہاری اولاد کے بارے میں حکم دیتا ہے، لڑکے کے لئے اتنا حصہ ہے جتنے دو لڑکیوں کا ہے۔ سو اگر لڑکیاں

نِسَاءً فَوْقَ اثْنَتَيْنِ فَلَهُنَّ ثُلُثَا مَا تَرَكَ ۚ وَإِنْ كَانَتْ وَاحِدَةً فَلَهَا

دو سے زیادہ ہوں تو ان کے لئے اس مال کا دو تہائی ہے جو مرنے والے نے چھوڑا، اور اگر ایک لڑکی ہو تو اس کے لئے

النِّصْفُ ۚ وَلِأَبَوَيْهِ لِكُلِّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا السُّدُسُ مِمَّا تَرَكَ إِنْ كَانَ لَهُ وَلَدٌ ۚ

آدھا ہے، اور اس کے ماں باپ کے لئے یعنی ہر ایک کے لئے چھٹا چھٹا حصہ ہے اس مال میں سے جو مرنے والے نے چھوڑا بشرطیکہ اس کے اولاد ہو۔

فَإِنْ لَّمْ يَكُنْ لَهُ وَلَدٌ وَوَرِثَهُ أَبَوَاهُ فَلِأُمِّهِ الثُّلُثُ ۚ فَإِنْ كَانَ لَهُ إِخْوَةٌ

پس اگر اس کے لئے اولاد نہ ہو اور والدین ہی اس کے وارث ہوں تو اس کی ماں کے لئے تہائی ہے، سو اگر مرنے والے کے بھائی ہوں

فَلِأُمِّهِ السُّدُسُ مِنْ بَعْدِ وَصِيَّةٍ يُوصِي بِهَا أَوْ دَيْنٍ ۚ أَبَاؤُكُمْ وَأَبْنَاؤُكُمْ لَا تَدْرُونَ

تو اس کی ماں کے لئے چھٹا حصہ ہے۔ اس وصیت کے نافذ کرنے کے بعد جو مرنے والے نے کی ہو یا اس قرض کی ادائیگی کے بعد جو وصیت پر ہو۔ تمہارے باپ

أَيُّهُمْ أَقْرَبُ لَكُمْ نَفْعًا ۖ فَرِيضَةٌ مِّنَ اللَّهِ ۚ إِنَّ اللَّهَ كَانَ عَلِيمًا حَكِيمًا ۝۱۱

اور بیٹے ہیں تم نہیں جانتے کہ ان میں سے تم کو کون شخص نفع پہنچانے میں زیادہ قریب تر ہے یہ حصہ اللہ کی طرف سے مقرر کئے گئے ہیں۔ بے شک اللہ جاننے والا حکمت والا ہے۔

تَفْسِيرُ آيَةِ ۱۱:

يُوصِيكُمُ اللَّهُ (اللہ تعالیٰ تمہیں حکم دیتا ہے) اور تاکید کرتا ہے۔ فِي أَوْلَادِكُمْ (تمہاری اولاد کے متعلق) ان کی میراث کے سلسلہ میں۔ یہ تو اجمالاً فرمایا تفصیل آگے ہے۔ لِلَّذِ كَرِمِثْلُ حَظِّ الْأُنثَيَيْنِ (ان میں سے مذکر کے لئے حصہ دو عورتوں کے برابر ہوگا) یعنی تمہاری اولاد میں سے ضمیر راجع کو حذف کر دیا کیونکہ وہ خود سمجھ آ رہا ہے۔ یہ اس طرح ہے: السَّيْمَنُ مَنَوَانٌ بَدْرَهُم۔

لڑکے لڑکی کا حصہ:

مذکر کے حصہ سے شروع فرمایا مگر اس طرح نہیں فرمایا۔ لِلْأُنثَيَيْنِ مِثْلُ حَظِّ الذَّكَرِ یا لِلْأُنثَى نِصْفُ حَظِّ الذَّكَرِ۔ کیونکہ مرد کو فضیلت حاصل ہے۔ جیسا کہ فضیلت کی وجہ سے اس کا حصہ دو گنا کر دیا گیا۔ اور یہ وجہ بھی ہو سکتی ہے کہ وہ فقط مذکر کو وارث قرار دیتے عورتوں کو نہیں۔ اور آیت کا شان نزول بھی یہی ہے۔ دوسرا قول یہ بھی ہے کہ مذکر کے لئے یہی فضیلت کافی ہے۔ کہ عورتوں سے ان کے حصہ کو دو گنا کیا گیا ہے۔ لیکن رشتہ میں چونکہ دونوں اصناف برابر ہیں اس لئے محروم کسی کو نہ کیا جائے گا اور

یہ اس وقت ہے جبکہ دونوں صنفیں موجود ہوں یعنی جب مذکر و مؤنث دونوں قسم کی اولاد ہو۔ تو مذکر کے دو حصے ہونگے۔ اور دو لڑکیاں ہوں تو دو حصے ان کے ہو جائیں گے۔ اور اگر لڑکا ایک ہی ہو۔ لڑکی کوئی نہ ہو تو وہ کل مال کا وارث ہوگا۔ اور اگر دو لڑکیاں ہوں گی تو دو ثلث لیں گی۔ اور اس کی دلیل یہ ہے کہ اس کے بعد فقط اولاد مؤنث کا ذکر کیا۔ فَإِنْ كُنَّ نِسَاءً یعنی اگر اولاد میں صرف عورتیں ہوں۔ بیٹا نہ ہو۔ فَوْقَ اثْنَتَيْنِ یہ دوسری خبر ہے یا نساء کی صفت ہے۔ یعنی عورتیں دو سے زائد ہوں۔ فَلَهُنَّ ثُلُثَا مَا تَرَكَ (تو ان کے لئے متروکہ میت سے دو ثلث ہونگے) کیونکہ یہ آیت بسلسلہ میراث ہے۔ اس لئے تارک سے مراد میت ہی ہے۔ وَإِنْ كَانَتْ وَاحِدَةً فَلَهَا النِّصْفُ اور اگر لڑکی ایک ہی ہو تو اس کو نصف ملے گا۔ (بقیہ عصبات کی طرف چلا جائے گا) قراءت: مدنی نے کان تامہ قرار دے کر واحدة پڑھا۔ مگر نصب فان کن نساء سے زیادہ موافق ہے۔

دولڑکیوں کا حصہ:

سوال: یہاں بیٹا اور دو بیٹیوں کا حکم ذکر کیا۔ اور ایک بیٹی فقط اور دو سے زائد فقط بیٹیوں کا حکم ذکر کیا گیا۔ مگر دو بیٹیوں کا حکم ذکر نہیں کیا۔ ان کا کیا حکم ہے؟

جواب: ان کا حکم مختلف ہے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں۔ دولڑکیوں کا وہی ہے جو ایک کا ہے۔ نصف ملے گا۔ دیگر صحابہ رضی اللہ عنہم نے ان کو جماعت کا حکم دیا۔ اس آیت کے پیش نظر للذکر مثل حظ الانثیین۔ پس دو تہائی ملے گا۔ اور اس کی وجہ یہ ہے۔ جو فوت ہوا اور اس نے ایک بیٹا۔ ایک بیٹی چھوڑے۔ تو لڑکی کو ثلث اور بقیہ لڑکے کو ملے گا۔ تو ایک لڑکی کو جب ثلث ملا تو دو کو دو ثلث ملنا چاہیے۔ کیونکہ سورت کے آخر میں فرمایا۔ إِنْ امْرُؤٌ هَلَكَ لَيْسَ لَهُ وَلَدٌ وَلَهُ اخٌ فَلَهَا نِصْفُ مَا تَرَكَ وَهُوَ يَرِثُهَا إِنْ لَمْ يَكُنْ لَهَا وَلَدٌ فَانْ كَانَتَا اثْنَتَيْنِ فَلَهُمَا الثُّلُثَانِ مِمَّا تَرَكَ۔

دو ثلث سے کم نہ ہوگا:

آیت سے معلوم ہوا کہ جب دو عورتیں بہنیں ہوں تو ان کا حصہ دو ثلث سے کم نہیں ہوتا تو دولڑکیاں جو رحم و رشتہ میں میت کے بہنوں کی بنسبت قریب تر ہیں ان کا حصہ دو ثلث سے کم نہ ہونا چاہئے۔ جب دو بہنوں کے حصہ کی صراحت ہے۔ تو ان سے قریب تر کا حصہ ان سے کم نہ ہونا چاہیے۔ اور دوسری دلیل یہ ہے کہ جب ایک لڑکی کا اپنے بھائی کے ہوتے ہوئے ثلث ہے۔ تو پھر زیادہ مناسب ہے کہ اس کے لئے ثلث واجب ہو جبکہ وہ اپنی بہن کے ساتھ ہو۔ جو اس کی مثل ہے۔ اور اس کی بہن کیلئے اس کے ساتھ ہوتے ہوئے اتنا ہی حصہ ہے جتنا اس لڑکی کیلئے واجب ہے۔ اس کے بھائی کی موجودگی میں اگر ایک بہن بھائی ہوں۔ پس دو ثلث ان کے لئے لازم ہے۔ اس آیت میں اشارہ ہے کہ تمام مال مذکر کو مل جائے گا۔ جبکہ اس کے ساتھ مؤنث نہ ہو۔ کیونکہ مذکر کا حصہ دو عورتوں کے برابر برقرار دیا گیا۔ اور مؤنث ایک ہو تو اس کو نصف مال مل جاتا ہے۔ پس اس سے معلوم ہوا کہ مذکر کا حصہ نصف کا دو گنا ہے اور وہ کل مال ہے۔ وَلَا بَوَیْہِ (اور ماں باپ کیلئے) میں ضمیر میت کی طرف جاتی ہے مراد اس سے ماں باپ ہیں۔ مذکر کا ذکر تغلیباً کر دیا گیا۔ لِكُلِّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا السُّدُسُ یہ ابویہ سے بدل ہے۔ اور عامل بھی دوبارہ لائے۔

فائدہ بدل:

یہ ہے کہ اگر کہا جاتا: لا بویہ السدس (دونوں میں سے ہر ایک کیلئے چھٹا حصہ ہے) تو بظاہر مطلب یہ بنتا کہ دونوں چھٹے حصہ میں شریک ہیں اور اگر عبارت لا بویہ السدسان ہوتی تو دوسرے ان کے مابین برابری کی تقسیم اور الٹ تقسیم کا وہم ہوتا۔ اور اگر عبارت لكل واحد من ابویہ السدس ہوتی تو پھر تاکید کا فائدہ نہ حاصل ہو سکتا۔ حالانکہ یہ اجمال کے بعد تفصیل ہے۔

نحو: السدس مبتداء لا بویہ اس کی خبر۔ اور ان کے مابین بدل وضاحت کیلئے ہے۔

قراءت: حسن بِسْمِ اللَّهِ نے السدس والرُّبْعُ الثُّمْنُ الثُلُثُ تمام کو تخفیف کے ساتھ پڑھا۔

بطور فرض حصہ:

مِمَّا تَرَكَ إِنْ كَانَ لَهُ وَلَدٌ (اس ترکہ میں سے اگر اس کی اولاد ہو) یہ ولد کا لفظ مذکر و مؤنث دونوں کے لئے آتا ہے۔ اگر مذکر اولاد نہ ہو۔ بیٹی ہو تو باپ کو بطور فرض چھٹا ملتا ہے اور ذوی الفروض کے بعد باقی تمام بطور عصبہ اس کو مل جائے گا۔

ماں باپ کا حصہ:

فَإِنْ لَّمْ يَكُنْ لَهُ وَلَدٌ وَوَرِثَتْهُ أَبَوَاهُ فَلِلْمِثْلِ (اگر میت کی کوئی صلیبی اولاد نہ ہو) نہ پوتا ہو) اور ماں باپ اس کے وارث ہوں تو ماں کو ایک تہائی حصہ ملے گا) یہ حصہ متروکہ میں سے ملے گا۔ مطلب ورثہ ابوہ کا یہ ہے کہ صرف ماں باپ ہی وارث ہوں۔ کیونکہ جب ماں باپ زوجین میں سے کسی ایک کے ہوتے ہوئے وارث بنیں تو اس صورت میں ماں کو ثلث۔ فرضی حصہ زوج نکالنے کے بعد ملے گا۔ کل متروکہ کا ثلث نہ ملے گا۔ کیونکہ باپ وراثت کے حصہ کے لحاظ سے قوی تر ہے۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ جب فقط ماں باپ وارث ہوں تو باپ کو دو ثلث ملتے ہیں۔ اگر ماں کا حصہ کامل میں سے ثلث مقرر کیا جائے۔ تو اس کا حصہ باپ کے حصے تک پہنچ جائے گا۔

ایک صورت:

ایک عورت فوت ہوئی اس نے خاوند اور ماں باپ وارث چھوڑے تو زوج کو نصف اور ماں کو ثلث۔ باقی تمام باپ کو ملے گا۔ ماں نے دو حصے جمع کر لئے اور باپ کو ایک حصہ ملا۔ پس حکم پلٹ گیا کہ مؤنث کو دو مذکر کے برابر حصہ ملا۔ قراءت: فلامہ۔ ہمزہ مکسور۔ کسرہ کے جوار کی وجہ سے حمزہ اور علی رحمہما اللہ نے پڑھا۔

ایک اور صورت:

فَإِنْ كَانَ لَهُ (اگر میت کے لئے ہوں) إِخْوَةٌ فَلِلْمِثْلِ السُّدُسُ (بھائی تو اس کی ماں کو چھٹا حصہ ملے گا) جب میت کے دو بھائی اور کئی بہنیں ہوں تو ماں کو چھٹا ملے گا۔ اور ایک بھائی وہ ماں کے حصہ کو کم نہ کرے گا۔ (اور نہ ہی ایک بہن بلکہ ماں کا حصہ تہائی ہوگا) عینی علانی، اخیانی بھائی جب دو یا زیادہ ہوں تو ماں کا حصہ گھٹا کر چھٹا کر دیں گے۔

فرض و وصیت مقدم:

مِنْ بَعْدِ وَصِيَّةٍ (وصیت کے بعد) یہ میراث کی تمام تقسیم جو گزری اس سے متعلق ہے۔ کہ یہ ورثاء میں تقسیم مال وصیت کے نکالنے کے بعد ہوگی۔ گویا اس طرح فرمایا۔ قسمة هذه الانصباء۔ کہ یہ تقسیم حصص وصیت کے بعد ہوگی۔ یوصیٰ بہا (جو میت وصیت کر جائے)

قراءت: یوصیٰ بہا کو یوصیٰ بُھا کی شامی اور حماد نے پڑھا۔ اور یحییٰ و اعشیٰ نے یہاں یوصیٰ پڑھا۔ اور حفص نے دوسرے میں یوصیٰ پڑھا کیونکہ یُوْرَثُ کے قریب ہے اور یہاں یوصیٰ پڑھا کیونکہ یوصیکم اللہ کے جوار میں ہے۔ باقی تمام قراء نے دونوں صا د کسرہ کے ساتھ پڑھے ہیں۔ مراد میت کا وصیت کرنا ہے۔

اَوْ دَیْنٍ (یا قرض)

تقدیم دین کی حکمت:

سوال: شرع میں دَیْن وصیت پر مقدم ہے۔ مگر یہاں وصیت کو تلاوۃ دین پر مقدم کیا گیا۔

جواب: نمبر ۱۔ او کا لفظ ترتیب کے لئے نہیں۔ جیسا کہا جائے جاء نی زید او عمرو۔ تو مطلب یہ ہے۔ جاء نی احد الرجلین پس آیت میں تقدیر عبارت اس طرح ہے۔ من بعد وصیة یوصی بہا او دین ای من بعد احد ہذین الشیئین الوصیة او الدین۔ جب او کا لفظ آئے تو ترتیب معلوم نہیں ہوتی بلکہ مقدم کا مؤخر اور مؤخر کا مقدم ہونا جائز ہے۔ باقی قرض کی وصیت پر تقدیم رسول اللہ ﷺ کے اس ارشاد کے پیش نظر ہے۔ الا ان الدین قبل الوصیة اور نمبر ۲: اس وجہ سے کہ یہ میراث کے مشابہ ہے۔ اور بلا عوض دی جاتی ہے۔ پس اس کا دینا ورثاء پر گراں گزرے گا۔ اور اس کی ادائیگی میں تفریط کا خطرہ ہے کیونکہ اس کا مطالب کوئی نہیں۔ بخلاف قرض کے۔ اس کو قرض سے مقدم کیا گیا تا کہ اس کی ادائیگی میں عجلت کی جائے اور قرض ساتھ ادا کر دیا جائے۔ اباؤکم و ابناؤکم لا تدرون ایہم اقرب لکم نفعا (تمہارے باپ اور بیٹوں میں سے تمہیں معلوم نہیں کہ کون ان میں تمہارے لئے نفع میں قریب تر ہے)

نحو: اباؤکم مبتداء۔ ابناؤکم اس کا معطوف۔ لا تدرون خبر ہے۔ ایہم مبتداء۔ اقرب لکم خبر ہے۔ اور دونوں موضع نصب میں ہیں۔ عامل تدرون ہے۔ نفعا تمیز ہے۔

آیت کا مطلب:

مطلب یہ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرائض کو اپنی حکمت کے مطابق لازم کیا۔ اگر یہ تمہارے سپرد ہوتا۔ تو تمہیں معلوم نہ ہوتا کہ کون تمہارے لئے زیادہ فائدہ مند ہے۔ پس تم اموال کو بغیر حکمت کے تقسیم کرتے۔ حصص میں فرق منافع کے فرق کے سبب ہے اور تم ان کا تفاوت نہیں جانتے۔ پس اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے اس کی ذمہ داری لی۔ اور تمہارے اجتہاد پر نہیں چھوڑا کیونکہ تم مقداروں کو پہچاننے سے عاجز تھے۔

وَلَكُمْ نِصْفُ مَا تَرَكَ أَزْوَاجُكُمْ إِنْ لَمْ يَكُنْ لَهُنَّ وَلَدٌ ۖ فَإِنْ كَانَ

اور تمہارے لئے اس مال میں سے آدھا ہے جو تمہاری بیویاں چھوڑ جائیں اگر ان کے اولاد نہ ہو، سو اگر

لَهُنَّ وَلَدٌ فَلَكُمْ الرُّبْعُ مِمَّا تَرَكَنَ مِنْ بَعْدِ وَصِيَّةٍ يُوَصِّينَ بِهَا

ان کے اولاد ہو تو تمہارے لئے اس مال کا چوتھائی ہے جو کچھ انہوں نے چھوڑا، اس وصیت کے نافذ کرنے کے بعد جو وہ وصیت کر گئیں

أَوْ دَيْنٍ ۚ وَلَهُنَّ الرُّبْعُ مِمَّا تَرَكَتُمْ إِنْ لَمْ يَكُنْ لَكُمْ وَلَدٌ ۚ فَإِنْ

اور اس قرض کی ادائیگی کے بعد جو ان کے ذمہ ہے، اور ان کے لئے اس مال کا چوتھائی ہے جو تم نے چھوڑا اگر تمہارے اولاد نہ ہو، سو اگر

كَانَ لَكُمْ وَلَدٌ فَلَهُنَّ الثُّمْنُ مِمَّا تَرَكَتُمْ مِنْ بَعْدِ وَصِيَّةٍ يُوَصُّونَ

تمہارے اولاد ہو تو ان کے لئے آٹھواں ہے اس میں سے جو تم نے چھوڑا، اس وصیت کے نافذ کرنے کے بعد جو تم وصیت کر گئے

بِهَا أَوْ دَيْنٍ ۚ

ہو، یا قرض کی ادائیگی کے بعد جو تمہارے ذمہ ہو۔

جملہ معترضہ:

یہ جملہ معترضہ مؤکدہ ہے۔ اس کی اعرابی حیثیت کوئی نہیں۔ فَرِيضَةٌ یہ فعل محذوف کا مصدر مؤکدہ ہے۔ ای فرض ذلك فرضاً۔ مِّنَ اللّٰهِ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيْمًا حَكِيْمًا (یہ اللہ تعالیٰ نے مقرر فرمایا۔ بیشک اللہ علم والے حکمت والے ہیں) اشیاء کو پیدا کرنے سے پہلے جانتے ہیں۔ اور جو فرض مقرر کیے اور میراث کی تقسیم کی اس میں حکمت برتنے والے ہیں۔

تَفْسِيْرُ آيَةِ ۱۲:

وَلَكُمْ نِصْفُ مَا تَرَكَ أَزْوَاجُكُمْ (تمہارے لئے نصف ہے جو چھوڑا تمہاری بیویوں نے) إِنْ لَمْ يَكُنْ لَهُنَّ وَلَدٌ (اگر ان کی اولاد نہ کریا مؤنث نہ ہو) فَإِنْ كَانَ لَهُنَّ وَلَدٌ (اگر ان بیبیوں کے کچھ اولاد ہو تو) اگر ان کی تم میں سے اولاد ہو یا اور کسی خاوند سے ہو۔

میاں بیوی کی وراثت:

فَلَكُمْ الرُّبْعُ مِمَّا تَرَكَنَ مِنْ بَعْدِ وَصِيَّةٍ يُوَصِّينَ بِهَا أَوْ دَيْنٍ۔ وَلَهُنَّ الرُّبْعُ مِمَّا تَرَكَتُمْ إِنْ لَمْ يَكُنْ لَكُمْ وَلَدٌ فَإِنْ كَانَ لَكُمْ وَلَدٌ فَلَهُنَّ الثُّمْنُ مِمَّا تَرَكَتُمْ مِنْ بَعْدِ وَصِيَّةٍ يُوَصُّونَ بِهَا أَوْ دَيْنٍ (اور ان کے ترکہ میں تمہارا چوتھائی ہے۔ ان کی وصیت اور قرض ادا کرنے کے بعد اور ان تمام عورتوں کے لئے چوتھائی ہے جو تم نے ترکہ چھوڑا۔ اگر تمہاری اولاد نہ ہو۔ اگر

وَإِنْ كَانَ رَجُلٌ يُورَثُ كَلَلَةً أَوْ امْرَأَةً وَلَهُ أَخٌ أَوْ أُخْتُ فَلِكُلِّ وَاحِدٍ

اور اگر مرد نے والا کوئی مرد یا کوئی عورت ہو جس کو مورث بنایا جا رہا ہو اور حال یہ ہے کہ اس کے ماں باپ میں سے کوئی نہ ہو اور نہ کوئی بیٹا بیٹی ہو اور نہ پوتا پوتی ہو اور اس نے کوئی بھائی یا بہن

مِنْهُمَا السُّدُسُ ۚ فَإِنْ كَانُوا أَكْثَرَ مِنْ ذَلِكَ فَهُمْ شُرَكَاءُ فِي الثُّلُثِ مِنْ بَعْدِ

چھویں ہو تو ان میں سے ہر ایک کے لئے چھٹا حصہ ہے، سو اگر بھائی بہن ایک سے زیادہ ہوں تو وہ سب تہائی مال میں شریک ہوں گے اس وصیت کے

وَصِيَّةٍ يُوصِي بِهَا أَوْ دَيْنٍ ۚ غَيْرُ مُضَارٍّ ۚ وَصِيَّةً مِّنَ اللَّهِ ۖ وَاللَّهُ

نافذ کرنے کے بعد جس کی وصیت کی گئی ہو اور ادائے قرض کے بعد۔ اس حال میں کہ نقصان پہنچانے کی نیت نہ کی ہو۔ یہ حکم اللہ کی طرف سے ہے اور اللہ

عَلِيمٌ حَلِيمٌ ﴿۱۲﴾

تعالیٰ علیم ہے اور حلیم ہے۔

تمہاری اولاد موجود ہو تو تمہاری بیویوں کا تمہارے ترکہ میں سے آٹھواں ہے۔ تمہاری وصیت کرنے کے بعد یا قرض ادا کرنے کے بعد (ایک بیوی اور چار بیویاں ربع اور ثمن میں برابر ہونگی۔ خاوند کی میراث کو زوجہ سے دو گنا قرار دیا کیونکہ آیت للذکر مثل حظ الانثیین اس پر دلالت کرتی ہے۔

کلالہ کی میراث:

وَإِنْ كَانَ رَجُلٌ (اور اگر کوئی آدمی میت) يُورَثُ (جس کی وراثت تقسیم کی جا رہی ہو) یہ وِثْرٌ سے ہے۔ کَلَلَةً (کلالہ ہو) کلالہ وہ ہے جس کی نہ اولاد ہو نہ والد۔

نَحْوُ: (۱) رَجُلٌ کَانَ کا اسم ہے۔ یورث، رجل کی صفت ہے اور کلالہ یہ کان کی خبر ہے۔ اگر کوئی آدمی جس کی وراثت تقسیم ہو رہی ہے وہ کلالہ ہو۔ کہ اس کی نہ اولاد ہو نہ والد۔ (۲) یَا یُورَثُ۔ کان کی خبر ہے۔ اور کلالہ یورث کی ضمیر سے حال ہے۔ کلالہ جس نے والد و ولد نہ چھوڑا ہو یا پیچھے رہنے والوں میں نہ والد ہو نہ ولد وہ کلالہ کہلاتے ہیں۔ اصل میں یہ لفظ مصدر ہے اور کلال کے معنی میں آتا ہے۔ اور کلال کا معنی ہے تھک کر عاجز آنا۔ اَوْ امْرَأَةٌ یہ رجل پر عطف ہے۔ وَلَهُ أَخٌ أَوْ أُخْتُ (یا عورت کلالہ ہو اور اس کا بھائی یا بہن ہو) یہاں بالاتفاق اخیا فی بھائی مراد ہیں۔

ضمیر مفرد کی وجہ:

سوال: مرد و عورت دونوں کا تذکرہ ہوا۔ مگر ضمیر مفرد مذکر کی لائی گئی۔

جواب: مفرد ضمیر کی وجہ او ہے جو احد الشیین کے لئے آتا ہے۔ یا مذکر اس لئے لائے کیونکہ ضمیر رجل کی طرف راجع ہے اور وہ مذکر ہے اور ابتدائے کلام اسی نے ہے۔ یا دونوں میں سے احد ہما کی طرف لوٹے گی اور وہ مذکر ہے۔ فَلِكُلِّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا

السُّدُسُ فَإِنْ كَانُوا أَكْثَرَ مِنْ ذَلِكَ فَهُمْ شُرَكَاءُ فِي الثُّلُثِ (پس ان میں سے ہر ایک کے لئے چھٹا حصہ ہے۔ اگر وہ ایک سے زیادہ ہوں تو وہ ثلث میں شریک ہونگے حصہ میں مرد و عورت برابر ہونگے۔ کیونکہ ان کو قرابت اُم کی وجہ سے حصہ ملا ہے اور ماں ایک ثلث سے زیادہ کی وارث نہیں ہوتی۔ اسی لئے مذکر و مؤنث پر فضیلت حصہ میں حاصل نہ ہوگی۔ مِنْ بَعْدِ وَصِيَّةٍ يُوصِي بِهَا أَوْ ذَيْنِ (وصیت کے پورا کرنے کے بعد جو میت کی طرف سے کی جائے یا قرض کی ادائیگی کے بعد) یہ وصیت و دین کو دوبارہ لایا گیا۔ کیونکہ موصی مختلف ہیں۔ اول تو اولاد و والدین ہیں اور ثانی زوجہ اور ثالث زوج اور چوتھا کلالہ۔ غَيْرَ مُضَارٍّ (وہ نقصان نہ پہنچانے والا ہو) اپنے ورثاء کو۔ یعنی وصیت کرنے والا زیادتی کرنے والا نہ ہو وہ اس طرح کہ ثلث سے زائد کی وصیت کر جائے۔ یا وارث کے لئے وصیت کر جائے۔ وَصِيَّةً مِّنَ اللَّهِ (یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے وصیت ہے)

نَحْوِ: یہ مصدر مؤکد ہے۔ یعنی وہ تمہیں اس بات کی وصیت کرتا ہے وصیت کرنا۔ غیر مضار۔ یہ حال ہے۔ وَاللَّهُ عَلِيمٌ (اور اللہ جاننے والے ہیں) اس شخص کو جو ظلم کرنے والا ہے یا وصیت میں انصاف کرنے والا ہے۔ حَلِيمٌ (وہ حلم والا ہے) ظالم کو جلد سزا نہیں دیتا۔ یہ وعید ہے۔

سوال: جنہوں نے یوصی بھا پڑھا تو ذوالحال کہاں ہے؟

جواب: اس کا فاعل مضمّر ہوگا۔ کیونکہ جب کہا: یوصی بھا تو اس سے خود معلوم ہو گیا کہ وہاں کوئی موصی ہے۔ جس طرح رجال۔ یسبح کا فاعل ہے۔ کیونکہ جب کہا گیا یسبح لہ۔ النور: ۳۶۔ تو خود معلوم ہو گیا کہ وہاں مسبح ہے جو یسبح میں مضمّر ہے۔

ورثاء کی اقسام

نمبر ۱۔ اصحاب فرائض:

یہ وہ ہیں جن کے حصے مقرر ہیں۔ مثلاً بیٹی۔ اس کا نصف ہے اور جب ایک سے زیادہ ہوں تو دو ثلث۔ اور پوتی نیچے تک۔ یہ لڑکانہ ہونے کی حالت میں بیٹی کے حکم میں ہے اس کا صلبی بیٹی کے ساتھ چھٹا حصہ ہے مگر دو صلبی بیٹیوں اور بیٹے کی موجودگی میں یہ ساقط ہو جائے گی مگر جبکہ اس کے ساتھ لڑکا ہوگا تو وہ اس کو عصبہ بنادے گا۔ ماں اور باپ کی بہنیں یہ ولد اور ولد الابن کی عدم موجودگی میں بنات کی طرح ہونگی۔ اور باپ کی بہنیں فقط یہ ماں باپ کی بہنوں کی طرح شمار ہونگی۔ جبکہ وہ موجود نہ ہوں، یہ بنت کے ساتھ مل کر یا بنت الابن کے ساتھ مل کر یہ دونوں قسمیں عصبہ بن جائیں گی۔ اور بیٹے اور پوتے کی موجودگی میں خواہ وہ نیچے جا کر ہو یہ ساقط ہو جائیں گے۔ بلکہ والد اور دادا کی موجودگی میں بھی یہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک ساقط ہو جائیں گی۔

ماں کے بیٹے:

ان میں سے ایک کے لئے چھٹا ہوگا اور ایک سے زیادہ کے لئے ثلث ہوگا۔ مذکر و مؤنث کا حصہ برابر ہوگا۔ یہ بیٹے اور پوتے کے ہوتے ہوئے نیچے تک ساقط ہو جائیں گے اسی طرح والد اور دادا کی موجودگی میں بھی ساقط ہونگے۔

باپ: بیٹے کی موجودگی میں اس کا چھٹا حصہ ہوگا۔ اسی طرح پوتے اور نیچے تک بنت کے ساتھ یا بیٹے کی بیٹی نیچے تک ہو تو چھٹا حصہ

اس کو ملے گا۔ اور باقی بھی ملے گا۔

دادا:

ماں کی عدم موجودگی میں باپ کی طرح ہے۔ مگر ماں کے ثلث کی طرف لوٹنے میں جب تک کہ باقی رہے۔

ماں:

لڑکے کے ہوتے ہوئے اس کا حصہ چھٹا ہے۔ یا پوتے کے ہوتے ہوئے۔ خواہ نیچے تک ہوں اس کا چھٹا ہے۔ یا دو بہنیں اور کئی بہنوں کی موجودگی خواہ وہ کسی جہت سے ہوں اس کا حصہ چھٹا ہوگا۔ اور جب یہ نہ ہوں تو ماں کو ثلث ملے گا اور باقی کا ثلث ملے گا جب کہ وارث زوج و والدین ہوں اور زوجین میں سے کسی ایک کا حصہ فرض ہو۔ یا زوجہ اور ابوین ہوں۔

دادی:

اس کا چھٹا حصہ ہوگا۔ اگرچہ ایک سے زیادہ ہو خواہ ماں کی طرف سے ہوں یا باپ کی طرف سے۔

قاعدہ:

قرابت والے ہوں تو دور والوں کے لئے حصہ سے روک بن جائیں گے اور ماں کے ہوتے ہوئے تمام اور باپ کے ہوتے ہوئے ابویات کا حصہ نہ ہوگا۔

زوج:

ولد کی موجودگی میں اس کا چوتھائی اور اسی طرح پوتا نیچے تک ہوں تب بھی چوتھائی ہوگا اور جب ولد وغیرہ نہ ہوں تو زوج نصف ملے گا۔

زوجہ:

ولد کے ساتھ اس کا آٹھواں اسی طرح پوتا نیچے تک کے ساتھ بھی آٹھواں ہوگا۔ اور جب یہ نہ ہوں تو چوتھائی ہوگا۔

العصبات

یہ وہ لوگ ہیں جو اہل فرائض کے بقیہ کے وارث ہوتے ہیں۔ ان عصبات کی اولاد میں ترتیب اس طرح ہوگی۔ نمبر ۱۔ بیٹا پھر بیٹی پھر نیچے تک اسی ترتیب سے۔ نمبر ۲۔ پھر باپ پھر دادا پھر اس سے اوپر تک اسی طرح۔ نمبر ۳۔ بھائی ماں باپ کی طرف سے۔ پھر باپ سے بھائی۔ نمبر ۴۔ پھر حقیقی بھتیجا پھر باپ جائے بھائی کا بیٹا۔ نمبر ۵۔ پھر چچا پھر باپ کے چچا۔ نمبر ۶۔ آزاد کردہ غلام۔ پھر اس کے عصبہ اوپر والی ترتیب کے مطابق۔

وہ عورتیں جن کا فرضی حصہ نصف اور دثلث ہے وہ اپنے بھائیوں کے ساتھ عصبہ بن جائیں گی۔ ان کے علاوہ دوسروں کے ساتھ نہ بن سکیں گی۔

تِلْكَ حُدُودُ اللَّهِ وَمَنْ يُطِيعِ اللَّهَ وَرَسُولَهُ يُدْخِلْهُ جَنَّاتٍ تَجْرِي

یہ اللہ کی حد بندیاں ہیں، اور جو شخص اطاعت کرے اللہ کی اور اس کے رسول کی اسے اللہ تعالیٰ ایسے باغوں میں داخل کرے گا جن کے نیچے نہریں

مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا وَذَلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيمُ ﴿۱۳﴾ وَمَنْ يَعْصِ اللَّهَ

جاری ہوں گی، وہ ان میں ہمیشہ رہیں گے، اور یہ بڑی کامیابی ہے، اور جو شخص اللہ کی

وَرَسُولَهُ وَيَتَعَدَّ حُدُودَهُ يُدْخِلْهُ نَارًا خَالِدًا فِيهَا مَوْلَهُ عَذَابٌ مُهِينٌ ﴿۱۴﴾

اور اس کے رسول کی نافرمانی کرے اور اس کی حدود سے آگے نکل جائے وہ اسے آگ میں داخل فرمائے گا جس میں وہ ہمیشہ رہے گا اور اس کے لئے عذاب ہے ذلیل کرنے والا۔

ذو الی الارحام

یہ ایسے اقارب ہیں۔ جو عصابات سے نہیں۔ نہ اہل فرائض سے ہیں۔ ان کی ترتیب عصابات کی طرح ہے۔

(نکتہ نادرہ: اس آیت میں وصیت و قرض کو عدم ضرر کی قید سے مشروط کیا۔ جبکہ اس سے قبل یہ قید نہیں۔ تو اس کی وجہ یہ ہے کہ قرابت تو والد اور تعلق زوجیت کا تقاضہ ہے کہ وصیت یا اقرار دین پایا جائے۔ مگر خیانی بھائی قرابت کا رشتہ نہیں رکھتے یہاں ضرر کا اندیشہ قوی ہے۔ اس لئے اس سے بچانے کی خاطر قید لگا دی۔ مترجم)

تفسیر آیت نمبر ۱۳:

تِلْكَ (یہ) اس کا مشاۃ الیہ وہ احکام ہیں جن کا تذکرہ باب الیتامی والوصایا والمواریث میں ہو چکا۔ حُدُودُ اللَّهِ (اللہ تعالیٰ کی حدود ہیں) ان کو حدود کہا۔ کیونکہ احکام شریعت حدود کی طرح ہیں۔ جو کہ مکلفین کے لئے لگائی گئیں۔ ان سے تجاوز ان کے لئے جائز نہیں ہے۔ وَمَنْ يُطِيعِ اللَّهَ وَرَسُولَهُ يُدْخِلْهُ جَنَّاتٍ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا وَذَلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيمُ (جو اللہ اور اس کے رسول کی پوری اطاعت کرے گا۔ اللہ تعالیٰ اس کو ایسی جنتوں میں لے جائے گا جن کے درختوں کے نیچے نہریں بہتی ہیں۔ وہ ان میں ہمیشہ رہیں گے یہی بڑی کامیابی ہے)

تفسیر آیت ۱۴:

وَمَنْ يَعْصِ اللَّهَ وَرَسُولَهُ وَيَتَعَدَّ حُدُودَهُ يُدْخِلْهُ نَارًا خَالِدًا فِيهَا (اور وہ جو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی نافرمانی کرے گا اور اس کی حدود سے تجاوز کرے گا اللہ تعالیٰ اس کو آگ میں داخل فرمائیں گے وہ اس میں ہمیشہ رہے گا)

لفظ و معنی کا لحاظ:

خَوْرٌ: خَالِدِينَ اور خَالِدًا کو نصب حال ہونے کی وجہ سے ہے اوپر والی آیت میں جمع لائے اور اس آیت میں مفرد لایا گیا۔

وَالَّتِي يَأْتِيَنَّ الْفَاحِشَةَ مِنْ نِسَائِكُمْ فَاسْتَشْهِدُوا عَلَيْهِنَّ أَرْبَعَةً

اور تمہاری عورتوں میں سے جو عورتیں بے حیائی کا کام کریں سو ان پر چار آدمیوں کی گواہی طلب

مِّنْكُمْ فَإِنْ شَهِدُوا فَاْمْسِكُوْهُنَّ فِي الْبُيُوتِ حَتَّىٰ يَتَوَفَّيَهُنَّ

کرو جو تم میں سے ہوں، سو اگر وہ گواہی دے دیں تو ان عورتوں کو گھروں میں روکے رکھو یہاں تک کہ اللہ ان کو موت

الْمَوْتُ أَوْ يَجْعَلَ اللَّهُ لَهُنَّ سَبِيلًا ﴿۱۵﴾ وَالَّذِينَ يَأْتِيْنَهَا مِنْكُمْ فَاذْوَهْمَا

دے دے یا ان کے لئے کوئی راہ تجویز فرما دے، اور جو بھی دو شخص تم میں سے بے حیائی کا کام کریں ان کو اذیت پہنچاؤ،

فَإِنْ تَابَا وَأَصْلَحَا فَأَعْرِضُوا عَنْهُمَا ۚ إِنَّ اللَّهَ كَانَ تَوَّابًا رَّحِيْمًا ﴿۱۶﴾

پھر اگر وہ توبہ کر لیں اور اصلاح کر لیں تو ان سے اعراض کرو۔ بلاشبہ اللہ توبہ قبول فرمانے والا مہربان ہے۔

ایک میں معنی کا لحاظ کیا جبکہ دوسرے میں لفظ کا لحاظ کیا۔

قراءت: ندخلہ دونوں مدنی اور شامی نے پڑھا ہے۔ وَلَهُ عَذَابٌ مُّهِينٌ۔ (اس کے لئے ذلت والا عذاب ہے) کیونکہ وہ ذلیل ہوگا اللہ تعالیٰ کے ہاں۔

تردید خوارج:

اس آیت کا معتزلہ و خوارج کے فاسد استدلال سے کوئی تعلق نہیں کیونکہ آیت کفار کے متعلق ہے۔ کیونکہ کافر ہی نے اللہ تعالیٰ کی تمام حدود کو پھاندا ہے۔

باقی مؤمن تو ایمان کے سبب مطیع ہے تو حید کی حدود سے تعدی کرنے والا نہیں۔ اسی لئے ضحاکؒ نے معصیت کی تفسیر شرک سے کی ہے۔ کلبی نے کہا من یعص الله ورسوله بکفره بقسمة الموارث ویتعد حدوده استحلالاً۔ کہ جس نے اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی تقسیم میراث میں کفر کے سبب کی اور اللہ تعالیٰ کی حدود کو حلال قرار دے کر توڑا۔

تفسیر آیت ۱۵:

پھر حکام کو خطاب کر کے فرمایا۔ وَالَّتِي يَأْتِيَنَّ الْفَاحِشَةَ (وہ عورتیں جو بے حیائی کا ارتکاب کریں)

نَحْوُ: وَالَّتِي يَهِيَ الْفَاحِشَةُ سے مراد زنا ہے۔ کیونکہ یہ بہت سے

قبائح سے بڑھ کر ہے۔ کہا جاتا ہے۔ آتی الفاحشه و جاءها رهقها و غشيها۔ ان تمام کا معنی ارتکاب فاحشہ ہے۔ مِنْ

نِسَاءِكُمْ (تمہاری عورتوں میں سے بعض) یہاں من جمع ہے۔ فَاسْتَشْهِدُوا عَلَيْهِنَّ (ان کے متعلق گواہی طلب کرو)

نَحْوُ: وَالَّتِي سے جملہ صلیل کر مبتداء اور فاستشہدوا اس کی خبر ہے۔ أَرْبَعَةً مِّنْكُمْ (اپنے میں سے چار) مِّنْكُمْ سے

مراد مؤمن۔ فَإِنْ شَهِدُوا (پس اگر وہ زنا کی گواہی دیں) فَأَمْسِكُوهُنَّ فِي الْبُيُوتِ (تو ان عورتوں کو گھروں میں بند کر دو) حَتَّى يَتَوَقَّعَنَّ الْمَوْتَ (یہاں تک کہ ان کو موت آجائے) الموت سے قبل مضاف محذوف ملائكة الموت جیسا کہ دوسری آیت: الَّذِينَ تَتَوَقَّعُهُمُ الْمَلَائِكَةُ (النحل: ۲۸) یا دوسرا معنی موت ان کو پکڑ لے۔ اور ان کی ارواح کو پورا پورا لے لے۔

سبیل کی وضاحت:

أَوْ يَجْعَلَ اللَّهُ لَهُنَّ سَبِيلًا (یا اللہ تعالیٰ ان کے لئے راستہ مقرر کر دے) جو اس کے علاوہ ہو۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ کنواری کے لئے وہ راہ سو کوڑے اور جلا وطنی ہے اور شیبہ کے لئے سنگسار کرنا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔ خذوا عني خذوا عني قد جعل الله لهن سبيلا۔ البكر بالبكر جلد مائة وتغريب عام والشيب بالشيب جلد مائة ورجم بالحجارة۔ (مسلم ۱۱۶۹۰ احمد ۳۱۳ جلد ۵ ابوداؤد ۴۳۱۶ ترمذی ۱۳۳۳)

مجھ سے احکام اچھی طرح سمجھ لو۔ اچھی طرح سمجھ لو۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے لئے راستہ متعین کر دیا۔ کہ کنواری لڑکی ولڑکا ان کو سو کوڑے مارے جائیں گے اور جلا وطن کیا جائے گا اور شادی شدہ جوڑے کو سو کوڑے اور سنگسار کیا جائے۔

تفسیر آیت ۱۶:

وَالَّذَانِ (اور جو نے دو شخص بھی) مراد زانی اور مزنیه ہے۔ قراءت: وَالَّذَانِ نون کی تشدید کے ساتھ کی نے پڑھا ہے۔ يَأْتِيَنَّهَا مِنْكُمْ (بے حیائی کا کام کریں تم میں سے) اس کا یعنی فاحشہ کا ارتکاب کرنے والے ہوں۔ فَأَذُوهُمَا (پس ان کو دکھ پہنچاؤ) ڈانٹ ڈپٹ کرو اور عار دلاؤ۔ اور ان کو کہو تمہیں شرم نہیں آتی تم اللہ تعالیٰ سے نہیں ڈرتے۔ فَإِنْ تَابَا (پس اگر وہ توبہ کر لیں) بے حیائی سے۔ وَأَصْلَحَا (اور اصلاح کر لیں) اور حالت کو بدل لیں۔ فَأَعْرِضُوا عَنْهُمَا (تو تم ان دونوں سے اعراض کرو) اور تو بخ و مذمت کو منقطع کر دو۔ إِنَّ اللَّهَ كَانَ تَوَّابًا رَحِيمًا (بیشک اللہ توبہ قبول کرنے والے مہربان ہیں) وہ تائب کی توبہ قبول فرماتے ہیں اور اس پر رحم بھی فرماتے ہیں۔

اولی حد زنا:

حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے فرمایا۔ زنا کی حد میں سے جو پہلی چیز نازل ہوئی وہ ایذا پہنچانا ہی تھی۔ پھر دوسرے نمبر پر قید کرنا۔ پھر تیسرے نمبر پر کوڑے لگانا اور سنگسار کرنا۔ پس نزول کی ترتیب تلاوت کی ترتیب کے خلاف ہے۔

تین اقسام حد:

خلاصہ کلام یہ ہے۔ کہ اگر دونوں شادی شدہ ہوں تو ان کی حد فقط رجم ہے اور جب کنوارے ہوں تو ان کی حد فقط کوڑے ہیں اور اگر ایک شادی شدہ اور دوسرا کنوارہ ہو تو شادی شدہ پر رجم اور کنوارے پر سو کوڑے۔